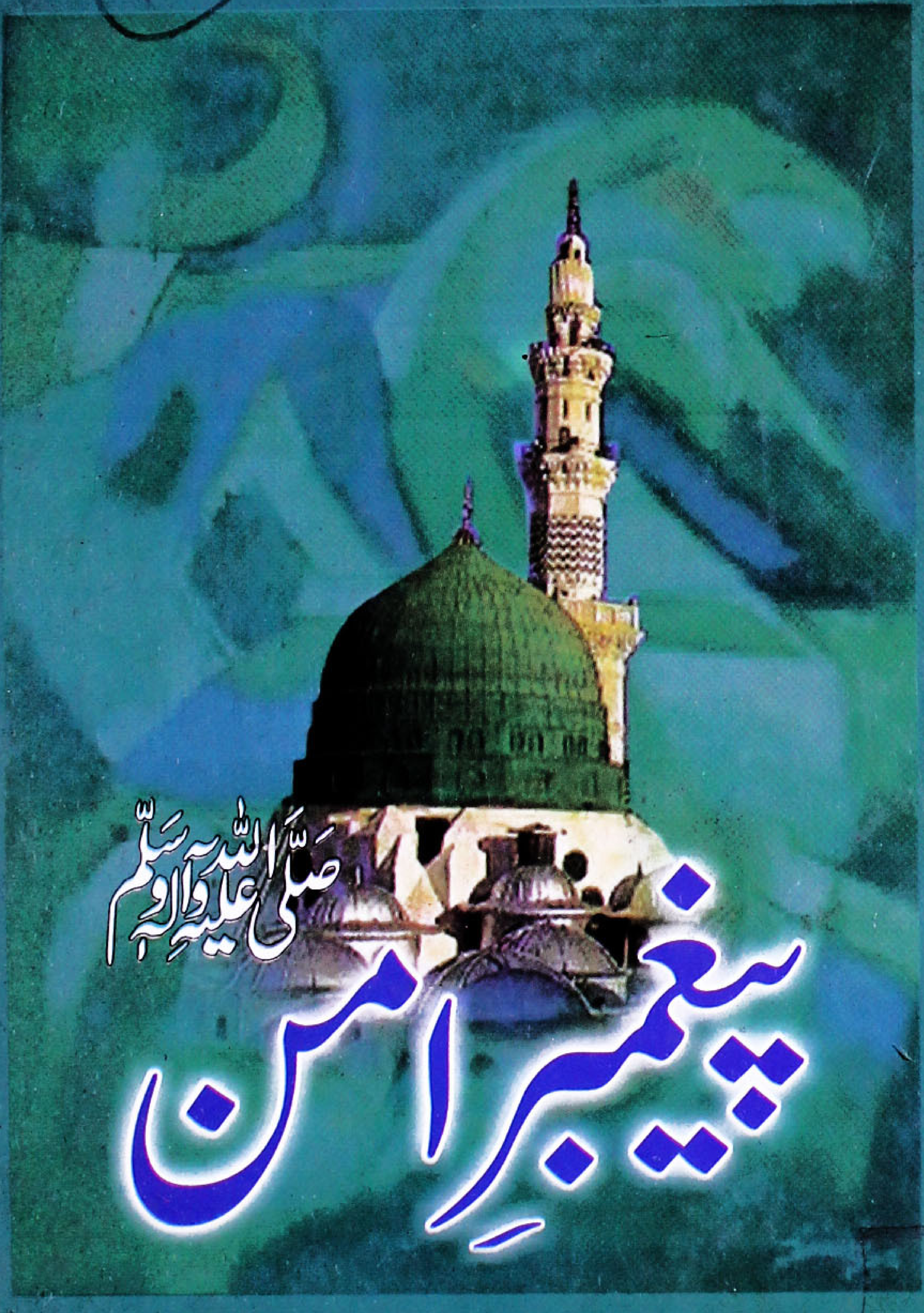

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

پیغمبرِ امن

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں امن وسلامتی کے پرچار کے لیے جو کوششیں کیں ان کو
قرآن وحدیث اور سیرت وتاریخ کے مستند حوالوں سے اجاگر کیا گیا ہے

حکیم محمود احمد ظفر

Marfat.com

پیغمبر امن صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں امن وسلامتی کے پرچار کیلئے جو کوششیں کیں ان کو قرآن وحدیث اور سیرت وتاریخ کے مستند حوالوں سے اجاگر کیا گیا ہے

حکیم محمود احمد ظفر

مکی دار الکتب

37- مزنگ روڈ، بک سٹریٹ، لاہور

042-37239138- 8460196

Marfat.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

83788

- کتاب ⇐ پیغمبر امن ﷺ
- مصنف ⇐ حکیم محمود احمد ظفر
- اشاعت ⇐ 2009ء
- مطبع ⇐ علی فرید پرنٹرز، لاہور
- برائے ⇐

مکی دارالکتب 37- مزنگ روڈ، بک سٹریٹ، لاہور

- قیمت ⇐ 640 روپے

اہتمام: محمد عباس شاد

E-mail: m_d7868@yahoo.com
Ph: 042-7239138,8460196

Marfat.com

تقدیم

پروفیسر جوڈ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ میں ایک ہندوستانی فلسفی سے اپنے تمدن کے عجائبات کی تعریف کر رہا تھا تو اس نے وہ سارے عجائبات سن کر مجھے یہ جواب دیا:

''ہاں یہ صحیح ہے کہ تم ہوا میں چڑیوں کی طرح اڑتے اور پانی میں مچھلیوں کی طرح تیرتے ہو لیکن ابھی تک تم کو زمین پر انسانوں کی طرح چلنا نہیں آیا۔''

(Guide to Modern Wickedness, p. 94)

اگر ان لوگوں کو زمین پر صحیح طریقہ سے چلنا آتا تو آج دنیا امن کا گہوارہ ہوتی۔ لیکن حالت یہ ہے اس وقت ہر طرف قتل و غارت، فتنہ وفساد، دجل وفریب اور دہشت گردی کے طوفان نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے۔ چوری، ڈکیتی، زنا، بے حیائی اور بے گناہ انسانوں کا قتل روزمرہ کا معمول بن گیا ہے۔ عالم انسانیت کا اخلاقی دیوالیہ پن اس سطح پر پہنچ گیا ہے کہ انسان چمنستان رنگ و بو کی خزاں کی زد میں آ گیا ہے۔ نیکی منہ چھپائے اپنی ناکامی پر کف افسوس مل رہی ہے جب کہ بدی تمام دنیا پر حکمران ہو کر عالم ہستی کو فسق و فجور اور غارت گری اور دہشت گردی سے بھر رہی ہے۔ نیکی اور امن نام کی کوئی چیز دنیا کے کسی کونے کھدرے میں تلاش بسیار کے باوجود نہیں مل رہی۔

آج سے چودہ سو سال قبل بھی دنیا کی حالت اس سے مختلف نہ تھی۔ اس وقت بھی چمنستان دہر کو لٹیروں کی ایک جماعت دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہی تھی اور انسانیت ان کے ظلم وستم کے آہنی پنجہ کے نیچے کراہ رہی تھی کہ خلاق عالم کو انسانیت پر رحم آیا اور اس نے اپنا ایک رسول جو سب سے آخری رسول تھا، اس دنیا میں مبعوث فرمایا۔ اس نے عالم انسانیت کو جو امن وسلامتی کی تلاش میں سرگرداں تھی، ایک ایسا قانون دیا جس نے بدامنی اور قتل و غارت کی تمام تاریکیوں کو آفتاب امن سے کافور کر دیا اور انسانیت کو جو خودکشی کے راستے پر تیزی کے ساتھ گامزن تھی، بھلائی اور برائی، خوب و زشت، نیکی اور بدی کے درمیان امتیاز کرنے کا شعور دیا۔ قرآن حکیم میں ہے:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (الروم: 41)

Marfat.com

ترجمہ: ''خشکی اور تری میں فساد ظاہر ہوگیا جو لوگوں کے ہاتھوں کی کمائی کا نتیجہ ہے تاکہ اللہ انہیں ان کے بعض اعمال کا مزہ چکھائے جو انہوں نے کیے تاکہ وہ (ہدایت کی طرف) رجوع کریں۔''

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو امن کا جو قانون دیا وہ اللہ تعالیٰ کا قانون تھا کیونکہ عقل انسانی کے تراشیدہ قوانین اور اصولِ حیات انسان کی اجڑی ہوئی بستیوں کو آباد کرنے اور ان کے دکھ درد کو ختم کرنے سے قاصر تھے۔ پھر آپ نے جو قانون اور اصول انسانیت کو دیئے ان میں ایک جامعیت تھی اور انسانی اعمال کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کے لیے اس میں کوئی حکم نہ ہو۔ وہ اخلاقی زندگی ہو یا علمی' سیاسی ہو یا معاشرتی' دینی ہو یا دنیوی' حاکمانہ ہو یا محکومانہ' وہ ہر زندگی کے لیے ایک کامل و مکمل قانون اپنے اندر رکھتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ دنیا کا آخری اور عالمگیر مذہب نہ ہو سکتا۔

اب یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر پیغمبر اسلام ﷺ امن اور سلامتی کے داعی اور حامی ہیں تو انہوں نے اپنے مخالفین سے جنگیں بھی لڑیں جب کہ امن اور جنگ باہم دو متضاد الفاظ ہیں' لیکن آپ کی کتاب زندگی کا ہر صفحہ اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ آپ نے کبھی بھی جنگ کی خود ابتداء نہیں کی بلکہ آپ نے ہر جنگ دین حق کے تحفظ اور ظلم کے خاتمہ کے لیے لڑی ہے نہ کہ ذاتی اور قبائلی تحفظ کے لیے۔ کیونکہ ایک پیغمبر کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ حق کو نہ صرف پھیلائے بلکہ اس کی بالادستی بھی دنیا میں قائم کرے (لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ) اس اعلیٰ مقصد کے لیے اس نے بڑی بڑی تکلیفیں بھی اٹھائیں اور سنگ باری کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ تین سال شعب بنی ہاشم میں بھوک و پیاس اور قید و بند کو بھی برداشت کیا' لیکن بامر مجبوری پھر اس نے بدر و حنین اور خندق و خیبر میں اپنی تلوار کو بھی بے نیام کیا اور کرنا بھی چاہیے تھا کیونکہ دنیا کا کوئی قانون یہ نہیں کہتا کہ تم ظلم و ستم برداشت کرتے رہو اور ظالم کا ہاتھ نہ پکڑو۔ قرآن حکیم نے جہاں بھی جنگ و قتال کے لیے کہا ہے وہاں ''فی سبیل اللہ'' کی قید لگا دی ہے۔ اور ''یہ فی سبیل اللہ'' کی قید جو بار بار لگائی جا رہی ہے' یہ بے معنی نہیں بلکہ بہت ہی پر معنی ہے۔ اس قید نے اسلامی جہاد و قتال کا فرق دنیا کی دوسری تمام جنگوں اور قبائلی محاربات سے واضح کر دیا۔ اس نے وضاحت کے ساتھ بتا دیا کہ ایک سچا مسلمان جب اپنے ابنائے جنس پر ہاتھ اٹھائے گا تو توسیع ملک کے لیے نہیں' قومی تفوق کے لیے نہیں' تجارتی منڈیاں قائم کرنے کے لیے نہیں' دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے نہیں' دوسروں پر اپنی برتری ثابت کرنے کے لیے نہیں' رشک و ہوس اور جاہ پرستی کے جذبات سے متاثر ہو کر نہیں بلکہ دنیا کے بلند ترین' انسانیت کے برتر نصب العین' عدل کے قیام' ظلم کے خاتمہ' کلمۂ توحید کی برتری اور سربلندی کے لیے۔ رنگ و نسل' مرز بوم' قوم' وطن اور قبیلہ کی عزت و حمیت پر کٹ مرنے والے' اسلامی نقطۂ نظر کی بلندی کو سمجھ بھی سکتے

Marfat.com

ہیں؟ اسلامی جہاد جب تک اسلامی جہاد رہا' کیا وہاں بھی کسی لشکر کے لیے ہزاروں من اور سینکڑوں ٹن شرابوں کی ضرورت پڑی؟ کیا اس لشکر میں بھی سوزاک و آتشک کے سینکڑوں ہزاروں مریض سپاہیوں اور افسروں کے لیے امراضِ خبیثہ کے مخصوص ہسپتالوں کا انتظام کرنا پڑا؟ مسلمان سپاہی کے سینے میں تو یہ ایمان زندہ رہتا ہے کہ اسے ایک ایک قدم کا حساب دینا ہے۔ کبھی اس کا قدم ان گندے راستوں پر پڑ بھی سکتا ہے؟ (تفسیر ماجدی' ص 202' تاج کمپنی)

یہ تو ایک مسلمان مفسر قرآن جو جدید وقدیم علوم سے آشنا تھے' کی شہادت ہے لیکن ایک غیر مسلم دانشور کیرن آرمسٹرانگ (Karen Armstrong) نے بھی اسلامی جنگوں کے بارہ میں اپنے جذبات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔ وہ لکھتی ہیں:

''اسلام کسی صورت بھی ایسی جارحانہ جنگ کی اجازت نہیں دیتا جس میں انسانیت کی تباہی مقصود ومضمر ہو۔ اسلام نے جنگ ناگزیر ہونے کو تسلیم کیا ہے۔ بعض اوقات جنگ ظلم وتعدی کے سدِ باب کے لیے فرض عین ہو جاتی ہے۔ اسلام نے جنگ کو آزاد نہیں چھوڑا بلکہ قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ جنگ اپنی حدود میں رہ کر لڑی جائے' اور جہاں تک ممکن ہو انسانی اور اخلاقی اقدار کو پیش نظر رکھا جائے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ صرف کفار مکہ سے لڑنا تھا بلکہ مدینہ میں آباد یہودی قبائل اور شام کے ان عیسائی قبائل سے بھی برسرپیکار ہونا تھا جو یہود سے ساز باز کر کے آپؐ کے خلاف جارحانہ اقدام کرتے تھے۔ لیکن اس صورت حال میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اہل کتاب سے چشم پوشی نہیں کی۔ جب آپؐ نے اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہؓ کو عیسائیوں کے خلاف جنگ کرنے کے لیے مسلمان لشکر کا امیر بنا کر بھیجا تو آپ نے انہیں فی سبیل اللہ مردانہ وار لڑنے کے ساتھ انسانی اقدار کی پاسداری کا حکم دیا۔ انہیں نہ تو پادریوں' راہبوں اور راہبات پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت تھی اور نہ ان ناتواں اور بے سہاروں اور معذوروں پر جو لڑنے کے قابل نہ ہوں' نہ تو امن پسند شہریوں کا قتل ہوگا اور نہ وہ کسی درخت یا عمارت ہی کو نقصان پہنچائیں گے۔'' (Karen Armstrong, Holy War, P. 25)

آج جو لوگ اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر جنگوں کے بارہ میں انگشت نمائی کرتے ہیں' ان کو یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مدنی زندگی کے دس سالہ دور میں جتنی جنگیں لڑیں ان میں دونوں فریقوں کے جو لوگ مقتول ہوئے ان کی تعداد صرف 440 ہے۔ ان میں اگر آپ چاہیں تو ان چھ سات سو یہودیوں کو بھی شمار کر لیں جنہیں قتل کرنے کا حکم سیدنا سعد بن معاذؓ نے دیا تھا جنہیں خود یہودیوں نے اپنا حاکم تسلیم کیا تھا۔ اور یہ حکم انہوں نے تورات سے

Marfat.com

مطابق دیا تھا۔ اب یہ تعداد کوئی ہزار گیارہ سو بنتی ہے۔ اتنی قلیل قربانیوں کے بعد جو انقلاب آیا اس نے نہ صرف نوع انسانی کو فائدہ پہنچایا بلکہ اس نے تاریخ کا دھارا بدل کر رکھ دیا۔ اس کے مقابلہ میں یورپ میں دو عظیم جنگیں لڑی گئیں۔ پہلی جنگ عظیم میں تہتر لاکھ بتیس ہزار آدمی لقمۂ اجل بنے جب کہ دوسری جنگ عظیم میں چار کروڑ گیارہ لاکھ ترانوے ہزار انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ ان دونوں جنگوں کا سوائے تباہی اور بربادی کے انسانیت کو اور کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ البتہ یہ فائدہ ضرور ہوا ہے کہ تیسری جنگ عظیم کے لیے انسانیت کی تباہی و بربادی کے جو جوہری ہتھیار بنائے گئے ہیں ان کی تعداد کم و بیش پچاس ہزار ہے۔ اگر یہ تیسری جنگ عظیم ہوگئی تو ایک روز میں لاکھوں کروڑوں انسان ان جوہری ہتھیاروں اور ایٹم بموں کا نشانہ بنیں گے۔ دوسری جنگ عظیم میں ایک چھوٹا سا ایٹم بم ہیروشیما (جاپان) پر پھینکا گیا اور تین روز بعد دوسرا بم ناگاساکی (جاپان) پر پھینکا گیا۔ ہیروشیما میں آنِ واحد میں ستر ہزار انسان ہلاک ہوئے جبکہ ناگاساکی میں تیس ہزار اور اتنے ہی زخمی ہوئے۔ ان دونوں شہروں پر گرائے گئے بموں کی ہلاکت خیزی کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ان میں ایک بم یورینیم 235 اور دوسرے پلوٹونیم 239 کی توانائی 33500 پونڈ دھماکہ خیز مواد کی توانائی کے برابر تھی۔

یہ ایک مختصر سی جھلک تھی ان ہلاکتوں کی جو ان دو عظیم جنگوں میں ہوئیں اور بالکل ناحق ہوئیں اور ان جنگوں کا کوئی مقصد نہیں تھا لیکن اسلام کی جنگیں بامقصد تھیں۔ ان سے انسانیت کو بہت فائدہ پہنچا اور دنیا امن کا گہوارہ بن گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی دفعہ دنیا کو ایک فلاحی مملکت کا تصور دیا جس کو سیدنا عمر فاروقؓ نے اس قدر وسعت دی کہ لوگ آج بھی ان کے نظم حکومت کو یاد کرتے ہیں۔

اس کتاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں امن و سلامتی کے پرچار کے لیے جو کوششیں کیں ان کو قرآن و حدیث اور سیرت و تاریخ کے مستند حوالوں سے اجاگر کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ آپ کی ان کوششوں نے دنیا میں ایسا امن قائم کیا کہ ایک عورت حیرہ سے اکیلی چل کر کعبہ کے طواف کے لیے آتی لیکن کوئی شخص اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھتا۔

مجھے پوری امید ہے کہ قارئین میری اس کوشش کی تحسین فرمائیں گے اور اگر اس میں کوئی خامی نظر آئے تو اس کی نشاندہی فرما کر احقر کو مطلع فرمائیں گے۔

دعا کا طالب

حکیم محمود احمد ظفر۔ سیالکوٹ

مورخہ 5 دسمبر 2009ء مطابق 16 ذی الحجہ 1430ھ

فون: 0300-6106968

Marfat.com

فہرست

- تقدیم ____ 25
- دورِ جاہلیت ____ 49
- جاہلیت ہے کیا؟ ____ 59
  - ایرانی سلطنت کی حالت 63
  - رومی سلطنت کی حالت 73
  - ہندوستان اور چین کی حالت زار 81
- دنیا کا عمومی جائزہ ____ 85
  - جزیرہ نما عرب 87
  - بت پرستی 87
  - بت پرستی کا آغاز کیسے ہوا؟ 88
  - عربوں کے مشہور بت 91
  - بتوں کے بارے میں عربوں کا عقیدہ 98

Marfat.com

- دین ابراہیمی میں تبدیلی 101

- مکۃ المکرمہ ________ 109

- بعثت نبوی ________ 112

- نسب نامہ 113
- نام نامی 118
- رضاعت 129
- شق صدر 134
- ایک اشکال اور اس کا جواب 136
- سیدہ آمنہ کا انتقال 136
- خواجہ عبدالمطلب کی سرپرستی اور کفالت 137

- زبیر بن عبدالمطلب کی جانشینی ________ 139

- ایک اشکال اور اس کا جواب 145

- بچپن سے جوانی تک ________ 150

- حرب فجار 151
- حلف الفضول 152

- گلہ بانی اور تجارت ________ 154

Marfat.com

- سیدہ خدیجہ سے نکاح 157
- بیت اللہ کی تعمیر 160
- حراء میں قیام 162

- وحی کا نزول ________ 167
- پہلی وحی تمام قرآن کا خلاصہ 172

- ایک نئی قسم کی پریشانی ________ 174
- آغوشِ اسلام میں 175
- اشرافِ مکہ کی گھبراہٹ اور پریشانی 176
- سب سے پہلا مسلمان 178

- دارارقم میں ________ 180
- سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام 182
- دعوتی جدوجہد 183
- ضماد ازدی رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام 184

- پہاڑی وعظ ________ 186
- قریشِ مکہ کی پریشانی 188

Marfat.com

- مسلمانوں پر اذیتوں کی بارش 189
- قریشِ مکہ کی الجھن 190

- سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام ______ 194
- سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام ______ 196
- طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام ______ 202
- ہجرتِ حبشہ اولیٰ ______ 205
- ہجرتِ حبشہ ثانیہ ______ 208
  - سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ارادۂ ہجرت 208
  - حبشہ میں قریش کی سفارت 209
- سوشل بائیکاٹ ______ 212
- غم کا سال ______ 216
  - سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال 218
- پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم طائف میں ______ 220
  - طائف سے واپسی 223
- مکہ میں داخلہ ______ 225
- دعوتی جدوجہد میں مصروفیت ______ 227

Marfat.com

- تجارتی منڈیوں میں فریضہ تبلیغ 228
- اسراء اور معراج ________ 230
- معراج کی تفصیل 231
- قریش کی خندہ زنی 235
- اسلام مدینہ میں ________ 236
- بیعتِ عقبہ اولیٰ ________ 239
- مدینہ میں اسلام کا پھیلاؤ ________ 240
- مدینہ میں جمعہ کا انعقاد 241
- بیعتِ عقبہ ثانیہ ________ 242
- بارہ نقیب 246
- ہجرتِ مدینہ کا آغاز ________ 248
- قریش کی گھبراہٹ 251
- قریش کی پریشانی اور ڈائرکٹ ایکشن ________ 252
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت ________ 255
- پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ کی راہ پر ________ 261
- ام معبد کے ہاں قیام 262

Marfat.com

◆ مدینہ میں خوشی کی لہر ____ 265
◆ رسول اللہ ﷺ مدینہ میں ____ 269
• مسلمان اور مدینہ طیبہ 269
• انصارِ مدینہ سے مواخات 271
◆ مسجد نبوی کی تعمیر ____ 274
• حجرات برائے امہات المومنین رضی اللہ عنہن 277
• مدینہ کے لیے دعا 277
◆ میثاقِ مدینہ ____ 279
◆ سنہ ۲ھ ____ تحویل قبلہ ____ 295
• تحویل قبلہ پر یہودیوں کی برہمی 297
◆ اذنِ جہاد ____ 299
◆ غزوات وسرایا ____ 310
• سریہ حمزہ رضی اللہ عنہ 310
• غزوہ ابواء 311
• غزوہ بواط 312

Marfat.com

- غزوہ ذوالعُشیرہ 312
- سریۂ نخلہ 313

◆ غزوہ بدرالکبریٰ ________________ 329

- اسباب ووجوہات 330
- ابوسفیان کی ہوشیاری 340
- عاتکہ بنت عبدالمطلب کا خواب 342

◆ یہود کی عہد شکنی ________________ 350

- یہود کا ابتدائی دور 351
- یہودانِ عرب کی تاریخ 355
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری سے پہلے یہودی پوزیشن 356
- غزوہ بنی قینقاع 362
- غزوہ سویق 368
- واقعاتِ متفرقہ 371

◆ سنہ ۳ھ ________________ 373

- کعب بن اشرف کا قتل 373

Marfat.com

- سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ 379

- غزوۂ احد ______ 382
- خواتین قریش کی شرکت 384
- مدینہ میں اطلاع 385
- اسلامی لشکر کی مدینہ سے روانگی 390
- منافقین کی لشکر اسلام سے علیحدگی 391
- جبل احد 393
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایمان افروز خطبہ 395
- اسلامی لشکر کی صف بندی 398
- قریش کے لشکر کی ترتیب و تنظیم 402
- آغازِ جنگ 403
- عام جنگ 406
- سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت 408
- غسیل الملائکہ 410
- عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ کا شوق شہادت 411

Marfat.com

- تیراندازوں کی بہادری 412
- ایک خوفناک غلطی 414
- پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دشمنوں کے نرغہ میں 418
- جستجو 428
- آخری حملہ 433
- عورتوں کی میدان جنگ میں آمد 434
- گھاٹی میں استراحت 435
- ابوسفیان کی آواز 435
- لشکر قریش کی واپسی 437
- زخمیوں کی خبر گیری 437
- تجہیز و تکفین 439
- تدفین 444
- دعا 445
- مدینہ طیبہ کو واپسی 447
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں 449

Marfat.com

- معافی 450
- ذاتِ اقدس پر حملہ آوروں کا انجام 453
- غزوہ حمراء الاسد 454
- واقعات متفرقہ 459

- سنہ ۴ھ ________________________ 461
  - سریہ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ 462
  - سریہ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ 462
  - حادثہ رجیع 463
  - بیئر معونہ کی لرزہ خیز داستان 470
  - بنونضیر کی جلاوطنی 475
  - غزوہ بدر دوم 487
  - واقعات متفرقہ 488

- سنہ ۵ھ ________________________ 490
  - غزوہ دومتہ الجندل 490
  - غزوہ بنی المصطلق 491

Marfat.com

- منافقین کی فتنہ پردازی 494
- منافقین کی اس غزوہ میں شرکت کی وجہ 498
- واقعہ افک کی تخلیق 500

◆ غزوۂ احزاب ________________ 509

- غزوہ بنو قریظہ 529
- سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی شہادت 536
- ایک شبہ اور اس کا ازالہ 538
- واقعات متفرقہ 539

◆ سنہ ٦ ھ ________________ 541

- سریہ محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ 541
- غزوہ بنو لحیان 543
- غزوہ ذی قرد 544

◆ معاہدۂ حدیبیہ ________________ 546

- بیعت رضوان 556
- مقام صدیقیت 561

Marfat.com

- معاہدہ حدیبیہ کے اثرات 567
- معاہدۂ حدیبیہ کے بعد 571

◆ بادشاہانِ عالم اور امراء کے نام خط ______ 572

◆ غزوۂ خیبر ______ 597

- خیبر کو روانگی 598
- قلعہ ناعم کی فتح 604
- قلعہ صعب بن معاذ کی فتح 608
- قلعہ زبیر کی فتح 609
- قلعہ ابی کی فتح 609
- قلعہ نزار کی فتح 610
- وطیح اور سلالم کی فتح 610
- غنائم کی تقسیم 612
- سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے شادی 616
- آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دینے کا واقعہ 617
- یہود کے باقی تین مراکز 617

Marfat.com

- یہود کا انجام 619
- مدینہ کو واپسی 620
- غزوۂ خیبر میں شرعی احکام کا نفاذ 620
- غنیمت میں خیانت کی ممانعت 620
- گدھوں کی حرمت 621
- متعہ کی حرمت کا اعلان 622
- متعہ کیا تھا؟ 623
- فضائل متعہ 625
- متعہ .... ایران کی سنجیدہ سوسائٹی کی نظر میں 630
- رضائے خداوندی کے لیے متعہ کی نذر ماننا 632
- سفر میں متعہ 632
- کاروبار متعہ کی ایجنسیاں 634
- شراب نوشی کی ممانعت 635
- شراب کا نظام ہضم پر اثر 637
- شراب کا جگر پر اثر 638

Marfat.com

- شراب کے دورانِ خون پر اثرات 639
- شراب کا اعصابی نظام پر اثر 641
- شراب کے معاشرے پر اثرات 641
- اسلام میں شراب نوشی کی حرمت 642
- شراب کی تعریف 643
- تحریم شراب کے بارے میں قرآنی نصوص 644
- شرابی پر لعنت 651
- شراب سے علاج کرنا بھی جائز نہیں 652
- غزوہ ذات الرقاع 653
- عمرۃ القضاء 655
- سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام 661
- معرکہ موتہ 666
- سریہ ذات السلاسل 675

غزوہ الفتح الاعظم ______ 678

- قرارداد حدیبیہ کی خلاف ورزی 680

Marfat.com

- جنگ کے بارے میں راز داری 684
- مکہ کی راہ میں 688
- مرالظہران میں پڑاؤ 690
- مرالظہران سے روانگی 695
- اسلامی لشکر مکہ میں 697
- مسجد حرام میں داخلہ 700
- قریش کو تشویش 706
- ناقابل معافی جرم 706
- اسلامِ ابی قحافہ 708
- اسلامِ سہیل بن عمرو 709
- اسلامِ صفوان بن امیہ 709
- مستورات سے بیعت 710
- دوسرے دن کا خطبہ 711
- وفود وسرایا 713

- غزوہ حنین ______ 717

Marfat.com

- غزوہ طائف 726
- مالِ غنیمت کی تقسیم 730
- بنو ہوازن کے وفد کی آمد 733
- واقعات متفرقہ 736

◆ سنہ ۹ھ ____ 737

- عمال کی روانگی 737
- سریہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ 738
- کعب بن زہیر کا قبولِ اسلام 740

◆ غزوۂ تبوک ____ 742

- چندہ کی اپیل 746
- تبوک روانگی 750
- واپسی 753
- متخلفین 754
- ابوبکر رضی اللہ عنہ امیر الحج کی حیثیت سے 759
- واقعات متفرقہ 761

83788

Marfat.com

◆ عام الوفود ______ 763

◆ (۱) وفد ہوازن 764

◆ (۲) وفد بنو ثقیف 765

◆ (۳) وفد عبد القیس 769

◆ (۴) وفد بنو حنیفہ 769

◆ (۵) وفد اشعریین 770

◆ (۶) وفد ہمدان 771

◆ (۷) وفد تجیب 772

◆ (۸) وفد نجران 773

◆ حجۃ الوداع ______ 776

◆ خطبہ حجۃ الوداع ___ بنیادی انسانی حقوق کا مشن .. 791

◆ خطبۂ حجۃ الوداع کے متن کا ترجمہ 794

◆ خطبہ غدیر خم 807

◆ جیش اسامہ 710

◆ رفیق اعلیٰ کی طرف ______ 814

Marfat.com

- واقعہ قرطاس 820
- سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت 827
- اضطراب بیکراں 733
- تاسیس خلافت 836
- تدفین 842

Marfat.com

تقدیم

الحمدلاھلہ والصلوٰۃ علیٰ اھلھا

اللہ تعالیٰ نے صرف شریعتیں ہی نازل نہیں فرمائیں بلکہ ان شریعتوں کو واضح کرنے اوران پر عمل کرنے کا طریقہ بتانے کے لیے نبی اور رسول بھی بھیجے جو اللہ تعالیٰ کی تعلیم دوسرے انسانوں تک پہنچاتے اور ان پر عمل کر کے بھی دکھاتے جس سے دوسروں کے لیے عمل کرنا آسان ہو جاتا۔

دنیا میں جتنے نبی بھی آئے وہ اپنے زمانے کے بہترین انسان تھے۔ وہ اللہ کے منتخب شدہ تھے۔ اللہ ان سے راضی تھا اور وہ اللہ سے راضی تھے۔

اللہ تعالیٰ اور انبیاء کرام علیہم السلام کے درمیان پیغام رسانی اور سفارت کا کام فرشتوں کی وساطت سے ہوتا تھا جو اللہ تعالیٰ کی ایک اطاعت شعار اور بے اختیار محکوم مخلوق ہے۔

﴿بایدی سفرۃ کرام بررۃ﴾ (عبس)

"ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں جو مکرم اور برگزیدہ ہیں۔"

اور ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿لایعصون اللہ ما امرھم ویفعلون مایؤمرون﴾ (تحریم)

"اللہ جو ان کو حکم دیتا ہے وہ اس میں نافرمانی نہیں کر سکتے اور وہی کرتے ہیں جن کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔"

جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنا پیام بر اور رسول بنا کر بھیجتے ہیں ان کی دشمنوں کے شر اور فتنہ سے حفاظت بھی فرماتے ہیں تاکہ شیاطین خواہ وسوسوں کی شکل میں خواہ جن وانس کی صورت میں ان کو گمراہ نہ کر سکیں۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا:

﴿ولولا فضل اللہ علیک ورحمتہ لھمت طائفۃ منھم ان

Marfat.com

یضلوک وما یضلون الاّ انفسھم وما یضرونک من شئی﴾ (النساء)

''اور اگر تجھ پر اللہ کا فضل نہ ہوتا تو ایک گروہ نے تجھے گمراہ کرنے کا ارادہ کرلیا تھا، اور وہ گمراہ نہیں کریں گے مگر خود اپنے کو اور تجھے کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔''

انبیاء کے سامنے نہ دنیا طلبی ہوتی ہے، نہ جاہ طلبی اور نہ حُب مال۔ وہ بنی نوع انسان کی عظیم خدمت کے معاوضے میں شہرت، طاقت، عزت، حکومت اور مال و دولت کچھ نہیں مانگتے بلکہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ لوگ اللہ والے بن جائیں، ان میں تقویٰ اور پرہیزگاری کے جذبات پیدا ہو جائیں اور ان کا تعلق اللہ سے قائم ہو جائے۔ جس کا تذکرہ قرآن حکیم کی کئی آیات میں آیا ہے کہ

''میں اپنی نصیحت کی تجھ سے کوئی اجرت نہیں مانگتا بلکہ میرا اجر تو اس پر ہے جس نے مجھے پیدا کیا۔'' (ہود)

وہ نہ تو لیڈر ہوتے ہیں اور نہ مفکر بلکہ ان کے لیے بہترین لفظ نبی اور رسول ہے۔ وہ مصلح بھی نہیں ہوتے کیونکہ مصلح کا فرض قوم میں ایک آدھ اصلاح جاری کر کے ختم ہو جاتا ہے اور مفکر کا کام فکر کی انجمن میں نئی شمعیں روشن کرنا ہے اور لیڈر اور ریفارمر کا کام صرف وقتی ہوتا ہے۔ وہ وقتی مصلحتوں اور سیاسی حکمت عملیوں سے تحریکوں اور پارٹیوں کو چلاتا ہے اور اپنی ذہانت اور صواب دید سے تحریک کے مختلف گوشوں میں ہوا کا رخ دیکھ کر ردوبدل کرتا ہے۔ نہ اس کے لیے معین حدود وقیود کی پابندیاں ہوتی ہیں اور نہ ہی پیروی کے لیے اس کے سامنے کوئی اسوہ۔ وہ خود ہی کوزہ اور خود ہی کوزہ گر ہوتا ہے۔ پھر لیڈر کا مقصد کامیابی ہوتا ہے جس کو حاصل کرنے کے لیے اگر برے سے برا طریقہ بھی انہیں اختیار کرنا پڑے تو وہ اس سے بھی نہیں چوکتے۔ لیکن انبیاء علیہم السلام کا مقصد کامیابی نہیں ہوتا بلکہ اللہ کی رضا ہوتا ہے خواہ ساری زندگی کے وعظ و نصیحت کے بعد ایک متنفس بھی ان پر ایمان نہ لائے۔ پھر وہ لیڈروں کی طرح حرف گفتار ہی کے غازی نہیں ہوتے بلکہ وہ اپنے اصولوں، اپنے دعاوی اور اپنے نظریات کے عملی مظہر ہوتے ہیں اور ان کے دل و زبان، قول و عمل اور خلوت و جلوت میں مطابقت ہوتی ہے۔ ان کی ایک ایک حرکت اس دین کی شہادت دیتی ہے جس کے وہ داعی بن کر آتے ہیں۔ ان کی زندگی کی کتاب اور ان کی دعوت کی کتاب میں ذرہ برابر فرق نہیں ہوتا۔ وہ جس شے سے

Marfat.com

دوسروں کو روکتے ہیں اور اس سے پوری شدت کے ساتھ خود بھی پرہیز کرتے ہیں بلکہ ان کی پرچھائیں بھی اپنے اوپر نہیں پڑنے دیتے۔ جس چیز کا وہ دوسروں کو حکم دیتے ہیں اس پر خود پوری قوت اور عزیمت کے ساتھ عمل کرتے ہیں بلکہ جس چیز کی وہ دعوت دیتے ہیں اگر وہ دوسروں سے اس پر پاؤ سیر عمل کا مطالبہ کرتے ہیں تو خود پورا سیر بھر عمل کرتے ہیں۔ پھر لیڈر اور ریفارمر اپنے اعتماد پر چلتے چلاتے ہیں۔ اس وجہ سے اگرچہ وہ اپنی ذہانت کی دوربین سے بیس سال کی مسافت تک مستقبل کے پردوں میں جھانک کر دیکھ لیتے ہیں لیکن حق تعالیٰ کی وحی کی روشنی سے محروم ہونے کی وجہ سے جب وہ ٹھوکر کھاتے ہیں تو بسا اوقات اپنی ناک کے نیچے سے ٹھوکر کھا جاتے ہیں، اور جب گرتے ہیں تو انہیں سنبھلنا بھی نصیب نہیں ہوتا۔ لیکن نبی اگر کسی اجتہادی لغزش کے سبب گرتے بھی ہیں تو اپنے رب کے دروازے ہی پر گرتے ہیں اور "ربنا ظلمنا انفسنا" کی دعائیں مانگتے ہیں اور ان کا رب انہیں اٹھاتا اور سنبھالتا ہے۔

انہی برگزیدہ ہستیوں میں سے سب سے آخر میں ایک رسول آیا جو "خاتم النبیین" تھا اور جو تمام قوموں کے لیے آیا اور قیامت تک کے لیے آیا۔ وہ صاحب خُلق عظیم تھا، وہ پیغمبر امن وسلامتی تھا۔ اس نے اپنے اخلاقِ حسنہ سے دنیا کو مسخر کیا۔ ویسے تو سارے مذہبوں نے اپنی بنیاد اخلاق پر رکھی لیکن اسلام نے اخلاق کو عبادت سے بھی بڑھا دیا، اور جب کہ کفر و شرک کے علاوہ ہر گناہ خدا کے نزدیک قابل معافی قرار دیا گیا لیکن باہم انسانوں کے اخلاقی فرائض کی کوتاہی کی معافی اللہ نے بندوں کے ہاتھوں میں رکھی ہے جن کے حق میں وہ ظلم ہوا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی زندگی ایک متنوع، ہمہ گیر اور ہمہ جہت زندگی تھی، آپ کی زندگی میں وہ جامعیت تھی کہ آپ کی سیرۃ میں زندگی کے تمام پہلو ابھرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ آپ کی زندگی میں ظلم کے پہاڑ بھی ٹوٹے اور فتح مندی اور کامرانی کے شادیانے بھی بجے۔ قوت و سلطنت کے پرچم بھی لہرائے اور مسرتوں کے پھول بھی کھلے۔ آپ نے جنگیں بھی لڑیں اور صلح و آشتی کے عہد نامے بھی کیے۔ دن بھر روزے بھی رکھے اور رات بھر نمازیں بھی پڑھیں، ملکی اور سیاسی گتھیاں بھی سلجھائیں، غار حراء میں خلوت نشین بھی ہوئے اور رمضان میں معتکف بھی، غار ثور میں تین روز چھپے بھی رہے اور سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ کو کسریٰ کے کنگن پہننے کے وعدے بھی فرمائے، خانگی زندگی کا لطف بھی اٹھایا اور دین اسلام کے سب سے بڑے مبلغ، ہادی اور رہبر کا فرض بھی انجام دیا۔ مکہ کی مظلومی کے مصائب بھی برداشت کیے اور مدینہ میں مسلمانوں کی آزاد ریاست کی داغ بیل بھی ڈالی۔ حدود الٰہی کے قیام میں سختی بھی کی اور مستحبات

Marfat.com

میں نرمی سے بھی کام لیا سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے اخلاق کی بابت ساری داستان ایک مختصر جملہ میں بیان کر دی:

﴿کان خلقه القرآن﴾

یعنی آپ کا اخلاق من وعن قرآن تھا۔

ایک اور موقع پر ذرا تفصیل سے بتایا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت کسی کو برا کہنے کی نہ تھی۔ آپ برائی کرنے والے کے ساتھ بھی برائی نہ کرتے بلکہ اسے معاف کر دیتے۔ جب آپ کو کسی دو باتوں میں اختیار دیا جاتا تھا تو آپ ان میں سے جو آسان ہوتی اس کو اختیار فرماتے تھے بشرطیکہ اس میں کوئی گناہ کا شائبہ نہ ہو کیونکہ گناہ سے آپ کو سخت نفرت تھی۔ آپ نے کبھی اپنے ذاتی معاملہ میں انتقام نہیں لیا۔ جو احکام الٰہی کی خلاف ورزی کرتا اس سے خدا خود انتقام لیتا تھا۔ (یعنی احکام ربانی کے مطابق آپ اس کی سزا مقرر فرماتے تھے) آپ نے نام لے کر کبھی کسی مسلمان پر لعنت نہیں کی اور کسی غلام یا لونڈی یا کسی عورت یا خادم یا جانور کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا۔ آپ کسی کی درخواست رد نہیں فرماتے تھے جب کہ وہ ناجائز نہ ہو۔ آپ مسکراتے ہوئے گھر میں تشریف لاتے۔ دوستوں میں پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھتے تھے۔ باتیں اس طرح ٹھہر ٹھہر کر کرتے تھے کہ اگر کوئی یاد رکھنا چاہے تو یاد رکھ سکے۔''

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے کیمیائے سعادت میں لکھا ہے کہ

''آپ مویشیوں کو خود چارہ ڈالتے، گھر میں جھاڑو دے لیتے، بکری کا دودھ دوہ لیتے، خادموں کو ان کے کاموں میں مدد دیتے، ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا لیتے، بازار سے سودا خرید لاتے، ادنیٰ اور اعلیٰ کو پہلے خود سلام کرتے، کوئی ساتھ ہو لیتا تو اس کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر چلتے، غلام و آقا، حبشی و ترک میں کوئی فرق نہیں کرتے، رات دن کا لباس ایک ہی رکھتے، کیسا ہی حقیر شخص دعوت دیتا فوراً قبول فرما لیتے، جو کھانا سامنے رکھ دیا جاتا رغبت سے کھا لیتے، رات کے کھانے سے صبح کے لیے اور صبح کے کھانے سے رات کے لیے اٹھا نہ رکھتے، نیک مزاج، نرم خو، کشادہ دل اور خندہ جبین تھے مگر زور سے نہیں ہنستے تھے، اندوہ گین تھے مگر ترش رو نہ تھے، سخی تھے مگر فضول خرچ نہ تھے۔'' (ص ۱۶۷)

Marfat.com

آپ کی زندگی کی سادگی اور اخلاق کی بلندی کو غیروں نے بھی تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ ٹامس کارلائل (Thomas Carlyle) نے لکھا ہے:

''اپنے انتہائی قوت واقتدار کے دور میں آپ نے وضع قطع اور اخلاق و عادات میں وہی سادگی قائم رکھی جو پریشانی اور بے طاقتی کے زمانہ میں آپ کے وصف میں رہی تھی۔ شاہانہ کروفر تو بڑی بات ہے اگر کسی مجلس میں آپ کے ساتھ کچھ خصوصیت کا برتاؤ کیا جاتا تھا وہ بھی آپ کو بہت ناگوار ہوتا تھا۔''

جو پیغمبر اس خلق عظیم کا مالک تھا اس کو اور اس کی امت کو بعض غیر مسلموں نے امن کا دشمن اور دہشت گرد قرار دینا شروع کر دیا۔ یہ بات ابتداء ہی سے دیکھی گئی ہے کہ روشنی کی کرن جب بھی پھوٹی تاریکی نے اس کو نگل جانے کی پوری پوری کوشش کی۔ نور وظلمت کی کشمکش ابدی اور ہمیشہ سے چلی آرہی ہے۔ نور کی حمایت اور تاریکی کی مخالفت میں اپنی استطاعت اور امکان کے مطابق حصہ لینا اس کو شریعت کی اصطلاح میں جہاد کہتے ہیں جس کا تذکرہ آگے کتاب میں آرہا ہے۔ اس جہاد کو لوگوں کی نگاہ میں مبغوض بنانے کے لیے اہل کفر کی جبینوں پر ہمیشہ شکنیں پڑیں اور ان کی زبانوں اور قلموں کی جنبش میں لانے کا قوی ترین باعث بنیں۔ اکثر یہ کہا گیا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے ہاتھ میں تلوار لے کر اسلام کی دعوت دی اور آپ کی دینی جدوجہد درحقیقت ملک گیری اور جہاں بانی کا ایک بہانہ تھی۔ چنانچہ دنیا کی ایک اہم اور مشہور کتاب The New Educator Encyclopedia میں یہ لکھا گیا:

''جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیروؤں کی تعداد میں کافی اضافہ ہو گیا تو انہوں نے اپنے عقائد بزور شمشیر منوانے کی ٹھان لی اور جنگوں کا ایک طویل سلسلہ شروع کر دیا گیا۔'' (صفحہ ۲۳۷۵)

بات دراصل یہ ہے کہ جہاد کے بارے میں لوگوں کو اکثر یہ غلط فہمی ہو گئی ہے کہ وہ جہاد کا مطلب سمجھتے ہیں قتال اور جنگ اور جدل۔ حالانکہ جہاد کا یہ مطلب نہیں ہے۔ اس کے حقیقی معنی تو جدوجہد کرنے، محنت اور کوشش کے ہیں۔ چنانچہ اس بارے میں سید الملت سید سلیمان ندوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

''حق کی بلندی اور اس کی اشاعت اور حفاظت کے لیے ہر قسم کی جدوجہد، قربانی اور ایثار گوارا کرنا اور ان تمام جسمانی اور مالی اور دماغی قوتوں کو جو اللہ کی طرف سے بندوں کو ملی ہیں، اس راہ میں صرف کرنا یہاں تک کہ اس کے لیے اپنی، اپنے عزیز و

Marfat.com

قریب کے اہل وعیال کی، خاندان وقوم کی جان تک کو قربان کر دینا اور حق کے مخالفوں اور دشمنوں کی کوششوں کو توڑنا، ان کی تدبیروں کو رائیگاں کرنا، ان کے حملوں کو روکنا اور اس کے لیے جنگ کے میدان میں، اگر ان سے لڑنا پڑے تو اس کے لیے بھی پوری طرح تیار رہنا۔'' (سیرت النبی ﷺ: ۳۶۶/۵)

سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جہاد کی صحیح تعریف کی ہے۔ یہ ذہن میں رہے کہ کوئی تحریک محض اپنے پیغام کی حقانیت یا اصولوں کی پاکیزگی کے باعث کامیاب نہیں ہوسکتی جب تک کہ اس کے پیچھے عیش وآرام اور جان ومال کو داؤ پر لگا دینے والی جماعت نہ ہو۔ کوئی تحریک کتنی ہی مبارک اور بلند وبالا کیوں نہ ہو لیکن وہ اس وقت تک کامیابی سے ہم کنار نہیں ہوسکتی جب تک کہ اس کے متبعین میں مجاہدانہ ذوق وشوق نہ ہو۔ اسلام کو اللہ تعالیٰ نے ابتداء ہی سے وہ پیروکار عطا فرمائے۔ اگرچہ ان کی اکثریت معاشی طور پر نچلے درجہ کی تھی، ان میں کچھ غلام بھی تھے لیکن اسلام کی حقانیت نے ان کو اہل مکہ کے سخت ترین مظالم کو برداشت کرنے کا حوصلہ دیا۔ وہ تپتی ہوئی ریت پر لٹائے گئے، ان کے جسم دہکتے ہوئے لوہے سے داغے گئے، ان کے گلوں پر تلواریں چلیں، ان پر تیروں کی بارش ہوئی، وہ بھوک اور پیاس سے آزمائے گئے، لیکن دنیا نے دیکھا کہ ان کے پائے عزم واستقلال میں ذرہ برابر لغزش نہ آئی، اور اگر کبھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان تکالیف ومصائب کی شکایت کی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم سے پہلے بعض اہل ایمان کی استقامت کا یہ عالم تھا کہ زمین میں گڑھا کھود کر مومن کو اس میں گاڑ دیا جاتا، پھر آرہ لا کر اس کے سر پر رکھا جاتا تھا اور چیر کر اس کے سر کے دو ٹکڑے کر دیئے جاتے تھے لیکن یہ تکالیف دین کی راہ سے نہیں پھیر سکتی تھیں۔ اسی طرح کسی کے لیے لوہے کی کنگھی تیار کی جاتی تھی اور گوشت کے نیچے ہڈیوں اور پٹھوں پر چلا دی جاتی تھی لیکن یہ عذاب بھی ان کو دین حق سے منحرف نہیں کرسکتا تھا۔ اور خدائے بزرگ وبرتر کی قسم! حق تعالیٰ شانہ، دین اسلام کی تکمیل کرے گا اور اسے ایسا غلبہ عطا فرمائے گا کہ ایک سوار صنعا سے حضر موت تک نہایت امن وسکون کے ساتھ سفر کرے گا اور اللہ کے سوا کسی اور کا خوف نہ ہوگا لیکن تم جلدی کرتے ہو۔ (بخاری)

تو جہاد کا مطلب جدال وقتال نہیں بلکہ تمام نیک کاموں کے لیے تمام جائز طریقوں سے سعی اور جدوجہد کرنا اس میں داخل ہے۔ چنانچہ اپنے نفس کے خلاف سعی کرنے کو بھی جہاد کہا گیا ہے۔

زندگی نرم بھی ہے اور گرم بھی، شاخ گل بھی ہے اور تلوار بھی۔ انسان کو نرم وگرم

Marfat.com

دونوں قسم کے اخلاق کی ضرورت ہے۔ حلم اور رحم، صبر اور ضبط، عفو اور درگزر بڑی خوبصورت صفتیں ہیں لیکن زندگی کے ہر نشیب و فراز میں تو یہ دستگیری نہیں کرسکتیں۔

یہ بھی ضروری نہیں کہ ضبط وتحمل کے پیچھے ہمیشہ عقل و شرافت ہوں۔ یہ کیفیات مختلف دماغی اور اخلاقی عوامل کے نتیجہ میں پیدا ہوسکتی ہیں۔ فراؤڈے (Froude) نے بالکل درست کہا ہے کہ "تحمل اپنی جگہ پر ایک نہایت اچھی اور درست چیز ہے لیکن تم اس کو تو برداشت نہیں کر سکتے جو تم کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہے اور تمہاری گردن تن سے جدا کرنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے۔" پھر تحمل بھی کئی قسم کا ہے۔ ایک تحمل فلاسفر کا ہے جس کے نزدیک تمام مذاہب یکساں اور سچے ہیں۔ دوسرا تحمل مؤرخ کا ہے جس کی نظر میں سب یکساں جھوٹے ہیں۔ تیسرا تحمل سیاست دان کا ہے جو سب کو یکساں مفید سمجھتا ہے۔ اس کے لیے ایک دہشت گرد جماعت اور ایک صلح جو جماعت میں کوئی فرق نہیں۔ پھر ایک تحمل اس شخص کا ہے جو مختلف نظریوں اور طریقوں کو اس بنا پر برداشت کرتا ہے کہ وہ خود تمام نظریوں اور طریقوں سے مطلق بے نیاز ہو چکا ہے۔ پھر ایک تحمل اس کمزور آدمی کا ہے جو اپنی کمزوری کے باعث ان بزرگوں یا باتوں کی ہر طرح توہین وتحقیر برداشت کرنے پر مجبور ہے جنہیں وہ بہت عزیز رکھتا ہے۔" (گبن)

اسلام کی تلوار پر بہت اعتراض کیا جاتا ہے لیکن اعتراض کرنے والوں کو اپنی توپیں نظر نہیں آتیں۔ اسلام تو تلوار سے پھیلا اور مسیحیت توپ سے پھیلی، پھر بھی اسلام بہتر ہے۔ یہاں یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ مذاہب اور ممالک کی تواریخ سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوتی ہے کہ تلوار کو کبھی بالائے طاق نہیں رکھا گیا۔ ہندوؤں کے اوتاروں اور اسرائیلی سرداروں اور صلیبی پادریوں نے اسے بے نیام کیا کیونکہ نہ تو اسرائیلی قانون اور نہ ہندو دھرم کسی معنوں میں اہنسا کا پرچار کرتا ہے۔ امن کے شہزادے کا بھی یہی اعلان تھا کہ وہ دنیا کو امن نہیں بلکہ تلوار دینے آیا تھا۔ اس کے مذہب کے اصول تلوار کے استعمال کی اجازت دیتے تھے اور اس کے سلسلہ کے پیغمبروں نے جنگیں لڑیں تھیں۔ درحقیقت وہ تلوار ضرور اٹھاتا اگر کوئی مناسب موقع پیش آتا مگر ایسا نہ ہوا۔ اور اگر اس نے پطرس کو تلوار بے نیام کرنے سے باز رکھا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ وقت مناسب نہیں تھا اور تشدد کے استعمال سے اس کو اور اس کے ماننے والوں کو زیادہ نقصان پہنچ جاتا۔ جو کام خود سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نہ کرسکے وہ ان کے پیروکاروں نے پوری مستعدی اور تندہی سے کیا اور دو سو سالہ صلیبی جنگیں اس کی گواہ ہیں۔

اس زمانہ میں مہاتما گاندھی نے عدم تشدد کا پرچار اور دنیا میں اہنسا کا نعرہ بلند کیا لیکن

Marfat.com

ایک آسٹریلوی مدبر آر جی کیسے (R.G. Casey) نے اپنی کتاب An Australian in India میں ان کے عدم تشدد پر سخت تنقید کی ہے۔ اور لکھا ہے کہ "یہ بات میری سمجھ میں آ سکتی ہے کہ میں دوسرے کے خلاف تشدد اختیار نہ کروں لیکن دوسروں کو میں اپنے خلاف تشدد اختیار کرنے سے کیسے روک سکتا ہوں۔ دوسرے لفظوں میں عدم تشدد کا نظریہ ایک نامکمل نظریہ ہے اور اس کے سانچے پر افراد اور اقوام کی زندگیوں کو نہیں ڈھالا جا سکتا۔

تلوار تو دنیا میں ہر ایک نے استعمال کی لیکن رسول اللہ ﷺ نے دنیا کو تلوار کا صحیح استعمال بتایا، مثلاً جب عبادت گاہیں خطرہ میں پڑ جائیں، یا ابن آدم کے جان و مال کی کوئی قیمت نہ رہ جائے، جب اللہ کے حکموں کو سر عام توڑا جائے، بڑے لوگ چھوٹے لوگوں کی عزت و ناموس کو نیلام کا مال سمجھنے لگیں تو اس وقت ان سرکش اور باغی لوگوں کے لیے تلوار کا استعمال ضروری ہو جاتا ہے کیونکہ حق کی حمایت اور باطل کی مخالفت اور شکست کے لیے تلوار سے کام لینا پڑتا ہے، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔ دیکھنا یہ ہے کہ جن لوگوں نے تلوار چلا کر اسلام پھیلایا ان پر تلوار کس نے چلائی تھی۔ اسی بات کو ٹامس کارلائل (Thomas Carlyle) نے یوں بیان کیا ہے کہ

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تلوار کے زور سے اپنے دین کی اشاعت کرنے کا بہت چرچا کیا گیا ہے.........تلوار بے شک، مگر تم کو تلوار ملے گی کہاں؟ ہر نیا خیال اپنی ابتدائی منزل میں ایک کی اقلیت میں ہوتا ہے۔ وہ صرف ایک ہی شخص کے ذہن میں نشوونما پاتا ہے۔ دنیا بھر میں صرف ایک ہی شخص اس پر یقین رکھتا ہے اور تنہا وہ ایک شخص تمام اشخاص کے مقابل ہوتا ہے۔ اس شخص کا تلوار ہاتھ میں لے کر اس کی اشاعت کرنا شروع کر دینا کچھ بھی فائدہ مند نہ ہو سکے گا۔"

(On Heroes and Hero worship, P.61)

اسلام ایک جارحانہ دین نہیں بلکہ ایک استدلالی اور عقلی دین ہے۔ اس کے تبلیغ و دعوت کے اصول حکمت و دانش مندی، وعظ و نصیحت اور بحث و مباحثہ پر قائم ہیں قرآن حکیم جو آپ پر نازل ہوا اس نے عقل انسانی کو مخاطب کیا اور لوگوں کو غور و فکر اور فہم و تدبر کی دعوت دی۔ پھر جو دین اپنی نشر و اشاعت کے لیے دعوت و تبلیغ کا راستہ اختیار کرتا ہے اور لوگوں سے سوچنے اور سمجھنے کا مطالبہ کرتا ہے وہ کیونکر تیر و تفنگ کو کام میں لا سکتا ہے۔ اسلام نے اپنے ماننے والوں کے ذہنوں میں یہ بات پختہ طور پر ڈالی کہ دین جبر و اکراہ کی چیز نہیں بلکہ رضا و رغبت کی

Marfat.com

چیز ہے۔ اس کا تعلق جسم سے زیادہ قلب اور روح سے ہے۔ اور قلب اور روح کو تلوار سے مسخر نہیں کیا جا سکتا بلکہ وہ اخلاقِ حسنہ سے مطیع و منقاد ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے قرآن حکیم نے کہا:

﴿لا اکراہ فی الدین، قد تبین الرشد من الغی﴾ (البقرہ)

''دین میں کوئی زبردستی نہیں، حقیقت گمراہی سے الگ ہو چکی ہے۔''

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿انّما انت مذکر، لست علیھم بمصیطر﴾ (غاشیہ)

''(اے پیغمبر!) تو صرف نصیحت کرنے والا ہے، تو ان پر داروغہ بنا کر نہیں بھیجا گیا۔''

اسلام میں دعوت و ارشاد اور موعظت کو ضروری قرار دیا گیا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿ادع الیٰ سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن، ان ربک ھوا علم بمن ضل عن سبیلہ، وھوا علم بالمھتدین﴾ (النحل)

''آپ اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت (علم کی باتوں) اور اچھی نصیحتوں کے ذریعہ سے بلائیے اور ان کے ساتھ اچھے طریقہ سے بحث کیجیے، آپ کا رب اس شخص کو بھی خوب جانتا ہے جو اس کے راستہ سے گم ہوا اور وہی سیدھی راہ پر چلنے والوں کو بھی خوب جانتا ہے۔''

اس آیت میں دعوت الی اللہ کو ''ادع'' کے صیغہ سے بیان کیا۔ یہ فعل متعدی ہے، اس لیے اسے بھی سب سے پہلے فاعل کی ضرورت ہے جسے ''داعی'' (دعوت دینے والا) کہا جائے گا۔ پھر مفعول کی ضرورت ہے جسے ''مدعو'' کہیں گے۔ پھر جس کی طرف دعوت دیں گے اس کو ''مدعو الیہ'' کہا جاتا ہے، گویا یہ چار چیزیں ہوئیں۔ دعوت، داعی، مدعو اور مدعو الیہ۔ اب یہ دعوت کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہے تو گویا اس دعوت کے داعی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں گے۔ اب ان کے بعد ان کی امت داعی ہے۔ پھر یہ دعوت کسی خاص قوم و ملت کے لیے نہیں بلکہ سارے عالم کے لیے ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پوری دنیا کے لیے رسول بن کر آئے ہیں۔ آیت میں مدعو کا کوئی ذکر نہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ پوری دنیا آپ کی دعوت کے مدعوین میں سے ہے کیونکہ جب مفعول میں کوئی تخصیص پیش نظر نہیں ہوتی تو پھر مفعول کو لفظوں میں ذکر نہیں کرتے۔ یہاں بھی دعوت کا ذکر کر کے مدعو کو ذکر نہیں کیا۔ پس معلوم

Marfat.com

ہوا کہ مدعو کوئی خاص قوم یا فرد نہیں ہے بلکہ ہر وہ قوم اور فرد ہے جس میں خطاب کو سمجھنے کا مادہ موجود ہو۔ اب مدعوالیہ کیا ہے یعنی کس پروگرام اور کس چیز کی دعوت دینی ہے۔ اس کو آیت میں صراحت سے بیان کیا گیا ہے یعنی "سبیل رب" یعنی اللہ تعالیٰ راہ۔ اب ان چاروں چیزوں کی خوبیوں کی وجہ سے دعوت کامیاب ہوگی۔

① دعوتی پروگرام کی خوبی یہ ہے کہ اس میں مدعوین تک پہنچنے کی صلاحیت ہو۔

② دعوت کی خوبی یہ ہے کہ وہ مدعو اور مخاطب کے مناسب حال ہو۔

③ داعی کی خوبی یہ ہے کہ اس کا علمی اور اخلاقی معیار بلند اور اعلیٰ ہو۔

④ مدعو کی خوبی یہ ہے کہ اس میں دعوت کی قبولیت کا جذبہ موجزن ہو۔

پھر اس آیت میں دعوت کے تین اصول بیان فرمائے۔ عقل و حکمت، موعظۂ حسنہ اور مناظرہ بطریق احسن۔ کیوں کہ جب ہم کسی کے سامنے کوئی نئی بات پیش کرتے ہیں اور اسے قبول کرنے کی دعوت دیتے ہیں تو عموماً تین طریقے برتتے ہیں۔ یا تو اس بات کے ثبوت اور تائید میں کچھ دل نشین دلائل پیش کرتے ہیں یا اس کو مخلصانہ نصیحت کرتے ہیں اور موثر انداز سے اس کو نیک و بد اور نشیب و فراز سے آگاہ کرتے ہیں یا پھر یہ کرتے ہیں کہ اس کے دلائل کو مناسب طریقہ سے رد کرکے اس کی غلطی کو اس پر واضح کرتے ہیں۔ پہلے طریقے کا نام حکمت، دوسرے کا نام موعظۂ حسنہ اور تیسرے کا نام جدال بطریق احسن۔ دعوت و تبلیغ کے یہی تین طریقے بیان کیے گئے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، خلفائے راشدین اور آپ کے علمائے امت نے انہی تین طریقوں کے ساتھ دین کی دعوت دی۔ اور جہاں تلوار چلائی وہ نہایت ناگزیر حالات میں چلائی۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اسلام تلوار چلانے کی اجازت دیتا ہے لیکن صرف عمل جراحت کے طور پر یعنی ایک ایسی رکاوٹ کو دور کرنے کی غرض سے جو معمولی تدابیر سے دفع نہ ہو سکے۔ گویا جنگ ایک ناپسندیدہ ضرورت ہے۔ چنانچہ جن غزوات میں اسلامی افواج کی قیادت آپ خود فرما رہے ہوتے تھے ان میں میدان جنگ میں صفیں آراستہ کرنے کے بعد آپ کل مجاہدین کو صاف حکم دے دیتے تھے کہ جب تک دشمن کی فوجیں بالکل قریب نہ آجائیں اپنی جگہ سے کوئی آگے نہ بڑھے۔ اور جن مہموں میں آپ خود شریک نہ ہوتے تھے، ان میں بھی افواج کو رخصت کرتے وقت آپ اسی قسم کی ہدایات فرمادیا کرتے تھے۔ مثلاً سنہ 10ھ میں آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو تین سو سواروں کے ساتھ یمن روانہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ جب تم وہاں پہنچ جاؤ تو جب تک کوئی تم پر حملہ نہ کرے تم نہ لڑنا۔" (سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ۱/۵۰۶)

Marfat.com

مختصر یہ کہ موجودہ زمانہ میں مستشرقین اور اسلام دشمن لوگوں کی طرف سے اسلام اور پیغمبر اسلام اور مسلمانوں پر جو امن دشمنی اور دہشت گردی کا الزام لگایا جاتا ہے اور ایک خاص سازش کے تحت سلمان رشدی اور تسلیمہ نسرین جیسے نام نہاد بلکہ اسلام نا آشنا لوگوں کے قلم سے یہ لکھوایا جاتا ہے کہ اسلام اور مسلمان دہشت گرد ہیں، ان لوگوں کے شکوک وشبہات کو دور کرنے کے لیے یہ کتاب لکھی گئی ہے جس میں دلائل کے ساتھ یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اسلام تو ہے ہی سلامتی کا دین اور پیغمبر اسلام ﷺ امن دشمن نہیں تھے بلکہ امن وسلامتی کے پیامبر تھے۔ آپ نے پوری زندگی نہ خود کسی پر ظلم وتشدد کیا اور نہ دوسروں کو اس بات کی اجازت دی۔ آپ نے اپنے حسن اخلاق سے دین کی دعوت دی اور اکثر و بیشتر لوگ آپ کی اس دعوت سے متاثر ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ ہجرت کے راستہ میں بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ جو اپنے ستر ساتھیوں کے ساتھ قریش کا انعام حاصل کرنے کے لیے آپ سے ملا تھا اور آپ نے جس نرم اور ملائم لہجہ میں اس سے گفتگو کی اس سے متاثر ہو کر وہ نہ صرف مسلمان ہوا بلکہ آپ کے قافلہ کا ہراول دستہ اور علم بردار ہو گیا۔ (زرقانی: ۱/ ۳۴۹، الاستیعاب: ۱/ ۱۷۴)

اس سلسلہ میں ٹامس کارلائل نے لکھا ہے کہ

''اب تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے دین کی اشاعت صرف تبلیغ اور تلقین ہی کے ذریعہ کی تھی لیکن اب بے رحمی کے ساتھ اپنے آبائی وطن سے نکال دیے جانے کے بعد جب کہ غیر منصف انسان نے صرف ان کے آسمانی پیغام اور ان کے دل کی پکار کو سننے ہی سے انکار نہیں کر دیا تھا بلکہ اپنی بات پر قائم رہنے کی پاداش میں ان کے خون کا بھی پیاسا ہو گیا تھا، صحرا کے اس تہذیب نا آشنا فرزند نے ایک مرد اور عرب کی طرح اپنے تحفظ کا ارادہ کیا۔''

(Thomas Carlyle: On Heroes and Hero worship, P.61)

یہ تو پرانے مستشرقین کے سرکار دوعالم ﷺ کے بارے میں خیالات تھے۔ موجودہ زمانے کے مستشرقین بھی جن میں کچھ کم تعصب پایا جاتا ہے، انہوں نے بھی سرکار دوعالم ﷺ کو دنیا کا پیغمبر انقلاب اور پیغمبر امن تسلیم کیا ہے۔ موجودہ زمانہ میں کیرن آرمسٹرانگ امریکہ اور انگلستان کی ایک مشہور دانشور اور قلم کار تسلیم کی جاتی ہیں، انہوں نے کئی کتابیں لکھیں ہیں۔ تاریخ پر ان کی گہری نظر ہے۔ ان کی کتاب (History of God) دنیا کی کئی زبانوں میں ترجمہ ہو کر شائع ہو چکی ہے۔ 1992ء میں ان کی ایک کتاب شائع ہوئی جس کا نام

Marfat.com

Muhammad, A Biography of the Prophet ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی سوانح حیات ہے۔ اس میں کیرن ارم اسٹرانگ نے لکھا ہے کہ

''اگر ہم بیسویں صدی میں بہتر کارگزاری دکھانا چاہتے ہیں تو مغربی لوگوں کے لیے یہ ضروری ہوگا کہ وہ مسلمانوں کو سمجھیں جو اس زمین کی آبادی میں ان کے ساتھ شریک ہیں۔ انہیں مسلمانوں کی عزت وتکریم کرنی چاہیے۔ ان کے دین کو پسند کرنا چاہیے، ان کی ضروریات، ان کے غم و غصے اور ان کی امنگوں اور تمناؤں کو سمجھیں۔ ان تمام باتوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ پیغمبر اسلام ﷺ کی حیات طیبہ کی درست معلومات حاصل کریں جن کی حکمت وصلاحیت اس اندھیری دنیا اور خوف ناک وقت میں روشنی کی طرف راہ نمائی کرتی ہے۔

(Muhammad, A Biography of the Prophet, P.7)

اسی کتاب میں مصنفہ نے لکھا ہے کہ عیسائیوں کی صلیبی جنگیں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے غیر جنگ جویانہ طرز عمل سے کوئی مناسبت نہیں رکھتیں (صفحہ ۲۷) پھر اس نے وضاحت کر کے یہ کہا کہ سنہ 1917ء میں انگریز جنرل ایلن بی (Allenby) نے یروشلم پہنچ کر کہا کہ صلیبی جنگیں آج مکمل ہوئی ہیں، اور جب فرانسیسی جرنیل دمشق میں صلاح الدین کی قبر پر گیا تو اس نے کہا: صلاح الدین ہم آ گئے ہیں۔'' (صفحہ ۴۰)

یہی نہیں بلکہ امریکہ کے صدر بش نے 11 ستمبر کے حادثے کے بعد اپنی پہلی تقریر میں انتہائی غم وغصہ کے عالم میں صلیبی فدائیوں کو یاد کیا۔ بعد میں اس نے کہا کہ کسی مسلمان کی دہشت گردی کا تعلق اسلام سے نہیں۔ (افسوس ہے کہ پاکستان کے اس وقت کے وزیر خارجہ نے اپنی طرف سے صدر بش کی اس بات کی تاویل یہ کی کہ صلیبی جنگ سے اس کی مراد یہ نہیں تھی وغیرہ وغیرہ۔) یہ پاکستانی وزیر خارجہ کیطرف سے امریکی صدر کے لیے ایک خوشامدانہ رویہ تھا جو کہ نہایت قابل افسوس ہے کیونکہ امریکہ نے 9/11 کے بعد مسلمانوں سے صلیبی جنگ شروع کر دی ہوئی ہے) کیرن نے یہ واقعات درج کر کے اہل مغرب کو ماضی کے خول سے نکل آنے کی دعوت دی ہے۔

کتاب کے آغاز میں کیرن نے ایک عنوان قائم کیا ہے

"Muhammad The Enemy" (عیسائیوں کا) دشمن، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

Marfat.com

اسلام کے سیاسی غلبے اور عوام الناس کے قبول اسلام سے گھبرا کر عیسائی علماء نے اپنے لوگوں کو قبول اسلام سے بچانے کے لیے اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کا ایسا نقشہ اپنی کتابوں میں پیش کیا جس میں تلوار کے زور پر مذہب کی اشاعت بتائی گئی ہے۔انہوں نے اپنی شکست کا سبب اسلام کی تلوار کو قرار دیا۔اس طرح پیغمبر اسلام ﷺ کے بارے میں جھوٹی اور من گھڑت کہانیاں، عیسائیت کی تاریخ میں اسلام پر حملے اور رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخیوں پر مشتمل مضامین پوری عیسائی دنیا میں پھیلا دیئے تا کہ اپنے عوام کو اسلام سے متنفر کر کے اسلام قبول کرنے سے روکا جائے۔ چنانچہ پروفیسر منٹگمری واٹ (Prof. Wlliam Montgomery Watt) نے لکھا ہے کہ ''اسلام کے بارے میں بارہویں صدی میں قائم ہونے والے یورپ کے غلط تصورات اور نظریات آج بھی قائم ہیں۔''

(Image of the Prophet Muhammad in The West, P.190)

کیرن آرم اسٹرانگ نے لکھا ہے کہ

''ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے یہ سیکھ سکتے ہیں کہ کس طرح امن قائم کریں۔ان کے پورے طرز عمل میں اسی بات کو اولیت حاصل ہے کہ لالچ، نفرت اور حسد کو اپنے دلوں سے نکال دیا جائے۔(کیونکہ یہی چیزیں امن کو تباہ کرتی ہیں۔ظفر) اور اپنے سماج کی اصلاح کریں تب ہی ہم ایک ایسی دنیا تعمیر کرنے میں کامیاب ہوسکیں گے جس میں باہمی یگانگت اور ایک دوسرے کا عزت سے رہنا ممکن ہوگا۔''

(Muhammad, A Biography of The Prophet, P.6)

کیرن نے اپنی کتاب کے باب آٹھ کا عنوان رکھا ہے Holy War (مقدس جنگ) اس نام سے اس کی ایک ضخیم کتاب بھی ہے۔مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے رسول اللہ ﷺ کی جنگوں اور غزوات کو مقدس کہنا ہی درست ہے کیونکہ ان جنگوں کا مقصد نہ تو دشمن کی نسل کشی تھا اور نہ ہی کسی بادشاہت کو چھیننا۔یہ جنگیں اس لیے مقدس تھیں بلکہ دنیا کی تاریخ میں صرف یہی جنگیں مقدس تھیں کیونکہ ان جنگوں نے اور سرکار دو عالم ﷺ کے فرامین نے مسلمانوں کے لیے یہ ضروری قرار دے دیا تھا کہ

''جو شخص لڑائی میں شریک نہ ہو اس کو قتل نہ کیا جائے۔عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو نہ چھیڑا جائے۔پھل دار درختوں کو نہ کاٹا جائے، جانوروں کو بلا وجہ کاٹ کر نہ پھینکا جائے۔مخالف دشمنوں کی عبادت گاہوں اور ان میں عبادت کرنے والوں کو

Marfat.com

نہ چھیڑا جائے۔" (Holy War, P.36)

موجودہ زمانہ کے ایک اور مستشرق اور دانشور جو پیشہ کے لحاظ سے سائنس دان اور عقیدہ کے لحاظ سے عیسائی ہیں، انہوں نے اپنی کتاب The 100 (ایک سو) میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو تیسرے نمبر پر رکھا، اور رسول اللہ ﷺ کو پہلے نمبر پر رکھا۔ کتاب کے مصنف مائیکل ایچ ہارٹ (Michael H. Hart) نے لوگوں کے اس اعتراض کے جواب میں کہ رسول اللہ ﷺ کو پہلے نمبر پر کیوں رکھا گیا ہے، دلیرانہ معذرت کی ہے۔ وہ لکھتا ہے:

"دنیا کی سب سے زیادہ بااثر شخصیات کی فہرست میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سرفہرست انتخاب کرنا شاید کچھ قارئین کو تعجب میں ڈالے اور کچھ لوگ اس بارے میں سوال کریں، حقیقت یہ ہے کہ وہ تاریخ کی واحد شخصیت ہیں جو مذہبی اور دنیوی دونوں پہلوؤں سے سب سے زیادہ کامیاب رہے۔"

(Michael H. Hart: The 100. P.39)

یہ کتاب رسول اللہ ﷺ کی سیرت پر مشتمل ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کی سیرت روز اول تا آخر امن و سلامتی پر مشتمل ہے۔ سیرت (بالکسر) راستہ، طریقہ، صورت اور عادات کو کہتے ہیں۔ (القاموس، فیروز آبادی: ۵۶/۲) عربی لغت میں راستہ، طریقہ اور ہر اس حالت کو "سیرت" کہتے ہیں جس پر انسان اپنی زندگی گزار رہا ہو۔ (المعجم الوسیط، مصطفیٰ ابراہیم: ۳۶۷/۱) بعض حضرات کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ کی تاریخ کا نام "سیرت" ہے یعنی پیدائش سے رحلت تک، آباء و اجداد، اہل بیت، صحابہ کرام اور آپ ﷺ کی عادات و خصائل کے تذکرے کا نام "سیرت نبویہ" ہے۔ اسی طرح وحی، ہجرت اور غزوات بھی شامل ہیں۔ (عطیۃ اللہ احمد، القاموس الاسلامی: ۹۵۹/۳)

علماء نے لکھا ہے کہ سیرۃ نبویہ کی تدوین کے دو مراحل ہیں۔ پہلا مرحلہ وہ ہے جس میں سرکار دو عالم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کی سیرت کی تدوین کی۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اپنے ہم عصروں کو سرکار دو عالم ﷺ کی باتیں بیان فرمایا کرتے تھے۔ اور عبیداللہ بن عبداللہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس شام کو بیٹھا کرتے تھے اور وہ تمام مغازی کو ہمارے سامنے بیان کیا کرتے تھے۔ (الذہبی، سیر اعلام النبلاء: ۳۵۰/۳) ذہبی کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سیرۃ نبویہ کی تدوین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ ہی میں شروع ہوگئی تھی۔ (العودہ سلمان بن احمد، السیرۃ النبویہ فی الصحیحین وعند ابن

Marfat.com

اسحاق: ص ۲۵) اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ایک قلیل مقدار میں سیرت رسول اللہ ﷺ کے اجزاء حیات رسول ﷺ اور عہد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مکتوب تھے۔ البتہ وہ الگ سے موجود نہیں تھے بلکہ احادیث نبویہ کے ضمن میں موجود تھے۔ (حاشیہ سابق)

سیرت کی باقاعدہ تدوین سے قبل سیرۃ نبویہ کے مختلف پہلو مختلف کتابوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ بعض حضرات نے مغازی کو مدون کیا، بعض نے ہجرت کو، بعض نے ہجرت کے بعد کے حالات کو۔ بعد والے اصحاب السیر نے آپ ﷺ کی سیرت کے ان تمام پہلوؤں کو یک جا کر دیا اور سرکار دو عالم ﷺ کی سیرت کے تمام پہلوؤں کو یکجا کرنا شروع کر دیا۔ یہ دوسرے مرحلہ کی ابتداء تھی۔ علامہ جمال الدین اتالکی نے لکھا ہے کہ کتب کی تصنیف وتبویب کا سلسلہ دوسری صدی ہجری کے وسط میں شروع ہوا۔ چنانچہ 143ھ میں علمائے اسلام نے حدیث، سیرت اور فقہ کو مدون کرنا شروع کیا ابن جریج نے مکہ مکرمہ پر تصنیف شروع کی اور ابن اسحاق نے مغازی کو جمع کیا۔ پھر یہ سلسلہ نہایت کثرت سے چل پڑا اور کئی کتب عربیہ، سیرت، لغت اور تاریخ وغیرہ کی مدون ہوئیں۔ دوسری صدی سے قبل علماء صرف حافظہ پر بھروسہ کرتے تھے اور غیر مرتب صحائف سے روایات نقل کرتے۔ (النجوم الزاہرہ فی ملوک مصر والقاہرہ: ۱/۳۵۱)

قرآن حکیم سرکار دو عالم ﷺ کے حالات زندگی، کفار مکہ، ہجرت اور منافقین و یہود سے اہل مدینہ اور سرکار دو عالم ﷺ کے تعلقات کو بیان کرتا ہے۔ چنانچہ اس میں بعثت سے قبل اور بعثت کے بعد کے حالات بھی مذکور ہیں۔

قرآن حکیم کے بعد رسول اللہ ﷺ کی احادیث آپ ﷺ کی سیرۃ کا مصدر ہیں۔ چنانچہ حدیث کی تمام کتابوں میں نبی کریم ﷺ کے اقوال وافعال اور زندگی کے مختلف ادوار کے حالات مذکور ہیں۔

سیرۃ نبویہ کا تیسرا مصدر کتب سیرت اور کتب تراجم ہیں۔ ان سے سیرۃ نبویہ کے بارے میں بہت معلومات ملتی ہیں۔ چنانچہ ابن سعد کی الطبقات کبریٰ اور ابن حجر عسقلانی کی الاصابہ۔ یہ دونوں کتابیں سیرت کے بعض گم نام گوشوں کو اجاگر اور ظاہر کرتی ہیں جن سے دیگر کتب خالی ہیں۔

دلائل اور خصائل کی کتابیں بھی سرکار دو عالم ﷺ کی زندگی کے مختلف گوشوں کو اجاگر کرتی ہیں۔ چنانچہ امام بیہقی کی دلائل النبوۃ اور امام سیوطی کی الخصائص الکبریٰ سے بھی سیرت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔

تاریخ کی کتابیں بھی سرکار دو عالم ﷺ کی ولادت سے وفات تک کے تمام

Marfat.com

احوال اور واقعات کو ذکر کرتی ہیں۔ جیسے طبری کی تاریخ الامم والملوک، ابن کثیر کی البدایہ والنہایہ اور ابن اثیر کی الکامل وغیرہ اس سلسلہ میں کافی معلومات فراہم کرتی ہیں۔

پھر ان تمام مصادر کی سوائے قرآن حکیم کے، ہر روایت قابل قبول نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے یہ بات ذہن میں رکھیں کہ سیرۃ نبویہ اپنے اجمال کے اعتبار سے علم تاریخ میں شامل ہے جو کہ علم نظری ہے جس میں حوادث زمانہ کو وقت کی تعیین، وضاحت اور علتوں کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔ اس میں دو امور شامل ہیں:

① کسی چیز کو مشاہدہ یا علم کے ذریعہ نقل کرنا۔

② اس کی علت تلاش کرنا۔ (منہج کتابۃ التاریخ الاسلامی: ص ۵۵)

اس کا ایک جزو علم حدیث اور حکم کو بھی شامل ہے جیسا کہ محدثین اور مؤرخین کا اتفاق ہے۔ چنانچہ علمائے حدیث اور علمائے سیرۃ نے سیرت نبویہ کی روایات کے قبول کے بارے میں تساہل اور عدم تشدد سے کام لیا ہے۔ جب تاریخی روایات سے کوئی حکم شرعی ثابت نہ ہوتا ہو تو ان کے قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ یہاں تک کہا گیا ہے کہ سیرۃ نگاری میں ضعیف روایات بھی قابل قبول ہیں جب کہ احادیث نبویہ میں ضعیف روایات قابل قبول نہیں ہیں۔ البتہ بعض فقہاء نے فضائل اور ترغیب وترہیب کے باب میں ضعیف روایات پر عمل کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔ (منہج کتابۃ التاریخ الاسلامی: ص ۲۵۷)

مؤرخین کی نقل کردہ وہ روایات جو حلال وحرام اور عقائد وعبادات سے متعلق نہ ہوں بلکہ قصص ومواعظ اور فضائل اعمال کے ضمن میں ہوں تو ان کو ذکر کرنے اور ان کی اسناد میں تساہل سے کام لینا جائز ہے۔ چنانچہ امام احمد اور دوسرے ائمہ حدیث فرماتے ہیں:

اذا روینا فی الحلال والحرام شددنا واذا روینا فی الفضائل و نحوها تساهلنا. (الکفایہ: ص ۱۳۴)

جب ہم حلال وحرام (یعنی احکام) کے بارے میں احادیث روایت کرتے ہیں تو سختی سے کام لیتے ہیں لیکن جب فضائل کی احادیث روایت کرتے ہیں تو (ان کے راویوں پر جرح اور تنقید کے بارے میں) تساہل سے کام لیتے ہیں۔

اس مضمون کو اور بھی کئی کتابوں میں ذکر کیا گیا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو عیون الاثر فی فنون مغازی والسیر لابن سید الناس: ۱/۱۵، الخط الاوفر فی الحج الاکبر: ص ۶۴، الموضوعات لعلی القاری: ص ۷۳، شرح الفیۃ الحدیث: ۲/۲۹۱، الفتح المبین شرح اربعین نووی

Marfat.com

لابن حجر مکی: ص ۳۲۔

بعض کتابوں میں یہ بھی منقول ہے کہ محدثین کے ہاں موضوع روایات کے علاوہ ضعیف روایات جو احکام، عقائد اور صفات الٰہیہ سے متعلق نہ ہوں، ان کی سند میں نرمی سے کام لینا جائز ہے۔ (تدریب الراوی: ۱/ ۲۹۸)

سیرۃ نبویہ چونکہ ایک تاریخی چیز ہے جس کو علمائے تاریخ نے مدون کیا ہے اور حالات و واقعات کے بارے میں معلومات نہیں مل سکتی ہیں بلکہ ان روایات سے اخلاق و عادات اور تاریخی واقعات ہی معلوم ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ جمہور مؤرخین نے ایسی روایات صالحہ کو بھی قبول کیا ہے البتہ ان پر صحیح وضعیف کا حکم نہیں لگایا ہے اور جمہور محدثین کی بھی یہی رائے ہے۔ (التاریخ الاسلامی: ۱/ ۳۹)

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ سیرت نبویہ کو تربیت اسلامی میں ایک کلیدی حیثیت حاصل ہے خصوصاً ان معاملات میں جو حلال وحرام اور عقائد سے متعلق نہیں ہیں۔ پھر سیرت نبویہ میں بعض مضامین میں وحی الٰہی شامل ہے۔ اسی لیے سیرت نبویہ کو قرآن حکیم سے ماخوذ سمجھا جاتا ہے کہ انسان اس پر یوں عمل کرے کہ وہ توجیہ الٰہی ہے جو ایک مسلمان سے اس کے التزام کا تقاضا کرتی ہے کہ اگر اس کہ اگر کوئی اس سے اعراض کرے گا تو اللہ تعالیٰ کے حق میں کمی واقع ہو گی۔ (خلق المسلم) اور اس بات میں بھی کوئی شک وشبہ نہیں کہ جس طرح حدیث نبوی کو پڑھنے والا اور نقل کرنے والا اجر وثواب کا مستحق ہے اسی طرح سیرت نبویہ کو پڑھنے والا اور اس کو اپنے عمل میں اپنانے والا موجب اجر وثواب ہے اگر اس کی نیت ٹھیک اور درست ہو۔

سیرت نبویہ نے بہت سے مسائل، حوادث اور قضایا کا حل پیش کیا ہے اور ہر شخص نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق اس میں سے قوانین اور مسائل مستنبط کیے ہیں۔ چنانچہ علمائے فقہ اور علمائے اصول نے آپ ﷺ کی سیرت سے احکام شریعت اور قوانین مستنبط کیے ہیں۔ علمائے اخلاق نے انسانی نفس کی اصلاح کے لیے اخلاق عالیہ منتخب کیے۔ علمائے بلاغت نے آپ ﷺ کی فصیح وبلیغ گفتگو سے اپنی استطاعت کے مطابق استفادہ کیا۔ اہل ادب نے آپ کی شیریں گفتگو اور مختلف وفود سے ملاقاتوں اور آپ کے خطبات سے ادبی شہ پارے منتخب کیے۔ غرض کہ ہر پہلو میں سیرت نبویہ کی فیاضی سے خوب استفادہ کیا گیا۔ (حدائق الانوار: ۱/ ۳)

آپ کی سیرت کے چشمۂ صافی سے ہدایت اور تربیت پانے والے حضرات کے اخلاق، عادات، شمائل اور خصائل یک قلم تبدیل ہو گئے جب کہ اس معاشرہ میں یہ تبدیلی نہایت

Marfat.com

مشکل تھی۔ آپ کی سیرت ان کے روحانی امراض کے لیے دوائے شافی ثابت ہوئی اور ان کی انفرادی اور اجتماعی تربیت میں ایک اہم کردار ادا کیا۔ ان کے اخلاق کو اس بلند مرتبہ پر پہنچا دیا کہ دنیا بھر کے عقلاء اور دانش ور انگشت بدندان تھے۔ انہوں نے اپنے اخلاق کو قرآنی ہدایت سے اس طرح مزین کیا، گویا ان کے اخلاق قرآن ہی کا عکس تھے۔ (الفکر التربوی: ص ۲۵)

آپ ﷺ کی سیرت کی اتباع نے ان کی فکر اور سوچ میں جدت اور عمدگی پیدا کی اور ان کو پرانی سوچ اور فکر سے نکال کر نئی سوچ کا عادی بنایا تا کہ نئی سوچ پر مبنی معاشرہ دنیا میں ہمیشہ کے لیے قائم ہو۔ (دراسۃ فی السیرۃ النبویہ: ص ۲۹)

آپ ﷺ کی سیرت کی تربیت کا یہی وہ رنگ تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں "صبغة الله وما احسن من الله صبغة" کے الفاظ میں بیان کیا ہے۔

اگر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ تربیت کے میدان میں سیرۃ نبویہ کو ایک ممتاز اور منفرد حیثیت حاصل ہے۔ اور یہ ایک ایسا انداز تربیت ہے جو کامل اور مکمل زندگی والا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ کی سیرۃ سے متاثر ہو کر لوگوں نے اپنی سوچ، طریقہ اور انداز معاشرت تبدیل کر دیا۔ وہ قوم جو پتھروں، درختوں، ستاروں اور بتوں کی پوجا کرنے والی تھی اور ناانصافی، چوری، قتل و غارت گری اور ڈاکہ زنی جن کی فطرت ثانیہ تھی، سرکار دو عالم ﷺ نے ان کے سامنے وہ طریقہ زندگی پیش کیا جو فطرت سلیمہ کے عین مطابق تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان لوگوں نے اپنی سابقہ سوچ اور فکر کو تبدیل کر کے آپ ﷺ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کر دیئے اور اپنے نفس کو نبوی سیرت کے سامنے جھکا دیا اور یہ لوگ ایسی اچھی زندگی گزارنے لگے کہ اس معاشرہ پر فرشتوں کو بھی رشک آنے لگا۔ آپ ﷺ کی اتباع کرنے والوں کے برعکس ایک گروہ آپ ﷺ کا مخالف بھی تھا جو اپنے باطل نظریات پر ڈٹا ہوا تھا اور اپنے قلب ونظر میں شکوک وشبہات کی دنیا بسائے ہوئے تھا۔ لیکن آخر کار دنیا نے دیکھا کہ وہ بھی سرکار دو عالم ﷺ اور دین الٰہی کی پیروی سے سرشار ہوئے۔

سیرت رسول اللہ ﷺ کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ بہت سے مواقع پر آپ ﷺ نے کس کمال دانش مندی سے الجھے ہوئے معاملات کو سلجھایا اور ان لوگوں کی فکر کو کیسے بدلا کیوں کہ جب تک فکر میں تبدیلی پیدا نہ ہو عقیدہ میں تبدیلی اور ایمان میں پختگی پیدا نہیں ہو سکتی۔ جب سوچ کی تبدیلی کے ساتھ عقیدہ میں تبدیلی اور ایمان میں پختگی پیدا ہوئی تو پھر سوچ کی تبدیلی کے ساتھ عقیدہ میں تبدیلی اور ایمان میں پختگی پیدا ہوئی تو پھر ایسی شخصیات منصۂ شہود پر آئیں کہ ان کی مضبوطی ایمان، حق تعالیٰ شانہ سے گہرا تعلق اور فطرت سلیمہ کی پیروی

Marfat.com

دنیا میں ایک مثال بن گئی۔

سیرت کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ کی سیرت ایسے واقعات و مشاہدات کا مجموعہ ہے جو نہ صرف زمانہ ماضی میں قابل تقلید تھا بلکہ آج بھی قابل تقلید اور قابل نمونہ ہے۔ ان واقعات و مشاہدات نے ایسے بہترین افراد پیدا کیے جن کی تربیت اسلام کے لیے تھی اور وہ بھی صرف اسلام کے لیے اپنی زندگی گزارتے تھے، چنانچہ سرکار دو عالم ﷺ کا ہر صحابی اپنی ذات میں منفرد اور یگانہ روزگار تھا بلکہ وہ آپ ﷺ کا ایک معجزہ تھا۔ جیسے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ، سیدنا خباب بن الارت رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ، سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کی زندہ مثال ہیں جنہوں نے اسلام کی تبلیغ اور نشر و اشاعت کے لیے اپنی قیمتی جان تک قربان کر دی۔

جب کوئی شخص سرکار دو عالم ﷺ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کرتا ہے تو ایک اس میں قربانی اور اعمال حسنہ میں مسابقت کا داعیہ پیدا ہوتا ہے اور شح، بخل اور جبن و بزدلی کا جذبہ ماند پڑتا ہے اور اس میں ایمان کے اضافہ کا باعث بنتا ہے۔ روح کی بالیدگی اور دل کی پاکیزگی کا باعث بنتا ہے۔ چنانچہ تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ جب تک انسانیت سرکار دو عالم ﷺ کی سیرت طیبہ پر عمل پیرا رہی اس وقت تک وہ سعادت اور کامیابی و کامرانی کی منزلیں طے کرتی رہی جیسے ہی آپ ﷺ کی سیرت سے دوری ہوئی، شقاوت، بدبختی اور ضلالت و مغلوبیت اس امت کا مقدر بن گئی۔

علماء نے لکھا ہے کہ سیرت نبویہ کا مطالعہ علماء، فقہاء، محدثین اور ارباب اقتدار کو اسلام اور اہل اسلام کی عزت اور غلبہ کی راہ بتاتا ہے۔ آپ ﷺ کے انداز تربیت کی معرفت حاصل ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے کیسے فرد اور معاشرہ کی اصلاح کی اور 23 سال کی قلیل مدت میں ایک ایسا معاشرہ وجود میں لایا گیا جو تمام دنیا کے لیے ایک نمونہ تھا اور بڑے بڑے ارباب اقتدار اس پر رشک کرتے تھے۔

آپ ﷺ کی بعثت سے قبل مکہ اور اس کے اطراف کا جو معاشرہ تھا اس کا تفصیلی ذکر ہم نے کتاب کے آغاز میں کر دیا ہے لیکن مدینہ منورہ جس کو ہجرت سے قبل یثرب کہتے تھے، وہ اگرچہ انتہائی زرخیز اور چشموں کی سرزمین تھا لیکن اس کے اطراف میں سیاہ پتھروں کے پہاڑ تھے۔ (المجتمع المدني في عهد النبوة: ص ٧)

مدینہ میں مشہور دو قومیں تھیں:

Marfat.com

① عرب ② یہود

عرب وہ قبائل کہلاتے ہیں جو یمن کے ازدی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے جن کو اوس اور خزرج کہا جاتا تھا۔ یہ قبائل ملک یمن سے مختلف ادوار اور مختلف شکلوں میں ہجرت کر کے مدینہ طیبہ وارد ہوئے تھے۔ انہوں نے یمن سے کیوں ہجرت کی، مؤرخین نے اس کے کئی اسباب بیان کیے ہیں۔ ان میں سب سے اہم یمن کے مشہور بند کا ٹوٹنا تھا جس کی وجہ سے تمام علاقہ زیر آب آ گیا تھا۔ (السیرۃ النبویہ لابی الحسن علی الندوی: ص ۱۸۰)

علاوہ ازیں حبشیوں کے حملے اور یمن کے داخلی انتشارات بھی ہجرت کا باعث بنے۔ ہجرت کے بعد قبیلہ اوس نے یثرب کی اوپر والی جانب سکونت اختیار کی۔ اس طرف کی زمین زرخیز اور چشموں والی تھی جب کہ قبیلہ خزرج نے مدینہ طیبہ کی نچلی جانب سکونت اختیار کی۔ اس طرف زمین کچھ زیادہ زرخیز نہیں تھی۔ ان قبائل کے ساتھ یہودیوں کا ایک قبیلہ بنو قینقاع بھی آباد ہو گیا۔

کچھ معاملات کے بارے میں اوس اور خزرج دونوں قبیلوں کے درمیان اکثر و بیشتر اختلافات بلکہ لڑائی جھگڑے چلتے رہتے تھے۔ چنانچہ یہود بھی موقع کی مناسبت سے کسی ایک قبیلہ کے ساتھ اتحاد کر لیتے تاکہ دونوں قبیلوں کے درمیان جنگ کی آگ بھڑکتی رہے۔ چنانچہ ہجرت نبوی سے پانچ سال قبل لڑی جانے والی جنگ بعاث یہود کے شرارتوں کا بین ثبوت تھی۔ اہل عرب نے ان کی دوزخی پالیسی کے باعث ان کو لومڑی کا لقب دیا تھا۔ (السیرۃ النبویہ للندوی: ص ۱۸۱)

اہل یثرب یا دوسرے لفظوں میں اہل عرب کو اس بات کا بخوبی احساس ہو گیا تھا کہ یہودی ان کی باہمی عداوت سے فائدہ اٹھا کر اپنا تسلط قائم کرنا اور اپنا مال بنانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ اوس اور خزرج دونوں قبائل نے باہمی اختلافات اور تنازعات کو ختم کرنے کا عزم کیا اور باہمی مصالحت پر زور دیا۔ چنانچہ دونوں قبائل قبیلہ خزرج کے ایک شخص عبداللہ بن ابی کو اپنا قائد اور سردار منتخب کرنے پر راضی ہو گئے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت کے باعث یہ بیل منڈھے نہ چڑھ سکی۔

یہود:

یہود بھی مدینہ کے اصل باشندے نہیں تھے۔ یہ بھی ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آباد ہوئے تھے۔ یہ لوگ پہلی اور دوسری صدی عیسوی میں ملک شام سے ہجرت کر کے آئے تھے۔ یہودیوں کے ان قبائل میں بنو نضیر، بنو قریظہ، بنو قینقاع، بنو عکرمہ، بنو حمر، بنو زعورا، بنو شطیبہ، بنو جشم،

Marfat.com

بنوعوف، بنومعاویہ، بنومرید، بنوالقصیص اور بنوثعلبہ شامل تھے۔(المجتمع المدنی: ص ۵۸)

جب یہ سب قبائل مدینہ میں وراد ہوئے تو انہوں نے اپنی ثقافت، تہذیب، عادات، معاشرت، سیاست، معاشیات، صنعت وحرفت، زراعت اور دیگر فنون کو مدینہ طیبہ میں پھیلا دیا اور اپنے نظریہ حیات کو اردگرد کے عرب قبائل میں عام کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عرب قبائل نے اس کا اثر قبول کر لیا جب کہ انہوں نے اہل عرب کی عادات مثلاً سخاوت، شاعری، فنون سپہ گری، عصبیت، قصاص اور اپنے قبیلہ کی مدد کرنا جیسی صفات کو اپنا لیا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ مدینہ میں ایک ایسی زندگی کا تصور سامنے آیا جس میں انفرادی سوچ اور مفادات مقدم تھے۔ اسی وجہ سے ان میں سودی کاروبار بھی پروان چڑھا اور انہوں نے عربی زبان میں بھی مہارت تامہ حاصل کر لی لیکن اس کے ساتھ ساتھ اپنی عبرانی زبان کی بھی پوری پوری حفاظت کی۔ یہ اہل عرب کی زندگی میں اتنا گھل مل گئے کہ ان کے حلیف اور شریک ایک مرکزی قوت بن گئے۔ (معرکۃ النبوۃ مع اہل الکتاب: ۵۲۱/۶) یہود کے ہاں ایک امتیازی وصف یہ تھا کہ وہ حامل تورات تھے جس کی وجہ سے وہ اہل عرب پر فخر کرتے اور ان کو تحریف زدہ دین کا طعنہ بھی دیتے تھے۔ چنانچہ حامل تورات ہونے کے باعث یہ لوگ دوسرے لوگوں کی مشکلات، وسائل اور مصائب میں محور ومرکز بن گئے بلکہ بعض نے تو اس منصب کے ناجائز استعمال سے مال کمانا بھی شروع کر دیا۔ چنانچہ یہودیوں میں جادو اور ٹونہ عام تھا جس کی وجہ سے عوام الناس اپنے خفیہ معاملات میں بھی ان سے مشورہ لیتے تھے اور پھر ان سے مدد کے طلب گار ہوتے تھے۔ چنانچہ حضرت مولانا ابوالحسن علی الندوی رحمۃ اللہ علیہ نے مشہور یہودی مستشرق مارگولیتھ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ

''یہودی فن جادوگری میں مہارت رکھتے تھے۔ وہ میدان جنگ میں قتل کرنے پر جادو سے مارنے کو ترجیح دیتے تھے۔'' (السیرۃ النبویہ: ص ۱۷۴)

اسی وجہ سے یہود کے قلعے اور عمارات مشہور تھیں جن میں وہ چھپ کر رہا کرتے تھے۔ چنانچہ ان کے قلعوں اور مکانات کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحشر آیت نمبر 14 میں کیا ہے۔ یہود کے ہاں شخصی اور انفرادی نفع کو مدنظر رکھا جاتا تھا اور ان کا ذریعہ معاش رہن اور سود تھا۔ یہ صرف مال میں ہی نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ عورتوں اور بچوں کو بھی گروی رکھتے تھے۔ عرب اس بات کو سخت ناپسند کرتے تھے کیونکہ عرب اپنے بچوں اور عورتوں کی حفاظت میں بہت سختی کرتے تھے۔ (السیرۃ النبویہ للندوی: ص ۱۷۷)

اوس اور خزرج کا اہل عرب میں ایک خاص مقام تھا جس کی بنا پر قریش ان سے

Marfat.com

رشتے ناطے کیا کرتے تھے کیونکہ ان کی اصل بھی بنو قحطان ہی تھی۔

مدینہ کی زمین چاروں طرف سے پہاڑوں اور چشموں میں گھری ہوئی تھی۔ جس کی وجہ سے وہ زمین کافی زرخیز تھی اور اہل مدینہ کھیتی باڑی، زراعت اور مویشی پالنے میں مصروف رہتے تھے۔ چنانچہ ان کے باغات کثرت سے تھے۔ کھجور ان کی زندگی کا ایک اہم جزو تھی کہ وہ اسے غذا، دوا، تجارت اور جانوروں کی خوراک تک کے لیے استعمال کرتے تھے، البتہ تجارت کے معاملہ میں اہل مکہ سے پیچھے تھے کہ ان کے گرمی اور سردی کے دو مشہور تجارتی سفر کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ البتہ صنعت وحرفت میں اہل مدینہ مقدم تھے۔ اس صنعت وحرفت میں یہود بھی ان کے شریک تھے۔ ان میں بنو قینقاع رنگ سازی کا کام کرتے تھے۔ شہر مدینہ میں یہ قبیلہ سب سے زیادہ مالدار اور متمول تھا۔ ان کے گھر مال و دولت اور سونے چاندی کے زیورات سے بھرے ہوئے تھے۔ مکہ اور مدینہ دونوں شہروں میں وزن کے پیمانے یکساں تھے۔ اہل مدینہ ماپ کر اشیاء کا لین دین کرتے تھے۔ (الندوی: ص ۱۸۷)

مدینہ کے بازار بھی کافی تھے جن میں بنو قینقاع کا بازار زیورات اور رنگ سازی کے لیے مشہور تھا۔ علاوہ ازیں اون بننے والے اور خوشبو فروخت کرنے والوں کے بازار بھی الگ الگ تھے۔ مختصر یہ کہ ہجرت نبوی سے قبل مدینہ طیبہ مختلف تہذیبوں اور رسوم و رواج کا حامل تھا کہ کسی وقت تصادم ہوسکتا تھا۔ ہر قبیلہ کی عادات، رسوم و رواج اور تہذیب و ثقافت الگ الگ تھی، لیکن جب سرکار دو عالم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے ان کی سوچ اور فکر کو یک قلم تبدیل کر دیا، اور وہ آپس میں بھائیوں کی طرح زندگی بسر کرنے لگے۔ ایسے بھائی کہ سگے بھائی بھی ایسے نہ ہوں۔ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مدینہ میں آ کر اپنی الگ شناخت قائم کی اور اپنے اثرات کو مدینہ کے معاشرہ میں راسخ کر دیا۔ ان کی جدید دعوت نے مدینہ کے باسیوں کو ہلا کر رکھ دیا کہ یہ لوگوں کو بتوں کی عبادت کے بجائے ایک خدا کی عبادت کا حکم دیتے ہیں اور آپس میں صلہ رحمی، حسن سلوک اور مظلوم کی مدد کا درس دیتے ہیں۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ہر فکر، سوچ اور مذہب کا ایک خاص رنگ ہوتا ہے جو اس کو دوسرے مذاہب و افکار سے ممتاز کرتا ہے۔ اسی فکر اور سوچ پر ہی انسان قائم رہتا ہے۔ ایک فکر کو سوچ کر دوسری فکر کو اختیار کرنا اور انسانی زندگی میں انقلاب برپا کرنا ان نظریات کے بس سے باہر ہے بلکہ ہر سوچ اور فکر والا انسان اپنے ہی نظریات کو درست سمجھتا ہے اور دوسرے کی سوچ اور فکر اور نظریات کو سننا بھی گوارہ نہیں کرتا چہ جائے کہ ان کو اختیار

Marfat.com

کرنا۔ البتہ اگر کسی کی سوچ کو ابتداء ہی سے درست کرنے کی کوشش کی جائے تو یہ آسان ہے اس لیے کہ اس کی زندگی کے اوپر اس کے اثرات ابھی راسخ نہیں ہوتے ہیں، لہٰذا جب کسی سوچ کو کسی کی زندگی پر نافذ کیا جائے تو اس کا عکس نہیں نکلے گا۔ (المجتمع المدنی، العمری: ص ۳۹۹)

اس کے برعکس اسلام ہر عمر اور ہر درجہ کے انسان کی سوچ اور فکر کو مکمل طور پر بدلنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اسلام ناقص تبدیلی کا قائل نہیں بلکہ وہ تمام فکر اور سوچ کو تبدیل کرنا چاہتا ہے۔ پھر اسلام کا مطمح نظر انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی ہے۔ چنانچہ اسلام کی وجہ سے معاشرہ کی اجتماعی سوچ اور فکر میں تبدیلی واقع ہو جاتی ہے اور معاشرہ کا ہر فرد اپنے رب سے تعلقات استوار کرنے پر غور و فکر کرتا ہے اور اس تعلق کو مضبوط سے مضبوط تر بناتا ہے۔ اب اس کا مطمح نظر بدل جاتا ہے۔ اب وہ اپنی سوچ اور خواہشات کے بجائے دین متین اور رسول امین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کا لحاظ اور احترام کرتا ہے۔ اب اس کے مقاصد فرد سے اجتماع تک بلند ہو جاتے ہیں۔ اب اس کی دعوت جسمانی و روحانی، انفرادی و اجتماعی، سیاسی و معاشی اور عسکری و معاشرتی میدان میں چراغ راہ اور روشنی کا مینار ہو جاتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کی کچھ اس طرح تربیت فرمائی کہ ایک شاندار قیادت امت کو فراہم کی جنہوں نے دنیا میں امن و سلامتی کا ایک ایسا ماحول پیدا کیا اور ایک ایسے معاشرہ کو جنم دیا جو پوری دنیا کے لیے باعث رشک تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کی تربیت میں تین امور پر خاص طور پر اہمیت دی۔

① اس بات پر سب متفق ہیں کہ معاشرہ کی تشکیل افراد سے ہوتی ہے۔ اگر افراد صحیح ہوں تو معاشرہ بھی صحیح اور درست ہوتا ہے۔ اس لیے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرد کی اصلاح اور تربیت پر خصوصی توجہ فرمائی، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اجتماعی معاملات پر بھی مکمل نظر رکھی۔ (مصطفےٰ احمد الزرقاء، عظمت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ص ۲۶۲)

② سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرصت کے لمحات کو غنیمت سمجھتے تھے اور ان میں اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کی تربیت کرتے تھے کیونکہ مناسب وقت کی وجہ سے زیادہ فائدہ حاصل ہوتا ہے جیسا کہ کسی چٹان یا پتھریلی زمین پر پانی بہائیں تو وہ اس میں جذب نہیں ہوتا لیکن وہی پانی اگر پیاسی زمین پر بہایا جائے تو وہ اس کو اپنے اندر جذب کر لیتی ہے اور تر و تازہ ہو جاتی ہے۔ (عظمت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ص ۲۶۳)

③ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو عمل بھی کرتے یا کرواتے اس میں انقطاع نہ آنے دیتے اس لیے

Marfat.com

کہ دائمی عمل اگرچہ ایک مرتبہ کرنا کم ہے لیکن اس سے دوام حاصل کرنا آسان ہوتا ہے۔ اس کے برعکس جو عمل فوری کیا جائے وہ دوام سے خالی ہوتا ہے۔ اس کا نتیجہ انقطاع اور زوال ہی ہوتا ہے، اس لیے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی تربیت میں دائمی اعمال پر زیادہ زور دیا ہے۔ (عظمت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ص ۲۶۶)

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصحاب کی تربیت میں بھرپور کوشش کی۔ آپ راتوں کو اٹھ اٹھ کر ان کے اعمال کا مشاہدہ کرتے، اور ان کو حالات کے مطابق ہدایات دیتے، لیکن انسان ہونے کے ناطے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کچھ خطائیں اور غلطیاں بھی سرزد ہوئیں۔ کچھ انفرادی اور کچھ اجتماعی غلطیاں جیسے جنگ میں تیرانداز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا درّہ کو چھوڑ دینا۔ لیکن آپ نے ایک ماہر طبیب کی حیثیت سے انہیں ایسی دوا دی کہ ان کا مرض جڑ سے نکل گیا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ انداز ایک نمونہ بن گیا۔ بعد میں امت کے اہل رشد وہدایت اس پر عمل پیرا رہے۔

مختصر یہ کہ دنیا میں اگر کوئی ''پیغمبر امن'' کہلا سکتا ہے تو وہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی ہے جنہوں نے 23 سال کی قلیل مدت میں دنیا میں ایک ایسا انقلاب برپا کیا کہ جو راہ زن تھے وہ راہ بر ہو گئے، اور دنیائے اسلام امن وسلامتی کا گہوارہ بن گئی۔

اس کتاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرۃ کے اس پہلو کو نمایاں کیا گیا ہے کہ جس دور میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ہوئی۔ اس زمانہ میں ایک عجیب افراتفری کا عالم تھا۔ نہ جسمانی سکون تھا اور نہ روحانی آرام۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دونوں امن اور سکون لوگوں کو عطا فرمائے اور یہ کائناتِ ارضی رشکِ جناں ہو گئی۔ اور پھر دنیا نے دیکھا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کی روشنی میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے دنیا کی سب سے پہلی فلاحی اسلامی مملکت قائم کی جس میں معاشی، اقتصادی، سیاسی، معاشرتی اور عمرانی امن وسکون تھا۔

امید ہے کہ قارئین کرام اس کتاب کو پڑھ کر اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں اپنی معلومات کو درست کریں گے اور ان میں اضافہ بھی محسوس کریں گے۔

دعا گو ودعا جو:

(حکیم) محمود احمد ظفر۔ سیالکوٹ

26 جمادی الاولیٰ 1429ھ/ یکم جون 2008ء

فون نمبر: 0300-6106968

Marfat.com

دورِ جاہلیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل کا جو دور ہے اس کو تاریخ میں دور جاہلیت سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اور جاہلیت کا دور ہمیشہ بدامنی اور فساد کا دور ہوتا ہے، خصوصی طور پر جب کہ دنیا میں سرمایہ دارانہ نظام بھی ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل عرب قوم کو وحشی کہا جاتا تھا جو تہذیب وتمدن سے ناآشنا اور علم و ہنر سے بے بہرہ تھی۔ نہ ان میں کوئی شرافت تھی اور نہ سنجیدگی، نہ ان کا کوئی خاص ادب تھا اور نہ سلیقہ۔ یہ بات بدوی قبائل کے بارے میں تو کہی جا سکتی ہے اور ایسے پس ماندہ قبائل کسی ملک اور قوم کی تہذیب کا معیار نہیں مانے جاتے۔ بدوی قبائل کے علاوہ مکہ، طائف، تیما اور دومۃ الجندل جیسے شہروں کے متعلق یہ تصور اور یہ خیال سراسر زیادتی ہے۔

اس زمانہ میں دنیا میں دو سپر پاورز (Super Powers) تھیں۔ ایک ایرانی سلطنت اور دوسری بازنطینی حکومت، جو اپنے مضبوط قلعوں اور اپنی تہذیب کی وجہ سے اس وقت کی دنیا میں ایک خاص مقام رکھتی تھیں، لیکن تاریخ کے صفحات اس بات کی شہادت پیش کرتے ہیں کہ اگرچہ عربوں کے پاس مضبوط قلعے اور سونے چاندی کے انبار نہ تھے لیکن صبر واستقلال، پامردی اور استقامت، جفاکشی اور سخت کوشی اور سب سے بڑھ کر گھوڑوں کی پیٹھ اور تلواریں بہترین سرمایہ تھے۔ ان کی اپنی ایک تہذیب تھی، ایک تمدن تھا، ایک ادب تھا اور ایک ثقافت تھی جس کی وجہ سے تمام دنیا میں وہ اپنا ایک مقام رکھتے تھے۔ صرف انہی کو پوری دنیا میں یہ حق حاصل تھا کہ وہ خالص النسل اور محفوظ النسب ہونے کا دعویٰ کریں۔ ان کی عورتیں باعصمت تھیں۔ ان کے نہ صرف اپنے نسب محفوظ تھے بلکہ انہیں اپنے گھوڑوں اور اونٹوں کے نسب بھی ازبر تھے۔ نظم ونثر اور خطابت وتقریر میں انہیں تمام دنیا میں ایک امتیاز حاصل تھا اور دنیا کی کوئی قوم اس بارے میں ان کا مقابلہ نہیں کرسکتی تھی۔ ان کے اونٹ ان کے صحرا کے جہاز تھے اور

Marfat.com

ریت کے سمندر کے سینہ پر ان کے یہ جہاز رینگتے اور مشرق کی آخری سرحدوں تک ان کو پہنچاتے تھے۔

قول و عہد کی پابندی ان کی گھٹی میں تھی اور بعض دفعہ تو اپنے عہد کی پابندی کے لیے وہ اپنی تمام قوت اور اپنے تمام وسائل وقف کر دیتے۔ بعض دفعہ اپنی جان کی بازی بھی ہار دیتے۔

جود و سخا میں وہ مشہور زمانہ تھے۔ ایک معمولی عرب جس کا کل اثاثہ اور کل کائنات ایک اونٹنی ہوتی، وہ اپنے مہمان کی خاطر و مدارات کے لیے اس کو ذبح کرنے میں خوشی اور مسرت محسوس کرتا تاکہ وہ دل کھول کر اپنے مہمان کی مہمان داری کر سکے۔ قبیلہ طے کا سردار حاتم جو دنیا میں اپنی سخاوت کی وجہ سے مشہور تھا، عرب ہی سے تعلق رکھتا تھا، اس کی سخاوت کے واقعات العقد الفرید: ۱/ ۱۰۸، بلوغ الارب: ۱/ ۷۴ اور دوسری کئی کتابوں میں منقول ہیں۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو احقر کی کتاب ''سیرۃ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'')

حاتم طائی کے علاوہ بھی اور کئی لوگ اپنی جود و سخا کے باعث نہایت شہرت رکھتے تھے، بلکہ ہر عرب بخل کو ناپسند کرتا تھا اور بخل کرنے والے کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ چنانچہ عبداللہ بن جدعان جو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے والد ماجد ابوقحافہ کا چچا زاد بھائی تھا کے پاس کھانے کا ایک بہت بڑا برتن ہوتا تھا، جو ہر وقت کھانے سے بھرا رہتا تھا۔ وہ برتن اتنا بڑا تھا کہ ایک شتر سوار اپنے اونٹ پر بیٹھ کر اس میں سے کھانا لے سکتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک بچہ اس میں گر پڑا اور ڈوب گیا۔ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ میں عبداللہ بن جدعان کے جفنہ اور کڑاہ کے سایہ میں دوپہر کے وقت بیٹھ جاتا تھا۔ جنگ بدر میں جب ابوجہل قتل ہوا تو جنگ کے اختتام پر آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ ابوجہل کی لاش کو تلاش کرو۔ فرمایا: ''اس کی نشانی یہ ہے کہ اس کے گھٹنے پر زخم کا نشان ہے کیونکہ میں اور وہ ابن جدعان کی ایک دعوت میں زخمی ہوئے تھے۔ میں نے اسے دھکیلا تو وہ گھٹنے کے بل گرا تو اس کا گھٹنا زخمی ہو گیا۔ اس کے زخم کا داغ اس کے گھٹنے پر موجود ہے۔

ایک مرتبہ عبداللہ بن جدعان نے دو ہزار بار بردار بھیج کر شام سے گندم، شہد اور گھی منگوایا، اور ہر رات کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اعلان کیا جاتا کہ عبداللہ جدعان کی دعوت میں چلے آؤ۔ چنانچہ امیہ بن ابی الصلت نے ایک مرتبہ اس کے بارے میں کہا تھا۔ ان شعروں کا ترجمہ یہ ہے:

''اس کا ایک تیز اور تازہ دم اعلان کرنے والا مکہ میں ہے اور دوسرا کعبہ کی چھت پر سے آواز دیتا اور بلاتا ہے، حوض نما لبریز پیالہ کی طرف جس میں گندم کا آٹا شہد

Marfat.com

میں مخلوط ہے۔" (السیرۃ النبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ۱/ ۱۱۷)

مہمان نوازی کی ایک ایسی ہی ضیافتوں کے بارے میں ایک عورت فخریہ طور پر اپنے شوہر کی یہ خصوصیت ان الفاظ میں بیان کرتی ہے:

"اس کے اونٹ ہر وقت اصطبل ہی میں موجود رہتے ہیں، صرف تھوڑے سے اونٹ چراگاہوں میں چرنے کے لیے بھیج دیئے جاتے ہیں۔ یہ اونٹ جیسے ہی باجے کی آواز سنتے ہیں تو انہیں یقین ہو جاتا ہے کہ اب وہ ذبح ہو جائیں گے۔"

(بخاری: ۲/ ۷۸۰، رقم الحدیث: ۵۱۸۹)

مطلب یہ ہے کہ مہمانوں کی ضیافت اور مہمان داری کے لیے ہر وقت اونٹ اصطبل میں بندھے رہتے ہیں تاکہ جب بھی مہمان کے آنے کی دستک ہوتی ہے اور وہ باجے کی آواز سنتے ہیں تو انہیں یقین ہو جاتا ہے کہ انہیں ضرور ذبح کر دیا جائے گا۔ مہمانوں کی مہمان داری میں ذرا بھی دیر نہیں کی جاتی اور اونٹ چراگاہ سے منگوانے نہیں پڑتے بلکہ گھر کے قریب اصطبل ہی سے پکڑ کر انہیں ذبح کر دیا جاتا ہے۔

عربوں کے ہاں یہ تصور کافی عرصہ سے چلا آ رہا تھا کہ اگر زندہ اونٹ کا کوہان پہلے کاٹ لیا جائے تو یہ بہت زیادہ لذیذ ہوتا ہے۔ چنانچہ جوں ہی ان کے ہاں کوئی مہمان آتا، وہ فوری طور پر اپنے زندہ اونٹ کا کوہان کاٹ کر مہمانوں کے لیے اس کے پارچے یا کباب بنا لیتے۔ بعد میں پھر اس اونٹ کو ذبح کر کے یا تو مہمان کو کھلا دیا جاتا یا پھر فقراء اور غریبوں میں اس کا گوشت تقسیم کر دیا جاتا۔ مختصر یہ کہ کوہان کے یہ پارچے اور کباب عربوں کے ہاں بہت مشہور تھے۔ چنانچہ جنگ بدر میں قریش کے جو بڑے بڑے سردار مارے گئے اور بعد میں انہیں بدر کے کنویں میں پھینکا گیا، ایک شاعر نے ان کے مرثیہ میں ان کی اس مہمان داری کی بہت تعریف کی ہے کہ یہ لوگ دعوت کے موقع پر مہمان کو کوہان کے پارچے اور کباب آبنوس کی کشتیوں میں سجا کر پیش کرتے تھے۔ (بخاری: ۱/ ۵۵۷)

چنانچہ ابوبکر بن شعوب نے ان کے بارے میں کہا ہے

وماذا بالقلیب قلیب بدر

من الشیزی تتزین بالسنام

وماذا بالقلیب قلیب بدر

من القینات والشرب الکرام

Marfat.com

یعنی بدر کے اس کنویں میں وہ سردار پڑے ہوئے ہیں جن کے ہاں آبنوس کی کشتیاں نما طشت دعوت کے موقع پر مہمانوں کو پیش کی جاتی تھیں جو اونٹوں کے کوہانوں کے گوشت سے آراستہ ہوتی تھیں۔

اس قلیب بدر میں وہ سردار پڑے ہوئے ہیں جن کے ہاں معززین کے اجتماع میں گانے والیاں اپنے فن کا مظاہرہ کرتیں اور شراب کا دور چلتا تھا۔

اس قسم کے سینکڑوں اشعار جاہلی شاعری میں موجود ہیں جن سے عربوں کے وصف ضیافت وسخاوت پر روشنی پڑتی ہے۔اسی طرح کبشہ نامی ایک عورت اپنے خاوند کی تعریف میں کہتی ہے:

زوجي رفيع العماد، طويل النجاد، عظيم الرماد، قريب البيت من الناد. (بخاری: مع فتح الباری:۱۱/۵۵۹،رقم ۵۱۸۹)

یعنی میرے شوہر کے محل کے ستون بہت بلند و بالا ہیں، وہ بہادر، باوجاہت اور تلوار کا دھنی ہے۔(مہمانوں کی کثرت کی وجہ سے اس کے چولہوں کی)راکھ کے ڈھیر لگے رہتے ہیں، اور قبیلہ کی پنچایت اس کے گھر کے قریب ہی ہے(تاکہ لوگ اس سے آسانی سے مل سکیں)

اس قسم کے اور کئی واقعات تاریخ عرب میں مرقوم ہیں جن سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ان کے ہاں گوشت کے ٹکڑے اور کباب اور کوہان کی چربی دار بوٹیاں کثرت سے مہمانوں کو دی جاتی تھیں۔ چنانچہ دیوان حماسہ میں حجر بن خالد اپنی مہمان نوازی کی صورت بیان کرتے ہوئے یہ کہتا ہے کہ

ويحلب ضرس الضيف فيثا اذا شتا

سديف السنام تستريه أصابعه

منعنا حمانا واستباحت رماحنا

حمٰى كل قوم مستجير مراتعه

یعنی موسم سرما میں ہم اپنے مہمان کی خاطر و مدارات اس طرح کرتے ہیں کہ کوہان کے پارچے اس کے سامنے رکھ دیتے ہیں اور جب وہ کھاتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ڈاڑھیں دودھ دوہ رہی ہیں اور اس بوٹی سے دودھ کی دھاریں پھوٹ رہی ہیں۔

Marfat.com

عربوں کے ہاں سب سے بڑی بیماری بخل تصور کی جاتی تھی۔ چنانچہ مقولہ ہے کہ

ای داء ادوء من البخل (بخاری:۱/۴۴۲)

''بخل سے زیادہ خراب اور کوئی بیماری نہیں ہے۔''

عربوں کے ہاں یہ دستور تھا کہ وہ رات کے وقت اونچے اونچے ٹیلوں پر آگ جلا دیا کرتے تھے تا کہ اگر رات کے وقت کسی مسافر کا وہاں سے گزر ہو تو وہ اس آگ کو دیکھ کر یہاں کے لوگوں کے خیموں تک پہنچ سکے اور جب کوئی بھولا بھٹکا مسافر رات کے وقت ان کے ہاں پہنچ جاتا تو وہ اس کی خاطر و مدارات میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ رکھتے۔ سید محمود البغدادی نے دو شعر اس سلسلہ میں نقل کیے ہیں جن کا ترجمہ یہ ہے:

''ایک آقا اپنے غلام سے کہتا ہے: ''اے واقد! اونچے ٹیلے پر آگ جلا کیونکہ رات نہایت سرد ہے اور ہوائیں بھی ٹھنڈی چل رہی ہیں، ممکن ہے کہ کوئی بھٹکا ہوا مسافر تیری آگ کو دیکھ لے۔ اگر تیری اس جلائی ہوئی آگ نے کسی مہمان کو اپنی طرف کھینچ لیا تو تو آزاد ہوگا۔''

(بلوغ الارب:۱/۷۸)

کبھی کبھی یہ لوگ بجائے آگ جلانے کی عود اور دوسری خوشبودار چیزیں جلاتے تا کہ وسیع و عریض صحرا میں ہوا کے جھونکے اس کو دور دور تک پھیلا دیں۔ اور مسافر اس خوشبو کو سونگھ کر ان کے پاس پہنچ جائے اور وہ اس کی ضیافت اور مہمان داری کر کے لطف اندوز ہوں۔ بعض لوگوں نے اس مقصد کے لیے کتے پال رکھے تھے جو رات کی خاموشی اور سناٹے میں بھونکتے اور دور دور تک ان کی آوازیں شب کے صحرا نوردوں اور رات کے مسافروں کو ان کے خیموں تک پہنچا دیتیں، اور وہ ان کی مہمانی کر کے اپنی روح کو سکون بخشتے، چنانچہ ایک شاعر اپنے بیٹے کو اپنے کتے کے بارے میں وصیت کرتا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

''اے میرے بیٹے! میں تجھے اس کتے کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا کیونکہ اس میں بعض خوبیاں ایسی ہیں جن کو میں بہت پسند کرتا ہوں۔ ان میں سے ایک خوبی یہ ہے کہ جب رات سیاہ چادر اوڑھ لیتی ہے تو یہ میرے مہمان کو اس وقت میرے پاس لے کر آتا ہے کیونکہ اس وقت آگ جلانے والے سو جایا کرتے ہیں۔''

عرب میں کوئی حکومت نہ تھی، نہ کوئی فوج تھی اور نہ پولیس۔ ہر قبیلہ اپنی جگہ ایک

Marfat.com

آزاد مملکت کی حیثیت رکھتا تھا اور وہ اپنی آزادی کا خود محافظ تھا۔ ان کا ہر فرد خود اعتمادی کا پیکر تھا۔ نہ صرف مردوں میں بلکہ عورتوں میں بھی پوری پوری خود اعتمادی تھی۔ ازدواجی تعلقات میں بھی خود اعتمادی کی پوری جھلک ہوتی تھی۔

قول وعہد کی پابندی:

عربوں میں قول وعہد کی پابندی اپنی انتہاء کو پہنچی ہوئی تھی۔ ایفائے عہد کے لیے اگر انہیں اپنی جان بھی قربان کرنا پڑ جاتی تو وہ اس سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔ اس بات کا اندازہ اس واقعہ سے بھی ہوسکتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جب ایمان کی دولت سے مشرف ہوئے تو پورا مکہ برافروختہ ہوکر ان کے مکان پر چڑھ دوڑا اور نعرے لگانے لگا کہ ''عمر رضی اللہ عنہ بے دین ہو گیا''، ''عمر صابی ہوگیا۔'' عاص بن وائل السہمی یہ حالت دیکھ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مکان پر پہنچے اور ہجوم کو چیرتے ہوئے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور لوگوں کے اس دھاوا بولنے کی وجہ دریافت کی۔ جب یہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے گفتگو کر کے باہر آئے تو لوگوں سے کہا: ''عمر رضی اللہ عنہ میری پناہ میں ہے، تم اس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے۔'' عاص بن وائل کے منہ سے یہ الفاظ سن کر سارا مجمع پھٹ گیا اور لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ (بخاری: ۲/۵۴۵)

ہمارے اس دعویٰ کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ سفر ہجرت میں جو خریت (ماہر سفر یا راہنما) سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مقرر فرمایا تھا، اگر چہ وہ قریش مکہ کا ہم مذہب تھا، مشرک تھا، بتوں کی پوجا کرتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتنا ہی مخالف تھا جتنا دوسرے مشرک اور قریش مکہ مخالف تھے۔ اس خریت کا نام عبداللہ بن اریقط تھا۔ قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پکڑنے یا ان کے بارے میں اطلاع دینے کا بہت بڑا انعام رکھا ہوا تھا جس کو حاصل کرنے کے لیے کئی قریش مکہ دوڑ دھوپ کر رہے تھے، لیکن عبداللہ بن اریقط نے اپنا عہد وپیماں نبھاتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں پوری رازداری سے کام لیا اور قریش مکہ کے ہر قسم کے لالچ سے متاثر ہوئے بغیر پوری دیانت داری کے ساتھ حسب پروگرام اور حسب وعدہ دونوں کو محفوظ طریقے سے مدینہ منورہ پہنچا دیا۔

اس سلسلہ میں امام مرزوقی نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبیلہ مضر کے لیے قحط سالی کی دعا فرمائی۔ سات سال تک بارش کا ایک قطرہ نہ برسا۔ خشک سالی نے ہر طرف ویرانی ہی ویرانی پھیلا دی۔ کھانے کو اناج اور پینے کے لیے پانی ختم ہوگیا۔ حالات سے مجبور ہو کر قبیلہ کے سردار حاجب نے اپنی قوم سے کہا: کہ میں کسریٰ کے پاس جاتا ہوں

Marfat.com

کیونکہ قحط کی تباہ کاریوں اور خشک سالی کی وجہ سے اب یہاں رہنا مشکل ہو گیا ہے۔ قوم نے اس کی اس تجویز کو پسند کیا۔ چنانچہ وہ کسریٰ کے پاس گیا اور اس سے قحط سالی کے خاتمہ تک اس کے ملک میں رہنے کی اجازت طلب کر لی۔

کسریٰ نے اس کی درخواست کے جواب میں کہا کہ تم لوگ قزاقی اور غارت گری کے خوگر اور فتنہ و فساد کو پسند کرنے والے لوگ ہو۔ اگر تم میرے ملک میں سکونت پذیر ہوئے تو تمہاری ان عادات بد کی وجہ سے میری قوم اور ملک کا سکون برباد ہو گا اور میں اپنی قوم کا سکون برباد نہیں ہونے دینا چاہتا۔ سردار قبیلہ حاجب نے کہا: ''میں اس بات کا عہد کرتا ہوں کہ جب تک میری قوم تیرے ملک میں رہائش پذیر رہے گی، کوئی ایسی نازیبا حرکت نہیں کرے گی جس سے ملک کے امن و سکون میں کوئی ارتعاش پیدا ہو۔ کسریٰ نے کہا: ''اس بات کا کوئی ضامن ہے؟'' حاجب نے کہا: ''میں اپنی اس بات کی ضمانت کے طور پر اپنی کمان آپ پاس رکھتا ہوں۔''

کسریٰ کے لیے یہ بات بڑی انوکھی تھی۔ اس کی سمجھ میں کمان گروی رکھنے کا مطلب نہ آیا، چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد حاجب اپنی کمان لے کر جب دربار میں داخل ہوا تو اہل دربار اس کمان کو دیکھ کر ہنس پڑے، لیکن کسریٰ نے کہا کہ ''ہمیں کمان کی ضمانت منظور ہے۔''

لکھا ہے کہ جتنا عرصہ حاجب اپنی قوم کے ساتھ ایران کے علاقہ میں رہا قوم کے ہر فرد نے اپنے سردار کے اس عہد کا پاس رکھا اور کوئی ایسی ناشائستہ حرکت نہیں کی جس سے عہد کی شکست وریخت ہوتی ہو اور ملک کا امن پامال ہوتا ہو۔

کچھ سالوں کے بعد حاجب مر گیا اور قبیلہ مضر کو اللہ تعالیٰ نے دربار رسالت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمادی اور سرکار دو عالم ﷺ کی دعا سے ان کے علاقہ کی وہ ساری رونقیں واپس آ گئیں۔ تمام علاقہ سرسبز و شاداب ہو گیا۔ کھیت لہلہانے لگے۔ تالاب پانی سے بھر گئے۔ چنانچہ پورا قبیلہ ایران کے علاقہ کی سکونت چھوڑ کر اپنے علاقہ میں واپس آ گیا۔

کچھ عرصہ کے بعد حاجب کا بیٹا عطارد کسریٰ کے پاس اپنے باپ کی رہن شدہ کمان لینے کے لیے آ گیا۔ کسریٰ نے کہا: ''وہ شخص جس نے یہ کمان گروی رکھی تھی وہ تو کوئی اور تھا؟'' عطارد نے جواب دیا: ''وہ میرا باپ تھا اور میں اس کا بیٹا ہوں۔ باپ تو فوت ہو گیا، میں اپنے باپ کی کمان لینے آیا ہوں۔ کسریٰ نے وہ کمان اسے واپس کر دی۔ اور معاہدہ کے ایفاء کی خوشی میں اس کو خلعت فاخرہ بھی عطا کی۔

Marfat.com

قول وعہد کی یہ پابندی صرف افراد تک ہی محدود نہ تھی بلکہ قبائل کے مابین بھی جو معاہدات ہوتے اس کی بھی پوری پوری پابندی کی جاتی۔ اگرچہ جزیرہ نمائے عرب میں کوئی منظم حکومت نہ تھی پھر بھی قبائل کے درمیان باہمی عہدو پیمان کی پابندی نے ایک ایسا نظام قائم کر دیا تھا جو اپنے اندر ایک باضابطہ حکومت کی طاقت رکھتا تھا، چنانچہ لوگوں کے جان و مال کی حفاظت اور بیرونی حملہ آوروں کا دفاع، ان سب تحفظات کا ذمہ دار یہ معاہداتی نظام تھا۔

اگرچہ جزیرہ نمائے عرب میں ایک بہت بڑی تعداد ان لوگوں کی تھی جو خانہ بدوش زندگی بسر کرتے تھے لیکن ایک بہت بڑی تعداد ان لوگوں کی بھی تھی جو شہری تہذیب کے نہ صرف حامل بلکہ دیگر ممالک کے مہذب اور متمدن لوگوں کی ہم سری بلکہ برتری کے دعوے دار تھے۔

جزیرہ نمائے عرب میں اس زمانہ میں مشہور شہر حسب ذیل تھے:

- حجاز: مدینہ، مکہ، طائف اور ینبوع
- یمن: صنعاء، عدن اور جرش
- بحرین: ہجر
- نجد: یمامہ، فید
- عمان: صحار، ذبا
- شمالی عرب: دومتہ الجندل، خیبر اور وادی القریٰ

ان اور دیگر شہروں کے لوگ نہایت مہذب اور متمدن زندگی بسر کرتے تھے۔ جھونپڑیوں کے بجائے اونچے اونچے مکانوں اور محلات میں رہتے تھے۔ چنانچہ نعمان ابن امراء القیس کا بنوایا ہوا محل ''خورنق'' اور ''سدیر'' اس زمانہ میں ضرب المثل تھے۔

(ملاحظہ ہو معجم البلدان: ۴۸۴/۵، طبری: ۲/۲۷)

''خورنق'' محل کی تعمیر کے بارے میں طبری نے لکھا ہے کہ اس محل کی تعمیر کی یہ وجہ ہوئی کہ یزدجرد کسریٰ کا کوئی بچہ زندہ نہ رہتا تھا۔ اس نے اطباء اور حکماء سے پوچھا کہ مجھے کوئی ایسی جگہ بتاؤ جو ہر قسم کی بیماریوں سے پاک وصاف ہو۔ انہوں نے اس جگہ کی نشاندہی کی جہاں اب حیرہ آباد ہے۔ اس نے اپنے بیٹے بہرام گور کو نعمان بن امراؤالقیس کے پاس بھیجا کہ میری رہائش کے لیے اس جگہ ایک محل تعمیر کراؤ۔ اس نے ایک مشہور معمار اور آرکیٹیکٹ (Architect) ''سنمار'' کو تلاش کیا اور اس کو اس محل کی تعمیر کا کام سپرد کیا۔ جب محل تیار ہو گیا تو نعمان اس کے معائنہ کے لیے آیا۔ محل کی مضبوطی، دلکشی اور خوبصورتی کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔

Marfat.com

''سنمار'' اپنے کام کی تحسین و آفرین کو سن کر کہنے لگا کہ اگر مجھے پتہ ہوتا کہ تم لوگ مجھے پوری اجرت و معاوضہ دو گے اور میرے کام کی اس قدر تحسین کرو گے تو میں تمہارے لیے ایسا محل تعمیر کرتا جو سورج کے ساتھ گردش کرتا رہتا۔ نعمان نے تعجب سے پوچھا کہ کیا تم اس سے بھی خوبصورت محل بنا سکتے ہو؟ تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟ چنانچہ اس نے حکم دیا کہ سنمار کو محل کے اوپر سے گرا کر مار دیا جائے۔

سنمار معمار تو مر گیا اور نعمان اس محل میں رہنے لگا، نعمان جب تیس سال حکومت کر چکا تو ایک روز وہ خورنق محل کی چھت پر بیٹھا داد عیش دے رہا تھا۔ اس نے بیٹھے بیٹھے اردگرد نگاہ دوڑائی۔ اسے پھلوں سے لدے ہوئے باغات، لہلہاتے کھیت، کھجوروں کے اونچے اونچے درخت جھومتے نظر آئے۔ وہ اس دل کش اور روح پرور نظارہ سے بڑا خوش ہوا، کیونکہ محل کے اردگرد کا منظر بہت روح پرور اور روح افزا تھا۔

پھر اسے یک دم خیال آیا کہ کل جب میں نہیں ہوں گا تو ان تمام چیزوں کا مالک کوئی اور ہوگا۔ اس خیال نے اسے دنیا کی بے ثباتی کا پتہ دیا اور وہ سر سے پاؤں تک ہل گیا۔ اس کے قلب و ذہن کے بند دریچے کھل گئے۔ اس نے محل کے پہرہ داروں کو چلے جانے کا حکم دیا۔ جب تمام محافظ اور پہرے دار چلے گئے تو تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ وہ رات کی تاریکی میں ایک کمبل اوڑھ کر ایسا غائب ہوا کہ پھر وہ کسی کو نظر نہ آیا۔ اس طریقہ سے اس نے محل کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا۔ (ملاحظہ ہو تاریخ الاسلام حسن ابراہیم: ۱/ ۳۵۔ ۳۷)

ان دونوں محلات کا تذکرہ مختلف شعراء نے اپنے اشعار میں کیا ہے۔ ان دو محلات کے علاوہ اور بھی کئی محلات کا ذکر کتابوں میں ملتا ہے۔

مکہ کی عورتیں اس بات کی دعوے دار تھیں کہ وہ ننگی زمین پر نہیں بلکہ قالینوں پر چلتی ہیں، جیسا کہ اس ترانہ میں ہے جو رؤسائے مکہ کی بیگمات نے میدان اُحد میں اپنے فوجیوں کے دلوں کو بڑھاوا دینے کے لیے گایا تھا ؎

نحن بنات طارق — نمشي علی النمارق

ہم ستاروں کی بیٹیاں ہیں — ہم قالینوں پر چلتی ہیں

جو عورتیں فرش زمین پر نہیں چلتیں ان کے گھر بھی نہایت عمدہ ہوں گے، اور یقینی بات ہے کہ ان کے گھروں کی آرائش بھی نہایت اچھی ہوگی۔ سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کے والد اور سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے سسر عتبہ بن ربیعہ نے جو جنگ بدر میں سب سے پہلے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے

Marfat.com

ہاتھوں مارا گیا تھا اور مکہ کے بڑے رؤساء میں شمار ہوتا تھا، ایک شیش محل مکہ میں بنوایا ہوا تھا جس کو ''دارالقواریر'' کہتے تھے۔ (فتوح البلدان: ص۶۳)

مختصر یہ کہ اس زمانے کی تہذیب میں فرش پر قالین، مخملی گدے، بیٹھنے کے لیے غالیچے، کمر لگانے کے لیے تکیے، آرام کرنے کے لیے مسہریاں، دروازوں اور کمروں کے طاقوں پر پھولدار اور باتصویر پردے اور موتیوں کی لڑیاں (حبائل) موجود تھیں جو آج بھی تہذیب وتمدن کا ایک حصہ شمار ہوتی ہیں۔

مکہ کے لوگوں کا معیار زندگی مدینہ کے لوگوں سے زیادہ بلند اور اونچا تھا۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ مکہ کے لوگ تاجر پیشہ تھے جبکہ مدینہ کے باشندے کاشتکار اور زمیندار تھے۔ بعض لوگ ''دور جاہلیت'' کے لفظ سے یہ سمجھتے ہیں کہ شاید عرب کے باشندے افریقہ کے حبشیوں کی طرح لباس و پوشاک سے عاری تھے، اور جو لوگ لباس پہنتے تھے وہ نہایت مختصر ہوتا ہوگا لیکن اس خیال میں سچائی کی کوئی رمق نہیں ہے۔ کتابوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانہ کے عرب لباس و پوشاک میں آرائش کا پورا پورا خیال رکھتے تھے اور دوسرے ملکوں کی طرح یہاں کے رؤساء بھی نہایت قیمتی لباس زیب تن کرتے تھے۔ چنانچہ عاص بن وائل سہمی جس نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کے بعد انہیں پناہ دی تھی، نہایت قیمتی لباس پہنتے تھے۔ قمیص کی آستینوں میں ریشم کی کفیں ہوتیں، قباء ریشمی ہوتی، یمن کے دھاری دار خاص کپڑے کی چادر اور تہبند ہوتا تھا۔ بعض لوگ ہاتھوں میں دستانے (قفازین) اور پاؤں میں موزے (خفین) اور جرابیں (جوربین) بھی پہنتے تھے۔ عورتوں کے لباس میں بھی نہایت زیبائش کا خیال رکھا جاتا تھا۔

یہ تھا مختصر لفظوں میں جزیرہ نما عرب کی تہذیب وتمدن کا ایک خاکہ جس سے پتہ چلتا ہے کہ مکہ شہر کے لوگ تہذیب کے لحاظ سے عرب کے دوسرے ملکوں کے لوگوں سے کم نہیں تھے بلکہ بعض باتوں میں ان سے بہت آگے اور برتر تھے۔

Marfat.com

جاہلیت ہے کیا؟

گذشتہ صفحات میں جو کچھ کہا گیا ہے یہ تو ایک متمدن اور مہذب معاشرہ کی صفات ہیں، پھر قرآن حکیم اور مؤرخین نے اسے ''دور جاہلیت'' کیوں کہا ہے؟ لہٰذا سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ جاہلیت ہے کیا؟ اور جاہلیت سے کیا مراد ہے؟ جاہلیت سے مراد تاریخ کا وہ غیر الٰہی دور حاکمیت ہے جو جبر واستبداد، سرمایہ پرستانہ ذہنیت کی سفاکی، ظالمانہ اور فاسقانہ معاشرت اور ہمہ گیر فساد انسانیت کا ہیجانی دور ہے جس کی مثال اس سے قبل پوری تاریخ انسانیت میں نہیں ملتی۔ بادشاہوں کی قبائے زریں، فاقہ کش اور مفلوک الحال عوام کے خون ناحق سے اوران کے تخت زرنگار ہزاروں بلکہ لاکھوں انسانوں کی لاشوں پر بچھائے گئے تھے۔ امراء و حکام ملک کے عوام کا جونکوں کی طرح خون چوس رہے تھے۔ چاروں طرف ظلم ومعصیت اور سفاکی واستبداد کا ایک طوفان بپا تھا۔ قلب ونظر کی صلاحیتیں مٹ چکی تھیں۔ آج کل کے زمانے کی طرح نیکی اور برائی کا تصور ذہنوں سے مٹ چکا تھا۔ اخلاق وشرافت کے لیے دنیا کے کسی گوشہ میں پناہ گاہ نہ رہی تھی، اور چند گنے چنے انسانوں کو چھوڑ کر کسی انسان کے دل میں حق کی طلب وجستجو نہ تھی۔ قوموں کا اجتماعی کردار پستی کی انتہائی حد تک پہنچ گیا تھا اور نسل کشی، قومی عصبیت، تخریب پسندی، قتل و غارت، معاشی منصوبوں کا انحطاط، آوارہ گردی، غارت گری اورلوٹ مار کی متنوع اسکیموں پر تھا۔ ظالمانہ معاشرت اور سفاکانہ معیشت اور انسانیت کش قوانین پر مبنی نظام دنیا میں چل رہا تھا۔ وحشت وبہیمیت تمدن کے نام پر دنیا میں رائج تھی۔ انہی چیزوں کو قرآن حکیم نے ایک ہی لفظ جاہلیت سے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ ایک مقام پر عورتوں کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

﴿وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاہلیة الاولیٰ[1]﴾

(احزاب:۳۳)

Marfat.com

''اور قرار پکڑو اپنے گھروں میں اور دکھلاتی نہ پھرو جیسا کہ دکھانا دستور تھا جاہلیت اولیٰ میں۔''

یہ جاہلیت اولیٰ کی کیفیت اگرچہ کئی صدیوں سے تھی لیکن چھٹی صدی عیسوی تاریخ انسانی کا ایک سیاہ ترین اور پست ترین دور تھا۔ انسانیت دن بدن پستی اور نشیب کی طرف جا رہی تھی اور پوری دنیا میں کوئی ایسی طاقت نہ تھی جو اس گری ہوئی انسانیت کی دیوار کو سہارا دیتی اور اسے ذلت اور پستی کی اتھاہ گہرائیوں میں گرنے سے روکتی۔ اس خدانا آشنا اور خدا فراموش معاشرہ میں ہر انسان مکمل طور پر خود فراموش ہو گیا تھا، اسی وجہ سے تمام انسانی قدروں کی جگہ حیوانی قدروں نے لے لی تھی۔ ایک انسان دیکھنے میں تو انسان نظر آتا تھا لیکن اس کے عادات واطوار اور اس کے اخلاق واحوال میں خوردبین لگا کر دیکھنے سے بھی انسانیت کا کوئی جراثیم نظر نہیں آتا تھا۔

انبیاء اور رسولوں کی دعوت کی آواز عرصہ سے دب چکی تھی۔ ان کی تعلیمات ایک مدت سے یا تو محرف ہو چکی تھیں یا انسانی ذہن انہیں یک قلم فراموش کر چکے تھے۔ جن چراغوں کو ان حضرات نے اپنے خون دل سے روشن کیا تھا وہ اس جاہلیت کی آندھی میں یا تو بجھ چکے تھے یا اس طرح ٹمٹا رہے تھے کہ ان کی روشنی سے چند ایسے خداشناس دل روشن تھے جو آبادی کو چھوڑ کر ویرانوں میں اور دیر وکلیسا کو چھوڑ کر صحراؤں کی تنہائیوں میں یا پھر پہاڑوں کی غاروں میں خلوت گزین ہو چکے تھے۔ کچھ ایسے بھی تھے جو دین کا نام تو لیتے تھے لیکن انہوں نے وقت کے بادشاہوں اور اہل دنیا سے ساز باز کر لی تھی اور جبر واستبداد، ظالمانہ نظام سلطنت اور ناجائز خواہشات میں ان کے دست راست بن گئے تھے اور ناجائز طریقہ سے لوگوں کا مال کھانے اور ان کی قوت اور دولت سے ناجائز فائدہ اٹھانے میں ان کے شریک وسہیم بن گئے تھے۔

اس زمانہ میں دو سپر پاورز (Super Powers) تھیں۔ ایک رومی سلطنت اور دوسری ایرانی سلطنت۔ ان میں سے ایک مشرق کی اور دوسری مغرب کی قیادت کی اجارہ داری سنبھالے ہوئے تھی، لیکن یہ دونوں سلطنتیں اجتماعی اور اخلاقی امراض کا آشیانہ بنی ہوئی تھیں۔ ان کی رعایا اور راعیان حکومت تعیش وتکلفات کے سمندر میں غرق تھے اور دونوں پر سیاسی اور اخلاقی زوال طاری تھا۔ حکیم الامت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہ نے ان کا ایک سرسری نقشہ کھینچا ہے۔ فرماتے ہیں:

''جب ایرانیوں اور رومیوں کو مختلف اقوام پر حکومت کرتے صدیاں گزر گئیں اور انہوں نے دنیوی زندگی ہی کو اپنا مقصد اور مطمح نظر بنا لیا اور آخرت کے تصور کو یک

Marfat.com

قلم فراموش کر دیا، اور شیطنت نے پورے طور پر ان پر قبضہ کرلیا تو ان کی زندگی کا حاصل صرف اور صرف یہ بن گیا کہ عیش وعشرت کے دن گزاریں، چنانچہ ان میں سے ہر ایک دادعیش دینے لگا۔ ان کی اس طرز زندگی کو دیکھ کر چار دانگ عالم سے علماء اور سائنس دان ان کے گرد جمع ہونے لگے جو ان کے لیے طرح طرح کے سامان تعیش مہیا کرنے کی غرض سے عجیب وغریب دقیقہ سنجیاں اور نکتہ آفرینیاں پیدا کرنے لگے، اور نئے نئے اسباب زینت وتعیش کی ایجاد واختراع میں مصروف ہو گئے۔ سرمایہ پرست علماء کا یہ حال ہو گیا تھا کہ جس کسی کے پاس ایک لاکھ درہم سے کم قیمت کا پٹکا یا کلاہ ہوتا، اسے بخیلی کا طعنہ دیا جاتا۔

ایسے میں انہوں نے عالیشان اور سربفلک محل، اعلیٰ درجہ کے آبزن، نفیس حمام، نظر افروز پائیں باغ، سواری کے نمائشی جانور، خدمت کے لیے خوبصورت غلام اور حسین باندیاں اور کنیزیں اپنی زندگی کے لوازم بنالیے اور مقصد حیات یہ سمجھ لیا کہ شام وپگاہ عیش ونشاط کی محفلیں ہوں جن میں طرح طرح کے کھانے، وسیع دسترخوان پر چنے ہوں اور وہ لباس فاخرہ پہنے ان میں بیٹھے ہوں۔

بادشاہوں اور امراء کی اس عیاشانہ زندگی سے بہت سے خطرناک معاشی اور معاشرتی امراض نے جنم لیا جو معاشرتی زندگی کے ہر شعبہ میں داخل ہو گئے۔ ان امراض سے نہ تو کوئی شہری محفوظ رہا اور نہ کوئی دیہاتی، نہ امیر اور نہ غریب۔ اس ہمہ گیر مصیبت کا سبب یہ تھا کہ یہ سامان تعیش کثیر زرومال صرف کیے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ مال کثیر کاشت کاروں اور تاجروں پر نئے ٹیکس لگانے اور پہلے سے لگے ہوئے ٹیکسوں میں متعدد بہ اضافہ کیے بغیر حاصل نہ ہو سکتا تھا۔ پھر دوسری مصیبت یہ کہ گراں بار ٹیکس ادا نہ کرنے یا ٹیکس ادا کرنے سے انکار کرنے پر ان کے خلاف فوجی کارروائی کی جاتی۔ اس معاشی اور اقتصادی بدحالی کا نتیجہ یہ نکلتا کہ ٹیکس ادا کرنے اور اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پالنے کے سوا لوگ کسی اور بات کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتے تھے چہ جائیکہ سعادت اخروی اور اپنی نجات کے بارے میں کچھ سوچ بچار کریں۔ بسا اوقات پورے ملک میں ایک فرد بشر بھی ایسا نہ ملتا جس کو اپنے دین کی فکر ہوتی۔" (حجۃ اللہ البالغہ، باب اقامۃ الارتفاقات واصلاح الرسوم)

مشرقی رومن امپائر کے بادشاہوں میں سب سے عظیم الشان بادشاہ جسٹینین اول

Marfat.com

(Justinian) ہوا ہے۔ اس کو تاریخ میں جسٹینین دی گریٹ کہا جاتا ہے۔ اس کے دور میں بھی عوام الناس کی حالت ناگفتنی اور قابل رحم تھی۔ چنانچہ انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

''عظیم تعمیری منصوبوں، متواتر جنگوں اور سلطنت کی سرحد پر آباد وحشی باشندوں کو خریدنے کے لیے تاکہ وہ حکومت کو کوئی نقصان نہ پہنچائیں، روپے کی اشد ضرورت تھی۔ اس ضرورت کو عوام پر ٹیکس لگا کر پورا کیا جاتا۔ وہ سابقہ ٹیکسوں کے بارگراں کے نیچے پسے جا رہے تھے، نیز ناگوار موسموں کے باعث ان کی فصلیں اگرچہ بری طرح متاثر ہوئی تھیں، لیکن اس کے باوجود حکومت کی طرف سے ٹیکسوں میں کمی نہیں کی جاتی تھی۔ جو ٹیکس اور لگان ادا نہیں کرتا تھا اس کی غیر منقولہ جائداد قرق کر لی جاتی تھی۔ ان مالی مظالم کے باعث لوگ بغاوت کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ چنانچہ 532ء کو جو بغاوت ہوئی اس میں صرف دارالسلطنت میں تیس ہزار نفوس ہلاک کر دیئے گئے۔'' (انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا: ۱۳/۲۱۱)

ایک طرف عوام کی خستہ حالی اور قلاشی کا یہ عالم تھا دوسری طرف شاہی خاندان کے افراد اور رؤساء کی عیش کوشی اور عیاشی کی داستانیں سن کر انسان ورطۂ حیرت میں ڈوب جاتا ہے۔ ان کے عالی شان محل اور بنگلے، ناؤ ونوش کی مجلسیں اور عیش وعشرت کے سازوسامان انسان کی عقل کو ماؤف کر دیتے ہیں۔ سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے جبلہ بن الایہم غسانی جو ایمان لا کر بعد میں مرتد ہو گیا تھا، اس کی مجلس عیش کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے۔ فرماتے ہیں:

''میں نے دس باندیاں دیکھیں جن میں پانچ روم کی، جو بربط پر گا رہی تھیں اور پانچ وہ تھیں جو اہل حیرہ کی دھن میں گا رہی تھیں جنہیں عرب سردار ایاس بن قبیصہ نے تحفۃ بھیجا تھا۔ اس کے علاوہ عرب کے علاقہ مکہ وغیرہ سے بھی گویوں کی ٹولیاں جاتی تھیں۔ جبلہ جب شراب نوشی کے لیے بیٹھتا تو اس کے نیچے فرش پر قسم قسم کے پھول چنبیلی اور جوہی وغیرہ بچھا دیئے جاتے اور سونے چاندی کے ظروف میں مشک وعنبر لگائے جاتے۔ چاندی کی طشتریوں میں مشک خالص لایا جاتا۔ اگر جاڑوں کا زمانہ ہوتا تو عود جلایا جاتا۔ اگر گرمیوں کا موسم ہوتا تو برف بچھائی جاتی اور اس کے ہم نشینوں کے لیے گرمیوں کا لباس آتا جس کو وہ اپنے اوپر ڈال دیتے۔ جاڑوں میں سمور، قیمتی کھالیں اور دوسرے گرم لباس حاضر کیے جاتے۔'' (بحوالہ نقوش رسول نمبر: ۳/۱۲۳)

ان دونوں سپر پاورز کی اخلاقی اور معاشی حالت کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

Marfat.com

ایرانی سلطنت کی حالت:

مشرقی دنیا کی قیادت کی اجارہ داری ایران کے ہاتھ میں تھی۔ متمدن دنیا کے انتظام میں اگرچہ ایران روم کا شریک وسہیم نہیں تھا لیکن شومئ قسمت سے وہ انسانیت کے دشمن افراد کی سرگرمیوں کی دیرینہ آماجگاہ تھا۔ زمانۂ دراز سے اس کی اخلاقی بنیادوں میں دراڑیں پڑی ہوئی تھیں۔ ایرانیوں کو ان فطری اور مقدس رشتوں سے کراہت اور نفرت تھی جن رشتوں سے ازدواجی تعلقات کو متمدن علاقوں کے باشندے ہمیشہ ناجائز اور غیر قانونی سمجھتے رہے ہیں۔ پانچویں صدی عیسوی کے وسط میں ایران پر یزدگرد دوم کی حکومت تھی۔ تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ اس نے اپنی حقیقی بیٹی کو اپنی زوجیت میں رکھا اور پھر اسے قتل کر دیا۔ (طبری:۱/ ۵۰۹)

بہرام چوبین ایران کا مشہور حاکم تھا اور ایران پر اس کی حکومت چھٹی صدی عیسوی میں تھی۔ اس نے اپنی سگی بہن سے اپنا ازدواجی تعلق رکھا۔ (طبری:۱/ ۵۰۹)

مشہور چینی سیاح ہوئن سیانگ کا بیان ہے کہ ایرانی قانون ومعاشرت میں ازدواجی تعلقات کے لیے کسی رشتہ کا بھی استثناء نہ تھا گویا کہ ماں، بہن، بیٹی ان سب سے ازدواجی تعلقات قائم کرنا ایرانی معاشرت کا ایک اصول تھا۔ (ایران بعہد ساسانیاں:ص ۴۳۰)

پروفیسر آرتھر کرسٹن کے بیان کے مطابق اس قسم کا ازدواجی رشتہ ایران میں کوئی ناجائز یا حرام فعل تصور نہیں کیا جاتا تھا بلکہ ایک کارِ ثواب سمجھا جاتا تھا۔ گویا ذہن وفکر میں اس قدر انقلاب آ چکا تھا کہ حلال وحرام کا تصور ذہنوں سے بالکل ختم ہو گیا تھا۔

محرمات سے نکاح زرتشتیوں کا مذہب تھا لیکن ان کو دیکھ کر عیسائیوں اور دوسرے مذاہب کے پیروکار جو ایرانی سلطنت میں بستے تھے، انہوں نے بھی اس فعل بد کو اپنا لیا، چنانچہ پروفیسر آرتھر کرسٹن لکھتا ہے:

> ''ایران کے عیسائیوں نے بھی زرتشتیوں کی دیکھا دیکھی محرمات کے ساتھ شادی کرنے کے فعل بد کو اپنا لیا حالانکہ ان کی شریعت میں یہ فعل حرام تھا۔''

(ایران بعہد ساسانیاں:ص ۵۷۱)

پھر ساسانیوں میں یہ رواج بھی عام ہو گیا کہ وہ اپنی عورتیں دوسروں کو استعمال کے لیے دے دیتے تھے اور ان سے جو اولاد ہوتی وہ اس شوہر کی سمجھی جاتی تھی جو اپنی عورت دوسرے کو دیتا تھا۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ایران بعہد ساسانیاں:ص ۴۳۶ تا ۴۳۸)

Marfat.com

تیسری صدی عیسوی میں ایک شخص مانی ایران کی سرزمین میں پیدا ہوا، اس نے ملک میں شدید شہوانی رجحانات کے ردعمل کے طور پر ایک تحریک چلائی اور اس نے دنیا کو تجرد کی زندگی اختیار کرنے کی دعوت دی تاکہ دنیا سے شروفساد اور جنسیات کے جراثیم یک قلم ختم ہو جائیں، چنانچہ اس نے نکاح کو حرام قرار دیا۔ بہرام نے سنہ 276ء میں مانی کو یہ کہتے ہوئے موت کے گھاٹ اتار دیا کہ یہ شخص دنیا کو تباہی کی دعوت دیتا ہے، لہٰذا قبل اس کے کہ یہ دنیا ختم ہو خود اس شخص کو ختم ہو جانا چاہیے۔

پھر سنہ 487ء میں مزدک پیدا ہوا۔ اس نے یہ دعوت دی کہ تمام انسان یکساں پیدا ہوئے ہیں۔ ان میں کوئی تفریق نہیں لہٰذا زن، زر اور زمین سب کی مشترک ہے۔ گویا یہ دنیا میں سب سے پہلا یوٹوپیائی (Utopian) سوشلسٹ تھا جس نے ان تینوں کو ہر ایک کے لیے مشترک قرار دیا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ چونکہ مال اور عورت ہی دو ایسے عنصر ہیں جن کی حفاظت و نگرانی کا انسان اہتمام کرتا ہے لہٰذا ان دونوں میں اشتراک اور مساوات سب سے زیادہ ضروری ہے۔ چنانچہ علامہ شہرستانی نے لکھا ہے:

''مزدک نے تمام عورتوں کو سب کے لیے حلال قرار دے دیا اور مال وزن کو آگ، پانی اور چارہ کی طرح سب کے لیے مشترک قرار دیا۔'' (الملل والنحل: ص ۸۶)

مزدک کی اس دعوت میں بڑی جاذبیت (Attraction) تھی اس وجہ سے نوجوان نسل اور تعیش پسند امراء اور اعیان سلطنت نے اس تحریک کا پرجوش اور بھرپور خیر مقدم کیا اور یہ تحریک چند سالوں میں جنگل کی آگ کی طرح پورے ایران میں پھیل گئی۔ اس پر طرفہ تماشہ یہ ہوا کہ ایرانی بادشاہ قباد نے اس تحریک کی سرپرستی کی بلکہ اس کی اشاعت میں بڑی سرگرمی دکھائی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی سالوں میں (آج کل کے یورپ اور امریکہ کی طرح) پورا ملک جنسی انارکی اور شہوانی بحران میں ڈوب گیا۔

علامہ طبری نے لکھا ہے کہ

''آوارہ مزاج اور اوباش طبع لوگوں نے اس تحریک کی بہت پذیرائی کی اور اس موقع کو غنیمت سمجھا اور مزدک اور مزدکیوں کے پرجوش ساتھی بن گئے۔ عام شہری اس بلائے ناگہانی کا شکار تھے کیونکہ ان میں سے کسی کی بھی عزت محفوظ نہ تھی۔ اس تحریک نے اس قدر زور پکڑا کہ جو چاہتا اور جس کے گھر میں چاہتا، گھس کر اس کے مال وزن پر قبضہ کر لیتا اور صاحب خانہ منہ دیکھتا رہ جاتا۔ ان مزدکیوں نے قباد کو

Marfat.com

معزولی کی دھمکی دے کر اس کو تحریک کا سرپرست بنالیا۔ بادشاہ کی سرپرستی سے اس تحریک میں اور زور وشور پیدا ہو گیا، نتیجہ یہ ہوا کہ دیکھتے ہی دیکھتے یہ حالت ہو گئی کہ نہ باپ اپنے لڑکوں کو پہچان سکتا تھا اور نہ لڑکا اپنے باپ کو، کسی کا بھی اپنی کسی ملکیت اور عورت پر اختیار اور قبضہ نہ تھا۔" (طبری: ۱/۵۲۰)

یہ تو ایرانی اخلاقیات کا ایک سرسری نقشہ تھا۔ عقیدہ کے لحاظ سے بھی ایران کی حالت روم سے زیادہ بدتر تھی۔ ایرانیوں کی بھی یہ حالت تھی کہ جوشِ بت شکنی میں انہوں نے مصریوں کے متبرک بیل اپیس (Apis) کو ذبح کر ڈالا تھا اور اس کے استھان کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی، لیکن انہوں نے بہت جلد ہرمزکی پرستش میں اپنے محکوم ملکوں کے سامی خداؤں کو داخل کر لیا۔ پرانی مجوسی عناصر پرستی از سرِنو تازہ ہوگئی اور دارایوش کے ایک قریبی جانشین اردشیر نیمون (Artaxerxes Mnemon) نے زرتشتیوں میں مخنث دیوتا متھرا کی پوجا رائج کردی۔ یہ کلدانی دیوتا ملتایا انائی ٹیس کا مثنیٰ تھا۔ اس کے ساتھ لنگ پوجا بھی وابستہ تھی۔

ایران کے بادشاہ اس بات کے دعویدار تھے کہ ان کی رگوں میں خدائی خون ہے لہٰذا ایران کے باشندے بھی انہیں اسی نظر سے دیکھتے اور ان کے آگے سربسجود ہوتے اور انہیں قانون سے، تنقید سے اور بشریت سے بالاتر تصور کرتے۔ پھر ان کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ بادشاہت ان کا آسمانی حق ہے۔ (Divine Right of Kings) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو براؤن کی کتاب (Literary History of Persia vol.iv) سلاطین کا ہر انسان پر پیدائشی حق تھا، لیکن کسی انسان کا ان پر کوئی حق نہ تھا۔ حکومت کے لئے صرف ایک خاص خاندان یعنی کیانی خاندان مخصوص تھا، لہٰذا سمجھا یہ جاتا تھا کہ اس خاندان کے افراد تاج وتخت کے مالک ہو سکتے ہیں، اور بادشاہت کا یہ حق ان کا موروثی اور الٰہی ہے، اگر انہیں خاندان میں بادشاہت کے لئے کوئی سن رسیدہ شخص نہ ملتا تو کسی عورت یا بچے ہی کو تاج شاہی پہنا دیتے، چنانچہ کسریٰ کی لڑکی بوران اور دوسری بیٹی آزرمی دخت تخت نشین ہوئیں اور شیرویہ کے بعد اس کے ہفت سالہ بچے کو تخت شاہی پر بٹھایا گیا اور خسرو پرویز کے بیٹے فرخ زاد خسرو کو شہنشاہ تسلیم کیا گیا، حالانکہ ان زمانوں میں کئی سپہ سالار اور سردار موجود تھے لیکن زمام حکومت ان کے سپرد صرف اس لئے نہ کی گئی کہ ان کا نسبی تعلق شاہی خاندان سے نہیں تھا، کیونکہ سمجھا یہ جاتا تھا بلکہ پبلک کو سمجھایا یہ جاتا تھا کہ ان کے دل و دماغ دوسرے انسانوں سے بہت مختلف ہیں، اسی وجہ سے فوکاس (Phocas) نے جب سنہ ۶۰۲ء میں رومی بادشاہ ماریس (Maurice) کے خلاف بغاوت

Marfat.com

کر کے اس کو تخت شاہی ہی سے محروم کر دیا اور خود اس پر قابض ہو گیا تو فوکاس (Phocas) نے ایک سفیر کے ذریعہ ایران کی حکومت کو اپنی تخت نشینی کی اطلاع دی۔ اس وقت ایران کے تخت پر نوشیرواں عادل کا لڑکا خسرو پرویز تھا۔ خسرو پرویز کو سنہ 91-590ء میں اندرونی بغاوت کی وجہ سے فرار ہونا پڑا تو مقتول رومی بادشاہ ماریس نے اس کو اپنے علاقہ میں پناہ دی اور تخت شاہی کے دوبارہ حصول میں اس کی بھرپور مدد بھی کی۔ انہیں دنوں خسرو پرویز نے ماریس کی لڑکی سے شادی بھی کر لی اور اس رشتہ کی وجہ سے وہ ماریس کو باپ کہتا تھا۔ سنہ 603ء میں خسرو پرویز دریائے فرات کو پار کر کے شام کے شہروں میں داخل ہو گیا اور رومی سلطنت میں بڑھتا چلا گیا۔ ایرانی فوجیں انطاکیہ کو فتح کر کے یروشلم پر قابض ہو گئیں۔ خسرو پرویز کی اس کامیابی میں نسطوری اور یعقوبی فرقے کے عیسائیوں اور یہودیوں کا بہت بڑا ہاتھ تھا کیوں کہ وہ رومی سلطنت کے خلاف تھے۔

رومی سلطنت کے بچانے کے لئے اعیان حکومت نے افریقی مقبوضہ کے رومی گورنر کو خاموش پیغام بھیجا۔ اس نے اپنے لڑکے ہرقل (Heraclius) کو اس مہم پر بھیجا۔ ہرقل نہایت رازداری سے آیا اور معمولی لڑائی کے بعد سلطنت پر قابض ہو گیا اور فوکاس کو قتل کر دیا، لیکن ہرقل ایرانی فوجوں کے سیلاب کو نہ روک سکا، سنہ ۶۱۶ء تک رومی دارالسلطنت سے باہر عام مشرقی اور جنوبی حصہ کھو چکے تھے اور عراق، شام، فلسطین، مصر اور ایشائے کوچک وغیرہ پر صلیبی علم کے بجائے درفش کاویانی لہرا رہا تھا۔ ایرانی حکومت نے رومی علاقہ پر قبضہ کرنے کے بعد عیسائیت کو نیست و نابود کرنے کے لئے ان پر شدید ترین مظالم شروع کر دیئے۔ ان کے مذہبی شعائر کی توہین کی گئی، قریباً ایک لاکھ عیسائیوں کو بے گناہ قتل کیا گیا، کلیساؤں کو مسمار اور آتش کدوں کو تعمیر کیا گیا اور ان کی مقدس صلیب کی اصل لکڑی جن کے متعلق عیسائیوں کا عقیدہ تھا کہ سیدنا مسیح علیہ السلام نے اس پر جان دی تھی، چھین کر ایرانی دارالسلطنت مدائن پہنچا دی گئی۔

اس وقت ایرانی فاتح خسرو پرویز اپنے آپ کو کیا سمجھتا تھا اس کا اندازہ خسرو پرویز کے اس خط سے ہوتا ہے جو اس نے بیت المقدس سے ہرقل کو لکھا تھا:

Khusru greatest of gods and master of the whole earth, to Heraclius, His vile and insensate slave. You say that you trust in your god. Why then, has he not delivered Jerusalem out of my hand?"

Marfat.com

"سب خداؤں سے بڑے خدا اور تمام روئے زمین کے مالک خسرو کی طرف سے اس کے کمینہ اور بے شعور بندے ہرقل کے نام۔ تو کہتا ہے کہ تجھے اپنے خدا پر بھروسہ ہے، کیوں نہ تیرے خدا نے یروشلم کو میرے ہاتھ سے بچایا۔"

اس خط کے ایک ایک لفظ سے ایرانی بادشاہ کی رعونت، تکبر اور غرور و جاہ ٹپکتا ہے۔

اسی دوران ایران کے جنرل سین (Sain) نے تجویز کیا کہ ہرقل صلح کا ایک قاصد شہنشاہ ایران کی خدمت میں روانہ کرے اس کا مشورہ ہرقل اور اس کے مشیروں نے بڑی خوشی سے قبول کیا لیکن شہنشاہ ایران نے کہا:

"مجھ کو یہ قبول نہیں بلکہ خود ہرقل زنجیروں میں بندھا ہوا میرے تخت کے نیچے چاہیے۔ رومی حکمران سے اس وقت تک صلح نہیں کروں گا جب تک وہ اپنے صلیبی خدا کو چھوڑ کر سورج دیوتا کی پرستش نہ کرے۔"

(The History of the Decline and Fall of the Roman Empire, Vol.5,P75 By Edward Gibbon)

خسرو کے اس خط کو نہ صرف گبن نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے بلکہ ول ڈیوران نے اپنی مشہور کتاب "The Age of Faith P.147" اور جنرل سر پرسی (Brigadier General Sir Percy Sykes) نے اپنی کتاب "History of Persia" کے صفحہ 482 پر بھی نقل کیا ہے۔

حکومت کی طرف سے عوام الناس کو ممانعت تھی کہ وہ امراء کے طبقہ میں سے کسی کی جائیداد خرید سکیں۔ سوسائٹی میں مختلف طبقات میں ناقابل عبور فاصلہ تھا۔ ذات پات کا تصور عام تھا۔ کوئی بڑا کام نچلی ذات کے آدمی کے سپرد نہیں کرتے تھے اور سوسائٹی میں ہر شخص کی ایک متعین جگہ تھی اس وجہ سے کوئی شخص ترقی کر کے اوپر نہیں جا سکتا تھا۔

(ملاحظہ ہو ایران بعہد ساسانیاں)

وطن پرستی اور قوم پرستی ایرانیوں کی گھٹی میں تھی۔ وہ ایرانی قومیت کو نہایت مقدس اور باعظمت سمجھتے تھے گویا "غلام پارسی ایران پرستد" ان کا عقیدہ تھا۔ اس عقیدے کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے گرد و پیش کی قوتوں کو ذلت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، یہی وجہ تھی کہ خسرو پرویز نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نامہ مبارک کو پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جو کہ توہین و تمسخر کی ایک زندہ مثال ہے۔

Marfat.com

جب عقیدے کی یہ حالت ہو تو اس معاشرہ میں ایک جامع دین کیسے راہ پا سکتا ہے۔
اسی وجہ سے ایرانی دین الٰہی سے محروم تھے جو ان کے باطن کی اصلاح کرتا۔ یہ تھے مختصر سے حالات اس سلطنت کے جس کا بادشاہ اپنے آپ کو "سب خداؤں سے بڑا خدا اور تمام روئے زمین کا مالک سمجھتا تھا۔" اگرچہ اس کی سلطنت میں اس زمانہ کی تہذیب وتمدن کی ہر شے موجود تھی، لیکن سلطنت کا پورا نظام جاہلی بنیادوں پر قائم تھا اور اسلام نے اسی کو "جاہلیت" کہا ہے وگرنہ ایرانی سلطنت کے پاس جدید سے جدید اسلحہ اور ہر قسم کا سامان تعیش موجود تھا لیکن وہ انسانی اقدار موجود نہ تھیں جن پر انسانیت کی بنیاد رکھی جاتی ہے اور جن کے سایہ دار درخت کے نیچے انسان سکھ کا سانس لیتے ہیں۔

ایران کے معاشرتی حالات بھی نہایت خراب تھے۔ ایرانی معاشرہ مختلف طبقات میں منقسم تھا۔ سوسائٹی میں چھوٹے بڑے کا امتیاز اس قدر تھا کہ چھوٹے لوگ معاشرہ میں کوئی اونچا مقام حاصل کرلیں تو یہ بہت بڑی بات تھی۔ وہ اپنا پیشہ تک تبدیل نہیں کر سکتے تھے۔ ان کے ذہنوں میں مذہبی طبقہ کی طرف سے یہ بات ڈالی جاتی تھی کہ تمہارے آباؤ اجداد نے جو پیشہ اختیار کیا وہ خدا کے حکم کے تحت کیا تھا لہٰذا اب انہیں پیشہ تبدیل کرنے کا حق نہیں ہے۔ ایران کی اعلیٰ سوسائٹی کی عمارت دوستونوں پر قائم تھی۔ ایک نسب اور دوسرا مال و دولت، چنانچہ عوام اور خواص کے مابین لباس، سواری، مکان، باغ، عورتوں اور نوکروں کے لحاظ سے امتیاز تھا۔ خواص کی سواری کی شان وشوکت، لباس کی چمک دمک، عورتوں کے فیشن اور میک اپ، سر بفلک محلات، کلاہ (ٹوپیاں) اور امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ ان کی اعلیٰ نسبی کا پتہ دیتے تھے۔

(ایرانی بعہد ساسانیاں ص ۴۱۷)

تعدد ازدواج کا عام رواج تھا۔ ایک شخص کے لئے بیویوں کی تعداد کی کوئی حد نہ تھی ہر شخص اپنی آمدنی کے مطابق بیویاں رکھ سکتا تھا، البتہ غریب آدمی کو صرف ایک بیوی پر قناعت کرنا پڑتی۔ جن لوگوں کی زیادہ بیویاں ہوتیں، ان میں ایک بڑی بیوی ہوتی جن کو "زن پادشاہی ہا" کہتے۔ دوسری سب بیویاں اس کی ماتحت ہوتیں اور ان کے حقوق بڑی بیوی سے مختلف ہوتے اور یہ سب "خدمت گار بیویاں" کہلاتیں۔ ان کی صرف اولاد نرینہ کو خاندان میں داخلہ کا حق مل سکتا تھا۔ (ایران بعہد ساسانیاں ص ۴۲۷۔۴۲۸)

خود خسرو پرویز کے بارے میں علامہ طبری نے لکھا ہے کہ اس کی تین ہزار بیویاں تھیں۔ ان کے علاوہ ہزار ہا لونڈیاں تھیں جو بادشاہ کی ہر طرح کی خدمت کرتی تھیں اور رقص و

Marfat.com

سرود کی محفلوں کو زینت بخشتیں۔ تین ہزار خدمت گار، آٹھ ہزار پانچ سو گھوڑے (ابن اثیر نے پچاس ہزار لکھے ہیں) سات سو ساٹھ ہاتھی، بارہ ہزار خچر اور جواہرات اور سونے چاندی کے برتنوں کا کوئی حساب نہیں تھا۔ (طبری جلد ا،ص، ابن اثیر جلد ا ص ۴۹۲)

کسریٰ کے تاج کے بارے میں مختلف کتابوں میں مرقوم ہے کہ اس کا وزن کئی من تھا۔ یہ تاج طلائی تھا۔ یاقوت وزبرجد اور دوسرے قیمتی جواہرات سے آراستہ تھا۔ وزنی ہونے کی وجہ سے بادشاہ اسے سر پر اٹھا نہ سکتا تھا، لہٰذا وہ تخت کے اوپر ایک طلائی زنجیر سے معلق تھا۔ کسریٰ تخت پر پردے میں جلوہ افروز ہوکر اس میں سر داخل کر دیتا بعد میں وہ پردہ ہٹا دیا جاتا تو حاضرین اس کی ہیبت اور دہشت سے سجدہ ریز ہو جاتے۔ (السیرۃ النبویہ لابن کثیر: ۱/۴۳)

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ سنہ ۱۲ھ میں مدائن کی فتوحات کے بعد سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ تاج سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ کو پہنایا۔ (البدایہ والنہایہ: ۷/ ۶۷)

خسرو کے آذربائیجان کے گورنر کے پاس جو سامان اور پراپرٹی تھی، اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

''ضرورت سے زائد بیس لاکھ دینار، پانچ لاکھ دینار کا سونے چاندی کا سامان، چھ لاکھ دینار کے جواہرات، خراسان، عراق، فارس اور آذربائیجان کا کوئی ضلع اور شہر ایسا نہیں تھا جس میں اس کی جائیدادیں، مکانات، سرائیں اور زمینیں نہ ہوں، تیس ہزار خچر اور گھوڑے تھے، دو لاکھ بھیڑیں، سترہ سو ترک، یونانی اور حبشی غلام اور چودہ سو لونڈیاں۔'' (ایران بعہد ساسانیاں ص ۵۰۳-۵۰۴)

اس ایک گورنر کی جائیداد اور دولت وثروت سے دوسرے گورنروں کے مال و دولت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ''قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا۔''

ان معاشرتی حالات سے ایران کے معاشی حالات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ کیونکہ جب معاشرے کی ساری دولت اوپر کی سوسائٹی کے لوگوں میں اکٹھی ہو جائے تو عوام الناس کاشتکار، مزدور اور دستکار قلاش اور مفلس ہو جاتے ہیں۔ پھر وہی حالت ہوتی ہے

ملیں اس لئے ریشم کے ڈھیر بنتی ہیں
کہ دختران وطن تار تار کو ترسیں

جب دولت چند ہاتھوں میں رک جائے تو معاشرہ کی معاشی صحت روز بروز بگڑتی چلی جاتی ہے اور عوام کا کام صرف یہی رہ جاتا ہے کہ اپنا خون پسینہ بہا کر بڑے لوگوں کی تجوریاں

Marfat.com

بھرتے رہیں اور ان کی عیش و عشرت کے لئے انہیں سامان بہم پہنچاتے رہیں۔ اس قسم کے نظام میں امیر روز بروز امیر تر ہوتا جاتا ہے اور غریب غریب تر۔ چنانچہ ایرانی معاشرہ میں بھی یہی صورت حال تھی۔ کاشتکار، مزدور، دستکار اور دوسرے لوگوں کے مقدر میں مفلسی، قلاشی اور محرومی کے سوا اور کچھ نہ تھا اور ان کا کام صرف یہ رہ گیا تھا کہ امراء، رؤساء، جاگیرداروں اور مراعات یافتہ فوجی جرنیلوں کے لئے دن رات کام کریں اور جو کچھ حاصل ہو وہ ان کے عیش و آرام کے لئے انہیں مہیا کریں۔ غریب عوام جو کچھ کماتے تھے وہ ٹیکسوں کی صورت میں ان سے چھین لیا جاتا تھا۔ ملک میں سات خاندان جن میں شاہی خاندان بھی شامل تھا، ہر قسم کے ٹیکس سے مستثنیٰ تھے۔ امراء جن کو ''العظماء'' کہا جاتا تھا، وہ بھی ہر قسم کے ٹیکس کی ادائیگی سے بری تھے۔ جو لوگ وسیع و عریض جاگیروں کے مالک تھے اور جن کے پاس دولت کے انبار تھے، انہیں ہر قسم کے ٹیکس کی مراعات حاصل تھیں اور ٹیکسوں کا سارا بوجھ نادار اور مفلوک الحال عوام پر ڈال دیا گیا تھا اور وہ شام و پگاہ جانوروں کی طرح کام کر کے حکومت کے خزانہ کو بھرتے تاکہ یہ بڑے بڑے اعیان سلطنت اس خزانہ عامرہ سے دادِ عیش دے سکیں۔

ان ٹیکسوں سے جمع شدہ رقم سے رفاہ عامہ پر بہت کم خرچ کیا جاتا۔ ملک کی آمدنی کا زیادہ تر حصہ بادشاہ کے ذاتی خزانہ میں جاتا جو اس کی ذاتی ملکیت ہوتا۔ مال غنیمت کا سارا روپیہ بادشاہ کا ذاتی شمار ہوتا۔ ملک کی جاگیروں کی ساری آمدنی بھی اس کے ذاتی خزانہ میں جاتی۔ عید نوروز اور مہرگان کے موقع پر جبراً قیمتی تحائف لئے جاتے جو سارے کے سارے بادشاہ کے ذاتی خزانے میں جمع ہوتے۔ اس بے پناہ آمدنی سے بادشاہ تکلفاتِ زندگی تعیشات اور سامان آرائش کی وہ بہتات اپنے گرد جمع کرتے کہ عقل ان کو دیکھ کر دنگ رہ جاتی۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو The Age of Faith,P.145)

دولت کے اس ارتکاز نے ملک کو اخلاقی طور پر دیوالیہ بنا دیا۔ جس معاشرہ میں بیٹی اور بہن اور دوسرے محرمات سے نکاح نہ صرف جائز بلکہ عین عبادت اور ثواب سمجھا جاتا ہو اور اپنی بیوی دوسرے کو مستعار دینا ایک پسندیدہ فعل تصور کیا جاتا ہو، وہاں پھر دوسرے گناہوں کو کھلی چھٹی مل جاتی ہے، چنانچہ ایران کی اس سوسائٹی میں بھی زنا اور بدکاری کا عام رواج تھا۔ شراب کھلے بندوں پی جاتی تھی اور ہر قسم کی بے راہ روی اس معاشرے میں رحمت آسمانی سمجھی جاتی تھی۔

مزدک کی تحریک نے جب مال و زر اور زن کے مشترک ہونے کا اعلان کیا تو اس

Marfat.com

نے ملک کی اخلاقی حالت کو اور زیادہ تباہ کر دیا اور ملک کا نوجوان طبقہ عورتوں سے تمتع اور لطف اندوزی کے لئے کھلے عام میدان میں آ گیا اور ملک میں عریانی اور بے باکی کا دور دورہ ہو گیا۔ جاگیردار اور امراء کا طبقہ تعیشات زندگی حاصل کر کے غریب عوام کو ان کی غربت کا احساس دلاتا، چنانچہ ملک کے مفلس و نادار عوام ہر رات امراء کی بزم عیش و طرب کا سن کر حسرت کی آہ بھر کر رہ جاتے، ان کے زرد جواہر اور اشرفیوں کے انبار دیکھ کر آنکھ میں یاس کے آنسو بھر لاتے، ان کے فلک بوس محلات اور شاندار بنگلے اور کوٹھیاں دیکھ کر دل مسوس کر رہ جاتے، چنانچہ جب مزدکی تحریک نے ان کے سامنے جنسی زندگی کی ساری پابندی بالائے طاق رکھ کر زن اور زر کو مشترک کر دیا تو اب ایران کی ہر عورت ہر مرد کی ہوس کا نشانہ بننے لگی اور ملک اخلاقی انارکی اور بے راہ روی کا کلی طور پر شکار ہو گیا۔ ملک کی اخلاقی انارکی اور عوام کی بے عزتی کا اندازہ اس واقعہ سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ایک روز مزدک نے کیقباد سے کہا (جو اس کا پیروکار ہو چکا تھا) کہ آج تیری بیوی جو نوشیرواں عادل کی ماں تھی، میرے پاس رات بسر کرے گی۔ کیقباد ایران کا کلی حکمران تھا، لیکن مزدک کی صحبت نے اسے اتنا بے غیرت اور دیوث بنا دیا تھا کہ اس نے مزدک کی اس حیا سوز تجویز کو فوری طور پر قبول کر لیا اور اپنی بیوی ایک رات کے لئے مزدک کو دینے پر راضی ہو گیا، جب نوشیرواں کو باپ کی اس بے غیرتی کا پتہ چلا تو وہ بے چین ہو گیا مگر وہ کر کچھ نہیں سکتا تھا۔ وہ نہایت نیاز مندی کے ساتھ مزدک کی خدمت میں حاضر ہوا، اپنے ہاتھوں سے اس کے جوتے اتارے، پھر اس کے پاؤں کو بوسے دیئے، پھر نہایت لجاجت سے مزدک کی خدمت میں ہاتھ جوڑ کر عرض کیا کہ اہل ایران کی مادرِ ملک اور خاتون اول کی آبروریزی نہ کرے اور اس مہربانی کے عوض وہ جو کچھ چاہتا ہے، میں دینے کے لئے تیار ہوں۔ نوشیرواں کی اس لجاجت آمیز عرض داشت کو مزدک نے قبول کر لیا اور اس نے اس کی ماں کو چھوڑ دیا۔

(ابن اثیر: ۱/۴۱۳)

(مزدک نے ایران کے لوگوں کی جائیدادیں اور عورتوں کی عصمتیں لوٹنے کا جو مظاہرہ کیا اس کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو The Age of Faith, P.144)

ابن اثیر نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ بادشاہ کیقباد جب مزدک کا پیروکار ہو گیا تو اس نے اپنی سلطنت کے تمام گورنروں کو بھی اس تحریک میں شمولیت کی دعوت دی۔ حیرہ کے گورنر منذر نے بادشاہ کی دعوت کو ٹھکرا دیا چنانچہ بادشاہ نے اس کو گورنری سے معزول کر دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد جب قباد مر گیا تو نوشیرواں تخت نشین ہوا۔ نوشیرواں اپنے باپ کے عقیدہ کے سخت

Marfat.com

خلاف تھا۔ نوشیرواں نے اپنے دربار میں لوگوں کو حاضری کا اذن عام دیا۔ اتفاق سے دو ممتاز شخصیتیں بھی اکٹھی دربار میں حاضر ہو گئیں۔ پہلے مزدک حاضر ہوا، پھر معزول شدہ گورنر حیرہ منذر بن ماء السماء۔ نوشیرواں ان دونوں کو دیکھ کر خوشی سے اچھل پڑا اور کہا:

''میری زندگی کی دو آرزوئیں تھیں۔ مجھے امید ہے کہ وہ دونوں پوری ہو گئیں ہیں''

مزدک نے پوچھا: شہنشاہ! وہ کون سی آرزوئیں تھیں؟ نوشیرواں نے جواب دیا۔ میری ایک آرزو تو یہ تھی کہ اس باغیرت شخص المنذر کو اپنے عہدہ پر بحال کر دوں جس نے تیری دعوت کو ٹھکرایا تھا، اور دوسری آرزو یہ تھی کہ میں ان زندیقوں کو موت کے گھاٹ اتار دوں جنہوں نے ملک میں اخلاقی بے راہ روی پھیلا دی ہے اور زن وزر کو سب کی مشترکہ چیز بنا دیا ہے۔''

مزدک کو پتہ چلا کہ ملک میں میرے ماننے والوں کی اکثریت ہے اور بادشاہ اس اشترا کی تحریک کو ختم نہیں کر سکتا، لہٰذا اس نے کہا: کیا تیرے بس میں ہے کہ ان تمام انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دے جو اس تحریک کے رکن ہیں۔ یہ جواب سن کر نوشیروان ایک دم غصے سے اچھل پڑا اور بے قابو ہو کر کہنے لگا:

''اوزانیہ کے بیٹے! تو ابھی تک یہاں موجود ہے۔ بخدا! تیری جرابوں کی بدبو ابھی تک میری ناک میں موجود ہے۔ جب میں نے اپنی ماں کی عصمت بچانے کے لئے تیرے بدبودار اور متعفن پاؤں کو بوسہ دیا تھا۔''

چنانچہ نوشیروان نے اسی وقت حکم دیا کہ اس کا سر قلم کر دیا جائے اور اس کی لاش کو سولی پر لٹکا دیا جائے تا کہ لوگ س کے انجام سے عبرت حاصل کریں۔ اس کے قتل کے بعد کچھ مزدکیوں نے ملک میں شورش برپا کرنے کی کوشش کی، لیکن نوشیرواں کے حکم سے ایک دن میں ایک لاکھ مزدکیوں کو قتل کر دیا گیا۔

مزدک اور اس کی پیروکاروں نے لوگوں کی جو جائیدادیں اور مال و دولت چھینی تھیں وہ اصلی مالکوں کو واپس کی گئیں۔ اس طرح سے یہ فتنہ نوشیروان کی جرأت اور دلیری سے انجام کو پہنچا اور لوگوں نے آرام کا سانس لیا۔ اس روز اس کو ''نوشیرواں'' کے لقب سے ملقب کیا گیا۔

(ابن اثیر: ۱/۴۳۴۔۴۳۶)

یہ تھی مختصر سی داستان اس ملک کی جس کا بادشاہ اپنے کو ''سب خداؤں سے بڑا خدا اور تمام روئے زمین کا مالک'' کہتا تھا اور جس کے بادشاہ خسرو پرویز نے اپنے القابات کو یہاں تک

Marfat.com

بلند کیا کہ کہا:

''خداؤں میں انسان غیر فانی اور انسانوں میں خدائے لاثانی، اس کے نام کو بول بالا، آفتاب کے ساتھ طلوع کرنے والا ہے، شب کی آنکھوں کا اجالا۔''

(ایران بعہد ساسانیاں ص ۳۳۸)

وہ بادشاہ اپنے کو من جانب خدا اور اپنی ذات کو جملہ اختیارات کا سرچشمہ کہتے تھے، چنانچہ ان کو یہاں تک اختیار تھا کہ بادشاہ، اس کی ماں اور بڑی ملکہ کو یہ کلی اختیار تھا کہ جس شخص کے بارہ میں چاہیں بغیر کوئی جرم ثابت کئے تختہ دار پر لٹکا دیں۔ ان کے اس ظالمانہ فعل پر کسی شخص کو صدائے احتجاج بلند کرنے کی قطعاً کوئی اجازت نہ تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک باپ نے اپنے چار لڑکے میدان جنگ میں بھیجے۔ ان میں سے ایک بھائی نے بادشاہ سے درخواست کی کہ ان کے پانچویں بھائی کو یہ اجازت دے دی جائے کہ امور زراعت کی نگرانی کرے اور بوڑھے والدین کی خدمت کرے لیکن ''نازک مزاجِ شاہاں تابِ سخن ندارد'' بادشاہ کی طبع نازک پر یہ بات نہایت گراں گزری۔ قصر شاہی سے فوراً حکم صادر ہوا کہ اس پانچویں بھائی کو دو حصوں میں کاٹ دیا جائے اور جس راستہ سے لشکر شاہی نے گزرنا ہے اس کے ایک طرف اس کے اوپر والا حصہ اور دوسری طرف اس کا نیچے والا حصہ لوگوں کی عبرت کے لئے رکھ دیا جائے۔ چنانچہ حکم کی تعمیل ہوئی اور تمام لشکر اس نوجوان کی لاش کے دو ٹکڑوں کے درمیان سے گزر گیا اور کسی کو حرف شکایت واحتجاج زبان پر لانے کی جرأت نہ ہوئی۔

رومی سلطنت کی حالت:

دوسری طرف رومی سلطنت تھی جس کو بازنطینی حکومت بھی کہتے ہیں۔ اس کا دارالسلطنت قسطنطنیہ تھا۔ اس میں بھی خالص آمرانہ (Dictatorship) حکومت تھی۔ جیسا کہ ایران کی ساسانی حکومت کے بارہ میں ایرانیوں کا عقیدہ تھا کہ حکومت ان کا موروثی حق ہے اور اہل چین اپنے بادشاہ کو ''شہنشاہ فرزند آسمان'' کہتے تھے کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ آسمان نر ہے اور زمین مادہ اور تمام کائنات کو انہیں نے جنم دیا ہے اور شہنشاہ زمین وآسمان کے جوڑے کی سب سے پہلی اولاد ہے۔ اسی وجہ سے بادشاہ کو تمام قوم کا تنہا باپ تصور کیا جاتا تھا۔ اسی طرح سلطنت روما میں رومی وطن اور رومی قومیت کی عظمت بنیادی قانون تھا۔ دوسری اقوام اور دوسرے ممالک اس قومیت کے غلام تھے۔ ان کی اسٹیٹ (State) میں حیثیت ان رگوں اور شرائین کی سی تھی جن کے ذریعہ خون اپنے مرکز کو پہنچتا ہے۔ رومی حاکم کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ

Marfat.com

ہر قانون اور ہر ایک کے حق کو نظر انداز کر سکے اور جس شخص کی عزت وناموس کو پامال کرنا چاہے، پامال کر سکے، علاوہ ازیں قومی تعصبات اور بے قید سیاست نے انہیں پستی کی انتہائی حد تک پہنچا دیا تھا اور ان کی معاشرت ظالمانہ اور انسانیت کش قوانین پر مبنی تھی ۔ سلطنت روما اس وقت دو بازوؤں میں تقسیم ہو چکی تھی ۔ مغربی بازو اور مشرقی بازو ۔ مغربی بازو اخلاقی طور پر تنزل وانحطاط کے انتہائی نقطہ پر پہنچ چکا تھا، چنانچہ ایڈورڈ گبن ہی نے لکھا ہے:

''اگر اس وقت روم کے تمام بیرونی وحشی مخالفین فنا بھی ہو جاتے تو ان کی تباہی سلطنت کے مغربی بازو کو زوال اور تباہی سے نہیں بچا سکتی تھی ۔''

ایک اور مقام پر ایڈورڈ گبن نے اپنی کتاب ''تاریخ زوال وانحطاط روما'' میں لکھا ہے:

''رومن حکومت مخالفین کی نظر میں روز بروز زیادہ کمزور اور خود اپنی رعایا کی نظر میں زیادہ ظالم اور ناقابل برداشت ہوتی جارہی تھی ۔ کفایت شعاری جتنی ضروری ہوتی جارہی تھی اسی قدر اس کی جانب سے بے اعتنائی بڑھتی جارہی تھی اور جس نسبت سے رعایا کے مصائب روز افزوں تھے اسی نسبت سے ٹیکسوں میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔''

(The History of Decline and Fall of Roman Empire, Vol,II,P.124)

اس سیاسی انارکی اور اخلاقی انحطاط اور پستی کا نتیجہ یہ ہوا کہ جرمنی کی وحشی اقوام نے سلطنت روما کے مغربی بازو کو کچل کر رکھ دیا اور سفاکانہ اور وحشیانہ مظالم کی وجہ سے رعایا کو پیس کر رکھ دیا۔

سلطنت روما کے مشرقی بازو کی حالت بھی کچھ مختلف نہ تھی ۔ چونکہ اس بازو کی سرحدیں سلطنت ایران سے ملتی تھیں اس لئے یہ ہمیشہ ایران کی حکومت سے الجھا رہا اور پے در پے جنگوں نے اس کو نچوڑ کر رکھ دیا۔ رومیوں اور ایرانیوں کی باہمی جنگوں میں جو چیز سب سے زیادہ افسوس ناک تھی وہ ان دونوں کی قومی عصبیت اور مذہبی جنون تھا جو اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ انسانیت اور شرافت کی کوئی قدر ان کی نگاہ میں احترام کی مستحق نہ رہی تھی اور مذہب واخلاق کی پامالی کا خوفناک سے خوفناک منظر بھی ان کے دلوں کو پسیجنے کے لئے کافی نہ تھا، چنانچہ ایرانی بادشاہ خسرو پرویز نے جب فلسطین پر حملہ کیا تو اس نے عیسائیوں کی عبادت گاہوں کو نذر آتش کر دیا اور نہایت بے دردی سے عیسائی رعایا کو تہ تیغ کیا۔ اسی طرح رومی سلطنت کے حکمران ہرقل نے جب شمال کی طرف سے ایران پر حملہ کیا تو اس نے بھی جوابی کارروائی کے طور پر مجوسیوں کے آتش کدوں کو برباد کیا اور لاکھوں ایرانیوں کا خون بہایا، رومیوں کی انہی سفاکانہ

Marfat.com

اور ظالمانہ پالیسیوں کی وجہ سے مشہور یورپی دانشور رابرٹ بریفالٹ نے لکھا ہے:

''رومی مملکت کی تباہی کا سبب وہاں کی روز افزوں خرابیاں (مثلاً کرپشن، رشوت، جبر واستبداد وغیرہ) نہ تھیں بلکہ اس کا اصلی اور بنیادی سبب فساد وشر اور حقائق سے گریز کی عادت تھی جو اس سلطنت کے قیام اور اس کی نشوونما میں پہلے روز سے موجود تھی۔ یہ ایک بہت بڑی خرابی تھی اور یہ سلطنت کے اندر جڑ پکڑ چکی تھی۔ کسی انسانی جماعت کی تعمیر جب کبھی اس طرح کی کمزور اور کچی بنیاد پر استوار کی جائے گی تو اس کو گرنے سے کسی دانشور کی ذہانت اور کسی کارکن کی سرگرمی نہیں بچا سکتی۔ چنانچہ اس مملکت کی بنیاد ہی خرابیوں اور ظلم واستبداد پر استوار تھی، اس لئے اس کا زوال وانحطاط اور خاتمہ ایک لازمی امر تھا، کیونکہ یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ رومی مملکت ایک چھوٹے سے طبقہ کے عیش وآرام اور راحت رسانی کا ذریعہ تھی اور جمہور عوام سے ناجائز منفعت اندوزی اور رعایا کا خون چوس کر شاہی قومیت کے پودے کی آبیاری کرتی تھی۔ اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ روم میں تجارت، امانت داری اور عدل وانصاف سے ہو رہی تھی اور یہ بات حکومت کی بنیادی خصوصیات میں سے سمجھی جاتی تھی اور اس سے بھی انکار نہیں کہ حکومت اپنی طاقت، اہلیت اور قابلیت سے نیز اپنے عدالتی نظام میں ممتاز تھی، لیکن یہ تمام خوبیاں اور اچھائیاں حکومت کو تباہی کے گڑھے میں جانے سے نہیں بچا سکتی تھیں اور نہ ہی اساسی اور بنیادی غلطیوں کے انجام بد سے محفوظ رکھ سکتی تھیں۔''

(Robert Briffault: The Making of Humanity,P.159)

رومی حکومت کا اپنی رعایا کے ساتھ کوئی اچھا برتاؤ نہ تھا۔ ہر طرف لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم تھا۔ رعایا کے وسائل ترقی پر بندش تھی۔ ہر شخص حکومت کے ظلم وستم کے آہنی شکنجہ کے نیچے کراہ رہا تھا۔ اس سلسلہ میں الفرڈ بٹلر کا بیان رومی حکومت کے رعایا کے ساتھ معاملات پر ان الفاظ میں روشنی ڈالتا ہے:

''مصر میں رومی حکومت کا صرف ایک ہی مقصد تھا اور وہ یہ کہ جس طرح ہو سکے رعایا سے مال لوٹ کر حکام کو فائدہ پہنچایا جائے۔ رعایا کی بہتری، خوشحالی اور ان کے معیار زندگی کو بہتر بنانے کا خیال کبھی ان کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں آتا تھا۔ رعایا کے اخلاق کی درستی اور تہذیب کی بہتری اور ان کی مالی حالت کو بہتر کرنے کے لئے

Marfat.com

انہیں کوئی فکر نہ تھی۔ مصر میں ان کی حکومت ان پردیسیوں کی سی تھی جو صرف اپنی طاقت پر بھروسہ کرتے ہیں اور محکوم قوم کے ساتھ اظہار ہمدردی کرنے تک کی بھی ضرورت نہیں سمجھتے۔''

(Alfred J. Butler: Arab Conquest of Egypt and the Last Thirty Years of the Roman Dominion. ,P.42)

مختلف کتابوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ رومی حکومت کا برتاؤ اپنی رعایا کے ساتھ نہایت سفاکانہ تھا۔ ان کے شہری اور انسانی حقوق غصب تھے۔ اکثر سرکاری ٹیکس ادا کرنے کے لئے وہ اپنی اولاد کو فروخت کرنے پر مجبور ہوتے تھے۔ غلام بنانے اور بیگار لینے کا ان میں عام رواج تھا۔ اسی بیگار سے رومی حکومت نے وہ ادارے اور کارخانے تعمیر کئے جو رومیوں کا کارنامہ سمجھے جاتے تھے۔ مختصر لفظوں میں یہ کہ رومی رعایا کے لئے ان کی حکومت بد ترین نحوست اور سخت ترین عذاب تھی۔

ان دونوں حکومتوں کے اعلیٰ حکام کے سر پر عیش پرستی اور شہوانی خیالات کا بھوت سوار تھا۔ ان دونوں حکومتوں میں مصنوعی تہذیب اور فریب زندگی کا ایک سیلاب امنڈ آیا تھا۔ جس میں ہر شخص گلے تک غرق تھا۔ عیش وعشرت کے سوا ان حکومتوں کے امراء و روٗسا کو اور کوئی فکر نہ تھی۔ تکلفاتِ زندگی اور سامانِ آرائش اور تعیشات کی ان کے ہاں وہ بہتات تھی جس کی قلم کو تابِ نگارش نہیں۔ کسریٰ پرویز کے ہاں بارہ ہزار عورتیں تھیں۔ پچاس ہزار اصیل گھوڑے، محلات اور نقد و جواہرات کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ کسریٰ کا قصر ابیض (White House) جو نوشیرواں نے بنوایا تھا، اس کی تعمیر میں رومی، یونانی اور اس زمانے کے دوسرے متمدن ممالک کے فن تعمیر کی تمام نزاکتیں اور رعنائیاں صرف کردی تھیں وہ پانچ دالانوں پر اور بڑے بڑے گنبدوں پر مشتمل اپنی عظمت و جلال کی تصویر پیش کرتا تھا۔ اس کے سامنے کا حصہ ایک سو پچاس میٹر سے بھی چوڑا اور بلندی چالیس میٹر تھی۔ اس قصر ابیض پر کتنی رقم خرچ ہوئی اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ مسلمانوں نے جب کسریٰ کے دارالسلطنت مدائن پر قبضہ کیا ہے تو اگرچہ یزدگرد اپنا بہت سا خزانہ، غلام، کنیزیں اور مختلف سامان تعیش اپنے ساتھ حلوان لے گیا تھا، پھر بھی اس کے شاہی خزانہ سے مسلمانوں کو تیس کھرب دینار ملے تھے۔ اس کے علاوہ اور بہت سا قیمتی سامان ملا جس کا اندازہ مؤرخین نے بیس کھرب دینار سے زیادہ لگایا ہے۔ تاریخ کے اوراق اس بات کی شہادت پیش کرتے ہیں کہ یزدگرد جب اپنے دارالسلطنت سے بھاگا تو وہ

Marfat.com

اس عجلت اور پریشانی میں اپنے ساتھ جو کچھ لے گیا اس سے اس کی عیش وعشرت کا پتہ چلتا ہے۔ لکھا ہے:

''یزدگرد اپنے ساتھ ایک ہزار باورچی، ایک ہزار گویے، ایک ہزار چیتوں کے محافظ، ایک ہزار بازدار اور بہت سے دوسرے لوگ لیتا گیا۔ اور یہ تعداد اس کے نزدیک ابھی بہت کم تھی۔'' (ایران بعہد ساسانیاں ص ۸۱)

روپیہ اپنے ساتھ وہ کس قدر لے کر گیا، اس کی تفصیل تو نہیں ملی لیکن اس کے ان ہمراہیوں سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ کتنے کھرب روپیہ لے کر گیا ہوگا اور اسی روپے کی وجہ سے وہ اپنے ہی ملک میں کئی سال تک بھاگتا رہا۔ آخر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک چکی والے کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ اس وقت اس کی جیب میں تین درہم بھی نہ تھے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو احقر کی کتاب ''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ شخصیت اور کردار'')

مورخین نے کسریٰ کے اس فرش بہار جس پر بیٹھ کر امرائے ایران موسم خزاں میں شراب پیتے تھے، کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

''یہ ساٹھ گز مربع تھا، قریباً ایک ایکڑ زمین کو گھیر لیتا تھا۔ اس کی زمین سونے کی تھی جس میں جا بجا جواہرات اور موتیوں کی گل کاری تھی۔ جس میں پھولدار اور پھل دار درخت قائم تھے۔ درختوں کی لکڑی سونے کی، پتے حریر کے، کلیاں سونے چاندی کی اور پھل جواہرات کے بنائے گئے تھے۔ گرد ہیرے کی جدول تھی۔ درمیان میں روشیں اور نہریں بنائی گئی تھیں۔ اور یہ سب جواہرات کی تھیں۔ موسم خزاں میں تاجداران آل ساسان اس گلشن بے خزاں میں بیٹھ کر شراب پیا کرتے اور دولت کا ایک حیرت انگیز کرشمہ نظر آتا جو زمانہ نے کبھی اور کہیں نہ دیکھا تھا''۔

(تاریخ اسلام، مولانا عبدالحلیم شرر: ج ۱/۳۵۴)، (The Age of Faith. P.149)

طبری نے نقل کیا ہے کہ اہل ایران سروں پر جو کلاہ رکھتے تھے وہ کئی کئی لاکھ کی ہوتی۔ انہوں نے اپنے خیال میں اپنا معیار زندگی اتنا زیادہ اونچا کر لیا تھا کہ ایک شخص اپنی ذات اور اپنے لباس کے کسی ایک حصہ پر اتنا روپیہ صرف کرتا جس سے پوری بستی پرورش پا سکتی تھی، چنانچہ ہرمز کی ایک کلاہ کی قیمت ایک لاکھ تھی۔ جس میں مختلف قسم کے جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ شاہ حیرا کسریٰ کا ایک عزیز تھا اس کی کلاہ کی قیمت پچاس ہزار اور رستم جو کہ کسریٰ کا وزیر دفاع تھا، اس کی کلاہ کی قیمت ایک لاکھ تھی۔

Marfat.com

اصل میں بات یہ ہے کہ ان دونوں حکومتوں میں بہیمانہ طبقاتی نزاع، خودغرضانہ گروہ بندی، ملت کش مفاد پرستی، ظالمانہ سیاست، معاشی نامساوات اور جبرو استبداد اپنے پورے عروج پر تھا اور ہر طرف وحشت اور بہیمیت کا دور دورہ تھا:

مشرق خراب' مغرب ازاں بیشتر خراب
عالم تمام مردہ و بے ذوقِ جستجو

یہ دونوں حکومتیں اگر چہ اپنے آپ کو متمدن اور مہذب کہتیں لیکن یہ تمدن اور تہذیب جنگل کے درندوں کی ہے نہ کہ شہروں اور دیہاتوں میں بسنے والے انسانوں کی۔ اسی وجہ سے قرآن نے اس دور کو ''جاہلیت'' کا دور کہا ہے۔ اور جس دور میں انسان نہ تو اپنے رب کو پہچانے اور نہ ہی دوسرے انسانوں کو اور نہ ہی اپنے آپ کو، تو وہ یقیناً جاہلیت کا دور ہے۔

تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ سلطنت رومہ کے معاشی حالات بھی ایران سے مختلف نہ تھے۔ یہاں بھی سلطنت کی آبادی دو طبقوں میں تقسیم تھی۔ ایک امراء اور جاگیرداروں کا طبقہ اور دوسرے عوام اور غرباء کا طبقہ۔ اور ان دونوں طبقات میں کشمکش (Tension) تھی۔ امراء ورؤساء اقتصادی طور پر عام طبقہ سے بلند و بالا اور زرعی زمینوں کے وسیع وعریض قطعات کے مالک تھے، لہٰذا ان کے افراد کی اکثریت عیش وعشرت کی زندگی بسر کرتی تھی۔ ان کو عیش و عشرت کے اسباب مہیا کرنے کے لئے غرباء کو ڈھور ڈنگروں کی طرح دن رات کھیتوں وغیرہ میں کام کرنا پڑتا تھا۔ اس وجہ سے وہ کئی نسلوں سے غربت و ناداری کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ وسائل رزق پر امراء کے طبقہ کا قبضہ تھا۔ اس وجہ سے وہ دن بدن غریب سے غریب تر ہو رہے تھے۔ کوئی اس طبقہ کا پرسان حال نہیں تھا۔

اگر چہ ایران کے مقابلہ میں یہاں علم کی کچھ روشنی تھی۔ کچھ درسگاہیں اور سکول بھی تھے۔ بعض لوگ کئی فنون میں ماہر بھی تھے جیسے ایک خاتون ہپاٹیا (Hypatia) فن ریاضی میں ماہر تھی۔ علم فلکیات میں بطلیموس نے افلاطون اور پلوٹینس کے خطوط پر اپنا ایک مستقل نظام فکر تعمیر کیا۔ اس کے علاوہ یونانیوں اور عیسائی پادریوں کے معاشرہ پر خاصے اثرات تھے، لیکن ایک سرمایہ دارانہ نظام معاشرت میں لوگوں کو سونے چاندی کے ترازو میں تولا جاتا ہے، علم وفن کی اس معاشرہ میں کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی۔

امراء اور خوش حال طبقہ کو ہر قسم کی سہولیات میسر تھیں جب کہ کاشتکار، دستکار اور عام مزدوران تمام سہولیات سے یک قلم محروم تھے۔ اس وجہ سے امراء اور غرباء کے درمیان ایک وسیع

Marfat.com

خلیج حائل تھی۔ البتہ غریبوں کا دل بہلانے کے لئے ملک میں جگہ جگہ سرکس، جنگی رتھوں کی دوڑ اور جنگی مقابلے ہوتے تھے جن میں شرطیں بھی لگتی تھیں۔ اس وقتی خوشی میں غریب اپنا دل بہلا لیتا اور ہفتہ بھر کی معاشی دوڑ دھوپ کے رنج وغم کو کچھ وقت کے لئے بھول جاتا۔

معاشرتی نظام کا گہرا تعلق ملک کے معاشی نظام سے ہوتا ہے۔ جب معاشرتی نظام مختلف طبقات میں منقسم ہو تو معاشی نظام میں بھی نشیب وفراز ہوتے ہیں۔ اگرچہ ملک کا معاشی اور اقتصادی نظام مخلوط قسم کا تھا لیکن بڑی بڑی صنعتیں اور جاگیریں حکومت کے کنٹرول میں تھیں۔ جس کی وجہ سے کاشتکار اور مزدور حکومت اور جاگیرداروں کی غلامی میں جکڑے ہوئے تھے۔ ملک میں نجی کاروبار کی بھی اجازت تھی لیکن نجی کاروبار کرنے والے بھی مختلف قسم کے ٹیکسوں میں اس طرح جکڑے ہوئے تھے کہ حکومت کے ٹیکس ادا کرنے کے بعد ان کی حالت میں خوشحالی کی کوئی نوید نہیں ہوتی تھی، چنانچہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں ہے کہ:

"سلطنت کا مالیاتی نظام انتہائی حد تک خراب تھا۔ اگر حکومت عوامی اقتصادیات کے اصولوں سے آشنا ہوتی تو اپنی رعایا کی خوشحالی کو مجروح کئے بغیر اپنی آمدنی میں بہت کچھ اضافہ کر سکتی تھی۔ جو ٹیکس لگائے جاتے تھے ان کی شرح بہت زیادہ تھی، پھر اس کی وصولی کے لئے نہایت جبر وتشدد سے کام لیا جاتا تھا۔ حکومت تاجر پیشہ لوگوں کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتی، اس کا جی چاہتا کہ وہ لوگوں سے زیادہ سے زیادہ بلکہ سارا مال ہی چھین کر اپنا خزانہ بھر لے۔ زراعت آمدنی کا ایک اہم ذریعہ تھا بازنطینی حکومت کے عہد میں زمین کے مالکوں پر اتنا بوجھ ڈالا جاتا رہا جو نہایت نامناسب تھا۔ زمین کا لگان زرعی پیداوار کے حساب کے مطابق نہیں لیا جاتا تھا، بلکہ زمین کی مالیت اور مالک کی حیثیت کے مطابق لیا جاتا تھا......

ٹیکس وصول کرنے کی ذمہ داری مجلس نمائندگان کے ارکان پر عائد ہوتی تھی۔ ساتویں صدی تک یہی دستور رہا کہ مجلس نمائندگان کے ارکان ٹیکسوں کی وصولی کرتے اور پھر اس کو حکومت کے خزانہ میں جمع کراتے۔ جو لوگ لگان نہیں دیتے تھے ان کے حصے کا لگان اور ٹیکس ان نمائندگان کو اپنی جیب سے ادا کرنا پڑتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مجلس نمائندگان کے کئی ارکان بری طرح زیر بار ہو جاتے۔ کاشتکاروں پر اور بھی طرح طرح کی ذمہ داریاں ڈالی گئی تھیں۔ جن میں سب سے زیادہ اہم ذمہ داری یہ تھی کہ حکومت کے ڈاک خانوں کے لئے گھوڑے، بگھیاں اور لڑکے مہیا کرنا

Marfat.com

تھا۔ چوتھی، پانچویں اور چھٹی صدی میں کاشتکاروں کو زمین کے ساتھ وہ کاشتکار بھی منتقل کر دیئے جاتے جو پہلے مالک کے وقت زمین میں کھیتی باڑی کرتے تھے۔ (گویا زمین کے ساتھ مزارعے بھی فروخت ہو جاتے)''

(انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا:۱۹/۴۴۲)

ایک اور جگہ پر مقالہ نگار نے لکھا:

''اگر کبھی ناگوار موسموں کے باعث فصلیں تباہ و برباد ہو جاتیں تو اس کے باوجود لگانوں اور زرعی ٹیکسوں میں کمی نہیں کی جاتی تھی اور جو شخص مالی تنگی کی وجہ سے لگان اور زرعی ٹیکس ادا نہیں کرتا تھا تو اس کی غیر منقولہ جائیداد بحق سرکار ضبط کر لی جاتی تھی۔ ان مالی مجبوریوں اور مالی مظالم کے باعث کبھی کبھی لوگ بغاوت کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے، چنانچہ اس سلسلہ میں ایک بغاوت 532ء میں ہوئی اس میں صرف دارالسلطنت میں تیس ہزار نفوس کام آئے۔'' (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا:۱۳/۲۱۱)

یہ تو عوام الناس کی خستہ حالی اور ناداری کی ایک نامکمل سی تصویر ہے، لیکن اس کے برعکس شاہی خاندان اور ملک کی بیوروکریسی اور جاگیرداری اور رؤسا کی عیش کوشی اور لذت آفرینی کی داستانیں پڑھ کر آدمی کی عقل دنگ رہ جاتی ہے ان کے عالیشان اور سر بفلک محلات ،دیوان خانے ،شراب نوشی کی مجالس ،عیش وعشرت کے ساز و سامان کی کوئی انتہا نہ تھی۔ جبلہ بن الایہم غسانی کے بارے میں کتابوں میں مرقوم ہے کہ وہ جب شراب نوشی کے لئے مجلس جماتا تو اس کے نیچے فرش پر قسم قسم کے پھول چنبیلی، گلاب وغیرہ بچھا دیئے جاتے اور سونے چاندی کے ظروف میں مشک وعنبر لگائے جاتے اور چاندی کی طشتریوں میں مشک خالص لایا جاتا۔ اگر سرما کا موسم ہوتا تو عود جلایا جاتا اور اگر گرمیوں کا موسم ہوتا تو برف بچھائی جاتی اور اس کے ہم نشینوں کے لئے گرمیوں کا لباس فراہم کیا جاتا جس کو وہ اپنے اوپر ڈال لیتے۔ جاڑوں کے موسم میں سمور، قیمتی کھالیں اور دوسرے گرم لباس حاضر کئے جاتے۔

جب معاشرتی اور معاشی حالات ایسے ہوں تو اخلاقی حالت یقیناً زوال پذیر ہوتی ہے، چنانچہ سلطنت رومہ کی اخلاقی حالت بھی ابتر تھی۔ یورپ کے ایک دانشور نے لکھا ہے:

''اخلاقی ،جنسی اور کاروباری لحاظ سے رومی سلطنت کے باشندوں کی حالت قابل رشک نہ تھی۔ ایک طرف تو رقص وسرود کی زبانی طور پر مذمت کی جاتی تھی لیکن دوسری طرف قسطنطنیہ اور دوسرے بڑے بڑے شہروں میں بے شمار رقص گاہیں اور

Marfat.com

ڈانسنگ کلب موجود تھے۔ اگر چہ کلیسا نے مخالفت کی اور اعلان کر دیا کہ ایکٹروں کو مسیح مذہب قبول کرنے کی اجازت نہیں دیں گے لیکن اس کے باوجود بازنطینی اسٹیج پر ایکٹروں کی بھرمار تھی اور ان کے رقص و سرود کو عوام و خواص کی طرف سے بڑی پذیرائی بخشی جاتی تھی۔ قانونی طور پر ان پر یہ قدغن تھی کہ وہ ایک سے زیادہ شادی نہیں کر سکتے، لیکن دوسری طرف ان کی جنسی خواہشات کی تسکین کا سامان کر دیا گیا تھا۔"

ول ڈیوران نے اس بارے میں مزید لکھا کہ:

"پروکوپیئس (Procopius) اپنی کتاب (Secret History) میں لکھتا ہے کہ:

"اس زمانہ میں عملی طور پر تمام عورتیں بدکار تھیں۔ ضبط تولید (Birth Control) کے وسائل پر بڑی مستقل مزاجی سے تحقیق جاری رہتی تھی۔ اس زمانہ کے اطباء اور ڈاکٹر اپنی قرابادینوں میں اس موضوع کا بڑی اہمیت سے ذکر کرتے ...... قحبہ خانے عام تھے۔ عصمت فروشی کا دھندا اپنے پورے عروج پر تھا۔ جسٹینین (Justinian) اور اس کی ملکہ نے عصمت فروشی کو ختم کرنا چاہا، انہوں نے ملک میں عصمت فروشی کا دھندہ کرنے والے مرد و زن کو قسطنطنیہ سے نکل جانے کا حکم دیا لیکن انہیں کوئی خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی۔ (The Age of Faith ,P.120)

ہندوستان اور چین کی حالت زار:

یہ تو ان دو حکومتوں کا تذکرہ تھا جو جزیرہ نما عرب کے ساتھ ملحق تھیں۔ ان دونوں کے علاوہ ہندوستان اور چین کی تہذیب اور تمدن بھی ان سے مختلف نہ تھا۔ ہندوستان میں تو اصنام پرستی زوروں پر تھی۔ ان کے دیوتاؤں کی قربان گاہوں پر گوشت جلایا جاتا۔ پھر بڑی عیاری کے ساتھ یہ عقیدہ لوگوں کے ذہن نشین کرایا گیا کہ قربانی کے آداب سے صرف برہمن آشنا ہیں، لہٰذا قربانی دینے کا اختیار صرف اور صرف برہمنوں کو ہے۔ اس عقیدہ نے برہمنوں کے لئے خوشحالی کے دروازے کھول دیئے۔ ہندو مذہب میں دیوتاؤں کی تعداد بھی لامحدود تھی اور یہ تعداد بڑھتی رہتی تھی۔ بہر حال دیوتاؤں کو خاص فوقیت حاصل تھی۔ (1) وشنو (2) برہما (3) شیوا۔

Marfat.com

وشنو: یہ نظام شمسی کا دیوتا تھا، یہ جنگ کے خلاف سمجھا جاتا تھا اس وجہ سے اس کے لئے جانوروں کی قربانی کے بجائے پھولوں کے ہار پیش کئے جاتے تھے۔

برہما: وشنو اور شیوا سے کم تر درجے کا دیوتا ہے، اس لئے اس کا بت چھوٹا بنایا جاتا تھا۔

شیوا: یہ دیوتا وشنو دیوتا کے بالکل برعکس تھا۔ اس کی تصویر میں اس کے پانچ چہرے اور چار ہاتھ دکھائے جاتے تھے۔

اہل مغرب کے نزدیک تو ہندوازم کو مذہب نہیں کہا جا سکتا کیونکہ یہ ہر قسم کے عقیدہ کو اپنانے کے لئے تیار ہوتا ہے۔(World Civilization, P.88)۔ عورت کا ہندو مذہب میں کوئی مرتبہ نہیں تھا۔ عورت اگر بیوہ ہو جاتی تو اس کو یہ بتایا جاتا کہ اس کا خاوند اس کے کسی گناہ کی وجہ سے مرا ہے۔ اس کو کسی صورت بھی شادی کی اجازت نہیں ہوتی تھی خواہ وہ ابھی عنفوان شباب ہی میں کیوں نہ ہو۔ جب کسی عورت کا خاوند مرتا تو اس عورت کو مجبور کیا جاتا کہ وہ اپنے خاوند کی لاش کے ساتھ جل کر خاکستر ہو جائے۔ عورتوں کے علاوہ شودر جاتی کے ساتھ بھی نہایت غیر انسانی سلوک کیا جاتا تھا۔ ان کو آبادی کے باہر جھونپڑیوں میں رہنے پر مجبور کیا جاتا۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو ان کو حیوانوں سے بھی بدتر سمجھا جاتا تھا۔ برہمن اگر وید پڑھ رہا ہوتا اور اس کے پاس سے کوئی شودر گزر جاتا اور اس کے کان میں وید پڑھنے کی آواز پڑ جاتی تو اس کے کان میں سیسہ پگھلا کر ڈالا جاتا، وہ اس وجہ سے کہ اس کے ناپاک کان میں پاک وید کی آواز کیوں پڑی؟ علاوہ ازیں اگر کسی شودر کا سایہ کنوئیں پر پڑ جاتا تو وہ کنواں ناپاک ہو جاتا۔
(تفصیل کے لیے ملاحظہ World Cwilization, P91)

دیوتاؤں میں بھی مؤنث مذکر کا معاملہ زیر بحث آتا۔ مونث کو ماتا دیوی کہا جاتا اور اس کی پوجا ہوتی۔ علاوہ ازیں ایک مذکر دیوتا کی بھی پوجا کی جاتی جس کا نام شیوا تھا۔ اس کے آلہ تناسل کی بھی پوجا کی جاتی تھی جس کا نشان عورت اور مرد اپنے گلے میں لٹکائے رکھتے۔
(Encyclopedia of Living Faiths P.218)

اسی ہندوستان میں بدھ مت نے جنم لیا تھا جو کہ دراصل ہندوستان میں پھیلے ہوئے رسم و رواج کے خلاف ایک صدائے احتجاج تھی جس نے ویدوں کو مسترد کیا اور ہندو مذہب کی طبقاتی تقسیم کو ماننے سے انکار کر دیا۔ ویدوں میں مذکور تمام دیوتاؤں کی خدائی کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا اور ان سب چیزوں سے نجات کا ایک آزادانہ طریقہ لوگوں کے سامنے پیش کیا۔(ملاحظہ ہو انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا جلد ۱۴ ص ۲۷۳)۔ بدھ مت کی خوش قسمتی تھی کہ اسے

Marfat.com

اشوک، کنشکا ور ہرش جیسے عالی ہمت مہاراجوں کی سرپرستی حاصل ہوگئی جنہوں نے اس مذہب کی اشاعت میں بڑا اہم کردار ادا کیا اور جلد ہی یہ مذہب پورے ہندوستان میں پھیل گیا، لیکن بد قسمتی سے بدھ مت کے ماننے والے بہت جلد اٹھارہ فرقوں میں منقسم ہوگئے۔ اگرچہ ان سب فرقوں کی عقیدت کا مرکز گوتم بدھ ہی کی شخصیت تھی لیکن پھر بھی ہر فرقہ نے اپنی اپنی خانقاہیں اور عبادت گاہیں الگ الگ بنالیں۔

بدھ مت کے اس تشتت وافتراق سے برہمنوں نے بدھ مت کے خلاف ایک قسم کی بغاوت کردی اور اپنا کھویا ہوا وقار واپس لے لیا اور ملک میں پھر ذات پات کا نظام نافذ کردیا۔ اور برہموں نے پھر شودروں کو اپنے ظلم وستم کا نشانہ بنانا شروع کردیا۔ چنانچہ مولانا عبدالمجید سالک نے لکھا ہے کہ شودروں کو تنگ کرنے اور ان کی زندگی اجیرن بنانے کے لئے یہ لائحہ عمل بنایا گیا:

"شودر برہمن کا پس خوردہ کھائے۔ شودر مہینہ میں صرف ایک دفعہ حجامت بنوائے، شودر کسی برہمن کو چور کہے تو اس کے جسم کا کوئی عضو کاٹ دینا چاہیے۔ شودر کسی برہمن، کشتری اور ویش کے ساتھ تلخ کلامی کرے تو اس کی زبان میں سوراخ کردیا جائے۔ اگر شودر کسی برہمن کا نام لے کر کہے کہ فلاں برہمن نیچ ہے تو اس شودر کے منہ میں بارہ انگلی کی آہنی سیخ آگ میں سرخ کر کے ڈال دی جائے۔ اگر چھوٹی ذات کا آدمی بڑی ذات کے آدمی کے ساتھ ایک آسن پر بیٹھے تو اس کا چوتڑ کاٹ ڈالنا چاہیے۔ اس طرح کہ وہ مرے نہیں، شودر کسی برہمن کے بال یا پاؤں یا داڑھی پکڑ لے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ شودر کو کوئی صلاح مشورہ نہ دو۔ دھرم اور بھرت کی تلقین بھی نہ کرو جو شودر کو دھرم کی تلقین کرتا تو وہ بدترین دوزخ میں جاتا۔" (۳۸۔۱۹)

بعض کتابوں میں ہے کہ شودر مندروں میں جا کر پوجا پاٹھ نہیں کرسکتے تھے۔ نہ ان کے کنوؤں سے پانی پی سکتے تھے بلکہ ان کی آبادیاں شہروں سے الگ تھلگ ہوتی تھیں۔ گویا سوسائٹی کا عضو معطل سمجھ کر شودروں کو کاٹ کر الگ کردیا گیا تھا۔

ان حالات میں ہندو معاشرہ کی اخلاقی حالت بھی نہایت ناگفتہ بہ تھی۔ بڑے بڑے مندروں میں دیوداسیوں کے طائفے ہوتے تھے جو دیوتاؤں کی مورتیوں کے سامنے رقص کیا کرتیں اور گیت گایا کرتیں۔ مندروں کے پروہت کو اس بات کا پورا اختیار تھا کہ وہ کسی

Marfat.com

پجاری کو شاد کام اور اس کا دل خوش کرنے کے لئے کسی دیوداسی کو اس کے پاس رات گزارنے کے لئے بھیج دے۔ مولانا عبدالمجید سالک نے سوامی دیانند کے حوالہ سے ہندو سوسائٹی کی اخلاقی حالت کے بارے میں لکھا:

''اب ان خودغرض مذہبی پیشواؤں نے ایسے باطل مذہبوں کی تلقین شروع کی جس سے کوئی بداخلاقی گناہ نہ رہی، زنا کاری کی نہ صرف عام اجازت دے دی گئی بلکہ ایک خاص موقع ''بھیرویں چکر'' پر شراب خوری اور زنا کاری مذہبا فرض قرار دے دی گئی اور اس موقع پر مرد وعورت سب ایک جگہ جمع ہوتے۔ مرد ایک ایک عورت کو مادر زاد برہنہ کر کے پوجا کرتے اور عورتیں مرد کو ننگا کر کے پوجتیں۔ اس موقع پر شراب پی جاتی اور بدمست ہو کر کوئی کسی عورت کو، کوئی اپنی یا کسی دوسرے کی لڑکی کو، کوئی کسی اور کی یا اپنی ماں بہن کو یا بہو وغیرہ کو جو وہاں موجود ہوتی پکڑ لیتا اور جس کے ساتھ چاہتا بدفعلی کر سکتا تھا۔

اس مذہبی تقریب کے علاوہ عام طور پر زنا کاری کے لئے ایک خاص فقرہ مقرر کیا گیا تھا جس کو پڑھ کر ہر مرد وعورت ''سماگم'' (ہم بستری) کرتے تھے اور ایسی بدکاری میں کسی رشتہ کے لحاظ کی ضرورت باقی نہ رہتی تھی۔ (مسلم ثقافت ص ۴۱)

Marfat.com

دنیا کا عمومی جائزہ

گزشتہ صفحات میں ہم نے اجمالی طور پر جزیرہ نما عرب کے اردگرد کی حکومتوں کے بارے میں بتایا کہ سیاسی، اقتصادی، معاشی، معاشرتی اور اخلاقی طور پر وہ انحطاط و تنزل کے انتہائی نقطہ پر پہنچ چکی تھیں، اگرچہ ان میں ایران اور رومہ کی حکومتیں دنیا کی سپر پاورز کہلاتی تھیں، لیکن ان دونوں سلطنتوں کی اخلاقی بنیادیں کھوکھلی ہو چکی تھیں اور وہ زیادہ دیر تک کھڑی نہیں رہ سکتی تھیں۔ ان دونوں سلطنتوں کے علاوہ اور بھی جتنی حکومتیں تھیں، ان کی حالت بھی ناگفتہ بہ تھی۔

چنانچہ ایک مغربی سیرت نگار مسٹر بوڈلے (R.V.C. Bodley) نے اپنی مشہور کتاب ''پیغامبر'' (The Messenger) میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت کی دنیا کا عمومی جائزہ لیتے ہوئے اس وقت کے قابل ذکر ممالک اور اقوام کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

''قدیم روایات کے باوجود چھٹی صدی عیسوی کی اس دنیا میں عربوں کو کوئی اہمیت حاصل نہ تھی، حقیقت میں تو کسی کو بھی کوئی اہمیت نہ تھی۔ یہ ایک نزاع کا دور تھا جبکہ مشرقی یورپ اور مغربی ایشیا کی عظیم سلطنتیں پہلے ہی تباہ و برباد ہو چکی تھیں یا اپنے شاہی دور کے اختتام پر تھیں۔ یہ ایک ایسی دنیا تھی جو اب بھی یونان کی فصاحت، ایران کی عظمت اور رومہ کی شوکت وجلال سے متحیر تھی اور کوئی ایسا ایک نظریہ یا کوئی ایسا ایک مذہب بھی نہ تھا جو ان میں سے کسی کی جگہ لیتا۔

یہودی تمام دنیا میں مارے مارے پھر رہے تھے۔ ان کو کوئی مرکزی رہنمائی حاصل نہ تھی۔ حالات کے مطابق یا تو ان کو محض برداشت کیا جاتا یا اذیتیں دی جاتیں۔ کوئی ملک ان کا اپنا ذاتی نہ تھا اور ان کا مستقبل اسی قدر غیر یقینی تھا جس طرح کہ آج ہے۔

پوپ گریگری اعظم (Gregory, The Great) کے حلقہ اثر سے باہر مسیحی

Marfat.com

اپنے سہل عقائد کے ہر قسم کے پیچیدہ معانی ایجاد کر رہے تھے، اور اس سلسلہ میں ایک دوسرے کا گلا کاٹنے میں مصروف تھے۔

ایران میں تعمیر سلطنت کی صرف ایک کرن رہ گئی تھی۔ خسرو ثانی اپنی سلطنت کی توسیع میں مصروف تھا۔ اس نے روما کو شکست دے کر کیپڈوشیا (Cappadocia)، مصر و شام پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس نے سنہ 620ھ میں (جب کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بحیثیت راہنما ظاہر ہونے والے تھے) بیت المقدس کو تاخت و تاراج کر کے مقدس صلیب کو چرا لیا تھا اور دارائے اول کی زبردست عظمت و شوکت کو دوبارہ قائم کر دیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا مشرق وسطیٰ کی عظمت کو زندگی کی ایک نئی قسط مل گئی ہے۔ لیکن یہی نہ تھا، بازنطینی رومی اب بھی اپنی گزری ہوئی چستی رکھتے تھے، جب خسرو اپنی فوج کو قسطنطنیہ کی فصیلوں پر لایا تو انہوں نے ایک آخری کوشش کر دکھائی۔

مشرق بعید میں حالات کوئی نمایاں اثرات نہیں چھوڑ رہے تھے۔ ہندوستان اب بھی چھوٹی چھوٹی غیر اہم ریاستوں پر مشتمل تھا جو سیاسی اور حربی حیثیت سے ایک دوسرے پر فوقیت کے لیے جدوجہد میں مصروف تھیں۔

چینی ہمیشہ کی طرح آپس میں نبرد آزما تھے۔ خاندان سوئی آیا اور گیا اور اس کی جگہ ٹینگ نے لے لی جو تین صدیوں تک حکمران رہا۔

اسپین اور انگلستان غیر اہم چھوٹے چھوٹے ملک تھے۔ اسپین وسی گوتھوں (Visi Goths) کے زیر اثر تھا جو کچھ عرصہ پہلے ہی فرانس سے جس پر انہوں نے لوائر (Lore) تک قبضہ کر رکھا تھا، نکالے گئے تھے وہ ان یہودیوں پر مظالم ڈھا رہے تھے جن کو اس مسلم حملہ کے لیے جو ابھی سو برس بعد ہونے والا تھا، آسانیاں پیدا کرنی تھیں۔

جزائر برطانیہ آزاد ریاستوں میں منقسم تھا۔ ڈیڑھ سو سال رومیوں کو روانہ ہوئے ہو چکے تھے جن کی جگہ نارڈک لوگوں کی آمد نے لے لی تھی۔ خود انگلستان سات مختلف بادشاہوں پر مشتمل تھا۔'' (صفحہ ۱۸-۱۹ (باختصار) ترجمہ سید قاسم حسنی)

یہ تو اردگرد کی حکومتوں کا ذکر تھا لیکن خود جزیرہ نما عرب بھی اس سے مختلف نہ تھا، کیونکہ اس میں تو کچھ زیادہ خرابیاں تھیں۔ اگرچہ بہت سی خصوصیات بھی تھیں لیکن ان خرابیوں نے ان کی خوبیوں اور خصوصیتوں کو ڈھانپ رکھا تھا اور بیرونی دنیا کو وہ خوبیاں بہت کم نظر آ رہی تھیں۔

Marfat.com

جزیرہ نما عرب:

خود جزیرہ نما عرب، جہاں نبی کریم ﷺ پیدا ہوئے، ہر قسم کی جاہلیت سے اٹا پڑا تھا۔ اگرچہ اس قوم میں ذہانت و فراست، شجاعت و بسالت، جود و سخاوت، حمیت و غیرت، فصاحت و بلاغت اور ایفائے عہد جیسی خصوصیات تھیں، لیکن اس قسم کی گوناگوں خوبیوں کے باوجود ان کی زندگی کے کئی تاریک پہلو بھی تھے۔ سب سے بڑا تاریک پہلو تو یہی تھا کہ نور نبوت سے ان کا رشتہ یک قلم منقطع ہو چکا تھا۔ اس وجہ سے ان کی یہ ساری خوبیاں خسیس مقاصد اور ذلیل کاموں کے لیے وقف ہو کر رہ گئیں۔ حق کے راستہ سے ان کے قدم کچھ اس طرح پھسلے کہ پھر کئی سو سالوں سے وہ قعر مذلت میں گرتے ہی چلے گئے۔ وہ اگرچہ بلا کے ذہین تھے کہ پاؤں دیکھ کر حسب و نسب کو پہچان لیتے تھے لیکن وہ یہ بات نہ جان سکے کہ اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے بت پرستش کے قابل کس طرح ہو سکتے ہیں؟ یہاں ہمیں یہ بتانا مقصود نہیں کہ عرب کا جغرافیہ کیا تھا؟ وہاں کتنے قبائل سکونت پذیر تھے؟ آس پاس کے ملکوں کے ساتھ ان کے تعلقات کیسے تھے؟ بلکہ یہ بتانا ہے کہ جاہلیت کے وہ کون سے اندھیرے ان پر چھائے ہوئے تھے جن کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک ''سراج منیر'' ان میں بھیجا۔ جس کے آنے سے نہ صرف جزیرہ نما عرب روشن ہو گیا بلکہ تمام کائنات ارضی چمک دمک اٹھی، اور اس سے پہلے کے تمام ستاروں کی روشنی ماند پڑ گئی اور پوری دنیا میں فیضان الٰہی کا آفتابِ عالم تاب طلوع ہو گیا۔ بہرحال جس معاشرہ میں آپ ﷺ کا ظہور ہوا اس معاشرہ میں اگرچہ بعض خوبیاں بھی تھیں جن کا ذکر ہم نے گزشتہ صفحات میں کیا ہے لیکن ان میں برائیاں بھی کچھ ایسی تھیں، جنہوں نے ان کی فکری، نظری اور عملی زندگی کے تمام گوشوں کو تاریک کر رکھا تھا۔

1- بت پرستی:

ان کی زندگی کا سب سے زیادہ تاریک گوشہ یہ تھا کہ پوری کی پوری سوسائٹی بت پرستی جیسے گھناؤنے گناہ میں مبتلا ہو چکی تھی۔ ہر قبیلہ اس شرک میں مبتلا تھا اور شرک ہی ایک ایسا گناہ ہے جس کی قرآن حکیم نے سب سے زیادہ مذمت کی ہے۔ قرآن حکیم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے مثبت طور پر جس عقیدے پر سب سے زیادہ زور دیا ہے وہ توحید ہے اور جس باطل خیال کا پوری شدت کے ساتھ ابطال کیا ہے وہ شرک ہے۔ اور بت پرستی شرک کی سب سے زیادہ گھناؤنی شکل ہے کہ ایک شخص اپنے ہی ہاتھوں سے ایک بت تراش

Marfat.com

کر پھر اس کی پوجا شروع کر دے اور بت بھی کسی انسان کا۔ جب کہ بقول علامہ اقبال ''من ندیدم کہ سگے پیش سگے سرخم کرد۔'' یعنی جب ایک کتا دوسرے کتے کے سامنے سر نہیں جھکاتا تو انسان کس قدر علم و دانش سے کورا اور عقل و خرد سے خالی ہے جو نہ صرف ایک انسان کے سامنے بلکہ ایک انسان کے بت کے سامنے جس کو خود اپنے ہاتھوں سے تراشتا ہے، اپنا سر جھکاتا ہے۔
شہر مکہ اور بیت اللہ کی بنیاد خود اللہ کے خلیل اور حنیف سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے ہاتھوں سے رکھی۔ اس کی تعمیر کا مقصد خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت تھا، چنانچہ آپ کی تعلیمات کے مطابق اس سرزمین میں اسی وحدہٗ لاشریک کی عبادت ہوتی رہی جس کے حکم کے تحت اس گھر کو بنایا گیا تھا۔ یہاں کے رہنے والوں کا یہ عقیدہ تھا کہ اللہ ایک ہے اور اس کی ذات و صفات میں کوئی بھی اس کا شریک نہیں۔ وہ قادر مطلق ہے۔ کائنات کی تخلیق، اس کی نشوونما اور اس کی بقا کے لیے اسے کسی وزیر اور مشیر کی مدد کی کوئی ضرورت نہیں۔ تمام صفات کمال سے وہ بذات خود متصف ہے اور تمام عیوب، خامیوں اور کمزوریوں سے وہ مبرا اور پاک ہے۔ روز قیامت پر بھی ان کا پورا پورا یقین تھا، لیکن جونہی سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی تعلیمات کی روشنی مدہم ہوئی اور جہالت اور نفس پرستی نے اپنے پنجے گاڑے تو احکام الٰہی کے بجائے وہ اپنی نفسانی خواہشات کے بندے بن گئے اور اصنام پرستی اور باطل عقائد کو پذیرائی حاصل ہوگئی، یہاں تک کہ عمرو بن لحی نے بت پرستی کو رواج دیا، چنانچہ اصحاب السیر نے لکھا ہے کہ

> ''علمائے کرام کی اس بارے میں بکثرت تصریحات ہیں کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر عمرو بن لحی کے زمانہ تک اہل عرب آپ کے عقائد پر ہی ثابت قدم رہے۔ یہ پہلا شخص تھا جس نے دین ابراہیمی کو تبدیل کیا۔ (**فھو اول من غیر دین ابراھیم**) اور اہل عرب کے لیے گوناگوں گمراہیاں شروع کیں اور بتوں کی عبادت کا سلسلہ شروع کیا۔'' (سیرۃ الحلبیہ ۱/۱۰)

علامہ ابن خلدون نے بھی اپنی تاریخ میں یہی لکھا ہے کہ عمرو بن لحی سب سے پہلا شخص تھا جس نے دین اسماعیل علیہ السلام کو تبدیل کیا اور بتوں کی پرستش کو رواج دیا۔

(ابن خلدون ۲/۶۵۱)

بت پرستی کا آغاز کیسے ہوا؟

یہ تو پتہ چل گیا کہ عرب میں بت پرستی کا آغاز عمرو بن لحی نے کیا، لیکن اس کا آغاز

Marfat.com

کیسے ہوا؟ اس بارے میں ہشام بن محمد بن السائب نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''کتاب الاصنام'' میں لکھا ہے کہ اس اصنام پرستی کا آغاز بیت اللہ کی عقیدت کے پاکیزہ جذبہ سے شروع ہوا اور یہ ایک مسلمہ اور متفقہ حقیقت ہے کہ دنیا میں شرک ہمیشہ پاکیزہ جذبہ ہی کے تحت شروع ہوا۔ (آج کل قبروں پر جو شرک ہوتا ہے وہ بھی صاحب قبر کے ساتھ عقیدت کے پاکیزہ جذبہ ہی سے ہوتا ہے۔) جو شخص بھی مکہ سے عارضی یا مستقل طور پر جدا ہوتا وہ حرم سے اپنے عقیدے کے تحت، وہاں کے مقدس پتھروں میں سے ایک آدھ پتھر اپنے ساتھ لے جاتا۔ گھر پہنچ کر وہ اسے ایک خاص مقام پر نصب کر دیتا اور اس کے گرد اسی طرح طواف کرتا جس طرح کہ قیام مکہ کے دوران وہ کعبہ کے گرد طواف کیا کرتا تھا۔ وہ اس پتھر سے حرم کے تعلق کی وجہ سے خیر و برکت کا طالب ہوتا اور اس کے ساتھ اسی محبت اور وابستگی کا اظہار کرتا جو ایک نیک انسان اللہ کے مقدس گھر سے کرتا ہے۔ بخاری میں ابو رجاء عطاردی کا قول ہے کہ جب کوئی خوبصورت پتھر نہ ملتا تو مٹی کی ڈھیری بنا کر اس پر بکری کا دودھ دوہ لیتا اور اس کا طواف کرتا۔ غرض کہ ابراہیم علیہ السلام کا دین چھوڑ کر بت پوجنے لگے اور سابقہ گمراہ قوموں کی طرح ضلالت اور گمراہی کے گہرے غاروں میں گر گئے۔ (السیرۃ النبویہ: ۱/۶۲)

ہشام بن محمد ابن السائب کلبی نے اس بارے میں مزید لکھا ہے کہ سب سے پہلے جس شخص نے عرب میں دین ابراہیم کو تبدیل کیا اور اس میں اصنام پرستی کا آغاز کیا، وہ قبیلہ خزاعہ کا سردار عمرو بن لحی بن حارثہ بن عمرو بن عامر الازدی تھا۔ کعبہ کی تولیت پہلے الحارث کے سپرد تھی، مگر جب عمرو بن لحی مکہ مکرمہ میں قیام پذیر ہوا تو اس نے حارث کے حق تولیت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی اور اپنی اولاد کی مدد سے حارث اور اس کے خاندان کو قابل رشک عہدہ سے محروم کر کے خود اس پر قابض ہو گیا۔ (کتاب الاصنام: ص ۸)

اس قبضہ کے بعد عمرو بن لحی پر اچانک بیماری کا حملہ ہو گیا اور اس بیماری نے بڑی سرعت کے ساتھ شدت اختیار کر لی۔ موت و حیات کی اس کشمکش میں کسی حکیم دانا نے اسے بتایا کہ شام میں ''البقاء'' کے مقام پر گرم پانی کا ایک چشمہ موجود ہے۔ اگر وہ وہاں جا کر اس پانی سے غسل کرے تو بہت جلد صحت یاب ہو جائے گا۔ عمرو بن لحی نے اس مشورہ کو پوری خوش دلی سے قبول کیا اور فوری طور پر ''البقاء'' کے لیے رخت سفر باندھا۔ اس نے جب اس چشمہ سے جا کر غسل کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے جلد صحت یاب کر دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اس کی صحت منظور تھی۔

صحت کے بحال ہونے کی وجہ سے خوشی اور مسرت کی لہر اس کے رگ و پے میں دوڑ

Marfat.com

گئی۔اس نے چند روز وہاں قیام کیا تا کہ وہ واپسی کے سفر کی صعوبتوں کو برداشت کر سکے۔اس قیام کے دوران اس نے دیکھا کہ وہاں کے باشندے بتوں کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں اور ان کی پوجا پاٹ کرتے ہیں، اور ان کے حضور سر نیاز خم کرتے ہیں، ان سے دعائیں کرتے ہیں، ان سے اپنے مسائل میں مدد مانگتے ہیں۔ان کے آگے نذرونیاز چڑھاتے ہیں۔عمرو قبل ازیں اس قسم کی حرکات وسکنات سے قطعاً ناآشنا تھا۔اس کے دل میں فطری طور پر یہ خواہش پیدا ہوئی کہ وہ ان کے بارے میں جستجو کرے۔اسے بتایا گیا کہ یہ بت ان کے معبود ہیں اور وہ اپنی تمام مشکلات میں ان کی طرف رجوع کرتے۔ بارش اور دشمن پر فتح حاصل کرنے کے لیے ان کے سامنے سجدہ ریز ہو کر دعائیں مانگتے اور یہ بت ان کی ان تمام معاملات میں دستگیری کرتے ہیں۔عمرو بن لحی ان کی ان باتوں سے بہت متاثر ہوا اور ان سے درخواست کی کہ پتھر کے کچھ معبود اسے بھی دے دیئے جائیں۔ چنانچہ ''البقاء'' کے باشندوں نے اس کے اس مطالبہ کو قبول کیا اور چند بت (اور بعض روایات میں ہے کہ ایک بت ہبل) اس کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کر دیئے۔ یہ شخص پتھر کی ان مورتیوں کو اپنے ساتھ لے کر مکہ مکرمہ آ گیا اور انہیں خانہ کعبہ کے اردگرد رکھ دیا۔ (کتاب الاصنام: ص ۱۸، السیرۃ النبویہ: ۱/ ۶۸)

عمرو بن لحی بہت سخی آدمی تھا اور لوگوں میں اس کی بہت مقبولیت تھی۔ اور اس مقبولیت کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ

''عمرو عربوں کے لیے رب بن گیا (صار عمرو للعرب ربا) دین میں جس نئی بات کا وہ آغاز کرتا تھا، لوگ اس کو دین سمجھ کر قبول کر لیتے تھے۔اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ حج کے ایام میں لوگوں کو کھانا کھلایا کرتا تھا اور انہیں لباس مہیا کرتا تھا اور بسا اوقات وہ موسم حج میں دس دس ہزار اونٹ ذبح کرتا اور دس دس ہزار غریب نادار لوگوں کو روزانہ لباس مہیا کرتا تھا۔'' (السیرۃ النبویہ: ۱/۹۳)

بعض حضرات کا خیال ہے کہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے پہلا شخص جس نے بت پرستی کی اس رسم کو رواج دیا اور اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ دین کی کھلم کھلا تحریف کی وہ ہذیل بن مدرکہ تھا۔

عمرو بن لحی کی مقبولیت کی وجہ سے یہ بت پرستی بھی معاشرہ میں مقبول ہو گئی اور جنگل کی آگ کی طرح یہ مرض ایسا پھیلا کہ انفرادی اور اجتماعی طور پر ہر شخص نے بت پرستی کو اپنا لیا۔ ہر قبیلہ نے اپنا اپنا الگ خدا بنا لیا اور ہر گھر میں اپنے اپنے خداؤں کی پوجا ہونی شروع ہو گئی اور

Marfat.com

مکہ اور پورے عرب میں لوگوں نے اس ابراہیم علیہ السلام کے دین کو چھوڑ کر بت پرستی اختیار کر لی جس ابراہیم علیہ السلام نے پورے معاشرہ کے بتوں کو لات مار کر یہ اعلان کیا تھا ''انی وجہت وجھی للذی فطر السماوات والارض حنیفاً وما انا من المشرکین'' اس دین ابراہیمی کے ماننے والے سارے کے سارے مشرک اور اصنام پرست ہو گئے اور پھر ابراہیم علیہ السلام کے بنائے ہوئے گھر بیت اللہ میں بھی 360 بت رکھ دیئے گئے۔

عربوں کے مشہور بت:

ویسے تو ہر گھر میں الگ الگ بت تھا۔ سفر کا بت الگ، حضر کا الگ، بیماری کا الگ، صحت کا الگ، لیکن کچھ مشہور بت ایسے بھی تھے، جن کی مختلف قبیلے عبادت کرتے تھے اور بڑے بڑے صنم کدوں میں انہیں سجا کر رکھا گیا تھا۔ دن رات ان پر نذرانے اور چڑھاوے چڑھتے تھے۔ کئی کئی اونٹ ان کے استھانوں پر قربان کیے جاتے اور کئی کئی روز کے میلے ان پر لگتے۔

① ان بتوں میں سب سے پرانا بت ''مناۃ'' تھا۔ یہ عربوں کے قومی بتوں میں شمار ہوتا تھا۔ وہ اس بت کی نہ صرف پورے اخلاص اور پورے جذبہ عبودیت سے پرستش کرتے تھے بلکہ عقیدت واحترام کی وجہ سے اپنے بچوں کے نام بھی اس بت کے نام پر اس طرح رکھتے جو اس کے ساتھ ان کی گہری وابستگی کے آئینہ دار ہوتے۔ چنانچہ عربی ادب میں ہمیں اس قسم کے نام ملتے ہیں ''عبد مناۃ''، ''زید مناۃ'' وغیرہ۔ یہ بت مکہ اور مدینہ کے درمیان مشلل کے قریب ''قدید'' کے مقام پر ساحل سمندر پر نصب تھا۔ اس بت کی قریب قریب سارے قبائل میں پوجا پاٹ ہوتی تھی۔ اس کی خوشنودی کے حصول کے لیے اور اس کی ناراضگی سے بچنے کے لیے یہاں پر عرب قبائل جانوروں کی قربانیاں کیا کرتے تھے، لیکن ازد، اوس وخزرج کے قبائل ان سب پر سبقت لے گئے تھے۔ ابن کلبی نے سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا جو اوس اور خزرج کے بارے میں سب سے زیادہ معلومات رکھتے تھے، ایک قول اپنی تصنیف ''کتاب الاصنام'' میں نقل کیا ہے جس سے ان قبائل کی مناۃ کے متعلق غیر معمولی وابستگی اور والہانہ عقیدت کا پتہ چلتا ہے۔ فرماتے ہیں:

''جو لوگ حج کے لیے دوسرے حجاج کے ساتھ روانہ ہوتے وہ تمام ان مقامات پر ضرور ٹھہرتے، جن پر عرب عام طور پر قیام کیا کرتے تھے اور وہ ساری رسوم ادا کرتے جو اس وقت رائج تھیں، لیکن وہ اپنے سروں کو منڈانے سے اجتناب

Marfat.com

کرتے۔ حج سے واپسی پر جب وہ اس مقام پر پہنچتے، جہاں مناۃ کا بت نصب تھا، تو وہاں کچھ دیر کے لیے قیام بھی کرتے اور اپنے سروں کو بھی منڈاتے کیونکہ ان کے نزدیک مناۃ کی زیارت بھی حج کا ایک نہایت ضروری حصہ تھا اور جب تک اس رکن کو پوری طرح ادا نہ کیا جائے اس وقت تک ان کی نظر میں فریضہ حج کی تکمیل نہیں ہوتی تھی۔''

عربوں کے ہاں ''مناۃ'' کی عرصہ دراز تک تعظیم وتکریم ہوتی رہی یہاں تک کہ سرکار دو عالم ﷺ نے سنہ 8ھ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بھیج کر اسے مسمار کروا دیا۔ اس بت کی مسماری کی مہم میں بہت سا مال دولت مسلمانوں کے ہاتھ لگا جس میں وہ دو تلواریں بھی تھیں جو شاہ غسان حارث بن ابی شمر نے مناۃ کے استھان پر بطور نذرانہ عقیدت پیش کی تھیں۔ ان میں سے ایک تلوار کا نام ''مخذم'' تھا اور دوسری کا نام ''رسوب۔'' ان تلواروں کا ذکر شاعر نے بھی اپنے ایک شعر میں کیا ہے۔

② اسی سلسلہ میں عربوں کا دوسرا واجب التعظیم بت ''لات'' تھا جس نے سرزمین طائف میں کفر وشرک کی ظلمتیں پھیلا رکھی تھیں۔ یہ مربع شکل کی چٹان تھی جس پر ایک مکان تعمیر تھا۔ اس صنم کدہ کے متولی اور سجادہ نشین بنو ثقیف تھے جو طائف کا سب سے بڑا قبیلہ تھا۔ ان میں عتاب بن مالک کا خاندان سب سے نمایاں تھا۔ لات کا بت بھی منات کی طرح عرب کے سارے قبائل میں معظم ومکرم تھا اور لوگ دور دور سے خیر و برکت کے حصول اور آسمانی وارضی آفات سے بچنے کے لیے یہاں نذرانے پیش کرتے اور اپنی اولاد کے نام بھی اس بت کے نام پر رکھتے، چنانچہ پرانے عربی ادب میں ہمیں ''زید اللات'' اور ''تیم اللات'' کے نام ملتے۔ طائف کے میدان میں جو مسجد آج موجود ہے اس کے بائیں مینار کے بالکل ساتھ ہی یہ بت نصب تھا۔

مدت دراز تک لات کا یہ بت عربوں اور خصوصی طور پر اہل طائف کی عقیدت ومحبت کا محور ومرکز بنا رہا۔ پھر جب سنہ ۹ھ میں بنو ثقیف نے اسلام قبول کیا تو سرکار دو عالم ﷺ نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو اس بت کے صنم کدہ کے انہدام کے لیے بھیجا، چنانچہ انہوں نے اس کو توڑ کر گرا دیا اور پھر نذر آتش کر دیا۔ کتابوں میں ہے کہ جس وقت شرک وبت پرستی کے اس مرکز کو منہدم کیا جا رہا تھا، اس وقت شداد بن عارض الجشمی رضی اللہ عنہ نے ثقیف والوں کو مخاطب کر کے بآواز بلند چند شعروں میں کہا، جن کا ترجمہ یہ ہے:

Marfat.com

''اے اہل طائف، لات کی مدد نہ کرنا کیونکہ لات کو برباد کرنے والا خود خدا تعالیٰ ہے۔ جس کی قسمت میں کامیابی نہ ہو، تمہاری مدد سے کیا ہوگا۔ جو شے آگ میں بھسم ہو کر راکھ ہو گئی اور اپنی کوئی مدافعت نہ کر سکی وہ یقیناً ناکارہ شے ہے۔ جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہاری سرزمین کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے نوازیں گے اور پھر یہاں سے واپس تشریف لے جائیں گے تو اس وقت ایک شخص بھی لات کا حامی نہ ہوگا۔''

③ اہل عرب کے مشہور بتوں میں سے ایک بت کا نام عزیٰ تھا۔ یہ لات ومنات کے بعد بنایا گیا تھا۔ یہ وادی نخلہ میں درختوں کے ایک جھنڈ میں تھا۔ جب کوئی مسافر مکہ سے عراق کی طرف جاتا تو درختوں کا یہ جھنڈ اسے دائیں جانب پڑتا۔ عربوں کو اس بت کے ساتھ بھی گہری قلبی عقیدت تھی۔ چنانچہ جاہلی عرب کی تاریخ وادب میں اس حقیقت کی واضح نشان دہی ہوتی ہے کہ اس بت کے نام پر عربوں نے اپنی اولاد کے نام بہت بعد میں رکھنے شروع کیے تھے، چنانچہ ''عبدالعزیٰ'' جیسا مرکب نام پہلے دور میں کہیں نظر نہیں آتا۔

عزیٰ کی پرستش کی ابتدا ظالم بن اسعد نے کی۔ مکہ سے جو راستہ عراق کی طرف جاتا ہے اس پر بستان سے نو میل کے فاصلہ پر سڑک کے دائیں جانب یہ بت نخلۃ الشامیۃ کے مقام جسے ''حراض'' بھی کہتے ہیں، نصب تھا۔ اس بت کے اردگرد ایک نہایت وسیع عمارت تعمیر کی گئی تھی جسے ''بس'' کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ اس استھان پر اس بت کے حضور میں نذرانے پیش کیے جاتے تھے اور اس کی باقاعدہ پوجا ہوتی تھی۔ لوگوں کو اس بت کا گرویدہ بنانے اور اس سے عقیدت استوار کرنے کے لیے اور غیب سے پراسرار آوازیں سنانے کے لیے عجیب وغریب انتظامات کیے گئے تھے۔ اس بت کا احترام وتکریم روز بروز بڑھتا رہا۔ اسی احترام وعقیدت کی وجہ سے لوگوں نے دوسرے ناموں کو چھوڑ کر اپنی اولاد کے نام اسی بت کے نام پر رکھنے شروع کر دیے، چنانچہ ایک وقت ایسا بھی آیا جب سب سے زیادہ مقدس نام ''عبدالعزیٰ'' سمجھا جانے لگا۔ عرب کا کوئی قبیلہ نہ تھا جس کو اس بت کی بندگی پر فخر نہ ہو، لیکن اس معاملہ میں جتنی فدائیت اور جاںنثاری قریش کے ہاں تھی اتنی اور کسی قبیلہ میں نہ تھی، چنانچہ خواجہ عبدالمطلب نے خود اپنے ایک بیٹے ابولہب کا نام عبدالعزیٰ رکھا ہوا تھا۔

قریش نے ''حریض'' کے قریب پوری وادی جسے سقام کہتے ہیں، عزیٰ کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ اس وادی کو یہ لوگ بڑی عزت واحترام سے دیکھتے تھے اور اسے خانہ کعبہ ہی کا

Marfat.com

ایک حصہ خیال کرتے تھے، چنانچہ عربی ادب میں جہاں عزیٰ کا نام آتا ہے وہاں اس وقف کا ذکر بھی ملتا ہے۔ عزیٰ کے صنم کدہ میں ایک قربان گاہ بھی تھی جسے ''غبغب'' کہا جاتا تھا اور جہاں زائرین ہدیے کے جانور لا کر ذبح کرتے تھے۔

عزیٰ کا بت کدہ عربوں کے ہاں کس قدر واجب التعظیم تھا اس کا ہلکا سا اندازہ قیس بن الحدادیہ الخزاعی کے اس شعر سے لگایا جا سکتا ہے۔

تلینا ببیت اللہ اول حلفہ

والا فانصاب یسرف بغبغب

''ہم سب سے پہلے اللہ کے گھر کی قسمیں کھاتے ہیں، لیکن اگر وہ قسم موثر نہ ہو تو پھر ان مقدس پتھروں کی قسم کھاتے ہیں جو غبغب کے مقام پر نصب ہیں۔

عزیٰ کے بت کدہ کی تولیت عرصہ دراز تک مجموعی طور پر بنوسلیم کے پاس رہی لیکن اس صنم کدہ کی حفاظت اور دربانی کے فرائض میں بنوشیبان پیش پیش تھے اور اس بات کو اپنے لیے ایک غیر معمولی اعزاز سمجھ کر اسے بڑے خلوص اور عقیدت سے سرانجام دیتے تھے۔

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ قریش کو اس بت سے بڑی عقیدت تھی، چنانچہ وہ کعبہ کے گرد طواف کرتے وقت اس بت کی تعریف وتوصیف ان الفاظ میں کرتے:

والـلات والـعزی ومنـاه الثـالثة الاخـرى، فانهن الغرانيق العلى، وان شفاعتهن لترجى.

''قسم ہے لات وعزیٰ کی اور دو کے علاوہ تیسرے منات کی۔ یہی حسین وجمیل اور رفیع الشان لڑکیاں ہیں اور انہی سے شفاعت کی امید کی جاتی ہے۔''

ان تینوں بتوں کو اہل عرب خدا کی بیٹیاں تصور کرتے تھے اور ان کا اس بات پر پختہ یقین تھا کہ ان کی شفاعت کے بغیر وہ دین و دنیا میں کامیابی کی شاہراہ پر نہیں چل سکتے۔ قرآن حکیم نے بڑے زور دار الفاظ میں ان کے اس عقیدہ کی سورہ النجم میں تردید کی ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے:

''(اے کافرو!) کیا تم نے لات وعزیٰ اور تیسرے منات کے بارے میں غور نہیں کیا ہے، کیا تمہارے لیے تو بیٹے ہوں اور خدا کے لیے بیٹیاں۔ اس اعتبار سے تو یہ بڑی بے ڈھنگی تقسیم ہے۔ یہ نرے نام ہی

Marfat.com

نام ہیں جنہیں تم نے اور تمہارے باپ دادا نے ٹھہرا لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو (اس کے لیے) کوئی دلیل نہیں بھیجی۔ یہ لوگ نرے بے بنیاد خیالات اور اپنے نفس کی پیروی کرتے ہیں، حالانکہ حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے ان کے پاس ہدایت آ چکی ہے۔'' (النجم:۱۹۔۲۳)

اس بت کی پرستش سرکار دو عالم ﷺ کی بعثت تک جاری رہی۔ اس دیوی کے بارے میں قریش کے جذبات کتنے نازک تھے، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ سورہ النجم کی یہ آیات جب نازل ہوئیں تو کفار مکہ کو اس سے سخت رنج ہوا۔ اس رنج و تکلیف کے نتیجہ میں عبد مناف کا پڑپوتا ابواحیحہ سخت بیمار ہو گیا اور بالآخر یہی بیماری اس کی موت کا سبب بنی۔ اسی دوران میں ابولہب اس کی عیادت کے لیے آیا تو اس نے اسے زار و قطار روتے دیکھا۔ ابولہب نے اس سے پوچھا: کیا ہوا؟ کیوں اتنی آہ و فغاں کر رہا ہے؟ کیا موت سے ڈر کر آنسو بہا رہا ہے؟ حالانکہ موت ایک یقینی شے ہے اور اس سے کسی کو مفر نہیں۔ ابولہب کے منہ سے یہ کلمات سن کر ابواحیحہ نے کہا! نہیں، مجھے موت کا قطعاً کوئی خوف نہیں، موت تو بہر صورت آنی ہے۔ میں اس سے بالکل پریشان نہیں ہوں۔ البتہ مجھے ایک غم کھائے جا رہا ہے اور اسی غم کی وجہ سے رو رہا ہوں کہ میرے اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد عزیٰ کی پرستش ختم ہو جائے گی۔ ابولہب نے اسے پوری پوری تسلی دی اور کہا: ''یہ تمہاری خام خیالی ہے۔ عزیٰ کی پرستش اور اس کی تعظیم و تکریم صرف تیری وجہ سے نہیں اور نہ ہی تیری زندگی تک محدود ہے کہ تمہارے مرنے کے بعد لوگ اس بت سے منہ موڑ لیں گے بلکہ تیرے بعد بھی اس کی پرستش اسی طرح رہے گی۔''

ابواحیحہ نے جب ابولہب کے منہ سے یہ تسلی آمیز اور جرأت آمیز الفاظ سنے تو اس کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا اور اسے پتہ چل گیا کہ عزیٰ بت سے عربوں اور قریش کو غیر معمولی عقیدت اور محبت ہے اور یہ کہ اس کی پرستش کو میرے مرنے کے بعد بھی ختم نہیں ہونے دیں گے۔ اسی قسم کا واقعہ ولید بن مغیرہ کے بارے میں بھی ہے جو سیدنا خالد بن ولید سیف اللہ رضی اللہ عنہ کا باپ تھا۔

شاید اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اس بت کے انہدام کے لیے بھیجا۔ جب وہ اس کو منہدم کر کے واپس آئے تو سرکار دو عالم ﷺ نے پوچھا: خالد! تم نے کوئی شے دیکھی؟ عرض کیا: نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم نے پھر اس کو صحیح طور پر منہدم نہیں

Marfat.com

کیا۔ اب کی بار سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے بت کے ارگرد کے تمام درختوں کو بھی کاٹ دیا اور اس بت کو بھی نیچے تک کھود کر منہدم کر دیا۔ دیکھا کہ ایک عورت نکلی جو نہایت بدشکل، لمبے دانت اور بال بکھرے ہوئے تھے اور خالد رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر کہنے لگی:

''اے عزیٰ! خالد پر اپنی پوری قوت سے حملہ کر۔ اپنی اوڑھنی کو پھینک دے اور اپنی آستینوں کو چڑھا لے۔ اگر تو نے آج خالد رضی اللہ عنہ کو قتل نہ کیا تو وہ تجھے بہت جلد ذلیل و رسوا کر دے گا۔''

سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس کو دیکھ کر اور اس کی یہ بات سن کر فرمایا:

یا عزی! کفرانک لا سبحانک

انی رایت اللہ قد اھانک

''اے عزیٰ! میں تیری پاکی بیان نہیں کرتا بلکہ میں تیرا سراسر انکار کرتا ہوں۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے ذلیل و خوار کر دیا ہے۔''

پھر سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار سے حملہ کر کے اس کے سر کو دو ٹکڑے کر دیا۔ اس کو ہلاک کر کے واپس بارگاہ رسالت پناہ میں حاضر ہو کر سارا واقعہ بیان کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اب تو نے اس کو صحیح معنوں میں مسمار کیا ہے۔ (بلوغ الارب: ۲/۲۰۴)

④ یہ تینوں دراصل مونث بت تھے جن کو آج کل کی اصطلاح میں دیویاں کہتے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی قریش کے کچھ بت تھے۔ کچھ بت بیت اللہ کے اندر رکھے ہوئے تھے اور کچھ کو باہر نصب کر دیا گیا تھا۔ ان سب بتوں میں سب سے بڑا بت ''ہبل'' تھا، یہ عقیق کا بنا ہوا سرخ رنگ کا بت تھا اور اس کی شکل انسان کی تھی۔ اس بت کا دایاں ہاتھ ٹوٹا ہوا تھا۔ قریش نے اس کی جگہ سونے کا ہاتھ بنا کر جوڑ دیا تھا۔

ہبل کو سب سے پہلے خزیمہ بن مدرکہ نے نصب کیا تھا۔ اس لیے اس کو عام لوگ ''ہبل خزیمہ'' کہتے تھے۔ اس کے قریب کچھ تیر بوری میں رکھے ہوئے تھے۔ کچھ پر ''نعم'' یعنی ہاں اور کچھ پر ''لا'' یعنی نہیں لکھا ہوا تھا۔ اور ان تیروں کے ذریعہ عرب لوگ فال نکالتے تھے۔ ابن الکلبی نے لکھا ہے کہ ہبل کا بت کعبہ کے اندر تھا اور اس کے سامنے سات تیر رکھے ہوئے تھے۔ ان تیروں کے ذریعہ عرب لوگ فال نکالا کرتے تھے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تاریخ الاسلام از حسن ابراہیم: ۱/ ۶۹۔۷۰)

Marfat.com

⑤ ان کے علاوہ بھی کچھ بت ایسے تھے جن کی مختلف عرب قبائل پرستش کرتے تھے۔ جن میں چند ایک حسب ذیل ہیں:

ان میں سے ایک بت ''سواع'' تھا جس کی قبیلہ ہذیل پرستش کرتا تھا۔ اس بت کو قبیلہ کے لوگوں نے گاؤں ینبع کے نزدیک ''برہاط'' کے مقام پر نصب کر رکھا تھا۔ اس کی تولیت بنولحیان کے سپرد تھی۔ ابونعیم نے راشد بن عبداللہ کا ایک واقعہ نقل کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان بتوں کے سامنے لوگ چڑھاوے اور نذر و نیاز بھی بہت چڑھایا کرتے تھے، چنانچہ راشد کہتے ہیں کہ میرے قبیلہ کے لوگوں نے مجھے نیاز دے کر ''سواع'' کے دربار میں بھیجا۔ میں جب اس کے پاس پہنچا تو لومڑ اس کو چاٹ رہے تھے اور اس کے سامنے نذر و نیاز کے جو کھانے پڑے ہوئے تھے، ان کو کھا رہے تھے۔ کھانے کے بعد پھر اس پر پیشاب کرنے لگے۔ یہ سارا منظر دیکھ کر راشد نے کہا:

أرب يبول الثعلبان براسه
لقد ذل من بالت عليه الثعالب

جس کے سر پر لومڑ پیشاب کریں کیا وہ رب ہو سکتا ہے؟ جس کے سر پر لومڑ پیشاب کریں وہ ذلیل و رسوا ہے۔ (السیرۃ النبویہ: ۱/۴/۷۳)

راشد جب دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تو پھر اپنے ہاتھوں سے سواع کے بت کو توڑ دیا۔ قبیلہ کلب کے لوگ ''ود'' کی پرستش کرتے تھے اور اس کے سامنے سر نیاز جھکاتے تھے۔

اسی طرح قبیلہ مذحج اور حمیر ش ''یغوث'' بت کے پرستار تھے۔ چنانچہ عرب قبائل اپنے اشعار میں بھی ان بتوں کا اکثر تذکرہ کرتے۔ ایک اور بت کا نام نسر تھا۔

ایک بت ''یعوق'' بھی تھا، قبیلہ خیوان کے لوگ اس بت کی پوجا کرتے۔

یہ پانچ بت یعنی ''ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر'' جن کا تذکرہ سورہ نوح میں بھی ہے اور یہ پانچوں بت قوم نوح کے بت بھی تھے۔ (ملاحظہ ہو سورہ نوح: ۲۱: ۲۴) یہ عمرو بن لحی کی وجہ سے عرب میں آئے اور اسی کی وجہ سے مقبول تھے، گویا یہ باہر سے درآمد شدہ بت تھے۔

کتابوں میں ایک بت ضمار کا بھی سراغ ملتا ہے، چنانچہ عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ اپنے قبول اسلام کا واقعہ یہی بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ ایک بت ضمار کے پاس آیا جس کی ہم صبح و شام پرستش کیا کرتے تھے۔ میں نے اس کو کپڑے سے صاف کیا اور اس کا بوسہ لیا اس کے اندر سے آواز آئی:

Marfat.com

قل للقبائل من سلیم کلها
هلک الضمار و فاز اهل المسجد
هلک الضمار و کان یعبد مرة
قبل الصلاه مع النبی محمد
ان الذی ورث النبوه والهدی
بعد ابن مریم من قریش مهتدی

① سلیم کے سب قبیلوں کو کہہ دو کہ ضمار کا دور ختم ہو گیا ہے اور اہل مسجد کامیاب ہو گئے ہیں۔

② ضمار برباد اور ذلیل وخوار ہو چکا ہے۔ محمد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نماز پڑھنے سے قبل اس کی پوجا ہوا کرتی تھی۔

③ ابن مریم کے بعد نبوت و ہدایت کا وارث ہی ہدایت یافتہ ہے۔

(السیرۃ النبویہ:۱/ ۳۵۸)

ان کے علاوہ بھی کئی بت خانہ کعبہ کے اندر اور باہر کفار نے رکھے ہوئے تھے جن کی تعداد کتابوں میں 360 آتی ہے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ عرب اللہ کے علاوہ دوسروں کو معبود بھی مانتے تھے اور ان کی پرستش اور عبادت بھی کیا کرتے تھے۔ یہ سب مختلف قسم کے تھے۔ درخت، پتھر اور چشمے سب ان میں شامل تھے۔ اس کی تفصیل کلبی نے کتاب الاصنام میں ذکر کی ہے اور قرآن حکیم نے اپنی بعض آیات میں بھی اس پر روشنی ڈالی ہے، لیکن یونان میں جس طرح دیوتاؤں کے اعمال اور ان کی فطرت کی تفصیل ملتی ہے، عرب میں ایسا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ جو کچھ تفصیل ہے وہ عرب کی جاہلی شاعری اور ضرب الامثال میں ملتی ہے۔

(Encyclopedia of Islam, Vol 1. P.660)

بتوں کے بارے میں عربوں کا عقیدہ:

ان بتوں کے بارے میں عربوں کا کیا عقیدہ تھا؟ قرآن حکیم نے اس کو بیان فرمایا ہے۔ عرب ان بتوں کو وسیلہ مانتے تھے اور کہتے تھے، یہ ہماری سنتے ہیں، ہماری گواہی دیتے ہیں۔ وہ بتوں کی قسمیں بھی کھاتے تھے۔ ان کے سامنے حلف بھی اٹھاتے تھے اور ان کی عبادت

Marfat.com

بھی کرتے تھے، ان کے سامنے سجدہ ریز بھی ہوتے تھے۔ ان کے ناموں پر جانور ذبح کرتے تھے اور اگر کوئی جانور بوڑھا ہو جاتا تو وہ اس کو بت کے نام پر چھوڑ دیتے تھے، چنانچہ بت کے نام پر چھوڑے ہوئے بوڑھے اونٹ کو "حام" اور اونٹنی کو "بحیرہ" کہتے تھے۔

ان بت پرستوں کی کوئی مذہبی شریعت یا احکامات نہیں تھے جو فرد کو سوسائٹی سے وابستہ کرتے ہوں۔ یا فرد پر کچھ فرائض یا حقوق عائد کرتے ہوں، بلکہ اکثر بتوں کو اپنی ضروریات کے لیے استعمال کرتے تھے۔

(The Historian's History of the World, Vol. vii, P.292)

ہر کام کے لیے ان کا الگ الگ بت تھا، اور جب رسول اللہ ﷺ نے توحید کی دعوت دی تو انہوں نے نہایت حیرت و استعجاب سے کہا:

اجعل الالہ الها واحدا ان هذا الشئی عجاب

"کیا اس نے بہت سے خداؤں کی جگہ ایک خدا بنا دیا ہے۔ بے شک یہ بڑی عجیب وغریب بات ہے۔"

عربوں کی جہالت کے زیرِ عنوان امام بخاری نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ عربوں کی جہالت اور نادانی کا انداز معلوم کرنا ہو تو سورۃ انعام کی آیت نمبر 140 پڑھیے:

"بے شک خسارے میں ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنی اولاد کو جہالت اور نادانی کی وجہ سے قتل کیا اور اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھ کر اس رزق کو حرام کر لیا جو اللہ نے انہیں دیا تھا، بے شک وہ گمراہ ہوئے اور سیدھی راہ پر نہ آئے۔"

ملعون عمرو بن لحی نے مال مویشی کی مصلحت و شفقت کی خاطر چند بدعات اور شرکیہ رسومات ایجاد کیں جو محض کذب و افتراء کا پلندہ تھیں۔ قوم نے اندھا دھند ان کی تقلید اور ملت ابراہیمی جو توحید و وحدانیت خداوندی، ردِ شرک اور تردید بت پرستی کا مجموعہ تھی، اسے یکسر بدل دیا۔ بغیر دلیل و حجت اور علم و دانش کے سابقہ اقوام کی مشرکانہ راہ و رسم کو پسند کیا اور سیدنا نوح علیہ السلام کی قوم کی شرکیہ اختراع کو اختیار کیا۔ (السیرۃ النبویہ لابن کثیر: ۱/ ۶۷)

بت پرستی نے ان کی ایسی مت ماری کہ اساف و نائلہ نے بیت اللہ میں بدکاری کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو پتھر کی صورت میں مسخ کر دیا۔ عوام نے پہلے تو ان مسخ شدہ مجسموں کو بیت اللہ میں عبرت و نصیحت کی خاطر نصب کر دیا۔ عرصہ دراز کے بعد سامان عبرت کے بجائے ان مجسموں کی پرستش شروع ہو گئی۔ (السیرۃ النبویہ: ۱/ ۶۴)

Marfat.com

اگرچہ اہل عرب بتوں کی پرستش کرتے تھے لیکن پھر بھی ان کے دل میں بتوں کی زیادہ عزت نہیں ہوتی تھی، بلکہ کبھی کبھی وہ ان کا مذاق بھی اڑاتے تھے۔ اس کا اندازہ اس قصہ سے ہوتا ہے جو ''بلوغ الارب'' میں نقل کیا گیا ہے کہ مالک اور ملکان کنانہ کے دو بیٹے تھے۔ ساحل جدہ پر ان کا ایک بت تھا جس کا نام ''سعد'' تھا۔ وہ ایک لمبی چٹان پر واقع تھا۔ بنی ملکان کا ایک شخص اپنے بہت سے اونٹ لے کر وہاں آیا تا کہ اس بت سے برکت حاصل کرے۔ جب اس نے اپنے اونٹوں کو اس چٹان سے قریب کیا تو وہ چٹان ان جانوروں کے خون سے لت پت تھی جو وہاں اس بت کے تقرب کے لیے ذبح کیے گئے تھے۔ اونٹ اس خون کو دیکھ کر کچھ ایسے بدکے کہ اپنی مہار تڑوا کر ادھر ادھر بھاگ گئے۔ اپنے اونٹوں کو یوں منتشر ہوتا دیکھ کر وہ غضبناک ہو گیا۔ فوراً زمین سے پتھر اٹھایا اور سعد بت کو دے مارا اور غصے میں کہنے لگا: ''اے جھوٹے خدا! تجھ کو اللہ تعالیٰ کبھی برکت نہ دے۔ تو نے میرے اونٹوں کو بھگا دیا اور انہیں تتر بتر کر دیا۔'' (لابارک اللہ فیک الھا انفرت ابلی) پھر اس نے بڑی مشکل سے اپنے اونٹوں کو اکٹھا کیا۔ جب وہ وہاں سے روانہ ہوا تو دو شعر پڑھ رہا تھا جن کا ترجمہ یہ ہے:

> ''ہم سعد بت کے پاس آئے تا کہ وہ ہمارے پراگندہ شیرازہ کو منظم کر دے، لیکن ہوا یہ کہ سعد (بت) نے ہماری جمعیت کو تتر بتر کر دیا۔ اب سعد سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔
>
> سعد کیا ہے؟ لق و دق صحرا میں ایک چٹان ہے۔ نہ وہ گمراہی کی دعوت دے سکتا ہے اور نہ ہی جادۂ حق پر ہمیں رکھ سکتا ہے اور نہ کوئی نفع و نقصان ہمیں پہنچا سکتا ہے۔'' (بلوغ الارب: ۲/ ۲۰۸)

اسی طرح کا ایک اور واقعہ پروفیسر ہٹی (Hitti) نے اغانی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ امراء القیس اپنے باپ کا انتقام لینے کے لیے روانہ ہوا تو ذوالخلصہ کے مندر میں ٹھہرا تا کہ تیروں سے فال نکلوائے کہ وہ اس انتقام لینے میں کامیاب ہو گا بھی یا نہیں؟ تین دفعہ فال نکالی، تینوں دفعہ یہی نکلا کہ ارادہ چھوڑ دو۔ اس نے ٹوٹے ہوئے تیر دیوتا کے منہ پر دے مارے اور زور سے چلایا ''ملعون! اگر تیرا اپنا باپ مارا گیا ہوتا تو پھر تو مجھے انتقام لینے سے ہرگز منع نہ کرتا۔ (الاغانی: ۸/ ۷۰)

عرب میں صرف بت پرست ہی نہیں رہتے تھے بلکہ کچھ اور مذاہب بھی تھے جیسے یہودیت اور عیسائیت وغیرہ، لیکن یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جزیرہ نما عرب میں بت

Marfat.com

پرستوں کی اکثریت تھی۔ یہودیت اور عیسائیت کے علاوہ کچھ لوگ زندیق تھے، فرشتوں اور جنات کی پوجا کرنے والے بھی تھے۔ستاروں کے پجاری اور آگ کی پرستش کرنے والے لوگ بھی خطۂ عرب میں رہائش پذیر تھے اور کچھ لوگ ایسے بھی عربوں میں موجود تھے جو ان بتوں کی پرستش کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے جیسے زید بن عمرو بن نفیل اور ورقہ بن نوفل وغیرہ۔ یہ زید بن عمرو تو سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے چچا تھے اور ورقہ بن نوفل سیدہ خدیجہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کے چچازاد بھائی تھے۔ان دونوں کے علاوہ پانچ چھ حضرات اور بھی تھے جو ان بتوں کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

کلبی نے لکھا ہے کہ قبیلہ خزاعہ کی ایک شاخ جنوں کو پوجتی تھی۔

(کتاب الاصنام: ص۲۴)

قبیلہ عمیر آفتاب کی پرستش کرتا تھا، کنانہ چاند کا پرستار تھا۔بنو تمیم دبران کی، لخم و جذام مشتری کی۔قبیلہ طے سہیل کی، بنو قیس شعریٰ اور بنو اسد عطارد کی پرستش کرتا تھا۔

(ملاحظہ ہو طبقات الامم: ص۴۳۰)

دین ابراہیمی میں تبدیلی:

اتنے بتوں کو پوجنے اور اتنے شرکیہ کام کرنے کے باوجود اہل عرب اپنے آپ کو دین ابراہیمی پر سمجھتے تھے کیونکہ دین ابراہیم کی بہت سی عبادات ظاہری شکل میں ان کے اندر موجود تھیں، اگرچہ انہوں نے ان کی شکل مسخ کر دی ہوئی تھی۔ چنانچہ وہ اگرچہ دین ابراہیمی کے مطابق اپنے مردوں کو غسل دیتے اور ان کی تکفین کر کے نماز جنازہ بھی پڑھتے تھے، لیکن اس کی اصلی روح ان کے ہاں مفقود تھی۔ان کی نماز جنازہ میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء نہیں تھی اور نہ میت کے لیے اللہ تعالیٰ سے طلب مغفرت تھی۔ بلکہ وہ میت کی تجہیز و تکفین کر کے جب تدفین کے لیے لے جاتے تو اس میت کا کوئی قریبی رشتہ دار آگے کھڑا ہو جاتا اور اس میت کے محاسن اور کمالات اتنے مبالغہ آمیز طریقے سے بیان کرتا کہ زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتا، پھر اس کو دفن کر دیا جاتا۔اس طریقہ نے نماز جنازہ کی ابراہیمی روح کو ختم کر دیا تھا۔

(بلوغ الارب: ۲/ ۲۸۸)

اسی طرح وہ حج اور عمرہ بھی کرتے اور تلبیہ بھی کہتے لیکن تلبیہ میں بھی اپنی طرف سے کچھ الفاظ بڑھا کر اس کو شرکیہ بنا دیا اور اس سے عقیدہ توحید مسخ ہو کر رہ گیا۔سیدنا ابراہیم علیہ السلام

Marfat.com

کے تلبیہ سے توحید کی مہک آتی تھی جبکہ ان مدعیان دین ابراہیمی کے تلبیہ سے شرک کے تعفن سے دماغ پھٹنے لگتے تھے۔ وہ کہتے:

لبیک اللھم لبیک، لا شریک لک الا شریکا ھو لک، تملکه وما ملک

''حاضر ہیں اے اللہ ہم حاضر ہیں۔ تیرا کوئی شریک نہیں ہے بجز اس شریک کے جس کا تو مالک ہے اور اس کی ہر چیز تیری ملکیت میں ہے۔''

(السیرۃ النبویہ لابن کثیر: ۱/۶۳)

اگر چہ وہ حج کے جملہ ارکان کو پابندی کے ساتھ ادا کرتے، لیکن اپنی جہالت کی وجہ سے ان میں چند خرافات بھی رواج پا چکی تھیں جن کی وجہ سے دین ابراہیمی کی روح ان میں یک قلم ختم ہو چکی تھی، چنانچہ وہ کہتے کہ ہم سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ حرم کے باشندے ہیں۔ بیت اللہ کے متولی ہیں، اسی لیے جو اختیارات، حقوق اور امتیازات ہمیں حاصل ہیں وہ دوسرے عربوں کو حاصل نہیں ہیں۔ ہم صرف ان چیزوں کی تعظیم وتکریم بجا لائیں گے جو حرم کے اندر ہیں، لیکن جو مواقف ومشاعر حرم سے باہر ہیں، ان کی تعظیم دوسرے عربوں پر تو لازم ہے لیکن ہم پر لازم نہیں ہے، ورنہ ہم میں اور ان میں کیا امتیاز باقی رہے گا؟ چنانچہ اسی وجہ سے اہل مکہ نے قیام عرفہ کو ترک کر دیا تھا، اور طواف افاضہ کو بھی انہوں نے ترک کر دیا تھا۔ اس سلسلہ میں انہوں نے اپنے لیے ایک خاص اصطلاح بنا رکھی تھی کہ ''نحن الحمس'' ہم الحمس ہیں۔ الحمس کا مطلب اہل حرم ہے۔ یعنی ہم حرم کے اندر رہنے والے ہیں۔ اہل حرم میں سے ہونے کی وجہ سے انہوں نے اپنے اوپر یہ بھی پابندی لگا دی تھی کہ وہ گھی اور پنیر نہیں کھائیں گے۔ پھر انہوں نے یہ پابندی بھی لگا دی کہ حدود حرم سے باہر رہنے والے لوگ (اہل الحل) جب عمرہ یا حج ادا کرنے کے لیے مکہ مکرمہ آئیں تو ان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کھانا کھائیں جو اپنے ساتھ لے آئے ہیں۔ اس طرح ان کے لیے یہ بھی جائز نہیں کہ وہ ان کپڑوں میں خانہ کعبہ کا پہلا طواف کریں جو وہ اپنے گھر سے پہن کر آئے ہیں۔ ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ کعبہ کا طواف کرتے وقت اہل مکہ سے کپڑے مستعار لے کر پہنیں اور اگر ان کے ہاں کپڑے دستیاب نہ ہوں تو وہ برہنہ ہو کر کعبہ کا طواف کریں۔ لیکن اگر کوئی مرد یا عورت انہی کپڑوں میں طواف کر لے جو گھر سے پہن کر آیا تھا تو طواف سے فارغ ہونے کے بعد اس پر لازم ہے کہ وہ ان کپڑوں کو اتار کر پھینک دے۔ ان پھینکے ہوئے کپڑوں کو کوئی اور بھی استعمال نہ کرے۔ وہ لوگ

Marfat.com

عرفات میں قیام کرتے، وہاں سے طواف افاضہ کرنے کے لیے مکہ مکرمہ آتے اور خانہ کعبہ کا مادر زاد برہنہ ہو کر طواف کرتے۔ اسی طرح عورتیں بھی ننگے ہو کر طواف کرتیں۔ اس طرح سے انہوں نے عمرہ اور حج کی عبادات کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔ (السیرۃ النبویہ: ۱/۲۸۴)

اس سے اندازہ فرمایئے کہ جب اللہ تعالیٰ کے مقدس گھر کا طواف کرتے ہوئے مرد وزن اتنی بے حیائی کا مظاہرہ کرتے ہوں تو پھر اور کہاں وہ اپنے قلب و نگاہ کی عفت و عصمت کا مظاہرہ کرتے ہوں گے؟

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی لغو حرکات تھیں جو وہ اپنی عباداتی اور روزمرہ کی زندگی میں کرتے تھے۔

اخلاقی اعتبار سے بھی ان کے اندر بہت سی خرابیاں اور بیماریاں پیدا ہو چکی تھیں۔ اور ان کے اسباب واضح ہیں۔ شراب عام اور کھلے طور پر پی جاتی تھی بلکہ ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ اس بات کا تذکرہ ان کے ادبیات اور شاعری میں بہت جگہ پایا جاتا ہے۔ عربی زبان میں اس کے نام جس کثرت سے ہیں اور ان ناموں میں جن باریک فرقوں اور پہلوؤں کا لحاظ رکھا گیا ہے اس سے بھی اس کی مقبولیت اور عمومیت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو کتاب المخصص الخمر: ۱۱/۷۲ تا ۸۲، ابن سیدۃ)

شراب کی دکانیں برسر راہ تھیں اور علامات کے طور پر ان پر پھریرے لہراتا۔ (سبع معلقات) جو جاہلی زندگی میں بڑائی اور خوبی کی بات سمجھی جاتی تھی اور اس میں شرکت نہ کرنا اس معاشرہ میں پست ہمتی اور مردہ دلی کی دلیل سمجھا جاتا تھا۔ (دیوان الحماسہ قصیدہ حجر بن خالد)

قتادہ کا بیان ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ایک شخص اپنے گھر بار کو داؤ پر لگا دیتا تھا۔ پھر جب وہ ہار جاتا تو لٹا ہوا مال حسرت سے دوسروں کے ہاتھ میں دیکھتا تو اس کے دل میں نفرت اور عداوت کے جذبات کی آگ بھڑکتی اور بسا اوقات جنگ کی نوبت آتی جو کئی سالوں تک چلتی۔

(تفسیر طبری زیر آیت "انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوہ")

حجاز کے عرب اور یہودی سودی لین دین اور سود مرکب کا معاملہ کرتے۔ اس سلسلہ میں بڑی بے رحمی اور سخت دلی کے مظاہرے ہوتے۔ (تفسیر طبری: ۴/۹۵ تا ۶۹)

زنا کو کچھ زیادہ معیوب بات نہ سمجھا جاتا اور اس کے واقعات عربوں کی زندگی میں کمیاب نہ تھے۔ اس کے بہت سے اقسام اور طریقے معاشرہ میں رائج تھے۔ زنان بازاری اور پیشہ ور عورتوں کے اڈے بھی مختلف جگہوں پر موجود تھے اور مختلف شراب خانوں میں بھی اس کا

Marfat.com

انتظام موجود تھا۔ (العقد الفرید کتاب اخبار زیاد)

جاہلی معاشرہ میں عورت کے ساتھ ظلم وزیادتی اور بدسلوکی عام طور سے روا سمجھی جاتی تھی۔ اس کے حقوق پامال کیے جاتے تھے بلکہ حقوق کچھ تھے ہی نہیں۔ اس کا مال مرد اپنا مال سمجھتے تھے اور اس کو مال میں سے کچھ حصہ نہ دیتے تھے۔ شوہر کے مرنے یا طلاق دینے کے بعد اس کو اجازت نہیں تھی کہ اپنی پسند سے دوسرا نکاح کر سکے۔ (البقرۃ:۲۳۲) دوسرے سامان اور حیوانات کی طرح وہ بھی وراثت میں منتقل ہوتی رہتی تھی۔ (النساء:۱۹) مرد اپنا پورا پورا حق وصول کرتا لیکن عورت کو کوئی حق نہ دیا جاتا۔ کھانے پینے کی بہت سی ایسی اشیاء تھیں جو مردو ں کے لیے خاص تھیں اور عورتیں ان اشیاء سے یک قلم محروم تھیں۔ (الانعام:۱۴۰) عورتوں سے نکاح کے عجیب وغریب طریقے تھے۔ بخاری کی روایت کے مطابق قبل از اسلام نکاح کی مندرجہ ذیل چار صورتیں تھیں:

① نکاح کا ایک طریقہ تو یہی تھا جو آج کل رائج ہے۔

② دوسرا طریقہ یہ تھا کہ اپنی منکوحہ بیوی سے مرد کہتا کہ جب تیرا حیض کا خون بند ہو جائے تو پاکی حاصل کرنے کے بعد تو فلاں مرد کے پاس چلی جا اور اس سے فائدہ حاصل کر لے یعنی اس غیر مرد سے ہم بستر ہو اور اتنی مدت شوہر اپنی اس عورت سے علیحدہ رہتا جب تک اس کی عورت کو غیر مرد کا حمل ظاہر نہ ہو جاتا۔ چنانچہ جب غیر مرد کا حمل ظاہر ہو جاتا، اب اگر شوہر کی خواہش ہوتی تو وہ اپنی بیوی کے پاس جاتا۔ ایسا جاہلیت میں اس لیے کرتے تھے کہ لڑکا نجیب ہو۔ اس کو ''نکاح استبضاع'' کہا جاتا تھا گویا ''تخم'' حاصل کرنے کا یہ ایک طریقہ تھا۔

③ تیسری صورت یہ تھی کہ ایک عورت کے پاس متعدد مرد آتے اور لطف اندوز ہوتے، مگر ان کی تعداد دس سے کم ہوتی۔ عورت کو جب حمل ظاہر ہو جاتا اور بچہ پیدا ہوتا اور پیدا ہوئے کچھ روز گزر جاتے تو یہ عورت ان تمام مردوں کو قاصد کے ذریعہ بلا بھیجتی۔ کوئی انکار کی جرأت نہیں کر سکتا تھا، چنانچہ جب سب اکٹھے ہو جاتے تو یہ عورت کہتی: تم اپنے معاملہ سے واقف ہو کہ میرے پاس وطی کے لیے آیا کرتے تھے۔ میرے بچہ پیدا ہوا ہے۔ اے فلاں شخص! یہ تیرا بچہ ہے، تم اپنی پسند سے اس کا کوئی نام رکھو۔ چنانچہ یہ لڑکا اس کا ہو جاتا تھا جس شخص کا عورت نام لیتی، مرد انکار نہیں کر سکتا تھا۔

Marfat.com

④ کچھ عورتیں ایسی تھیں جن کے دروازوں پر جھنڈے گڑے رہتے۔ یہ بازاری پیشہ ور عورتیں تھیں۔ جس کا جی چاہتا ان کے پاس چلا جاتا۔ جب ان کے کوئی بچہ پیدا ہوتا تو تمام لطف اندوز ہونے والے جمع ہوتے اور قیافہ شناس بلایا جاتا اور وہ اپنے علم پر جانچ کر اس بچہ کو ان مردوں میں جس کا کہہ دیتا وہ بچہ اسی کا ہو جاتا۔ مرد انکار نہیں کر سکتا تھا۔

سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا ان صورتوں کو بیان کرنے کے بعد فرماتی ہیں کہ تمام ناجائز صورتوں کو سرکار دو عالم ﷺ نے بند فرما دیا اور موجودہ نکاح قائم رکھا۔ (**هدم نكاح الجاهلية كله الانكاح الناس اليوم**) (بخاری، کتاب النکاح: ۴/۱۶۹)

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ جاہلیت میں عورتوں کی عصمت وعفت اپنی قدرتی قدر و قیمت سے محروم ہو چکی تھی۔ جہاں اپنی رضامندی سے شوہر ہی اپنی بیویوں کو اجنبی مردوں سے تخم حاصل کرنے کے لیے بھیجا کرتے تھے، اسی سے اندازہ فرمائیے کہ عورت کی عفت وعصمت کے متعلق جاہلی احساساتِ دناءت ورذالت کی کن حدود کو پھلانگ چکے تھے۔ جاہلیت میں تو مرد یہ سمجھتا تھا کہ عورت مہر کے عوض میرے ہاتھ بک گئی ہے اور یہی وجہ تھی کہ شوہر کے مرنے کے فوراً بعد عورت مال متروکہ بن کر رہ جاتی تھی۔

مختصر یہ کہ صنف نازک مردوں کے ظلم وستم کا شکار بنی ہوئی تھی۔ مرد مرد نہیں بلکہ صنف نازک کے لیے جنگل کا درندہ تھا۔ عورت کا مقصد صرف نسل انسانی کی ترقی اور مرد کی خدمت کرنا رہ گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ لڑکیوں کی پیدائش باعث ننگ وعار تھی۔ پیدا ہونے کے ساتھ ہی ان کو زندہ درگور کر دینا لوگوں نے اپنا وطیرۂ افتخار وشرافت سمجھ رکھا تھا۔ چنانچہ قرآن حکیم میں مختلف سورتوں میں اس کو بیان کیا گیا ہے۔

(ملاحظہ ہو النحل: ۷، زخرف: ۲، ۱، التکویر: ۱۰ وغیرہ)

ہیثم بن عدی نے ذکر کیا ہے کہ زندہ درگور کرنے کا اصول عرب کے تمام ہی قبائل میں رائج تھا۔ ایک اس پر عمل کرتا، دس چھوڑتے تھے۔ یہ سلسلہ اس وقت تک رہا جب تک کہ اسلام نہیں آیا۔

اس سلسلہ میں سنن دارمی میں ایک روایت ہے کہ ایک شخص نے آ کر خدمت اقدس میں عرض کی "یا رسول اللہ! ہم لوگ جاہلیت والے تھے۔ بتوں کو پوجتے تھے اور اپنی اولاد کو مار دیتے تھے۔ میری ایک لڑکی تھی۔ جب میں اس کو بلاتا تو وہ دوڑ کر میرے سامنے آتی۔ ایک روز

Marfat.com

وہ میرے بلانے پر خوشی خوشی دوڑی آئی۔ میں آگے بڑھا اور وہ میرے پیچھے پیچھے چلی آئی۔ میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ جب ایک کنوئیں کے پاس پہنچا جو میرے گھر سے کچھ دور نہ تھا اور لڑکی اس کے قریب پہنچی تو میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کنوئیں میں پھینک دیا۔ وہ ابا ابا کہہ کر پکارتی رہی اور یہی اس کی زندگی کی آخری آواز تھی۔" سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے اس پردرد افسانہ کو سن کر آنسو ضبط نہ کر سکے۔

اسی طرح قبیلہ بنی تمیم کے رئیس قیس بن عاصم جب اسلام لائے تو انہوں نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے اپنے ہاتھوں سے آٹھ لڑکیاں دفن کیں ہیں۔ آپ نے فرمایا: "اے قیس! ہر لڑکی کے کفارہ میں ایک غلام آزاد کرو۔" عرض کی یا رسول اللہ! میرے پاس اونٹ ہیں۔ فرمایا: "اے قیس! ہر لڑکی کے کفارہ میں ایک اونٹ قربانی کرو۔"

(تفسیر ابن جریر زیر سورہ اذا الشمس کورت)

مردوں کے علاوہ عورتیں بھی اس جرم میں مردوں کی شریک تھیں۔ مائیں خود اپنی لڑکیوں کو اپنے ہاتھوں سے اس قربانی کے لیے حوالہ کرتی تھیں۔

لڑکیوں وغیرہ کا یہ قتل بعض لوگ ننگ و عار کی بنا پر کرتے اور بعض مفلسی و ناداری کے ڈر سے اولاد کو مار دیتے۔ عرب کے بعض شرفا اور روسا ایسے موقعہ پر بچوں کو خرید لیتے اور ان کی جان بچاتے۔ (بلوغ الارب)

چنانچہ مشہور شاعر فرزدق کے دادا صعصعہ نے اس میں بڑا نام پیدا کیا۔ اسلام لانے کے بعد وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے 360 لڑکیوں کو خرید کر موت کے منہ سے بچایا ہے۔ کیا مجھ کو اس کا ثواب ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ہاں آپ کو ضرور ثواب ملے گا کیونکہ خدا نے تم کو مسلمان بنا کر تم پر احسان کیا ہے۔"

(ملاحظہ ہو تفسیر در منشور بحوالہ طبرانی تفسیر، سورۃ اذا الشمس کورت، کتاب الاغانی)

سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے چچا زید بن عمرو بن نفیل نے بھی ایسی کئی لڑکیوں کی پرورش فرمائی ہے۔ (بخاری: ۱/۵۴۰)

اگر کوئی شخص کسی بچی کو زندہ رکھنا چاہتا تو وہ اس کو اون یا بالوں کا بنا ہوا جبہ پہناتا اور وہ سارا دن عرب کے تپتے ہوئے ریگزاروں اور چلچلاتی دھوپ میں بکریاں چراتی۔ اس کو اچھے کپڑے پہننے اور آرام دہ زندگی بسر کرنے کی ہرگز اجازت نہ تھی اور جس بچی کو قتل کرنا چاہتا اس کو بڑے ناز و نعم سے پالتا اور جب وہ چھ سات سال کی ہو جاتی تو اس کو جنگل میں کسی اندھے

Marfat.com

کنوئیں میں جا کر پھینک دیتا اور اس کے اوپر ریگ زار کی ریت ڈال دیتا، یہاں تک کہ وہ مر جاتی۔ یہ اتنی بڑی سفا کی تھی کہ اس کے تصور سے بھی روح انسانی کانپ جاتی ہے۔

یہ ایک نامکمل سی تصویر ہے اس جاہلیت کی جو سرکار دو عالم ﷺ کی بعثت سے قبل تمام دنیا میں اور بالخصوص عرب میں تھی۔ اسی وجہ سے اس عہد کو "جاہلیت" کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جاہلیت عمدہ کھانوں، عالیشان محلات، فرنشڈ کمروں، زرق برق لباس کے نہ ہونے کا نام نہیں۔ یہ سب کچھ ہونے کے باوجود بھی جاہلیت ہو سکتی ہے اگر انسانوں میں انسانی اقدار کا فقدان ہو۔ انسانیت اخلاق کی بلندی اور رعایت و شرافت کا نام ہے۔ سر بفلک محلات، عمدہ بنگلوں، لمبی لمبی کاروں، مرغن غذاؤں کا نام نہیں ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے اپنی 23 سالہ نبوت کی زندگی میں 81 جنگیں لڑیں۔ جن میں 27 میں آپ خود شریک ہوئے۔ ان تمام غزوات میں (یعنی 81 غزوات میں) کل 1018 آدمی ہلاک ہوئے۔ جن میں 259 مسلمان اور باقی 759 غیر مسلم تھے، لیکن دور حاضر کی دو جنگوں میں جو لوگ مارے گئے ان کی تعداد 4 کروڑ کے قریب ہے۔ پہلی جنگ صرف چار سال رہی۔ اس میں مندرجہ ذیل ملکوں کے جو آدمی مارے گئے اس کی تفصیل یہ ہے:

①	روس	17 لاکھ
②	جرمنی	16 لاکھ
③	فرانس	13 لاکھ ستر ہزار
④	اٹلی	4 لاکھ ساٹھ ہزار
⑤	آسٹریا	8 لاکھ
⑥	برطانیہ	7 لاکھ
⑦	ترکی	2 لاکھ پچاس ہزار
⑧	بلجیم	ایک لاکھ دو ہزار
⑨	بلغاریہ	1 لاکھ
⑩	رومانیہ	1 لاکھ
⑪	سربیا و مانٹی نیگرو	1 لاکھ
⑫	امریکہ	پچاس ہزار

دوسری جنگ عظیم کے مقتولین کی تعداد کچھ یوں ہے:

Marfat.com

①	روس	2 کروڑ دس لاکھ
②	جرمنی	60 لاکھ سے سوا کروڑ تک
③	پولینڈ	9 لاکھ
④	چین	30 لاکھ
⑤	جاپان	27 لاکھ سے 60 لاکھ تک
⑥	آسٹریا	7 لاکھ
⑦	رومانیہ	7 لاکھ
⑧	فن لینڈ	ایک لاکھ تراسی ہزار ایک سو چھیاسٹھ
⑨	چیکوسلاویکیہ	60 ہزار
⑩	زیکوسلاویکیہ	30 لاکھ 50 ہزار
⑪	امریکہ	10 لاکھ ستر ہزار
⑫	برٹش امپائر (برطانیہ)	14 لاکھ 30 ہزار
⑬	فرانس	10 لاکھ
⑭	اٹلی	11 لاکھ
⑮	یوگوسلاویہ	16 لاکھ 85 ہزار
⑯	ہنگری	6 لاکھ
⑰	ہالینڈ	2 لاکھ 75 ہزار
⑱	بلجیم	60 لاکھ
⑲	فلپائن	30 ہزار

ان اعداد و شمار میں قیدیوں اور زخمیوں کی تعداد شامل نہیں اور نہ ہی ہندوستان اور کالونیوں کے لوگ شامل ہیں جنہوں نے اپنے اپنے ملکوں کی طرف سے جا کر محاذ جنگ پر اپنی جانیں قربان کیں۔ (اخبار کوثر 9 ستمبر سنہ 1945ء)

اگر نظر غائر سے دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے 23 سال کے مختصر عرصہ میں دنیا میں ایک غیر خونی انقلاب برپا کر دیا جب کہ موجودہ جاہلیت کے دور میں 4 کروڑ انسانوں کو قتل کر کے بھی دنیا میں کوئی انقلاب نہ آیا بلکہ ایک بے مقصد جنگ ہوتی رہی جو کہ جاہلیت کا ایک زندہ ثبوت ہے۔

Marfat.com

مکۃ المکرّمہ

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت اس شہر میں ہوئی جو ان کے جد امجد سیدنا ابراہیم اور سیدنا اسماعیل علیہما السلام نے بنایا تھا۔ قریباً چار ہزار سال پہلے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بڑے بیٹے سیدنا اسماعیل کو ان کی والدہ ہاجرہ علیہا السلام کے ساتھ اس وادی غیر ذی زرع میں بسایا تھا۔ پھر یہاں بیت اللہ کی تعمیر کی اور انہی سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی برکت سے یہاں زمزم کا چشمہ جاری اور برآمد ہوا۔ پھر یہاں قبیلہ جرہم آباد ہوا اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی شادی اسی قبیلہ میں ہوئی۔ تورات کی روایت کے مطابق سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی عمر 137 سال ہوئی اور ان کے ہاں بارہ لڑکے پیدا ہوئے۔ شیخ محب الدین الخطیب نے بہت تحقیق و جستجو کے بعد ان کے یہ نام درج کیے ہیں:

(1) نابت (2) قیدار (3) تما (5) دومہ (6) مسمع (7) قدمہ (8) ادب ایل (9) نفیس (10) ہشام (11) ھمیع (12) حداد۔

پورے عرب کے حجازی قیداء اور نابت کی نسل سے ہیں۔

سیدنا اسماعیل علیہ السلام اپنی قوم کے سردار اور کعبہ کے متولی بھی تھے۔ اسی وجہ سے قوم میں نہایت عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ مکہ پہاڑوں کے درمیان ایک پتھریلی زمین پر واقع تھا۔ نہایت چھوٹا سا شہر، زمین پتھریلی، راستے مسدود، وسائل حیات نہایت محدود، اس وجہ سے ان کے صرف ایک بیٹے کے سوا باقی گیارہ صاحبزادے ادھر ادھر مختلف علاقوں میں جا کر رہائش پذیر ہو گئے۔ (سیرت ابن ہشام: ۱/۲۷)

سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے انتقال کے بعد یہی ایک صاحبزادہ نابت ان کا جانشین اور کعبہ کا متولی مقرر ہوا۔ پھر کئی صدیوں تک ان کی اولاد اس خانہ خدا کی متولی رہی اور علاقے کا سیاسی اقتدار بنو جرہم کے ہاتھوں میں رہا۔ بنو جرہم اگرچہ اولاد اسماعیل کے ننھیال تھے اور مکہ کی

Marfat.com

سیاسی زمام کے بلاشرکت غیرے مالک و مختار تھے، لیکن ایک وقت وہ بھی آیا کہ ان کو اولاد اسماعیل کی اس مرکز توحید کی تولیت بھی گوارا نہ ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے اولاد اسماعیل کو مکہ سے نکال دیا اور خانہ کعبہ کی تولیت پر بھی قابض ہو گئے، اور دوسرے لوگوں پر مظالم ڈھانے شروع کر دیئے۔

قرآن حکیم میں مکہ کا نام بکہ آیا ہے (۹۶:۳) ابن ہشام نے اپنی سیرت میں لکھا ہے کہ ''اس کا نام ''بکہ'' اسی لیے ہوا کہ یہ جابر اور ظالم حکمرانوں کی گردنیں توڑ دیتا ہے جب وہ اس سرزمین پر ظلم کرتے ہیں۔'' (سیرت ابن ہشام: ۱/۷۳)

چنانچہ بنو جرہم نے جب اولاد اسماعیل اور اہل مکہ پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑنے شروع کر دیئے تو اللہ تعالیٰ نے بنو خزاعہ کے مورث اعلیٰ کو ان کی سرکوبی کے لیے ان پر مسلط کر دیا۔ چنانچہ عمرو بن لحی جو یمن کا ایک چالاک سردار تھا آگے بڑھا۔ اس نے بنو جرہم کو مکہ سے نکال باہر کیا اور پھر اس کے اخلاف بنو خزاعہ قریباً پانچ سو سال سرزمین مکہ کے حکمران رہے۔ یہی عمرو بن لحی ہے جس نے بعد میں سرزمین حجاز میں بت پرستی کو رواج دیا اور شام سے ہبل نامی بت لا کر اس کو خانہ کعبہ کے وسط میں نصب کر دیا اور پھر آنے والی نسلوں نے بے شمار بتوں کو اپنا معبود بنا لیا، جس کی تفصیل کچھ یوں ہے:

عمرو بن لحی عرب جاہلیت کا بادشاہ تھا اور خانہ کعبہ کا متولی۔ اس کا تعلق قبیلہ خزاعہ سے تھا۔ خزاعہ میں سے پہلا شخص جو بیت اللہ کا متولی ہوا وہ ربیعہ بن حارث بن عمرو بن عامر تھا۔ اسی ربیعہ کو لحی کہا جاتا تھا۔ (تاریخ مکہ، الازرقی: ۱/۶۰)

ربیعہ یعنی لحی کے بعد عمرو بن لحی سربراہ بنا۔ اس نے ترقی کر کے خود مختار پادشاہ کا مقام حاصل کر لیا۔ قبیلہ خزاعہ قریباً پانچ سو سال تک بیت اللہ کا متولی رہا۔ (تاریخ مکہ: ۱/۵۵)

بعض نے تین سو سال لکھا ہے۔ عمرو بن لحی جاہلیت میں بڑا معزز و محترم تھا۔ وہ جو حکم اور جو بدعت جاری کرنا چاہتا لوگ اسے بے چون وچرا تسلیم کر لیتے تھے۔

عمرو بن لحی پہلا شخص ہے جس نے دین ابراہیمی کو تبدیل کیا اور متعدد بدعات اور شرکیہ رسوم عرب جاہلیت میں جاری کرائیں اور یہی وہ پہلا شخص ہے جس نے مکہ مکرمہ میں اور عرب میں بت پرستی شروع کرائی اور تلبیہ جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے ایک ہی طریقہ پر جاری تھا، اس میں مشرکانہ الفاظ کا اضافہ کیا۔

حافظ ابن کثیر نے نقل کیا ہے کہ یہ ایک بار ملک شام کے سفر پر گیا۔ وہاں ارض بلقاء

Marfat.com

میں مقام مآب پر قوم عمالیق کو دیکھا جو بتوں کی عبادت کرتی تھی۔ اس نے ان سے پوچھا یہ بت کیا ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ وہ بت ہیں جن کی ہم عبادت کرتے ہیں۔ جب ان سے بارش طلب کرتے ہیں تو یہ بارش برساتے ہیں اور جب ان سے مدد چاہتے ہیں تو یہ ہماری مدد کرتے ہیں۔ اس نے کہا: کیا ان میں سے ایک بت مجھے نہیں دے دیتے تاکہ میں اس کو عرب کی سرزمین میں لے جاؤں اور وہ اس کی عبادت کریں۔ چنانچہ انہوں نے ہبل نامی ایک بت اسے دے دیا۔ وہ اسے اپنے ساتھ مکہ لے آیا اور اسے ایک جگہ نصب کر کے لوگوں کو اس کی عبادت کا حکم دے دیا۔ (البدایہ والنہایہ: ۲/۱۸۸)

پھر کچھ عرصہ کے بعد اس نے تلبیہ ابراہیمی کو بھی بدل دیا اور بیت اللہ کے اردگرد کئی بت نصب کر دیئے۔ اسی عمرو بن لحی کو بخاری کی روایت کے مطابق سرکار دو عالم ﷺ نے دیکھا کہ جہنم میں اپنی آنتوں کو کھینچ رہا ہے۔

(بخاری مع فتح الباری: ۶/ ۵۴۷، حدیث: ۳۵۲۱، مسلم: ۲/ ۶۲۲، حدیث: ۹۰۴، مسند احمد: ۲/ ۲۷۵، ۳۶۶، ۳/ ۳۱۸، ۳۵۳، ۳۷۴، ۵/ ۱۳۷)

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بیان کیا گیا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو روض الانف: ۱/ ۶۲، مروج الذہب: ۲/ ۵۶، تاریخ مکہ، ازرقی: ۱/ ۵۵۔۶۰، سیرت ابن ہشام: ۱/ ۶۸

Marfat.com

بعثت نبوی

ان حالات میں جب ہر جانب کفر وشرک کی گھنگور گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں، رحمت خداوندی جوش میں آئی اور عرب کے ایک اعلیٰ نسب خاندان سے رحمت مجسم، نبی مکرم، فخر دوعالم جناب رسول اللہ ﷺ کو پیدا فرمایا۔ اس کائنات میں ایک ایسی ہستی تشریف لائی جس کے لیے خلق خدا ہزاروں سال سے چشم براہ تھی۔ وہ ذات اقدس اس دنیا میں تشریف لائی جو دعائے خلیل اور نوید مسیحا تھی۔ جس کی تشریف آوری کا چاردانگ عالم میں غلغلہ بلند تھا۔ جس کی تشریف آوری شرافت وانسانیت کے چمن میں فصل گل کی آمد تھی ؎

نہ کوئی اس کا مشابہ ہے نہ ہم سر نہ نظر
نہ کوئی اس کا مماثل نہ مقابل نہ بدل
اوج رفعت کا قمر، نخل دو عالم کا ثمر
بحر وحدت کا گہر، چشمہ کثرت کا کنول
مہر توحید کی ضو، اوج شرف کا مہِ نو
شمع ایجاد کی لو، بزم رسالت کا کنول

سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ واقعۂ فیل کے پچاس روز بعد اور دوسری روایت کے مطابق پچیس روز بعد چمنستانِ دہر میں وہ گل لالہ تشریف لائے جن سے پورا چمنستان مہک اٹھا۔ دوشنبہ کے روز 12 ربیع الاول (حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں 12 ربیع الاول ہی کو جمہور کی مشہور روایت قرار دیا ہے۔)

هذا هو المشهور عندالجمهور (البدایہ والنہایہ: ۲/۲۶۰)

یـــارب صـــلّ وســلـــم دائـمـــاً ابـداً
عـلـیٰ حبیبـک خیـر الـخلـق کـلـهـم

Marfat.com

21 اپریل، 570ء صبح صادق کے وقت افق مکہ پر ہدایت و رحمت کا آفتابِ جہاں تاب طلوع ہوا اور آپ کی ولادت باسعادت مکہ مکرمہ کے محلہ شعب بنی ہاشم میں اس مقام پر ہوئی جو آج کل ''مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' کے نام سے مشہور ہے۔ تمام اصحاب السیر کا اتفاق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماہِ ربیع الاول بروز پیر اس دنیا میں تشریف لائے لیکن ربیع الاول کی تاریخوں میں اختلاف ہے۔ وفات بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیر کے روز بوقت چاشت 12 ربیع الاول کو ہوئی۔ اسی وجہ سے پیر کے روز کو اسلام میں ایک خاص فضیلت حاصل ہے، کیونکہ اسلام کے بہت سے تاریخی واقعات پیر کے روز واقع ہوئے جیسے آپ کی پیدائش پیر کو ہوئی، اعلان نبوت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیر کو فرمایا، مکہ سے ہجرت پیر کو فرمائی، مدینہ منورہ میں داخلہ پیر کے روز ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات پیر کے روز ہوئی۔ (کما قال الحکم سیرۃ ابن کثیر: ۱/۱۹۹)

نسب نامہ:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بڑے پاک نسب سے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا۔ آپ کا نسب نامہ حسب ذیل ہے:

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف، بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔ (زاد المعاد لابن قیم: ۱/۷۰)

حافظ ابن قیم قدس سرہ نے لکھا ہے کہ عدنان تک تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب نامہ میں کوئی اختلاف نہیں، لیکن اس سے آگے جو آپ کا نسب نامہ بیان کیا جاتا ہے وہ مختلف فیہ ہے۔

(زاد المعاد: ۱/۷۰-۷۱)

اس سلسلہ نسب میں ہر پشت کے جد اعلیٰ پر عرب کے کئی قبائل سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم نسب ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ بخاری میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول منقول ہے:

لم یکن بطن من قریش الاّ وله فیه قرابة

''قریش کے ہر خاندان سے آپ کی قرابت داری تھی۔''

روایات میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے وقت کچھ حیرت انگیز واقعات رونما ہوئے۔ کچھ واقعات تولد کے وقت، کچھ تولد سے قبل اور کچھ تولد کے بعد دیکھنے میں آئے۔ سیرۃ ابن ہشام میں ہے کہ جب آپ اپنی والدہ کے بطن میں تھے تو کسی نے خواب میں سیدہ آمنہ

Marfat.com

سے کہا کہ تم اس امت کے پیغمبر سے حاملہ ہوئی ہو۔ جب یہ بچہ پیدا ہو تو یوں کہنا:

اعیذہ بالواحد من شر کل حاسد

''میں اس مولود کو ہر حاسد کے شر سے خدائے واحد کی پناہ میں دیتی ہوں۔'' (عیون الاثر لابن سید الناس:۱/۷۷، الوفاء لابن جوزی:۱/۸۸)

اور یہ بھی بتایا کہ اس بچہ کے ساتھ ایک نور نکلے گا جو مشرق و مغرب کو روشن کر دے گا۔ (عیون الاثر:۱/۵۸)

ولادت باسعادت کے وقت آپ کی والدہ نے ایک نور دیکھا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔ (فتح الباری:۶/۴۲۶، باب علامات النبوۃ، مجمع الزوائد:۸/۲۲۲)

ایک اور روایت میں ہے کہ بصری کے محلات روشن ہو گئے۔

(فتح الباری:۶/۴۲۶، طبقات ابن سعد:۱/۶۳)

اگرچہ آپ بشر تھے اور سیدہ آمنہ کے ہاں پیدا ہوئے لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ وہ عام انسانوں کی طرح ایک انسان اور عام بشروں کی طرح ایک بشر تھے۔ بلکہ وہ عام بشروں سے اتنے ممتاز تھے کہ اگر بیک وقت دونوں پر نگاہ ڈالی جائے تو ایسا لگتا ہے کہ دونوں الگ الگ اصناف کے افراد ہیں جیسا کہ مشہور شاعر متنبی نے کہا ہے ۔

وان تفق الانام وانت منهم

فان المسک بعض دم الغزالِ

یعنی اے میرے ممدوح! اگر تو مخلوق میں شامل ہو کر پھر ان سب پر فوقیت رکھتا ہے تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے، آخر مشک بھی تو اسی ہرن کے خون کا ایک حصہ ہوتا ہے لیکن پھر ان دونوں میں کیا نسبت، وہ متعفن اور یہ معطر، وہ ناپاک اور یہ پاک۔

ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدہ آمنہ کے ہاں پیدا ہوئے لیکن آپ کی پیدائش بھی عام انسانوں سے مختلف تھی۔ پیدائش کے وقت آپ کا جسم نہایت لطیف اور پاک صاف تھا۔ جسم مبارک ہر قسم کی گندگی اور غلاظت سے محفوظ و مصئون تھا۔

(طبقات ابن سعد:۱/۶۳، زرقانی شرح المواہب:۷/۱۸۹)

ایسا کیوں تھا؟ اس کا جواب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ایک حدیث میں یہ دیا ہے:

Marfat.com

((انا معاشر الانبیاء بنیت اجسادنا علیٰ ارواح اهل الجنة)) (الاصابہ: ۱۰۸/۸)

''ہم انبیاء علیہم السلام کے گروہ کے اجسام کی پیدائش اور نشو ونما جنت کی ارواح کے طور طریق پر ہوتی ہے۔''

امام فخر الدین رازی قدس سرہ نے انبیاء علیہم السلام کے نفوس قدسیہ کی ماہیت پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

''انبیاء علیہم السلام کے نفوس قدسیہ اپنی ماہیت کے اعتبار سے دوسرے لوگوں سے مختلف ہوتے ہیں۔ ان نفوس میں فہم و فراست، ذکاء و فطانت اور جسمانیات اور شہوات کے لحاظ سے ایک خاص قسم کا ترفع اور برتری پائی جاتی ہے۔ جب ایک طرف روح اپنی پاکیزگی اور شرف کے لحاظ سے نہایت اعلیٰ مقام پر فائز ہو اور دوسری جانب جسم بھی طہارت اور پاکیزگی کا مجسمہ ہو تو لازمی طور پر ان کے قوائے محرکہ اور مدرکہ اپنے کمال کی انتہاء پر ہوں گے کیونکہ جب فاعل اور قابل انتہائی کامل ہوں گے تو پھر ان کے آثار قوت و شرف اور پاکیزگی بھی نہایت کامل ہوگی۔''

(تفسیر کبیر: ۴۵۶/۲)

اسی وجہ سے انبیاء علیہم السلام کی پیدائش اور ان کی تمام حرکات و سکنات دوسرے عام انسانوں سے ممتاز ہوتی ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور سیدنا عبداللہ کی جبین سعادت سے منتقل ہو کر سیدہ آمنہ کے شکم مبارک میں قرار پایا تو سیدہ کے بیان کے مطابق یہاں بھی اس کی شان نرالی تھی۔ فرماتی ہیں:

''مجھے پتہ ہی نہ چلا کہ میں حاملہ ہو گئی ہوں، نہ مجھے اس حمل کا کوئی بوجھ محسوس ہوا جو ان حالات میں دوسری عورتوں کو محسوس ہوتا ہے۔ مجھے صرف اتنا محسوس ہوا کہ ایام حیض بند ہو گئے ہیں۔ چنانچہ ایک روز میں نیند اور بیداری کی حالت میں تھی کہ کوئی آنے والا میرے پاس آیا اور اس نے مجھ سے پوچھا: ''تجھے معلوم ہے کہ تو حاملہ ہے؟'' میں نے جواب دیا: ''نہیں'' پھر اس نے بتایا کہ تم حاملہ ہو اور تمہارے شکم میں امت کا سردار اور نبی تشریف فرما ہے۔ (**قد حملت بسید هذه الامة و نبیها**) (طبقات ابن سعد: ۹۸/۱)

چنانچہ سیدہ کے ایام حمل نہایت آرام سے گزرے اور آپ کو کوئی بوجھ اور تکلیف وغیرہ نہ ہوئی۔ اور جس روز آپ کی ولادت باسعادت ہوئی سیدہ آمنہ سے ایک نور نکلا جس نے

Marfat.com

سارے گھر کو بقعۂ نور بنا دیا۔ پھر یہی نظافت جو پیدائش کے وقت آپ سے ظاہر ہوئی، پوری زندگی آپ میں اور آپ کی تعلیمات میں ظاہر رہی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے امت کو بھی فرمایا:

((بنی الدین علیٰ النظافة)) (المصنوع:۱/۷۷)

''دین کی بنیاد ہی نظافت اور پاکیزگی پر رکھی گئی ہے۔''

آپ ﷺ نے پوری امت کو تعلیم دی کہ اپنے لباس اور جسم کو صاف اور ستھرا رکھیں اور خود آپ ﷺ کے بارے میں سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''ایک روز رسول اللہ ﷺ نے میرے رخسار پر اپنا دست مبارک پھیرا۔ آپ ﷺ کے دست مبارک کی خنکی اور مہک میں نے محسوس کی اور یوں محسوس ہوا جیسے عطار کی صندوقچی سے دست مبارک ابھی نکلا ہے۔'' (تہذیب الکمال:۲۱/۵۹۴)

علامہ خفاجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب بھی کوئی شخص رسول اللہ ﷺ سے مصافحہ کرتا تو سارا دن اس کا ہاتھ خوشبو میں ڈوبا رہتا، اور اگر آپ کسی بچے کے سر پر دست شفقت پھیرتے تو آپ کے ہاتھ کی خوشبو کے باعث وہ بچہ دوسرے تمام بچوں سے شناخت کیا جا سکتا تھا۔

اسی وجہ سے آپ کے پسینہ میں بھی مہک اور خوشبو تھی جب کہ دوسرے انسانوں کے پسینہ میں بدبو ہوتی ہے۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے جسم مبارک سے ہر وقت خوشبو اٹھتی رہتی تھی، گویا کہ آپ کا جسم مبارک مجسم خوشبو تھا۔ چنانچہ آپ کے جسم اطہر سے جو فضا چھو جاتی تھی وہ بھی از خود معطر ہو جاتی تھی۔

آپ کی اسی جسمانی ماہیت کے یہ اثرات تھے کہ جس طرح پیدائش کے وقت آپ نظیف و پاکیزہ پیدا ہوئے تھے، اسی طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے فرمان کے مطابق آپ کے وصال کے بعد بھی آپ کا جسد اطہر غسل کے وقت ہر قسم کی آلودگی اور غلاظت سے پاکیزہ تھا جو عام طور پر ہر میت میں پائی جاتی ہیں۔ لہٰذا آپ کی اس نظافت اور پاکیزگی کو دیکھ کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "طبت حیاً و میتاً" اے اللہ کے رسول! آپ زندگی میں بھی اور وصال کے بعد بھی دونوں حالتوں میں پاکیزہ اور طیب تھے۔ (علل الدار قطنی:۳/۲۱۹)

بعض روایات میں ہے کہ آپ مختون اور ناف بریدہ پیدا ہوئے۔

(السیرۃ النبویہ لابن کثیر:۱/۲۱۱، زرقانی:۱/۱۴۴، ۵/۲۴۴)

لیکن اکثر محدثین ان روایات کے ضعیف ہونے کے قائل ہیں۔ امام حاکم نے مختون

Marfat.com

پیدا ہونے کی روایات کے متواتر ہونے کا دعویٰ کیا ہے لیکن امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ "لااعلم صحۃ ذالک فکیف صحہ متواترا" (مجھے تو ان کی صحت ہی کا علم نہیں متواتر ہونے کا دعویٰ تو بہت بڑی بات ہے۔)

امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت پر کائنات کی ہر شے خوشی اور مسرت کے ترانے گا رہی تھی تو ایک ذات ایسی بھی تھی جو اپنی حرماں نصیبی اور بدبختی پر اشک فشاں تھی، اور وہ ابلیس ملعون کی ذات تھی۔ چنانچہ لکھا ہے:

"ابلیس نے زندگی میں چار مرتبہ چیخ مار کر گریہ وزاری کی ہے۔ پہلی مرتبہ جب اس کو بارگاہ رب العزت سے ملعون قرار دیا گیا، دوسری مرتبہ جب اسے بلندی سے پستی کی طرف دھکیلا گیا، تیسری مرتبہ جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی، اور چوتھی مرتبہ جب سورت فاتحہ نازل ہوئی۔"

(عیون الاثر: ۱/ ۲۷، روض الانف: ۲/ ۱۸۱، السیرۃ النبویہ لابن کثیر: ۱/ ۲۱۲)

آپ کے دادا خواجہ عبدالمطلب کو جب آپ کی پیدائش کا علم ہوا تو اسی وقت پوتے کو گود میں اٹھا کر حصول برکت کے لیے خانہ کعبہ تشریف لے گئے اور کافی دیر تک بچے کی درازیٔ عمر کے لیے دعائیں مانگتے رہے۔ خدائے بزرگ و برتر کا شکر ادا کرنے کے بعد پوتے کو واپس آپ کی والدہ کے پاس لے آئے۔

امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے "الروض الانف" میں نقل کیا ہے کہ خواجہ عبدالمطلب نے ان اشعار کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے دعا کی۔

الحمد للہ الذی اعطانی — ھذا الغدوم الطیب الاردان

قد ساد فی المھد علیٰ الغلمان — اعیذہ بالبیت ذی الارکان

حتی اراہ بائع البنیان — اعیذہ من شر ذی شنان

من حاسد مضطرب العنان

① اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے یہ پاکیزہ جسم و جان فرزند عطا فرمایا

② جو جھولے میں بھی بچوں کا سردار ہے اور میں اسے رب العزت کی پناہ میں دیتا ہوں

③ جب تک یہ بولے، باتیں کرے اور اس کی زبان کھلے، دشمنوں کا کوئی شر اسے ضرر نہ پہنچا سکے اور حاسدوں کی آنکھ سے خداوند دو جہاں اسے محفوظ و مصئون رکھے۔

(السیرۃ النبویہ لابن کثیر: ۱/ ۲۱۱، طبقات ابن سعد: ۱/ ۱۹۶)

Marfat.com

نام نامی:

روایات میں ہے کہ ولادت باسعادت کے ساتویں روز خواجہ عبدالمطلب نے آپ کا عقیقہ کیا اور اپنے پوتے کی ولادت کی خوشی میں تمام قریش کی دعوت کی اور آپ کا نام ''محمد'' رکھا۔ جب قریش نے یہ نام رکھنے کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ میں نے یہ نام اس لیے رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں میں اور اللہ کی مخلوق زمین میں اس بچے کی تعریف میں رطب اللسان ہو۔
(زرقانی شرح مؤطا: ۴/۲۷۱، فتح الباری: ۷/۱۲۴)

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ خواجہ عبدالمطلب کو یہ نام خواب میں بتایا گیا تھا اور حافظ ابن سید الناس رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن اسحاق کے حوالہ سے لکھا ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ کو اس نام کے بارے میں بتایا گیا تھا (عیون الاثر: ۱/۸۸) بعض علماء نے لکھا ہے کہ خداوند قدوس نے آپ کے خصائل حمیدہ اور صفاتِ پسندیدہ کے پیش نظر دلوں میں القاء کر دیا تھا کہ آپ کا نام نامی ''محمد'' رکھا جائے تا کہ اسم اور مسمیٰ میں صورت اور معنی کے لحاظ سے مطابقت ہو جائے۔

علماء نے لکھا ہے کہ ویسے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت سے نام ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذاتی نام دو ہیں۔ ایک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دوسرا احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے: ''زمین میں میرا نام محمد'' صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور آسمانوں میں ''احمد'' (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) (المواہب اللدینہ: ۱/۷۰)

ان دونوں ذاتی ناموں کا مادہ (Root) ''حمد'' ہے یعنی آپ کے یہ دونوں نام ''حمد'' سے مشتق ہیں بلکہ آپ کے متعدد اسمائے گرامی ''حمد'' سے مشتق ہیں جیسے ''محمد''، ''احمد''، ''حامد'' اور ''محمود'' وغیرہ، اور ان سب میں ''حمد'' کی معنوی وسعت اور کثرت پائی جاتی ہے۔ اس لحاظ سے آپ اللہ جل شانہ کی سب سے زیادہ حمد کرنے والے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے جس ہستی کی سب سے زیادہ صفت بیان کی ہے وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی ذات گرامی ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿ورفعنا لک ذکرک﴾ (الم نشرح: ۴)
''اور بلند کیا ہم نے ذکر تیرا۔''

اس آیت کی تفسیر میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ نے لکھا ہے:
''یعنی پیمبروں اور فرشتوں میں آپ کا نام بلند ہے۔ دنیا میں تمام سمجھ دار نہایت

Marfat.com

عزت و رفعت سے آپ کا ذکر کرتے ہیں۔ اذان و اقامت، خطبہ، کلمۂ طیبہ اور التحیات وغیرہ میں اللہ کے نام کے بعد آپ کا نام لیا جاتا ہے، اور خدا نے جہاں بندوں کو اپنی اطاعت کا حکم دیا ہ، وہیں ساتھ کے ساتھ آپ ﷺ کی فرمان برداری کی تاکید کی ہے۔" (تفسیر عثمانی: ص ۷۹۵)

اس طرح آپ ﷺ کی تعریف و توصیف کائنات میں جن و انس اور آسمان و زمین کے فرشتے ہی نہیں کرتے بلکہ خود حق تعالیٰ شانہ بھی ہمہ وقت آپ ﷺ کی تعریف وثنا میں مصروف ہیں۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے:

﴿ان اللہ وملائکۃ یصلون علی النبی، یا ایھا الذین امنوا صلّوا علیہ وسلّموا تسلیمًا﴾ (الاحزاب:۵۶)

"بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی (ﷺ) پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی آپ پر درود اور خوب سلام بھیجا کرو۔"

اس آیت کے بارے میں علامہ سخاوی نے القول البدیع میں لکھا ہے کہ

"آیت مذکورہ مضارع کے صیغہ کے ساتھ ہے جو استمرار اور دوام پر دلالت کرتا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ شانہ اور اس کے فرشتے ہمیشہ سرکار دو عالم ﷺ پر درود بھیجتے رہتے ہیں۔"

عقل دور اندیش می داند کہ تشریع چنیں

ہیچ دیں پرور ندید و ہیچ پیغمبر نہ یافت

لفظ "محمد" صلی اللہ علیہ وسلم "حمد" سے مفعل کے وزن پر اسم مفعول ہے۔ محمد (ﷺ) کہ اس سے "محمود" کی ثنا اور تعظیم کا اظہار ہو۔ چونکہ یہ وزن تکثیر کے لیے وضع کیا گیا ہے اس لیے اگر اس سے اسم فاعل بنایا جائے گا تو اس پر وقوع فعل بتواتر ہونا ضروری ہے۔ پس اسم محمد ﷺ کا مسمّی اس امر کا مستحق ہے کہ اس پر حمد کرنے والوں کی حمد بکثرت اور پے در پے واقع ہو۔

مصر کے مشہور عالم الاستاذ ابو زہرہ نے آپ کے نام کے بارے میں لکھا ہے:

"تفعیل کا صیغہ کسی فعل کے بار بار واقع ہونے اور لحہ بہ لحہ وقوع پذیر ہونے پر دلالت کرتا ہے، اور اس میں استمرار بھی پایا جاتا ہے یعنی ہر آن وہ نئی شان بان کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے۔ اس تشریح کے مطابق لفظ "محمد" کا مفہوم اور معنی یہ ہوا کہ وہ

Marfat.com

ستودہ صفات ذات جس کی استمرار کی صورت میں ہر لمحہ اور ہر ساعت نو بہ نو تعریف کی جاتی ہو۔'' (سیرت خاتم النبیین ﷺ: ۱/۱۱۵)

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ کو بتایا گیا کہ نومولود کا نام ''احمد'' رکھنا۔ چنانچہ والدہ نے آپ کا نام احمد صلی اللہ علیہ وسلم رکھا۔ بعض روایتوں میں دونوں نام مذکور ہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو عیون الاثر: ۱/ ۸۸، خصائص کبریٰ: ۱/۳۲)

آپ کے نام کے بارے میں سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے ؎

وشق لہ من اسمہ لیجلہ

فذو العرش محمود وھذا محمد[1]

(السیرۃ النبویہ: ۱/۲۱۱)

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ رسول اللہ ﷺ کے کئی نام تھے۔ ان میں دو نام محمد ﷺ اور احمد ﷺ زیادہ مشہور۔ چنانچہ حدیث میں بھی ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے کئی نام ہیں: ''میں محمد (ﷺ) ہوں، میں احمد (ﷺ) ہوں، میں ماحی ہوں یعنی کفر کا مٹانے والا، میں حاشر ہوں یعنی لوگوں کا حشر میرے قدموں میں ہوگا، اور میں عاقب ہوں یعنی تمام انبیاء کے بعد آنے والا۔

(ترمذی، رقم: ۲۸۴۲، بخاری، رقم: ۳۵۳۲۔۴۸۹۶، مسلم، رقم: ۲۳۵۴، شمائل ترمذی، رقم: ۳۵۹، طبقات ابن سعد: ۱/ ۱۰۵، تہذیب الکمال: ۱/ ۱۸۶، تہذیب تاریخ دمشق لابن عساکر: ۱/۲۷۴، موطا امام مالک: ص ۶۲۰، سنن الدارمی: ۲/ ۳۱۷، دلائل النبوۃ بیہقی: ۱/۹۴، مستدرک حاکم: ۲/۶۰۴، شفاء قاضی عیاض: ۱/۴۴۴، الوفاء لابن الجوزی: ۱/۱۰۳، تاریخ الخمیس: ۱/۶۰۲، زرقانی: ۳/ ۱۱۵، معجم کبیر طبرانی، رقم: ۱۵۲۵)

احمد قرآن حکیم میں صرف ایک جگہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے قول کی حکایت کے طور پر آیا ہے۔ محمد، محمود اور احمد تینوں صفاتی نام ہیں۔ محمد ﷺ وہ ہے جس کی بار بار حمد کی جائے یا وہ جس میں خصائل محمودہ کامل طور پر جمع ہوں۔ اور احمد معنی احمد الحامدین یعنی حمد کرنے والوں میں سب سے زیادہ حمد کرنے والا۔ گویا دوسرے انبیاء علیہم السلام حماد ہیں اور آپ احمد ﷺ یعنی سب

---

[1] حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ شعر ابو طالب کی طرف منسوب کیا ہے کہ وہ یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔ ممکن ہے کہ شعر تو سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا ہو اور ابو طالب بھی بھتیجے کی محبت میں اس شعر کو پڑھتے ہوں۔

Marfat.com

سے زیادہ حمد کرنے والے، یا صفت حمد میں سب سے اعظم ہیں۔ اسی وجہ سے حدیث میں ہے کہ قیامت کے روز آپ پر مقام محمود میں ایسے دروازے کھولے جائیں گے کہ آپ سے قبل کبھی کسی پر نہ کھلے ہوں گے۔

آپ دنیا میں ''محمود'' تھے کیونکہ لوگوں نے آپ کی ذات اقدس سے ہدایت پائی اور آپ کے علم وحکمت سے مستفیض ہوئے۔ اس وجہ سے آپ کی تعریف وتوصیف چار دانگ عالم میں کی جاتی ہے۔ جس طرح دنیا میں آپ کی تعریف کی جاتی ہے اسی طرح جب آپ آخرت میں اپنے ربِ جلیل کی حمد وثنا کر کے شفاعت فرمائیں گے تو تمام جن وانس آپ کی حمد وستائش کریں گے۔ مزید برآں آپ سورۃ الحمد، لوائے حمد اور مقام محمود کے ساتھ مخصوص کیے گئے ہیں اور آپ پر کھانے پینے اور دوسرے کئی مقامات پر حمد کرنا مشروع ہوا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتح الباری: ۸/۱۸۶۔۱۹۱، الروض الانف: ۱/۱۰۶)

سرور کائنات کے پورے خاندان میں کبھی کسی نے یہ نام نہیں رکھا تھا۔ اسی وجہ سے تمام قریش نے اس پر تعجب کا اظہار کیا۔ لیکن تاریخ کی کتابوں کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ عرب میں چند لوگوں کے یہ نام سرکار دو عالم ﷺ کی ولادت سے پہلے بھی موجود تھے۔ چونکہ عرب میں یہ خبر تواتر کے ساتھ مشہور تھی کہ محمدؐ نام کے ایک نبی مبعوث ہونے والے ہیں اس وجہ سے کئی لوگوں نے حصول نبوت کی اس آرزو اور طمع کی وجہ سے اپنے بیٹوں کے نام محمدؐ رکھے۔ چنانچہ حافظ مغلطائی نے اپنی سیرت میں ایسے چودہ اشخاص کا ذکر کیا ہے جن کا نام محمد رکھا گیا تھا۔ امام سہیلی نے روض الانف میں لکھا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کی ولادت سے قبل عرب میں اس نام کے تین شخص تھے۔ ان کے والدین نے ان کے نام اس خیال سے رکھے تھے کہ انہوں نے سن رکھا تھا کہ اس نام کا ایک پیغمبر اس قریبی زمانہ میں سرزمین حجاز میں مبعوث ہونے والا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ان کا بیٹا وہی ہو۔ اور وہ تین نام یہ ہیں:

(1) محمد سفیان بن مجاشع، فرزدق شاعر کے دادا (2) محمد بن احیحہ بن الجلاح اور (3) محمد بن عمران۔ (الروض الانف: ۱/۱۰۵)

لیکن قاضی عیاض نے چھ نام ذکر کیے ہیں۔ جن میں تین نام تو وہی ہیں جو اوپر دیئے گئے ہیں اور دوسرے تین نام یہ ہیں: (1) محمد بن براء البکری (2) محمد بن مسلمہ انصاری اور (3) محمد بن خزاعی لیکن احمد نام کا کوئی شخص سرکار دو عالم ﷺ سے قبل سرزمین عرب میں نہیں ہوا۔ (السیرۃ النبویہ لابن کثیر: ۱/۲۱۰، عیون الاثر: ۱/۱۳، الشفاء: ۱/۳۱۳)

Marfat.com

قاضی عیاض نے اس بارے میں ایک اور بات نقل کی ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کے عالم وجود میں آنے اور محمدؐ ہونے سے قبل ہی احمد تھے کیونکہ آپ کا یہ اسم گرامی کتب سابقہ میں مذکور تھا۔ چنانچہ مسیح علیہ السلام نے اسی نام سے آپ کو یاد کیا۔ (الشفاء:۱/۳۱۴)

امام العصر حضرت مولانا سید محمد بدر عالم مہاجر مدنی قدس سرہ نے بھی سرکار دو عالم ﷺ کے اسمائے مبارکہ کے بارے میں بڑی عمدہ تحقیق فرمائی ہے۔ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ہر نام آپ کی کسی نہ کسی صفت کی جلوہ گاہ ہے، صرف ایک علم نہیں جس کا مقصد کسی ذات کا تعارف ہوتا ہے اور بس۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے اسمائے مبارکہ بہت ہیں۔ عرب میں اسماء، کنیتوں اور القاب کے تعدد کا کچھ دستور بھی تھا اور اسی بنا پر اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی ذات اور ان کے افعال و اقوال خواہ اختیاری ہوں یا غیر اختیاری، عمداً ہوں یا سہواً سب حقائق اور اسرار کا ایک مجموعہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح ان کے اسماء بھی صرف تعیین شخصیت کے لیے نہیں بلکہ وہ اپنی جگہ ایک گنجینۂ معارف ہوتے ہیں۔ دراصل یہ اسماء ان تمام اوصاف و مبادی کے ترجمان ہوتے ہیں جو دست قدرت نے ازل سے ان میں ودیعت رکھے ہیں۔ اگر ان کو رحیم کہا جاتا ہے تو اس کے لیے وہ درحقیقت پیکر رحمت ہوتے ہیں۔ اگر ان کو ماحی کہا جاتا ہے تو اس لیے کہ وہ حقیقتاً آثار کفر کو مضمحل اور کمزور بنا کر فنا کے قریب کر دیتے ہیں۔ اگر کسی کو عاقب کہا جاتا ہے تو اس لیے کہ وہ درحقیقت آخر میں آنے والا ہوتا ہے۔ غرض جتنی پر از حقیقت و اسرار ان کی ذوات ہوتی ہیں اسی قدر حقیقت سے لبریز ان کے اسماء ہوتے ہیں۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کے اسماء مبارکہ کو آپ صرف ناموں کا ایک ڈھیر نہ سمجھیں اور نہ ایسا بے حقیقت تصور کریں جیسا کہ ہر ماں صرف محبت میں اپنے بیٹے کا خوبصورت سے خوب صورت نام رکھ لیتی ہے خواہ اس نام کا اس میں کوئی اثر نہ ہو۔ اور وہ سیاہ فام بچے کو چاند کہہ کر پکارتی ہے اور غبی سے غبی لڑکے کا نام ذکی تجویز کر دیتی ہے، مگر یہ سب کچھ بے حقیقت ہوتا ہے۔ کہیں علم کی اصل وضع اگر تعریف شخصیت کے لیے نہ ہوتی تو کذب اور جھوٹ بھی ہو جاتا۔ آپ سرکار دو عالم ﷺ کے اسماء مبارکہ کو اس نظر سے نہ دیکھیں بلکہ ان کو کمالات محمد ﷺ کی رنگین چلمنیں سمجھیں جن میں چھن چھن کر آپ ﷺ کے کمالات نظر آتے رہتے ہیں۔'' (ترجمان السنۃ:۱/۴۵۱)

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس طرح سرکار دو عالم ﷺ کی ذات مبارکہ بینظیر تھی اسی طرح آپ ﷺ کے یہ اسماء بھی بے مثل ہی تھے۔ آپ سے قبل کسی کے ذہن

Marfat.com

میں محمد اور احمد کے اسماء کا حضور بھی نہ ہوا تھا حتیٰ کہ جب آپ کی ولادت کا زمانہ قریب آ گیا، کاہنوں، منجموں اور اہل کتاب نے نام لے لے کر آپ کی آمد کی بشارتیں دیں تو لوگوں نے اس نبی منتظر کی طمع میں اپنی اولاد کا نام محمد رکھنا شروع کر دیا۔ جہاں تک تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ جن بچوں کے نام محمد رکھے گئے ان کی تعداد چھ ہے۔ ساتواں کوئی ثابت نہیں ہوتا۔ سہیلی نے صرف تین نام بتلائے ہیں (1) محمد بن عمران بن ربیعہ۔ سہیلی سے پہلے ابو عبداللہ بن خالویہ کا خیال بھی یہی تھا۔ حافظ ابن حجر آٹھویں صدی ہجری میں جب پھر اس کے درپے ہوئے تو انہوں نے ان کی تعداد بیس (20) تک پہنچا دی اور تکرار و اوہام حذف کرنے کے بعد صحیح تعداد پندرہ قرار دی جس میں سب سے زیادہ مشہور محمد بن عدی بن ربیعہ ہیں۔ ان کا واقعہ بغوی بن سعد، ابن شاہین اور ابن السکن وغیرہ نے اس طرح بیان کیا ہے کہ

''خلیفہ بن عبداللہ نے محمد بن عدی سے پوچھا: ''تمہارے والد نے تمہارا نام زمانہ جاہلیت میں ''محمد'' کیسے رکھ دیا؟'' انہوں نے جواب دیا: ''اس کے متعلق جیسا تم نے مجھ سے پوچھا ہے ایسا ہی میں نے اپنے والد سے پوچھا تھا۔ انہوں نے فرمایا تھا کہ میں قبیلہ بنو تمیم کے تین اور شخصوں کے ہمراہ ابن حنفیہ غسانی کی ملاقات کے لیے ایک مرتبہ شام کی طرف جا رہا تھا۔ ہم ایک چشمہ پر جا کر اترے جو ایک گرجا کے قریب تھا۔ گرجا کا منتظم ہمارے پاس آیا اور اس نے کہا کہ ''ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے۔ تم دوڑ کر اس کو قبول کر لینا۔'' ہم نے پوچھا: ''اس کا نام؟'' اس نے کہا: ''اس کا نام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوگا۔'' ہم جب اس سفر سے واپس آئے تو اتفاقاً ہم سب کے یہاں لڑکے پیدا ہوئے اور اس لیے ہم سب نے اپنے اپنے لڑکے کا نام محمد رکھا۔''

اس کے بعد حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ان اشخاص کے نام بھی تفصیل سے تحریر کیے ہیں۔ (ملاحظہ ہو فتح الباری، باب اسماء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

حافظ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تورات میں آپ کا جو اسم مبارک مذکور ہے وہ احمد ہے۔ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اس رائے سے متفق نہیں۔ وہ اس پر اصرار کر رہے ہیں کہ تورات میں آپ کی آمد کی پیش گوئی اسم محمدؐ کے ساتھ بھی صاف موجود ہے۔

اس کے بعد حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اسم ''محمد'' کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ محمدؐ وہ ہے جس میں بکثرت تعریف کے اوصاف پائے جائیں۔ محمود بھی اسم مفعول کا صیغہ ہے لیکن جو

Marfat.com

مبالغہ باب تفعیل میں ہوتا ہے وہ ثلاثی مجرد میں نہیں ہوتا۔ اس لیے ''محمد''، ''محمود'' سے زیادہ بلیغ ہے۔ محمد اس کو کہتے ہیں جس کی اتنی تعریف کی جائے جتنی کسی اور بشر کی نہ کی جائے۔ اس لیے تورات میں آپ کا نام ''احمد'' بھی ذکر کیا گیا ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف حمیدہ اور آپ کی امت اور آپ کے دین کے فضائل وکمالات کا اتنی کثرت سے اس میں ذکر ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام جیسے اولعزم رسول کو بھی آپ کی امت میں ہونے کی آرزو ہونے لگی۔

احمد یہ اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔ اسم فاعل اور اسم مفعول دونوں معنوں میں مستعمل ہو سکتا ہے۔ پہلی صورت میں اس کے معنی ہیں ''احمد الحامدین لربہٖ'' یعنی تمام تعریف کرنے والوں میں اپنے پروردگار کی سب سے زیادہ تعریف کرنے والا۔ اور دوسری صورت میں اس کے معنی ہیں ''احق الناس واولاھم بان یحمد'' تمام لوگوں میں سب سے زیادہ تعریف کے قابل اور ثناء کا مستحق ہے۔ اس بنا پر محمد اور احمد میں فرق نہ رہے گا کہ ''محمد'' وہ ہے جس کی تعریف اپنے اوصاف جمیلہ کی وجہ سے سب سے زیادہ کی جائے۔ اور ''احمد'' وہ ہے جس کی تعریف سب سے بہتر اور عمدہ کی جائے۔ پس ''محمد'' بلحاظ کمیت ہے اور ''احمد'' بلحاظ کیفیت۔ دونوں ناموں کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ اپنے خلق وفضائل کی وجہ سے اس کے مستحق ہیں کہ سب سے زیادہ اور سب سے کامل تعریف آپ کی ہو۔ اس تحقیق کے بعد ان دونوں مفہوموں کے لحاظ سے سطح عالم پر نظر ڈالیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ اسماء جتنی حقیقت اور جتنی صداقت کے ساتھ آپ کی ذات مبارک پر چسپاں ہیں اتنے کسی اور پر نہیں۔ اگر یہاں اسم تفضیل کو اسم مفعول کے معنی میں لیجیے تو خالق سے مخلوق تک انبیاء علیہم السلام سے جن و ملک تک، حیوانات سے لے کر جمادات تک غرض ہر ذی روح سب ہی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریفیں کی ہیں، اور آج بھی ڈیڑھ ارب انسانوں کی زبانیں دن رات میں نہ معلوم کتنی بار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف وتحسین کے لیے متحرک رہتی ہیں۔ حتیٰ کہ غیر مسلموں میں بھی ایک معقول طبقہ ایسا ہے جو اگرچہ آپ کے دین کو تسلیم نہیں کرتا مگر آپ کی دیانت وامانت، عدل وانصاف، صداقت وراست بازی اور ہوش و خرد کا ثنا خوان ہے، اس لیے اگر اپنے خیال میں آپ ذرا علیحدہ ہو کر ازل سے ابد تک دنیا کی طرف کان لگائیں تو جس کی سب سے زیادہ اور سب سے بہتر تعریف آپ کے کان سنیں گے وہ مبارک ہستی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہستی ہوگی۔

نہ دانم آں گل رعنا چہ رنگ و بو دارد
کہ مرغ ہر چمنے گفت گوئے او دارد

Marfat.com

اس لیے محمد یا احمد (بمعنی اسم مفعول) نام کی مستحق جتنی کہ آپ کی ذات اقدس ہو سکتی ہے اتنی کسی اور کی نہیں ہو سکتی۔ اور اگر احمد کو اسم فاعل کے معنی میں لیجیے تو بھی اس اسم مبارک کی سب سے زیادہ مستحق آپ ہی کی ذات پاک ہے کیونکہ جس قدر اللہ تعالیٰ کی تعریف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کی ہے اتنی کسی اور بشر نے نہیں کی، اور اسی طرح اپنی امت کو بھی موقع بہ موقع اللہ تعالیٰ کی اتنی حمد سکھائی کہ کتب مقدسہ میں اس امت کا لقب بھی ''حمادون'' پڑ گیا یعنی اللہ تعالیٰ کی بہت تعریف کرنے والی امت۔ بخاری اور مسلم میں ہے کہ میدان حشر میں جب شفاعت کے لیے آپ تشریف لے جائیں گے تو آپ پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کا دروازہ کھولا جائے گا جو اس سے پیشتر کسی پر نہیں کھولا گیا تھا۔ پس سب انبیاء علیہم السلام تو ''حماد'' ہیں اور ان ''حمادون'' میں آپ احمد ہیں۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پہلے آپ ''احمدؐ'' تھے پھر ''محمدؐ'' ہوئے کیونکہ سب سے پہلے آپ نے اللہ کی تعریف کی پھر آپ کے بعد مخلوق نے آپ کی تعریف کی۔ اسی طرح محشر میں سب سے پہلے آپ ہی اللہ تعالیٰ کی حمد کریں گے، اس لیے آپ پہلے ''احمدؐ'' اور بعد میں ''محمدؐ''۔ بلحاظ وجود بھی آپ پہلے احمدؐ ہیں اور بعد میں محمدؐ ہیں۔ اسی وجہ سے کتب سابقہ میں آپ کی بشارت اسم احمد سے مذکور ہے، اور جب آپ عالم وجود میں تشریف لے آئے تو محمدؐ کے نام سے پکارے گئے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتح الباری)

حافظ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ محمد کے وزن میں ہمیشہ تکرار کے معنی ملحوظ رہتے ہیں اس لیے محمد اس کو کہا جائے گا جس کی بار بار تعریف کی جائے، اور احمد وہ ہے جو سب سے زیادہ تعریف کرنے والا ہو۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ دونوں اسماء مبارک واقع کے مطابق ہیں یعنی آپ احمدؐ بھی ہیں اور محمد بھی، لیکن پہلے آپ احمدؐ ہیں پھر محمدؐ، بلکہ احمدؐ ہونے کی وجہ سے ہی آپ محمدؐ ہوئے۔ آپ نے تو پہلے خدا کی تعریف کی، اس لیے آپ احمدؐ ہوئے۔ نبوت سے سرفرازی کے بعد پھر مخلوق نے آپ کی تعریف کی اس لیے بعد میں محمدؐ ہو گئے۔ غرض ازل سے ابد تک تاریخ بتاتی ہے کہ شان احمدی شان محمدی پر مقدم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے جب آپ کے نام کی بشارت دی تو اسم احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے ساتھ دی۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے سامنے جب امت محمدیہ کے کمالات کا ذکر آیا تو انہوں نے بھی یہی فرمایا: "اللھم اجعلنی من امة محمد" اے اللہ! تو مجھے امت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں بنا دے۔ لیکن جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بتایا گیا ہے کہ حافظ ابن قیم کو حافظ سہیلی کے اس بیان سے سخت اختلاف ہے۔ وہ اس پر اصرار کرتے ہیں کہ تورات میں آپ کا اسم مبارک محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی موجود ہے۔ (زاد المعاد: ۱/ ۸۸)

Marfat.com

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ احمد بمعنی محمد ہو یا بمعنی احمد الحامدین، یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ حمد کو ہر پہلو سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بہت بڑی خصوصیت حاصل ہے۔ اسی بنا پر سورۃ محمد خاص کر آپ کو ہی مرحمت ہوئی۔ آپ ہی کی امت کا لقب ''حمادون'' ہوا اور محشر میں لواء الحمد (حمد کا جھنڈا) بھی آپ کے ہاتھوں میں ہوگا، اور آپ ہی کے مخصوص مقام کا نام ''مقام محمود'' ہے۔ آپ کی شریعت میں بھی کھانے کے بعد، پینے کے بعد، دعا کے بعد، سفر سے واپسی کے بعد غرض بہت سے مختلف مواقع اور مواضع پر اللہ تعالیٰ کی حمد سکھائی گئی۔ پھر یہ مختلف اور متنوع تعریفیں جب ہر زمانہ میں بے شمار انسانوں کی زبانوں سے ہوتی ہیں، تو وہ درحقیقت آپ ہی کی تعلیم کا نتیجہ ہیں۔ اس لیے ان تمام تعریفوں کو بجا طور پر آپ کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد اب سوچو کہ جتنی خدا کی تعریف فضائے عالم میں آپ کے ذریعہ سے گونجی، کیا کبھی کسی اور کے ذریعہ سے گونجی ہے، اور اسی کے ساتھ جتنی کثرت کے ساتھ خدا کی غیر متناہی مخلوق نے آپ کی تعریفیں کیں اتنی کسی اور شخصیت کی کی ہیں۔ پس ہر اعتبار سے حمد کی جتنی خصوصیات آپ کی ذات کے ساتھ ثابت ہوتی ہیں اتنی کسی اور ذات کے ساتھ نہیں ثابت ہوتیں، اس لیے احمد و محمد نام پانے کے لیے بھی آپ ہی کی ذات منتخب ہونی چاہیے۔ اسی لیے آپ سے پہلے جس نے یہ نام رکھا، آپ کی اتباع میں رکھا اور بعد میں بھی جس نے اس نام کو اختیار کیا آپ ہی کی اتباع میں کیا۔ **اللھم صل وسلم و بارک علیہ۔** (ترجمان السنہ، سید محمد بدر عالم مدنی ۸:۱/۴۵۱)

علامہ دشتانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ بعض علماء نے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایک ہزار اسماء ہیں اور اتنے ہی نام سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہیں، اور ساٹھ سے زیادہ اسماء کا انہوں نے ذکر کیا ہے (جب کہ فضیلۃ الشیخ محمد موسیٰ روحانی بازی قدس سرہ نے اپنی کتاب البرکات المکیۃ فی الصلوات النبویہ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آٹھ سو سے زائد اسماء مبارکہ جمع کر دیے ہیں) علامہ دشتانی ابی مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے مزید لکھا کہ ''محمد''، ''حمد'' سے ماخوذ ہے اور مفعل کے وزن پر اسم مفعول کا صیغہ ہے جس کا مطلب یہ ہے ''بہت زیادہ حمد کیا ہوا۔'' اس کائنات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس اسم مبارک کے سب سے زیادہ حق دار ہیں کیونکہ حق تعالیٰ شانہ نے آپ کی ایسی حمد کی ہے جو کسی اور شخص کی نہیں کی، اور آپ کو وہ محامد عطا فرمائے ہیں جو کسی اور کو عطا نہیں فرمائے، اور روز قیامت آپ کو وہ چیزیں الہام کرے گا جو کسی اور کو الہام نہیں کرے گا۔ پھر جس شخص میں خصالِ محمودہ کامل ہوں، اس کو ''محمد'' کہا جاتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ بات تکثیر کے لیے ہے

Marfat.com

یعنی جس کی بہت زیادہ حمد کی جائے وہ ''محمد'' ہے۔ ابن قتیبہ نے کہا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کی نبوت کی علامات میں سے ایک علامت یہ ہے کہ آپ سے قبل کسی شخص کا نام محمد نہیں رکھا گیا جیسے کہ سیدنا یحییٰ علیہ السلام سے قبل کسی کا نام یحییٰ نہیں رکھا گیا تھا۔

(اکمال اکمال العلم شرح صحیح مسلم: ۲/۱۴۲، لابی عبداللہ محمد بن خلفہ دشتانی ابی مالکی رحمۃ اللہ علیہ)

اس سلسلہ میں علامہ ملا علی القاری رحمہ اللہ الباری کے تاثرات بھی ملاحظہ فرمالیں۔ فرماتے ہیں:

''محمد'' تحمید کا اسم مفعول ہے، اس کی وصفیت سے اسمیت کی طرف مبالغہ نقل کیا گیا ہے۔ خصال محمودہ کی کثرت کی وجہ سے آپ کا نام محمد ﷺ رکھا گیا، یا پھر اس لیے کہ آپ کی بار بار حمد کی جاتی ہے، یا پھر اس لیے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی بہت حمد کرے گا۔ اسی طرح ملائکہ، انبیاء اور اولیاء آپ کی حمد کریں گے، یا پھر نیک فال کے لیے آپ کا نام محمد ﷺ رکھا گیا، یا پھر اس لیے کہ اولین و آخرین آپ کی حمد کے جھنڈے (لواء الحمد) تلے ہوں گے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کے گھر والوں کے دل میں یہ الہام کیا کہ وہ آپ ﷺ کا نام ''محمد'' رکھیں۔

''احادیث میں آپ کے اسماء بیان کرتے ہوئے ''محمد'' کو ''احمد'' پر مقدم کیا گیا ہے کیونکہ ''محمد''، ''احمد'' سے زیادہ ظاہر اور زیادہ مشہور ہے بلکہ ابو نعیم نے روایت کیا ہے کہ مخلوق پیدا کرنے سے دو ہزار سال قبل آپ کا نام ''محمد'' رکھا گیا۔ اور کعب الاحبار نے روایت کیا ہے کہ عرشِ رحمان کے پائے پر سات آسمانوں، جنت کے محلات اور بالا خانوں پر، حوروں کے سینوں پر، جنت کے درختوں پر اور درختوں کے پتوں پر، سدرۃ المنتہیٰ اور فرشتوں کی آنکھوں کے درمیان ''محمد'' لکھا ہوا ہے۔ اس نام کو تمام ناموں پر فضیلت ہے۔ ابو نعیم ہی نے روایت کیا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا: ''مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم! جو شخص تمہارا نام رکھے گا میں اس کو جہنم میں نہیں ڈالوں گا۔'' اور یہ بھی روایت ہے کہ جس کا نام ''محمد'' یا ''احمد'' ہوگا میں اس کو جہنم میں نہیں ڈالوں گا۔ اور علامہ دیلمی رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ''جس دسترخوان پر محمد یا احمد نام کا شخص ہوگا میں اس کے گھر کو دن میں دو بار پاک کروں گا۔'' ابن قتیبہ نے کہا کہ آپ کی نبوت کی علامت میں سے یہ علامت بھی ہے کہ آپ سے قبل کسی کا نام محمد نہیں رکھا گیا ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا یحییٰ علیہ السلام

Marfat.com

کے بارے میں قرآن حکیم میں فرمایا ہے "لم نجعل له من قبل سمیاً" (ان سے قبل ہم نے یہ نام نہیں رکھا)۔ البتہ جب آپ ﷺ کی ولادت کا زمانہ قریب آیا اور اہل کتاب نے ان کی ولادت کے زمانہ کے قریب آنے کی بشارت دی تو بہت سے لوگوں نے اپنے بچوں کے نام "محمد" رکھے کہ شاید ان میں سے کوئی وہ نبی ہو، لیکن اللہ ہی جانتا ہے کہ اس نے کس کو رسول بنانا ہے۔ زیادہ مشہور یہ ہے کہ پندرہ بچوں کا نام محمد رکھا گیا۔" (جمع الوسائل، ملا علی القاری: ۳/۳۳۶۔۳۳۷)

چونکہ حمد کسی حسن اور کمال پر کی جاتی ہے اور آپ علی الاطلاق محمد ﷺ ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ علی الاطلاق حسن اور کمال ہیں۔ اگر آپ میں کسی اعتبار سے عیب یا نقص ہوتا تو آپ علی الاطلاق محمد ﷺ نہ ہوتے کیونکہ نقص اور عیب کی تعریف اور حمد نہیں ہوتی بلکہ مذلت ہوتی ہے، اور آپ کو کسی زید یا بکر نے محمد (ﷺ) نہیں کہا۔ اگر آپ میں کسی وجہ سے کوئی عیب یا نقص ہوتا تو اللہ تعالیٰ آپ کو علی الاطلاق محمد (ﷺ) نہ کہتے۔ یہ بات مشرکین مکہ کے علم میں بھی تھی۔ وہ آپ میں عیب نکالتے اور پھر آپ کو محمد ﷺ بھی کہتے۔ انہیں خیال آیا کہ محمد کہہ دینے سے تو آپ میں ہر عیب کی نفی ہو جاتی ہے چنانچہ وہ آپ کو "مذمم" کہنے لگے کہ "مذمم" ایسا ہے ویسا ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے سنا تو ارشاد فرمایا: "وہ مجھ میں عیب نہیں نکالتے کسی مذمم میں عیب نکالتے ہیں۔ میں "مذمم" نہیں "محمد" ہوں۔ چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

﴿الا تعجبون كيف يصرف الله عني شتم قريش ولعنهم، يشتمون مذمماً و يلعنون مذمماً وانا محمد﴾

(بخاری: ۱/۵۰۱، رقم ۳۵۳۳)

"کیا تم اس بات پر تعجب نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے قریش کے سب وشتم کو کس طرح دور کر دیا۔ وہ مذمم کو برا کہتے ہیں اور مذمم پر لعنت بھیجتے ہیں اور میں محمد ﷺ ہوں۔"

اس طرح لفظ احمد کی تشریح کرتے ہوئے علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ احمد اسم تفضیل کا صیغہ ہے جس کا معنی اس انتہاء پر پہنچتا ہے جس کے بعد کوئی انتہا نہ ہو۔ اس لحاظ سے اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمام حمد کرنے والوں سے زیادہ اپنے رب کی حمد کرنے والا، قیامت کے روز حمد کا جھنڈا (لواء الحمد) آپ ہی کے ہاتھ میں ہوگا

Marfat.com

اور میدان حشر میں آپ ہی کی حمد مشہور ہوگی اور مقام محمود کا منصب بھی آپ ہی کو حاصل ہوگا۔" (شرح الشمائل علی ہامش جمع الوسائل: ۳/ ۳۳۷)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس نام ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ پیغمبر امن وسلامتی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فطرت وطینت میں فساد اور بدامنی نہیں ہے۔ اسی وجہ سے آپ کا نام محمد رکھا گیا۔ کنیت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ابوالقاسم تھی جو آپ کے بڑے بیٹے قاسم کے نام پر تھی۔ لیکن علماء نے لکھا ہے کہ آپ کی یہ کنیت صرف آپ کے بیٹے کی وجہ سے نہ تھی بلکہ آپ نے 23 سالہ عہد نبوت ورسالت میں شب وروز سعادت وہدایت لوگوں میں تقسیم کی۔ گویا کہ آپ "قاسم الخیر" تھے، اور حدیث میں بھی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((انما انا قاسم واللہ یعطی))

"میں تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ عطا فرمانے والا ہے۔"

(فتح الباری: ۶/ ۱۳۴)

آپ کی دوسری کنیت "ابوابراہیم" ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ جب آپ کے صاحبزادے سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو جبریل امین آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: "السلام علیکم یا ابا ابراہیم" سلام ہو تم پر اے ابوابراہیم۔

(فتح الباری: ۸/ ۱۴۹، مستدرک حاکم: ۳/ ۶۰۴، دلائل النبوۃ: ۱/ ۱۳۹)

رضاعت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے بعد چار روز (اور بعض روایات کے مطابق سات روز تک) آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کو دودھ پلایا۔ اس کے بعد ابولہب کی آزاد کردہ لونڈی ثوبیہ نے آپ کی ذمہ داری قبول کی۔ ثوبیہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو بھی دودھ پلایا تھا، اور آپ کے بعد ابوسلمہ بن عبدالاسد کو دودھ پلایا تھا جو سیدہ ام سلمہ کے پہلے شوہر تھے۔ لہٰذا یہ دونوں حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رضاعی بھائی تھے۔

(طبقات ابن سعد: ۱/ ۱۰۸، زرقانی: ۱/ ۱۳۷، عیون الاثر: ۱/ ۹۰، نہایۃ الارب: ۱۶/ ۸۰، تاریخ الاسلام ذہبی: ۱/ ۴۵)

عرب میں یہ دستور تھا کہ شرفاء اپنے شیر خوار بچوں کو دیہات میں بھیج دیتے تھے تاکہ وہاں کی صاف اور شفاف اور کھلی آب وہوا میں نشوونما پائیں اور اصلی عربی تمدن سے بہرہ ور ہو

Marfat.com

کر صحیح معنوں عربی تہذیب وتمدن کے پیکر ہوں۔ دوسرے جب وہ بچے دیہات کی کھلی فضا میں تربیت حاصل کرتے تو ان کو فصیح و بلیغ عربی کا عادی بنایا جاتا۔ مکہ مکرمہ میں خالص عربی نہیں ہوتی تھی کیونکہ مختلف علاقوں کے لوگ موسم حج میں یہاں آتے اوران کی زبانیں آپس میں گڈ مڈ ہو کر ایک نئی زبان کا روپ دھارے ہوئے تھی، اس وجہ سے شرفائے مکہ اپنے بچوں کو خالص عربی سے آشنا کرنے کے لیے ان کو دیہات میں بھیج دیتے تھے خصوصی طور پر ان قبائل میں جن کی زبان ٹکسالی اور فصیح عربی مانی جاتی تھی۔ چنانچہ بچپن ہی میں جب بچوں کے کانوں میں ٹکسالی عربی کے الفاظ پڑتے تو فصاحت ان کی گھٹی میں پڑ جاتی جس کے اثرات پوری زندگی ان میں قائم ودائم رہتے۔ چنانچہ سرکاردو عالم ﷺ فرمایا کرتے تھے:

((انا اعربکم، انا قرشي واسترضعت في بني سعد بن بکر)) (سیرۃ ابن ہشام:۱/۱۰۴، روض الانف:۱/۱۰۹، ابن سعد:۱/۷۱)

''میں تم میں سب سے زیادہ شستہ اور صحیح عربی بولنے والا ہوں۔ میں قریشی ہوں اور قبیلہ سعد بن ابی بکر میں میں نے دودھ پیا ہے (جو فصاحت و بلاغت میں ایک اعلیٰ مقام کا حامل ہے)''

غرض کہ حسب دستور اس سال بھی بنی سعد کی بعض عورتیں شیر خوار بچوں کی تلاش میں مکہ مکرمہ آئیں۔ بعض روایات میں ہے کہ اس سال دس عورتیں آئیں جن میں ایک عورت کا نام حلیمہ بنت ابوذویب تھا۔ (طبقات ابن سعد:۱/۶۹)

ان دنوں سرکاردو عالم ﷺ ثوبیہ کا دودھ پی رہے تھے۔ روایات میں ہے کہ دودھ پلانے کی اجرت عرب کی اکثر عورتوں کے نزدیک پسندیدہ نہ تھی لیکن اس سال چونکہ خشک سالی کے باعث ایک قحط کی کیفیت تھی، اس لیے اس سال بعض ایسی عورتیں بھی رضاعت کے لیے بچے لے جانے پر مجبور ہوگئیں جو اس سے قبل اس فعل کو معیوب سمجھتی تھیں، حلیمہ سعدیہ بھی انہی عورتوں میں شامل تھی۔ حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں کہ جب ہم مکہ میں آئیں تو میری ہمراہیاں پہلے مکہ میں آگئیں اور بڑی پھرتی اور چابک دستی سے مکہ میں پھر پھرا کر امیر خاندانوں کے بچوں کو حاصل کر لیا۔ وہ عورتیں سیدہ آمنہ کے گھر بھی آئیں لیکن یتیم عبداللہ کو کسی نے قبول نہ کیا کیونکہ بیوہ ماں سے کچھ زیادہ انعام کی امید نہیں تھی۔

حلیمہ سعدیہ اپنی اونٹنی کے لاغر ہونے کے باعث یا کسی اور وجہ سے دیر سے مکہ پہنچی تھی، اس وجہ سے اسے امیر گھرانے کا تو کوئی بچہ نہ ملا اور خالی واپس جانا بھی مناسب نہ سمجھا لہٰذا

Marfat.com

انہوں نے سیدہ آمنہ کے لال کو دودھ پلانے کے لیے گود لے لیا۔ حلیمہ کو شغل ہاتھ لگا اور سیدہ آمنہ کی اپنی سہیلیوں میں آنکھ نیچی نہ ہوئی۔ سیدہ حلیمہ فرماتی ہیں جب میں نے رسول اللہ ﷺ کو گود لیا تو میں آپ کے جمالِ جہاں آراء کو دیکھ کر فریفتہ ہوگئی۔ میں نے آپ کو اٹھانے کے لیے جو ہاتھ لگایا تو آپ نے تبسم فرماتے ہوئے آنکھیں کھولیں جن سے ایک نور برآمد ہوا جو آسمان تک جارہا تھا۔ میں نے آپ کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور آپ کو لے کر اپنی فرودگاہ پر پہنچی۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ دولت کونین مل گئی ہے ۔

تعالیٰ اللہ ذات مصطفیٰ کا حسن لاثانی
کہ یک جا جمع ہیں جس میں تمام اوصاف امکانی
دعائے یونسی، نطق خلیلی، صبر ایوبی
جلال موسوی، زہد مسیحی، حسن کنعانی

امام سہیلی نے الروض الانف میں لکھا ہے کہ سیدہ حلیمہ سعدیہ اپنے قبیلہ میں حوصلہ مند اور صاحب کرم مانی جاتی تھیں۔ ان کی بلند فطری کا ایک بدیہی ثبوت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے رسول ؐ کی رضاعت کے لیے اسی طرح منتخب فرمایا جس طرح آپ کی ولادت کے لیے شریف ترین اصلاب اور پاکیزہ ترین ارحام کو منتخب فرمایا تھا۔ اور دودھ پلانا بھی نسب ہی کا حکم رکھتا ہے کیونکہ یہ طبائع میں تبدیلی پیدا کرنے کا موجب ہے۔ چنانچہ سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کے حوالہ سے مروی ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اپنے بچوں کو احمق عورتوں کا دودھ نہ پلواؤ کیونکہ دودھ پلانے والی کا دودھ اثر انداز ہوتا ہے۔''

اور حلیمہ جو رضاعت کے لیے بچہ حاصل کرنے کے لیے آئیں تو یہ ان کی انتہائی مفلوک الحالی اور اضطرار کا نتیجہ تھا۔

حلیمہ یتیم عبداللہ کو جب فرودگاہ لے کر گئیں تو فرماتی ہیں کہ آپ کی برکت سے رات ہماری اونٹنی نے بھی اس قدر دودھ دیا کہ ہم دونوں میاں بیوی نے خوب پیٹ بھر کر پیا اور ہم نے بڑے آرام سے رات گزاری۔ صبح کو میرا شوہر کہنے لگا: حلیمہ! واللہ! میں دیکھتا ہوں کہ تم تو کہیں سے رحمت و برکت کا مجسمہ بچہ لے آئی ہو۔ کیا تم نہیں دیکھتی کہ جس وقت سے یہ بچہ آیا ہے ہماری مفلوک الحالی اور ناداری و قلاشی نعمت، فرحت اور خوش عیشی میں تبدیل ہوگئی ہے۔'' حلیمہ نے کہا: ''واقعی یہ کوئی فرشتۂ رحمت اور بھاگوان بچہ ہے۔ (اتعلمنی واللہ یا

Marfat.com

حلیمة! لقد اخذت نسمة مبارکة)

رات اپنی فرودگاہ میں گذارنے کے بعد صبح عورتوں کے اس قافلے نے واپس جانے کا ارادہ کیا۔ سیدہ حلیمہ فرماتی ہیں کہ جب میں اپنی اونٹنی پر سوار ہوئی اور اس بچے کو اپنی گود میں لیا تو اونٹنی اس قدر تیز رو ہوگئی کہ آتی دفعہ تو وہ اونٹنی سب سے پیچھے تھی، اب اتنی برق رفتار ہوگئی کہ سب سے آگے اور سب کی پیش رو ہوگئی اور کسی کے تھامے نہ تھمتی۔ سب ہمراہی عورتوں نے نہایت تعجب اور بڑی حیرت سے پوچھا: ''حلیمہ! یہ وہی سواری ہے؟'' میں نے کہا: ''ہاں۔'' وہ بولیں: ''بخدا! اس وقت تو اس کی شان ہی جدا ہے'' کیوں کہ یہ اونٹنی اس وقت سید الاولین والآخرین کا مرکب تھی ''کہ سلطان جہاں باماست امروز۔''

سیدہ حلیمہ کے گھر میں ''سلطانِ جہاں'' کا پہنچنا تھا کہ خیر و برکت کا چشمہ جاری ہو گیا۔ اب حیرت انگیز بات یہ تھی کہ جب سیدہ حلیمہ کی بکریاں شام چراگاہ سے واپس آئیں تو ان کی کوکھیں بھری ہوئی تھیں۔ تھن دودھ سے بھرے ہوئے تھے۔ غرض کہ حضور ﷺ جتنا عرصہ سیدہ حلیمہ کے ہاں رہے اللہ تعالیٰ خیر و برکت کا ہر روز مشاہدہ کرواتا رہا۔

(سیرۃ ابن ہشام: ۱/۱۸۴، تاریخ الاسلام ذہبی: ۱/۴۶)

سیدہ حلیمہ اس سے قبل اپنے بیٹے عبداللہ کی رضاعت سے بھی قاصر تھی۔ گھر میں غریبی ناچ رہی تھی، بھوک سے برا حال تھا۔ چھاتیوں میں دودھ نہیں تھا اس وجہ سے بچہ روتے روتے بدحال ہو جاتا تھا۔ دن اور رات کی نیند حرام ہو چکی تھی لیکن جونہی حضور ﷺ کا مبارک قدم گھر میں پڑا اب نہ صرف سارے گھر والے خوب سیر شکم ہو کر سوتے بلکہ رسول اللہ ﷺ اور ان کا رضاعی بھائی بھی دونوں پیٹ بھر کر دودھ پیتے۔ سیدہ حلیمہ فرماتی ہیں کہ اگر کوئی تیسرا بچہ بھی ہوتا تو وہ بھی سیر شکم ہو جاتا۔

رسول اللہ ﷺ کی نشو و نما ایک روز میں اتنی ہوتی جتنی عام بچوں کی ایک ماہ میں ہوتی ہے اور ایک مہینے میں آپ اتنا بڑھتے جتنا دوسرے بچے ایک سال میں بڑھتے ہیں۔

(نہایۃ الادب: ۱۶/۸۳، عیون الاثر: ۱/۳۴، تاریخ الاسلام ذہبی: ۱/۴۷)

سیدہ حلیمہ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کا معمول تھا کہ آپ صرف دائیں پستان سے دودھ پیتے اور جب میں بایاں پستان آگے کرتی تو آپ اپنا منہ ہٹا لیتے۔ (فیابی ان یشرب منہ) مجھے اس پر بڑی حیرت ہوتی، لیکن حلیمہ کو کیا پتہ تھا کہ یہ وہ بچہ ہے جو بڑا ہو کر قناعت کا معلم، مساوات کا علم بردار، عدل و انصاف کا پیکر اور امن و سلامتی کا شہزادہ ہوگا۔ دنیا میں ظلم اس

Marfat.com

وقت شروع ہوتا ہے جب عدل و انصاف کا فقدان ہو۔ جو پیغمبر حالت شیر خوارگی میں بھی اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ عدل و انصاف کا برتاؤ کرتا ہے اور دودھ پینے کے معاملہ میں بھی اس پر شمہ برابر زیادتی نہیں کرتا وہ دنیا میں ظلم اور ناانصافی کو ختم کرنے کا علم بردار ہوگا۔

عدل نام ہے عدم افراط وتفریط کا یعنی کسی شے کا نہ زیادہ ہونا اور نہ کم ہونا اور یہ درجہ مقام وسط اور درمیانی ہے، دنیا میں جس قدر برائیاں ہیں وہ افراط وتفریط کے سوا اور کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔ عدل کی پیشانی پر اگرچہ خوش نمائی کی بلندی کی جگہ سختی اور خشونت کی لکیریں ہیں لیکن دنیا کا تمام نظام اسی کے دم سے ہے۔ اگر ایک لمحے کے لیے عدل و انصاف غیر موجود ہو جائے تو تمام نظامِ عالم درہم برہم ہو جائے۔ اس کی ایک نہایت اچھی مثال مولانا آزاد نے یہ دی ہے کہ نظامِ شمسی کا ہر کرّہ اپنی اپنی جگہ معلق ہے۔ اپنے اپنے دائروں میں حرکت کر رہا ہے، اور ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ ذرا بھی انحراف و میلان واقع ہو۔ یہی عدالت کا قانون ہے جس نے سب کو ایک خاص نظم میں جکڑ اور بند کر رکھا ہے۔ تمام کرّے اپنی اپنی کشش رکھتے ہیں اور ان کے مجموعی جذب وانجذاب کے توازن سے ایسی حالت پیدا ہوگئی ہے کہ ہر کرّہ اپنی جگہ قائم اور معلق ہے۔ اگر کوئی کرّہ اس قانونِ عدالت سے باہر ہو جائے تو معاً دوسرے کرّوں سے ٹکرا جائے اور تمام نظامِ شمسی درہم برہم ہو جائے۔ معلوم ہو کہ دنیا کا یہ نظام عدل سے قائم ہے۔

امام راغب نے المفردات میں عدل کی جو تعریف کی ہے وہ یہ ہے کہ کسی جگہ کا اس کی اپنی جگہ پر ہونا یا کسی بوجھ کا دو برابر حصوں میں اس طرح تقسیم کرنا کہ کمی بیشی نہ ہو، عربی زبان میں اسے عدل کہتے ہیں۔ (الالمفردات: ص ۳۳۵ معجم الوسیط: ۱/ ۵۸۸)

عدل ایک مثبت صفت ہے سلبی صفت نہیں ہے۔ اس صفت سے ظلم کی نفی ہوتی ہے۔ عدل ہی سے نظامِ حیات بلکہ نظامِ کائنات قائم ہے۔ اس کے بغیر، فرد، خاندان اور معاشرہ فساد اور تباہی کا شکار ہو جاتا ہے۔

غرض کہ بچوں کی عادات کے بالکل برعکس آپ میں اتنی نظافت اور پاکیزگی تھی کہ عام بچوں کی طرح آپ نے کبھی کپڑوں میں پاخانہ نہیں کیا۔ ہمیشہ وقت مقررہ پر پیشاب اور پاخانہ کرتے اور اگر کبھی برہنہ ہوتے تو رونے لگتے۔ میں فوراً آپ کو ڈھک دیتی۔ اور اگر کبھی میری طرف سے آپ کی ستر پوشی میں کوئی تاخیر ہوتی تو غیب سے کوئی ہاتھ آپ کی برہنگی کو ڈھانپ دیتا۔

جب آپ کچھ اور بڑے ہوئے اور منہ میں نوالہ لینے لگے تو آپ کی یہ خواہش ہوتی

Marfat.com

کہ جو کچھ مجھے ملے وہی میرے رضاعی بھائی عبداللہ بن حارث کو بھی ملے۔ بچے روتے ہیں کہ جو کچھ مجھے ملا ہے وہ دوسرے بچوں کو کیوں دیا گیا، اور آپ اس لیے روتے تھے کہ جو چیز مجھے ملی ہے وہ میرے دوسرے رضاعی بہن بھائیوں کو کیوں نہیں ملی؟ بچپن میں جو شخص اتنا عادل۔ منصف اور صاحب مساوات ہے وہ بچپن میں عدل وانصاف کا علم بردار اور دنیا میں اس کو قائم کرنے والا کیوں نہیں ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک رضاعی چچا نے ایک مرتبہ فرمایا:

''میں نے آپ کا ہر دور دیکھا اور ہر دور میں، میں نے آپ کو سب سے بہتر پایا۔ زمانہ شیر خوارگی میں سب سے بہتر شیر خوار، اور جب آپ کا دودھ چھوٹا تو سب سے بہتر خطیم (عربی زبان میں دودھ پینے والے بچہ کو رضیع یا رضع کہتے ہیں اور جب وہ دودھ چھوڑ دیتا ہے تو اس کو خطیم کہتے ہیں) جوان ہوئے تو سب سے زیادہ صالح اور باکردار نوجوان تھے۔ گویا آپ کے اندر خیر وصلاح کے خصائل کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے تھے۔'' (خصائص کبریٰ: ۱/ ۹۵)

دو سال کی رضاعت کے اختتام پر سیدہ حلیمہ آپ کو لے کر واپس مکہ مکرمہ آئیں تاکہ سیدہ آمنہ کو ان کی امانت واپس کر دیں، لیکن کچھ تو آپ کے میامن وبرکات کے باعث اور کچھ اس وجہ سے کہ سیدہ حلیمہ کے اہل خانہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے غیر معمولی انس ومحبت ہو چکی تھی، سیدہ حلیمہ نے بصد عجز ونیاز سیدہ آمنہ سے درخواست کی کہ اس بچہ کو کچھ عرصہ اور میرے پاس رہنے دیں کیونکہ اس وقت مکہ میں ایک وبا پھیلی ہوئی ہے، وہ بچہ کی صحت پر کوئی برا اثر نہ ڈالے لیکن سیدہ آمنہ نے حلیمہ کی اس استدعا کو مسترد کر دیا۔ درخواست مسترد ہونے پر سیدہ حلیمہ نے اور زیادہ لجاجت سے منت وسماجت کی تو ناچار سیدہ آمنہ نے حلیمہ کی درخواست منظور کرتے ہوئے بچہ انہیں اپنے ہمراہ واپس لے جانے کی اجازت مرحمت فرما دی۔ حلیمہ کو اس بات پر بڑی خوشی ہوئی۔ اس کا دل بلیوں اچھلنے لگا۔ اس کی خوشی اور مسرت کے بیان سے قلم کو تاب نگارش نہیں۔ چنانچہ حلیمہ پھر یتیم عبداللہ کو لے کر واپس سرزمین بنو سعد واپس آ گئیں اور حلیمہ کو دوبارہ آپ کی حضانت وتربیت کا شرف حاصل ہو گیا۔

شق صدر:

سیدہ حلیمہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ میں وبا پھوٹنے کے باعث واپس لے گئیں۔ وہ اس دولت کونین کو پا کر نہایت خوش تھیں کیونکہ آپ کی برکت سے آپ کے گھر کی تمام مسرتیں اور

Marfat.com

خوشیاں واپس لوٹ آئی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ اب ہر روز اپنے رضاعی بہن بھائیوں کے ساتھ بکریاں چرانے کے لیے چلے جاتے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ صحرا کی پر لطف اور وسیع فضا میں وہ اپنی زندگی کے لحات میں نشاط پیدا کریں، لیکن اب حلیمہ آپ کی بہت نگہداشت رکھتی تھیں۔

ایک روز آپ اپنے رضاعی بہن بھائیوں کے ساتھ جنگل میں بکریاں چرانے کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ دیکھا کہ دو شخص آئے ہیں۔ وہ دونوں نہایت حسین وجمیل اور خوش لباس تھے۔ انہوں نے محمد ﷺ کو اٹھایا۔ ان کو الگ لے جا کر آپ کا سینہ چاک کیا۔ یہ منظر ان کے رضاعی بہن بھائی نہ دیکھ سکے۔ چنانچہ آپ کا ایک رضاعی بھائی دوڑا ہوا گھر آیا اور کہا کہ دو سفید لباس پہنے ہوئے آدمی آئے اور انہوں نے ہمارے عربی بھائی کو زمین پر لٹا کر اس کا شکم چاک کر دیا ہے اور اب اس کو سی رہے ہیں۔ یہ ایک نہایت روح فرسا خبر تھی جس نے حلیمہ اور اس کے شوہر حارث کو پریشان کر دیا۔ وہ دونوں سراسیمگی کے عالم میں دوڑے آئے لیکن جائے وقوعہ پر جا کر دیکھا کہ آپ خوش وخرم ہیں اور مسکرا رہے ہیں۔ آپ کے رضاعی والد نے اسی سراسیمگی کے عالم میں پوچھا: ''بیٹا! کیا ہوا؟'' آپ نے فرمایا: ''دو آدمی سفید کپڑے پہنے ہوئے آئے تھے۔ انہوں نے مجھے لٹا کر میرا شکم چاک کیا اور میرے سینے میں سے کوئی سیاہ چیز نکال کر پھینک دی۔ پھر میرے شکم کو سی کر درست کر دیا۔ معلوم نہیں انہیں کس چیز کی تلاش تھی۔ اور وہ کون تھے۔ مجھے تو کوئی تکلیف نہیں ہوئی بلکہ ایک ٹھنڈک سی محسوس ہو رہی ہے۔

(سیرۃ ابن ہشام: ۱/۶۵، البدایہ والنہایہ: ۳/۳۷۵، دلائل النبوۃ بیہقی: ۱/۱۴۵، مجمع الزوائد: ۸/۲۳۱، مسند احمد: ۳/۱۳۱، ۱۴۹، ۲۸۸، سیرۃ ابن کثیر: ۱/۲۳۱، تاریخ الاسلام ذہبی: ۱/۴۸)

غرض کہ رسول اللہ ﷺ کو دیکھ کر سیدہ حلیمہ اور ان کے خاوند حارث نے آپ کو سینہ سے لگا کر پیار کیا۔ اب دونوں میاں بیوی نے یہ طے کیا کہ اس بچہ کو خیریت کے ساتھ اس کی ماں اور دادا کے پاس پہنچا دیا جائے۔ اس طرف یہ طے ہوا اور دوسری طرف سیدہ آمنہ یہ سمجھے ہوئے تھیں کہ حلیمہ چونکہ بچہ کو اصرار کر کے لے گئی ہوئی ہے، لہٰذا جب تک میں تقاضا نہیں کروں گی وہ اسے واپس لے کر نہیں آئے گی۔ لیکن یہاں معاملہ برعکس ثابت ہوا اور حلیمہ بغیر کسی تقاضا کے بچہ کو اچانک واپس لے آئی۔ بچہ کے چہرہ پر رونق تھی۔ دل میں اطمینان اور سکون تھا۔ سیدہ آمنہ خوش ہو گئیں کہ حلیمہ بغیر کسی تقاضے کے بچہ کو واپس لے آئی کیونکہ والدہ کا دل بھی اپنے بیٹے کی جدائی میں پریشان تھا۔ چنانچہ سیدہ حلیمہ بچہ سیدہ آمنہ کی گود میں ڈال کر

Marfat.com

واپس چلی گئیں۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آپ پانچ سال کی عمر میں اپنی والدہ محترمہ کے پاس واپس آئے اور دوسرے حضرات کا بیان ہے کہ چار سال کی عمر میں واپس آئے۔
(عیون الاثر: ۱/ ۹۶، طبقات ابن سعد: ۱/۱۱۳)

ایک اشکال اور اس کا جواب:

بعض حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن میں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے شرح صدر کے الفاظ آئے ہیں، یہی شق صدر ہے۔ حالانکہ شق صدر اور شرح صدر دونوں میں ہر لحاظ سے زمین و آسمان کا فرق ہے۔ شق صدر سے حقیقتاً سینہ چاک کرنا مراد ہے۔ چنانچہ علامہ زرقانی اور دوسرے محدثین نے اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ پھر حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ آپ کے سینۂ مبارک پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سلائی کا نشان اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔
(زرقانی: ۶/ ۳۴)

شق صدر کیوں کیا گیا؟ علمائے امت نے اس کے بہت سے اسرار بیان فرمائے ہیں ان میں ایک وجہ یہ ہے کہ آپ کا قلب مبارک چاک کر کے جو سیاہ نقطہ نکالا گیا وہ درحقیقت معصیت اور گناہ کا مادہ تھا۔ اس گناہ اور معصیت کے مادہ سے شق صدر کر کے آپ کے قلب مبارک کو پاک و صاف کر دیا گیا۔ یہ سیاہ نقطہ نکالنے کے بعد آپ کے قلب مبارک کو دھویا گیا تاکہ معصیت کا کوئی اثر باقی نہ رہے۔ اور برف سے اس لیے دھویا گیا کہ گناہ کا مزاج چونکہ گرم ہوتا ہے اس لیے اس گرمی کو ختم کرنے کے لیے برف کا استعمال کیا گیا۔ گناہوں میں نجاست کے ساتھ حرارت بھی ہے اس لیے تطہیر نجاست کے ساتھ ساتھ تبرید اور تسکین حرارت کی بھی ضرورت ہے۔

آپ کا شق صدر دو دفعہ ہوا۔ ایک دفعہ بچپن میں اور دوسری دفعہ معراج میں جانے سے قبل۔ (تاریخ الاسلام ذہبی: ۹/ ۴۸)

سیدہ آمنہ کا انتقال:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر چھ سال تھی کہ آپ کی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ آپ کو ساتھ لے کر خواجہ عبدالمطلب کے ننھیال بنو عدی بن نجار سے ملنے کے لیے تشریف لے گئیں۔ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ سیدہ اپنے شوہر نامدار کی قبر کی زیارت کے لیے گئی تھیں۔ اس سفر میں

Marfat.com

حضرت عبداللہ کی لونڈی برکت بنت ثعلبہ جو ام ایمن کے نام سے مشہور تھیں، بھی سیدہ آمنہ کے ہمراہ تھیں۔ مدینہ پہنچ کر آپ نے دارالنابغہ میں قیام فرمایا۔ مدینہ میں قریبا ایک ماہ قیام کے بعد سیدہ آمنہ نے اپنے نور نظر کے ساتھ مکہ مکرمہ کو مراجعت فرمائی۔ جب سیدہ آمنہ مدینہ سے چلی تھیں تو ان کی طبیعت علیل ہوگئی۔ اب جیسے جیسے قافلہ چل رہا تھا روز بروز طبیعت ناساز ہوتی جا رہی تھی، لہٰذا مکہ کے بجائے آخرت کے لیے رخت سفر باندھ لیا اور مقام ابواء میں اس عدم ہستی نما سے ہستی عدم نما کو انتقال فرمایا۔ کنیز ام ایمن سیدہ کو سپرد خاک کر کے یتیم محمد ﷺ کو ساتھ لے کر مکہ مکرمہ آ گئیں اور آپ کے دادا خواجہ عبدالمطلب کو سیدہ کے سفر آخرت کا جاں کاہ واقعہ سنایا۔ خواجہ عبدالمطلب کو سیدہ کی وفات کا بہت صدمہ ہوا لیکن وہ تقدیر کے آگے بے بس تھے۔

سیدہ آمنہ کی غریب الوطنی کی وفات نے سرکار دو عالم ﷺ کے قلب مبارک پر بڑے گہرے اثرات چھوڑے اور آپ سے ماں کی مامتا کا وہ سایہ بھی چھن گیا جو اس دنیا میں ایک آدمی کے لیے سب سے بڑا عاطفت اور شفقت کی پناہ گاہ ہوتا ہے۔ بچپن ہی سے آپ سے ایک ایک کر کے سارے سہارے اور ظاہری سائے اٹھتے چلے گئے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو طبقات ابن سعد: ۷۳/۶، زرقانی: ۱۶۳/۱، سیرۃ ابن ہشام: ۵۶/۱، تہذیب تاریخ دمشق: ۳۸۳/۶، نہایۃ الارب: ۸۷/۱۶)

خواجہ عبدالمطلب کی سرپرستی اور کفالت:

روایات میں ہے کہ سیدہ ام ایمن اس غم زدہ، محزون و مغموم محمد ﷺ کو اپنے ساتھ لے کر مکہ مکرمہ پہنچیں۔ دادا عبدالمطلب نے اپنے اس یتیم پوتے کو سینہ سے لگایا۔ اب یہ حالت ہوگئی تھی کہ آپ اپنے اس پوتے کو ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے اور اپنی تمام اولاد سے زیادہ عزیز اور محبوب رکھتے۔ جب آپ مسجد الحرام میں تشریف لاتے تو خانہ کعبہ کے سایہ میں آپ کے لیے ایک خاص قسم کا فرش بچھایا جاتا۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ اس فرش پر قدم رکھ سکے حتیٰ کہ خواجہ عبدالمطلب کی اولاد بھی اس فرش کے اردگرد بیٹھتی، لیکن رسول اللہ ﷺ جب تشریف لاتے تو بغیر تکلف اس گدی پر تشریف فرما ہو جاتے۔ آپ کے تائے آپ کو اس مسند سے ہٹانا چاہتے لیکن خواجہ عبدالمطلب انہیں منع فرماتے اور فرماتے کہ اس میرے بچے کی ایک خاص شان ہے۔ (سیرۃ ابن ہشام: ۱۰۶/۱)

پھر آپ کو بلا کر اپنے پہلو میں بٹھاتے اور بہت پیار کرتے اور خوشی سے پھولے نہ سماتے۔ (عیون لاثر لابن سید الناس: ۹۹/۱، ابن ہشام: ۱۰۶/۱)

Marfat.com

ایک مرتبہ جناب رسول اللہ کہیں چلے گئے۔ کندیر بن سعید اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں قبل از اسلام مکہ مکرمہ حج کے لیے گیا۔ میں نے دیکھا کہ ایک شخص طواف کعبہ کر رہا ہے اور یہ شعر اس کی زبان پر ہے ؂

ردّ الیّ راکبی محمداً

یارب ردّہ واصطنع عندی یدا

یعنی اے اللہ! میرے سوار محمد ﷺ کو واپس بھیج دے اور مجھ پر اپنا خاص احسان فرما۔
میں نے لوگوں سے پوچھا: ''یہ کون شخص ہے؟'' لوگوں نے بتایا کہ یہ رئیس مکہ خواجہ عبدالمطلب ہے۔ انہوں نے اپنے پوتے کو ایک گم شدہ اونٹ کی تلاش میں بھیجا ہے کیونکہ اس کو جس کام کے لیے بھیجتے ہیں اس میں ضرور کامیابی ہم کنار ہوتی ہے۔ آپ ﷺ کو گئے ہوئے ذرا دیر ہوگئی ہے اس لیے پوتے کی جدائی میں بے چین اور مضطرب ہو کر طواف کعبہ میں یہ شعر پڑھ رہے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد ''محمد'' صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ کو ساتھ لے کر آ گئے۔ عبدالمطلب نے جونہی آپ کو دیکھا دوڑ کر گلے لگا لیا اور کہا: ''بیٹا! میں تمہاری وجہ سے سخت پریشان تھا۔ اب میں کبھی تم کو اپنے سے جدا نہیں ہونے دوں گا۔ (**یا بنی! احزنت علیک حزناً لایفارقنی بعدہ ابداً**)

(عیون الاثر: ۱/۱۰۰، مستدرک حاکم: ۳/۱۰۳، البدایہ والنہایہ: ۳/۱۳۴، طبقات ابن سعد: ۱/۱۱۳، انساب الاشراف، بلاذری: ۱/۸۳، اسد الغابہ: ۴/۳۵۵، مجمع الزوائد: ۳/۳۳۴، انسان العیون: ۱/۱۸۰، الاصابہ: ۳/۳۱۱، الاستیعاب: ۳/۱۷، تاریخ الاسلام ذہبی: ۱/۵۱)

خواجہ عبدالمطلب اپنی عمر کی آخری منزلوں میں تھے۔ عمر سو سال سے تجاوز کر چکی تھی۔ آپ صرف دو سال سیدہ آمنہ کے انتقال کے بعد اپنے اس پوتے کی کفالت کر سکے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے دادا کا یہ ظاہری سہارا بھی آپ سے چھین لیا۔ خواجہ عبدالمطلب انتقال فرما گئے۔ سیدہ ام ایمن فرماتی تھیں کہ میں نے اس روز دیکھا کہ خواجہ عبدالمطلب کے جنازے کے پیچھے محمد ﷺ روتے جا رہے تھے۔ ایک مرتبہ سرکار دو عالم ﷺ سے پوچھا گیا کہ آپ کو اپنے دادا کی وفات یاد ہے؟ فرمایا: ''مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ میری عمر اس وقت آٹھ سال تھی۔''

(طبقات ابن سعد: ۱/۱۱۸، تاریخ الاسلام ذہبی: ۱/۵۴، سیرۃ ابن ہشام: ۱/۱۱۵، نہایۃ الارب: ۱۶/۸۸)

صحیح روایات کے مطابق آپ کی عمر اس وقت 8 سال دو ماہ اور دس روز تھی۔

Marfat.com

زبیر بن عبدالمطلب کی جانشینی

خواجہ عبدالمطلب نے اپنے انتقال کے وقت اپنے بیٹے زبیر بن عبدالمطلب کو اپنا جانشین بنایا اور بنانا بھی اسے ہی چاہیے تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے باپ کی طرح بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا۔ نہایت رحم دل، غریب پرور، یتیموں، بیواؤں اور مظلوموں کے ساتھی تھے۔قریش میں انہیں عزت ووقار کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ زبیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد ماجد سیدنا عبداللہ کے سب سے بڑے حقیقی بھائی تھے۔ خواجہ عبدالمطلب کی اہلیہ فاطمہ بنت عمرو جو بنو مخزوم میں سے تھیں، ان کے بطن سے تین بیٹے اور چار بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ بیٹوں کے نام زبیر، عبدمناف (ابو طالب) اور جناب عبداللہ تھے جب کہ بیٹیوں میں سے عاتکہ، برّہ، امیمہ اور ام الحکیم البیضاء پیدا ہوئیں۔ ام الحکیم البیضاء جناب عبداللہ کے ساتھ جڑواں پیدا ہوئیں اور یہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی سگی نانی تھیں۔ بلاذری نے لکھا ہے کہ

''زبیر قریش کے سرداروں میں سے تھے۔ وہ عبداللہ اور ابو طالب سے عمر کے لحاظ سے بڑے تھے۔'' (انساب الاشراف: ۱/۸۵)

یعقوبی نے زبیر کو قریش کے معزز اور باوجاہت سرداروں میں لکھا ہے۔

(یعقوبی: ۱/ ۳۷)

زبیر بڑے صاحب فکر ونظر تھے۔ اعمال انسانی کی جزا وسزا کے لیے معاد اور آخرت کے قائل تھے۔ ظلم وتعدی ہرگز پسند نہیں کرتے تھے۔ کسی ظالم شخص کے بری طرح مرنے پر ابن ابی الحدید نے ان کا ایک قول نقل کیا ہے جس سے ہمارے دعویٰ کی تائید ہوتی ہے۔ وہ قول یہ ہے:

ان للناس معاد یوخذ فیه للمظلوم من الظالم

(ابن ابی الحدید: ۳/۳۶۳)

''انسانوں کے واسطے ایک لوٹنے کی جگہ ہے یعنی آخرت جہاں ظالم

Marfat.com

سے مظلوم کا بدلہ اور انتقام لیا جائے گا۔"

عرب کے مختلف قبائل کے مابین ایک معاہدہ ہوا جس کو "حِلف الفضول" کہتے ہیں اس میں رسول اللہ ﷺ نے بھی شرکت فرمائی تھی، اور اس معاہدہ نے "حروب فجار" کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا، اس معاہدہ کے اصلی محرک بھی زبیر بن عبدالمطلب یعنی رسول اللہ ﷺ کے یہ تایا تھے۔ چنانچہ ابن ابی الحدید نے لکھا ہے:

"اس معاہدہ کے سلسلہ میں زبیر بن عبدالمطلب اور عبداللہ بن جدعان کو شرف اور نیک نامی حاصل ہوئی۔ ابن جدعان کو تو اس لیے کہ اس کے گھر پر یہ معاہدہ پایۂ تکمیل کو پہنچا اور زبیر کو اس لیے کہ انہوں نے اس معاہدہ کی تحریک کی، لوگوں کو اس کی دعوت دی اور ترغیب دلائی اور انہوں نے ہی اس معاہدہ کا نام "حِلف الفضول" رکھا۔" (ابن ابی الحدید: ۳/۴۵۵)

ایسا ہی کتاب المحبر: ص ۱۶۱، سیرۃ الحلبیہ: ۱/۱۴۴ اور البدایہ والنہایہ: ۳/۱۹۳ پر ہے۔

علامہ شبلی نعمانی نے "حِلف الفضول" کے بارے میں لکھا ہے کہ

"لڑائیوں کے متواتر سلسلہ نے سینکڑوں گھرانے برباد کر دیئے تھے اور قتل و سفا کی موروثی اخلاق بن گئے تھے۔ یہ دیکھ کر بعض طبیعتوں میں اصلاح کی تحریک پیدا ہوئی۔ جنگ فجار سے لوگ واپس پھرے تو زبیر بن عبدالمطلب نے جو رسول اللہ ﷺ کے تایا اور خاندان کے سر کردہ تھے، یہ تجویز پیش کی۔ چنانچہ بنو ہاشم، بنو زہرہ اور بنو عبداللہ بن جدعان کے گھر میں جمع ہوئے اور معاہدہ ہوا کہ ہم میں ہر شخص مظلوم کی حمایت کرے گا اور کوئی ظالم مکہ میں نہ رہنے پائے گا۔"

"آنحضرت ﷺ اس معاہدہ میں شریک تھے اور آپ عہد نبوت میں فرمایا کرتے تھے کہ اس معاہدہ کے مقابلہ میں اگر مجھ کو سو اونٹ بھی دیئے جاتے تو میں نہ بدلتا اور آج بھی ایسے معاہدہ کے لیے کوئی بلائے تو میں حاضر ہوں۔" (سیرت النبی: ۱/۱۸۳)

غرض کہ زبیر بن عبدالمطلب کے وصی، جانشین اور بنو ہاشم کے سردار تھے۔ آپ نہایت ذی وقار اور ذی وجاہت انسان تھے۔ مظلوموں اور بے کسوں کی اعانت اور امداد کو وہ اپنا فریضۂ زندگی سمجھتے تھے۔ چنانچہ "حِلف الفضول" کا مقصد ہی مظلوموں اور بے کسوں کی خبر گیری اور امداد تھا جس کے وہ محرک تھے۔

اس کے ساتھ دوسری بات یہ ذہن میں رہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کی ولادت

Marfat.com

باسعادت پر آپ کے تایا زبیر بن عبدالمطلب کو غیر معمولی خوشی ہوئی تھی۔ کیونکہ وہ خاندان کے بڑے تھے اور سیدنا عبداللہ ان کے سب سے چھوٹے بھائی تھے اور ان کی فوتیدگی کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے گھر میں یہ خوشی کا موقعہ فراہم کیا تھا۔ چنانچہ وہ انہیں گودوں لیے پھرتے، ہاتھوں پر جھلاتے اور لوری گنگناتے جاتے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

''زبیر بن عبدالمطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بچپن میں اپنے ہاتھوں پر جھلایا کرتے تھے اور یوں فرماتے: ''یہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے بھائی عبداللہ کی نشانی ہے۔ خوب عیش و آرام سے رہے اور اعلیٰ قدر و منزلت پائے۔'' (الاصابہ: ۳/ ۳۰۸)

تیسری بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ زبیر بن عبدالمطلب مرفہ حال، سخی، صاحب جود و کرم، ذی وجاہت و ذی وقار اور تمام صفات حسنہ کے مالک تھے۔ چنانچہ ابن ابی الحدید نے لکھا ہے:

''زبیر بن عبدالمطلب ایک بہادر، خوب صورت اور باوجاہت انسان تھے، اور خطیب، شاعر اور بنو ہاشم کے سردار اور سخی تھے۔'' (ابن ابی الحدید: ۳/ ۴۵۵)

چوتھی چیز اس سلسلہ میں یہ ذہن میں رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ جب اپنے چھ سالہ بچے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو لے کر اپنے شوہر کے رشتہ داروں کو ملنے کے لیے یثرب (مدینہ منورہ) گئیں اور واپسی پر اپنے بچے کو ابواء کے بیابان میں سیدہ ام ایمن کے پاس چھوڑ کر اپنے خالق حقیقی سے جاملیں تو خواجہ عبدالمطلب نے مادر اور پدر کی شفقتوں سے محروم پوتے کو اپنے سایۂ عاطفت و شفقت میں رکھا۔ خواجہ عبدالمطلب اس وقت سو سال سے متجاوز تھے اور نہایت نحیف و نزار بلکہ آنکھوں کی بینائی سے بھی یکم قلم محروم۔ اپنے بیٹے ابولہب کا سہارا لے کر چلتے تھے۔ پدر بزرگوار کی ذاتی اور خاندانی حوائج اور ضروریات آپ کے بڑے بیٹے زبیر پوری کرتے تھے جو آپ کے نامزد جانشین تھے۔

والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ کی وفات کے بعد دو سال تک آپ اپنے شفیق دادا کی آغوش محبت و شفقت میں رہے لیکن اس عرصہ میں بھی حقیقی معنوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کفالت زبیر بن عبدالمطلب ہی کرتے تھے۔ اپنے تایا ابا کی شفقت و محبت سے خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی بہت متاثر تھے۔

ان تمام دلائل کے ہوتے ہوئے ہمارے بعض عربی اور اردو کے مؤرخین نے ابو طالب کو رسول اللہ کا کفیل بتایا ہے جس کو ایک عام عقل تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہے کیونکہ

Marfat.com

جب خواجہ عبدالمطلب نے اپنے بیٹے زبیر کو اپنا جانشین نامزد کیا تھا تو رسول اللہ ﷺ کا کفیل بھی انہیں ہی بنایا ہوگا۔ چنانچہ زبیر کے بارے میں ابن سعد نے لکھا ہے کہ

''زبیر شاعر اور باعزت شخص تھے اور انہی کو عبدالمطلب نے اپنا وصی اور جانشین مقرر کیا تھا۔'' (طبقات ابن سعد: ۱/۷۴)

زبیر بن عبدالمطلب ایک کھاتے پیتے، باوجاہت، صاحب جود وسخا اور خطیب وشاعر تھے۔ ان تمام خوبیوں کے باوصف زبیر کو اپنے چھوٹے بھائی عبداللہ کے اکلوتے فرزند ''محمد'' (ﷺ) سے غیر معمولی محبت تھی لہٰذا آپ انہیں گودوں میں لیے پھرتے، انہیں لوریاں دیتے، ان کی بلائیں لیتے اور ان کو ہاتھوں پر جھلاتے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ

ان الزبير بن عبدالمطلب كان يرقص النبي صلى الله عله وسلم وهو صغير ويقول: محمد بن عبدم، عشت بعيش انعم، في عز فرع اسنم.

زبیر بن عبدالمطلب رسول اللہ ﷺ کے بچپن میں ہاتھوں پر جھلایا کرتے تھے اور کہتے جاتے تھے: ''یہ محمد (ﷺ) میرے عبداللہ بھائی کی نشانی ہے، خوب عیش وآرام سے جیئے اور بڑی اعلیٰ قدر ومنزلت پائے۔'' (الاصابہ: ۳/۳۰۸)

بلاذری نے انساب الاشراف: ۱/۸۵ میں لکھا ہے کہ زبیر آپ کے تمام چچاؤں میں آپ پر سب سے زیادہ شفیق اور مہربان تھے۔ (كان الطف عميه به) جب وہ اتنے مہربان اور شفیق چچا تھے اور سرکار دو عالم ﷺ کو انہوں نے گودوں میں کھلایا اور اس کے ساتھ خواجہ عبدالمطلب کے نامزد جانشین بھی وہی تھے، اور متمول، جود وسخا کے حامل، مظلوموں اور یتیموں کے حامی، حلف الفضول کے خالق، سردار بنی ہاشم اور معاشی اور اقتصادی زندگی میں ابوطالب سے بہت بہتر۔ پھر خواجہ عبدالمطلب نے زبیر جیسے شفیق اور جواد چچا کو چھوڑ کر ابوطالب کو آپ ﷺ کا کفیل کس وجہ سے بنایا؟ یہ بات سوچنے اور غور وفکر کرنے کی ہے۔

پھر خود سرکار دو عالم ﷺ کو بھی اپنے اس تایا سے بہت محبت تھی۔ چنانچہ خواجہ عبدالمطلب کے انتقال کے بعد زبیر کی اہلیہ عاتکہ بنت ابی وہب نے اپنے بچوں سے زیادہ محبت اور شفقت سے آپ کی پرورش کی۔ اس عاتکہ کو سرکار دو عالم ﷺ ''میری ماں'' فرمایا کرتے تھے۔ یہ سرکار دو عالم ﷺ کی حقیقی دادی فاطمہ بنت عمرو کی حقیقی بھتیجی اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے

Marfat.com

بہنوئی اور ام ہانی کے شوہر ہبیرہ بن ابی وہب کی حقیقی بہن تھیں۔ (کتاب نسب قریش: ص ۳۴۴)

زبیر بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے چار بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں۔ ان میں ایک بیٹے کا نام عبداللہ تھا۔ عبداللہ بن زبیر عہد رسالت میں تیس برس کے جوان تھے۔ یہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ انہیں اپنے پہلو میں بٹھاتے اور بڑی شفقت اور محبت سے فرماتے: ''یہ میرا بھائی اور میری ماں کا بیٹا ہے۔ اس کے باپ نے مجھ سے بڑا اچھا اور نیک سلوک کیا تھا۔ (انه ابن امی و کان ابوه بی براً) (الاصابہ: ۳/۳۰۸)

علامہ ابن سید الناس اور دوسرے کئی ایک مؤرخین نے بھی اسی قسم کے الفاظ نقل کیے ہیں۔ چنانچہ عبداللہ بن زبیر کے تذکرہ میں لکھا ہے:

> كان النبي صلى الله عليه وسلم يقول ابن عمي وحبّي ومنهم من يروى انه كان يقول ابن امّي وحبّي.
>
> ''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عبداللہ بن زبیر بن عبدالمطلب کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ یہ میرے چچا کے بیٹے اور میرے محبوب ہیں، اور بعض لوگ یہ روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے: یہ میری ماں کے بیٹے اور میرے محبوب ہیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اپنے تایا ابا سے محبت کا اظہار اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ زبیر بن عبدالمطلب کے بڑے بیٹے کا نام طاہر تھا، اور ان ہی کے نام پر آپ نے اپنی کنیت ابو طاہر رکھی ہوئی تھی۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم عصر تھے اور عنفوان شباب ہی میں انتقال کر گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی مناسبت سے اپنے ایک صاحبزادے کا نام ''طاہر'' رکھا تھا۔

(ابن ابی الحدید: ۳/۴۵۶)

زبیر بن عبدالمطلب کی صاحبزادیوں کی بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت مالی مدد فرمائی۔ آپ کی ایک صاحبزادی صفیہ تھیں آپ ان کو خیبر کی پیداوار سے چالیس وسق دیا کرتے تھے۔ (الاصابہ: ۳/۳۴۸)

اسی طرح دوسری صاحبزادیوں ضباعہ، ام الزبیر اور ام الحکم کی بھی آپ مالی اعانت فرمایا کرتے تھے۔ یہ سب دولت اسلام سے بہرہ ور ہوئیں اور آپ کی صحابیات میں شمار ہوتی تھیں۔ ام الحکم کی شادی اپنے چچیرے بھائی ربیعہ بن الحارث بن عبدالمطلب سے ہوئی تھی۔ اس لحاظ سے یہ دونوں میاں بیوی ہاشمی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔

Marfat.com

زبیر بن عبدالمطلب سے صرف آپ ﷺ ہی محبت نہیں فرماتے تھے بلکہ سرکار دو عالم ﷺ کی پھوپھی صفیہ نے بھی اپنے بیٹے زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کا نام اپنے اس شفیق بھائی زبیر بن عبدالمطلب کے نام پر رکھا اور ان کی کنیت بھی ابو طاہر رکھی جو کچھ مدت تک باقی رہی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زبیر بن عبدالمطلب اپنی نیک خصائل اور عمدہ صفات کے باعث اپنے پورے خاندان اور قرابت داروں میں کس قدر محبت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ بلکہ بعض روایات میں ہے کہ وہ اپنے خاندان میں ''زبیر الخیر'' اور ''ذی کرم'' سمجھے جاتے تھے۔ چنانچہ ان کی بہن صفیہ بنت عبدالمطلب نے ان کی وفات پر جو مرثیہ لکھا، اس کے ایک شعر میں ان کے ان القاب کو ذکر کیا ہے

ابکی زبیر الخیر اذافات ان
کنت علیٰ ذی کرم باکیہ

جب زبیر بن عبدالمطلب اس قدر خوبیوں کے حامل تھے اور عبدالمطلب نے انتقال کے وقت انہی کو اپنا جانشین مقرر فرمایا، اور ان کی رحم دلی، انصاف پروری اور لوگوں کے ساتھ ہمدردی کا زندہ اور تاریخی ثبوت ''حلف الفضول'' ہے جو قریشی خاندانوں اور قبیلوں میں مظلوموں کی حمایت اور عدل و انصاف کرنے کے لیے اسی کی تحریک پر عبداللہ بن جدعان کے گھر پر بیٹھ کر کیا اور کہا تھا کہ ہم مکہ میں کسی پر ظلم نہ ہونے دیں گے۔ پھر اس بات کا کیا جواز ہے اور اس کی کیا وجہ ہے کہ عبدالمطلب نے زبیر کو چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ کی کفالت ابو طالب کو سونپی۔ دراصل یہ اندرون خانہ کچھ روایات کا ہیر پھیر ہے اور ہمارے سیرت نگار اور مؤرخین ایک دوسرے کی کتابوں سے روایات نقل کرتے آئے کہ عبدالمطلب نے اپنی وفات کے وقت ابو طالب کو رسول اللہ ﷺ کا کفیل اور سرپرست مقرر کیا تھا۔

یہ روایات ہر لحاظ سے خلاف حقیقت اور غلط ہیں کیونکہ خواجہ عبدالمطلب پورے قریش میں نہایت سمجھدار صاحب عقل و دانش بزرگ تھے۔ وہ کبھی بھی اپنے محبوب اور عزیز پوتے کو ایک ایسے بیٹے کی کفالت میں نہیں دے سکتے تھے جو پیدائشی طور پر لنگڑا ہو۔ (کتاب المعارف لابن قتیبہ: ص ۳۴۹) جبکہ اس نقص کے باعث ان کی معاشی حالت بھی بہتر نہ تھی اور وہ خود اپنے بچوں کی کفالت سے قاصر تھے۔ اپنی اس معذوری کے باعث وہ دور دراز تجارتی سفروں پر بھی نہیں جا سکتے تھے۔ اور ان کی مالی کمزوری کا ایک اہم سبب یہ بھی تھا۔ سیرت کی کتابوں میں رسول اللہ ﷺ کی معیت میں آپ کے سفر شام کا جو ذکر ملتا ہے وہ صرف ایک افسانہ ہے، وگرنہ تاریخی طور پر اس سفر کی کوئی حیثیت نہیں۔ ٹانگوں کے اسی نقص کی وجہ سے وہ

Marfat.com

عطر فروشی اور بعض اوقات غلہ کی خرید و فروخت کر لیتے جس سے گھر کا خرچہ چلتا تھا، لیکن آپ کی آمدنی اس قدر قلیل تھی کہ کثرت عیال کے باعث گھر کا گزارا بہت مشکل سے ہوتا تھا۔ ان مشکل معاشی حالات اور گھریلو تنگ دستی کے باعث وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کفالت کیسے کر سکتے تھے؟ بلکہ ایک لحاظ سے خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی اولاد کی کفالت کی۔ جس کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب "سیرۃ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کر دی ہے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو طبری: ۳/۵۷، زرقانی: ۱/۳۸۰، البدایہ والنہایہ: ۳/۳۵، ابن ابی الحدید: ۱/۱۵)

زبیر بن عبدالمطلب کے انتقال کے بعد جب ابو طالب بنو ہاشم کے سردار مقرر ہوئے اس وقت بھی وہ معاشی اور اقتصادی طور پر نہایت تنگ دست اور خستہ حال تھے۔ چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ایک قول یعقوبی نے نقل کیا ہے:

ابی ساد فقیراً وماساد فقیر قبله. (یعقوبی: ۱/۱۷)

"میرے والد (ابو طالب) جب قبیلہ (بنو ہاشم) کے سردار ہوئے تو فقیر تھے اور ان سے پہلے کوئی فقیر سردار نہیں ہوا۔"

ایک اشکال اور اس کا جواب:

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ خواجہ عبدالمطلب کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلے کفیل تو زبیر ہی تھے، لیکن زبیر کے انتقال کے بعد ابو طالب نے آپ کی کفالت کی۔ یہ بات بھی پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی، کیونکہ جب زبیر بن عبدالمطلب کا انتقال ہوا اس وقت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک 25 سال کے قریب تھی اور 25 سال کے نوجوان کو کسی کفیل اور سرپرست کی ضرورت نہیں ہوتی۔ چنانچہ علامہ بلاذری نے لکھا ہے:

وروی بعضهم ان الزبیر کفل النبی صلی الله علیه وسلم حتی مات ثم کفله ابوطالب بعده، وذالک غلط بان الزبیر شهد حلف الفضول والرسول صلی الله علیه وسلم یومئید نیف وعشرون سنة

یعنی بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ زبیر نے اپنی وفات تک جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کفالت کی تھی۔ پھر ان کے انتقال کے بعد ابو طالب نے

Marfat.com

آپ کی کفالت کی۔ لیکن یہ بات بالکل غلط ہے کیونکہ زبیر حلف الفضول میں موجود تھے اور رسول اللہ ﷺ کی عمر اس وقت کچھ اوپر بیس سال تھی۔ (انساب الاشراف: ۱/ ۸۵)

ابن ابی الحدید نے آپ کی عمر 25 سال بتائی ہے۔

یہ جو بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ ابو طالب سرکار دو عالم ﷺ سے بہت محبت فرماتے تھے اس وجہ سے ان کو آپ کا کفیل بنایا گیا، یہ بات بھی ایک افسانے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔ جہاں تک تاریخی روایات کا تعلق ہے آپ کی محبت کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ نزول وحی سے قبل رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا ابو طالب کو ان کی بیٹی ام ہانی سے نکاح کا پیغام دیا آپ کے پیغام کے ساتھ ہی ہبیر بن ابی وہب المخزومی نے بھی ابو طالب کو پیغام نکاح دیا تھا۔ ابو طالب نے بنی مخزوم کے ہبیرہ کو اپنی یہ بیٹی بیاہ دی۔ رسول اللہ ﷺ نے ابو طالب کا اپنے بارے میں یہ رویہ دیکھ کر فرمایا: ''چچا جان! آپ نے ہبیرہ کو تو بیٹی بیاہ دی اور مجھے یوں ہی چھوڑ دیا یعنی میرے پیغام کو شرف قبولیت نہ بخشا بلکہ رد کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کے منہ سے یہ بات سن کر ابو طالب نے کہا:

یابن اخی انا قد صاھرنا الیھم والکریم یکافی الکریم

''بھتیجے! ان لوگوں کے تو ہم سے رشتے ناطے ہوتے چلے آئے ہیں۔ معزز لوگوں کے ہم کفو معزز اور ذی حیثیت لوگ ہی ہوتے ہیں۔''

(الاصابہ: ۳/ ۵۰۳، کتاب المحبر: ص ۹۸، طبقات ابن سعد: ۳/ ۱۹۲)

اس بات کو قریباً ہر مؤرخ نے بیان کیا ہے کہ ابو طالب نے رسول اللہ ﷺ کے پیام شادی کو ردّ کرتے ہوئے بنی مخزوم کے ہبیرہ بن ابی وہب کے ساتھ اپنی بیٹی ام ہانی کا نکاح کر دیا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب روایات حقیقت پر مبنی نہیں ہیں جن سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ ابو طالب کو یتیم عبداللہ سے بہت محبت تھی۔ جو چچا اپنی بیٹی ایک یتیم بھتیجے کے نکاح میں نہیں دے سکتا بلکہ الٹا یہ جواب دیتا ہے کہ

''معزز لوگوں کے میل کے معزز لوگ ہی ہوتے ہیں۔''

روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنے چچا کے اس جواب سے اس قدر رنج اور صدمہ ہوا کہ آپ ﷺ نے اس پر خفگی کا اظہار فرمایا۔ (**فعاتبہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم**) (الاصابہ: ۳/ ۵۰۳)

Marfat.com

ابو طالب نے رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر ہبیرہ بن ابی وہب کے ساتھ اپنی بیٹی کا نکاح کیوں کر دیا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ بنومخزوم کا قبیلہ اس زمانہ میں قریش میں دولت اور ثروت، اثر ورسوخ اور عددی قوت کے لحاظ سے ایک ممتاز اور مقتدر خاندان سمجھا جاتا تھا۔ اس خاندان کے پاس منصب العدل بھی تھا۔ تمول اور دریا دلی اور لیاقت اور صلاحیت وغیرہ میں یکتا سمجھا جاتا تھا۔ (وھو الوحید) (کتاب نسب قریش: ص ۳۰)

اسی خاندان کا ایک فرد ولید بن المغیرہ مخزومی (والد خالد رضی اللہ عنہ بن ولید) اپنی سخاوت اور مہمان نوازی میں اس زمانہ میں نہایت شہرت رکھتا تھا۔ اسی ولید کا ایک بھائی ہشام بن المغیرہ بھی اپنی سخاوت اور مہمان نوازی کے باعث اس زمانے میں نہایت شہرت رکھتا تھا۔ اس کا مہمان خانہ ہر وقت کھلا رہتا تھا اور ہر آنے جانے والے کو کھانے پینے کا اذن عام تھا۔ جس سال اس کی وفات ہوئی، قریش اسی سال سے واقعات کا تعین کرتے تھے۔ چنانچہ لکھا ہے:

''بے شک قریش ہشام کی موت سے تاریخ شروع کرتے اور کہتے کہ یہ واقعہ اس سال ہوا جب ہشام فوت ہوا۔'' (کتاب نسب قریش: ص ۳۰۱، کتاب المحبر: ص ۱۳۹)

اسی ہشام کا بیٹا ابوجہل تھا جو رسول اللہ ﷺ کا بدترین دشمن تھا۔ اس خاندان کے اس دنیوی اقتدار اور اعزاز کی وجہ سے ابو طالب نے اپنی لڑکی کا نکاح سرکار دو عالم ﷺ کے بجائے اس خاندان کے شخص ہبیرہ سے کر دیا۔

ابو طالب کا یہ داماد ان بدبخت اور بدطینت لوگوں میں سے تھا جنہوں نے اپنی پوری زندگی رسول اللہ ﷺ کو ایذا دی۔ یہ شاعر بھی تھا اس وجہ سے وہ اپنے اشعار کے ذریعے آپ کی ہجو بھی کرتا۔ اور اشعار اس زمانے کا میڈیا تھا۔ (ملاحظہ ہو انساب الاشراف: ۱/۱۵۶)

جنگ بدر میں یہ بدبخت ہبیرہ کفار کے میمنہ کی اور اس کا بہنوئی زمعہ بن الاسود میسرہ کی کمان کر رہا تھا۔ (کتاب المغازی: ۱/۵۸)

زمعہ کو تو سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا لیکن یہ بدبخت ہبیرہ بچ نکلا۔

معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بھی اپنے باپ کی اس حرکت کا احساس تھا۔ چنانچہ فتح مکہ کے روز ام ہانی کا شوہر ہبیرہ بھاگ گیا اور اپنی بیوی اور بچوں کو بے سہارا چھوڑ گیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! ام ہانی اب چونکہ اسلام لا چکی ہے لہٰذا اگر قرابت کے ساتھ رشتہ مناکحت بھی ہو جائے تو کیا ہی اچھا ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کی یہ تجویز منظور فرما کر پیغام نکاح بھیجا، لیکن اس پیام کے جواب میں ام ہانی نے کہا:

Marfat.com

''میں زمانہ جاہلیت میں آپ کی ذات سے انس ومحبت کرتی تھی تو زمانہ اسلام میں اس کا کیا ہی کہنا، لیکن میں اب بال بچوں والی ہوں اور اسے براجانتی ہوں کہ آپ کی زحمت کا باعث بنوں۔'' (کتاب المحبر: ص ۹۸، الاصابہ: ۵۰۳/۳، طبقات ابن سعد: ۱۵۲/۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا یہ عذر قبول فرماتے ہوئے اس کی تعریف فرمائی۔ سیدہ ام ہانی نے اپنے کافر شوہر سے علیحدگی کے بعد 40 برس بیوگی میں گزار دیئے۔ ان کے بڑے بیٹے جعدہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے داماد تھے اور آپ کے عہد خلافت میں خراسان کے گورنر ہوئے۔

اس واقعہ سے ابو طالب کی یتیم عبداللہ سے محبت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ تاریخ میں جن واقعات میں ابو طالب کی حمایت کا ذکر ہے کہ انہوں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت کی، اگر ان واقعات کی گہرائی میں جا کر دیکھیں تو ان میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استقلال کی حمایت ہے اور قبیلۂ قریش کے سردار ہونے کے ناطے سے حمایت ہے، ایک چچا ہونے کی وجہ سے حمایت کا پہلو زیادہ نہیں جھلکتا۔ اس وجہ سے خواجہ عبدالمطلب جیسے دانش منداور صاحب عقل وخرد سے ایسی غیر دانش مندانہ اور ناعاقبت اندیش بات کی توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ ابو طالب جیسے قلاش و نادار شخص کو یتیم عبداللہ کا کفیل بنا کر گئے ہوں، ابو طالب چونکہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے والد تھے، اس لیے نبوت کو ابو طالب کا احسان مند ثابت کرنے کے لیے اس قسم کی روایات تراشی گئیں۔ وہ روایات زیادہ محمد بن اسحاق سے مروی ہیں۔ محمد بن اسحاق کے دادا یسار بن خیار نسلی طور پر ایرانی تھے۔ سنہ 12ھ میں معرکہ عین التمر میں وہ قیدیوں کے زمرہ میں آئے اور قیس بن مخرمہ بن عبدالمطلب بن عبد مناف کے غلام ہوئے۔ انہی کے پوتے محمد بن اسحاق سنہ 85ھ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ ایرانی خدوخال کے خوب صورت جوان تھے۔ جوانی کی مستی میں عیش بازی کرنے لگے۔ گورنر مدینہ نے کوڑے لگوائے۔ سنہ 105ھ میں یہ مدینہ منورہ سے نقل مکانی کر کے اسکندریہ چلے گئے۔ وہاں سے کوفہ، الجزیرہ، رے اور حیرہ ہوتے ہوئے ابو جعفر منصور عباسی کے پاس بغداد پہنچے۔ ان کے صاحبزادے المہدی العباسی کے لیے سیرت پر عظیم کتاب لکھ کر پیش کی۔ ابن نمیر کا قول ہے کہ ''مجہول لوگوں سے لغو روایات بیان کرتا ہے۔'' (انہ یحدث عن المجھولین) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''وہ دجالوں میں سے ایک دجال تھا۔'' (میزان الاعتدال: ۲۱/۳) یحییٰ بن سعید القطان فرماتے ہیں: ''اشھد ان محمد اسحاق کذاب'' ابو طالب کی کفالت کا ماخذ انہی کی کتاب ہے۔ دوسرے اصحاب السیر اور مؤرخین نے انہی کی کتاب سے روایات اپنی کتابوں میں نقل کی ہیں۔ پھر بعد والے سیرۃ

Marfat.com

نگار مکھی پر مکھی مارتے چلے آئے۔

بہر حال یہ ابو طالب کی سرپرستی اور کفالت کا ایک تاریخی، روایتی، درایتی اور منطقی تجزیہ تھا جو پیش کیا گیا۔ ہو سکتا ہے کہ بعض احباب کو اس سے اختلاف ہو۔ اور اختلاف ہر صاحب علم کا حق ہے البتہ مخالفت جائز نہیں۔ اور اختلاف اور مخالفت میں بہت فرق ہے۔ اس بحث سے یہ بھی واضح ہو گیا ابو طالب کا نبوت پر کوئی احسان نہیں بلکہ نبوت کا ابو طالب پر احسان ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو طالب کے مالی بوجھ کو کم کرنے کے لیے ایک بچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو خود اپنی کفالت میں لے لیا اور دوسرا بچہ جعفر اپنے چچا عباس بن عبد المطلب کی کفالت میں دے دیا۔

(طبری: ۲/ ۵۷، زرقانی: ۱/ ۲۸۰، ابن ابی الحدید: ۱/ ۱۵)

بہر حال عام روایت کے مطابق خواجہ عبد المطلب کے انتقال کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی آغوش کفالت میں آگئے اور اپنے بھائی عبد اللہ کے بیٹے ہونے کی وجہ سے آپ کی تربیت و پرورش کی لیکن افسوس کا مقام یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عام روایت کے مطابق ابو طالب کی اتنی محبت اور شفقت ہونے کے باوجود اور اتنی خارق عادات باتیں دیکھنے کے باوجود دولت ایمان اور نعمت اسلام سے محروم رہے، اور خارق عادت باتوں کے ساتھ یہ بات بھی نہایت عجیب و غریب تھی اور ابو طالب ہر روز اس کا مشاہدہ بھی کرتے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر وقت صاف ستھرے رہتے جب کہ ابو طالب کے اپنے بچے صبح کو اٹھتے تو کسی کی آنکھ چپکی ہوتی، کسی کی ناک گندی ہوتی لیکن محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منہ صاف جیسے کسی نے ابھی دھویا ہو، دانت موتیوں کی طرح چمکتے ہوئے، چہرہ روشن، آنکھیں سرمگیں، ناک پونچھی ہوئی اور ناک کے بانسے پر نور چمکتا ہوتا۔

(البدایہ والنہایہ: ۲/ ۲۸۲، طبقات ابن سعد: ۱/ ۲،۷۶/ ۱۱۱)

ابو طالب کا دولت ایمان سے محروم رہنا بھی اس بات کی بین دلیل ہے کہ ابو طالب کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت نہ تھی۔ اگر کوئی محبت تھی تو محمد بن عبد اللہ سے تھی، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہ تھی۔ جمہور مفسرین، محدثین، اہل سیر اور اہل تاریخ نے تصریحاً بیان کیا ہے کہ ابو طالب دولت ایمان سے محروم رہے۔ حافظ ابن حجر نے الاصابہ: ۴/ ۱۱۵۔ ۱۱۹، حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ: ۳/ ۱۲۲۔ ۱۲۶ اور اپنی تفسیر: ۱/ ۳۹۴۔ ۳۹۵ میں دلائل سے اس بات کو ثابت کیا ہے۔ موجودہ زمانہ میں بعض حضرات نے ابو طالب کے ایمان کو ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے اور انہوں نے جو روایات پیش کی ہیں وہ سب کمزور اور ضعیف ہیں۔ اور قاعدہ ہے "القوی لایؤثر فیه مخالفه الضعیف" (شرح نخبۃ الفکر: ص ۴۴)

Marfat.com

بچپن سے جوانی تک

بچپن کے ایام خواجہ عبدالمطلب کی سرپرستی میں گزرے۔ ان کی وفات کے بعد آپ اپنے تایا ابا زبیر بن عبدالمطلب کی کفالت اور سرپرستی میں رہے۔ بچپن میں آپ کی عادات عام بچوں کی طرح نہیں تھیں بلکہ ان سے بہت مختلف تھیں۔ زمانہ طفولیت اور لڑکپن میں بھی آپ کی زندگی ایک عارفانہ زندگی تھی۔ علامہ سید محمود آلوسی مفتی بغداد نے اپنی تفسیر روح المعانی میں نقل کیا ہے کہ ابو طالب کا بیان ہے کہ اگر کبھی رات کو میری آنکھ کھلتی تو میں آپ ﷺ کو بستر پر نہ پاتا۔ میرے تلاش کرنے پر وہ آواز دیتے کہ میں یہاں ہوں۔ ہماری عادت تھی کہ کھانے پینے کے وقت کسی کا نام نہ لیتے اور نہ حمد کرتے لیکن محمد ﷺ کھانا شروع کرنے سے پہلے "بسم اللہ الاحد" پڑھا کرتے اور جب کھانے سے فارغ ہوتے تو "الحمدللہ" فرماتے۔ اس لڑکپن میں آپ کے یہ عارفانہ جذبات مجھے ورطۂ حیرت میں ڈال دیتے۔ میں نے آپ کو لڑکپن میں غلط بیانی یا کسی کی غیبت کرتے یا قہقہہ مار کر ہنستے یا لڑکوں کے ساتھ کھیلتے کبھی نہ دیکھا۔

اصل یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام عالم طفولیت میں بھی جسمانیات سے بے پروا ہوتے ہیں۔ شرعیات اور آسمانی دین سے بے خبر ہونے کے باوجود ان پر روحانیت اور توجہ الی اللہ کا غلبہ رہتا تھا، کیونکہ اگر یہ نفوس قدسیہ خوردسالی میں اپنے جذبات اور معیشت میں دنیا والوں سے ممتاز نہ ہوتے تو جب وہ بڑی عمر میں دعویٔ نبوت کرتے اور بلوغت سے قبل اگر ان کی زندگی پاکیزہ نہ ہوتی تو مخالفین کی طرف سے وہ مختلف اعتراضات کا ہدف بنتے، لہٰذا ضروری تھا کہ انبیاء علیہم السلام کی ابتدائی زندگی بھی دوسرے لوگوں سے ممیز اور فائز ہو۔ چنانچہ آپ ﷺ کے سینہ میں اللہ جل شانہ نے اپنی محبت کی ایسی آگ روشن کر دی جو آپ کو عالم طفولیت میں بھی غافل ہو کر سونے نہ دیتی۔

آپ کے لڑکپن میں بھی آپ کو کچھ خصوصیات حاصل تھیں کہ آپ کے سمع و بصر کا دامن ہمیشہ پاک رہا۔ جہاں بتوں کے سامنے سجدہ ریزی عین دین سمجھی جاتی تھی وہاں اس

Marfat.com

پاکیزہ مزاج نوجوان نے نہ غیر اللہ کے سامنے کبھی سر جھکایا اور نہ اعتقاداً کوئی مشرکانہ تصور اپنے اندر جذب کیا۔ (البدایہ والنہایہ: ۲/ ۲۸۸)

حربِ فجار:

امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ''فِجار'' فا کی زیر کے ساتھ ہے کیونکہ اس جنگ میں انہوں نے حرمت والے مہینوں کی حرمت کو پاش پاش کیا تھا۔

(الروض الانف: ۱/ ۲۰۹، عیون الاثر: ۱/ ۱۱۳)

فجار فاجر کا مصدر ہے اور باب مفاعلہ کا مصدر فعال اور مفاعلہ کے وزن پر آتا ہے جیسے قاتل کا مصدر قتال اور مقاتلہ اور ناقش کا مصدر نقاش اور مناقشہ، فجار کا مطلب ہے دو فریقوں کا فجور کا ارتکاب کرنا۔ (خاتم النبیین، لابی زہرہ: ۱/ ۱۴۹)

زمانہ جاہلیت میں اہل عرب چار مہینوں یعنی ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب کو حرمت والے مہینے تسلیم کرتے تھے، اور ہر قبیلہ ان چار مہینوں کا احترام کرتا۔ ان میں سے ایک مہینہ ذی الحجہ تو مناسک حج کے لیے تھا۔ ذی قعدہ حج پر جانے کے لیے اور محرم حج سے واپس لوٹنے کے لیے، اور رجب سال کے وسط میں تجارتی مشاغل یا خانگی امن وسکون کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔ بنو قیس نے جن کا ایک آدمی عروہ بن عتبہ قتل ہو گیا تھا، حرمت والے مہینوں کے احترام کو بالائے طاق رکھ کر ماہ ذی قعدہ میں لڑائی شروع کر دی۔ اس وجہ سے اس جنگ کا نام ''حرب فجار'' رکھا گیا یعنی عدوان اور عصیان کی جنگ۔

یہ جنگ شروع ہوئی تو عبداللہ بن جدعان کی کوششوں سے یہ جنگ بند ہو گئی لیکن پھر ایک روز ماہِ شوال میں رزم و پیکار کا یہ سلسلہ اچانک شروع ہو گیا۔ کچھ خاندانی عزت و وقار کا مسئلہ بھی تھا اس وجہ سے قریش نے اس لڑائی میں بھرپور حصہ لیا اور ہاشمیوں میں سے ان کے سردار زبیر بن عبدالمطلب اور آپ کے دوسرے چچا حمزہ اور عباس بھی اس جنگ میں شریک تھے۔ تمام قریش کی قیادت ابوسفیان کے والد حرب بن امیہ کے ہاتھ میں تھی۔ بالآخر عتبہ بن ربیعہ کی وجہ سے فریقین کی اس بات پر صلح ہو گئی کہ دونوں طرف کے مقتول شمار کیے جائیں۔ جس فریق کے مقتول زیادہ ہوں وہ دوسرے سے بقدر زیادت خون بہا وصول کرے۔ بنو قیس کے زیادہ آدمی مارے گئے تھے اس لیے قریش اور بنو کنانہ نے اپنے چالیس آدمی جن میں سیدہ خدیجہ سلام اللہ علیہا کے خواہرزادہ حکیم بن حزام بھی تھے، بطور خون بہا بنو قیس کے حوالے کر دیے۔ لیکن

Marfat.com

بنوقیس نے خون بہا معاف کر کے ان سب کو رہا کر دیا۔ اس طرح اس جنگ کا خاتمہ ہو گیا۔
(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو عیون الاثر: ۱/۱۱۳، روض الانف: ۱/۲۰۹، مسعودی: ۲/۲۷۵، تاریخ الاسلام ذہبی: ۱/۶۱)

اس جنگ کے وقت رسول اللہ ﷺ نے ابھی اعلان نبوت نہیں فرمایا تھا۔ بامر مجبوری آپ کو اپنے چچاؤں کے ساتھ کھڑا ہونا پڑا لیکن آپ نے کسی شخص پر ہاتھ نہیں اٹھایا بلکہ آپ کا ارشاد ہے کہ میں صرف اپنے چچاؤں کو دشمن کے تیروں سے بچاتا تھا۔
(خاتم النبیین، استاذ ابوزہرۃ: ۱/۱۵۱)

مختصر یہ کہ آپ نے اس جنگ میں کوئی عملی حصہ نہیں لیا۔
(روض الانف: ۱/۱۲۰، طبقات ابن سعد: ۱/۱۲۸)

حِلف الفضول:

یہ جنگ عتبہ بن ربیعہ کی تجویز پر بند تو ہو گئی لیکن جنگ کے بعد جب قریش نے اپنے گریبانوں میں جھانک کر دیکھا تو انہیں محسوس ہوا کہ ان کے بعض افراد میں جاہ و منصب کی ہوس کا مرض ہے۔ قریش میں ہوسِ منصب و جاہ کی یہ بدذوقی ہاشم اور خواجہ عبدالمطلب کے انتقال کے بعد پیدا ہوئی، اور یہ بات کسی قوم کے زوال کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ ایک روز ایسا ہوا کہ قبیلہ بنوزبید کا ایک شخص کچھ مال تجارت لایا جس کو عاص بن وائل نے خرید لیا لیکن قیمت ادا نہ کی۔ فروخت کنندہ نے قیمت وصول کرنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ آخر یاس و ناامیدی میں اس نے ایک روز جبل بوقبیس پر چڑھ کر اپنی مظلومی کے بارے میں بآواز بلند نہایت دردناک شعر پڑھے۔ اس شخص کی اس فریاد سے مکہ کے ہمدرد اور نیک طبع لوگوں کے دلوں میں ایک ارتعاش پیدا ہوا اور ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبہ نے انگڑائی لی۔ آخر کار چند لوگوں نے مل کر مظلوموں اور ستم زدہ لوگوں کی خیر خواہی اور ہمدردی، بداخلاقیوں کے انسداد اور سدھار کی ایک تحریک چلائی۔ اس تحریک کے اصلی محرک رسول اللہ ﷺ کے تایا ابا زبیر بن عبدالمطلب تھے۔ وہ اس شخص کی نوحہ وزاری سن کر بےقراری میں کھڑے ہو گئے۔ اس سے قبل بھی معاشرہ کی ان خرابیوں اور قتل و غارت گری، ظلم و ستم اور جبر و استبداد کے لیے ملک و قوم کی بہتری اور خیر خواہی کے لیے فضل بن فضالہ، فضل بن وداعہ اور فضل بن حارث نے ایک معاہدہ مرتب کیا تھا جو انہیں کے نام پر "حلف الفضول" کے نام سے مشہور ہو گیا۔ (السیرۃ النبویہ لابن کثیر: ۱/۲۶۱)

Marfat.com

بعض حضرات کے نزدیک اس معاہدہ کو ''حلف الفضول'' اس لیے کہتے ہیں کہ اس معاہدہ کے ذریعہ انہوں نے ایک افضل کارنامہ سرانجام دیا۔ (ایضاً)

زبیر بن عبدالمطلب نے تمام عمائدین قریش کو ساتھ لے کر اس معاہدہ کی دوبارہ تجدید کی۔ زبیر بن عبدالمطلب نے اپنی اس تحریک کی تائید میں پانچ قبائل کے سربرآوردہ احباب کو عبداللہ بن جدعان کے وسیع و عریض مکان میں جمع کیا۔ وہ خاندان حسب ذیل تھے:

① سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان — بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب
② آپ ﷺ کی والدہ سیدہ آمنہ کا خاندان — بنو زہرہ بن کلاب
③ ام المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا خاندان — بنو اسد
④ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خاندان — بنو تیم بن مرہ

رسول اللہ ﷺ بھی اپنے بزرگوں کے ساتھ عبداللہ بن جدعان کی اس دعوت میں شریک تھے اور آپ نے اس تحریک میں سرگرم حصہ لیا۔ اس وقت آپ کی عمر بیس سال سے متجاوز تھی۔

اس معاہدہ میں سب نے مظلوم کی نصرت وحمایت کا عہد کیا تھا، خواہ مظلوم اپنا ہو یا پردیسی۔ (طبقات ابن سعد: ۱/۸۲)

اس معاہدہ کے بعد سب حلف اٹھانے والے عاص بن وائل کے پاس گئے اور اس سے زبیدی کا مال لے کر اس کو واپس دلایا۔ (السیرۃ النبویہ: ۱/۲۵۹، الروض الانف: ۱/۹۲)

اس معاہدہ کے بارے میں زبیر بن عبدالمطلب نے مندرجہ ذیل اشعار کہے:

ان الفضل تعاقدوا وتحالفوا — الا یقیم ببطن مكة ظالم
امر علیه تعاقدوا وتواثقوا — فالجار والمعتر فیهم سالم

یعنی معاہدہ ''حلف الفضول'' منعقد کرنے والوں نے حلف اٹھایا کہ مکہ میں کوئی ظالم نہیں ٹھہر سکے گا۔ اس معاہدہ پر سب نے پختہ عہد کیا اس وجہ سے مقامی اور بیرونی سب یکساں محفوظ ہیں۔ (السیرۃ النبویہ: ۱/۲۶۰)

حلف الفضول کا واقعہ اعلان نبوت سے 20 سال قبل اور حرب الفجار سے چار ماہ بعد ماہ ذی قعدہ میں رونما ہوا۔

Marfat.com

گلہ بانی اور تجارت

رسول اللہ ﷺ نے ایک تو بچپن میں اپنے رضاعی بھائیوں کے ساتھ سیدہ حلیمہ کے ہاں بکریاں چرائیں۔ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مقام الظہران میں ہم سرکار دو عالم ﷺ کے ساتھ تھے کہ فاقہ کش صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک جنگل میں پہنچ کر پیلو کا پھل توڑ کر کھانے لگے۔ آپ نے فرمایا: ''یہ پھل اگرچہ سیاہ ہوتا ہے لیکن نہایت لذیذ اور خوش ذائقہ ہوتا ہے۔'' ہم نے عرض کی: ''یا رسول اللہ! آپ کو کیسے معلوم ہوا؟'' آپ نے فرمایا: ''یہ میرا اس زمانے کا تجربہ ہے جب میں بکریاں چرایا کرتا تھا۔'' عرض کیا: ''یا رسول اللہ کیا آپ بھی بکریاں چرایا کرتے تھے؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں۔'' کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ (بخاری: ۱/۳۰۱، ابن ماجہ، رقم: ۲۱۴۹)

اس بارے الاستاذ ابوزہرہ نے لکھا ہے کہ

''قراریط بکریوں کے دودھ کا وہ حصہ ہے جو سرکار دو عالم ﷺ اجرت کے طور پر لیا کرتے تھے جو ابو طالب کے اہل وعیال کے ساتھ بطور غذا استعمال فرمایا کرتے۔''

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو کسی کام سے جو اجرت ملتی آپ اس سے ابوطالب کے اہل وعیال کو پالتے کیونکہ حضور ﷺ کا یہ چچا بہت غریب تھا۔

تجارت:

سرکار دو عالم ﷺ عمر کی 25 منزلیں طے کر کے عنفوانِ شباب میں تھے تو گلہ بانی سے آگے بڑھ کر آپ نے میدان تجارت میں قدم رکھا۔ تجارت کے میدان میں آپ کی آمد دولت اکٹھی کرنے کے لیے نہیں تھی کیونکہ آپ کی طبیعت قناعت پسند تھی۔ آپ تو جو کچھ کر

Marfat.com

رہے تھے، ابو طالب کی اولاد کے لیے کر رہے تھے۔ آپ دنیا کے تمام مادی میلانات اور رجحانات سے بے تعلق تھے۔ جب تک اس دنیا میں رہے دوسروں کو تو لعل و گہر بخشتے رہے لیکن اپنا چولہا مہینوں تک ٹھنڈا رہا ؎

ہیں دوسروں کے واسطے لعل و زر و گہر
اور اپنا یہ حال ہے کہ ہے چولہا بجھا ہوا

آپ کی طبیعت میں مال و دولت کی کوئی خواہش نہ تھی۔ خود ایک موقع پر فرمایا:

((نحن قوم لانا کل حتی نجوع واذا اکلنا لا یشبع))

''ہمارا تعلق اس طبقہ سے ہے جو اشتہاء سے قبل کھانے پر ہاتھ نہیں ڈالتے اور کبھی شکم سیر ہو کر نہیں اٹھتے۔''

میدان تجارت میں قدم رکھنے سے آپ کی غرض حصول دولت نہ تھی بلکہ ایک تو کثیر العیال اور قلیل المال چچا ابو طالب کی اعانت و امداد اور دوسرے دنیا کو دیانت و امانت، راست بازی اور سچائی کے اصول سکھانے تھے۔ تیسری غرض یہ تھی کہ چونکہ چند سالوں کے بعد آپ کو ایک بہت بڑا مشن سونپا جانا تھا، لہٰذا اپنے تعلقات میں وسعت پیدا کرنے اور لوگوں کو آزمانے اور پرکھنے کا تجربہ حاصل ہو۔

نبوت سے قبل بھی آپ کی زندگی ایک نہایت پاکیزہ اور پوِتر زندگی تھی، لیکن تاریخ کی یہ پرانی عادت ہے اور یہ عادت بہت ہی تکلیف دہ اور مایوس کن ہے کہ کسی شخص کی زندگی کے واقعات قلم بند کرنے کے لیے وہ اسی وقت قلم اٹھاتی ہے جب وہ شخص ایک تاریخی انسان بن چکا ہوتا ہے اس سے پہلے اس کے قلم کو جنبش نہیں ہوتی۔ اس نے یتیم اور نورِ نظر عبداللہ کے بارے میں بھی اسی بخل سے کام لیا اور تمام واقعات سے اپنے دامن کو سمیٹنے اور قلم کو حیطۂ تحریر میں لانے سے روکے رکھا جو محمد رسول اللہ ﷺ کی روزمرہ کی زندگی میں پیش آتے رہے اور جو قریش کے گردن درازوں کو متاثر کرتے رہے۔ نہ صرف متاثر کرتے رہے بلکہ انہیں ان کا گرویدہ بنا دیا، اور وہ آپ کا ''الصادق'' اور ''الامین'' کے سوا کوئی نام لینا بے ادبی سمجھنے لگے۔ یہ دو لفظ یہاں تک زبانوں پر چڑھ گئے کہ انہوں نے ایک قومی لقب کی حیثیت اختیار کر لی۔

چنانچہ ابن سعد نے طبقات میں آپ کی ایک نہایت خوبصورت تصویر ان الفاظ میں پیش کی:

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عالم شباب میں قدم رکھا تو آپ انسانیت اور مروّت کے اعتبار سے اپنی قوم میں سب سے زیادہ ممتاز، اخلاق میں سب سے اعلیٰ، میل

Marfat.com

جول میں سب سے زیادہ فرحت بخش، ہمسائیگی میں سب سے زیادہ کریم اور خوشگوار، حلم وتحمل کا پیکر مجسم، گفتگو میں صادق اور راست گو، فحش وایذا میں کوسوں دور بھاگنے والے، بردباری میں بے مثال، تواضع اور منکسر المزاجی میں باکمال، ہر ایک کے ہمدرد اور بہی خواہ، وعدہ کے پکے اور انتہاء درجہ کے امانت دار، گویا کہ خداوند قدوس نے ان کی ذات والا صفات میں تمام امور صالحہ اور اخلاق فاضلہ مرتکز کر دیئے تھے۔ اسی بنا پر قوم نے آپ کو ''الامین'' کے معزز لقب اور خطاب سے نوازا۔'' (طبقات ابن سعد:۱/۱۲۱)

ابن سعد نے گویا ''الامین'' کی تعریف کر دی کہ ''الامین'' اس کو کہتے ہیں جس میں یہ ساری صفات پائی جائیں۔

رسول اللہ ﷺ کے عبداللہ بن ابی الحمساء کے ساتھ کچھ تجارتی روابط تھے جس کا ذکر سنن ابی داؤد باب العدہ من کتاب الادب میں آتا ہے۔

عبداللہ بن سائب ایک صحابی تھے۔ فرماتے ہیں کہ میں زمانہ جاہلیت میں محمد ﷺ کا شریک تجارت رہا۔ میں مدینہ منورہ حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: ''مجھے پہچانتے ہو؟'' میں نے عرض کیا: ''کیوں نہیں۔''

كنت شريكي فنعم الشريك لا تداري ولا يماري

(خصائل کبریٰ:۱/۹۱)

''آپ تو میرے شریک تجارت تھے۔ نہ کسی بات کو ٹالتے اور نہ کسی بات پر جھگڑا کرتے۔''

قیس بن ثابت المخزومی بھی اسی طرح کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں آپ میرے شریک تجارت تھے: "**وكان خير شريك لا يماري ولا يشاري**" آپ بہترین شریک تجارت تھے، نہ کبھی جھگڑتے اور نہ کسی قسم کا مناقشہ کرتے۔''

(الاصابہ ترجمہ قیس بن سائب)

کاروباری سلسلہ میں جھگڑا اور مناقشہ نہ کرنا احترام آدمیت کی ایک بہترین مثال ہے تاکہ کوئی شخص دنیوی فائدے کے لیے انسانی اقدار کے احترام کو ختم نہ کر دے۔

اسی دیانت دارانہ تجارت سے متاثر ہو کر قریش کی ایک نہایت معزز اور مال دار خاتون سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے نکاح کی خواہش کا اظہار کیا۔ سیدہ کے والد کا نام خویلد

Marfat.com

تھا۔آپ شرم وحیا کی بیٹی تھیں۔اسی وجہ سے نہ صرف اسلام میں بلکہ زمانہ جاہلیت میں بھی لوگ آپ کو "طاہرہ" کے نام سے پکارتے تھے۔(زرقانی:۱/۱۹۹، فتح الباری: ۷/۱۰۰)

آپ نے سیدہ رضی اللہ عنہا سے مضاربت پر تجارت کی۔آپ کی دیانت وامانت اور صدق فعال کی وجہ سے سیدہ پہلے ہی متاثر تھیں۔سیدہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ میرا مال لے کر شام جائیں۔میں آپ کو دوسروں کی نسبت زیادہ منافع دوں گی۔ آپ نے سیدہ کے اس پیغام کو قبول فرمالیا اور سیدہ خدیجہ کے غلام میسرہ کے ساتھ شام کو روانہ ہو گئے۔آپ نے اس سفر کا اپنے چچا ابو طالب سے ذکر کیا تو وہ بہت خوش ہوئے۔

(عیون الاثر لابن سید الناس: ص ۱۱۶۔۱۱۷)

بعض روایات میں ہے کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے غلام میسرہ کو جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ روانہ کیا تو نہایت تاکید سے فرمایا: "میسرہ! خبردار ان کی نافرمانی نہ کرنا اور نہ ہی ان کی رائے کی مخالفت کرنا۔"

آپ ذی الحجہ کی 16 تاریخ کو شام روانہ ہوئے۔راستہ میں آتے جاتے میسرہ برابر دیکھتا رہا کہ جب گرمی کی نہایت شدت ہوتی تھی تو بادل آکر آپ پر سایہ فگن ہو جاتا۔میسرہ یہ سب باتیں دیکھ کر حیران ہوا اور اس کے قلب میں آپ کی محبت اور عقیدت جاگزین ہوگئی۔

جب آپ واپس تشریف لائے تو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور دوسری خواتین نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ دو بڑے پرندے سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر پر سایہ کر رہے ہیں۔یہ نظارہ دیکھ کر وہ انگشت بدنداں رہ گئیں۔ظاہر ہے کہ وہ فرشتے تھے جو پرندوں کی شکل میں متمثل تھے۔

سیدہ خدیجہ سے نکاح:

شام کے سفر میں سیدہ خدیجہ کا اپنے غلام میسرہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بھیجنے کا اصل مقصد یہ تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طور واطوار اور آپ کے اخلاق کا نہایت گہری نظر سے مطالعہ کرتا رہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب دوسرے لوگوں سے زیادہ منافع کما کر لائے تو سیدہ بہت خوش ہوئیں لیکن سب سے زیادہ خوشی آپ کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف حمیدہ اور خصائل پسندیدہ کو سن کر ہوئی جو میسرہ نے آپ سے بیان کیے، اور آپ کی دیانت داری اور راست گفتاری کی ایسی تعریف کی کہ سیدہ نے "دامان محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" سے اپنے آپ کو وابستہ کرنے کا عزم صمیم کرلیا۔

Marfat.com

سیدہ خدیجہ اس وقت حسب ونسب، مال ودولت، حسن و جمال اور دوسری تمام نسوانی صفات میں ممتاز تھیں اور بڑے بڑے قریش روساء اور صنادید ان کو اپنے حبالۂ عقد میں لانے کے خواہش مند تھے لیکن ذاتِ واجب کی نگاہ میں یہ مقدر تھا کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شرف زوجیت سے سعادت اندوز ہوں۔

اب سیدہ نے خود اپنی ایک سہیلی نفیسہ بنت منیہ کے ہاتھ آپ کو نکاح کا پیغام بھیجا جس کو آپ نے قبول فرمالیا۔ جب سیدہ کو آپ کی رضا مندی کا سندیسہ مل گیا تو سیدہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہلا بھیجا کہ آپ فلاں وقت تشریف لے آئیں۔ آپ نے اپنے چچاؤں کو سیدہ کے اس پیغام کی اطلاع دی۔ ان کی تو خوشی سے باچھیں کھل گئیں۔ سیدہ خدیجہ طاہرہ نے اپنے چچا عمرو بن اسد کو بلا بھیجا کہ آ کر میرا نکاح کر دیجیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روز معین پر اپنے چچا ابو طالب، حمزہ، عباس اور دوسرے رؤسائے بنو ہاشم کی معیت میں سیدہ کے مکان پر پہنچ گئے اور مجلس نکاح منعقد ہوئی۔ سیدہ کے چچا عمرو بن اسد ولی مقرر ہوئے۔ بعض روایات میں ہے کہ نکاح کے وقت سیدہ کے والد خویلد بن اسد بھی موجود تھے، لیکن صحیح قول یہ ہے کہ وہ اس وقت وفات پا چکے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابو طالب نے قبیلہ کے بڑے ہونے کے ناطے خطبہ نکاح پڑھا۔ خطبہ کے اختتام پر سیدہ کے چچا عمرو بن اسد نے کہا: ''اے حاضرین! آپ سب گواہ رہیں کہ میں نے اپنی بھتیجی خدیجہ بنت خویلد کو چار سو مثقال حق مہر پر محمد بن عبداللہ کی زوجیت میں دیا۔ چنانچہ دونوں طرف سے ایجاب وقبول ہو کر نکاح ہو گیا۔

یہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پہلی شادی تھی۔ ان کی وفات پر آپ نے پھر کسی اور خاتون سے شادی نہیں کی۔ آپ کا یہ نکاح سفر شام سے واپسی کے دو ماہ 25 روز بعد ہوا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو الروض الانف: ۱/۱۲۲، وشلہ فی خاتم النبیین، استاذ ابو زہرہ: ۱/۱۶۲، زرقانی: ۱/۱۹۹، سیرۃ ابن ہشام: ۱/۱۹۰، فقہ السیرۃ: ص ۶، فتح الباری: ۷/۱۰۵، عیون الاثر: ۱/۱۱۷ وغیرہ)

سیدہ کے ساتھ نکاح تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابو طالب کے ہاں رہتے تھے اور یہ مکان آپ کی اور آپ کے چچا ابو طالب کی ملکیت تھا۔ سیدہ سے نکاح کے بعد آپ خدیجہ طاہرہ کے دولت کدہ پر تشریف لے گئے۔ یہ مکان آج بھی ''دار خدیجہ'' کے نام سے مشہور ہے۔ یہی وہ برجِ سعادت ہے جہاں سے خورشید امت کی جہاں تاب شعائیں اس ظلمت کدۂ عالم پر ضیافگن ہوئیں اور کئی سال تک وحی الٰہی کا سرچشمہ یہاں موج زن رہا۔ اسی وجہ سے بعض علماء

Marfat.com

کے نزدیک یہ مکہ مکرمہ کا کعبۃ اللہ اور مسجد الحرام کے بعد افضل ترین مقام ہے۔

نکاح کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجارت اور کاروبار کی طرف توجہ کا کتابوں میں کوئی تذکرہ نہیں ملتا، البتہ ہمدردی، خلق، خداترسی اور خدا پرستی کے اوصاف روز افزوں نظر آتے ہیں۔

نکاح کے بعد سیدہ خدیجہ سلام اللہ علیہا خانگی اور اہلی زندگی میں صرف رفیقۂ حیات نہیں رہیں بلکہ قومی اور ملکی خدمات میں بھی آپ کا داہنا ہاتھ بنی رہیں اور اپنی ساری دولت قومی اور ملی کاموں میں صرف کر دی یہاں تک کہ وفات کے وقت آپ کا گھر ایک ایسا گھر تھا جس کا امتیازی نشان ''فقر و فاقہ'' تھا۔ چنانچہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

> ''خدیجہ رضی اللہ عنہا نے میری اس وقت مدد کی جب لوگوں نے مجھے امداد سے محروم رکھا اور اس نے ہر موقع پر میری تصدیق کی اور ہمت بڑھائی جب دوسرے لوگوں نے مجھے جھٹلایا۔''

سیدہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چھ بچے (چار لڑکیاں اور دو لڑکے) پیدا ہوئے۔ پہلے لڑکے کا نام قاسم تھا جس کی نسبت سے آپ کی کنیت ''ابوالقاسم'' تھی۔ سیدہ خدیجہ کے تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ ہو ہماری کتاب ''امہات المومنینؓ''

نکاح کے بعد آپ کی زندگی کا ایک نیا باب شروع ہوا۔ وہ کبھی اپنی صلبی اولاد کو گود میں لے کر باپ ہونے کے تصور سے لطف اندوز ہوتے اور کبھی اس گود میں کھیلے ہوئے لخت جگر اور نور نظر کو اپنے سامنے موت کے آہنی پنجوں میں گرفتار دیکھ کر آنسو بہاتے۔ آج سے شوہر بننے اور باپ ہونے کے دونوں رخ آپ کے سامنے آ گئے اور آپ کی کتاب زندگی کا وہ زریں باب شروع ہوا جس میں آپ 25 سالہ پرسکون شباب میں خودکسی بے عنوانی کے قریب ہو کر نکلے اور نہ اس پُرفتن عہد جوانی کے شعلوں نے آپ کی ذات پر کوئی اثر ڈالا۔ آج سے آپ نے اپنی بے لوث اور عفت مآب جوانی اپنی رفیقۂ حیات سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کی نذر کر دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انہی صفات کی وجہ سے آپ کو متوازن شخصیت کا حامل کہا گیا ہے کہ آپ نے مسرت و حزن، سفر و حضر، غم و الم اور خوشی و مسرت میں انسانی بلندی کی اعلیٰ ترین مثال پیش کی ہے۔ چنانچہ داؤد بن حصین کا بیان ہے کہ

> ''عرب کے لوگ عام طور پر یہ کہتے سنے جاتے تھے کہ محمد بن عبداللہ اس شان سے جوان ہوئے کہ آپ اپنی قوم میں سب سے زیادہ بااخلاق، پڑوسیوں کی خبر گیری کرنے والے، حلیم و بردبار، صادق و امین، جھگڑے سے دور رہنے والے، فحش گوئی

Marfat.com

اور دشنام طرازی سے پرہیز کرنے والے تھے، اسی وجہ سے آپ کی قوم نے آپ کا نام ''الامین'' رکھا تھا۔'' (خصائص کبریٰ: ۱/۹۱)

بیت اللہ تعمیر:

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے چند سال کے بعد سیلاب کے باعث خانہ کعبہ کی عمارت میں دراڑیں پڑ گئیں اور عمارت کے منہدم ہونے کے ساتھ ساتھ خانہ کعبہ میں جمع شدہ تحائف کی چوری کا بھی خطرہ لاحق ہو گیا۔ اس زمانہ میں کعبہ ایک چاردیواری کی شکل میں تھا۔ اس کی دیواریں 9 ہاتھ یعنی 15 فٹ اونچی تھیں اور چھت نہ ہونے کی وجہ سے قیمتی اشیاء چوری ہو جاتی تھیں۔ چنانچہ ابولہب نے سونے کا ہرن چرا لیا۔ (کتاب المعارف لابن قتیبہ)

اسی دوران ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ ایک عورت دھونی سلگا رہی تھی کہ اس کی چلچی میں سے آگ کا ایک پتنگا کعبہ کے پردہ پر گرا جس سے تمام پردے جل گئے اور دیواروں میں دراڑیں پڑ گئیں۔ ان شکستہ دیواروں پر سیلاب کے پانی کے زور نے اس کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا۔

(سیرۃ الحلبیہ: ۱/۱۵۲، بخاری: ۱/۵۴۱)

اب یہ طے پایا کہ اس کی عمارت کو گرا کر از سر نو تعمیر کیا جائے، لیکن اس منصوبہ کے لیے جو رقم اکٹھی کی گئی وہ کم تھی۔ چنانچہ جب عمارت کی وسعت اور چندہ کی قلت کا موازنہ کیا گیا تو خانہ کعبہ کے نقشہ میں ترمیم کی گئی۔ مدوّر و مستطیل عمارت کے بجائے مربع عمارت کا نقشہ پاس کیا گیا اور ایک جانب قریباً سات ہاتھ کا حصہ جو گولائی لیے ہوئے تھا، وہ کعبہ کی عمارت سے خارج کر دیا گیا۔ جنوبی جانب کا ایک کونہ جو کچھ نکلا ہوا تھا، اس کو سیدھ میں رکھا گیا۔ دیواریں پہلے نو ہاتھ اونچی تھیں، اب ان کی بلندی دگنی یعنی اٹھارہ ہاتھ کر دی گئی۔ یہ قریباً 15 گز x 15 گز کا مربع احاطہ بن گیا۔ اس پر چھت ڈالنے کے لیے تین تین ستونوں کی دو لائنیں کھڑی کی گئیں یعنی چھ ستونوں پر چھت ڈالی گئی۔ دروازے کی چوکھٹ جو پہلے زمین کے ساتھ تھی اب اس کو زمین سے کافی اونچا رکھا گیا تا کہ لوگ بے دھڑک داخل کعبہ نہ ہو سکیں اور جن کو منتظمین کعبہ روکنا چاہیں، روک سکیں۔ (بخاری: ۱/۲۱۵، سیرۃ حلبیہ: ۱/۱۵۶، طبقات ابن سعد: ۱/۹۴_۹۵)

مختصر یہ کہ ترمیم شدہ نقشہ کے مطابق خانہ کعبہ کی عمارت کو گرا کر از سر نو تعمیر کیا گیا لیکن جب حجر اسود کو دیوارِ کعبہ میں نصب کرنے کا وقت آیا تو ہر ایک قبیلہ کو اپنی شان اور عظمت یاد آ گئی۔ ہر قبیلہ کی یہ خواہش تھی کہ یہ تاریخی عظمت اس کے ہاتھ آئے۔ قبائل کا یہ اختلاف اور

Marfat.com

جھگڑا اس حد تک بڑھا کہ بنو عبدالدار اور بنو عدی نے اس کے لیے موت کا حلف اٹھا لیا۔ قریب تھا کہ تلواریں بے نیام ہو جائیں اور کشت و خون کا بازار گرم ہو، اور یہ کوئی حیرانی کی بات بھی نہ تھی کیونکہ جہالت آشنا اور گم کردہ راہ اقوام ایسا ہی کرتی ہیں۔ چار پانچ روز اس کشمکش میں گزر گئے۔ آخر ایک قریش رئیس ابو امیہ بن المغیرہ جو سرکار دو عالم ﷺ کی پھوپھی عاتکہ کے شوہر تھے، کی یہ تجویز منظور کر لی گئی کہ جو شخص سب سے پہلے ''باب بنی شیبہ'' (اس کو پہلے باب بنی عبد شمس کہا جاتا تھا اور اب اس کا نام ''باب السلام'' ہے۔) (سیرۃ الحلبیہ: ۱/۱۵۶) سے مسجد حرام میں داخل ہو، اس کو ثالث اور حکم تسلیم کر لیا جائے۔ اس تجویز کو سب قبائل نے متفقہ طور پر قبول کر لیا۔ سرور کائنات ﷺ جو رات کے آخری حصہ میں بیدار ہو کر عبادت الٰہی کے لیے مسجد حرام میں آنے کے عادی تھے، سب سے پہلے اس دروازہ سے مسجد حرام میں داخل ہوئے۔ یہ قریش کی خوش نصیبی تھی کہ سب سے پہلے مسجد میں وہ داخل ہوا جس کی خوبیوں کے سب معترف تھے۔ چنانچہ سب نے بیک زبان کہا:

ھذا محمد الامین رضینا، ھذا محمد الامین

''یعنی یہ تو محمد الامین ہیں، ہم ان کے ثالث ہونے پر راضی ہیں، یہ تو محمد الامین ہیں۔''

آپ ﷺ نے اس تنازعہ کو ایسا سلجھایا کہ سب قبائل حیران بھی رہ گئے اور راضی بھی ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: ایک چادر لاؤ۔ جب چادر لائی گئی تو آپ نے چادر کو بچھا کر اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو اٹھا کر اس چادر کے درمیان میں رکھا۔ اس کے بعد فرمایا کہ ہر قبیلہ کے سربرآوردہ افراد اس چادر کا ایک ایک کونہ پکڑ لیں اور جہاں اس کو نصب کرنا ہے وہاں تک لے چلیں۔ آپ کے اس حکم کی تعمیل کی گئی۔ جب وہ چادر میں رکھے ہوئے حجر اسود کو اس کے مقام نصب تک لے کر پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ اب تمام لوگ مجھ کو اس کے مقام پر رکھنے کے لیے اپنا وکیل بنا دیں۔ چونکہ وکیل کا فعل موکل کا فعل متصور ہوتا ہے، لہٰذا سب نے اس کو منظور کر لیا اور آپ ﷺ نے سب کی طرف سے اپنے مبارک ہاتھوں سے حجر اسود اٹھا کر اس کو خانہ کعبہ کے مقام پر رکھ دیا، اور اس طرح ایک پیچیدہ گتھی آپ کے ناخن تدبیر سے احسن طریق سے سلجھ گئی اور اس طرح ایک نہایت خوفناک جنگ ٹل گئی۔ چونکہ آپ پیغمبر امن ہونے والے تھے۔ اس وجہ سے آپ نے یہاں بھی مختلف قبائل کی خون آشام تلواروں کو نیام میں کروا کر ان میں غصہ و نفرت کے بجائے اتحاد و اتفاق اور

Marfat.com

یک جہتی کے جذبات ابھارے جس کی ہماہمی میں خانہ خدا کی باقی ماندہ تعمیر مکمل کی گئی اور تمام لوگ آپ کی ثناء و منقبت میں رطب اللسان ہوئے۔

(سیرۃ ابن ہشام: ۱/۲۲۱۔۲۲۸، السیر والمغازی لابن اسحاق: ص ۱۰۳۔۱۰۸، نہایۃ الارب: ۱۶/۹۹۔۱۰۳، طبقات ابن سعد: ۱/۱۴۵۔۱۴۶، عیون الاثر لابن سید الناس: ۱/۱۵، اخبار مکہ ازرقی: ص ۱۵۸۔۱۶۴، تاریخ الاسلام ذہبی: ۱/۶۸)

قریش کے پاس حلال اور پاکیزہ مال کی کمی ہوگئی اس لیے انہوں نے خانہ کعبہ کی عمارت شمال کی طرف سے قریباً چھ ہاتھ کم کر دی اور یہی ٹکڑا حجر اور حطیم کہلایا۔ اس میں نماز پڑھنا ایسا ہی ہے جیسا کہ بیت اللہ کے اندر نماز پڑھنا جس پر بعض بڑے لوگ فخر کرتے ہیں۔ اللہ نے غریبوں کے لیے بھی اپنی رحمت کا دروازہ کھول دیا کہ حطیم میں نماز پڑھ لو۔ ثواب اتنا ہی ہے جتنا بیت اللہ کے اندر نماز پڑھنے کا۔

حراء میں قیام:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس ماحول میں آنکھ کھولی وہ کفر و شرک سے بھرا ہوا ماحول تھا۔ لوگ گمراہی و ضلالت کے قعر مذلت میں گرے ہوئے تھے۔ ہر طرف انتشار کی ہوائیں چل رہی تھیں۔ حالات نے یہاں تک انگڑائی لی ہوئی تھی کہ پوری قوم میں کسی ایک شخص کو حق سیادت حاصل نہ تھا۔ ان کے جد اعلیٰ قصی کی عظمت و شوکت، ہاشم کی وجاہت اور عبدالمطلب کا رعب و دبدبہ ایک ایک کر کے ان سے دامن جھٹک کر علیحدہ ہو گئے تھے اس کفر و شرک کے گھٹا ٹوپ ماحول میں قریش کے چار شخص ایک طرف خفیہ طور پر خلوت میں جا بیٹھے۔ ان چار آدمیوں کے نام یہ ہیں (1) زید بن عمرو (2) عثمان بن حویرث (3) عبیداللہ بن جحش اور (4) ورقہ بن نوفل۔ ان چاروں نے باہمی طور پر اپنے عقیدے پر ندامت کا اظہار کیا۔ لیکن ان میں صرف دو آدمی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے بعد دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور دوسرے دو عیسائی ہو گئے۔ اسلام لانے والوں میں ایک سیدنا زید تھے۔ وہ اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل فوت ہو گئے، لیکن انہوں نے ایک روز عامر بن ربیعہ سے کہا کہ میں اسماعیل کی اولاد میں ... ایک نبی کا منتظر ہوں اور میرا خیال ہے کہ وہ عبدالمطلب کی اولاد میں سے ہوں گے اور مجھے امید نہیں کہ میں اس وقت تک زندہ رہوں کہ اس نبی کو دیکھ سکوں، البتہ اگر تم اس وقت

Marfat.com

تک زندہ رہو اور ان کو دیکھو تو ان کی خدمت اقدس میں میرا سلام عرض کرنا۔'' عامر کہتے ہیں کہ کئی سال کے بعد جب میں دولت ایمان سے بہرہ ور ہوا تو میں نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں زید کا یہ مقولہ اور سلام عرض کیا۔ آپ نے سلام کا جواب دے کر زید کے لیے رحمت کی دعا کی اور فرمایا کہ میں نے زید کو جنت میں راحت کے ساتھ دامن کشاں دیکھا ہے۔

(سیرۃ ابن ہشام: ۱/۲۵۶، السیر والمغازی: ص ۱۱۹، نسب قریش: ص ۳۶۵، کتاب الاغانی: ۳/۱۲۷، تہذیب تاریخ دمشق: ۶/۳۲،۳۴، مجمع الزوائد: ۹/۴۱۷، الاصابہ: ۱/۵۷۰، تاریخ الاسلام ذہبی: ۱/۹۰)

یہ زید سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے چچا اور ان کے بہنوئی سعید بن زید کے والد تھے۔

(زید عمرو بن نفیل کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو نسب قریش: ص ۳۶۴، جمرۃ نسب قریش: ص ۴۱۶۔۴۱۸، سیرۃ ابن ہشام: ۱/۲۵۵، تہذیب الاسماء واللغات للنووی: ۱/۲۰۴، تہذیب تاریخ دمشق: ۶/۲۰۔۳۶، اسد الغابہ: ۲/۲۳۶۔۲۳۸، تاریخ الاسلام: ۱/ ۸۵۔۹۸)

دوسرے شخص ورقہ بن نوفل تھے جن کے پاس نزول وحی کے بعد سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے کر آئی تھیں۔ ان کو جب غار حرا کی وحی کا واقعہ سنایا گیا تو انہوں نے کہا خدیجہ! تشویش کی کوئی بات نہیں یہ وہی ناموس ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر اتارا تھا۔

ان چار حضرات کے علاوہ اور بھی چند لوگ ایسے تھے جو کفر و شرک کی اس زندگی سے سخت پریشان اور نالاں تھے لیکن ماحول کا مقابلہ نہ کر سکے۔ بعض میں قومی غیرت جاگ اٹھی اور وہ عین وقت پر دولت ایمان سے یک قلم محروم رہے جیسے امیہ بن ابی الصلت جنگ بدر کے بعد میدان بدر میں آیا۔ تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملنے کا ارادہ کیا۔ کسی شخص نے پوچھا کیا حال ہے؟ اس نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان لانے کا ارادہ ہے۔ اس نے کہا معلوم ہے قلیب بدر (بدر کے کنویں) میں کون کون سے لوگ مدفون ہیں؟'' اس نے جواب دیا نہیں۔ اس شخص نے کہا اس میں عتبہ، شیبہ پسران ربیعہ مدفون ہیں۔ اور یہ دونوں امیہ بن صلت کے ماموں زاد بھائی تھے۔ جونہی اس نے یہ وحشت اثر خبر سنی تو فوراً اپنی سواری کی دم اور کان کاٹ ڈالے۔ قلیب بدر پر کھڑے ہو کر ایک زوردار مرثیہ کہا۔ پھر مکہ آیا اور وہاں طائف میں قیام پذیر ہو گیا اور اسلام کو بالکل نظر انداز کر دیا اور بغیر اسلام لائے مر گیا سچ ہے ۔

Marfat.com

تہی دستانِ قسمت راچہ سود از رہبر کامل
چو خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

جب معاشرہ کے عام لوگوں کو کفر و شرک سے نفرت اور معاشرہ کی غلیظ اقدار سے قلبی کدورت ہوتی ہے تو انبیاء اور مرسلین خدا کی طرف سے منتخب ہوتے ہیں۔ انہیں اصابت فکر، دور بینی، حق پسندی، حسن فراست، پختگی فکر اور وسیلہ و مقصد کی درستگی سے حظِ وافر عطا ہوتا ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوائل میں یا تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی شریعت پر عمل پیرا تھے یا شرائع انبیاء کے احکام میں سے جس حکم کو استحسان اور عقل و فراست سے مرجح خیال فرماتے، اس پر عمل پیرا ہوتے۔ جس طرح موسم سرما کے اخیر میں فضا کا تغیر موسم بہار کی آمد کا اعلان کرتا ہے۔ اسی طرح جوں جوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر بڑھتی جاتی تھی، نبوت کا زمانہ قریب آتا جاتا تھا۔ آپ کے باطن میں غیر معمولی تغیرات پیدا ہو رہے تھے اور طبیعت روز بروز دنیا و مافیہا سے اچاٹ اور بے رغبت ہوتی جا رہی تھی۔ آپ اپنی طویل خاموشی سے مسلسل غور و خوض، دائمی تفکیر اور حق کی کرید میں مدد لیتے تھے۔ آپ نے اپنی شاداب عقل اور روشن فطرت سے زندگی کے صحیفے، لوگوں کے معاملات اور جماعتوں کے احوال کا مطالعہ کیا اور جن خرافات میں یہ سب لت پت تھے، ان سے بیزاری محسوس کی۔ چنانچہ آپ نے ان سب سے دامن کش رہتے ہوئے پوری بصیرت کے ساتھ لوگوں کے درمیان زندگی کا سفر طے کیا۔ لوگوں کا جو کام اچھا ہوتا آپ اس میں شرکت فرماتے ورنہ اپنی تنہائی میں خلل نہ ڈالتے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی آستانوں کا ذبیحہ نہ کھایا، کبھی شراب کو منہ نہ لگایا اور بتوں کے لیے منائے جانے والے میلوں ٹھیلوں میں کبھی شرکت نہ کی، حتیٰ کہ لات وعزیٰ کی قسم سننا بھی آپ کو کبھی گوارا نہ تھا۔

آپ کے ذہن میں مختلف سوالات پیدا ہوتے جو آپ کے حساس قلب میں خلش پیدا کرنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ غور و خوض، فکر و مراقبہ آپ کی حیات مقدسہ کا جوہر بن گیا۔ اور چونکہ شہری زندگی اس میں حارج تھی تو آپ کو تنہائی پسند آنے لگی۔ رفتہ رفتہ یہ دل بستگی یہاں تک بڑھی کہ آپ شہر سے باہر پہاڑ کی ایک کھوہ میں رہنے لگے۔ حراء پہاڑ پر چار گز لمبا اور پونے دو گز چوڑا غار جہاں سے مکہ مکرمہ بھی نظر آتا تھا، اب بھی یہ غار شہر سے تین میل دور ہے۔ راستہ نہایت دشوار گزار، طاقت ور اور تنومند نوجوان بھی وہاں پہنچتے پہنچتے تھک جاتا ہے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پانی اور ستو یا کھانے پینے کی اور کچھ اشیاء

Marfat.com

ساتھ لیتے اور اس غار میں پہنچ جاتے۔ پھر جب تک ضرورت کی وہ اشیاء ختم نہ ہو جاتیں اس وقت تک آپ وہیں یاد خدا، غور وفکر اور مراقبہ میں مشغول رہتے۔

سیدنا عائشہ سلام اللہ علیہا کی روایت میں ہے کہ آپ ہر سال رمضان کا پورا مہینہ اس غار میں بسر کرتے۔ کیونکہ ریاضت وتنہائی میں اس سے بہتر اور کوئی جگہ نہ تھی۔

سیدہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

ثم حبب الیه الخلاء و کان یخلو بغار حراء

''پھر خلوت آپ کو محبوب بنا دی گئی اور آپ غار حرا میں جا کر خلوت گزین ہوتے۔''

سیدہ نے ''حبب'' کو صیغہ مجہول سے ظاہر کیا۔ اس سے ہمارے خیال میں یہ بتانا مقصود تھا کہ یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ وہ کیا سبب اور داعیہ تھا جس نے خلوت اور تنہائی کو آپ کے لیے محبوب بنا دیا۔

بعض روایات میں ہے کہ آپ گھر سے مہینہ بھر کے لیے مختصر سا توشہ اپنے ہمراہ لے جاتے اور پھر یہاں دنیا و مافیہا سے بے خبر نہایت یکسوئی کے ساتھ فکر و تامل میں ڈوبے رہتے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ غار حرا میں آپ کی عبادت یہ تھی کہ آپ ذکر الٰہی، مراقبہ اور تذکر و تفکر میں ڈوبے رہتے۔ بس یہی آپ کی عبادت تھی۔

آپ اس فکر و تامل اور تذکر و تفکر میں اس قدر مستغرق رہتے کہ اس حالت میں کھانے پینے حتیٰ کہ اپنی ذات تک کا ہوش آپ کو نہ رہتا۔ آپ کے لیے اہل مکہ کے معاشرہ میں دلچسپی نہ ہونے کے باعث غار حراء کا تحنث بجائے خود ایک انجمن تھی یہاں تک کہ اپنے پیدا شدہ تصورات کو مختلف انداز میں گردش میں لا کر کئی کئی طریقوں سے انہیں پرکھتے اور ان کے مقابلہ میں معاشرہ کی ان مذہبی اقدار سے جن میں ظن و تخمین کے سوا کوئی اہمیت نظر نہ آتی تھی خود کو دور لے جاتے۔

بعض روایات میں ''تحنث'' کے بجائے ''تحنف'' کا لفظ آیا ہے جس کا مطلب ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ پر چلتے تھے، اور یہ لفظ بتاتا ہے کہ آپ ملت حنفیہ کے مطابق اپنے کشف والہام پر عمل کرتے تھے۔

مسلسل کئی سال تک حراء میں آمد و رفت اور اس میں خلوت گزینی سے ریاضت و تصورات کا ایک تانتا بندھا رہا حتیٰ کہ اس غار میں آپ پر وہ حقیقت منکشف ہو گئی جس کے لیے

Marfat.com

آپ آغازِ شعور سے سرگرداں اور سرگرم عمل تھے اور جس کی ضیاء میں دنیا کا جاہ وجلال اور اموال وثروت حقیر نظر آتے۔ وہ تمام مسائل حل ہو گئے جن کے حل کے لیے آپ عرصہ سے تذکر وتفکر میں مصروف تھے۔

آپ کا توسنِ عمر چالیس منزلیں طے کرنے کے قریب تھا کہ آپ کو رؤیائے صادقہ و صالحہ یعنی سچے اور درست خواب دکھائی دینے لگے۔ علماء نے لکھا ہے کہ غیبی امور کے انکشاف کا اعلیٰ ترین ذریعہ وحی ہے اور ادنیٰ ترین ذریعہ رویائے صالحہ وصادقہ ہیں۔ گویا رویائے صالحہ و صادقہ وحی نبوت کا ایک نمونہ ہے جس سے انبیاء علیہم السلام کی نبوت کا آغاز ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ

''اول انبیاء علیہم السلام کو خواب دکھلائے جاتے ہیں یہاں تک کہ جب سچے خوابوں سے ان کے قلوب مطمئن ہو جاتے ہیں تب حالت بیداری میں ان پر حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے۔'' (فتح الباری: ۱/ ۷)

اسی وجہ سے رویائے صالحہ کو نبوت کا جزو قرار دیا گیا۔ گویا رویائے صالحہ آفتابِ نبوت کے طلوع ہونے کی تمہید اور دیباچہ تھا اور دنیا والوں کو بتایا یہ جا رہا تھا کہ عنقریب آفتابِ نبوت طلوع ہونے والا ہے یہاں تک کہ آفتابِ نبوت فاران کی چوٹیوں سے جلوہ گر ہوا جس سے ہر شخص نے اپنی اپنی بصیرت اور نورِ قلبی کے مطابق استفادہ کیا۔

(ملاحظہ ہو طبقات ابن سعد: ۱/ ۱۹۴، طبری: ۲/ ۲۹۸، سیرت ابن ہشام: ۱/ ۲۶۶، نہایۃ الارب: ۱۶/ ۱۶۸، صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۷۸)

Marfat.com

وحی کا نزول

جب آپ کی عمر چالیس سال کو پہنچی اور آپ کے غار حرا میں خلوت نشینی کا تیسرا سال آیا تو حق تعالیٰ نے چاہا کہ انسانیت پر اس کی رحمت کا فیضان ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت ورسالت سے مشرف فرمایا۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ پہلے چھ ماہ آپ کو سچے اور درست خواب آتے رہے۔ لہٰذا رویائے صادقہ کے ذریعہ نبوت کا آغاز ربیع الاول میں ہوا جو آپ کی ولادت کا مہینہ ہے لیکن حالت بیداری میں آپ پر وحی کا نزول رمضان المبارک میں ہوا۔ (فتح الباری: ۱/ ۲۷)

رمضان المبارک میں ایک روز حسب معمول جب آپ غار حراء میں تشریف فرما تھے کہ دفعتاً ایک وجود اس غار میں نمودار ہوا اور آپ کو سلام کیا۔ (زرقانی: ۱/ ۲۱۱)

رمضان المبارک کی 21 تاریخ کو دوشنبہ کی رات تھی اور اگست کی 10 تاریخ 610ء تھا۔ قمری حساب سے آپ کی عمر اس وقت چالیس سال چھ ماہ اور بارہ دن تھی اور شمسی حساب سے 39 سال 3 ماہ اور 22 دن۔ اس نے کہا: ''اقراء'' پڑھیے۔ آپ چونکہ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے، اس لیے عذر پیش کر دیا کہ میں پڑھنا نہیں جانتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس وجود نے مجھے پکڑ کر دبایا اور ایسا دبایا کہ میری مشقت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ (حتی بلغ منی الجھد) اس کے بعد چھوڑ دیا اور کہا: ''اقراء'' (پڑھیے) میں نے پھر وہی جواب دیا کہ میں پڑھ نہیں سکتا۔ اس وجود نے مجھے پھر اسی شدت کے ساتھ دبایا اور پھر چھوڑ دیا او رکہا: ''اقراء'' میں نے پھر وہی جواب دیا کہ میں پڑھ نہیں سکتا ''ما انا بقاری'' اس وجود نے پھر تیسری مرتبہ مجھ کو پکڑا اور اسی شدت کے ساتھ دبایا اور یہ کہا:

﴿اقراء باسم ربک الذی خلق، خلق الانسان من علق، اقراء وربک الاکرم، الذی علم بالقلم، علم الانسان

Marfat.com

مالم یعلم﴾ (علق:۱۔۵)

''آپ اپنے رب کے نام کی مدد سے پڑھیے جو تمام کائنات کا خالق ہے
خصوصاً انسان کا جس کو اس نے خون کے لوتھڑے (جمے ہوئے خون)
سے پیدا کیا۔ پڑھئے، آپ کا رب بہت ہی کریم ہے جس نے قلم سے علم
سکھایا اور انسان کو وہ کچھ سکھایا جس کو وہ نہیں جانتا تھا۔''

آپ نے ان پانچ آیات کو پڑھا، ذہن میں اتارا، ساتھ ہی جب گراں بار ذمہ داریوں کا احساس اور اپنی درماندگی اور عاجزی کا غیر معمولی شعور ہوا، راہِ خدا سے بھٹکی ہوئی مخلوق کو پڑھنے پڑھانے اور سدھارنے کی ذمہ داری اور اس بارے میں اپنی ناآشنائی اور ناتجربہ کاری اور اس کے ساتھ ہی عاجزی، تو دل دھک دھک کرنے لگا، بدن میں کپکپی اور رعشہ کی کیفیت پیدا ہوگئی جیسے سردی سے آدمی کانپتا ہے۔ فوراً وہاں سے اٹھے اور اسی گھبراہٹ اور کپکپاہٹ کی کیفیت میں سیدھے اپنے دولت کدہ پر تشریف لائے۔ رفیقۂ حیات سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جو یہ کیفیت دیکھی تو پریشان سی ہوگئی۔ نبوت کے لبوں سے ایک آواز سیدہ رضی اللہ عنہا کے کانوں میں پڑی: ''زملونی، زملونی'' مجھے کچھ اڑھاؤ، مجھے کچھ اڑھاؤ۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے بغیر کچھ کہے اسی وقت چادر اوڑھا دی۔ کچھ دیر بعد گھبراہٹ اور پریشانی دور ہوئی۔ سیدہ نے اس وقت گھبراہٹ کی وجہ اس لیے نہ پوچھی کہ وہ گذشتہ پندرہ سال سے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ رہی تھی کہ اس سے قبل انہیں ایسی گھبراہٹ کبھی نہیں ہوئی تھی، اس لیے ان کو یقین تھا کہ آپ کو کوئی غیر معمولی واقعہ درپیش ہوا ہے جس سے غیر معمولی گھبراہٹ پیدا ہوئی، لہٰذا پہلے یہ گھبراہٹ اور پریشانی دور ہو پھر حقیقت واقعہ کی ٹوہ لگاؤں گی۔

علماء نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ذہانت اور فراست سے اول روز ہی سے سمجھ گئے تھے کہ میرے اوپر کتنی بڑی اور بھاری ذمہ داری ڈالی جارہی ہے، اس لیے آپ نے ''ماانا بقارئ'' فرمایا یعنی اس ذمہ داری کو سنبھالنا اور اسے انجام دینا مجھ جیسے ضعیف البیان انسان کے لیے بہت مشکل ہے۔ تو جبرئیل امین نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دبوچا۔ ایک مرتبہ، پھر دوسری مرتبہ اور پھر تیسری مرتبہ آپ کو دبایا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ احساس ہو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اندر یہ بوجھ برداشت کرنے اور اسے اٹھانے کی صلاحیت رکھی ہے۔ چنانچہ سیدنا جبرئیل امین کے تین دفعہ دبانے کے بعد آپ کو احساس ہوا اور آپ نے وہ آیات تلاوت فرمالیں جو کہلوائی جارہی تھیں۔ (ایضاح البخاری:۱/۷۷)

Marfat.com

علماء نے رسول اللہ ﷺ کو تین مرتبہ دبانے کی کچھ اور حکمتیں بھی بیان کی ہیں جن کی تفصیل کا یہ مقام نہیں۔ غرض کہ آپ ﷺ جب نیند سے بیدار ہوئے اور طبیعت میں کچھ سکون پیدا ہوا تو سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا نے بلائیں لیں اور پوچھا کیا بات ہے؟ سرکار دو عالم ﷺ نے پورا واقعہ بیان فرمایا اور فرمایا کہ "مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے۔ سیدہ نہایت سمجھ دار اور دانش مند خاتون تھیں۔ انہوں نے نہایت غور سے سرکار دو عالم ﷺ کی بات سنی پھر وہ آیات بھی سنیں جو جبرئیل آپ کو بتا کر گیا تھا۔ وہ آیات کے مفہوم کو سمجھ گئیں کہ جس غیر معمولی صورت کی توقع تھی، وہ سامنے آ گئی ہے۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے نہایت لطیف پیرایہ اور انداز میں آپ کو اطمینان دلایا اور بتایا کہ آپ ہرگز نہ ڈریں۔ آپ یقیناً یہ بوجھ اٹھا سکیں گے جو آپ پر ڈالا جا رہا ہے کیونکہ اب تک زندگی میں آپ کئی بوجھ اٹھاتے رہے ہیں اور جو بوجھ اٹھاتے رہے ہیں وہ بھی غیر عمولی ہیں، لہٰذا اگر کوئی گراں بار ذمہ داری آپ پر پڑے گی تو آپ اس کا ضرور تحمل کر سکیں گے۔ سیدہ کے جو الفاظ بخاری وغیرہ نے نقل کیے ہیں، وہ پڑھنے کے قابل ہیں۔ فرمایا:

كلا، والله لا يخزيك الله ابداً، انك تصل الرحم، وتحمل الكلّ، وتكسب المعدوم، وتقرى الضيف، وتعين علىٰ نوائب الحق.

"بخدا! ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا، ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ناکام و نامراد کر دے اور آپ کی مدد نہ کرے، کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، تھکے ہارے اور درماندہ انسانوں کو ان کی منزل تک پہنچاتے ہیں اور ایسی خدمات جلیلہ سرانجام دیتے ہیں جن کی نظیر نہیں ملتی، ناداروں کی خبر گیری کرتے ہیں۔ بے ٹھکانہ مسافروں کو اپنا مہمان بناتے ہیں اور حق بجانب امور میں معین و مددگار رہتے ہیں۔"

(بخاری، رقم: ۳ واطرافہ فی ۳۳۹۲، ۴۹۵۳، ۴۹۵۵، ۴۹۵۶، ۶۹۸۲)

طبری وغیرہ میں ہے کہ سیدہ رضی اللہ عنہا نے یہ بھی کہا کہ آپ کبھی کسی فاحشہ کے پاس بھی نہیں گئے (ما اتيت فاحشة قط) (طبری: ۲/۲۰۶)

سیدہ رضی اللہ عنہا کا مطلب یہ تھا کہ جب محاسن اخلاق اور پاکیزہ صفات وشمائل کے اس قدر بوجھ آپ نے اٹھائے ہوئے ہیں تو پھر جو بوجھ آپ پر اور پڑے گا آپ یقیناً

Marfat.com

اس کو بھی اٹھا لیں گے۔ فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں خدیجہ کی جان ہے، مجھے قوی امید ہے کہ آپ اس امت کے نبی ہوں گے۔'' (سیرۃ ابن ہشام: ۱/۱۸۱)

بیہقی نے دلائل میں نقل کیا ہے کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے تمام واقعہ سن کر کہا:

''آپ کو مبارک ہو اور آپ کو خوش خبری ہو۔ بخدا! حق تعالیٰ شانہ آپ کے ساتھ نیکی اور بھلائی کے ماسوا اور کوئی فیصلہ نہیں کریں گے۔ جو منصب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے پاس آیا ہے اس کو قبول کیجیے، وہ بلاشبہ حق ہے۔ آپ کو بہت بہت مبارک ہو۔ آپ یقیناً اللہ کے برحق رسول ہیں۔'' (فانک رسول اللہ حقا)
(فتح الباری: ۱۲/ ۳۱۵)

آپ پر یہ خوف و ہراس اور اضطراب اور بے چینی باعث حیرت و استعجاب نہیں بلکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو باعث صد حیرت تھا۔ چنانچہ علمائے محققین نے حدیث کے ان کلمات "فخشیت علیٰ نفسی" کی کئی توجیہات کی ہیں۔ ہمارے خیال میں سب سے اچھی توجیہ علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے فرماتے ہیں:

''سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات پر اندیشہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس امرِ عظیم کی ذمہ داری کو آپ پوری طرح انجام نہ دے سکیں اور وحی ربانی کے اس بارِ دوش سے سبک دوش نہ ہو سکیں۔'' (عمدۃ القاری: ۱/ ۶۸)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی توجیہ کی ہے۔ (فتح الباری: ۱/ ۲۰)

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مضطرب طبیعت میں جب سکون پیدا ہوا اور گھبراہٹ اور کپکپاہٹ کی کیفیت جاتی رہی تو سیدہ رضی اللہ عنہا آپ کو اپنے ساتھ لے کر ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں اور کہا: ''اے میرے چچا زاد بھائی! ذرا اپنے بھتیجے کی بات تو سنیے۔'' ورقہ نے آپ سے مخاطب ہو کر کہا: ''اے بھتیجے! بتاؤ، کیا دیکھا؟'' آپ نے وہ تمام واقعہ بیان فرمایا۔ ورقہ نے جب آپ کی بات سنی تو سنتے ہی اسے حق کا یقین آ گیا کہ جو کچھ آپ فرماتے ہیں وہ بالکل درست اور حق ہے اور ورقہ نے اس حق کا اعتراف کیا۔'' (فتح الباری: ۱۲/ ۳۱۷)

ورقہ نے آپ کا یہ حال سن کر کہا کہ یہ وہی ناموس (فرشتہ) ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوتا تھا۔ (خیر کی خبر لانے والے کو ناموس اور شر کی خبر لانے والے کو جاسوس کہتے ہیں)۔
(عمدۃ القاری: ۱/۵۲)

Marfat.com

ورقہ نے یہ بھی کہا کہ ''کاش میں تمہارے زمانہ نبوت میں قوی اور توانا ہوتا جب کہ تمہاری قوم تمہیں وطن سے نکالے گی۔ آپ نے نہایت تعجب سے فرمایا: ''کیا وہ مجھ کو نکالیں گے؟'' ورقہ نے کہا کہ صرف آپ ہی پر موقوف نہیں بلکہ جو شخص بھی نبی ہو کر اللہ کا کلام اور پیام لایا، قوم نے اس کے ساتھ یہی سلوک کیا۔ اگر میں نے آپ کا وہ زمانہ پایا تو میں نہایت زور اور قوت سے آپ کی مدد کروں گا، لیکن کچھ روز کے بعد ورقہ کا انتقال ہو گیا۔'' (بخاری، رقم: ۳)

ایک اور روایت میں ہے کہ واپسی پر ورقہ نے آپ کے سر مبارک کو بوسہ دیا۔ چنانچہ آپ سیدہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ واپس گھر تشریف لے آئے۔

(بخاری مع فتح الباری: ۱/۲۳، مسلم، رقم: ۱۶۰، ترمذی، رقم: ۳۶۳۶، سیرۃ ابن ہشام: ۱/۲۶۶، طبقات ابن سعد: ۱/۱۹۴، طبری: ۲/۲۹۸، صفۃ الصفوۃ: ۱/۷۸، نہایۃ الارب: ۱۶/۱۶۸، سیرۃ الحلبیہ: ۱/۲۴۳، دلائل النبوۃ: ۱/۳۹۶)

یہ سب سے پہلی وحی تھی جو سرکار دو عالم ﷺ پر 21 رمضان المبارک کو غار حراء میں بذریعہ جبرئیل نازل ہوئی۔ پھر کچھ دنوں کے لیے وحی کا سلسلہ رک گیا تاکہ آپ کے قلب سے دہشت اور خوف دور ہو جائے اور آئندہ کے لیے وحی کا شوق اور انتظار قلب میں پیدا ہو جائے۔ (فتح الباری: ۱/۲۷)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ نے ''مدارج النبوۃ'' میں لکھا ہے کہ آپ کی نبوت آپ کی رسالت سے متقدم تھی۔ محدثین کے نزدیک نبوت میں تبلیغ و انذار شرط

---

۱ ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ، سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچا زاد بھائی تھے۔ ورقہ نوفل بن اسد کے بیٹے اور سیدہ خدیجہ خویلد بن اسد کی بیٹی ہیں۔ ورقہ جاہلیت میں نصرانی ہو گئے تھے۔ مکہ میں کچھ نیک طینت افراد بت پرستی سے متنفر تھے ان میں سے ایک ورقہ بن نوفل اور دوسرے زید بن عمرو بن نفیل بھی تھے۔ یہ دونوں دین حق کی تلاش میں شام گئے تھے۔ ورقہ کو بعض ایسے راہب مل گئے جو اصل دین نصرانیت پر قائم تھے۔ چنانچہ وہ ان کے ہاتھ پر نصرانی ہو گئے۔ (فتح الباری: ۱/۲۵)
ورقہ انجیل کی حفاظت کی غرض سے اس کو لکھتے رہتے تھے۔ کبھی عربی میں ترجمہ کرتے اور کبھی عبرانی میں۔ چونکہ اس کو یاد کر کے حفظ کرنا مقصود نہیں تھا۔ یہ قرآن حکیم کی خصوصیت ہے کہ یاد ہو جاتا ہے باقی کتابوں کے اندر یہ خصوصیت نہیں، اس لیے ان کو لکھ لکھ کر محفوظ کیا جاتا تھا۔ اس وجہ سے سیدہ رضی اللہ عنہا نے کتابت انجیل کا ذکر کیا ہے۔ ورقہ بوڑھے تھے اور نابینا ہو گئے تھے۔

Marfat.com

نہیں ہے جب کہ رسالت میں تبلیغ و انذار شرط ہے۔ اس دور میں نزول وحی انبیاء علیہم السلام کی اپنی تکمیل اور تہذیب نفس کے لیے مقصود ہوتی ہے۔ چنانچہ سورۃ اقراء آپ ہی کی تعلیم و تکمیل کے لیے نازل ہوئی تھی، لیکن جب فترتِ وحی کے دن ختم ہوئے تو تبلیغ و انذار کے لیے سورۃ مدثر کا نزول ہوا جس کو رسالت سے تعبیر کرنا چاہیے۔

پہلی وحی تمام قرآن کا خلاصہ:

سرکار دو عالم ﷺ پر سب سے پہلی وحی میں جو پانچ آیات نازل ہوئیں وہ تمام قرآن حکیم کا خلاصہ تھیں۔ کیونکہ قرآن حکیم کے مضامین تین قسم کے ہیں۔ ایک توحید یعنی ذات وصفات خداوندی کے بارے میں آیات، دوسرے احکام اور تیسرے اخبار بالغیب اور قصص وغیرہ۔

ذات وصفات کی طرف اشارہ "**اقراء باسم ربک**" میں لفظ "ربّ" اور "**الذی خلق**" اور "**خلق الانسان من علق**" سے نکلتا ہے۔ اسی طرح "**وربک الاکرم**" میں سے لفظ "ربّ" سے بھی نکلتا ہے۔

اس کی وضاحت کچھ یوں ہے کہ ایک تو اللہ کی ذات ہے اور دوسرے اس کی صفات ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کی صفات دو طرح کی ہیں: (1) صفات ذات اور (2) صفات افعال۔ صفات ذات سات ہیں: علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام اور حیات۔ ان کے علاوہ باقی صفات افعال ہیں جیسے خالق اور رازق وغیرہ۔ صفات ذات اور صفات افعال میں فرق یہ ہے کہ صفات ذات تو وہ صفات ہیں جن کے ساتھ حق تعالیٰ متصف ہیں ان کی اضداد کے ساتھ متصف نہیں۔ اللہ تعالیٰ علیم ہیں جاہل نہیں، قدیر ہیں عاجز نہیں، سمیع ہیں اصم نہیں وغیرہ اور صفات افعال وہ کہلاتی ہیں کہ حق تعالیٰ ان سے متصف ہوتے ہیں اور ان کے اضداد سے بھی جیسے احیاء و اماتت، قبض و بسط اور نفع وضرر وغیرہ۔

اب یہ بات ذہن میں رکھیں کہ لفظ ''رب'' اور لفظ ''خلق'' سے صفات ذات اور صفات افعال کی طرف اشارہ نکلتا ہے۔ ''خلق'' اللہ کی صفات افعال میں سے ہے لہٰذا اس سے تمام صفات افعال کی طرف اشارہ ہو گیا اور لفظ ''رب'' سے صفات ذات کی طرف اشارہ نکلتا ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ ''رب'' کہتے ہیں تربیت کرنے والے کو اور تربیت کے لیے ضروری ہے کہ تربیت کرنے والا علم رکھتا ہو، جاہل تربیت نہیں کر سکتا۔ قدرت و ارادہ رکھتا ہو،

Marfat.com

عاجز و بے ارادہ شخص تربیت نہیں کرسکتا۔اسی طرح سمع و بصر رکھتا ہو کیونکہ یہ علم کے ذرائع میں سے ہیں اوران کی تربیت میں ضرورت پڑتی ہے۔جس کی تربیت کی جاتی ہے اس کی باتوں کے سننے کی ضرورت ہوتی ہے، اس کے احوال کی نگرانی کی ضرورت ہوتی ہے۔اسی طرح بعض اوقات تربیت میں کلام کی ضرورت پڑتی ہے، بتانے اور سکھانے کی ضرورت ہوتی ہے کہ یہ کرو اور یہ نہ کرو، اس سے بچو۔پھر ظاہر ہے کہ جس میں یہ صفات ہوں گی وہ زندہ ہوگا۔تو اسی لفظ ''رب'' سے اللہ تعالیٰ کی تمام صفات ذاتیہ کی طرف اشارہ نکلتا ہے اور جو صفات والا ہوگا تو اس کی ذات بھی ہوگی، اس سے ''ذات'' بھی نکل آئی۔

خلاصہ یہ کہ لفظ ''رب'' اور لفظ ''خلق'' سے اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتیہ اور صفات فعلیہ کی طرف اشارہ نکلتا ہے، تو انہی دونوں لفظوں سے ذات وصفات اور توحید کی طرف اشارہ نکلتا ہے۔

اسی طرح آگے ''علم الانسان مالم یعلم'' آیا ہے ''علم'' کے لفظ سے اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتیہ کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے، لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ ''خلق'' اور ''علم'' کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کیونکہ ''خلق'' صفات افعال میں سے ہے اور ''علم'' صفات ذات میں سے ہے۔

دوسرا قرآنی مضمون احکام کا ہے اس کی طرف اشارہ ''اقرا باسم ربک'' اور ''اقرا وربک الاکرم'' میں کیا گیا ہے کیونکہ ''اقرا'' صیغہ امر ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ کلام احکام پر مشتمل ہوگا۔

اور تیسرا قرآنی مضمون اخبار بالغیب کی طرف اشارہ ''علم الانسان مالم یعلم'' سے ہوگیا کیونکہ جس چیز سے انسان ناواقف اور جاہل تھا اللہ تعالیٰ نے اس کی تعلیم دی۔

Marfat.com

ایک نئی قسم کی پریشانی

زمانۂ فترت ختم ہو گیا اور وحی کے دوبارہ آنے سے سرکار دو عالم ﷺ کو نہایت خوشی اور مسرت ہوئی۔ روح میں سکینت بس گئی، لبوں پر شگفتگی اور مسکراہٹ، دل میں سرور، آنکھوں میں ایک خاص قسم کا نور پیدا ہو گیا۔ یاس وخوف امید و مسرت میں بدل گئے، زبان حمد الٰہی اور تقدیس خداوندی میں حرکت کرنے لگی، بدن کا رواں رواں شکر اور انابت خداوندی میں مصروف ہو گیا۔

اب سورۃ المدثر کی پہلی سات آیات نازل ہوئیں جن میں آپ کو نبوت کے ساتھ رسالت بھی عطا کی گئی، کیونکہ اس میں "قم فانذر" کا پیغام کہ "تیار ہو جائیں تاکہ آپ لوگوں کو عذابِ آخرت سے ڈرائیں" مل گیا تھا۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کی حالت کو دیکھ کر باندازِ لطف و محبت پھر سو جانے کی ترغیب دی تاکہ پوری طرح راحت حاصل ہو لیکن آپ ﷺ نے اپنی رفیقۂ حیات کو جو جواب دیا اس میں ایک نئی قسم کی گھبراہٹ اور پریشانی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"خدیجہ! نیند اور راحت و آرام کا زمانہ ختم ہو گیا۔ اس وقت جبرئیل نے حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے مجھے حکم دیا ہے کہ لوگوں کو ڈرانے اور اس کی عبادت کرنے کی دعوت دوں۔" (فقد امرنی جبرئیل ان انذر الناس وان ادعوھم الیٰ اللہ والیٰ عبادتہ) کیونکہ وہی ذاتِ واحد عبادت کے لائق ہے، لیکن خدیجہ! میں کس سے کہوں؟ میری بات کون سنے گا؟"

گویا اب آپ کو پریشانی یہ تھی کہ "میری بات کون سنے گا؟" یہ سن کر سیدہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو تسلی دی اور پھر نہایت اشتیاق اور خلوص کے ساتھ آپ کی نبوت و رسالت پر ایمان لے آئیں۔ گویا سب سے پہلے سیدہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی بات سنی۔ ایمان لانے میں

Marfat.com

سیدہ رضی اللہ عنہا کی سبقت اور اولیت طبعی تھی کیونکہ آپ مسلسل 15 سال سے اپنے شوہر کے حالات زندگی کا بڑی باریک بینی سے مشاہدہ کر رہی تھیں۔ ان کے سامنے آپ کا صدق مقال اور بلند اخلاق قدم قدم پر آپ کی روحانی بلندی کی غمازی کر رہا تھا۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے اپنے پیہم تعلق میں ذاتِ حق کے ساتھ آپ کا دلی شغف دیکھا جب کہ دوسرے لوگ بتوں کی عبادت اور ان کے تقرب کے لیے دیوانے ہو رہے تھے اور انہیں اپنا فریادرس اور حاجت روا سمجھتے تھے۔ آپ کی پندرہ سالہ ازدواجی زندگی میں سیدہ رضی اللہ عنہا نے ان کے بارے میں جو کچھ مشاہدہ کیا تھا وہ سب آپ کے ذہن میں گھوم رہا تھا، لہٰذا سیدہ رضی اللہ عنہا بغیر کسی فکر اور تامل کے آپ کی نبوت اور رسالت پر ایمان لے آئیں۔

نبوت ملنے کے بعد ایک روز سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طواف بیت اللہ کے لیے حرم میں تشریف لے گئے۔ یہاں ورقہ بن نوفل سے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات ہو گئی۔ اب سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا موجود نہ تھیں۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا تمام واقعہ ورقہ کے گوش گزار کیا جسے سن کر ورقہ نے پھر وہی کہا جو اس سے قبل سیدہ رضی اللہ عنہا کی موجودگی میں کہہ چکے تھے۔ ورقہ نے کہا:

''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! آپ اس امت کے نبی ہیں۔ جو ناموس سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا وہی آپ پر نازل ہوا ہے، لیکن آپ دیکھے گا کہ یہ لوگ آپ کی تکذیب کریں گے، آپ کو اذیتیں دیں گے یہاں تک کہ آپ کو آپ کی جنم بھومی سے باہر نکال دیں گے۔ اگر میں ان دنوں تک زندہ رہا تو ہر قدم پر رضائے الٰہی کے لیے آپ کی نصرت اور اعانت کروں گا۔''

یہ کہہ کر ورقہ نے فرطِ عقیدت سے آپ کے سر کو بوسہ دیا۔ (سیرۃ ابن ہشام:۱/ ۲۳۸)

گھر آ کر آپ نے اپنے ذہن میں دعوت خداوندی کا نقشہ تیار کیا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ:۳/ ۹، سنن ترمذی، رقم: ۲۳۹۰، تاریخ الاسلام ذہبی: ۱/ ۱۱۹، ابن ہشام:۱/ ۲۰۹۔۲۱۰، نہایۃ الارب:۱۶/ ۱۷۰۔۱۷۱، روض الانف:۱/ ۲۷۴، السیر والمغازی: ص ۱۲۲)

آغوشِ اسلام میں:

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس بات کا جواب کہ ''میری بات کون سنے گا؟'' سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لا کر دے دیا۔ آپ کا اپنی قوم میں ایک وقار تھا، لوگ آپ کے اعلیٰ اور بہترین اخلاق کے معترف تھے، لیکن اعلیٰ اخلاق اور بلند کردار ہونے کے

Marfat.com

باوجود نبوت ورسالت کے فرائض اور ان کی ادائیگی کے طریقوں سے آپ نا آشنا تھے۔ بادیہ نشین اور صحرا نورد اور پس ماندہ عرب کا ایک اُمّی اب نہ صرف ان غیر متمدن علاقوں میں بسنے والے انسانوں کے لیے بلکہ پورے عالم کے لیے ہادی اور راہ نما بنایا گیا تھا۔ اسے منصب رسالت دیا جارہا تھا، لہٰذا ضروری تھا کہ دوسروں کو دعوت دینے سے قبل وہ خود اس دعوت کا عملی نمونہ بن جائے تاکہ مقصد رسالت پورا ہو۔ چنانچہ نبوت کے اعلان کے بعد کم وبیش تین برس ایسے گزرے جن میں اس اُمّی لقب صلی اللہ علیہ وسلم کو عام دعوت وتبلیغ کا حکم نہیں تھا لیکن اس کے باوجود کچھ سعادت مند وجود ایسے بھی تھے جو خود ہی شمع کے پروانے بن گئے۔ ان میں سب سے پہلے سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا، سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا۔ یہ صرف پانچ حضرات ہیں جن میں تین مرد اور دو عورتیں ہیں، لیکن عجیب بات یہ ہے کہ ان پانچوں کا تعلق نوع انسانی کے ہر طبقہ سے ہے یعنی مرد، عورت، بچے، آزاد اور غلام۔

ان حضرات نے ابھی تبلیغ اور دعوت کا کام باقاعدہ طور پر شروع نہیں کیا تھا کہ کچھ اور افراد خود متاثر ہو کر آغوش اسلام میں داخل ہو گئے۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ○ سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ ○ سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ ○ سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ ○ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ○ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ○ سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ ○ سیدنا ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ ○ اور سیدنا ارقم بن ابی الارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ یہ تمام حضرات بعد میں اسلام کے درخشندہ ستارے اور نیر تاباں ثابت ہوئے اور ''السابقون الاولون'' کے مبارک اور معزز لقب سے سرفراز ہوئے۔ (البدایہ والنہایہ: ۳/۲۹)

اشرافِ مکہ کی گھبراہٹ اور پریشانی:

مکہ کی حالت اس زمانہ میں ایک چھوٹے سے جمہوریہ کی تھی۔ اگرچہ مکہ میں کسی بادشاہ کی حکومت نہ تھی لیکن مختلف قبائل کے شیوخ اور سربراہوں کی ایک مشترکہ کونسل تھی اور ہر قبیلہ کا رئیس کسی ایک شعبہ کا انچارج تھا۔ اس مشترکہ جماعت کے اجلاس کے لیے ایک اسمبلی ہال تھا جس کو ''دارالندوہ'' کہتے تھے۔ اس میں ان کے اجلاس ہوا کرتے تھے۔ مختلف قبائل کے کچھ لوگ بڑے دولت مند تھے جو بڑے پیمانے پر سودی کاروبار کرتے تھے اور مکمل طور پر سرمایہ دارانہ ذہنیت کے مالک تھے۔ دولت کی حرص ان سرداروں میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

Marfat.com

مثال کے طور پر عاص بن وائل بڑا دولت مند اور قبیلہ کا سردار تھا لیکن سیدنا خباب رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس کا اس بات پر جھگڑا ہوگیا کہ انہوں نے لوہے کی کوئی چیز اسے بنا کر دی تھی اور وہ اس کی اجرت مانگتے تھے اور وہ اجرت نہیں دیتا تھا۔ اور یہی عاص بن وائل تھا جس نے یمن کے ایک تاجر سے کچھ مال خریدا تھا اور اس کی قیمت ادا نہیں کرتا تھا جس سے سارے مکہ والوں کی بدنامی ہوئی اور جس کے لیے "حلف الفضول" کی طرز پر ایک انجمن بنائی گئی۔ اسی طرح ابولہب کا بھی سودی لین دین بہت وسیع پیمانے پر تھا لیکن حرص وطمع کی حالت یہ تھی کہ خانہ کعبہ سے سونے کا ایک ہرن چوری کر کے فروخت کر دیا تھا جو کافی عرصہ سے بیت اللہ کے خزانہ میں چلا آرہا تھا۔

اس سرمایہ دارانہ ذہنیت کے سرداران قریش اور ان بڑے لوگوں نے جو اپنے اقتدار کو سنبھالا دینے کے لیے خطرہ کے موقع پر خورد بین سے کام لیتے ہیں، جب دیکھا کہ ایک ایسا شخص جس کا بچپن، لڑکپن اور جوانی بے داغ گزری ہے اور اپنی بلند کرداری اور صدق مقالی کی وجہ سے وہ پورے ساج کی آنکھ کا تارا ہے، وہ اور اس کے چند ساتھی جن میں سے کچھ مال دار گھرانوں سے تعلق رکھتے ہیں، ایک انقلاب انگیز زندگی کی دعوت دے رہے ہیں۔ وہ نہ صرف توحید کی دعوت اور بت پرستی اور شرک کی تردید کرتے ہیں بلکہ یہ جماعت اس سرمایہ دارانہ نظامِ حیات سے بھی نہ صرف متنفر ہے بلکہ معاشرہ میں نفرت کے جذبات کی آبیاری کر رہی ہے تو ان کے اندر ایک شدید ردِ عمل نے انگڑائی لی۔ انہوں نے بھانپ لیا کہ اگر یہ جماعت اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئی تو ان کے سرمایہ دارانہ نظامِ زندگی کی ساری عمارت زمین بوس ہو جائے گی۔ ایک عام آدمی بھی پھر ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکے گا۔ مظلوم کا ہاتھ ظالم کے گریبان تک جا پہنچے گا، ان کی غرور و تمکنت کی زندگی میں عجز و مسکنت کی اقدار پیدا ہو جائیں گی۔ ان باتوں کے پیش نظر انہوں نے مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی جماعت کی مخالفت شروع کر دی۔ لیکن جس طرح دعوت عام نہیں تھی اسی طرح مخالفت بھی عام نہیں تھی۔ انہوں نے دیکھا کہ ان لوگوں پر ہماری مخالفت کا کوئی اثر نہیں ہو رہا۔ اگرچہ ہم نے ان کو دیوانے اور ان کی دعوت کو "اساطیر الاولین" (دقیانوسی باتوں) کا نام دیا ہے لیکن جس کے پاس بھی ان کا دعوتی پروگرام اور انقلابی دعوت جاتی ہے، وہ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ قریش مکہ نے اسی میں بہتری سمجھی کہ پیشتر اس کے اسلام کے نام لیواؤں کے اثرات متعدی ہوں، ان سے کوئی سمجھوتہ ہو جائے۔ اس کے لیے سردارانِ قریش کا ایک وفد رئیس اعظم مکہ ولید بن مغیرہ کی زیر

Marfat.com

قیادت سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وفد کے باقی تین ارکان یہ تھے:

① ابو جہل، جو مکہ کا سب سے زیادہ چالاک سردار تھا

② اسود بن عبد یغوث، مکہ کا بہت بڑا رئیس اور تاجر

③ اخنس بن شریق، طائف کا رئیس اعظم

اس وفد نے کہا کہ ہم آپ کی ہر بات ماننے کے لیے تیار ہیں۔ آپ کو اپنا سردار بنانے کے لیے تیار ہیں۔ سارے مکہ کی دولت آپ کے قدموں میں ڈھیر کرنے کے لیے تیار ہیں لیکن آپ یہ ہیجان برپا کرنے والے نظریات کا پرچار نہ کریں۔ اپنی دعوت کے انداز میں نرمی پیدا کریں۔ ہمارے بتوں کو برا بھلا نہ کہیں، لیکن وحی الٰہی نے اس قسم کی پیش کشوں کی تردید کر دی کیونکہ اس قسم کی پیش کشوں کی اسلام میں کوئی اہمیت نہیں۔

سب سے پہلا مسلمان:

یہ بات ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ اعلان نبوت کے بعد سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا سب سے پہلے آپ پر ایمان لائیں۔ سیدہ رضی اللہ عنہا کو اسلام میں مردوں اور عورتوں سب پر سبقت کا شرف حاصل ہے۔ حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ علامہ ابن اثیر فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ ان سے پہلے اسلام لانے کی سعادت نہ کسی مرد کو نصیب ہوئی اور نہ کسی عورت کو۔

(ابن اثیر: ۲/ ۵۷، اسد الغابہ: ۵/ ۴۳۴، السیر والمغازی لابن اسحاق: ص ۱۳۹، سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۲۷۷، نہایۃ الارب: ۱۶/ ۱۷۵، ۱۸۰، عیون الاثر: ۱/ ۱۹، سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۱۱۵، مجمع الزوائد: ۹/ ۲۱۹، تاریخ الاسلام ذہبی: ۱/ ۱۲۷)

لیکن مردوں میں سب سے پہلے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ پر ایمان لائے۔ چنانچہ امام نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ابوبکر اول من اسلم

''ابوبکر رضی اللہ عنہ سب سے پہلے شخص ہیں جو آپ پر ایمان لائے۔''

(صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۲۳۷، البدایہ والنہایہ: ۳/ ۲۶، طبری: ۲/ ۵۵)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اول من اسلم من الرجال ابوبکر الصدیق

Marfat.com

''مردوں میں سب سے پہلے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔''
(البدایہ والنہایہ: ۳/ ۲۷، ۷/ ۲۳۴، تاریخ الخلفاء: ص ۳۳)

علامہ طبرسی نے بھی لکھا ہے کہ

ان اول من اسلم بعد خديجة ابوبكر

''سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد سب سے پہلے اسلام لانے والے ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔'' (تفسیر مجمع البیان: ۳/ ۳۳)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے یہ بات نہایت قابل فخر ہے کہ وہ بغیر کسی سوچ بچار کے ایمان لائے۔ چنانچہ بعض روایات میں ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((مادعوت احدًا الیٰ الاسلام الاّ كانت عنده كبوة وتردد ونظر الاّ ابابكر، ماعنكم عنه حين ذكرته ولا تردد فيه))

''میں نے جس شخص کو بھی اسلام کی دعوت دی اس کو کچھ نہ کچھ جھجک، تردد اور فکر ضرور ہوئی سوائے ابوبکر کے۔ جونہی میں نے ان کو اسلام کے بارے میں بتایا تو انہوں نے کسی تردد اور تامل کے بغیر فوراً اسلام قبول کر لیا۔'' (البدایہ والنہایہ: ۳/ ۲۷، عیون الاثر: ۱/ ۱۸۳)

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو بخاری: ۱/ ۵۱۷، البدایہ والنہایہ: ۳/ ۲۹۔ ۳۰

Marfat.com

دارارقم میں

اسلام کی دعوت میں روز بروز تیزی آتی گئی اور نہ صرف مکہ میں آپ کی دعوت کے بارے میں پرچار ہونے لگا بلکہ دور دور تک مختلف قبائل میں آپ کی دعوت کا پیغام پہنچنا شروع ہو گیا۔ سیدنا عمرو بن عنبسہ رضی اللہ عنہ اور عمرو بن مرہ جہنی رضی اللہ عنہ جیسے رئیسانِ قبائل بھی اسلام کی دعوت سے متاثر ہو کر حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔ اس طرح دعوت اسلامی کی مقبولیت اور اسلامی برادری میں اضافہ ہونا شروع ہو گیا۔ جن لوگوں نے ابتداء میں، دعوت اسلامی پر لبیک کہا، ان میں ہو سکتا تھا کہ کچھ حضرات معاشرہ کے نچلے طبقہ سے تعلق رکھتے ہوں لیکن عقل وخرد میں سب ایک دوسرے سے بڑھ کر تھے جیسا کہ مسٹر ایس پی اسکاٹ نے لکھا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو

(S.P.Scot: The History of the Moorish Empire in Europe, Vol 1, P.94, London)

اعلان نبوت کے بعد دو سال کے اندر جن لوگوں نے اسلام کی دعوت کو قبول کیا اس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے اسلام کے حلقہ میں داخل ہونے والی خاتون سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ ان کے ساتھ ان کی چاروں صاحبزادیاں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا، سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا، سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا دولت ایمان سے بہرہ یاب ہوئیں۔ ان صاحبزادیوں کے بعد دوسری عورت جو دائرۂ اسلام میں داخل ہوئی وہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ سیدہ فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا تھیں۔ پھر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے اسلام کی دعوت کو قبول کر کے مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ کیا۔ اسی سال سیدنا بلال رضی اللہ عنہ اور ان کی والدہ حمامہ رضی اللہ عنہا حلقہ بگوش اسلام ہوئیں۔ سیدنا ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی انیس بن جنادہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے اور پھر چند دنوں کے بعد سیدنا ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ (ان کا اصلی نام جندب بن جنادہ تھا) مشرف باسلام ہوئے۔ عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ جو سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے اور صہیب رومی رضی اللہ عنہ حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے۔

Marfat.com

سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کا پورا خاندان (سوائے دو افراد کے) جن میں سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں، سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا پورا گھرانہ نور ایمان سے منور ہوا۔ بنو زہرہ کے حلیف خباب بن ارت رضی اللہ عنہ تمیمی اسلام لائے۔ اسلام لانے میں ان کا چھٹا نمبر کہا جاتا ہے۔

سنہ 1 نبوت میں سیدنا مصعب بن عمیر القرشی جو بنی عبدالدار کے نور چشم تھے، عیاش بن ربیعہ رضی اللہ عنہ، ارقم بن ابی الارقم المخزومی اور عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ اور ان کے دو بھائی قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن مظعون رضی اللہ عنہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ قبل ازیں سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ، سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے کئی ایک حضرات سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام لا چکے تھے۔ امین الامت سیدنا ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ، سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بھائی عامر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی اسی سال اسلام لائے۔ خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ الاموی، عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ، مقداد بن عمرو الکندی رضی اللہ عنہ (مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ) ام ایمن، ام الفضل زوجہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ (اصل نام لبابہ تھا) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ ام عبد حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ دو سال کے قلیل عرصہ میں اتنے لوگوں کا اپنے آبائی دین کو چھوڑ کر توحید خداوندی کو قلب کی اتھاہ گہرائیوں میں بسا لینا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزہ سے کم نہ تھا۔

(سیرۃ ابن ہشام: ۱/۴۵۳)

دو سال میں ایمان والوں کی یہ ایک چھوٹی سی جماعت بن گئی۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا ارقم بن ابی الارقم مخزومی رضی اللہ عنہ کے مکان میں ان کو جمع ہونے کا حکم دیا، اور قریباً ہر روز وہاں اجتماع ہوا کرتا تھا۔ یہاں اہل اسلام کو اکٹھا کرنے کا مقصد کتابوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا ارقم رضی اللہ عنہ بنو مخزوم سے تعلق رکھتے تھے اور بنو مخزوم کا قبیلہ اس زمانہ میں دولت وثروت کے لحاظ سے تمام قبائل سے بلند مقام رکھتا تھا۔ ابو جہل کا تعلق بھی اسی قبیلہ سے تھا اور وہ اسلام کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ غریب اور نادار مسلمانوں کو اس کے ہاتھوں سخت اذیت پہنچتی تھی، لہٰذا اس کے شر سے محفوظ رہنے کے لیے دار ارقم سے زیادہ اور کوئی محفوظ جگہ نہ تھی، اور ابو جہل اور دیگر قریشی سردار اس مکان میں داخل افراد پر زیادتی اور سختی نہیں کر سکتے تھے۔ سیدنا ارقم رضی اللہ عنہ کا مکان کوہِ صفا کے دامن میں تھا۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہیں جمع ہوتے تھے اور وہی مسلمانوں کا مرکز تبلیغ تھا۔ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایمان لائے تو اس کے بعد پھر مسلمان جہاں چاہتے وہیں جمع ہو جاتے کیونکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے سے کفر کی عمارت

Marfat.com

میں دراڑیں پڑ گئیں۔

یہ ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ ساتویں یا دسویں مسلمان ہیں۔ یہ بدر، احد اور دوسرے غزوات میں موجود تھے، اور سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت سنہ 55ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ (الاصابہ:۱/۲۸)

سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام:

روایات کے مطابق سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مخفی طور پر لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے رہے اور لوگ بھی مخفی طور پر اسلام میں داخل ہوتے رہے۔ پھر بھی قریش مکہ نے ان تمام لوگوں پر زندگی سخت کر دی جو حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ کفار مکہ نے ان پر طرح طرح کے مظالم توڑے اور وہ نہایت صبر و تحمل سے ان مصائب کو برداشت کرتے رہے، حتیٰ کہ اگر باہر سے کوئی شخص آتا اور حلقۂ اسلام میں داخل ہوتا تو قریش اس کو بھی اپنے ظلم و تشدد کا نشانہ بناتے۔

سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی دعوت کا علم ہوا تو اپنے بھائی کو مکہ بھیجا تاکہ وہ صحیح صورت حال کا پتہ لے کر آئیں۔ وہ مکہ آئے اور آپ کی دعوت سنی اور واپس جا کر اپنے بھائی ابوذر رضی اللہ عنہ کو بتایا۔ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کی اپنے بھائی کی باتوں سے تسلی نہ ہوئی۔ انہوں نے فوراً زادِ راہ تیار کیا اور مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ چونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہچانتے نہ تھے اس لیے قیافہ وغیرہ سے آپ کو تلاش کرتے رہے لیکن ناکامی ہوئی۔ ایک روز سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے انہیں دیکھ لیا۔ پتہ چلا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کو بڑی مشکل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچایا۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسلام کی تعلیمات پوچھیں اور حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کو اسلام کے اظہار سے منع فرمایا اور ہدایت فرمائی کہ وطن واپس لوٹ جائیں۔ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! میں اسلام کو چھپا نہیں سکتا۔ ابھی لوگوں کے سامنے اونچی آواز کے ساتھ اعلان کروں گا۔'' چنانچہ اسی وقت مسجد حرام میں تشریف لائے اور قریش کے مجمع عام میں اپنے اسلام کا اظہار کیا۔ یہ سن کر قریش چاروں طرف سے ان پر ٹوٹ پڑے اور اتنا مارا کہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ یہ دردناک منظر دیکھ کر سیدنا عباس رضی اللہ عنہ ان کے اوپر گر پڑے اور اہل مکہ سے کہا: ''شرم نہیں آتی، ایک غفاری کی جان لینا چاہتے ہو حالانکہ اس کا قبیلہ تمہاری تجارت کی

Marfat.com

گزرگاہ میں ہے۔ اس پر سب پیچھے ہٹ گئے لیکن ع

عشق را با مصلحت اندیشی مجنون چہ کار

سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ برابر کلمہ توحید دہراتے رہے اور پھر وہی مسجد حرام تھی اور وہی صنادید قریش کا مجمع اور وہی ان کی ستم رانی۔

(بخاری: ۵۴۵/۱، مسلم: ۲۹۵/۱، مستدرک حاکم: ۳۸/۳، البدایہ والنہایہ: ۳۴/۳، الاصابہ: ۶۲/۲)

(سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کے حالات زندگی کے لیے ملاحظہ ہو ہماری کتاب ''مسیح الاسلام سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ'')

دعوتی جدو جہد:

اعلان نبوت کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوتی جدو جہد کے سلسلہ میں آپ کے ہاں وہی فطری ترتیب نظر آتی ہے جو کسی نئے ماحول میں ایک داعی کو پیش آتی ہے۔ حالات کا یہ سخت تقاضا تھا کہ اس دعوتی کام کو پوشیدہ طور پر کیا جائے۔ چنانچہ اس کی تفصیل حافظ ابن کثیر نے اپنی کتاب البدایہ والنہایہ: ۲۴/۳ میں دی ہے۔ آپ نے اپنی پوری زندگی اس بات کا اہتمام رکھا کہ کوئی کام اس وقت سے قبل نہ کیا جائے جب تک کہ اس کی طاقت پیدا نہ ہو چکی ہو۔ چنانچہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ 38 صحابہ کرام جمع ہو گئے تو سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ سے ''ظہور'' کے لیے اصرار کیا یعنی اب ہم سامنے آ جائیں اور کھلم کھلا دین کی دعوت دیں، مگر آپ کا جواب تھا: ''یا ابابکرؓ انا قلیل'' (اے ابوبکر! ابھی ہم تھوڑے ہیں) اسی طرح اور بھی کئی مواقع پر آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دین کی کھلم کھلا دعوت دینے سے روکا۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے ان واقعات سے ان اسلامی جماعتوں کو سبق حاصل کرنا چاہیے جو افرادی قوت اور ووٹ بینک نہ ہونے کے باوجود الیکشن کے میدان میں کئی سالوں سے کود رہی ہیں اور انجام کار شکست کا منہ دیکھ کر مسلمانوں کے لیے ندامت کا باعث بن رہی ہیں۔ جب جمہوریت میں بندوں کو گنا جاتا ہے تو پہلے ان کو اپنی گنتی میں اضافہ کرنا چاہیے۔ اسی بے وقت اقدام نے پاکستان میں مسلمانوں کے حوصلے پست کرنے اور اسلامی نظام نافذ نہ ہونے میں اسلام کا نام لینے والی ان جماعتوں کا بہت بڑا عمل دخل ہے۔

Marfat.com

ضماد ازدی رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام:

ضماد بن ثعلبہ ازدی زمانہ جاہلیت ہی سے آپ کے دوستوں میں سے تھا۔ یہ جھاڑ پھونک سے لوگوں کا علاج کیا کرتا تھا۔ بعثت کے بعد یہ مکہ آیا اور اس نے ایک عجیب منظر دیکھا کہ لڑکوں کا ایک ہجوم آپ کے پیچھے ہے۔ کوئی ان میں سے آپ کو ساحر اور جادوگر کہتا ہے، تو کوئی دیوانہ اور مجنون، یہ دیکھ کر ضماد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں آسیب اور جنوں کے علاج سے بخوبی آشنا ہوں، لہٰذا اگر آپ میں آسیب کے کچھ اثرات اور جنوں کی کچھ علامات ہیں تو مجھے علاج کی اجازت مرحمت فرمائیں، ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو میرے ہاتھوں سے شفا عطا فرمائے۔ آپ نے ضماد کو جواب میں کچھ نہیں فرمایا۔ یہ چند کلمات اس کے سامنے پڑھے:

((الحمدلله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور انفسنا، من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له، وانى اشهدان لا اله الا الله وحده لا شريک له، واشهدان محمداً عبده ورسوله))

”سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، ہم سب اسی کی حمد وثناء کرتے ہیں اور اسی سے مدد مانگتے ہیں، اسی سے مغفرت کے طلب گار ہیں اور اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں اپنے نفسوں کے شر سے، جس کو وہ ہدایت سے نوازے اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جس کو وہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود برحق نہیں، وہ اپنی ذات میں یکتا ہے، کوئی اس کا شریک نہیں، اور میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان الفاظ نے ضماد ازدی پر وہ اثر کیا کہ وہ دولت ایمان سے بہرہ مند ہو کر اپنی قوم کی طرف چلے گئے۔

ضماد ازدی اور ان جیسے دوسرے لوگوں نے آپ کی جو دعوت کو قبول کیا اس میں دعوت کی ہمہ گیری کو بھی بہت بڑا دخل ہے کیونکہ دعوت کی ہمہ گیری قلب و ذہن میں خود جگہ بنا

Marfat.com

لیتی ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ جب اشراف قریش نے ابو طالب کی معرفت رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ آخر آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا:

"میں صرف ایک بات کا مطالبہ کرتا ہوں کہ تم اسے مان لو تو تم سارے عرب کے مالک بن جاؤ گے اور عجم تمہارا مطیع و منقاد ہو جائے گا۔"

(البدایہ والنہایہ:۲/۱۲۳)

(ضماد ازدی کے ایمان کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ: ۳/ ۳۶، مسند احمد: ۱/۳۰۲، الاصابہ:۲/ ۳۲۰، خصائص کبریٰ: ۱/۱۳۴، دلائل النبوۃ: ۲/ ۱۰، صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۶۰۴، دلائل النبوۃ لابی نعیم، رقم: ۱۸۷، مسلم، رقم: ۸۶۸، سیرۃ الحلبیہ : ۱/ ۳۲۹)

یہ اسلام کے کلمۂ توحید کی جاذبیت تھی کہ جو سنتا یہ کلمہ اس کے دل میں کھب جاتا۔ کلمۂ توحید بظاہر صرف ایک اعتقادی کلمہ ہے لیکن اس کے اندر ہر قسم کی انسانی فتوحات کا راز چھپا ہوا ہے۔ یہ انسانی فطرت کی آواز ہے اس لیے وہ انسانی نفسیات کی انتہائی گہرائیوں میں شامل ہو جاتا ہے اور اکثر خود مخالفین کے اندر اپنے حامی پیدا کر لیتا ہے۔ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ فتح مکہ سے کچھ پہلے اسلام لائے لیکن اسلام کی سچائی بہت پہلے سے ان کے قلب کی اتھاہ گہرائیوں میں انگڑائیاں لے رہی تھی اسلام لانے کے بعد انہوں نے بتایا کہ میرے دل میں بہت پہلے یہ بات پڑ چکی تھی کہ حق قریش کی طرف نہیں بلکہ محمد ﷺ کی طرف ہے اور مجھے آپ کے ساتھ مل جانا چاہیے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی بات نقل کی ہے کہ

"میں رسول اللہ ﷺ کے خلاف تمام جنگوں میں شریک رہا مگر کوئی جنگ ایسی نہیں تھی جس میں میں شریک ہوا ہوں اور یہ خیال لے کر واپس نہ آیا ہوں کہ میں صحیح جگہ نہیں کھڑا ہوں۔" (البدایہ والنہایہ: ۴/ ۱۳۶)

Marfat.com

پہاڑی وعظ

روایات کے مطابق سرکار دو عالم ﷺ عرب کے بت کدے میں مخفی طور پر توحید کا پرچار کرتے رہے اور لوگ مخفی طور پر حلقۂ اسلام میں داخل ہوتے رہے۔ تین سال کے قلیل عرصہ میں کوئی ڈیڑھ سو کے قریب حضرات دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ علی الاعلان اسلام کی دعوت دیں۔ اس حکم کی تعمیل میں آپ صفا کی پہاڑی پر چڑھے۔ اس زمانہ میں یہ پہاڑی بلند تھی۔ اس پہاڑی پر چڑھ کر آپ نے نام لے لے کر عرب کے قبائل کو پکارا: ''اے بنی عدی! اے بنی ہاشم اور اے بنی فہر وغیرہ۔''

یہ آواز ہر کان میں پہنچی کیونکہ یہ ایک نہایت محترم شخصیت کی آواز تھی۔ قریش کے تمام قبائل اس شخصیت کے گرویدہ تھے۔ اسے ''الصادق'' اور ''الامین'' کے معزز القاب سے پکارتے تھے۔ لہٰذا یہ آواز سنتے ہی تمام قبائل کے لوگ چھوٹے اور بڑے، خواص اور عوام اکٹھے ہو گئے۔ جب سب لوگ پہاڑی کے دامن میں جمع ہو گئے تو آپ نے اصل مدعا بیان کرنے سے قبل ان سے ایک سوال کیا:

> ''اگر میں یہ کہوں کہ یہ وادی جو اس پہاڑ کے عقب میں ہے، یہاں دشمن کی فوج موجود ہے اور وہ عنقریب تم پر حملہ آور ہونے والی ہے، تو کیا تم سب لوگ میری اس بات کی تصدیق کرو گے؟''

سب نے یک زبان ہو کر جواب دیا: ''بے شک کیونکہ ہمارا تجربہ یہ ہے کہ آپ ہمیشہ سچ بولتے ہیں۔'' جب اپنی راست گوئی کی ان سے تصدیق کروالی تو پھر فرمایا:

> ''عذاب خداوندی کا لشکر تم پر حملہ آور ہونے والا ہے۔ قبل اس کے کہ عذاب خداوندی کا یہ لشکر تم پر حملہ کرے، میں تمہیں آگاہ کر رہا ہوں۔''

پھر آپ نے اپنی نبوت اور توحید خداوندی کے بارے میں کچھ ارشاد فرمایا۔ بہت

Marfat.com

ممکن تھا کہ لوگ کچھ اثر لیتے اور آپ کے مشن کی تصدیق کرتے، لیکن آپ کے اپنے ہی خاندان بنو ہاشم کا ایک قریبی بوڑھا ابولہب (عبدالعزیٰ) بھڑکتا ہوا اٹھا اور یہ کہتا ہوا اس اجتماع سے چل دیا:

''محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! تیرے ہاتھ ٹوٹیں، کیا تو نے اس لیے ہمیں یہاں اکٹھا کیا تھا؟''

(بخاری: ۲/۷۰۲، مسلم: ۱/ ۲۰۸، طبری: ۲/ ۳۱۹، روض الانف: ۲/ ۱۰۹)

ابولہب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد ماجد عبداللہ کا بڑا بھائی تھا اور خاندان قریش کا سرپرست۔ مال و دولت کا مالک بھی تھا۔ لوگوں نے جب اتنے بڑے آدمی کو خفا ہو کر جاتے دیکھا تو دوسرے لوگ بھی اس کو دیکھ کر چل دیئے، لیکن آپ کی یہ دعوت بااثر رہی کیونکہ ہر آدمی کے ذہن میں آپ کی دعوت نبوت اور توحید خداوندی کا سوال گھر کر چکا تھا۔ وہ اپنے گھروں میں جا کر بھی اس بات پر غور و فکر کرتے رہے۔ ہمدردانہ انداز میں بھی اور مخالفانہ انداز میں بھی۔ اور یہی ایک داعی حق کی کامیابی ہوتی ہے کہ لوگ اس کی بات کو اپنے ذہنوں میں رکھ کر اس پر غور و خوض کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلانِ توحید نے عرب کی پرسکون فضا کو ہلا کر رکھ دیا کیونکہ ان کے پشتوں کے رسم و رواج کا صفایا ہو رہا تھا۔ ان کے معبودانِ باطلہ کی جڑ کاٹی جا رہی تھی لیکن دوسری طرف جو شخص یہ بات کہہ رہا تھا اور یہ دعوت دے رہا تھا، وہ بھی کوئی معمولی شخص نہ تھا۔ وہ مکہ کا سب سے زیادہ قابل اعتبار شخص تھا جس سے وہ اس سے قبل برکت حاصل کیا کرتے تھے۔ اس کو صادق اور امین کہتے ہیں۔ اس لیے ان کی سمجھ میں اس معاملہ کا حل نہیں آتا تھا۔ ایک طرف محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے اور دوسری طرف ان کے معبودانِ باطلہ تھے۔ ان کے نزدیک یہ کہنا کہ یہ بت نفع و نقصان پہنچانے اور ان کی حاجت روائی کرنے اور مصائب کے ازالہ کی طاقت نہیں رکھتے، یہ ان کے معبودوں کی سخت توہین تھی۔ وہ کہتے تھے کہ ہمارے باپ دادا ان بتوں کی پوجا کرتے رہے ہیں اور مدتوں سے کرتے رہے ہیں، تو کیا وہ احمق اور گمراہ تھے؟ یہ تو ہمارے بزرگوں کے حق میں بھی ایک گالی ہے۔

پہلے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سب باتیں مخفی طور پر کہتے تھے لیکن اب تو خدائی حکم کے تحت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ کے گلی کوچوں اور بازاروں اور قریش کی مجلسوں میں علی الاعلان اس بات کا پرچار کرنا شروع کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک ہی آواز تھی اور ایک ہی نعرہ تھا کہ اے لوگو! ''قولوا لا الٰہ الا اللہ، تفلحوا'' یعنی اے لوگو! لا الٰہ الا اللہ کہو تو کامیابی تمہارے قدم

Marfat.com

چومے گی۔ یہی بات میلوں ٹھیلوں میں بھی کہی جاتی۔ اب تو ہر ایک کے کان اس آواز سے آشنا ہو چکے تھے کہ یہ بت بے کار ہیں، ان کی عبادت کرنا فضول ہے کیونکہ یہ ہمارے نفع ونقصان کے مالک نہیں۔ یہ حاجت روا ہیں نہ مشکل کشا۔ یہ ساری خوبیاں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات میں موجود ہیں۔

قریش مکہ کی پریشانی:

قریش مکہ ایک عجیب مخمصے میں تھے کہ اس شخص کا مقابلہ کیسے کریں۔ بات بھی سچ ہے اور کہنے والا بھی قوم میں الصادق اور الامین کے ناموں سے مشہور ہے۔ آج تک اس نے کوئی غلط بات نہیں کہی اب یہ یک دم اتنی بڑی غلط بات کیسے کہہ سکتا ہے؟ لوگ ہماری بات کو کیسے باور کریں گے کہ یہ غلط کہہ رہا ہے؟ لوگ تو پہلے ہی سے اس کی ذات سے بہت متاثر ہیں۔ اس کے خلاف ایکشن لینے پر لوگوں کے ذہنوں میں کوئی ہیجان ہی پیدا نہ ہو۔ یہ بھی خطرہ تھا کہ اس کی یہ بات ذہنوں کو لگتی اور دلوں میں اترتی ہے۔ اگر لوگوں نے اس کو قبول کر لیا تو پھر ہمارے خلاف انقلاب کی ایک لہر عوام میں اٹھ کھڑی ہوگی، کیونکہ ہمارے گھروں میں دولت کے انبار دراصل عوام کا خون چوس کر اکٹھے کیے گئے ہیں۔ ہمارے یہ عالی شان مکانات، دارالقوار یا اور شیش محل غریبوں کی ہڈیوں پر استوار ہیں۔ ہمارا سارا رعب ودبدبہ غلاموں اور نچلے طبقہ کے دم قدم سے ہے، لہٰذا اس آواز کو ہر طریقہ سے دبانا بھی ضروری ہے۔

کئی روز کے سوچ بچار کے بعد انہوں نے ایک وفد تشکیل دیا اور اس کو آپ کے چچا ابوطالب کے پاس بھیجا۔ اس وفد نے جا کر کہا: ''ابوطالب! آپ کے بھتیجے نے ہمارے خداؤں اور دیوتاؤں کو برا بھلا کہا ہے۔ وہ ہماری اور ہمارے باپ دادا کی عقلوں کو حماقت زدہ کہتا ہے اور ہمارے دین کو اباطیل اور خرافات کا مجموعہ قرار دیتا ہے اور ہمارے باپ داد اور بزرگوں کو گمراہ اور راہِ راست سے بھٹکے ہوئے بتاتا ہے لہٰذا:

① یا تو آپ ان کو ان باتوں سے روک دیں۔

② یا پھر ہمارے اور ان کے درمیان سے ہٹ جائیں۔

ابوطالب نے اس وفد کو نہایت نرم لہجے میں بات کر کے سمجھا دیا اور وہ بے نیل ومرام واپس آ گئے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی الاعلان دین اسلام کے فروغ اور اس کی اشاعت کے لیے بلا جھجک مصروف رہے۔ (سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۲۶۵، تاریخ الاسلام ذہبی: ۱/ ۱۴۸)

Marfat.com

ایک اور روایت میں ہے کہ وفد کے ارکان نے ابو طالب کو دھمکی دی جس کی وجہ سے ابو طالب کچھ سہم گئے۔ چنانچہ جب سرکار دو عالم ﷺ گھر تشریف لائے تو ابو طالب نے کہا:
''بھتیجے! تمہاری قوم کے لوگ میرے پاس آئے تھے اور یہ کہہ کر گئے ہیں، لہٰذا تم مجھ پر اور اپنے آپ پر رحم کھاؤ اور مجھ پر ناقابل برداشت بار نہ ڈالو۔''

رسول اللہ ﷺ ابو طالب کی اس بات اور اس کے لب ولہجہ سے سمجھ گئے کہ ابو طالب میری حمایت اور نصرت سے کنارہ کش ہونا چاہتے ہیں، لہٰذا آپ ﷺ نے نمناک آنکھوں اور غم زدہ قلب کے ساتھ ابو طالب سے فرمایا:

''چچا! بخدا! اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر آفتاب اور بائیں ہاتھ پر ماہتاب لا کر رکھ دیں اور یہ کہیں کہ اس دعوت کے کام کو چھوڑ دو تو میں ہرگز اس کو نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ یا تو دین کو غالب کر دے یا پھر میں ہلاک ہو جاؤں۔''

ابو طالب نے سرکار دو عالم ﷺ کا عزم صمیم اور اپنے مشن پر ثابت قدمی دیکھ کر کہا:
''جان عم! میں تمہیں دشمنوں کے حوالے نہیں کروں گا۔''

(سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۲۶۶، البدایہ والنہایہ: ۳/ ۴۷)

اسلام روز بروز معاشرہ میں نفوذ کر رہا تھا۔ ہر گزرتے ہوئے دن کے ساتھ کسی نہ کسی شخص کا مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا۔ یہ بات قریش مکہ کے لیے سوہان روح تھی اور یہ صورت حال ان لوگوں کے لیے ناقابل برداشت تھی۔

مسلمانوں پر اذیتوں کی بارش:

قریش مکہ کی جب سب تدابیر رائیگاں گئیں تو اب وہ بپھر گئے۔ ان پر راتوں کی نیند حرام ہوگئی۔ اب متفقہ طور پر یہ فیصلہ ہوا کہ اسلام کے نام لیواؤں پر ظلم وتشدد اور اذیتوں کی بارش کی جائے، ان کو مشق ستم کا نشانہ بنایا جائے۔ چنانچہ اب اذیتوں کا اہل اسلام کو ہدف بنایا جانے لگا۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو مشق ستم کا نشانہ بنایا گیا لیکن کوئی اذیت بھی انہیں اسلام سے نہ ہٹا سکی۔ سیدنا خباب بن الارت رضی اللہ عنہ کو طرح طرح کی تکالیف دی گئیں۔ ایک روز انہیں دہکتے ہوئے کوئلوں پر لٹا دیا گیا اور ایک شخص ان کی چھاتی پر پاؤں رکھ کر کھڑا ہو گیا تاکہ وہ کروٹ نہ بدل سکیں یہاں تک کہ کوئلے ان کے خون اور چربی سے تر ہو کر ٹھنڈے ہو گئے۔

Marfat.com

سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی والدہ سمیہ رضی اللہ عنہا کی اندام نہانی میں ابوجہل نے برچھی ماری اور وہ جام شہادت نوش کر گئیں۔ یہ پہلی خاتون تھیں جنہوں نے اپنی جان راہ خدا میں دی۔ رضی اللہ عنہا۔

ایسے ہی اور کئی مسلمان تھے جن پر ظلم وستم کی مشق کی گئی لیکن ایک بھی اسلام کا متوالا اور نشۂ توحید سے سرشار اسلام کی صراط مستقیم سے نہ ہٹا۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی جو بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کے دو قبیلوں کی پناہ میں تھے، وہ بھی ان کی ایذاء اور ستم رانیوں سے محفوظ نہ رہ سکے۔ ابولہب کی بیوی ام جمیل نے یہ دستور ہی بنالیا تھا کہ گھر کی ساری نجاست جمع کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راستہ میں پھیلا دیتی، لیکن آپ زبان سے کچھ کہے بغیر راستہ سے وہ غلاظت ایک طرف ہٹا کر گزر جاتے۔

پھر ایک وقت چشم آفتاب نے یہ بھی دیکھا کہ اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مصائب، اذیتوں اور تکالیف میں ایک قسم کا لطف محسوس ہونے لگا۔ قریش جب ان کو ایذاء پہنچاتے تو یہ انہیں توحید خداوندی کا وعظ شروع کر دیتے جو ان کے سرور ولطف کی ایک علامت تھی۔

قریش مکہ کی الجھن:

قریش مکہ سخت پریشان تھے۔ مسلمانوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا اور کوئی سختی اور استبدادی حربہ انہیں اسلام کی راہ سے ہٹا نہیں رہا تھا بلکہ قرآنی آیات تو بڑے بڑے اساطین کفر کے دلوں پر اثر ڈال رہی تھیں۔ اب قریش مکہ کے سامنے ایک اور الجھن پیدا ہوگئی کہ موسم حج آ گیا۔ قریش کو علم تھا کہ اس موسم میں عرب سے مختلف وفود کی آمد شروع ہوگی اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام ان پر ضرور اثر کرے گا، لہٰذا کوئی ایسا منصوبہ بنایا جائے کہ اہل عرب کے دلوں پر آپ کی دعوت کا مطلق اثر نہ ہو۔ چنانچہ وہ اس بارے میں مشورہ کے لیے ولید بن مغیرہ رضی اللہ عنہ کے پاس اکٹھے ہوئے۔ بحث ومباحثہ کے بعد یہ طے پایا کہ پہلے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے الگ گفتگو کر لی جائے۔ سب اشراف مکہ نے ولید ہی کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کے لیے منتخب کیا۔ ولید مکہ کا سب سے بڑا رئیس اور متمول شخص تھا۔ ایک رئیس کی سب خوبیاں اس میں موجود تھیں۔ وہ بہترین خطیب، بلند پایہ شاعر، نہایت تجربہ کار اور سرد وگرم چشیدہ تھا۔ اس کی بڑے بڑے درباروں میں عزت افزائی ہوتی تھی۔ ولید بن مغیرہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ گفتگو کی۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مشن کی وضاحت فرمائی اور قرآن حکیم کی چند آیات پڑھ کر

Marfat.com

سنائیں جن کا ولید کے دل پر بڑا اثر ہوا اور وہ آپ سے ان آیات کو سن کر حیرت زدہ اور ہکا بکا رہ گیا اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی بات نہ کر سکا۔ چنانچہ وہ آپ کی مجلس سے خاموشی سے اٹھا اور واپس چلا گیا۔

لوگوں کو خیال ہوا کہ ولید بن مغیرہ بہک گیا ہے اور ہمیں چھوڑ کر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہو گیا ہے لیکن ولید بایں عقل و دانش حیران تھا کہ جو کلام اس نے سنا ہے، اس کے بارے میں اور خود محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں وہ کیا فیصلہ کرے۔ چنانچہ قریش محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارہ میں جو کچھ کہتے ولید اس کی تردید کر دیتا کہ وہ ایسے نہیں ہیں۔

قریش میں خود آپ کا چچا ابولہب ہی آپ کی مخالفت میں سرگرم نہ تھا بلکہ اس کی بیوی ام جمیل جس کا نام اروی تھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دشمنی اور عداوت میں اپنے شوہر سے دس قدم آگے تھی۔ پہاڑی وعظ کے موقع پر ابولہب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں جو گستاخانہ کلمات کہے تھے اس پر حق تعالیٰ شانہ نے ابولہب کی پرزور مذمت کی۔ جب ابولہب کی بیوی ام جمیل کو قرآن حکیم کی اس مذمت کا علم ہوا تو وہ بہت سٹپٹائی اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تلاش کرنے لگی۔ آپ اس وقت مسجد حرام میں تشریف فرما تھے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی اس وقت آپ کے ہمراہ تھے۔ یہ آپ کو ڈھونڈتی ہوئی مسجد حرام میں آئی۔ وہ اپنی مٹھی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مارنے کے لیے پتھر لیے ہوئے تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی نگاہ پکڑ لی۔ وہ آپ کے سامنے کھڑی تھی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ دیکھ سکی۔ وہ صرف سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیکھتے ہی پوچھا: ''ابوبکر! تمہارا ساتھی کہاں ہے؟ مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ ہماری مذمت کرتا ہے مجھے لات وعزیٰ کی قسم! اگر وہ مل گیا تو میں اس کے منہ پر پتھر دے ماروں گی۔ دیکھو، میں بھی شاعرہ ہوں۔ پھر اس نے آپ کی مذمت میں یہ شعر پڑھا

مذمماً عصینا   وامرہ ابینا   ودینہ قلینا

ہم نے مذمم کی نافرمانی کی (حسد اور غصہ کی آگ کی وجہ سے کافر آپ کو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بجائے مذمم کہتے تھے جس کا مطلب ہے وہ شخص جس کی مذمت اور برائی کی جائے۔) اس کے امر کو تسلیم نہ کیا اور اس کے دین کو نفرت اور حقارت سے چھوڑ دیا۔

یہ شعر پڑھ کر وہ واپس چلی گئی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''یا رسول اللہ! کیا اس نے آپ کو دیکھا نہیں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اس نے مجھے نہیں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی نگاہ پکڑ لی تھی۔'' (سیرۃ ابن ہشام: ۱/۳۳۵)

Marfat.com

حدیث میں ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "دیکھو، اللہ تعالیٰ نے قریش کی گالیوں اور لعن طعن سے مجھے کیسے محفوظ فرمایا۔ وہ مذمم کو گالیاں دیتے ہیں اور مذمم پر لعن طعن کرتے ہیں اور میرا نام مذمم نہیں بلکہ محمد (ﷺ) ہے۔"

(بخاری:۱۶۲/۴، سیرۃ ابن ہشام:۱۰۴/۱)

ابو جہل اور ابولہب جیسے مفسدہ پرداز اور بد بخت لوگوں کے علاوہ عقبہ بن ابی معیط بھی اپنی شقاوت اور خباثت میں بہت بڑھا ہوا تھا۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک روز سرکار دو عالم ﷺ بیت اللہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے اور ابو جہل اور اس کے کچھ اور ساتھی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے بعض نے کہا کہ کون ہے جو بنی فلاں کے اونٹ کی اوجھڑی لائے اور جب محمد ﷺ سجدہ میں جائیں تو ان پر ڈال دے؟" کسی شخص نے اس کام کے لیے حامی نہ بھری۔ آخر قوم کا بدبخت ترین اور شقی ترین آدمی عقبہ بن ابی معیط اٹھا اور اوجھڑی لا کر انتظار کرنے لگا۔ چنانچہ جب آپ سجدہ میں تشریف لے گئے تو اس بدبخت نے آپ کی پیٹھ پر دونوں کندھوں کے درمیان اس کو ڈال دیا۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں یہ سارا ماجرہ دیکھ رہا تھا لیکن میرے حالات اس زمانہ میں ایسے نہ تھے کہ میں آپ کا تحفظ کر سکتا۔ کاش کہ میرے اندر آپ کے تحفظ کی استطاعت اور طاقت ہوتی۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ یہ بدبخت اور ناہنجار لوگ یہ کام کر کے ہنسی کے مارے ایک دوسرے پر گرنے لگے۔ ادھر یہ بدبخت ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو رہے تھے اور ادھر سرور کونین فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم سجدے ہی میں پڑے رہے، سر نہیں اٹھایا یہاں تک کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں اور آپ ﷺ کی پیٹھ سے وہ اوجھڑی اٹھا کر پھینکی۔ تب آپ نے اپنا سر مبارک سجدہ سے اٹھایا۔ پھر تین دفعہ فرمایا:

((اللھم علیک الملاء من قریش))

"اے اللہ! تو قریش کو پکڑ لے۔"

جب آپ نے بددعا کی تو صنادید قریش کو بہت گراں گزری کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ اس شہر مکہ میں دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اس کے بعد آپ نے نام لے کر بددعا کی: "اے اللہ! ابو جہل کو پکڑ لے، اور عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، امیہ بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط کو پکڑ لے۔" ایک ساتویں شخص کا نام بھی لیا لیکن راوی کے ذہن سے وہ نام اتر گیا۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں

Marfat.com

میری جان ہے! میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ جن لوگوں کے نام رسول اللہ ﷺ نے گن گن کر لیے تھے وہ سب کے سب جنگ بدر میں مارے گئے اور بدر کے کنویں میں پھینکے گئے۔

(بخاری: ۵۴۳/۱، رقم ۲۴۰، ۵۲۰، ۲۹۳۴، ۳۱۸۵، ۳۸۵۴، ۳۹۶۰)

رسول اللہ ﷺ پر اس قسم کی سختی کے بے شمار واقعات حدیث و سیر کی کتابوں میں موجود ہیں جن کو طوالت کے باعث نقل نہیں کیا جا رہا۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بھی قریش مکہ اسی قسم کی سختیاں کرتے تھے تا کہ وہ اپنے دین سے پھر جائیں لیکن ''یہ وہ نشہ نہیں تھا جس کو اذیتوں کی ترشی اتار دیئے۔ اسی طرح سیدنا بلال رضی اللہ عنہ پر ایک روز روح کو پگھلا دینے والی سختی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دیکھی۔ دل بھر آیا۔ آخر کار سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو خرید کر آزاد کر دیا۔ جس کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ہماری کتاب ''سیدنا بلال رضی اللہ عنہ''

Marfat.com

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا تھے۔ ایک روز سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوہِ صفا کے پاس سے گزر رہے تھے۔ اتفاقاً ابوجہل بھی اس طرف آ گیا۔ جونہی اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو آپ کی شان میں نازیبا قسم کے کلمات بکنے لگا۔ لیکن آپ اس کی یہ ناشائستہ باتیں سن کر خاموش رہے۔ عبداللہ بن جدعان کی لونڈی یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ اتنے میں سیدنا حمزہ شکار سے واپس آئے۔ تیر کمان پاس تھا۔ اس لونڈی نے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر کہا: ''ابوعمارہ! کاش تم اس وقت موجود ہوتے جب ابوجہل تمہارے بھتیجے محمد کو سخت سست اور ناشائستہ الفاظ کہہ رہا تھا۔''

لونڈی کے منہ سے یہ الفاظ سن کر سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی ہاشمی غیرت میں جوش آیا۔ بجائے گھر جانے کے وہیں سے ابوجہل کو تلاش کرنے لگے۔ حمزہ رضی اللہ عنہ حرم میں پہنچے تو دیکھا کہ ابوجہل قریش کی ایک مجلس میں بیٹھا ہوا ہے۔ آپ نے اس کو دیکھتے ہی اس زور سے اس کے سر پر کمان ماری کہ سر سے خون بہنے لگا اور کہا: ''تو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو گالیں بکتا ہے۔ سن لے، میں خود اس کے دین پر ہوں۔'' بعض حاضرین نے ابوجہل کی حمایت میں اٹھنا چاہا لیکن ابوجہل نے سب کو روک دیا اور کہا: ''واقعی میں نے آج اس کے بھتیجے کو بہت سخت سست کہا ہے۔'' بعض حاضرین مجلس نے ازراہ تعجب کہا: ''ابوعمارہ! کیا واقعی تم صابی (بے دین) ہو گئے ہو؟'' سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور جو آپ فرماتے ہیں وہ سراسر حق ہے۔ میں ان کے ساتھ ہوں، تم سے جو ہو سکتا ہے کر لو۔''

(نہایۃ الارب: ۱۶/ ۲۰۸، دلائل النبوۃ: ۱/ ۴۵۹، السیر والمغازی: ص ۱۷۱)

اس مجلس میں جوش میں آ کر سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ یہ بات کہہ تو آئے لیکن جب گھر آئے تو شیطان نے وسوسہ ڈالا۔ ''حمزہ رضی اللہ عنہ! تم تو قریش کے سردار ہو، تم نے اس شخص کا کیسے اتباع کیا اور

Marfat.com

اپنے باپ دادا کا دین کیوں چھوڑ دیا۔ اس سے تو مرجانا بہتر ہے۔'' سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں نے حق تعالیٰ سے دعا کی: ''اے اللہ! اگر یہ ہدایت ہے تو اس کی تصدیق میرے دل میں ڈال دے ورنہ اس سے نکلنے کی کوئی صورت پیدا فرما۔'' (مستدرک حاکم: ۳/۱۹۳)

دعا مانگنی تھی کہ قلب تمام باطل خیالات سے پاک و صاف ہو گیا۔ صبح ہوتے ہی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت گرامی میں حاضر ہوئے اور تمام واقعہ عرض کیا۔ آپ نے اسلام پر ثابت قدم رہنے کی دعا فرمائی۔ (روض الانف: ۱/۱۸۶)

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مستدرک حاکم: ۱/۱۹۳، زرقانی: ۱/۲۵۶، روض الانف: ۱/۱۸۶)

ابتداءً سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا ایمان اس حمیت اور جذبہ کے طور پر تھا کہ اس کے بھتیجے کی توہین کی گئی ہے اور سر راہ ان سے دشنام آمیز رویہ اختیار کیا گیا ہے، لیکن پھر حق تعالیٰ نے اسلام کے لیے ان کا سینہ کھول دیا اور انہوں نے اسلام کا دامن نہایت مضبوطی سے تھام لیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی وجہ سے دین اسلام اور مسلمانوں کو عزت دی۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ: ۳/۳۳، عیون الاثر: ۶/۱۹۵، روض الانف: ۱/۱۸۶، زرقانی: ۶/۲۵۶، طبقات ابن سعد: ۳/۹)

Marfat.com

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

مکہ مکرمہ کی فضا ظلم وجور کے سیاہ بادلوں سے گھمبیر تر ہو رہی تھی۔ قریش مکہ کی ستم رانیاں مسلمانوں کے صبر وتحمل کا امتحان لے رہی تھیں لیکن سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کے واقعہ نے قریش مکہ پر ایک بجلی کا کام کیا۔ ان کے حاشیۂ خیال میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی تھی کہ حمزہ رضی اللہ عنہ جیسا بہادر اور دلیر شخص مسلمانوں کا بہی خواہ اور اسلام کا حامی و ناصر ہو جائے گا۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے اسلام نے ان کی پریشانیوں میں اور اضافہ کر دیا اور مسلمانوں کے لیے ہدایت کا راستہ اور آسان ہو گیا۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا ایمان لانا خرمنِ کفر پر بجلی ثابت ہوا۔ وہ سنہ 6 نبوت میں ایمان لائے، اور علماء سیر نے لکھا ہے کہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ سے تین روز بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے سے کفر کی کمر ہمت ٹوٹ گئی اور وہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشن اور دعوت کے سامنے اپنے کو بے بس سمجھنے لگے اور ان کے اسلام کی برقِ تاباں سے قریش مکہ کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ وہ سنہ 5 نبوت میں حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ (زرقانی: ۱/۲۷۲)

اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا اصلی اور حقیقی سبب تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اول تو یہ دعا فرمائی:

((اللهم اعز الاسلام باحب الرجلين اليك بعمر بن خطاب أو بابى جهل بن هشام))

''اے اللہ! عمر بن خطاب یا ابوجہل بن ہشام میں سے جو شخص تیرے نزدیک زیادہ محبوب ہے، اس کے ذریعہ سے اسلام کو قوت ونصرت عطا فرما۔''

اس حدیث کو امام احمد اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن

Marfat.com

صحیح ہے۔ (ترمذی: ۲/۲۰۹، دلائل النبوۃ: ۲/۳)

بعد ازاں آپ کو بذریعہ وحی بتایا گیا کہ ابوجہل بن ہشام کے مقدر میں تو اسلام نہیں۔ تب آپ نے خاص طور پر سیدنا عمر بن خطاب کے لیے دعا فرمائی:

((اللھم اید الاسلام بعمر بن الخطاب خاصۃ))

(سنن ابن ماجہ، رقم: ۱۰۵، زرقانی: ۱/۲۷۳، سنن کبریٰ بیہقی: ۶/۳۷۰، الکامل لابن عدی: ۶/۲۳۱۲، الاسرار المرفوعہ لعلی القاری: ص ۱۸، مسند احمد: ۱/۴۵۶، ۲/۹۵، تاریخ بغداد للخطیب: ۴/۵۴، عیون الاثر: ۱/۲۱)

ایک اور روایت جو سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اس کے الفاظ ہیں "اللھم اعز الدین بعمر" (یعنی اے اللہ! عمر رضی اللہ عنہ سے دین کو عزت دے) (طبقات ابن سعد: ۳/۲۶۹، مستدرک حاکم: ۳/۸۳، تاریخ الاسلام ذہبی: ۱/۱۷۲)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان کا سبب جو دعائے نبوی ہے، اس کا مطلب یہ نہ تھا کہ ان پر اس دعا کی وجہ سے بالکل اچانک اسلام منکشف ہو گیا اگرچہ پیغمبر کی دعا سے ایسا بھی ہو سکتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اعلیٰ اخلاقی زندگی، آپ کا شب و روز دعوت و تبلیغ دین میں مشغول رہنا، مخالفتوں کی وجہ سے آپ کا اور آپ کے پیغام کا مستقل چرچا جس کی وجہ سے ہر ایک کے لیے آپ کا وجود ایک سوالیہ نشان بن گیا تھا، ان تمام چیزوں نے بے شمار لوگوں کے ذہنوں میں اسلام کی تخم ریزی کر دی تھی۔ قبائلی عصبیت اور اسلاف پرستی کی وجہ سے ایک شخص بظاہر عناد اور ضد میں مبتلا ہوتا مگر اندر ہی اندر اسلام کی خاموش پرورش کو بھی وہ روک نہ سکتا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کے بارے میں عام شہرت یہ ہے کہ اچانک ایک واقعہ آپ کے اسلام لانے کا سبب بن گیا اور وہ واقعہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عزم قتل تھا، حالانکہ معاملہ ایسا نہیں۔ یہ درست ہے کہ آخری مرحلہ میں آپ کے اسلام کا محرک یہی واقعہ تھا لیکن اس کی ابتدائی تخم ریزی آپ کے دل کے نہاں خانہ میں بہت پہلے ہو چکی تھی۔

روایات سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا عمر اپنی درشت خوئی اور تند مزاجی کے باعث تمام مکہ میں مشہور تھے اور مسلمانوں کو ایک طویل عرصہ تک ان کی سختیاں برداشت کرنا پڑیں لیکن جملہ روایات پر مجموعی نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ رفتہ رفتہ اسلام ان کے قلب میں جاگزین ہوا۔ جب وہ مسلمانوں پر تشدد کرتے تو ان کے صبر کو دیکھ کر ان کے قلب پر ایک خاص اثر ہوتا کہ آخر اسلام میں کوئی خوبی تو ہے جبھی تو یہ لوگ ہمارے ہاتھوں اتنی تکالیف اور سختیاں برداشت

Marfat.com

کر کے بھی اسلام کی شاہراہ پر برابر گامزن ہیں۔مگر اس کے ساتھ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ باپ دادا کی ایجاد کردہ رسموں کا بہت احترام کرتے تھے اور وہ کسی صورت بھی ان کو چھوڑنے یا ان میں ردّوبدل کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ دوسرے اسلام کی پاکیزہ تعلیمات بھی ان کے ذہن کو متاثر کرتیں اور بتوں کی پوجا کے بارے میں جب اسلام کی تعلیمات پر وہ غور کرتے کہ یہ بت نہ سنتے ہیں، نہ دیکھتے ہیں اور نہ نفع ونقصان پہنچا سکتے ہیں، تو ان کے دل میں ان بتوں سے نفرت کے جذبات بھی پیدا ہوتے۔ گویا کہ ان کے قلب وذہن میں متضاد قسم کے جذبات باہم دست و گریبان تھے۔ پھر ایک ایسا وقت بھی آیا کہ مسلمانوں کی غریب الوطنی سے ان کا دل بھر آیا اور یہ دیکھا گیا کہ وہ عمر جو مسلمانوں پر ظلم وتشدد کر کے خوش ہوتا تھا، اب مکہ کے مسلمانوں کو ہجرت کرتے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں نمی اور دل میں رقت پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن اسحاق کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ ام عبداللہ بنت ابی حثمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

''بخدا! ہم لوگ حبشہ کی طرف ہجرت کر رہے تھے اور میرے شوہر عامر رضی اللہ عنہ اپنی بعض ضروریات کے لیے گھر سے باہر گئے ہوئے تھے، اتنے میں عمر بن خطاب آ گئے اور میرے پاس آ کر کھڑے ہو گئے۔ وہ ابھی تک اسلام نہ لائے تھے۔ ہم لوگوں کو ان سے بڑی تکلیفیں اور سختیاں پہنچی تھیں (**وکنا نلقی منه اذی لنا وشدة علینا**) انہوں نے مجھے کہا: ''ام عبداللہ! کوچ ہو رہا ہے؟'' میں نے جواب دیا: ''ہاں، خدا کی قسم! ہم لوگ اللہ کی زمین میں سے کسی اور زمین میں چلے جائیں گے، اس لیے کہ تم لوگ ہمیں ستاتے ہو اور ہمارے اوپر جبر وتشدد کرتے ہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لیے کوئی خلاصی کی جگہ پیدا کر دے۔'' ام عبداللہ کہتی ہیں: عمر نے کہا: ''خدا تمہارا ساتھی ہو (**صحبکم اللہ**) یہ کہتے ہوئے ان کی آنکھوں میں رقت پیدا ہوگئی جو میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ (**ورأیت له رقة لم اکن اراها**) اس کے بعد وہ چلے گئے اور ان کو ہمارے مکہ سے جانے کا بہت ملال تھا۔'' جب میرے خاوند عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ واپس آئے تو میں نے انہیں یہ واقعہ سنایا۔ وہ فرمانے لگے امید رکھو کہ عمر اسلام میں داخل ہو جائے گا۔''

(السیر والمغازی: ص ۱۸۱، دلائل النبوۃ: ۲/۹، البدایہ والنہایہ: ۳/۷۹، سیرۃ ابن ہشام: ۱/۳۴۳)

Marfat.com

اسی قسم کا ایک اور واقعہ سیرۃ ابن ہشام میں منقول ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں حرم کعبہ میں گیا اور چاہا کہ بیت اللہ کا طواف کروں۔ میں نے وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نماز پڑھ رہے ہیں اور نماز میں قرآن حکیم کی تلاوت کر رہے ہیں۔ (ایک روایت میں ہے سورۃ الحاقہ کی تلاوت فرما رہے تھے۔) فرماتے ہیں: کہ میں غلاف کعبہ کے پیچھے چھپ کر آپ کا قرآن سننے لگا۔ جب میں نے آپ سے قرآن سنا تو میرے دل میں رقت پیدا ہوئی (فلما سمعت القرآن رق فی قلبی) پس میں خوب رویا اور میرے قلب میں اسلام داخل ہو گیا۔ (فبکیت ودخلنی الاسلام) میں وہیں غلاف کعبہ کے پیچھے کھڑا رہا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی نماز ختم کی۔ آپ وہاں سے چل دیئے اور میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے پاؤں کی آہٹ محسوس کی تو مجھے پہچان لیا۔ آپ نے سمجھا کہ میں آپ کو اذیت دینے کے لیے آپ کا تعاقب کر رہا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ڈانٹا اور فرمایا: ''او خطاب کے بیٹے، کیا ابھی (تمہارے ایمان لانے کا) وقت نہیں آیا؟'' میں نے کہا: ''آ گیا ہے۔'' اس بات پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کا شکر ادا کیا، پھر فرمایا: ''اے عمر! اللہ تمہیں ہدایت دے۔'' پھر آپ نے میرے سینے پر اپنا ہاتھ پھیرا اور میرے لیے ثبات کی دعا کی۔ اس کے بعد میں تو واپس آ گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر میں داخل ہو گئے۔ (السیرۃ النبویہ لابن کثیر: ۲/ ۳۷، سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۳۴۸۔۳۴۹)

اسی طرح کی ایک اور روایت علامہ ابن الجوزی نے بھی نقل کی ہے۔

(سیرۃ عمر بن الخطاب لابن الجوزی: ص ۶)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کی پوری تفصیل ہم نے اپنی کتاب سیرۃ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ میں دی ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمالی جائے۔ مختصر یہ کہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کے تین روز بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ دولت ایمان سے بہرہ مند ہوئے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جب حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے تو جبرئیل امین علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: ''اے محمد!'' ''تمام آسمان والے عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے سے خوش ہوئے ہیں۔'' (لقد استبشر اھل السماء باسلام عمر)

(عیون الاثر: ۱/ ۲۲۱، طبقات ابن سعد: ۳/ ۱۹۲، زرقانی: ۱/ ۲۷۷، مستدرک حاکم: ۳/ ۲۴، صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۲۷۴، نہایۃ الارب: ۱۶/ ۲۵۶، ابن ماجہ، رقم: ۱۰۳، تہذیب الکمال: ۱۴/ ۴۵۴، کامل لابن عدی: ۴/ ۱۵۲۵)

Marfat.com

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں جب اسلام لا چکا تو میں نے ارادہ کیا کہ قریش میں جو شخص سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دشمنی میں بڑھ چڑھ کر ہے، میں سب سے پہلے اسی کے سامنے اپنے قبول اسلام کا اظہار اور اعلان کروں گا۔ خیال آیا کہ ابوجہل سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اور کوئی دشمن نہیں۔ چنانچہ میں سب سے پہلے ابوجہل کے مکان پر گیا۔ دروازہ بند تھا۔ میں نے دستک دی۔ ابوجہل کو میرے بارے میں اطلاع مل چکی تھی کہ میں تلوار حمائل کر کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کے ارادۂ بد سے دارارقم کی طرف گیا ہوں اور وہ ہمہ تن انتظار تھا کہ جلد از جلد خبر ملنے والی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قتل ہو گئے ہیں۔ چنانچہ اس کو معلوم ہوا کہ عمر دروازہ پر کھڑے ہیں تو اس نے نہایت عجلت سے دروازہ کھولا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کو دیکھتے ہی کہا: ''ماموں! میں اس لیے آیا ہوں کہ تمہیں بتا دوں کہ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کو قبول کر لیا ہے۔ میں خدا اور اس کے رسول برحق پر دل کی اتھاہ گہرائیوں سے ایمان لے آیا ہوں اور ان کی تصدیق کی ہے۔'' یہ الفاظ سننے تھے کہ ابوجہل پر ایک بجلی سی گری اور اس نے غضب ناک حالت میں جھٹ کواڑ بند کر لیے اور کہا: ''جا! تو اور تیرا اسلام دونوں غارت ہوں۔'' (سیرۃ ابن ہشام: ۱/۳۵۰)

ابوجہل سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اس رشتہ سے ماموں تھا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی والدہ حنتمہ بنت ہاشم بن مغیرہ ابوجہل کی حقیقی چچا زاد بہن تھی۔ ابوجہل کا نام عمرو بن ہشام بن مغیرہ تھا۔ قبول اسلام کے وقت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی عمر 26 سال تھی۔

مختصر یہ کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام خرمن کفر پر برقِ سوزاں بن کر گرا۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے کفر کی صفوں میں ایک اضطرابی کیفیت پیدا ہو گئی۔ ان کی رات کی نیندیں حرام ہو گئیں۔ ادھر مسلمانوں کی کیفیت اس سے بالکل مختلف تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا دریائے خشم بت پرستوں کے خلاف ہر وقت موج زن رہنے لگا۔ ایک روز انہوں نے نہایت دل سوزی کے ساتھ بارگاہِ نبوت میں عرض کیا: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کیوں نہیں۔ ہم یقیناً حق پر ہیں۔'' عرض کی: ''پھر نہایت تعجب ہے کہ مشرکین تو علی الاعلان بت پرستی کریں لیکن ہم خدائے ذوالجلال کے پرستار اور توحید کے علم بردار چھپ کر اپنے خدا کی عبادت کریں۔'' چنانچہ اسی روز دو صفوں میں تمام مسلمان آپ کے ساتھ باہر آئے۔ ایک صف میں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ تھے اور دوسری صف میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ مسلمانوں کے اس طرح چلنے سے ہلکا ہلکا غبار اٹھ رہا تھا حتیٰ کہ مسلمان مسجد حرام میں داخل ہو گئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قریش نے مجھے اور سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو ان کے دلوں پر

Marfat.com

ایسی چوٹ لگی جواب تک نہ لگی تھی۔ اسی روز سے رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا نام ''فاروق'' رکھ دیا۔

(سیرۃ عمر بن الخطاب ابن الجوزی: ص ۶۔۷، صفۃ الصفوۃ: ۱/۲۷۲، دلائل النبوۃ لابی نعیم: ۱/۷۹، تاریخ الاسلام، ذہبی: ۱/۱۰۸، مواہب اللدنیہ: ۱/۲۷۷)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: ''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا گویا فتح اسلام تھی اور ان کی ہجرت نصرت تھی، ان کی خلافت رحمت تھی۔ ان کے مسلمان ہونے سے قبل ہماری مجال نہ تھی کہ ہم مسجد حرام میں خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت کریں لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کے بعد ہم وہاں بلاخوف وخطر نماز پڑھنے لگے۔ (طبقات ابن سعد: ۱/۱۲۶)

Marfat.com

طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ قبیلہ دوس کے رئیس تھے۔ یہ قبیلہ یمن کے ایک گوشے میں آباد تھا اور بڑا طاقت ور قبیلہ تھا۔ ایک قلعہ بھی ان کے ہاں موجود تھا۔ طفیل شعر وسخن میں بھی خاصی دسترس رکھتے تھے اور قوت بیانی اور طلاقت لسانی میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔ قریش سے ان کے تعلقات حلیفانہ تھے۔

طفیل مکہ مکرمہ میں آئے۔ خود فرماتے ہیں کہ قریش کے آدمی مجھ سے آ کر ملنے لگے۔ جو شخص بھی مجھے ملتا وہ یہی کہتا: "طفیل! تم ہمارے شہر میں نو وارد ہو، اس لیے ہم تمہیں ازراہِ ہمدردی اور خیر خواہی خبردار کرتے ہیں کہ یہاں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نام کا ایک شخص ہے جس نے ہماری جمعیت اور وحدت قومی کو پراگندہ اور پارہ پارہ کر کے رکھ دیا ہے۔ اس کا کلام سحر آمیز اور جادو بھرا ہے۔ وہ اپنی طلاقت لسانی اور جادو آمیز قوت بیانی سے باپ بیٹے، بھائی بھائی اور میاں بیوی کے مابین جدائی کی خلیج پیدا کر دیتا ہے۔ اس نے ہمارا قومی شیرازہ منتشر کر کے رکھ دیا ہے۔ تم نو وارد ہونے کی وجہ سے یہاں کے حالات سے یک قلم بے خبر اور ناآشنا ہو، اس لیے ہمیں تمہاری طرف سے یہ اندیشہ ہے کہ کہیں تم اس کے دام میں نہ پھنس جاؤ۔ پس یہ ہمارا خیر خواہانہ مشورہ ہے کہ قیام مکہ کے دوران اس شخص سے دور رہنا اور اس کی بات کی طرف ہرگز توجہ نہ کرنا۔

طفیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مکہ کے لوگوں نے مجھے اپنی باتوں سے اس قدر وحشت زدہ کر دیا کہ اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی تاکہ بالفرض سر راہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات ہو بھی جائے تو میں آپ کی کوئی بات نہ سن سکوں۔ لیکن یہ ساری باتیں بیکار ثابت ہوئیں کیونکہ دوسرے ہی روز میں نے آپ کو بیت اللہ کے نزدیک نماز پڑھتے دیکھا۔ مجھے آپ کا یہ طریقہ عبادت بہت پسند آیا۔ میں آپ کے نزدیک جا کر کھڑا ہو گیا اور میں نے آپ کا کلام سن لیا اگرچہ میں اس کو سننا نہیں چاہتا تھا۔ آپ کے کلام میں بڑی دل آویزی اور جاذبیت تھی لہٰذا میں ایک شاعر، دانشور اور مبصر ہونے کے باوجود آپ کے کلام سے بہت متاثر ہوا۔ جب آپ نماز

Marfat.com

سے فارغ ہوئے تو میں نے ساری حقیقت آپ سے بیان کہ آپ کی قوم نے مجھے آپ کا کلام سننے سے کس قدر خوف زدہ کر دیا تھا۔ آپ اپنا دین مجھ پر پیش کریں۔ اگر آپ کی باتوں میں حق وصداقت کی روح نظر آئی میں ضرور قبول کروں گا۔ آپ نے مجھ کو دین کے بنیادی اصول بیان فرمائے اور سورۃ اخلاص اور معوذتین کی تلاوت فرمائی۔ میں بادۂ اسلام کے ایک ہی جام سے سرشار ہو گیا اور اسی وقت حلقۂ اسلام میں داخل ہو گیا۔

سیدنا طفیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مسلمان ہونے کے بعد میں نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی: ''یارسول اللہ! میں اپنی قوم کا سردار ہوں۔ چاہتا ہوں کہ واپسی کے بعد اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے کوئی نشانی عطا فرمائیں جو اس بارے میں میری معین و مددگار ہو۔'' آپ نے دعا فرمائی کہ ''اے اللہ! اس کے لیے کوئی نشانی پیدا فرما۔'' فرماتے ہیں کہ جب میں واپس وطن پہنچا تو میری آنکھوں کے درمیان چراغ کی طرح ایک نور پیدا ہو گیا۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اس نور کو بجائے چہرہ کے کسی اور جگہ منتقل کر دے۔ میری قوم کہیں اس کو مثلہ نہ سمجھ لیں کہ باپ دادا کا دین چھوڑنے کی وجہ سے اس کی شکل وصورت بدل گئی ہے۔ چنانچہ وہ نور اسی وقت میرے کوڑے کی طرف منتقل ہو گیا اور وہ کوڑا ایک قندیل کی مانند ہو گیا۔

فرماتے ہیں کہ میں گھر پہنچا۔ صبح سویرے میرے والد صاحب جو ایک سن رسیدہ بزرگ تھے مجھے ملنے کے لیے آئے۔ میں نے ان کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے یہ عرض کیا کہ آئندہ سے میرا اور آپ کا تعلق منقطع ہے۔ والد نے کہا: ''بیٹا، کیوں کیا بات ہے؟'' میں نے عرض کیا کہ میں شرک وکفر کی نجاست سے نجات پا گیا ہوں اور آپ ابھی تک شرک کی غلاظت میں آلود ہیں۔ انہوں نے بجائے کوئی تلخ جواب دینے کے مجھ سے اس دین کے بارے میں تفصیل پوچھی جس کو میں نے قبول کیا ہے۔ تفصیل بتانے پر وہ بھی حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔ پھر میں نے وہ دین اپنی اہلیہ پر پیش کیا۔ اور اس سے کہا کہ اگر تجھے یہ اندیشہ ہے کہ بتوں کو چھوڑنے سے کہیں بچوں کو کسی قسم کا ضرر نہ پہنچے تو میں اس کا ذمہ دار ہوں۔ چنانچہ میری بیوی اور میری والدہ دونوں ہی دائرہ اسلام میں داخل ہو گئیں۔

بعد ازاں میں نے اپنے قبیلہ دوس کو اسلام کی دعوت دی لیکن انہوں نے اسلام قبول کرنے میں تامل کیا۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس وقت صرف سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔ (الاصابہ: ۲/۲۲۶)

قبیلہ کا یہ انکاری رویہ دیکھ کر میں پھر واپس مکہ آیا اور بارگاہِ نبوت میں قبیلہ کے

Marfat.com

مسلمان ہونے کے لیے دعا کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے ہاتھ اٹھائے اور دعا فرمائی: ''اللھم اھد دوساً وائت بھم'' یعنی اے اللہ! قبیلہ دوس کو ہدایت فرما اور انہیں مسلمان بنا کر یہاں بھیج۔ پھر آپ ﷺ نے مجھے فرمایا کہ جاؤ نرمی سے انہیں اسلام کی طرف بلاؤ۔ میں نے واپس آ کر نرمی سے انہیں اسلام کی دعوت دی تو آپ ﷺ کی دعا کے اثر سے تھوڑے ہی عرصہ میں قبیلہ کے لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونا شروع ہو گئے۔ اسی اثناء میں رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ اس کے بعد جب آپ سنہ 7ھ میں غزوہ خیبر میں تشریف لے گئے، اس وقت میں اپنے قبیلہ کے ستر یا اسی گھرانوں کے ساتھ بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوا۔ یہ سب لوگ میرے ہاتھ پر اسلام لائے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہم پر بڑی نوازشات فرمائیں۔

فتح مکہ کے بعد میں نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ عمرو بن حممہ کے بت ذوالکفین کے جلانے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ آپ ﷺ نے اجازت مرحمت فرما دی اور سیدنا طفیل رضی اللہ عنہ نے جا کر اس بت کو نذر آتش کر دیا۔ آپ بت کو جلاتے جاتے اور یہ رجز پڑھتے جاتے۔

یا ذالکفین لست من عبادک
میلادنا اکبر من میلادک
انی حشوت النار فی فؤادک

''اے ذوالکفین! میں تیری عبادت کرنے والوں میں سے نہیں ہوں کیونکہ میری پیدائش تیری پیدائش سے مقدم ہے۔ میں نے تیرے اندر خوب آگ بھری ہے۔''

طفیل رضی اللہ عنہ پھر مدینہ طیبہ واپس آ گئے یہاں تک کہ سرکار دو عالم ﷺ کا انتقال ہو گیا۔ پھر یہ اور ان کے بیٹے عمرو بن طفیل رضی اللہ عنہ جنگ یمامہ میں شریک ہوئے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں شہید ہوئے۔ اور ایک روایت کے مطابق جنگ یمامہ ہی میں جام شہادت نوش فرمایا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ: ۳/ ۹۸۔۱۰۱، سیرۃ ابن ہشام: ۲/ ۳۸۲۔۳۸۵، عیون الاثر: ۱/ ۲۳۹، طبقات ابن سعد: ۴/ ۱۷۵، دلائل النبوۃ لابی نعیم: ۱/ ۷۸)

بعض روایات میں ہے کہ اندھیری رات میں ان کا کوڑا روشن ہو جاتا، اس وجہ سے وہ ''طفیل ذی النور'' کے لقب سے مشہور ہو گئے۔

(الاصابہ: ۲/ ۲۲۵، الاستیعاب: ۲/ ۲۳۱، خصائص کبریٰ: ۱/ ۱۳۶)

Marfat.com

ہجرت حبشہ اولیٰ

ایک جانب زہرہ گداز جبر وتشدد اور ظلم و استبداد اور دوسری طرف اسلام کے نام لیواؤں کی استقامت۔ مرد، عورتیں، آزاد، غلام اور لونڈیاں سب مئے اسلام سے سرشار۔ ان کے صبر واستقامت نے تشدد اور استبداد کو شکست فاش دے دی۔ رسول اللہ ﷺ کی دعوت سے ان کے اندر کا ایک نیا انسان نمودار ہو گیا اور ان کے سینوں میں نئی قوتیں جاگ اٹھیں جنہوں نے قریش کے ظلم وستم کو ہمیشہ کے لیے مات دے کر جریدۂ عالم پر ایک نئی تاریخ رقم کی۔

ہر مصیبت کی برداشت کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ امتحان کی جن کٹھن راہوں سے اسلام کے ان جانثاروں کو گزرنا پڑا، اس میں انہوں نے ایک یادگاری نمونہ قائم کیا۔ ظلم واستبداد کا سائیکلون کہیں تھمنے میں نہیں آ رہا تھا بلکہ ظلم کی یہ آندھی روز بروز زور پکڑتی جا رہی تھی۔ مکہ کی سرزمین یاس انگیز ہوتی جا رہی تھی اور اس امر کے آثار ظاہری طور پر بالکل نظر نہیں آ رہے تھے کہ مستقبل قریب میں اسلام کا شجرہ طیبہ اس سنگلاخ زمین میں برگ وبار لا سکے گا۔ رسول اللہ ﷺ جبر اور صبر کی آویزش کو ایسے مراحل میں داخل ہوتے دیکھ رہے تھے جہاں انسانی صبر کا پیمانہ چھلک سکتا ہے۔ مسلمان بے چین تھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی (متیٰ نصر اللہ)

جوں جوں مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا قریش مکہ کے جور وستم میں بھی روز بروز اضافہ ہو رہا تھا یہاں تک کہ نبوت کے پانچویں سال یہ سلسلۂ جبر واستبداد اور جور وستم اپنے پورے شباب پر آ گیا۔ اہل کفر جہاں کہیں کسی مسلمان کو پاتے درندوں کی طرح اس پر ٹوٹ پڑتے۔ پورے مکہ میں اس کی مثالیں موجود تھیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ تکالیف آپ کو بے چین کیے ہوئے تھی اور آپ ﷺ راتوں کو اٹھ اٹھ کر ان کی مخلصی کی دعائیں فرماتے۔ ان کو صبر وبرداشت کی تلقین کرتے۔ لیکن جب کافروں کا جور وستم حد سے بڑھ گیا تو ایک روز لسانِ نبوت سے مظلوم ومجبور مسلمانوں نے یہ الفاظ سنے:

Marfat.com

''تم اللہ کی زمین پر کہیں چلے جاؤ یقیناً اللہ تعالیٰ تم سب کو عنقریب جمع کرے گا۔''

ان مظلوموں نے پوچھا کہاں جائیں۔ آپ نے حبشہ کے ملک کی طرف اشارہ فرمایا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے یہ بھی فرمایا: ''ھی ارض صدق'' وہ راستی کی سرزمین ہے۔ وہاں کا حکمران ایسا ہے جس کی قلم رو میں کوئی کسی پر ظلم نہیں کر سکتا۔ چنانچہ آپ ﷺ کا حکم پاتے ہی بارہ مردوں اور چار عورتوں کا ایک مختصر سا قافلہ فی الفور ماہ رجب سنہ 5 نبوت کو ہجرت کے لیے آمادۂ سفر ہو گیا۔ راہِ خدا میں غریب الوطن ہونے والی یہ مقدس جماعت مندرجہ ذیل حضرات پر مشتمل تھی:

مرد	مستورات
① سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ	① سیدہ رقیہ طاہرہ بنت رسول اللہ ﷺ زوجہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ
② سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ	
③ سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ	
④ سیدنا عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ	
⑤ سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ	
⑥ سیدنا ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ	② ابو حذیفہ کی اہلیہ سیدہ سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہا
⑦ سیدنا ابو سلمہ بن عبد الاسد المخزومی	③ سیدہ ام سلمہؓ اہلیہ ابو سلمہ بن عبد الاسدؓ
⑧ سیدنا سہیل بن بیضاء	
⑨ سیدنا عامر بن ربیعہ عنزی رضی اللہ عنہ	④ سیدہ لیلیٰ بنت ابی حثمہؓ زوجہ عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ
⑩ سیدنا ابو سبرہ بن ابی رہم عامری	⑤ ام کلثوم بنت سہیل بن عمر زوجہ ابو سبرہ رضی اللہ عنہ
⑪ سیدنا حاطب بن عمرو رضی اللہ عنہ بن عبد شمس بن عبد ود	
⑫ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ	(عیون الاثر لابن سید الناس: ۱/ ۲۰۹)

ابن اسحاق نے ابو سبرہ بن ابی رہم کے ساتھ ان کی اہلیہ ام کلثوم بنت سہیل کا نام بھی

Marfat.com

لکھا ہے۔ محمد بن اسحاق نے حاطب بن عمرو اور ام کلثوم کا نام ذکر نہیں کیا۔ یہ دو نام عیون الاثر میں حافظ ابن سید الناس نے ذکر کیے ہیں۔ (عیون الاثر: ۱/۲۰۹) اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پہلی ہجرت حبشہ میں شریک نہ تھے بلکہ دوسری میں تھے۔
(فتح الباری: ۷/۱۴۳)

یہ گیارہ یا بارہ مرد اور چار یا پانچ عورتیں رات کی تاریکی میں مکہ سے پیدل اور سوار چھپتے چھپاتے روانہ ہوئے۔ سب سے پہلے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اپنی اہلیہ سیدہ رقیہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کے ساتھ مکہ سے نکلے اور سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوط علیہ السلام کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنی اہلیہ کے ساتھ اللہ کے راستہ میں ہجرت کی۔

یہ حضرات وہاں نہایت امن وامان اور احسن طریق سے اپنی زندگی کے ایام گزار رہے تھے اور مکہ کے جور وستم کے زخم مندمل ہونے لگے۔ ابھی انہیں حبشہ میں رہتے ہوئے تین ماہ ہی گزرے تھے کہ انہیں یہ خبر ملی کہ اہل مکہ مسلمان ہو گئے ہیں۔ خوشی کی یہ خبر سن کر یہ لوگ واپس مکہ آ گئے لیکن جب یہ حضرات مکہ کے قریب پہنچے تو پتہ چلا کہ یہ ایک افواہ تھی۔ اب ان کے لیے نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن کا معاملہ ہو گیا، لہٰذا وہ رات کی تاریکی میں چھپ کر یا کسی کی پناہ لے کر مکہ میں داخل ہوئے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ: ۳/۶۶۔۶۷، عیون الاثر: ۱/۲۰۹، سیرۃ ابن ہشام: ۱/۳۲۲۔۳۲۳)

Marfat.com

ہجرت حبشہ ثانیہ

حبشہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی واپسی کے بعد قریش کی ظلم آرائیاں اور ستم رانیاں حد برداشت سے بڑھ گئیں لہٰذا شیفتگانِ حق و صداقت کی درخواست پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ مسلمانوں کو حبشہ جانے کی اجازت مرحمت فرما دی، لیکن اب قریش بھی نہایت چوکنے ہو چکے تھے۔ اب کی بار ہجرت کرنا پہلے کی طرح آسان نہ تھا، چنانچہ 82 یا 83 مردوں اور 18 عورتوں نے نہایت مستعدی کے ساتھ ہجرت کی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل خاص کے ساتھ ان کے اس سفر کو آسان بنا دیا۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ارادۂ ہجرت:

یہ حضرات تو ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ تو ان کے ساتھ نہ گئے لیکن دوسرے جان نثارانِ اسلام کی طرح وہ بھی قریش مکہ کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معاون، وزیر اور ہر معاملہ میں مشیر تھے، لہٰذا قریش مکہ کی نظر التفات بھی ان کی طرف سب سے زیادہ تھی۔ ایک روز دشمنان اسلام کی پیہم جفا کاریوں اور یورشوں سے تنگ آ کر آپ نے بھی حبشہ جانے کے ارادہ سے مکہ مکرمہ کو الوداع کہہ دیا۔

جب آپ برک الغماد کے مقام پر پہنچے جو مکہ مکرمہ سے یمن کی جانب چار منزل پر ہے تو قبیلہ قارہ کے سردار ابن الدغنہ (اصل نام سبیعہ بن رفیع تھا) نے پوچھا: ''ابو بکر! کہاں کا ارادہ ہے؟'' فرمایا: ''میری قوم مجھ کو مکہ میں رہنے نہیں دیتی لہٰذا چاہتا ہوں کہ کہیں اور جا کر اللہ تعالیٰ کی یاد میں مصروف رہوں۔'' ابن الدغنہ نے کہا: ''یہ نہیں ہو سکتا کہ تم جیسا معزز، نیک کردار، پارسا، مہمان نواز، صلہ رحم، بے کسوں، بیواؤں اور یتیموں کی کفالت اور دست گیری

Marfat.com

کرنے والا اور مصیبت زدوں کے کام آنے والا شہر بدر ہو جائے۔ تم واپس چلو اور اپنے شہر میں اپنے رب کی عبادت کرو۔ میں تمہیں اپنی حمایت اور پناہ میں لیتا ہوں۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ابن الدغنہ کے ساتھ واپس چلے آئے۔ ابن الدغنہ مکہ مکرمہ پہنچ کر تمام سردارانِ قریش سے فرداً فرداً ملا اور نہایت افسوس سے ان سے کہا: ''کیا غضب ہے کہ تم اوصاف اعلیٰ کے حامل شخص کو شہر میں رہنے نہیں دیتے۔ یہ اب میری امان میں ہیں۔'' قریش نے کہا: ''ابن دغنہ رضی اللہ عنہ تم نے جو انہیں پناہ دی ہے وہ ہمیں اس شرط کے ساتھ منظور ہے کہ وہ سراً اور چھپ کر اپنے رب کی عبادت کریں۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کچھ دنوں تک تو پوشیدہ طور پر ہی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہے، لیکن آخر نہ رہا گیا تو اپنے گھر کے صحن میں ایک مسجد بنالی۔ (یہ اسلام میں سب سے پہلی مسجد تھی) آپ اس میں عبادت بھی کرتے اور قرآن حکیم کی بڑے دردانگیز لہجے میں تلاوت فرماتے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ قریش کی عورتیں اور نوجوان قرآن حکیم کی جاذبیت اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دردانگیزی کے باعث وہاں اکٹھے ہو جاتے اور متاثر ہوتے۔ یہ بات قریش کے لیے سوہان روح تھی۔ قریش نے ابن الدغنہ سے شکایت کی کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ معاہدہ کی خلاف ورزی کر رہے ہیں کیونکہ معاہدہ میں یہ تھا کہ وہ پوشیدہ طور پر عبادت اور تلاوت کریں گے۔ اگر وہ راضی نہ ہوں تو وہ تمہاری پناہ سے دست کش ہو جائیں۔ ابن الدغنہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے قریش کی شکایت کا تذکرہ کیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''مجھ کو تمہاری پناہ کی ضرورت نہیں، میں اللہ رب العزت کی پناہ میں آتا ہوں۔'' اور اس طرح سے آپ نے ابن الدغنہ کی پناہ ختم کر دی۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے عمدۃ القاری میں لکھا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلی مسجد جو تعمیر ہوئی وہ یہی مسجد تھی جو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مکہ معظمہ میں تعمیر کرائی۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو بخاری: ۱/ ۳۰۷، فتح الباری: ۷/ ۱۸۱، زرقانی: ۱/ ۲۸، البدایہ والنہایہ: ۳/ ۹۵، سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۳۷۲-۳۷۴)

حبشہ میں قریش کی سفارت:

حبشہ کی دوسری ہجرت میں بھی جو مسلمان وہاں گئے وہ قریش مکہ کے دست تطاول اور تعدی سے بچ کر نہایت امن و عافیت و اطمینان و سکون سے اپنی زندگی کے دن گزارنے لگے۔ شاہ حبشہ اصحمہ جس کا لقب نجاشی تھا، ان سے مربیانہ اور مشفقانہ سلوک کرنے لگا۔ جب

Marfat.com

قریش مکہ کو اس بات کا علم ہوا تو وہ زخمی سانپ کی طرح پیچ و تاب کھانے لگے۔ وہ کسی صورت بھی ان لوگوں کو امن و عافیت میں دیکھنے کے روادار نہ تھے۔ انہوں نے باہمی مشورے سے ایک سفارت تیار کی اور نجاشی اور اس کے ارعیان سلطنت کے لیے مختلف قسم کے تحائف اور ہدایا لیے۔ یہ تحائف اور ہدایا دراصل ایک رشوت تھی جو نجاشی کے دربار کے پادریوں کو اس لیے دینا تھی تاکہ وہ اہل سفارت کی ہر بات کی تائید کریں۔ لیکن نجاشی ایک انصاف پسند اور عدل پرور بادشاہ تھا۔ سفارت کاروں نے مسلمانوں پر جو الزامات لگائے اور ان کے نئے دین کے بارے میں جو کچھ کہا نجاشی کو ان میں کوئی وزن نظر نہ آیا۔ وہ اصل قضیئے کو گہرائی سے کھنگالنا اور اس کے تمام پہلوؤں کو سننا ضروری سمجھتا تھا۔ چنانچہ اس نے مسلمانوں کو بلا بھیجا۔ دوسرے روز جب مسلمان دربار شاہی میں حاضر ہوئے تو مسلمانوں نے صرف سلام پر اکتفا کیا اور مقررہ آداب کے مطابق نجاشی کو سجدہ نہ کیا۔ ایوان حکومت اور درباریوں پر مسلمان کا یہ طرز عمل نہایت گراں گزرا۔ چنانچہ مسلمانوں سے پوچھا گیا کہ تم لوگوں نے بادشاہ کو سجدہ کیوں نہیں کیا؟ مسلمانوں نے اپنی طرف سے 26 سالہ سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو اپنا نمائندہ مقرر کیا۔ انہوں نے اس سوال کا بڑی دلیری اور جرأت سے جواب دیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو سجدہ نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف ایک رسول بھیجا ہے اس نے ہم کو یہی حکم دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو سجدہ نہ کرو۔ ہم خود اس رسول کو بھی اسی طرح سیدھے سادھے طریق سے سلام کرتے ہیں اور آپس میں بھی ایک دوسرے کو اسی طرح سلام کرتے ہیں۔

نجاشی نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ عیسائیت اور بت پرستی کے سوا وہ کون سا دین ہے جو تم نے اختیار کیا ہے۔ یہ سوال اس نے اس لیے پوچھا کہ اہل مکہ کے سفارت کاروں نے کہا تھا کہ انہوں نے ایک نیا دین گھڑ کر ایک تخریبی طوفان کھڑا کر دیا ہے۔ (البدایہ والنہایہ: ۷۳/۳)

سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ نجاشی کے دربار میں مسلمانوں کے ترجمان کی حیثیت سے دربار میں کھڑے تھے اور وہ ان تمام سوالات کا جواب دے رہے تھے جو نجاشی اور قریش کے سفیروں اور نجاشی کے درباریوں کے طرف سے ان پر اٹھائے جا رہے تھے۔ سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے ان تمام مظالم کا بھی ذکر کیا جو اہل قریش کی طرف سے ان پر کیے گئے اور جن کی وجہ سے وہ اپنا ملک چھوڑ کر حبشہ میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔

جب سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے دین اسلام کی یہ باتیں اور اپنے پر کیے گئے مظالم کی داستانیں نجاشی کو بھرے دربار میں سنائیں تو مسلمانوں نے دیکھا کہ نجاشی کے تیور بتا رہے

Marfat.com

تھے کہ سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کی یہ باتیں اس کے دل کے بند دروازے پر دستک دے رہی ہیں۔ اتنے میں انہوں نے نجاشی کے منہ سے یہ سنا کہ ''تمہارے اس رسول پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی کلام بھی اترا ہے؟'' سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ہاں، برابر نازل ہو رہا ہے۔'' نجاشی نے کہا: ''اچھا اس میں سے کچھ سناؤ۔'' سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ نے سورۃ مریم کا ابتدائی حصہ پڑھا۔ پورا دربار، شاہی عمائدین اور پادریوں سے بھرا پڑا تھا۔ قرآن حکیم کے الفاظ کی جاذبیت نے تمام حاضرین کو ہمہ تن گوش بنایا ہوا تھا۔ ابھی چند آیات ہی آپ نے پڑھی تھیں کہ خود نجاشی اور تمام درباریوں کی آنکھوں میں آنسوؤں کے چشمے ابلنے لگے۔ جب سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے تلاوت ختم کی تو بادشاہ نجاشی نے کہا کہ ''بخدا! یہ کلام جو تم نے پڑھ کر سنایا اور وہ کلام جو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے، دونوں ایک ہی شمع فیض کے پرتو ہیں۔

اب بادشاہ نے حکم دیا کہ قریش کے ان سفیروں کے تمام ہدیے اور تحائف واپس کر دیے جائیں اور ان سے کہہ دیں کہ یہاں سے چلے جائیں۔ میں ان مظلوموں کو کسی صورت تمہارے حوالے نہیں کروں گا۔''

(تاریخ الاسلام ذہبی: ۴/۱۸۴۔۱۹۱، مسند احمد: ۱/۲۰۱، سیرۃ ابن ہشام: ۱/۳۳۴۔۳۳۸، مجمع الزوائد: ۶/۲۷، البدایہ والنہایہ: ۳/۷۰۔۷۲)

قریش کے دونوں سفیر عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ جب دربار سے بے نیل و مرام واپس نکلے تو قائد سفارت عمرو بن العاص کو اپنی اس سفارت کی ناکامی کی اتنی ندامت ہوئی کہ واپس آ کر وہ خانہ نشین ہو گئے اور گھر سے باہر نکلنے کا نام نہ لیتے تھے۔ اشراف و اعیان قریش نے آدمی بھیج کر جب ان سے باہر نہ نکلنے کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے کہلا بھیجا کہ نجاشی شاہ حبشہ کا گمان ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے سچے پیغمبر ہیں۔ (گویا ان کے دل میں بھی آپ کی نبوت کا بیج جڑ پکڑ گیا تھا۔) (البدایہ والنہایہ: ۳/۱۲۷)

Marfat.com

سوشل بائیکاٹ

حبشہ سے قریش کی سفارت کے ناکام واپس آنے کے بعد عمرو بن العاص تو خانہ نشین ہو گئے لیکن قریش مکہ کے غیظ و غضب کو ایک تازیانہ لگا اور انہوں نے مکہ میں رہنے والے مسلمانوں پر اور سختی کر دی۔ انہوں نے ہر طریقے سے مسلمانوں اور پیغمبر اسلام ﷺ پر ظلم و تشدد تیز کر دیا۔ اس سلسلہ میں یہ مشہور روایت ہے کہ ایک مرتبہ سرکار دو عالم ﷺ حطیم میں مصروف نماز تھے کہ عقبہ بن ابی معیط آ گیا۔ اس نے آتے ہی اپنی چادر آپ کے گلے میں ڈال کر نہایت سختی سے اس کو مروڑا جس سے آپ کا گلا گھونٹا گیا۔ اتنے میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آ گئے۔ انہوں نے اس بے ایمان کو اس کے دونوں کندھوں سے پکڑ کر دھکا دیا اور اسے سرکار دو عالم ﷺ سے پرے ہٹاتے ہوئے فرمایا:

أتقتلون رجلاً ان يقول ربيّ الله (بخاری: ۱/۵۴۴)

''کیا تم ایک آدمی کو اس لیے قتل کرتے ہو کہ وہ یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔''

اس طرح کے اور کئی واقعات کتابوں میں ملتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ قریش مکہ آپ کی دعوت سے نہایت پریشان اور مضطرب تھے، لیکن ان کی سمجھ میں خلاصی کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا تھا۔ ترغیب و ترہیب کا ہر حربہ وہ استعمال کر چکے تھے لیکن ناکام رہے۔ وہ کئی مرتبہ آپ کو قتل کرنے کے اقدام کا بھی جائزہ لے چکے تھے لیکن وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ اگر ایسا کیا گیا تو مکہ کی وادی مشرکین کے خون سے لالہ زار بن جائے گی، لہٰذا اب انہوں نے اپنی اسٹریجی میں تبدیلی کی اور آپ کے اقدام قتل کے بجائے ظلم کی ایک اور راہ تجویز کی جو پہلی تمام ظالمانہ کارروائیوں سے زیادہ سنگین اور سخت تھی۔

وہ ظالمانہ کاروائی آپ کا سوشل بائیکاٹ تھا۔ قریش نے متفقہ طور پر ایک تحریری

Marfat.com

معاہدہ تیار کیا کہ ''جب تک بنو ہاشم اور بنو مطلب محمد ﷺ کو قتل کے لیے ان کے حوالے نہ کر دیں گے، ان دونوں خاندانوں سے ہر قسم کے تعلقات منقطع کر دیئے جائیں۔ نہ کوئی شخص ان سے میل جول رکھے گا اور نہ ان کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کرے گا۔ ان کے پاس کھانے پینے کا سامان نہ جانے دے گا۔ ان سے کسی قسم کی رواداری نہ برتے گا اور نہ ان کے ساتھ کوئی رشتۂ ازدواج قائم کرے گا۔

اس معاہدہ پر تمام قبائل قریش کے سربرآوردہ حضرات نے دستخط کیے اور اس کو خانہ کعبہ کی چھت سے آویزاں کر دیا گیا۔ اس معاہدہ کے بعد بنو ہاشم اور بنو مطلب کا مکمل بائیکاٹ شروع ہو گیا اور ابولہب کے سوا بنو ہاشم اور بنو مطلب کے تمام افراد خواہ وہ مسلمان تھے یا کافر، سمٹ کر شعب بنو ہاشم میں محبوس ہو گئے۔ سیرۃ کی اکثر کتابوں میں اس کا نام شعب ابی طالب لکھا ہوا ہے جو کہ غلط ہے۔ دراصل یہ ایک پہاڑ کا درہ تھا جو خاندان بنو ہاشم کا موروثی تھا اور اس کا اصل نام ''شعب بنی ہاشم'' تھا۔

(ملاحظہ ہو سیرۃ النبی ﷺ: ۱/۲۴۵ تعلیقہ، تاریخ التواریخ: ۲/۳۴۱، العقد الفرید: ۳/۹۶)
(فتح الباری: ۷/۱۴۷)

اس درہ میں مسلسل تین سال تک یہ دونوں خاندان محبوس رہے۔ یہ تین سال نہایت سنگین تھے جس کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب ''سیرۃ خاتم النبیین ﷺ'' میں دی ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ محصوری کے باوجود سرکار دو عالم ﷺ اور دوسرے مسلمان ایام حج میں شعب بنی ہاشم سے باہر نکلتے اور حج کے لیے آنے والے لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے، اور جس مقصد کے لیے قریش مکہ نے ان اللہ والوں کو گھاٹی میں محصور کیا تھا وہ پھر بھی پورا نہ ہوا اور اسلام کی تبلیغ اور دین کی دعوت برابر جاری رہی۔

نظر بندی کے ان تین سالوں میں جو احوال گزرے ان کو پڑھنا اور لکھنا بڑے دل گردے کا کام ہے۔ پتھر دل انسان کی آنکھیں بھی نمناک ہو جاتی ہیں۔ اس عرصہ میں گھاٹی میں درختوں کے پتے نگلے جاتے رہے۔ سوکھے چمڑے ابال ابال کر اور آگ پر بھون بھون کر پیٹ کی آگ کو بجھایا جاتا رہا۔ اب حالت یہ ہو گئی کہ بنو ہاشم کے بچے بھی بھوک کے مارے بلکتے تھے، ماؤں کے پستانوں کا دودھ خشک ہو گیا تھا۔ بچوں کی درد بھری آوازیں دور دور تک جاتی تھیں۔ قریش جب ان کربناک اور درد بھری آوازوں کو سنتے تو مارے خوشی کے جھوم جھوم جاتے۔ گھاٹی کی ناکہ بندی اس قدر شدید تھی کہ ایک مرتبہ حکیم بن حزام (سیدۃ خدیجہ رضی اللہ عنہا

Marfat.com

کے بھتیجے) نے کچھ گیہوں اپنے غلام کے ہاتھ چوری چھپے بھیجا۔ راستہ میں ابو جہل نے دیکھ لیا تو گیہوں چھیننے کے درپے ہوا۔ اتفاق سے ابوالبختری بھی آ گیا۔ اس کے اندر کسی اچھے انسانی جذبے نے انگڑائی لی۔ اس نے ابو جہل سے پوچھا: ''کیا قصہ ہے؟'' ابو جہل نے کہا کہ یہ حکیم بن حزام کا غلام محمد ﷺ کے لیے گیہوں لے جا رہا ہے اور میں اسے روک رہا ہوں۔ اس نے کہا: ''ابوالحکم! حکیم بن حزام کی پھوپھی کا کچھ گیہوں اس کے پاس امانتاً رکھا ہوا تھا، وہ اس نے منگوایا ہوگا، جانے دو اس میں کوئی حرج نہیں۔'' ابو جہل نے انکار کر دیا جس پر دونوں میں تلخ کلامی ہوگئی اور پھر نوبت ہاتھا پائی تک پہنچ گئی۔ ابوالبختری نے ابو جہل کے اونٹ کی گردن پکڑ کر زور سے مروڑی اور جھٹکا دے کر اونٹ کو بٹھا لیا۔ پھر ابو جہل کو گردن سے پکڑ کر نیچے کی طرف کھینچا۔ پھر اونٹ کی ہڈی اٹھا کر اس زور سے ابو جہل کے سر پر ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا اور خون کا فوارہ جاری ہو گیا۔ پھر ابوالبختری نے اس کو خوب ٹھڈے مارے اور بری طرح ذلیل کیا۔ مار کھانے سے زیادہ ابو جہل کو تکلیف اس سے پہنچی کہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ شعب بنی ہاشم میں اس ساری کارروائی کو دیکھ رہے تھے۔

آخر کار ابوالبختری اور دوسرے قبائلی سرداروں نے جب دیکھا کہ ظلم وستم کا یہ حربہ بھی ناکام رہا، تو اس معاہدہ کو ختم کر دیا۔ ابو جہل نے معاہدہ ختم کرنے کی سخت مخالفت کی لیکن اس کی کسی نے نہ سنی۔ جب ابو جہل اور باقی لوگوں کی نوک جھوک ختم ہوگئی تو مطعم بن عدی صحیفہ چاک کرنے کے لیے اٹھا۔ دیکھا کہ اس سارے معاہدہ کو کیڑوں نے کھا لیا ہے لیکن ''باسمک اللھم'' کے الفاظ سلامت اور باقی ہیں اور جہاں اللہ کا نام تھا صرف وہی جگہیں بچی تھیں۔ اب ندامت اور شرمندگی سے سب کی گردنیں جھک گئیں کیونکہ اس سے قبل ابو طالب یہ کہہ چکے تھے کہ میرے بھتیجے نے اسے یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے کیڑوں نے اس صحیفہ میں سے سوائے اللہ کے نام کے ظلم وستم اور قرابت شکنی کے تمام الفاظ کو چاٹ لیا ہے۔ اب اس ظالمانہ عہد نامہ کو چاک کیا گیا۔ یہ محرم 10 نبوی میں ہوا اور بنو ہاشم بنو مطلب کے تمام افراد اس گھاٹی سے باہر آئے۔ مشرکین نے آپ کی نبوت کی یہ بھی ایک نشانی دیکھی۔

شعب بنو ہاشم سے باہر نکل کر ابو طالب اور اس کے رفقاء حرم پہنچے اور بیت اللہ کے غلاف کو پکڑ کر یہ دعا مانگی:

''اے اللہ! جن لوگوں نے ہم پر ظلم وستم کیا ہے اور ہمارے ساتھ قرابت شکنی اور قطع رحمی کی اور ہماری آبروؤں کو حلال سمجھا، ان سے ہمارا بدلہ اور انتقام لے۔''

Marfat.com

خصائص کبریٰ میں ہے کہ ابوطالب نے ایک قصیدہ بھی پڑھا جس کا ایک شعر یہ تھا۔

الم یاتکم ان الصحیفة مزقت
وان کل مالم یرضہ اللہ یفسد

''کیا تو نہیں جانتا کہ وہ عہد نامہ چاک ہو گیا اور جس شے سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہوتا وہ برباد ہو جاتی ہے۔'' (خصائص کبریٰ: ۱/۱۵۱)

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سیرۃ ابن ہشام: ۱/۲۵۰۔۲۵۱، زادالمعاد لابن القیم: ۱/۴۶، تاریخ طبری: ۲/۲۲۹، طبقات ابن سعد: ۱/۱۳۹۔۱۴۰، فتح الباری: ۷/۱۴۷)

عام سیرۃ نگاروں نے تو اس صحیفہ کے چاک ہونے پر ہی معاملہ کو ختم کر دیا تھا اور یہ نہیں بتایا کہ اس کے بعد آپ کے مکہ آنے کی کیا صورت ہوئی؟ سر ولیم میور (William Muir) اور مولانا شبلی مرحوم نے طبقات ابن سعد کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ مطعم بن عدی، زمعہ بن الاسود، ابوالبختری اور زہیر بن امیہ (سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بھائی) اور عدی بن قیس سب حضرات ہتھیار باندھ کر بنو ہاشم کے پاس گئے اور انہیں شعب بنی ہاشم سے نکال لائے۔

(سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ۱/۱۸۰)

سر ولیم میور نے لکھا ہے:

''قریش اس موقع پر ابو طالب کے اچانک آ جانے پر انگشت بدندان رہ گئے اور پانچ ممتاز آدمی ان کے درمیان سے کود پڑے اور اپنے آپ کو اس معاہدہ کے خلاف ظاہر کرتے ہوئے ہتھیار بند ہو گئے۔ اور ابو طالب کے درے کی طرف چل پڑے اور ان کے پاس جا کر ان لوگوں کو جو وہاں محصور تھے، کہنے لگے کہ سب اپنے گھروں کو امن وامان سے چلے چلو۔ پس وہ وہاں سے سنہ 10 نبوی میں نکلے قریش اس کام کی جرأت سے حیران وششدر رہ گئے اور انہوں نے اس بارے میں کوئی مزاحمت نہ کی۔ انہیں پتہ چل گیا کہ اب ان میں ایسی زبردست جماعت پیدا ہو گئی ہے جو مسلمانوں پر تشدد کی صورت میں ہتھیاروں سے مقابلہ کرے گی۔''

(William Muir: Life of Muhammad Vol.2, P.190)

Marfat.com

غم کا سال

شعب بنی ہاشم سے واپس آنے کے بعد ابو طالب اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا دونوں کی صحت دن بدن گرتی جا رہی تھی۔ ابو طالب کی صحت میں دن بدن ضعف اور نقاہت بڑھ رہی تھی پھر عمر کا تقاضا بھی تھا۔ وہ اپنی عمر کی اسی (80) منزلوں سے تجاوز کر چکے تھے۔ چنانچہ شعب بنی ہاشم سے باہر نکلنے کے بعد رمضان یا شوال سنہ 10 نبوی میں ابو طالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہمیشہ کے لیے داغ مفارقت دے گئے اور ایک اور دنیوی سہارا آپ سے چھن گیا۔

مسند احمد، بخاری اور مسلم میں ہے کہ جب ابو طالب کی وفات کا وقت آیا تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے، ابوجہل، عبداللہ بن ابی امیہ اور دیگر اشراف قریش بھی اس وقت وہاں موجود تھے۔ آپ نے ابو طالب کے سرہانے بیٹھ کر کہا: ''چچا جان! آپ ایک مرتبہ لا الٰہ الا اللہ کہہ دیجیے تاکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے آپ کی شفاعت کے لیے مجھے ایک حجت اور دلیل مل جائے۔ ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ اور دیگر اشراف قریش نے کہا: ''ابو طالب! کیا تم عبدالمطلب کی ملت سے رخ پھیر لو گے؟'' پھر یہ دونوں برابر ابو طالب سے یہی کہتے رہے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ پر کلمہ توحید پیش کرتے رہے۔ آخر کار ابو طالب نے لا الٰہ الا اللہ کہنے سے انکار کر دیا۔ اور آخری بات جو انہوں نے کہی تھی وہ ''علی ملة عبدالمطلب'' یعنی عبدالمطلب کی ملت پر ہوں، تھی۔ ابو طالب تو یہ کہہ کر وفات پا گئے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میں جب تک روک نہ دیا جاؤں ابو طالب کے لیے دعا مغفرت کرتا رہوں گا۔'' اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

> ''نبی اور اہل ایمان کے لیے جائز نہیں کہ مشرکین کے لیے دعائے مغفرت کریں اگرچہ وہ ان کے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں جب کہ یہ ظاہر ہو گیا کہ یہ لوگ جہنمی ہیں۔'' (۹:۱۱۳)

(بخاری، رقم: ۱۳۶۰۔۳۸۸۴۔۴۶۷۵۔۴۷۷۲۔۶۶۸۱، مسلم، رقم: ۲۴، سنن نسائی، رقم: ۲۰۳۵، مسند احمد: ۵/۴۳۳، سیرۃ ابن اسحاق: ۱/۲۳۷۔۲۳۸)

Marfat.com

اور یہ آیت بھی نازل ہوئی:

''آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔'' (۵۶:۲۸)

سر ولیم میور نے لکھا ہے کہ

''قبیلہ کے بزرگ (ابو طالب) نے جب دیکھا کہ زندگی کے ایام ختم ہونے کو ہیں تو انہوں نے بھائیوں یعنی بنو عبدالمطلب کو اپنے بستر کے گرد بلایا اور اپنے بھتیجے محمد (ﷺ) کو ان کی حفاظت کے لیے ان کے سپرد کیا اور اپنی ذمہ داری سے سبک دوش ہو کر امن و امان کی حالت میں فوت ہو گیا۔ محمد (ﷺ) اپنے چچا کے لیے بہت روئے۔'' (لائف آف محمد: ۲/۱۹۵)

حالات و واقعات کی کروٹیں بتاتی ہیں کہ ابو طالب نے سرکار دو عالم ﷺ کی حمایت و حفاظت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ رکھا۔ وہ سرکار دو عالم ﷺ کے لیے بڑے بڑے سرداران قریش سے اسلامی دعوت کے بچاؤ کے لیے ایک مضبوط قلعہ تھے۔ اگرچہ وہ جسمانی طور پر معذور اور معاشی طور پر نہایت کمزور تھے لیکن اپنے چھوٹے بھائی عبداللہ کی نشانی محمد ﷺ کو ساری زندگی سینے سے لگائے رکھا۔ اگرچہ اپنی بیٹی ام ہانی کا حضور ﷺ کے مطالبہ کے باوجود ہاتھ نہ دیا لیکن پھر بھی بھائی کا بیٹا ہونے کی وجہ سے آپ کی حفاظت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ یہ یک طرفہ ٹریفک نہیں تھا کہ صرف ابو طالب ہی نے اپنے اس بھتیجے کی حمایت وحفاظت میں ہر قسم کی صعوبتیں برداشت کیں بلکہ بھتیجے نے بھی ہر آڑے وقت میں چچا کی ہر ممکن امداد کی۔ مالی امداد بھی اور معاشرتی بھی، لیکن افسوس کا مقام ہے کہ چچا نے محمد بن عبداللہ ﷺ کے لیے تو سب کچھ کیا۔ مختلف قبائل کی دشمنیاں مول لیں۔ شعب بنی ہاشم میں تین سال تک محصور رہے لیکن محمد ﷺ کے حلقہ اطاعت میں داخل نہ ہو سکے، اس لیے مکمل کامیابی نہ پا سکے۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: ''آپ اپنے چچا کے کیا کام آئے؟ جب کہ وہ آپ کے حامی تھے اور آپ کے لیے دوسروں پر بگڑتے تھے اور ان سے لڑائی مول لیتے تھے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ ٹخنوں تک آگ میں ہیں، اگر میں شفاعت نہ کرتا تو جہنم کے سب سے گہرے کھڈ میں ہوتے۔''

(بخاری، رقم: ۳۸۸۳، ۶۲۰۸، ۶۵۷۲)

اسی طرح کی ایک اور روایت سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے ہے کہ ایک مرتبہ سرکار

Marfat.com

دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آپ کے چچا ابو طالب کا تذکرہ ہوا۔ آپ نے فرمایا: ''ممکن ہے قیامت کے روز انہیں میری شفاعت فائدہ پہنچا دے اور انہیں جہنم کی ایک کم گہری جگہ میں رکھ دیا جائے کہ آگ صرف ان کے دونوں ٹخنوں تک پہنچ سکے جس سے ان کا دماغ ابلے۔ (بخاری، رقم: ۳۸۸۵، ۶۵۶۴)

امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابو طالب سر سے پیر تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت و نصرت میں غرق تھے۔ صرف قدم بجائے اسلام کی ملت عبدالمطلب پر تھے۔ اس لیے عذاب قدموں پر مسلط ہوا۔ (روض الانف: ۱/ ۲۵۸)

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال:

ابو طالب کی رحلت کے دو ماہ بعد یا صرف تین روز بعد (علیٰ اختلاف الاقوال) سیدہ خدیجہ الکبریٰ سلام اللہ علیہا بھی انتقال فرما گئیں۔ ان کی وفات رمضان المبارک سنہ 10 نبوی میں ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر ایک روایت کے مطابق 65 سال تھی۔
(تلقیح الفہوم لابن الجوزی: ص ۷)

سیدہ رضی اللہ عنہا ایک چوتھائی صدی آپ کی رفاقت میں رہیں۔ یہ آپ کے لیے حق تعالیٰ کی طرف سے ایک گراں قدر نعمت تھیں۔ ہر آڑے وقت میں انہوں نے آپ کا ساتھ دیا اور جب بھی آپ کو کوئی سختی پیش آتی تو یہ تڑپ اٹھتیں۔ دعوت و تبلیغ کی سختیوں میں آپ کی شریک کار رہیں اور انہوں نے اپنی جان و مال سے آپ کی غم گساری اور خیر خواہی کی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

> ''جس وقت لوگوں نے میرا انکار کیا وہ مجھ پر ایمان لائیں۔ جب لوگوں نے مجھے جھٹلایا تو انہوں نے میری تصدیق کی۔ جس وقت لوگوں نے مجھے محروم کیا انہوں نے مجھے اپنے مال میں شریک کیا، اور اللہ نے مجھے ان سے اولاد دی اور دوسری بیویوں سے کوئی اولاد نہ دی۔'' (مسند احمد: ۶/ ۱۱۸، اسد الغابہ: ۵/ ۴۳۸)

سیدہ رضی اللہ عنہا کے تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ فرمائیں ہماری کتاب ''امہات المومنین رضی اللہ عنہن''

Marfat.com

ابو طالب شیخ قبیلہ تھے جب کہ سیدہ خدیجہ سلام اللہ علیہا جان فدا اور جان نثار زوجہ۔ ان دونوں نے ہر آڑے اور مشکل وقت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے پناہ کا کام دیا۔ ان دونوں کی وفات سے آپ کی پناہ کی یہ دونوں دیواریں منہدم ہو گئیں۔ ان دونوں کی وفات نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب میں غم والم کے جذبات موجزن کر دیئے۔ اب دشمنوں کے لیے راستہ صاف ہو گیا اور آپ کی قوم کی طرف سے مصائب کا ایک طومار بندھ گیا اور وہ کھل کر آپ پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑنے لگے۔ چنانچہ سیرت کی کتابوں میں اس سال کا نام ''عام الحزن'' یعنی غم کا سال ہے۔

Marfat.com

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طائف میں

ابو طالب اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد قریش کی لابی کھل کر سامنے آ گئی اور انہوں نے آپ کو بے پناہ اذیتیں دینا شروع کر دیں۔ عقبہ بن ابی معیط اور آپ کا چچا ابو لہب دونوں آپ کے پڑوسی تھے جو ہر وقت آپ کے درپے آزار رہتے تھے۔ چنانچہ ابن اثیر نے ''الکامل'' میں لکھا ہے کہ

''قریش ابو طالب کی وفات کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذاء پہنچانے میں اس حد تک پہنچ گئے کہ ابو طالب کی زندگی میں نہیں پہنچ سکتے تھے۔ کوئی بد بخت آپ کے سر مبارک پر مٹی ڈال دیتا اور آپ پر نماز میں بکری کی اوجھ ڈال دیتا۔''

(ابن اثیر: ۲/۳۴)

اسی طرح حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ

''یہ تکالیف اور اس قسم کی دیگر ایذائیں ابو طالب کی وفات کے بعد ہونے لگیں۔ (البدایہ والنہایہ: ۳/۱۳۵)

مکہ کے ان حالات سے کبیدہ خاطر اور پریشان حال ہو کر شوال سنہ 10 نبوی میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طائف جانے کا عزم فرمایا۔ طائف مکہ سے ساٹھ میل کے فاصلہ پر مشرق کی طرف واقع ہے۔ پہاڑی علاقہ ہے جو نہایت سرسبز و شاداب ہے۔ قدرتی چشمے جاری ہیں اور کئی قسم کے میوہ جات اور پھلوں کے باغات بکثرت موجود ہیں۔ آپ نے یہ ساٹھ میل کی مسافت اپنے آزاد کردہ غلام اور متبنیٰ زید بن حارثہؓ کے ساتھ پیدل طے فرمائی۔ راستہ میں بھی جو قبائل آئے آپ ان کو بھی اسلام کی دعوت دیتے جاتے۔ بالآخر آپ دشوار گزار راستہ طے کر کے طائف پہنچے۔ یہ شہر قبیلہ ثقیف کی مرز و بوم تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں دس روز قیام فرمایا۔ (ابن سعد: ۱/۱۴۲) یہاں کے سردار تین بھائی عبد یالیل، مسعود اور حبیب تھے جن کا تعلق بنو

Marfat.com

ثقیف سے تھا۔ آپ ان تینوں سے ملے لیکن انہوں نے آپ کو نہایت غیر سنجیدہ جوابات دیئے۔ آپ نے ان تینوں کے روکھے تیور دیکھ کر فرمایا: ''تم لوگ اتنی مہربانی کرو کہ میرے آنے کی کسی کو خبر نہ دو۔ آپ کو خیال ہوا کہ مکہ والوں کو میرے آنے کی اور ان لوگوں کے جوابوں کی اطلاع ہوگی تو وہ اپنی اوباشانہ اور استبدادانہ حرکتوں میں اور تیز ہو جائیں گے۔

ان بدنصیب لوگوں نے آپ کی فرمائش کی تعمیل اس طرح کی کہ اوباشوں اور آوارہ گردوں کو شہ دے دی۔ چنانچہ جب آپ نے واپسی کا ارادہ فرمایا تو یہ اوباش اور آوارہ گرد گالیاں دیتے، تالیاں پیٹتے اور شور مچاتے آپ کے پیچھے لگ گئے اور آپ پر سنگ باری شروع کر دی جس سے آپ کی پنڈلیوں پر گہرے زخم آئے۔ بدن لہولہان ہو گیا اور آپ کے دونوں نعلین مبارک خون میں تر بتر ہو گئے۔ سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈھال بن کر پتھروں کو روک رہے تھے، لیکن تنہا وہ کیا کر سکتے تھے۔ پتھروں سے ان کا اپنا سر بھی پھٹ گیا۔ (طبقات ابن سعد: ۱/۱۴۲)

آخر کار آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو اٹھایا اور قریب ہی کچھ پانی تھا۔ وہاں لے جا کر آپ کے زخموں کو دھویا۔ نعلین مبارک اتارنے چاہے تو وہ خون سے اس طرح جم گئے تھے کہ اتارنا مشکل ہو گیا۔ طبیعت سنبھلی تو قریب کے ایک باغ میں تشریف لے گئے۔ یہ باغ طائف سے تین میل کے فاصلہ پر تھا اور یہ عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ کی ملکیت تھا۔ یہ دونوں اس وقت اس باغ میں موجود تھے۔ آپ نے یہاں وضو فرمایا اور قبلہ رو ہو کر بیٹھے اور مالک ارض وسماء کی بارگاہ میں مشغول دعا ہو گئے۔ آپ کی یہ دعا ''دعائے مستضعفین'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس دعا کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ہماری کتاب ''سیرۃ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم''

یہ دعا ایک مجروح اور دردمند دل سے نکلی تھی۔ ادھر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں ہاتھ اٹھا کر بارگاہِ خداوندی میں نہایت الحاح وزاری سے دعا میں مصروف تھے ادھر باغ کے مالکان عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ جو مکہ کے مشہور رئیس تھے، انہیں غیرت آئی کہ ان کے شہر کے ایک شخص کے ساتھ طائف والوں نے یہ بدسلوکی کی ہے۔ انہوں نے انگوروں کے چند خوشے پلیٹ میں رکھ کر غلام کو دیئے کہ وہ ان دو مظلوم مہمانوں کے پاس لے جائے جو انگور کے چھدالے سایہ میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ غلام کا نام عداس تھا جو مذہبا عیسائی تھا۔ اس نے اپنے مالکان کے حکم کی فوری تعمیل کی۔ عداس انگور کے خوشوں سے بھری پلیٹ سرکار مدینہ علیہ الصلوٰۃ

Marfat.com

والسلام کی خدمت میں لے کر آیا۔ جب آپ ﷺ نے انگوروں کی طرف ہاتھ بڑھایا تو زبان سے کہا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

آپ کے منہ سے یہ کلمات سن کر عداس چونکا اور بولا کہ یہ جملہ تو اس شہر کے لوگ نہیں بولتے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ اور تمہارا دین کیا ہے؟'' اس نے کہا: ''میں عیسائی ہوں اور نینوی کا رہنے والا ہوں۔'' سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا: ''اچھا تو تم مرد صالح یونس بن متی کے شہر کے رہنے والے ہو؟'' عداس نے پھر پوچھا: ''آپ یونس بن متی کو کیسے جانتے ہیں؟'' آپ نے فرمایا: ''وہ میرے بھائی تھے اور میرے اور ان کے درمیان نبوت کا رشتہ ہے۔ وہ بھی نبی تھے اور میں بھی اللہ کا نبی ہوں۔'' عداس یہ سن کر تڑپ اٹھا اور فوراً جھک کر آپ کے سر اور ہاتھ پاؤں کو بوسہ دیا۔

عتبہ اور شیبہ دور سے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے عداس کو آواز دے کر بلا لیا۔ عداس جب واپس آیا تو ان دونوں بھائیوں نے اس کے ہاتھ پاؤں کو بوسہ دینے کی وجہ پوچھی۔ عداس نے کہا: ''آقا! روئے زمین پر اس وقت اس شخص سے بہتر کوئی اور شخص نہیں ہے۔ یہ اللہ کا نبی ہے۔ اس نے مجھے ایک ایسی بات بتائی جسے نبی کے سوا اور کوئی نہیں بتا سکتا۔

(دلائل النبوۃ، بیہقی: ۱/۳۸۹، دلائل النبوۃ لابی نعیم، الدرر فی اختصار المغازی والسیر: ص ۶۵، البدایہ والنہایہ: ۳/۱۲۶)

تھوڑے توقف کے بعد سرکار دو عالم ﷺ باغ سے نکلے۔ دل غمگین تھا طبیعت نڈھال اور حسرت و یاس کے دھوئیں سے دم گھٹ رہا تھا۔ سر جھکائے ہوئے جا رہے تھے۔ پہاڑی قرن المنازل کے قریب نظر اٹھائی تو دیکھا کہ ایک بادل آپ پر سایہ فگن ہے۔ بادل پر نظر پڑی تو دیکھا کہ جبرئیل امین جلوہ افروز ہیں اور کہہ رہے ہیں:

''اللہ نے سن لیا، دیکھ لیا تم نے جو کچھ کہا اور جو لوگوں نے جواب دیا جس طرح تم کو واپس کیا اور جو سلوک تمہارے ساتھ کیا وہ بھی بخوبی دیکھ لیا۔ اب یہ پہاڑ کے فرشتے (ملک الجبال) موجود ہیں، اللہ نے ان کو بھیجا ہے۔ آپ حکم کریں یہ تعمیل کریں گے۔''

ملک الجبال نے کہا: ''اے محمد! اللہ نے مجھے بھیجا ہے۔ آپ جو چاہیں حکم دیں میں تعمیل کروں گا۔ آپ حکم دیں تو مکہ کے دونوں طرف جو پہاڑ ہیں ان کو باہم ملا کر ان تمام گستاخوں اور بے ادب لوگوں کو پیس ڈالوں۔'' فرشتے کی بات سن کر آپ بے تاب ہو گئے۔

Marfat.com

خدا کی مخلوق نبی کی کھیتی ہوتی ہے۔ کیا یہ کھیتی برباد کردی جائے؟ کیا یہ امت دعوت نیست و نابود کردی جائے؟ آپ نے فرشتے کو جواب میں فرمایا: ''نہیں'' مجھے پوری امید ہے کہ ان کی نسل میں وہ لوگ ہوں گے جو خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ (بخاری: ۱/ ۴۵۸، مسلم: ۲/ ۱۰۹)

آپ کے اس جواب میں آپ کی یگانہ روزگار شخصیت اور نا قابل ادراک گہرائی اور گیرائی رکھنے والے ''خلق عظیم'' کے جلوے دیکھے جاسکتے ہیں۔ بہرحال فرشتے کی اس بات سے آپ کا دل اطمینان سے بھر گیا اور حزن وملال اور غم والم کے بادل چھٹ گئے۔ چنانچہ آپ نے مکہ مکرمہ کی جانب پیش قدمی فرمائی۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو طبری: ۲/ ۲۳۰، البدایہ والنہایہ: ۳/ ۱۳۵، سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۴۱۹، عیون الاثر: ۱/ ۲۳۱-۲۳۲، دلائل النبوۃ لابی نعیم: ۱/ ۱۰۳، فتح الباری: ۶/ ۲۲۵)

ظاہری نگاہ میں آپ کا یہ سفر طائف رائیگاں سمجھا جاتا ہے کہ اتنی صعوبتیں اٹھانے کے بعد آپ کا یہ سفر بے ثمر رہا۔ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس سفر کو بھی پیغام الٰہی کے پہنچانے اور حصول اجر کی نظر سے بے ثمر اور بے اثر نہیں کہہ سکتے بلکہ حصول مقصد کے لحاظ سے بھی آپ کا یہ سفر بے نتیجہ نہیں رہا۔ طائف میں تبلیغ و دعوت کے پہلے مرحلہ میں ایک شخص عداس کا مسلمان ہو جانا ایک بہت بڑی کامیابی ہے اس سے دعوت کی سرزمین میں تخم ریزی ہو جاتی ہے کیونکہ عداس نے جب آپ کی پیشانی اور ہاتھ پاؤں کو بوسہ دیا اور یہ کہا ''**اشھد انک عبداللہ ورسولہ**'' میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے بندے اور رسول ہیں، اس تخم ریزی نے بعد میں بہت فائدہ پہنچایا۔ جس کی تفصیل ہماری کتاب سیرۃ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں دیکھی جاسکتی ہے۔

طائف سے واپسی:

طائف میں دس روز قیام کے بعد آپ جب واپس مکہ مکرمہ تشریف لارہے تھے تو راستہ میں وادی نخلہ میں آپ نے چند روز قیام فرمایا۔ ایک رات نماز میں مشغول تھے کہ نصیبین کے سات جن اس طرف سے گزرے اور کھڑے ہو کر آپ کا قرآن سنا اور چلے گئے۔ آپ کو ان کی آمد کا علم نہیں ہوا یہاں تک کہ قرآنی آیات نازل ہوئیں۔ (سورۃ الاحقاف)

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ: ۳/ ۱۳۷)

بتایا یہ کہ اس سفر کو ہم نے رائیگاں اور بے نتیجہ نہیں رکھا بلکہ اپنے حکم تکوینی سے جنات

Marfat.com

کی ایک جماعت کو آپ کی طرف سے گزار دیا جو اگرچہ آپ کی جنس سے نہیں تھے اور آپ نے انہیں تبلیغ کا قصد بھی نہیں کیا تھا لیکن پھر بھی ہمارے حکم سے آپ کی قرأت سننے کے لیے ٹھہر گئے اور آپ پر ایمان لے آئے اور آپ کی نیابت میں اپنی قوم کو دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دینے لگے۔ یہ ہماری شان کریمی ہے کہ جسے ہم جس وقت ہدایت کے قابل سمجھتے ہیں، اسے اس نعمت سے متمتع کر دیتے ہیں خواہ وہ خاکی ہو یا ناری۔

اس نصرت اور بشارتوں سے آپ کے حزن و ملال اور غم والم کے وہ سارے بادل چھٹ گئے جو طائف سے نکلتے وقت تالیاں اور گالیاں سننے اور پتھر کھانے کی وجہ سے آپ کے قلب مبارک پر چھائے ہوئے تھے۔ چنانچہ اب آپ نے مکہ واپس جانے کا عزم صمیم فرما لیا تاکہ وہاں پورے عزم و استقلال اور گرم جوشی کے ساتھ دعوت و تبلیغ کے کام میں اپنے کو دن رات کھپایا جائے۔

Marfat.com

مکہ میں داخلہ

آپ طائف سے مکہ واپس تشریف تو لے آئے لیکن اب مکہ میں داخلہ آپ کے لیے ایک مسئلہ بن گیا۔ ابوطالب کی رحلت کے بعد اب یہاں کوئی آپ کو پناہ دینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ ایک ابولہب آپ کا قریبی تھا وہ تو شروع ہی سے آپ کو خشم آلود تیوروں سے دیکھتا تھا۔ اب جب آپ طائف سے واپس آ رہے تھے تو سرزمین مکہ میں کوئی آپ کو پناہ دینے والا نہیں تھا۔

آپ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ نخلہ سے مکہ کے لیے روانہ ہوئے اور مکہ کے قریب پہنچ کر کوہِ حرا کے دامن میں ٹھہر گئے۔ آپ نے یہاں سے مختلف لوگوں کو پناہ کے لیے پیغام بھجوایا لیکن ہر ایک نے پناہ دینے سے یک قلم انکار کر دیا۔ آخر میں آپ نے ایک ایسے شخص کو پیغام بھجوایا جس کے لیے یہ شرف مقدر تھا۔ وہ مکہ کا رئیس مطعم بن عدی تھا۔ مطعم نے پیغام بھجوانے والے سے کہا کہ وہ شوق سے مکہ آئیں اور آزادی سے اپنا پیغام سنائیں۔ مطعم کو معلوم تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت کرنا تمام قریش مکہ کی مخالفت کو دعوت دینا ہے، اس لیے اس نے ہتھیار پہن کر اپنے بیٹوں اور قوم کے لوگوں کو بلایا اور کہا کہ تم لوگ ہتھیار لگا کر حرم میں پہنچ جاؤ اور خانہ کعبہ کے مختلف گوشوں میں جمع ہو جاؤ کیونکہ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پناہ دی ہے۔ اور خود بھی اونٹ پر سوار ہو کر حرم کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا اور بلند آواز سے کہا: ''اے گروہ قریش! میں نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پناہ دی ہے۔ کوئی ان سے تعرض نہ کرے۔''

چنانچہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مطعم بن عدی کے بیٹوں اور بھتیجوں کے ہمراہ حرم میں داخل ہوئے۔ حجر اسود کو بوسہ دیا اور کعبہ کا طواف کیا اور دوگانہ ادا فرمایا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہایت امن و سکون سے طواف کیا۔ اس حالت میں ابوسفیان بن حرب بھی آ گیا اور مطعم سے کہنے لگا کہ ''پیروکار ہو کر آئے ہو یا امان کے ذمہ دار ہو کر؟'' مطعم نے کہا: ''امان کا ذمہ دار ہو

Marfat.com

کرے۔'' ابوسفیان نے کہا: ٹھیک ہے جسے آپ نے امان دی ہم بھی اسے امان دیتے ہیں۔ ہم آپ کی امان کی بے حرمتی نہیں کریں گے۔ اس کے بعد ابوسفیان اپنی مجلس میں چلا گیا۔ طواف کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اپنے مکان پر تشریف لے گئے۔

(طبقات ابن سعد: ۱/۱۴۲، عیون الاثر: ۱/۲۵۷، زادالمعاد: ۲/۴۷، سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۴۱۹_۴۲۲، طبری: ۲/۲۳۱، البدایہ والنہایہ: ۳/۱۳۷)

مطعم بن عدی کا یہ ذمہ اور عہد کچھ زیادہ دیر پا ثابت نہ ہوا کیونکہ آپ قریش کے مطابق اپنی دعوتی سرگرمیوں سے باز نہیں رہ سکتے تھے۔ چنانچہ چند ہی روز بعد قریش کا طوفانِ معاندت از سرِ نو پوری شدت کے ساتھ امنڈ آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر عرصہ حیات بدستور تنگ کر دیا گیا، لیکن آپ اس سے مطلق ہراساں نہ ہوئے اور مختلف قبائل میں جا کر دعوت اسلام میں سرگرم رہے۔

Marfat.com

دعوتی جدوجہد میں مصروفیت

طائف سے واپسی پر آپ نے پھر اپنی دعوت کو زور شور سے شروع کر دیا۔ آپ نے بنو عامر بن صعصعہ، محارب بن خصفہ، فزارہ، غسان، مرہ، حنیفہ، سلیم، عبس، بنو نصر، بنو کلب، حارث بن کعب، عذرہ، حضارمہ وغیرہ کو دعوت دی لیکن ان قبائل میں سے کسی نے بھی دعوت اسلام کو قبول نہ کیا۔ (مختصر السیرۃ للشیخ عبداللہ: ص ۱۴۹)

طائف سے واپسی پر آپ نے دعوتی کام میں کچھ تیزی پیدا کر دی اور آپ نے مختلف قبائل کے پاس خود جا کر اسلام کو متعارف کرایا۔ سیرۃ ابن ہشام میں ہے کہ آپ ہر قبیلہ میں خود گئے اور انہیں دین کی دعوت دی۔ آپ بنو بکر بن وائل میں بھی گئے، بنو شیبان بن ثعلبہ میں بھی گئے اور بنو عبس کے پاس بھی دین کی دعوت لے کر گئے ان میں سے کچھ لوگوں کے دلوں میں دین کا اثر ہوا لیکن وہ کھل کر آپ کی حمایت میں سینہ سپر نہ ہوئے جیسا کہ ہونا چاہیے تھا۔ بنو عبس میں جب آپ تشریف لے گئے تو وہاں ایک شخص میسرہ بن مسروق آپ سے ملا۔ اس نے کہا: ''خدا کی قسم! اس شخص کا نام غالب ہو کر رہے گا۔ اگر ہم اس کی تصدیق کریں تو یہ مناسب رائے ہوگی، لیکن قبیلہ کے دوسرے لوگوں نے کہا: ''ہمیں ایسے جھنجھٹ میں نہ ڈالو جس کا بوجھ برداشت کرنا ہمارے بس میں نہیں۔

حجۃ الوداع کے موقع پر یہ میسرہ آپ سے ملے تو آپ نے اسے پہچان لیا۔ میسرہ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! جب پہلی مرتبہ آپ ہمارے پڑاؤ پر تشریف لائے تھے اس وقت سے میں برابر آپ کی پیروی کا حریص رہا، مگر جو کچھ ہونا تھا وہ ہو گیا۔ اب میں اتنی تاخیر کے بعد مسلمان ہو رہا ہوں۔

اس طرح تمام قبائل آپ کی دعوت و تبلیغ کے باوجود اسلام کی نعمت سے محروم رہ گئے جو اپنے پاؤں پر چل ان کے پاس آئی تھی۔ اور اہل یثرب وہ خوش نصیب لوگ تھے جو خود اپنے

Marfat.com

پاؤں پر چل کر اس کے پاس گئے اور اسے پالیا ع

اپنا اپنا ہے مقدر اپنا اپنا ہے نصیب

تجارتی منڈیوں میں فریضۂ تبلیغ:

آپ نے نہ صرف قبائل اور وفود پر اسلام اور اپنی نبوت کو پیش کیا بلکہ افراد اور اشخاص کو بھی اسلام اور توحید کی دعوت دی۔ ان میں سے بعض نے تو آپ کی دعوت کو قبول کیا اور بعض نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ جب آپ عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز کے میلوں میں قدم رنجہ فرماتے اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دیتے تو آپ کا بدنصیب چچا ابولہب عام طور پر ساتھ جاتا اور آپ کی تبلیغ کے جواب میں لوگوں سے کہتا رہتا کہ یہ شخص صابی ہے۔ دین سے پھر گیا ہے یا معاذ اللہ اس کا دماغ چل گیا ہے۔

ابولہب کے علاوہ ابوجہل نے بھی مخالفت اور مزاحمت کا وہی رنگ اختیار کر رکھا تھا جو ابولہب کا تھا کیونکہ یہ دونوں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سخت ترین دشمن تھے۔ چنانچہ ایک صحابی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذوالمجاز کے میلے میں گئے۔ میں ابھی تک شرف ایمان سے مشرف نہیں ہوا تھا۔ آپ نے لوگوں کے ایک اجتماع میں کھڑے ہو کر دعوت شروع کی جس میں آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ذات قابل پرستش نہیں۔ اس کی عبادت کرو۔ اور بت پرستی سے باز آ جاؤ۔ جب تک آپ وعظ فرماتے رہے ابوجہل خاک اٹھا اٹھا کر آپ پر پھینکتا رہا اور یہ کہتا رہا: ''اس شخص کے جھکے میں نہ آنا، یہ تو تمہیں تمہارے معبودوں لات اور عزیٰ کی پرستش سے روکنا چاہتا ہے۔''

ان تمام مزاحمتوں اور مخالفتوں کے باوجود آپ برابر اپنی دعوتی جدوجہد میں مصروف رہے۔ آپ نے نہ صرف وفود اور قبائل میں اسلام کی دعوت دی بلکہ مختلف افراد کو بھی اللہ کے دین کی دعوت دی اور کئی سعید لوگوں نے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے آپ کی دعوت کو قبول کیا۔

اسی سلسلہ میں رکانہ عرب کا ایک مشہور پہلوان تھا۔ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہم جد اور عزیز تھا۔ یہ بہت شہ زور پہلوان تھا اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت میں بہت سخت تھا۔ پورے مکہ بلکہ اردگرد کے علاقے میں بھی کسی کو اس سے آنکھیں چار کرنے کی جرأت نہ تھی۔ اس کے پاس بکریوں کا ایک بہت بڑا ریوڑ تھا جس کو وہ وادی میں چرایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ آپ اس وادی میں تشریف لے گئے تو وہاں اس سے مڈھ بھیڑ ہو گئی۔ آپ نے اس کو دین

Marfat.com

کی دعوت دی۔ اس نے کہا: ''تم ایک خدا کو پکارو جس کی تم دعوت دیتے ہو تاکہ وہ تمہاری مدد کرے، اور بہتر یہ ہے کہ ہم دونوں آپس میں مقابلہ کریں۔ تم اپنے خدا سے مدد مانگو اور میں لات وعزیٰ کو پکارتا ہوں۔ اگر تم نے مجھے پچھاڑ دیا تو میں دس بکریاں تم کو انعام میں دوں گا اور تمہیں اختیار ہوگا کہ دس بہترین بکریاں منتخب کرلو۔

آپ نے اس کی فرمائش کو منظور کرلیا اور رکانہ کے مقابلہ میں جسے کشتی کے فن میں پورا کمال حاصل تھا، خدائے عزیز ومقتدر سے مدد مانگی۔ اس کے برعکس رکانہ نے لات وعزیٰ کو پکار کر کہا کہ آج محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مقابلہ میں میری مدد کرو۔ چنانچہ جب مقابلہ ہوا آپ نے اس کو پکڑتے ہی پچھاڑ دیا اور فوراً اس کے سینہ پر سوار ہو گئے۔ رکانہ کہنے لگا: ''آپ میرے سینہ سے اتر جایئے کیونکہ آپ نے اپنے قوت بازو سے مجھ کو نہیں پچھاڑا بلکہ آپ کے خدا نے مجھے مغلوب کیا ہے اور لات وعزیٰ نے میری مدد نہیں کی۔

اسی طرح تین مرتبہ آپ نے اس کو پچھاڑا۔ اس نے شرط کے مطابق آپ کو بکریاں دینا چاہیں۔ آپ نے فرمایا: ''مجھے بکریوں کی ضرورت نہیں۔ میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم توحید باری تعالیٰ کا اقرار کرلو اور جہنم کی آگ سے بچ جاؤ۔'' آپ نے فرمایا: ''اگر میں اپنے پروردگار سے درخواست کر کے کوئی انسانی قدرت سے ماوراء کرشمہ دکھا دوں تو کیا تم میری بات مان لو گے؟'' اس نے کہا: ''بے شک۔'' آپ نے فرمایا: ''بدعہدی تو نہیں کرو گے؟'' وہ بولا: ''بالکل نہیں۔'' پاس ہی کیکر کا ایک بہت بڑا پیڑ تھا جس کی شاخیں دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ آپ نے اس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ''خدا کے حکم سے میرے پاس آ جا۔'' وہ درخت فوری طور پر آپ کے اور رکانہ کے درمیان آ کر کھڑا ہو گیا۔ رکانہ نے کہا: محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! واقعی آپ نے مجھے بڑا کمال دکھایا۔ آپ اس کو حکم دیجیے کہ پھر اپنی جگہ پر چلا جائے۔ آپ نے فرمایا: ''رکانہ! اگر یہ درخت واپس اپنی جگہ پر چلا گیا تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟'' اس نے کہا: ''بالکل۔'' آپ نے درخت کو واپس جانے کا حکم دیا اور وہ واپس اپنی جگہ پر چلا گیا اور رکانہ مسلمان ہو گیا۔ (البدایہ والنہایہ: ۳/۱۰۴، الاصابہ: ۲/۱۶۵)

Marfat.com

اسراء اور معراج

طائف سے واپسی پر ایک طرف تو سرکار دو عالم ﷺ کے دعوتی مشن میں تیزی آ گئی اور دوسری طرف قریش مکہ بھی بے خوف و خطر ظلم و ستم کرنے لگے۔ آپ کا سفر طائف بھی ظاہری نگاہ میں ناکام ہی رہا۔ چنانچہ آپ کی دعوت و تبلیغ میں کامیابی ظلم و ستم کے درمیانی مرحلے سے گزر رہی تھی اور افق کی دور دراز پہنائیوں اور وسعتوں میں کامیابی اور کامرانی کے دھندلے ستاروں کی جھلک دکھائی پڑنا شروع ہو چکی تھی کہ اسراء اور معراج کا واقعہ پیش آیا جس میں حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنی نشانیاں دکھا کر اپنی حکمرانی کے اندرونی نظام کا مشاہدہ کرایا اور ان پر فطرت کے وہ راز اور کائنات کے وہ اسرار ظاہر فرمائے جو آج تک کسی پر ظاہر نہیں کیے گئے تھے۔ اس سے ایک مقصد تو آپ کی ڈھارس بندھانا بھی تھا کیونکہ ظاہری سہاروں کے فقدان اور طائف کے ظلم و ستم اور ابولہب اور ابوجہل کے جور و تعدی نے آپ کے قلب پر حزن و ملال کی پرچھائیاں طاری کر دی تھیں۔ ان پرچھائیوں کو ختم کرنے اور اپنی قدرت کے مشاہدات کروانے کے لیے آپ کو معراج کرائی گئی۔

بعض حضرات کے نزدیک اسراء اور معراج دو مختلف چیزیں ہیں۔ اسراء کے معنی ہیں رات کے وقت سیر کرنا۔ چونکہ یہ واقعہ رات کے وقت ہوا اور چونکہ سرکار دو عالم ﷺ بیت المقدس کی سرزمین سے زمین کی وسعتوں اور بلندیوں والے آسمانوں کی پہنائیوں کی طرف اٹھائے گئے اس لیے اسے معراج کہا گیا۔ اس لحاظ سے اس سیر کے دو حصے ہیں۔ ایک مکہ سے بیت المقدس تک دوسرا بیت المقدس سے آسمانوں کی وسعتوں اور پہنائیوں تک۔ پہلی زمینی سیر کو اسراء اور دوسری آسمانی سیر کو معراج کہتے ہیں۔ اس کو دوسرے لفظوں میں اس طرح بھی کہا جا سکتا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے رات کے کچھ حصے میں مسجد الحرام سے مسجد الاقصیٰ تک اور مسجد الاقصیٰ سے ساتویں آسمان یا اس سے بھی آگے جہاں تک اللہ نے چاہا، اسی

Marfat.com

جسم اور روح کے ساتھ بحالت بیداری سیر کرائی جس کو اسراء اور معراج کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔(زرقانی:۶/۳۳)

اس لحاظ سے معراج سنہ 11 نبوی میں سفر طائف کے بعد ہوئی۔ مشہور روایت 27 رجب ہے۔ یہ معراج جسمانی تھی منامی نہیں تھی۔ سرکار دو عالم ﷺ کو روح اور جسم دونوں کے ساتھ عالم ملکوت کی سیر کرائی گئی۔ حافظ ابن قیم نے لکھا ہے کہ

''صحیح یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو معراج کی سیر اس جسم مبارک کے ساتھ مسجد حرام سے بیت المقدس تک براق کی سواری پر کرائی گئی اور جبرئیل امین آپ کے ساتھ تھے۔ پس آپ وہاں اترے اور انبیاء علیہم السلام کے ساتھ امام ہو کر نماز پڑھائی اور براق کو مسجد کے دروازے کے کنڈے سے باندھا...... پھر آپ کو اسی رات معراج کرائی گئی...... پھر آپ اللہ جل جلالہ کی جناب میں حاضر ہوئے حتیٰ کہ دو کمانوں کے گوشوں یا اس سے بھی کم کا فرق رہ گیا.......... (زاد المعاد:۱/۳۰۰)

معراج کی تفصیل:

معراج کے اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ ایک رات نبی کریم ﷺ اپنے گھر میں سوئے ہوئے تھے (جن روایات میں ہے کہ ام ہانی کے گھر میں سوئے ہوئے تھے یہ غلط ہے) نیم خوابی کی حالت تھی۔ یکایک مکان کی چھت کھلی اور جبرئیل امین نازل ہوئے۔ ان کے ہمراہ اور بھی فرشتے تھے۔ آپ کو جگایا گیا اور جبرئیل آپ کو مسجد حرام میں لے گئے۔ وہاں جا کر آپ حطیم میں لیٹ گئے۔ جبرئیل امین اور میکائیل نے آپ کو جگایا اور آپ کو زم زم کے کنویں پر لے گئے۔ وہاں آپ کو لٹا کر آپ کے سینۂ مبارک کو چاک کیا اور قلب مبارک کو نکال کر زم زم کے پانی سے دھویا اور ایمان و حکمت سے بھرا ہوا ایک سونے کا طشت لایا گیا۔ اس ایمان و حکمت کو آپ کے قلب مبارک میں بھر کر سینہ مبارک ٹھیک کر دیا گیا اور دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت لگائی گئی جو سرکار دو عالم ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کی ظاہری اور حسی علامت ہے۔

بعد ازاں براق لایا گیا جو خچر سے چھوٹا اور گدھے سے ذرا بڑا سفید رنگ کا تھا اور رفتار میں بجلی کی سی تیزی رکھتا تھا۔ اس کا ایک قدم حد نگاہ تک پڑتا۔ سرکار دو عالم ﷺ جب اس پر سوار ہوئے تو وہ شوخی کرنے لگا۔ جبرئیل نے بتایا کہ آج تمہاری پشت پر سرور کائنات فخر

Marfat.com

موجودات ﷺ سوار ہیں۔تو وہ عرقِ ندامت سے پانی پانی ہو گیا۔ وہ سرکار دو عالم ﷺ کو لے کر روانہ ہوا۔ آپ اس شان سے روانہ ہوئے کہ جبرئیل و میکائیل آپ کے ہم رکاب تھے۔ اس سے آپ کی علو مرتبت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اور بعض روایات میں ہے کہ جبرئیل نے آپ کو براق پر سوار کرایا اور خود آپ کے ردیف بنے۔

راستہ میں مختلف مقامات پر آپ کا گزر ہوا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ راستہ میں ایک ایسی زمین پر میرا گزرا ہوا جس میں کھجور کے درخت کثرت سے تھے۔ جبرئیل نے وہاں مجھے نماز پڑھنے کے لیے کہا۔ میں نے اتر کر نماز پڑھی۔ جبرئیل نے کہا کہ یہ یثرب یعنی مدینہ طیبہ ہے جہاں پر آپ ہجرت فرمائیں گے۔ یہاں سے چل کر ایک اور جگہ پہنچے۔ جبرئیل نے وہاں بھی اتر کر نماز پڑھنے کے لیے کہا۔ جبرئیل نے کہا یہ وادی سینا ہے اور شجرۂ موسیٰ کے قریب آپ نے نماز پڑھی ہے۔ پھر ایک اور زمین پر گزر ہوا۔ وہاں بھی جبرئیل نے نماز پڑھنے کے لیے کہا۔ میں نے اتر کر نماز پڑھی۔ جبرئیل نے کہا: ''آپ نے مدین (سیدنا شعیب علیہ السلام کا مسکن) میں نماز پڑھی ہے۔ وہاں سے روانہ ہوئے تو ایک اور زمین پر اتر کر نماز پڑھنے کے لیے کہا گیا۔ میں نے وہاں بھی اتر کر نماز پڑھی۔ جبرئیل نے کہا کہ یہ بیت اللحم (عیسیٰ علیہ السلام کی جائے ولادت) ہے۔

(زرقانی:۶/۳۹، فتح الباری:۱/۱۵۳، خصائص کبریٰ:۱/۱۵۸عن شداد بن اوس)

رسول اللہ ﷺ اس شان سے بیت المقدس پہنچے۔ براق سے اترے اور حضور ﷺ نے براق کو ایک حلقہ سے باندھ دیا جس سے انبیاء کرام اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے۔ ایک روایت ہے کہ جبرئیل امین نے ایک پتھر میں انگلی سے سوراخ کر کے اس براق کو باندھ دیا۔ بعد ازاں آپ مسجد اقصیٰ میں داخل ہوئے اور تحیۃ المسجد ادا فرمائی۔ (زرقانی:۶/۳۵)

آپ ﷺ کے تشریف لانے سے قبل تمام انبیاء علیہم السلام پہلے ہی سے مسجد میں آپ کے انتظار میں موجود تھے جن میں سیدنا ابراہیم، سیدنا موسیٰ اور سیدنا عیسیٰ علیہم السلام بھی تھے۔ (زرقانی:۶/۴۴)

پھر ایک مؤذن نے اذان دی۔ پھر اقامت کہی۔ ہم صف باندھ کر کھڑے ہو گئے ہر ایک اسی انتظار میں تھا کہ کون امامت کرائے گا۔ جبرئیل نے میرا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھایا۔ میں نے سب کی امامت کی۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو جبرئیل نے کہا: ''آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے کن لوگوں کو نماز پڑھائی؟'' میں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ جبرئیل نے کہا: ''جتنے انبیاء علیہم السلام

Marfat.com

مبعوث ہوئے سب نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔" (زرقانی: ۶/۴۴، خصائص کبریٰ: ۱/۱۵۴)

جب آپ فارغ ہو کر مسجد سے باہر تشریف لائے تو آپ کے سامنے تین پیالے پیش کیے گئے۔ ایک پیالہ پانی کا اور ایک شراب کا اور ایک دودھ کا۔ آپ نے دودھ کا پیالہ پکڑا۔ جبرئیل نے کہا: "آپ نے دین فطرت کو اختیار کیا۔ اگر آپ شراب کا پیالہ لے لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی اور اگر پانی کا پیالہ لیتے تو آپ کی امت غرق ہو جاتی۔" بعض روایات میں دو پیالوں کا ذکر ہے بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تین پیالے سدرۃ المنتہیٰ کے بعد پیش کیے گئے۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عجب نہیں کہ یہ پیالے دو مرتبہ پیش کیے گئے ہوں۔ (زرقانی: ۶/۴۸)

بعض روایات میں شہد کے پیالہ کا ذکر بھی ہے۔ (فتح الباری: ۸/۶۴۷)

یہاں سے فراغت کے بعد آپ نے جبرئیل اور دوسرے ملائکہ کی معیت میں آسمانوں کی طرف عروج فرمایا۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ براق پر سوار ہو کر آسمانوں پر گئے اور بعض میں ہے کہ مسجد الاقصیٰ سے نکلنے کے بعد جنت سے زمرد اور زبرجد کی ایک سیڑھی کے ذریعہ آسمانوں پر لے جایا گیا اور سیڑھی کے دائیں بائیں ملائکہ آپ کے جلو میں تھے، اور بعض علماء کا قول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم براق پر سوار ہو کر اس سیڑھی پر سے آسمانوں پر تشریف لے گئے۔

(البدایہ والنہایہ: ۳/۱۱۰، زرقانی: ۶/۵۵)

آسمانوں پر مختلف انبیاء سے آپ کی ملاقات ہوئی پہلے آسمان پر سیدنا آدم علیہ السلام دوسرے آسمان پر سیدنا یحییٰ اور سیدنا عیسیٰ علیہما السلام کو دیکھا۔ تیسرے آسمان پر سیدنا یوسف علیہ السلام، چوتھے آسمان پر سیدنا ادریس علیہ السلام سے، پانچویں آسمان پر سیدنا ہارون علیہ السلام سے اور چھٹے آسمان پر سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ پھر ساتویں آسمان پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور دیکھا کہ وہ بیت المعمور (فرشتوں کا کعبہ) سے پشت لگائے بیٹھے ہیں۔ جبرئیل نے کہا: یہ آپ کے باپ ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ ان کو سلام کیجیے۔ آپ کے سلام کے جواب میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: "مرحبا بالابن الصالح والنبی الصالح"

بعد ازاں آپ کو سدرۃ المنتہیٰ کی طرف بلند کیا گیا جو ساتویں آسمان پر ایک بیری کا درخت ہے۔ زمین سے جو چیز اوپر جاتی ہے وہ سدرۃ المنتہیٰ پر جا کر رک جاتی ہے پھر اوپر اٹھائی جاتی ہے، اور ملاء اعلیٰ سے جو چیز اترتی ہے وہ سدرۃ المنتہیٰ پر آ کر ٹھہر جاتی ہے پھر نیچے اترتی ہے۔ اس لیے اس کا نام "سدرۃ المنتہیٰ" ہے۔ (زرقانی: ۶/۱۸)

Marfat.com

سدرۃ المنتہیٰ کے قریب جنت ہے۔اس وجہ سے سرکار دو عالم ﷺ بیت المعمور میں نماز پڑھنے کے بعد سدرۃ المنتہیٰ کی طرف بلند کیے گئے۔اس کے بعد آپ کو جنت اور جہنم کا مشاہدہ کروایا گیا۔آپ نے فرمایا کہ جنت کے گنبد موتیوں کے تھے اور مٹی اس کی مشک کی تھی۔ جنت اور جہنم کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ہماری کتاب "نقش آخرت"۔ (فتح الباری: ۱۶۹/۷)

یہاں آپ دیدار خداوندی اور بلا واسطہ کلام خداوندی سے مشرف ہوئے اور آپ پر اور آپ کی امت پر پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔

مسلم میں ہے کہ اس وقت آپ کو تین عطیے بارگاہِ خداوندی سے عطا ہوئے:

(1) پانچ نمازیں (2) سورۃ البقرۃ کی آخری آیات اور (3) تیسرا عطیہ یہ عطا ہوا کہ جو شخص آپ کی امت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ گردانے اللہ تعالیٰ اس کے کبائر سے درگزر فرمائے گا اور کافروں کی طرح ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں نہ ڈالے گا۔

اسی طرح آسمانوں سے واپسی ہوئی اور آپ بیت المقدس میں اترے اور پھر وہاں سے براق پر سوار ہو کر صبح سے قبل مکہ مکرمہ پہنچے۔صبح کے بعد آپ نے قریش کے سامنے یہ سارا واقعہ بیان فرمایا۔قریش یہ سن کر حیران و ششدر رہ گئے۔بعض نے تالیاں بجائیں۔بعض نے آپ کا مذاق اڑایا اور بعض نے مختلف قسم کے سوالات کیے آپ نے ان کے معقول جواب دیئے۔

آپ نے آتے جاتے ہوئے اہل مکہ کا ایک قافلہ بھی دیکھا اور انہیں ان کا ایک اونٹ بھی بتایا جو بدک کر بھاگ گیا تھا۔آپ نے ان کا پانی بھی پیا جو ایک ڈھکے ہوئے برتن میں رکھا تھا۔ اس وقت قافلہ سو رہا تھا۔ پھر آپ نے اسی طرح برتن ڈھک دیا، اور یہ بات معراج کی صبح آپ کے دعویٰ کی صداقت کی ایک دلیل ثابت ہوئی۔تیسرے روز جب وہ قافلہ مکہ میں داخل ہوا تو اس نے ان باتوں کی تصدیق کی۔ ولید بن مغیرہ نے کہا یہ جادو ہے۔لوگوں نے کہا ولید سچ کہتا ہے۔

(زرقانی: ۱۲۶/۶، سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۳۹۷ـ۴۰۲، زاد المعاد: ۱/ ۴۸، بخاری: ۲/ ۶۸۴، مسلم: ۱/ ۹۶، عیون الاثر: ۱/ ۲۴۱ـ۲۴۲)

روایات میں ہے کہ یہ پچاس نمازیں جو معراج میں فرض ہوئی تھیں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بار بار بارگاہِ خداوندی میں بھیجنے کی وجہ سے پانچ رہ گئیں۔ ندا آئی کہ میں نے اپنا فریضہ نافذ کر دیا اور اپنے بندوں سے تخفیف کر دی۔

(زاد المعاد: ۲/ ۴۷ـ۴۸، بخاری: ۱/ ۹۱ـ۹۳، مسلم، رقم: ۱۶۳)

Marfat.com

قریش کی خندہ زنی:

جب صبح واقعہ معراج کا چرچا ہوا تو قریش کو از سر نو مذاق کا ایک مشغلہ ہاتھ آ گیا، خصوصی طور پر ابوجہل کی حالت اس روز ناگفتہ بہ تھی۔ دوسرے بت پرستوں نے تو واقعہ کو محض خندہ زنی کا سامان بنایا تھا لیکن ابوجہل کے سینہ پر غصے اور حسد کے سانپ لوٹ رہے تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب اس واقعہ کے بارے میں سنا تو فوری طور پر اس کی تصدیق کر دی۔ لوگوں نے جب پوچھا کہ آپ نے کیسے تصدیق کر دی تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں تو اس سے بھی کہیں بعید امر میں آپ کی تصدیق کرتا رہتا ہوں۔'' جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس جواب کا علم ہوا تو آپ نے ان کو ''صدیق'' کا قابل فخر خطاب دیا۔

(سیرۃ ابن ہشام: ۱/۳۹۹)

Marfat.com

اسلام مدینہ میں

مدینہ طیبہ میں دو قبیلے (اوس اور خزرج) ہم نسب ہونے کے علاوہ اور باہمی رشتہ داری اور عزیز داری ہونے کے باوجود جاہلیت کی وجہ سے خود بھی لڑتے رہے اور یہودی قبائل اپنے حلیف قبیلوں کو ایک دوسرے سے لڑاتے بھی رہے کیونکہ ان کی باہمی لڑائی اور جنگ ہی میں وہ اپنی خیر سمجھتے تھے اور ان کے اتفاق و اتحاد کو وہ اپنے لیے موت کا پیام سمجھتے تھے۔ اس طرح پونے دو صدیوں میں ان کے مابین چھوٹی موٹی لڑائیوں کے علاوہ گیارہ نہایت خون ریز معرکے بھی برپا ہوئے جن میں آخری معرکہ ''یوم بعاث'' ہجرت نبوی سے صرف پانچ سال قبل 618ء میں پیش آیا اور دونوں قبیلوں کے بڑے بڑے سردار اس میں مارے گئے، لیکن اس کے باوجود اہل مدینہ پر یہودیوں کا مذہبی اثر اتنا زیادہ تھا کہ جس عورت کے بچے پیدا ہو کر مر جاتے وہ یہ منت مانتی کہ اب جو بچہ پیدا ہوگا اس کو یہودی بناؤں گی۔ جنگ بعاث میں دونوں قبائل کا اتنا زیادہ نقصان ہوا کہ ان کے دانشور اور رؤساء یہ محسوس کرنے لگے کہ اگر ہم اسی طرح ایک دوسرے سے لڑتے رہے تو ہم بالآخر ختم ہو جائیں گے۔

اہل مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ ان روابط اور تعلقات کے باعث ان قبائل کے کان نبوت، وحی اور شریعت وغیرہ کے الفاظ اور ان کے معانی سے کلی طور پر آشنا تھے۔ ان کو یہ بھی معلوم تھا کہ یہودی ایک نبی کی آمد کے نہایت شدت اور بے چینی سے منتظر ہیں۔ وہ نہایت الحاح وزاری سے دعائیں مانگا کرتے تھے کہ جلدی سے وہ نبی آئے اور غیر یہودی قوموں کا غلبہ ختم ہو اور ان کے عروج و ترقی کا دور شروع ہو۔ یہودیوں سے یہ باتیں سن کر اوس اور خزرج کے لوگوں میں یہ جذبہ پیدا ہو گیا تھا کہ جب وہ نبی آخر الزماں ﷺ تشریف لائیں گے تو یہودیوں سے پہلے ہی اس پر ایمان لائیں گے۔ علاوہ ازیں وہ تباہ کن خانہ جنگی سے بھی اس قدر تنگ آ چکے تھے۔ وہ ایسی قیادت کے طلب گار تھے جو ان میں وحدت و اخوت پیدا کرے۔ اس

Marfat.com

کے لیے وہ اس بات پر بھی تیار ہو گئے تھے کہ قبیلہ خزرج کے رئیس عبداللہ بن ابی کو اپنا رئیس اور قائد بنالیں تا کہ ان میں وحدت واخوت کا ماحول پیدا ہو۔

سنہ 11 نبوی (جولائی سنہ 620ء) کے حج کے زمانہ میں سرکار دو عالم ﷺ اپنے معمول کے مطابق سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی معیت میں قبائل عرب سے ملاقات اور انہیں دین کی دعوت دینے کے لیے منیٰ کی طرف نکلے اور پھرتے پھراتے قبیلہ خزرج کے ایک گروہ کے پاس پہنچے۔ اسی رات آپ بنو ذہل اور بنو شیبان کے ڈیروں پر بھی گئے اور اسلام کے بارے میں ان سے بھی بات چیت کی لیکن انہوں نے کوئی امید افزا جواب نہ دیا۔ ان سے امید افزا جواب نہ پا کر آپ منیٰ کی گھاٹی کی طرف سے گزرے تو خزرج کے ایک گروہ سے آپ کی ملاقات ہوگئی۔

آپ ﷺ نے ان سے پوچھا: ''تم کون ہو؟'' انہوں نے جواب دیا کہ ہم خزرج کے چند افراد ہیں۔ آپ نے انہیں اسلام کی دعوت دی اور انہیں قرآن سنایا۔ آپ کی دعوت اور قرآن کی تلاوت نے ان کے دلوں پر گہرا اثر کیا اور انہوں نے آپس میں کہا: ''دیکھو بھئی، یہ وہی نبی ہے جس کی آمد کے ڈراوے یہودی ہمیں دیا کرتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ہم سے سبقت لے جائیں۔ چنانچہ ان افراد نے نہایت اطمینان سے آپ کی دعوت قبول کر لی اور آپ کی نبوت کی تصدیق کی۔ اس طرح اسلامی دعوت کو چند کارآمد بیج دستیاب ہو گئے جو دیکھتے ہی دیکھتے سرو قامت درختوں میں تبدیل ہو گئے اور ان کی پر فضا اور گھنی چھاؤں میں بیٹھ کر مسلمانوں نے برسوں کے جور و ستم کی تپش سے راحت پائی۔

ان لوگوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد بارگاہِ نبوت میں عرض کیا کہ ہماری قوم میں بڑی عداوت پائی جاتی ہے۔ شاید اللہ تعالیٰ آپ کی برکت سے ان کو جمع کر دے۔ ہم واپس جاتے ہیں اور آپ کے دین کی انہیں بھی جا کر دعوت دیتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ان کو آپ پر جمع کر دیا تو کوئی شخص آپ سے زیادہ طاقتور نہ ہوگا۔ اب ہم آئندہ سال حج کے موقع پر آپ سے ملیں گے۔ یہ کل چھ حضرات تھے۔ یہ سب لوگ یثرب کے ''عقلاء الرجال'' تھے اور نہایت سعادت مند روحیں تھیں جنہوں نے آپ کی دعوت سے متاثر ہو کر فوری طور پر اسلام قبول کر لیا جب کہ دوسرے قبائل کے لوگوں نے آپ کی دعوت کا کوئی مثبت جواب نہ دیا۔

مدینہ جا کر ان لوگوں نے اسلام کا چرچا شروع کر دیا۔ یہ جس مجلس میں بیٹھتے وہیں آپ کا ذکر کرتے۔ گویا ع

آشنا بیٹھا ہو یا ناآشنا ہم کو مطلب اپنے سوز و ساز سے

Marfat.com

نتیجہ یہ ہوا کہ چند مہینوں میں کوئی گھر اور کوئی مجلس آپ کے ذکر سے خالی نہ رہی۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۴۲۸۔ ۴۳۰، عیون الاثر: ۱/ ۲۰۶، زرقانی: ۱/ ۳۱۰، البدایہ والنہایہ: ۳/ ۱۴۸، فتح الباری: ۷/ ۱۷۱، زاد المعاد: ۲/ ۵۰)

ابن سعد نے طبقات میں ایک روایت نقل کی ہے کہ اس عرصہ میں اسعد بن زرارہ اور ذکوان بن عبد القیس جو مدینہ کے عمائدین میں سے تھے، مکہ مکرمہ عتبہ بن ربیعہ سے ملنے آئے۔ وہاں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا نام اور آپ کی دعوت کے بارے میں سنا۔ ان دونوں حضرات میں آپ کے بارے میں تجسس پیدا ہوا ان دونوں نے بصد مشکل آپ سے ملاقات کی۔ آپ ﷺ نے ان دونوں کو اسلام کی دعوت دی۔ توحید خداوندی سے آشنا کیا۔ دل صاف تھا اور طبیعت میں کوئی تعصب نہیں تھا اس وجہ سے جلد ہی اسلام دل کی گہرائیوں میں اتر گیا اور فوراً حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ انہوں نے بھی مدینہ جا کر اسلام کا پرچار شروع کر دیا۔

(طبقات ابن سعد: ۱/ ۱۴۶)

Marfat.com

بیعت عقبہ اولیٰ

یہ چھ سعادت مند حضرات جب مدینہ طیبہ واپس گئے تو انہوں نے ہر محلہ اور ہر مجلس میں سرکار دو عالم ﷺ اور آپ کے دین کا تذکرہ شروع کر دیا۔ پھر حسب وعدہ اگلے سال سنہ 12 نبوی میں حج کے موقع پر 12 آدمی عقبہ کے مقام پر آپ ﷺ سے ملے جہاں گزشتہ سال خزرج کے لوگوں کی ملاقات ہوئی تھی۔ ان بارہ آدمیوں میں پانچ تو وہی تھے جو گزشتہ سال مسلمان ہوئے تھے باقی سات آدمیوں میں سے پانچ خزرج اور دو قبیلہ اوس کے تھے۔

ان حضرات سے سرکار دو عالم ﷺ نے مقام عقبہ پر بیعت لی جو حسب ذیل ہے:

''ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے اور نہ چوری کریں گے، نہ زنا کریں گے اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گے۔ اپنے ہاتھ پاؤں کے آگے کوئی بہتان گھڑ کر نہ لائیں گے (یعنی کسی پر جھوٹا الزام نہ لگائیں گے) اور یہ کہ نیکی کے کسی کام میں رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی نہ کریں گے اور آپ کا فرمان سنیں گے اور مانیں گے خواہ وہ حکم ہمیں گوارا ہو یا ناگوار اور خواہ ہم پر کسی کو ترجیح دی جائے۔ ہم حکومت کے معاملہ میں اہل حکومت سے نزاع نہ کریں گے۔ ہم ہر حال میں اور جہاں کہیں بھی ہوں گے، حق بات کہیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔''

یہ بیعت لینے کے بعد آپ نے فرمایا کہ اگر تم نے اس عہد کو پورا کیا تو تمہارے لیے جنت ہے۔ اور اگر کسی نے ممنوع کاموں میں کسی کا ارتکاب کیا تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے، چاہے عذاب اور سزا دے اور چاہے معاف فرما دے۔

Marfat.com

مدینہ میں اسلام کا پھیلاؤ

جب یہ بارہ افراد مدینہ جانے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہما کو تعلیم قرآن کے لیے ان کے ساتھ بھیجا تاکہ انہیں اسلام اور اس کی تعلیمات سے روشناس کرائیں۔ سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مدینہ میں سیدنا سعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے ہاں قیام پذیر ہو گئے اور انصار کے لوگوں کو ساتھ لے کر نہایت تیزی کے ساتھ اسلام کی نشر و اشاعت شروع کر دی۔ مختلف قبائل کے سردار جب دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تو ان کے ساتھ پورے پورے قبیلے بھی اسلام میں داخل ہو گئے۔ چنانچہ بنی عبدالاشہل کے محلہ میں ایک بھی غیر مسلم نہ رہا۔ قریش کے دو بڑے سردار اور رئیس بڑے دلچسپ طریقے سے حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے جس کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب ''سیرۃ خاتم النبیین ﷺ'' میں دی ہے۔ اسلام نے سیدنا سعد بن معاذ اور سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کے دلوں کی دنیا ایسی تبدیل کی کہ بتوں کی پوجا کرنے والے ان دونوں حضرات کو لوگوں نے دیکھا کہ بنی عبدالاشہل کے بت توڑتے پھرتے تھے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۳۶، البدایہ والنہایہ: ۱۵۲/۳، زاد المعاد: ۵۱/۲، عیون الاثر: ۱/ ۲۶۸۔۲۶۹)

سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ سیدنا اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ ہی کے مکان میں سکونت پذیر رہے اور وہیں سے اسلام کی دعوت دیتے رہے یہاں تک کہ انصار کے ہر گھر میں چند مرد اور عورتیں مسلمان ہو گئیں، صرف بنو امیہ بن زید اور خطمہ اور وائل کے مکانات باقی رہ گئے۔ مشہور شاعر قیس بن است انہی کا آدمی تھا اور یہ لوگ اسی کی بات مانتے تھے۔ اس شاعر نے انہیں جنگ احزاب تک اسلام قبول کرنے سے روکے رکھا۔

Marfat.com

مدینہ میں جمعہ کا انعقاد:

سیدنا اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ جب سنہ 12 نبوی میں سرکار دو عالم ﷺ پر بیعت کر کے واپس مدینہ طیبہ گئے تو اسی سال انہوں نے مدینہ میں جمعہ قائم کر دیا۔ ہوا یہ کہ انہوں نے دیکھا کہ یہود و نصاریٰ ہفتے میں ایک روز اکٹھے ہو کر اپنے طریقہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ اس لیے مسلمانوں کو بھی چاہیے کہ ہفتہ میں ایک روز اکٹھے ہو کر اللہ کا ذکر کریں اور نماز پڑھیں۔ فیصلہ یہ ہوا کہ یہود ہفتہ کو، نصاریٰ اتوار کو بڑا دن سمجھتے ہیں۔ ہم یوم عروبہ (جمعہ کا دن) کو جو ہفتہ سے پہلا دن ہے، اپنا یوم عبادت مقرر کریں کیونکہ انسان جمعہ کے روز پیدا ہوا، اس لیے نعمت پیدائش کا شکریہ ادا کرنے کے لیے جمعہ ہی عبادت و اجتماع کے لیے موزوں ترین دن ہے۔ روایت میں ہے کہ جمعہ کے روز اجتماع کی تجویز سیدنا اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کی تھی۔ اس تجویز کے مطابق تمام انصار مدینہ سیدنا اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے مکان پر جمع ہوئے۔ سیدنا اسعد رضی اللہ عنہ نے انہیں دو رکعت نماز پڑھائی اور خطبہ دیا۔ جو حضرات اس اجتماع میں شریک ہوئے سیدنا اسعد رضی اللہ عنہ نے ان کی ضیافت کے لیے ایک بکری ذبح کر کے ان کی ضیافت کی۔

اس کے کچھ ہی روز بعد سرکار دو عالم ﷺ نے ایک والا نامہ کے ذریعہ سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو قیام جمعہ کا حکم فرمایا اور لکھا کہ جمعہ کے روز نصف النہار کے بعد سب مل کر بارگاہِ رب العزت میں دو رکعت پڑھ کر تقرب حاصل کیا کریں۔ امام دار قطنی نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہجرت سے پہلے ہی جمعہ پڑھنے کے لیے مامور ہو چکے تھے لیکن مکہ میں آپ کو غلبۂ کفر کی وجہ سے جمعہ کے اجتماع پر قدرت حاصل نہ تھی۔ پس آپ نے سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا کہ جب جمعہ کے روز سورج ڈھل جائے تو دو رکعت نماز سے حق تعالیٰ شانہٗ کا قرب حاصل کریں۔ (زرقانی: ۱/۳۱۵)

سب سے پہلا جمعہ سیدنا اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے بنی بیاضہ میں پڑھایا۔ اس میں تیس آدمی شریک ہوئے۔ سیدنا کعب رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے والد کعب بن مالک رضی اللہ عنہ جب جمعہ کی اذان سنتے تو سیدنا اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے لیے دعائے مغفرت فرماتے۔ میں نے ایک مرتبہ پوچھا تو فرمایا کہ مدینہ طیبہ میں سب سے پہلے اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ ہی نے ہمیں جمعہ پڑھایا تھا۔ (الاصابہ: ۱/۳۴)

Marfat.com

بیعت عقبہ ثانیہ

آئندہ سال سنہ 13 نبوی موسم حج سے قبل سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں اسلام کی دعوت کی کامیابی کی خوش خبریاں لے کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں مکہ حاضر ہوئے اور آپ کو قبائل یثرب کے حالات ان کی جنگی اور دفاعی صلاحیتوں اور خیر کی لیاقتوں کی تفصیلات سے آگاہ کیا۔ (زاد المعاد: ۲/۵۱)

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''آخر کار اللہ تعالیٰ نے ہمیں یثرب سے آپ کی خدمت میں بھیج دیا اور ہم نے آپ کے دعویٰ نبوت کی تصدیق کی اور حال یہ ہو گیا کہ ایک آدمی گھر سے نکلتا، ایمان لاتا، قرآن پڑھتا اور پلٹ کر جب گھر جاتا تو اس کے گھر والے بھی مسلمان ہو جاتے۔ اسی طرح انصار کے محلوں میں سے کوئی محلہ نہ رہا جس میں مسلمانوں کا ایک گروہ نہ پایا جاتا ہو اور علی الاعلان اپنے اسلام کا اظہار نہ کرتا ہو۔

آئندہ سال ذی الحجہ سنہ 13 نبوی (جون سنہ 622ء) میں سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق کہ ہم اپنی قوم کے مشرکین کے ساتھ حج کے لیے نکلے (حاکم اور ابن سعد کی روایت کے مطابق اس سال اوس اور خزرج کے 500 (پانچ سو) آدمی حج کے لیے نکلے تھے) ایک روایت کے مطابق یثرب ہی میں اور دوسری روایت کے مطابق مکہ کے راستہ میں آپس میں ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ آخر ہم کب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس حالت میں چھوڑے رکھیں گے کہ آپ مکہ مکرمہ کے پہاڑوں میں جگہ جگہ پھرتے، ٹھوکریں کھاتے اور خوف زدہ کیے جاتے رہیں۔ ان میں سے ایک روایت کے مطابق تہتر (73) مسلمان تھے طبری نے 73 کے بجائے 70 (ستر) تعداد بتائی ہے، ان میں عقبیٰ والے افراد کے علاوہ سعد بن ربیع، منذر بن عمرو، عبداللہ بن رواحہ، براء بن معرور، سعد بن عبادہ، کعب بن مالک، اور عبداللہ بن عمرو بن حرام (رضی اللہ عنہم) جیسے اکابر شامل تھے۔

Marfat.com

یہ بات مدینہ طیبہ کے ان لوگوں نے کہی جنہوں نے دکھائی دینے والے خداؤں کے ہجوم میں دکھائی نہ دینے والے خدا کو پایا اور اس کو اپنا سب کچھ بنا لیا۔ عظمت کے میناروں کے درمیان انہوں نے خدائے برتر کے پیغمبر کو پہچانا اور اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دیا۔ ایک اجنبی دین (غریب دین) اپنی ساری بے سروسامانی کے باوجود ان کو اتنا محبوب ہو گیا کہ اس کی خاطر کوئی بھی قربانی کرنا ان کے لیے مشکل نہ رہا۔ غرض کہ انہوں نے ایک ایسی سچائی کو پالیا جو ابھی مجرد روپ میں تھی۔ جس کی پشت پر تاریخ کی تصدیقات ابھی جمع نہ ہوئی تھیں۔ جس سچائی کے لیے اپنا سب کچھ دے دینا تھا لیکن دنیا میں اس کے بدلہ میں کچھ بھی نہ پانا تھا کیونکہ پیغمبروں اور رسولوں کو ہر دور میں سب سے بڑی رکاوٹ ایک ہی پیش آئی ہے وہ یہ کہ ان کی مخاطب قوموں کے پاس جو دین ہوتا تھا اس کے ساتھ مادی رونقیں اور در و دیوار کی عظمتیں شامل ہوتی تھیں۔ دوسری طرف وقت کا نبی اور رسول دلیل مجرد کی سطح پر کھڑا ہوتا تھا۔ یہ لوگ جو بیعت عقبہ ثانیہ کے لیے آ رہے تھے انہوں نے اپنے خلوص اور پیغمبر کی نگاہ حقیقت شناس سے اپنے آپ کو اس مقام پر فائز کر لیا تھا اور اپنے اندر یہ انوکھی صفت پیدا کر لی تھی کہ وہ حق کو دلیل مجرد کی سطح پر پا سکیں اور اپنے آپ کو ایک ایسے حق کے حوالے کر دیں جس نے ابھی ظواہر کا روپ اختیار نہیں کیا تھا۔ چنانچہ ان لوگوں کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ایک ایسے حق کے لیے اپنا سب کچھ سونپ دیا جس سے بظاہر دنیا میں کچھ بھی ملنے والا نہیں تھا۔

عدیم بن ساعدہ فرماتے ہیں کہ ہم نے مکہ پہنچ کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہمارے وفد کی ملاقات کب اور کہاں ہو؟ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے جو اس وقت وہاں موجود تھے، فرمایا: ''تمہارے ساتھ تمہاری قوم کے وہ لوگ بھی ہیں جو تمہارے مخالف ہیں (یعنی مشرک ہیں) اس لیے تم لوگ اپنا معاملہ مخفی رکھو یہاں تک کہ حاجی منتشر ہو جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ملاقات کے لیے وہ رات تجویز فرمائی جس کی صبح کو حاجی منیٰ سے روانہ ہو جاتے ہیں، اور ملاقات کے لیے مقام عقبہ کا نشیبی حصہ مقرر فرمایا۔ اور حکم دیا کہ کسی سوتے کو جگانا نہیں اور کسی غائب اور غیر حاضر کا انتظار نہ کرنا۔ (طبقات ابن سعد: ۱/۲۲۱)

تمام روایات اس بات پر متفق ہیں کہ جب یہ لوگ رات کی تاریکی میں لوگوں کی نگاہوں سے چھپتے چھپاتے دو دو چار چار کر کے طے شدہ مقام پر پہنچے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سیدنا عباس بن عبدالمطلب کے ہمراہ وہاں موجود پایا۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے ابھی تک اپنے اسلام کو ظاہر نہیں کیا تھا لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان پر پورا پورا اعتماد کرتے تھے۔ وہ اس لیے

Marfat.com

اس نازک موقع پر آئے تھے تاکہ رسول اللہ ﷺ کے مدینہ جانے سے پہلے ہر لحاظ سے بات پختہ کرلیں۔ چنانچہ سب سے پہلے بات انہوں نے ہی شروع کی۔ مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ جب سب لوگ اکٹھے ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس کو بولنا ہے مختصر بولے اور بات کو طول نہ دے کیوں مشرکین کے جاسوس تمہاری کھوج میں ہیں۔

اب سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے گفتگو کی ابتداء کرتے ہوئے فرمایا

''خزرج کے لوگو! محمد ﷺ ہمارے ہاں جو حیثیت رکھتے ہیں وہ تم سب حضرات کو معلوم ہے۔ جن لوگوں نے اسلام قبول نہیں کیا ان کے مقابلہ میں ہم (بنو ہاشم، بنو مطلب) نے ان کی حمایت و حفاظت کی ہے، اس لیے وہ اپنی قوم میں مضبوط حیثیت اور اپنے شہر میں محفوظ مقام رکھتے ہیں لیکن وہ تمہارے ہاں جانے کے سوا اور کسی بات پر راضی نہیں ہیں۔ اب اگر تم لوگ یہ سمجھتے ہو کہ تم اس عہد و پیمان کو پورا کرو گے جو ذمہ داری تم اپنے اوپر اٹھا رہے ہو، اسے اٹھالو، لیکن اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تم انہیں اپنے پاس لے جانے کے بعد ان کا ساتھ چھوڑ کر کنارہ کش ہو جاؤ گے تو پھر ابھی سے انہیں چھوڑ دو کیونکہ وہ اپنی قوم میں مضبوط حیثیت اور محفوظ مقام رکھتے ہیں۔''

سیدنا کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ کی بات ہم نے سن لی اب یا رسول اللہ! آپ ارشاد فرمائیں اور جو عہد و پیمان ہم سے اپنے لیے اور اپنے اللہ کے لیے لینا چاہیں، لے لیں۔

سیدنا کعب رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ خود اٹھے۔ قرآن حکیم کی تلاوت فرمائی، اللہ کی طرف دعوت دی، اسلام کی رغبت دلائی اور اس کے بعد فرمایا:

''میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں۔ کہ تم میری اسی طرح حمایت و حفاظت کرو گے جس طرح خود اپنے اہل و عیال کی حفاظت کرتے ہو۔''

انہوں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! ہم کس بات پر آپ سے بیعت کریں؟''

آپ نے ارشاد فرمایا:

① اس بات پر کہ تم اچھے اور برے ہر حال میں حکم سنو گے اور مانو گے۔

② خوش حالی اور بدحالی دونوں میں مال خرچ کرو گے۔

③ نیکی کا حکم دو گے اور برائی سے روکو گے۔

④ اللہ کے معاملہ میں حق بات کہو گے اور اس بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی

Marfat.com

ملامت سے ہرگز خوف نہیں کھاؤ گے۔

⑤ جب میں تمہارے پاس آؤں تو تم ہر اس شے سے میری حفاظت کرو گے جس سے اپنی جانوں اور اپنے اہل و عیال کی حفاظت کرتے ہو۔ (مسند احمد: ۳۲۵/۵)

اگر تم ان سب باتوں پر کاربند رہو گے تو اس کے بدلے میں تمہارے لیے جنت ہے۔

سرکار دو عالم ﷺ کے اس فرمان کو سن کر سیدنا براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا:

اے اللہ کے رسول! اس خدا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے ہم آپ کی ہر اس چیز سے حفاظت کریں گے جس سے ہم خود اپنی جان اور اپنے اہل و عیال کی حفاظت کرتے ہیں۔ پس اے اللہ کے رسول! ہم سے بیعت لیجیے۔ ہم جنگ آزما لوگ ہیں۔ ہم نے اپنے باپ دادا سے اس کو وراثت میں پایا ہے۔''

ابوالہیثم بن التیہان نے درمیان سے بات کاٹ کر کہا: ''یا رسول اللہ! کہیں ایسا تو نہیں ہوگا کہ جب اللہ تعالیٰ آپ کو غلبہ عطا فرما دے تو آپ ہمیں چھوڑ کر اپنی قوم اور اپنے قبیلہ میں واپس تشریف لے جائیں؟'' سرکار دو عالم ﷺ نے مسکرا کر فرمایا: ''بالکل نہیں بلکہ اب خون کے ساتھ خون اور قبر کے ساتھ قبر ہے۔ میں تمہارا ہوں اور تم میرے ہو جس سے تمہاری لڑائی اس سے میری لڑائی اور جس سے تمہاری صلح اس سے میری صلح۔''

مختصر یہ کہ ان تمام حضرات نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت فرمائی اور آپ کو ہر قسم کی اعانت اور حمایت کا یقین دلایا۔ سب سے پہلے بیعت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے کی۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سیرۃ ابن ہشام: ۴۴۳/۱۔۴۴۶، عیون الاثر لابن سید الناس: ۲۷۱/۱۔۲۸۲، فتح الباری: ۲۰۴/۷، زرقانی: ۳۱۷/۱، البدایہ والنہایہ: ۱۵۸/۳۔۱۶۵، مختصر السیرۃ: ص ۱۵۵، طبقات ابن سعد: ۲۲۱/۱۔۲۲۳، مسند احمد: ۱۲۰/۳، سنن کبریٰ بیہقی: ۹/۹، مستدرک حاکم: ۶۲۴/۲)

یہاں ایک بات غور طلب ہے کہ نبوت کے گیارہویں سال حج کے موقع پر یثرب کے قبیلہ خزرج کے چھ آدمی مکہ آئے۔ انہوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور واپس جا کر اپنی بستی میں اسلام کی تبلیغ کی۔ اگلے سال بارہ آدمیوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی جو بیعت عقبہ اولیٰ کہلاتی ہے۔ پھر اگلے سال اس تعداد میں خاصا اضافہ ہوا اور یثرب کے 75 آدمی مکہ آئے اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

دو سال میں اتنے لوگوں کا دائرۂ اسلام میں داخل ہونا ایک نہایت حیرت انگیز بات

Marfat.com

ہے جب کہ مکہ میں 13 سال کے طویل عرصہ میں چند لوگ مسلمان ہوئے۔ مدینہ میں اسلام کے تیزی سے پھیلنے کی وجہ یہ ہوئی کہ پہلے ہی مرحلہ میں وہاں کے ممتاز لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ (اسلم اشرافھم) چونکہ یہ قبائلی دور تھا اور قبائل میں یہ رواج تھا کہ سردار قبیلہ کا جو مذہب ہوتا تھا وہی پورے قبیلہ کا مذہب ہوتا تھا، اس لیے مدینہ میں بہت تیزی سے اسلام پھیلنے لگا حتیٰ کہ کوئی گھر نہ بچا جس میں اسلام داخل نہ ہو گیا۔ اسی طرح جب مدینہ کی آبادی میں مسلمانوں کی اکثریت ہوگئی تو فطری طور پر وہی بستی میں سب سے زیادہ بااثر ہو گئے۔

بارہ نقیب:

جب سب حضرات بیعت کر چکے اور اس بیعت کا صاف مطلب یہ تھا کہ ایک چھوٹا سا قصبہ اپنے آپ کو پورے ملک کی تلواروں اور معاشی، معاشرتی اور تمدنی بائیکاٹ کے مقابلہ میں پیش کر رہا ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا: ''موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل میں سے بارہ نقیب منتخب فرمائے تھے۔ اسی طرح میں بھی جبرئیل کے اشارے سے تم میں سے بارہ نقیب مانگتا ہوں جو اپنے اپنے قبیلہ کے ذمہ دار ہوں۔ اس ارشاد نبوی کی تعمیل میں مندرجہ ذیل بارہ حضرات تجویز کیے گئے۔ 9 خزرج میں سے اور تین اوس میں سے۔ ان حضرات کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:

① اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ (ان کو رسول اللہ ﷺ نے نقیب النقباء مقرر فرمایا)

② سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ (یہ زمانہ جاہلیت میں اہل مدینہ کے پڑھے لکھے لوگوں میں سے تھے)

③ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ (یہ بھی پڑھے لکھے لوگوں میں سے تھے)

④ براء بن معرور رضی اللہ عنہ (یہ سب سے زیادہ سن رسیدہ تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی مدینہ تشریف آوری سے ایک ماہ قبل وفات پا گئے تھے۔ حضور ﷺ نے ان کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی)

⑤ رافع بن مالک رضی اللہ عنہ (زمانہ جاہلیت میں ''کامل'' کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے)

⑥ عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ (یہ بیعت عقبہ ثانیہ کی رات ہی ایمان لائے تھے)

⑦ عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ

Marfat.com

⑧ منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ (یہ بھی لکھنا پڑھنا جانتے تھے)

⑨ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ (یہ بھی جاہلیت میں ''کامل'' کے لقب سے مشہور تھے)

⑩ اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ

⑪ سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ

⑫ رفاعہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ (بعض لوگوں نے ان کی جگہ ابوالہیثم بن التیہان رضی اللہ عنہ کا نام لکھا ہے)

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سیرۃ ابن ہشام: ۲/۱۸۴، تاریخ الاسلام ذہبی: ۱/۲۹۱، طبری: ۲/۳۵۳۔۳۵۶، طبقات ابن سعد: ۱/۲۲۰، دلائل النبوۃ: ۲/۱۶۹۔۱۷۲، نہایۃ الارب: ۱۶/۳۱۰۔۳۱۱، الدرر فی اختصار المغازی والسیر لابن عبدالبر: ۱/۱۵۹، عیون الاثر: ۱/۱۵۶، مسند احمد: ۵/۳۲۳)

Marfat.com

ہجرتِ مدینہ کا آغاز

ذی الحجہ 13 نبوی میں بیعت عقبہ ثانیہ ہوئی۔ قریش کو جب پتہ چلا تو انہیں بہت گھبراہٹ ہوئی۔ قریش مکہ کی زیادتیوں نے مسلمانوں کے لیے عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ وہ فتنۂ کفر سے بچنے اور اپنے ایمان کو محفوظ رکھنے کے لیے کسی پناہ کی تلاش میں تھے۔ ہجرت حبشہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھی۔ سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سیدنا عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ وغیرہم کو جب علم ہوا کہ یثرب میں انہیں امن مل سکتا ہے تو وہ بیعت عقبہ ثانیہ سے ایک سال قبل ہی یثرب (مدینہ) چلے آئے تھے۔ (سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۴۶۸، فتح الباری: ۷/ ۱۸۰)

بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد قریش کے جور و ستم میں مزید تیزی آ گئی۔ اب مکہ مکرمہ میں دعوت حق کی مظلومی اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی اور لبیک کی جگہ ہر طرف سے تلوار کی جھنکار سنائی دیتی تھی۔ اب مظلوم و مقہور مسلمانوں کے لیے کسی جائے پناہ کی ضرورت تھی۔ گو حبشہ میں ہجرت کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی کئی سالوں سے غریب الوطنی کی زندگی گزار رہے تھے، اب مدینہ میں رہنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ترک وطن کی اجازت طلب کی۔ آپ نے چند روز تک کوئی جواب نہ دیا۔ بالآخر جس بات کا انتظار تھا آپ کو عالم رؤیا میں اس کا مشاہدہ کروایا گیا۔ آپ نے خواب دیکھا کہ مکہ مکرمہ سے آپ اپنے خدام اور جان نثاروں کے ساتھ کسی ایسے مقام کو ہجرت کر رہے ہیں جہاں کھجور کے باغات ہیں۔ اس سے آپ نے خیال فرمایا کہ اہل ایمان کا نیا دار الہجرۃ یمامہ یا ہجر ہوگا۔ (بخاری: ۱/ ۵۵۱)

لیکن جس طرح اہل یثرب نے اسلام کا استقبال کیا، اس نے طے کر دیا کہ یہ مرکز وہ ارض پاک ہے جس کو یثرب کہا جاتا ہے۔ آخر کار وحی الٰہی نے صراحتاً بتایا کہ وہ پرفضا مقام یثرب کا مبارک خطہ ہے۔ اس کے بعد نہ صرف یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کی اجازت دے دی بلکہ ایک اصول طے ہو گیا کہ جو دائرۂ اسلام میں داخل ہو، اس پر لازم ہے کہ وہ مدینہ

Marfat.com

منورہ کو اپنی قیام گاہ بنائے۔ (ملاحظہ ہو انفال: ۷۴۔۷۵)

رسول اللہ ﷺ نے اب مسلمانوں کو ہجرت کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

((ان اللہ قد جعل لکم اخواناً و داراً تامنون بھا))

بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے بھائی بھی بنا دیئے (جو ہماری نصرت کریں) اور وطن (مرکز) بھی بنا دیا جس میں تم امن سے رہو۔"

(البدایہ والنہایہ: ۳/۱۶۹، روض الانف: ۱/۲۸۴، لائف آف محمد ولیم میور: ۲/۲۴۲)

اب ہجرتِ مدینہ منورہ کی شاہراہ کھل گئی اور جان نثاران اسلام یکہ وتنہا اور اپنے خاندانوں کے ساتھ قریش سے چھپ چھپا کر اور رات کی تاریکی میں مدینہ طیبہ جانے شروع ہو گئے، لیکن مشرکین نے ان کی روانگی میں مختلف رکاوٹیں اور مزاحمتیں کرنی شروع کر دیں کیونکہ مسلمانوں کا ایک مرکز پر جمع ہو جانا ان کے لیے خطرات کا پیش خیمہ تھا۔

ہجرت کرنے والوں میں سب سے پہلا مہاجر رسول اللہ ﷺ کے رضاعی بھائی ابو سلمہ بن عبدالاسد مخزومی تھے۔ (ابن ہشام: ۱/۴۶۹، البدایہ والنہایہ: ۳/۱۶۹، زرقانی: ۱/۳۱۹)

پھر اسد بن خزیمہ کے خاندان ایک ایک کر کے ہجرت کر گئے۔ ان خاندانوں کے جانے کے بعد ایک روز عتبہ بن ربیعہ، عباس بن عبدالمطلب اور ابوجہل کا ادھر سے گزر ہوا۔ عتبہ نے ٹھنڈا سانس بھر کر نہایت دکھ کے ساتھ کہا: "آج بنی جحش کا گھر بے آباد اور اجاڑ پڑا رہ گیا۔ پھر یہ شعر پڑھا ۔

کل دار ان طالت سلامتھا
یوماً ستدرکھا النکباء والحوب

ہر مکان خواہ وہ کتنے ہی عرصہ تک آباد اور عشرت کدہ بنا رہے، لیکن ایک نہ ایک دن وہ غم کدہ اور ماتم کدہ بن جاتا ہے۔

اس پر ابوجہل بولا: "روتے کیا ہو؟ یہ سب اس بھائی (عباس) کے بھتیجے کا کیا دھرا ہے۔ اس نے ہماری جمعیت میں تشتت و افتراق کی تخم ریزی کی اور ہمارے آپس کے روابط منقطع کر دیئے اور ہماری وحدت کو پارہ پارہ کر کے رکھ دیا۔" (ابن ہشام: ۱/۴۶۹)

حافظ ابن عبدالبر نے "الدرر فی اختصار المغازی والسیر" میں لکھا ہے کہ جب سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ مکہ سے ہجرت کے ارادہ سے روانہ ہوئے تو قریش ان کے تعاقب میں نکلے تاکہ

Marfat.com

انہیں قتل کر کے ان کا تمام مال لے لیں۔ انہوں نے ان لوگوں کو آتے دیکھ کر کہا: ''تم سب جانتے ہو کہ میں تم میں سب سے زیادہ اچھا تیرانداز ہوں۔'' خدا کی قسم! تم میں سے کوئی مجھ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ جس جس کی موت آئی ہے وہ مر نہ جائے۔'' پیچھا کرنے والوں نے کہا: ''اپنا مال چھوڑ دو اور چلے جاؤ۔'' سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''مال تو میں مکہ ہی میں چھوڑ آیا ہوں۔ فلاں جگہ جاؤ اور اسے نکال لو۔'' چنانچہ وہ سارے واپس چلے گئے اور ان کی بتائی ہوئی جگہ سے جا کر مال لے لیا۔ بلاذری نے بھی اس طرح کی ایک روایت نقل کی ہے۔''

بیہقی اور طبرانی کی روایت میں ہے کہ سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جب میں قبا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے دیکھ کر فرمایا: ''اس سودے میں تو تم نے بڑا نفع کمایا۔'' میں نے عرض کی: ''اس معاملہ کی تو کسی کو خبر نہ تھی۔ آپ کو جبرئیل کے سوا اس کی خبر دینے والا اور کون ہو سکتا ہے؟''

مستدرک حاکم میں ہے کہ اس وقت یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی:

﴿ومن الناس من يشرى نفسه ابتغاء مرضاة الله﴾

''اور لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں اپنی جان تک صرف کر ڈالتے ہیں۔'' (مستدرک حاکم: ۲/۲۰۷)

دوسرے تمام مہاجرین تو مکہ سے چھپ چھپ کر نکلے اور اکثر رات کی تاریکی میں مدینہ گئے، لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شان کچھ عجیب تھی۔ وہ اعلانیہ گئے اور دن کے اجالے میں گئے۔ اکیلے بھی نہیں گئے بلکہ بیس سواروں کے ساتھ گئے۔ (بخاری: ۱/ ۵۵۸)

ان کے ساتھ ان کے بھائی زید بن خطاب رضی اللہ عنہ، ان کے بہنوئی سعید بن زید رضی اللہ عنہ، ان کے داماد خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے بہت سے ساتھی تھے۔

بعض روایات میں ہے کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مکہ سے چلتے وقت تلوار، نیزہ اور تیر کمان لے کر بیت اللہ کا رخ کیا۔ اس وقت تمام رؤسائے قریش صحن حرم میں موجود تھے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے آ کر نہایت اطمینان سے دو رکعت نماز ادا کی۔ اس کے بعد آواز بلند فرمایا: ''ان لوگوں کی حالت پر افسوس ہے جنہوں نے پتھروں کے ٹکڑوں کو معبود بنا رکھا ہے۔ پھر فرمایا: ''اے گروہ قریش! تم لوگوں کو بخوبی معلوم ہے کہ میں مکہ سے جا رہا ہوں۔ جس کسی کو اپنا بیٹا یتیم اور اپنی بیوی کو رانڈ کرانا منظور ہو وہ میرے پیچھے آئے اور مجھے جانے سے روک

Marfat.com

لے۔'' یہ الفاظ سن کر کسی کی مجال نہ ہوئی کہ کچھ مزاحمت کرتا یا کسی بات کا جواب دیتا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ دوسرے روز علی الصبح مع اہل وعیال روانہ ہو گئے۔

سیرۃ نگاروں میں سے سوائے ابن ہشام کے شاید کسی اور نے ان مہاجرین ومہاجرات کی فہرست نقل نہیں کی جنہوں نے ہجرت نبوی سے قبل مکہ کے ستم کدہ سے مدینہ طیبہ کے دارالامن کی راہ کی۔ ابن ہشام نے ساٹھ سے زائد نفوس مقدسہ کی فہرست دی ہے لیکن اس میں بعض جلیل القدر مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسمائے گرامی دکھائی نہیں دیتے۔ بہرحال مختلف کتابوں کا تتبع کرنے سے قریباً 105 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام ملتے ہیں۔

قریش کی گھبراہٹ:

مسلمانوں کی مکہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت نے قریش کے غم آگین تصورات میں ایک تلاطم پیدا کر دیا۔ وہ اپنے خلاف ہزاروں خطرات محسوس کرنے لگے۔ کبھی یہ کہ مسلمان مدینہ میں رہ کر ترقی اور عروج کی منزلیں طے کر جائیں گے اور دولت وثروت سے مالا مال ہو کر عزت کی زندگی بسر کرنے لگیں گے۔ کبھی انہیں یہ خیال ستاتا کہ اب مکہ کے یہ مہاجر مدینہ کے مسلمانوں کی معیت اور ہم نوائی سے ایک بہت بڑی طاقت اور قوت حاصل کر لیں گے اور جب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی مدینہ پہنچ جائیں گے تو آپ کے حسن تدبیر اور عزم واستقلال سے ایک روز ایسا آئے گا کہ وہ یثرب کی طرف سے مکہ پر حملہ کر دیں گے۔ کبھی ان کا رجحان اس طرف ہو جاتا کہ ایک روز اہل یثرب مکہ اور شام کی درمیانی شاہراہ تجارت کاٹ دیں گے۔ اس وقت ہماری تجارت کا کیا حشر ہو گا؟ اس وقت ہم بھوک سے اس طرح نڈھال ہوں گے جس طرح ہماری قرارداد مقاطعہ سے مجبور ہو کر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے قبیلہ والے بنو ہاشم اور بنو مطلب ہوئے تھے۔ انہیں یہ خیال بھی گزرتا کہ اگر ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ سے نکلنے نہ دیا تو اہل یثرب اپنے رسول کی حمایت میں ضرور ہمارے خلاف صف آراء ہوں گے۔

Marfat.com

قریش کی پریشانی اور ڈائرکٹ ایکشن

قریش نے جب دیکھا کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آہستہ آہستہ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ چلے گئے ہیں اور ہم ان کو کسی تدبیر سے روک نہیں سکے، اور اب ان کا قائد بھی جس کو ہم نے تیرہ سال مختلف مصائب اور اذیتوں کا نشانہ بنایا، چند روز میں وہ بھی یہاں سے جانے والا ہے، تو انہیں بڑی فکر لاحق ہوئی۔ غم والم کے لاوے پھوٹ پڑے۔ اب ان کے سامنے ان کی دینی فکر اور اقتصادی اجتماعیت شدید خطرے میں تھی۔ اس قسم کے کئی خطرات اور خدشات تھے جو ان کے ذہنوں میں انگڑائیاں لے رہے تھے اور ان کے دلوں میں چبھن پیدا کر رہے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عزیمت و استقامت کا بھی انہیں پتہ تھا کیونکہ تیرہ سال انہوں نے انہیں جور وتشدد اور جبر واستبداد کی چکی میں پیسا تھا۔ انہیں خزرج اور اوس کی اہمیت اور ان کی طاقت وقوت کا بھی اندازہ ہو گیا تھا۔ یہ سارے خطرات ان کے ذہنوں میں تھے لیکن ان کا کوئی علاج اور درمان انہیں نظر نہیں آ رہا تھا کیونکہ اس سے قبل کے تمام علاج ناکام ہو چکے تھے

اب وہ بیعت عقبہ ثانیہ کے قریباً اڑھائی ماہ بعد 26 صفر المظفر سنہ 14 نبوی (12 ستمبر 622ء) جمعرات کو مکہ کے اسمبلی ہال ''درالندوہ'' میں سر جوڑ کر بیٹھے جو کہ تاریخ کا سب سے زیادہ خطرناک اجتماع تھا۔ یہ اجتماع نہایت اہم تھا کیونکہ اس میں فریقین میں سے ہر ایک کے مستقبل کا فیصلہ تھا۔ اس وجہ سے اس میں قریش کے قریباً تمام قبائل کے نمائندوں نے شرکت کی اور وہ یہ سوچنے کے لیے بیٹھے کہ کس طرح اب اسلامی دعوت کے قائد کو ہمیشہ کے لیے ختم کر کے اپنی بت پرستی اور اقتصادی زندگی کا تحفظ اور دفاع کیا جائے اس خوفناک اجتماع میں جن شخصیات نے شرکت کی ان میں نمایاں چہرے حسب ذیل ہیں:

① ابوجہل، عمرو بن ہشام (بنو مخزوم)

② شیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ، ابوسفیان بن حرب (بنی عبد شمس بن عبد مناف)

Marfat.com

③ جبیر بن مطعم، طعیمہ بن عدی، حارث بن عامر (بنی نوفل بن عبد مناف)

④ نضر بن حارث (بنو عبد الدار)

⑤ ابو البختری بن ہشام، زمعہ بن اسود، حکیم بن حزام (بنی اسد بن عبد العزیٰ)

⑥ نبیہ بن حجاج، منبہ بن حجاج (بنو سہم)

⑦ امیہ بن خلف (بنو جمح)

ابن سعد نے لکھا ہے کہ ''وہ سب دار الندوہ میں جمع ہوئے اور اہل الرائے لوگوں میں سے کوئی شخص پیچھے نہ رہا تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں مشورہ کیا جاسکے۔

(طبقات ابن سعد: ۱/ ۲۲۷، البدایہ والنہایہ: ۳/ ۱۷۵)

جب یہ نمائندگان دار الندوہ پہنچے تو ابلیس لعین بھی ایک بوڑھے شیخ کی صورت میں دروازے پر آن کھڑا ہوا۔ لوگوں نے اس اجنبی صورت کو دیکھ کر دریافت کیا کہ آپ کون ہیں؟ ابلیس نے کہا: ''میں نجد کا ایک شیخ ہوں، تمہارے اس اجتماع کا سن کر آیا ہوں۔ میں بطور مبصر اس مجلس میں شرکت کرنا چاہتا ہوں۔ حاضرین نے اسے اندر آنے کی اجازت دے دی۔

اس مجلس میں بہت سی تجاویز پیش ہوئیں۔ ہر تجویز پر شیخ نجدی نے تبصرہ کیا۔ آخر میں ایک تجویز یہ پیش ہوئی کہ تمام قبائل قریش میں سے ایک ایک نوجوان اور توانا آدمی منتخب کیا جائے اور وہ رات کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکان کا محاصرہ کرلیں۔ صبح جب آپ نماز کے لیے گھر سے نکلیں تو یہ سب نوجوان یک بارگی آپ پر تلواروں سے حملہ کردیں۔ اس طریقہ سے ہم ہمیشہ کے لیے اس شخص سے نجات اور راحت پا جائیں گے۔ آپ کو اس طرح قتل کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ کا خون تمام قبائل میں بکھر جائے گا اور بنو ہاشم تمام قبائل سے انتقام نہ لے سکیں گے اور لامحالہ دیت پر راضی ہوجائیں گے اور ہم سب مل کر آسانی سے دیت ادا کردیں گے۔

یہ تجویز ابوجہل کی تھی اور اس کو شیخ نجدی (ابلیس لعین) نے بھی معقول اور پسندیدہ قرار دیا۔ تمام مجلس نے اس مجرمانہ تجویز کو قرارداد کی شکل دے کر منظور کرلیا۔ اور ہر رکن مجلس اس عزم کے ساتھ واپس گھر آیا کہ اس قرارداد کو کس طرح عملی شکل دے کر دنیا کو اس ابر رحمت سے یک قلم محروم کردیا جائے جو کائنات ارضی کی تشنگی سعادت کو سیراب کرنے کے لیے مکہ کے افق سے نمودار ہوا تھا۔

ادھر دار الندوہ میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف یہ قرارداد ابلیس لعین کی موجودگی میں پاس ہورہی تھی، ادھر حق تعالیٰ کی قدرت خندہ زن تھی کہ آج ازراہِ حماقت جس ذات گرامی

Marfat.com

کی قسمت کا فیصلہ کیا جا رہا ہے عنقریب اس کو نہ صرف پوری کائنات میں بلکہ آسمانوں پر بھی وہ عظمت اور بلندی نصیب ہوگی جس پر پوری کائنات فخر کرے گی، اور اس کے قلاش اور مفلوک الحال ساتھی (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) جو عالم بے بسی میں غریب الوطن ہوئے، وہ عرب و عجم کے مالک ہو کر اپنی قوم کو آسمانِ عظمت و جاہ کا نیرّ تاباں بنا دیں گے۔ تعجب خیز بات یہ ہے کہ قتل کی اس قرارداد کے پاس کرنے والوں میں بنو ہاشم کا رئیس اور آپ کا بدنصیب چچا ابولہب بھی شامل تھا۔

ادھر عمائدین قریش کا شانۂ نبوت کا محاصرہ کر کے آپ کو (معاذ اللہ) قتل کرنے کا منصوبہ بنا رہے تھے ادھر جبرئیل امین نے آپ کو قریش کے اس منصوبہ کے بارے میں مطلع کر دیا اور یہ حکم خداوندی بھی پہنچا دیا کہ آپ کے لیے ہجرت کا وقت اور رفیق ہجرت بھی متعین فرما دیا ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبرئیل سے پوچھا کہ میرا رفیق سفر کون ہو گا؟ جبرئیل نے کہا: ''ابوبکر'' (مستدرک حاکم: ۳/۵، زرقانی: ۱/ ۲۲۸)

سفر چونکہ پانچ سو کلومیٹر کا تھا اس کے لیے ایک خادم اور ایک ساتھی کی ضرورت تھی جو جاں نثار ہونے کے ساتھ ساتھ ہمدم اور ہم راز بھی ہو۔ آپ کے ساتھ اعلیٰ درجہ کا اخلاص رکھتا ہو۔ شجاعت و جاں نثاری کے ساتھ نہایت عقیل، دانش ور اور مدبر بھی ہو۔ اس وجہ سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو رفیق سفر کے لیے منتخب کیا گیا۔ آپ کو یہ بھی بتایا گیا کہ یہ رات آپ اپنے بستر پر نہ گزاریں جس پر پہلے گزارا کرتے تھے۔ (ابن ہشام: ۱/۱۸۲، زاد المعاد: ۲/۵۲)

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت

ربیع الاول کی یکم تاریخ، سن عیسوی کے حساب سے 12 ستمبر، پیر کا دن، سنہ 622ء رات کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں اپنے نوجوان چچا زاد بھائی سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ موجود ہیں۔ گھر کا ماحول تاریک ہے، لیکن اس تاریکی میں دونوں حضرات آپس میں آہستہ آہستہ کچھ باتیں کر رہے ہیں۔ لیکن آج کی رات باہر کا ماحول نہایت خوفناک اور ہیبت ناک ہے۔ آج اس گھر کو قریش کے اکابر مجرمین نے گھیرا ہوا ہے۔

دارالندوہ میں جو قرارداد آپ کے خلاف پاس ہوئی تھی اس کے متن میں یہ تھا کہ رات کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کو گھیر لیا جائے اور صبح کے وقت جب اندھیرے منہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے باہر نکلیں تو ان پر تمام قبائل کے یہ لوگ یک بارگی حملہ کر دیں اور انہیں (معاذ اللہ) موت کے گھاٹ اتار دیں۔ یہ لوگ آنکھوں میں رات گزار رہے تھے کہ کب وہ باہر نکلیں اور کب ان پر حملہ کریں لیکن جسے اللہ بچانا چاہے اسے کوئی نہیں مار سکتا۔ اس نازک ترین لمحے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"میرے بستر پر میری یہ حضرمی چادر اوڑھ کر سو رہو۔ تم کو کوئی بھی گزند نہیں پہنچائے گا۔" (سیرۃ ابن ہشام: ۱/۴۸۳، طبری: ۲/۹۹، البدایہ والنہایہ: ۳/۱۷۶)

رات کافی بھیگ چکی تھی بلکہ آخری پہر شروع ہو چکا تھا۔ پورے مکہ پر ہو کا عالم طاری تھا۔ فضا میں سناٹا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر کسی خوف و ہراس کے نہایت اطمینان کے ساتھ باہر تشریف لائے۔ مشرکین کی صف کو چیرا اور سورۃ یٰسین کی تلاوت فرماتے ہوئے ان کے پاس پہنچے۔ اس وقت یہ آیت کریمہ زبان مبارک پر تھی:

﴿وجعلنا من بين ايديهم سداً ومن خلفهم سداً فاغشيناهم فهم لايبصرون﴾ (یٰسین: ۹)

Marfat.com

''ہم نے ان کے آگے دیوار اور ان کے پیچھے دیوار کھڑی کر دی پھر اوپر سے ڈھانک دیا۔ سو وہ نہیں دیکھ رہے ہیں۔''

اب نہیں کہا جا سکتا کہ ان کو نیند آ گئی یا ان کی آنکھوں کے سامنے دیوار کھڑی کر دی گئی یا ان کی آنکھوں میں مٹی پڑ گئی، لیکن معلوم یہی ہوتا ہے کہ ان کے سامنے اللہ رب العزت نے واقعی کوئی دیوار کھڑی کر دی جس کو آپ محسوس فرما رہے تھے۔ پھر اطمینان کی بھی انتہا ہوئی کہ آپ یونہی نہیں گزر جاتے بلکہ اپنے دست مبارک میں مٹی لیتے ہیں اور ہر ایک کے سر پر مٹی ڈالتے ہوئے تشریف لے جاتے ہیں۔ یہ ایک پیغمبر کا اپنے رب پر یقین کا ایک نمونہ ہے۔

یہاں سے آپ سیدھے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے جو وہاں آپ کے لیے سراپا انتظار تھے۔ محاصرین کو جلد ہی پتہ چل گیا کہ آپ تشریف لے گئے ہیں۔ ایک غیر متعلقہ شخص نے ان لوگوں کو دروازے پر کھڑے دیکھ کر کہا: تم لوگ کس کا انتظار کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا: ''محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا۔'' اس شخص نے کہا: ''وہ تو چلے گئے اور تمہاری غفلت کی انتہاء ہے کہ خاک تمہارے سروں پر پڑی ہے۔'' وہ سروں سے مٹی جھاڑتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہیں یقین ہو گیا کہ یہ شخص صحیح کہہ رہا ہے۔ دروازہ دیکھا تو وہ بھی کھلا ہوا تھا۔

وہ سخت پریشان تھے کہ کیا ہو گیا۔ اس معاشرہ میں کسی کے مکان میں بلا اجازت گھسنا بڑا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ اب انہوں نے ضابطۂ اخلاق سے دامن جھاڑ کر پہلے تو کواڑ کے سوراخ سے اندر جھانکا۔ دیکھا کہ بستر پر کوئی لیٹا ہوا ہے۔ اس پر جو چادر ہے وہ وہی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لے کر لیٹتے تھے۔ چنانچہ وہ غصہ میں اندر گھس گئے۔ چادر کھینچی تو دیکھا کہ ایک نوجوان علی بن ابی طالب اس بستر پر دراز خراٹے لے رہا ہے۔ انہوں نے اسے جھنجوڑ کر پوچھا: ''محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہاں گئے؟'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے نہایت اطمینان سے جواب دیا: ''مجھے کیا خبر؟''

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں آپ کی عطا کردہ امانتیں ان کے مالکوں کے سپرد کر کے تین روز بعد عازم مدینہ ہو گیا۔ فرماتے ہیں:

''میں تین دن مکہ میں رہا۔ میں لوگوں کے سامنے آتا جاتا۔ میں ایک روز بھی لوگوں سے غائب نہیں رہا۔ پھر تین روز کے بعد مکہ سے نکلا اور اس راستہ پر چلتا گیا جس راستہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گئے تھے یہاں تک کہ میں قبا میں عمرو بن عوف کے محلہ میں جا پہنچا۔ میں کلثوم بن الہدم کے مکان پر گیا جہاں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیام فرما تھے۔'' (طبقات ابن سعد: ۱/ ۲۳۵، طبری: ۲/ ۱۰۶)

Marfat.com

مشرکین یہاں سے دوڑ کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مکان پر گئے۔ وہاں ایک لڑکی (سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا) ملی۔ پوچھا: ''تمہارے ابا کہاں ہیں؟'' جواب دیا: ''مجھے خبر نہیں۔'' ابوجہل شقی نے اپنی ناکامی کے باعث نہایت غصہ میں سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کے منہ پر اتنی زور سے تھپڑ مارا کہ سیدہ رضی اللہ عنہا کے کان کی بالی گر گئی۔

(البدایہ والنہایہ: ۳/ ۱۷۶، سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۴۸۰، عیون الاثر: ۱/ ۲۹۱، طبقات ابن سعد: ۱/ ۱۵۳، خصائص کبریٰ: ۱/ ۱۵۸، زرقانی: ۱/ ۳۲۷ وغیرہم)

جب ان بدبختوں کو پورا یقین ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہاتھ سے نکل گئے تو آپ کی تلاش میں دوڑے۔ مکہ کی گلی گلی اور کوچہ کوچہ چھان مارا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کہیں پتہ نہ چلا اور وہ خائب و خاسر ہو کر اپنا سر کھجانے لگے۔

واقعات کی یہ ساری تفصیل ان روایات کی روشنی میں ہے جو تاریخ و سیر کی عام کتابوں میں مرقوم ہیں، لیکن بخاری جو کتاب اللہ کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب ہے، اس کی رو سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا بستر رسول پر سونا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رات کو مکہ سے نکلنا ایک افسانہ نظر آتا ہے۔ بخاری میں جو روایت سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا سے مروی ہے اس میں صاف مذکور ہے کہ ہجرت کا سفر رات کو نہیں بلکہ دوپہر کو شروع ہوا۔ ویسے بھی اس وقت کے حالات اور عقل کا تقاضا یہی ہے کہ وہ سفر رات کے بجائے دوپہر کو ہوتا۔ ہجرتِ نبوی ستمبر کے مہینے میں ہوئی جو کہ عرب میں سخت گرمی کا مہینہ ہوتا ہے۔ گرمیوں کے مہینوں میں عرب لوگ دوپہر کو سفر نہیں کرتے کیونکہ اس وقت سخت گرمی ہوتی ہے، لو چلتی ہے جو کہ بدن کو جھلسا کر رکھ دیتی ہے۔ اس وجہ سے دوپہر کو راستے سنسان ہوتے ہیں، اور رات کے وقت جب گرمی کی شدت اور حدت کم ہو جاتی ہے، عرب لوگ سفر کرتے ہیں اور راستوں پر مسافروں کی آمد و رفت شروع ہو جاتی ہے۔ آپ نے چونکہ لوگوں کی نگاہوں سے چھپ کر سفر کرنا تھا، لہٰذا دوپہر کے وقت سفر کرنا آپ کے لیے زیادہ موزوں اور فائدہ مند تھا نہ کہ رات کے وقت سفر کرنا کیونکہ اس وقت شاہراہیں مسافروں سے اٹی پڑی ہوتی ہیں۔ اور بخاری کی یہ روایت کہ ہجرت کا سفر آپ نے دوپہر کے وقت کیا عین قرین قیاس بھی ہے اور سند کے لحاظ سے بھی زیادہ جید ہے۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جس کو زہری نے عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ

ایک روز ہم سب گھر میں بیٹھے ہوئے تھے۔ عین دوپہر کا وقت تھا۔ اس وقت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے گھر میں تشریف لائے۔ گھر کے کسی شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آتے

Marfat.com

دیکھ لیا اور کہا کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سر ڈھانپے ہوئے تشریف لا رہے ہیں۔ (یہ سر ڈھانپنا یا تو گرمی کی وجہ سے تھا یا لوگوں کی شناخت سے بچنے کے لیے تھا) آپ اس سے پہلے اس وقت کبھی ہمارے ہاں تشریف نہ لائے تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ ضرور کسی اہم کام کے لیے تشریف لائے ہیں۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ اجازت پا کر اندر تشریف لائے۔ آپ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''یہاں اس وقت جتنے لوگ ہیں انہیں یہاں سے ہٹا دو (کیونکہ ایک اہم بات کرنی ہے) سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان یہ تو آپ ہی کے گھر والے ہیں۔'' اس پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے یہاں سے ہجرت کا حکم دیا گیا ہے۔'' سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! مجھے بھی اپنے ساتھ لے لیجیے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ٹھیک ہے۔'' سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! ان دو اونٹنیوں میں سے ایک لے لیں۔'' آپ نے فرمایا: ''مفت نہیں قیمتاً لوں گا۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم نے ان کے جلدی جلدی سامان سفر اور زادِ راہ تیار کیا۔ کچھ کھانا چمڑے کے ایک تھیلے میں رکھ دیا۔ سیدہ اسماء بنت ابی بکرؓ نے اپنا آزار بند کاٹا اور اس سے تھیلے کا منہ باندھا۔ اس وجہ سے ان کا نام ''ذات النطاقین'' پڑ گیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر اپنی اپنی سواریوں پر چل پڑے اور غار ثور میں تین روز تک چھپے رہے۔

(بخاری: ۱/۵۵۳)

سیدہ اسماء بنت ابی بکرؓ نے جو اپنا آزار بند کاٹ کر زادِ راہ کے تھیلے کو باندھا، ان کا یہ ایثار اللہ تعالیٰ کے ہاں اتنا مقبول ہوا کہ آپ کا خطاب ''ذات النطاقین'' ہو گیا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو بخاری: ۲/۸۱، عیون الاثر: ۱/۱۸۱، البدایہ والنہایہ: ۳/۱۸۴، زاد المعاد: ۲/۱۳۶، تاریخ الاسلام ذہبی: ۱/۱۱۹، تاریخ الخمیس: ۱/۳۲۲)

سیدہ اسماء بنت ابی بکرؓ فرماتی ہیں کہ میرے والد (ابوبکر) گھر سے نکلتے نکلتے اپنا سارا مال جو اس وقت پانچ چھ ہزار درہم تھا، اپنے ساتھ لے گئے۔ (مسند احمد، سیرۃ ابن ہشام)

اہل سیر نے لکھا ہے کہ 27 صفر سنہ 14 نبوی (13 ستمبر 622ء) کی دوپہر کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مکان پر تشریف لائے اور وہاں سے ان کے مکان کے پچھواڑے کی ایک کھڑکی سے نکل کر کوہ ثور کی طرف روانہ ہوئے جو مکہ سے قریباً تین میل کے فاصلہ پر ہے

Marfat.com

اور جس کی چوٹی پر یہ غار ہے جو "غارِ ثور" کے نام سے مشہور ہے۔ (البدایہ والنہایہ: ۳/۲۰۵)

مسند احمد اور ترمذی میں ہے کہ مکہ مکرمہ سے نکلتے وقت حضور ﷺ حزورہ کے مقام پر کھڑے ہوئے اور بیت اللہ کی طرف رخ کر کے بڑے دردناک لہجہ میں فرمایا:

"اے مکہ! خدا کی قسم تو اللہ تعالیٰ کی سب سے بہتر زمین ہے اور سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہے۔ اگر میں یہاں سے نہ نکالا جاتا تو نہ نکلتا۔" (مستدرک حاکم: ۳/۷، زرقانی: ۱/۲۲۸)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس رات رسول اللہ ﷺ غارِ ثور میں تشریف لے گئے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے تو حال یہ تھا کہ کبھی ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے آگے چلتے اور کبھی پیچھے چلنے لگتے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اس کی وجہ دریافت فرمائی تو عرض کیا: "یا رسول اللہ! مجھے پیچھا کرنے والوں کا خیال آتا ہے تو پیچھے پیچھے چلنے لگتا ہوں۔ اور جب یہ اندیشہ ہتا ہے کہ کہیں آگے کوئی خطرہ درپیش نہ ہو تو آگے آ جاتا ہوں۔" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تمہارا مطلب یہ ہے کہ تمہیں اپنی جان کا کوئی خطرہ نہیں؟" یہ سن کر جاں نثارِ نبوت نے فرمایا: "یہ تو قربان ہونے ہی کے لیے ہے۔" (فتح الباری: ۲/۱۸۹، السیرۃ النبویہ لابن کثیر: ۲/۲۳۷)

ان دونوں حضرات نے تین راتیں جمعہ، ہفتہ اور اتوار کی راتیں یہاں گزاریں۔

(فتح الباری: ۷/۳۳۶)

ادھر یہ دونوں حضرات غار میں چھپے ہوئے تھے ادھر تین آدمیوں کے ذمہ تین کام لگائے گئے تھے:

① سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے عبداللہ نہایت ہوشیار اور تیز تھے۔ ان کی ذمہ داری یہ تھی کہ وہ مخالفین کے اقدامات پر نظر رکھیں اور غار میں اس کی اطلاع دیں۔

② سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کے ذمہ یہ کام تھا کہ ہر روز تازہ دودھ سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں پیش کریں۔ چنانچہ جب رات کا ایک حصہ گزر جاتا تو وہ بکریوں کا ایک ریوڑ لے کر غار کے منہ پر آ جاتے۔ دودھ دوہتے اور سرورِ کائنات ﷺ اور اپنے آقا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کرتے۔ پھر اندھیرے منہ بکریاں ہانک کر مکہ پہنچ جاتے۔ تینوں رات انہوں نے یہی کیا۔ (بخاری: ۱/۵۵۳۔۵۵۴)

③ تیسری ذمہ داری سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک اور شخص پر لگائی جس کا نام عبداللہ بن

Marfat.com

اریقط تھا۔ اس کی ذمہ داری راہ نمائی کی تھی۔ اس زمانہ میں سڑکیں تو ہوتی نہیں تھیں۔ کچے اور پہاڑی راستوں سے آشنا ہونا بھی ایک فن تھا۔ اس فن کے ماہر کو ''خریت'' کہتے تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قبیلہ بنی ویل کے ایک شخص کو جس کا نام عبداللہ بن اریقط تھا، اس خدمت کے لیے مامور کیا تھا۔ یہ شخص اگرچہ مسلمان نہیں تھا بلکہ مشرک تھا لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس پر پورا پورا یقین تھا یہاں تک کہ دونوں اونٹنیاں اس کے حوالے کردی تھیں اور بتا دیا تھا کہ تین رات گزرنے کے بعد چوتھے روز صبح سویرے غار ثور کے منہ پر پہنچ جائے۔ یہ خریت وعدہ کے مطابق ٹھیک وقت اور ٹھیک جگہ پر پہنچ گیا اور یہ حضرات دو اونٹنیوں پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے۔

بعض روایات میں ہے کہ جب یہ دونوں حضرات غار ثور میں تھے تو دشمن دو کھوجیوں کو لائے۔ وہ قدموں کے نشانات سے معلوم کر کے غار ثور کے منہ تک پہنچ گئے لیکن وہاں غار کے منہ پر مکڑی نے جالا تنا ہوا تھا لہٰذا انہیں آگے کچھ سمجھ نہ آیا۔

یہی موقع تھا جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دشمنوں کو غار کے منہ پر کھڑا دیکھ کر عرض کیا تھا: ''یارسول اللہ! اگر ان میں سے کوئی بھی اپنے پاؤں کے نیچے دیکھے تو وہ ہمیں دیکھ لے گا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پورے اطمینان سے جواب دیا۔ ابوبکر خاموش رہو۔ ہم دو ہیں جن کا تیسرا اللہ ہے۔ (بخاری: ۱/ ۵۵۸، ۵۱۶)

اس روایت کو مسلم، ترمذی اور مسند احمد نے بھی نقل کیا ہے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو دلائل النبوۃ لابی نعیم: ۲/ ۱۱۲، فتح الباری: ۷/ ۱۷۴، طبقات ابن سعد: ۱/ ۱۹۶، عیون الاثر: ۱/ ۲۲۷، زرقانی: ۱/ ۳۳۱، البدایہ والنہایہ: ۳/ ۱۸۹، روض الانف: ۲/ ۴)

Marfat.com

پیغمبر مدینہ کی راہ پر

تین روز کی تلاش وجستجو اور بے نتیجہ دوڑ دھوپ کے بعد قریش کی تلاش کی تگ ودو رک گئی اور جستجو کی آگ بجھ گئی اور ان کی سرگرمیاں سرد پڑ گئیں۔ عبداللہ بن اریقط دونوں سواریاں لے کر چوتھے روز غار پر پہنچ گیا۔ اب یہ قافلہ اس طرح روانہ ہوا کہ ایک اونٹنی پر رسول اللہ ﷺ اور دوسری پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے اور انہوں نے خدمت کے لیے عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کو اپنے پیچھے بٹھا لیا اور آگے آگے عبداللہ بن اریقط راستہ بتانے کے لیے پیدل چل رہا تھا۔ اس طرح اس عظیم الشان اور خوفناک سفر ہجرت کی ابتداء ہوئی جس نے دنیا کی تاریخ بدل کر رکھ دی۔

(زرقانی: ۱/ ۳۴۰، فتح الباری: ۷/ ۱۸۶، سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۴۸۸)

عبداللہ بن اریقط بڑا سمجھ دار خریت تھا۔ اس نے عام راستہ سے ہٹ کر مدینہ جانے کے لیے دوسرا راستہ اختیار کیا تاکہ قریش مکہ سے بچ کر نکلا جا سکے۔ اس نے قافلہ کو سب سے پہلے یمن کے رخ پر چلایا اور جنوب کی سمت بہت دور تک لے گیا۔ پھر مغرب کی طرف مڑا اور ساحل سمندر کا رخ کیا۔ پھر ایک ایسے راستے پر پہنچ کر جس سے عام لوگ آشنا نہ تھے شمال کی طرف مڑ گیا۔ راستہ بحر احمر کے ساحل کے قریب ہی تھا اور اس راستہ پر شاذ ونادر ہی کوئی مسافر چلتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ پہلی دفعہ اس راستہ سے تشریف لے جا رہے تھے لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کاروباری اور تجارتی سلسلہ میں اکثر شام جاتے رہتے تھے۔ قبائل کے شیوخ سے ان کے تعلقات تھے۔ لوگ ان کو دیکھ کر پہچان لیتے اور ایک باوجاہت شریف صورت ساتھی کو دیکھ کر پوچھتے کہ یہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا جواب یہ ہوتا:

ھذا الرجل یھدینی السبیل

"یہ ایک صاحب ہیں جو مجھے راستہ دکھاتے ہیں۔"

(بخاری: ۱/ ۵۵۶، طبقات ابن سعد: ۱/ ۱۵۹)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ دوسرے دن دوپہر تک چلتے رہے۔ جب

Marfat.com

دھوپ تیز ہوگئی تو میں نے نظر دوڑائی کہ کہیں سایہ کی جگہ ہے یا نہیں۔ ایک لمبی چٹان دکھائی دی جس کے سایہ پر دھوپ نہیں آتی تھی یعنی اس کے نیچے کچھ سایہ تھا۔ میں نے اس کو غنیمت سمجھا۔ ہم وہیں اتر پڑے۔ میں آپ کو اس سایہ کے نیچے لے گیا۔ پھر میرے پاس ایک چمڑے کا بستر تھا۔ میں نے اس کو سایہ میں بچھا دیا اور آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس پر لٹا دیا۔ آپ سو گئے اور میں گرد و پیش کی دیکھ بھال کے لیے نکلا۔ اچانک دیکھا کہ ایک چرواہا اپنا ریوڑ لیے چٹان کی جانب آ رہا ہے۔ وہ بھی اس چٹان کے سایہ میں آرام کرنا چاہتا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا: ''جوان! یہ بکریاں تمہاری ہیں؟ تمہارا مالک کون ہے؟'' اس نے مکہ یا مدینہ کے کسی شخص کا نام لیا جس کو میں جانتا تھا۔ میں نے پوچھا: ''تمہاری کوئی بکری دودھ دیتی ہے؟ اور کیا تم ہمیں دودھ دے سکتے ہو؟'' اس نے کہا: ''ہاں۔'' چنانچہ وہ ایک بکری پکڑ کر لے آیا۔ میں نے کہا کہ پہلے تم بکری کے تھنوں کو پونچھ کر صاف کرو۔ پھر اپنے ہاتھ صاف کرو۔ پھر دودھ دوہو۔ اس نے میری ہدایات پر عمل کر کے تھوڑا سا دودھ دوہا اور مجھے دیا۔

میں وہ دودھ لے کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا۔ آپ سوئے ہوئے تھے، لہٰذا میں نے آپ کو جگانا مناسب نہ سمجھا۔ میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ایک چھاگل میں پینے اور وضو کے لیے پانی رکھ چھوڑا تھا اور گرد و غبار سے بچانے کے لیے اس کے منہ پر کپڑا باندھ رکھا تھا۔ آپ جب بیدار ہوئے تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دودھ میں اتنا پانی ڈالا کہ نیچے تک تمام دودھ ٹھنڈا ہوگیا۔ پھر میں نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! اس کو نوش فرمالیں۔'' آپ نے نوش فرمالیا یہاں تک کہ میں خوش ہوگیا۔ پھر آپ نے فرمایا: ''کیا ابھی کوچ کا وقت نہیں ہوا؟'' میں نے عرض کیا: ''کیوں نہیں۔'' اس کے بعد ہم پھر سفر کے لیے روانہ ہوگئے۔ (بخاری، رقم: ۲۴۳۹، ۳۶۱۵، ۳۶۵۲، ۳۹۰۸، ۳۹۱۷، ۵۶۰۷)

ام معبد کے ہاں قیام:

قدید کے علاقہ سے گزرتے ہوئے یہ مقدس قافلہ بنو خزاعہ کی ایک عورت ام معبد کی قیام گاہ پر پہنچا۔ یہ ام معبد (عاتکہ بنت خالد) بنو خزاعہ کی شاخ بنو کعب سے تعلق رکھتی تھیں۔ یہ ایک پختہ عمر کی باعفت خاتون تھیں۔ یہ وہاں سے گزرنے والوں کی اکثر و بیشتر میزبانی کرتیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قافلہ جب وہاں سے گزرا یہ اس وقت اپنے خیمہ کے صحن میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان حضرات نے پوچھا: ''کچھ کھانے کو ہے؟'' کہنے لگیں قحط کا زمانہ ہے۔ سارا علاقہ بری طرح متاثر ہے۔ بخدا! ہمارے پاس کچھ ہوتا تو آپ حضرات کی میزبانی میں بخل سے کام نہ

Marfat.com

لیتی۔ اتنے میں سرکار دو عالم ﷺ کی نظر ایک بکری پر پڑی جو خیمے کے ایک کونے میں بندھی ہوئی تھی۔ آپ نے پوچھا: معبد کی ماں! یہ کیسی بکری ہے؟'' بولیں اسے کمزوری اور نقاہت نے ریوڑ سے پیچھے چھوڑ رکھا ہے۔ آپ نے پھر پوچھا: ''یہ کچھ دودھ دے سکتی ہے؟ عرض کی نہیں۔ آپ نے فرمایا: ''مجھے اس کا دودھ دوہنے کی اجازت ہے؟'' بولی! میرے باپ آپ پر قربان! اگر آپ کو اس میں کچھ دودھ دکھائی دے رہا ہے تو ضرور دوہ لیں۔ آپ نے اس کو پکڑا۔ اس کے تھنوں پر ہاتھ پھیرا۔ دعا کی اور اللہ کا نام لیا۔ بکری نے ہاتھ پاؤں پھیلا دیئے۔ تھنوں میں بھرپور دودھ اتر آیا۔ بکری جگالی کرنے لگی۔ دودھ کی دھار اس کے تھنوں سے بہہ نکلی۔ حضور ﷺ نے ام معبد کا ایک بڑا سا برتن لیا جو لبالب بھر گیا۔ آپ نے سب سے پہلے ام معبد کو دودھ پلایا۔ پھر اپنے ساتھیوں کو پلایا۔ وہ سب سیر ہو گئے۔ سب سے آخر میں آپ نے خود پیا، اور فرمایا: ''ساقی القوم آخرھم'' (لوگوں کو پلانے والا خود آخر میں پیتا ہے) پھر آپ نے اسی برتن میں دوبارہ اتنا دودھ دوہا کہ برتن بھر گیا۔ آپ اس دودھ بھرے برتن کو ام معبد کے پاس چھوڑ کر اور یہ فرما کر آگے روانہ ہو گئے کہ یہ دودھ معبد کے ابا کو دے دینا۔

یہ قافلہ تو روانہ ہو گیا۔ اس کے جانے کے تھوڑی دیر بعد ام معبد کا شوہر ابو معبد اپنی کمزور اور دبلی بکریاں لے کر واپس آیا۔ دودھ کا بھرا ہوا برتن دیکھ کر حیران رہ گیا۔ پوچھا یہ دودھ کہاں سے آیا؟ وہ بولی: ''خدا کی قسم! ایک مبارک آدمی کا گزر یہاں سے ہوا، اس کی برکت سے یہ سب کچھ ہوا۔ پھر اس نے اپنے شوہر کو یہ سارا واقعہ سنایا۔ اس نے کہا: ''معبد کی ماں! ذرا اس شخص کا حلیہ تو بیان کر؟'' اس نے کہا: ''میں نے ایک ایسا شخص دیکھا جس کا حسن و جمال نمایاں تھا، چہرہ روشن تھا، اخلاق پاکیزہ تھے، بدن نہ بھاری تھا نہ نحیف، خوب صورت اور خوش اندام تھا، آنکھوں میں گہری سیاہی تھی، پلکیں لمبی، آنکھوں کے کوسے سیاہی مائل تھے۔ بھنویں نہ ایک دوسرے سے بالکل الگ نہ بالکل ملی ہوئی بلکہ درمیان میں ہلکے ہلکے بال تھے اور بھنوؤں کے کنارے باریک تھے۔ بال نہایت سیاہ تھے، گردن صراحی دار تھی، داڑھی گھنی تھی، خاموشی میں اس کا وقار نمایاں ہوتا اور گفتگو میں اس کی آواز گردو پیش پر چھا جاتی۔ گفتگو ایسی تھی گویا زبان سے موتیوں کی لڑی سلسلہ وار نکلتی چلی آ رہی ہے، کلام شیریں اور واضح تھا، نہ کم گو اور نہ باتونی۔ دور سے آواز سب سے زیادہ بلند مگر خوش آہنگ محسوس ہوتی اور قریب سے بہت شیریں اور لطیف، میانہ قد نہ ایسا دراز کہ بدنما نظر آئے اور نہ اتنا پست کہ کوئی نگاہ اس سے بلند تر کی طرف متوجہ ہو، وہ اپنے ساتھیوں میں سب سے زیادہ خوش منظر تھا اور سب سے زیادہ

Marfat.com

بہتر قدر و منزلت رکھتا تھا۔ اس کے ساتھی اسے گھیرے رکھتے تھے۔ اس کی بات بڑی توجہ سے سنتے اور اس کے حکم پر دوڑ پڑتے تھے، وہ مخدوم تھا، نہ ترش رو تھا اور نہ درشت کلام۔

ابو معبد یہ سب کچھ بڑے غور اور توجہ سے سنتا رہا۔ جب ام معبد نے رسول اللہ ﷺ کے یہ اوصاف بیان کیے تو وہ بول اٹھا: ''خدا کی قسم! یہ تو وہی صاحب قریش ہے جس کا ذکر ہم سنتے رہے ہیں۔ اگر میں اس سے ملتا تو اس کا ساتھ دینے کی درخواست کرتا، اور اگر اب موقع ملا تو ضرور اس کی کوشش کروں گا۔''

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ ابو معبد اور ام معبد دونوں مشرف با سلام ہوئے اور ہجرت کر کے مدینہ منورہ آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ (البدایہ والنہایہ: ۳/۱۸۹)

ام معبد کی حدیث کے لیے ملاحظہ ہو طبقات ابن سعد: ۱/۲۳۰، ۸/۲۸۸-۲۸۹، انساب الاشراف: ۱/۲۶۲، ۳۹۱، سیرۃ ابن ہشام: ۲/۲۲، دلائل النبوۃ لابی نعیم: ص ۱۱۷-۱۱۹، مستدرک حاکم: ۳/۹-۱۱، دلائل النبوۃ بیہقی: ۱/۲۲۸، الاستیعاب: ۴/۴۹۵، ابن اثیر: ۲/۱۰۶، طبری: ۲/۳۸۰، روض الانف: ۲/۲۳۴، اسد الغابہ: ۵/۴۹۷، تہذیب تاریخ دمشق لابن عساکر: ۱/۲۳۶-۳۲۷، تہذیب الکمال مزی: ۱/۲۲۱-۲۲۳، نہایۃ الارب للنویری: ۱۶/۲۳۶، السیرۃ النبویہ لابن کثیر: ۲/۲۵۷، عیون الاثر: ۱/۱۸۹، الاصابہ: ۴/۴۹۷، خصائص کبریٰ سیوطی: ۱/۱۸۸، تاریخ الخمیس للدیار بکری: ۱/۳۷۵، مجمع الزوائد: ۶/۵۵، ۸/۲۷۸

مکہ مکرمہ سے مدینہ جاتے ہوئے راستہ میں آپ سے کئی حضرات ملے جن میں ایک بریدہ اسلمی بھی تھے۔ یہ آپ کو ستر سواروں کے ساتھ ملے۔ یہ بھی انعام کے لالچ میں سراقہ بن مالک کی طرح رسول اللہ ﷺ کی تلاش میں نکلے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ سے سامنا ہوا تو آپ ﷺ نے پوچھا: ''تم کون ہو؟'' انہوں نے جواب دیا: ''میں بریدہ ہوں۔'' نبی ﷺ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: ''اے ابو بکر! ہمارا کام ٹھنڈا اور درست ہوا۔'' بریدہ رسول اللہ ﷺ کی باتوں سے نقد دل ہار بیٹھے اور قوم کے ستر آدمیوں کے ساتھ دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔ بریدہ نے کہا: ''یا رسول اللہ! مدینہ میں داخل ہوتے وقت آپ کے سامنے ایک جھنڈا ہونا چاہیے۔ آپ ﷺ نے اپنا عمامہ اتارا اور نیزہ سے باندھ کر بریدہ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ چنانچہ جب آپ مدینہ منورہ پہنچے تو سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ جھنڈا لیے ہوئے آپ کے آگے تھے۔

(زرقانی: ۱/۳۴۹، الاستیعاب: ۱/۱۷۴)

اور بھی کئی حضرات راستہ میں آپ سے ملے۔ ان میں کچھ تو مسلمان ہو گئے اور کچھ لوگوں نے آپ کو عقیدت سے مختلف قسم کے تحائف اور ہدایا دیے۔ (فتح الباری: ۷/۱۹۳)

Marfat.com

مدینہ میں خوشی کی لہر

اہل مدینہ کو پتہ چل گیا کہ سرورکون ومکاں صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تشریف لانے کے لیے نکل چکے ہیں۔ اب ایک ایک گھڑی گنی جا رہی تھی۔ ایک ایک دن کا حساب کیا جا رہا تھا۔ لوگ روزانہ طلوع آفتاب سے بہت پہلے مدینہ میں ''حرہ'' کے مقام پر آجاتے اور آفتاب رسالت ﷺ کے طلوع ہونے کا انتظار کرنے لگتے۔ اسی انتظار میں دوپہر ہو جاتی۔ جب آفتاب کی تمازت تیز ہو جاتی تو مرجھائے ہوئے دلوں کو بے تاب سینوں میں دبائے ہوئے واپس ہو جاتے۔ ایک روز جب یاس وقنوط اور پژمردگی اور افسردگی کے ساتھ جب وہ واپس جا رہے تھے تو ایک یہودی کسی ٹیلے پر کچھ دیکھنے کے لیے چڑھا اس نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھیوں کے ساتھ سفید کپڑوں میں ملبوس جن سے چاندی چھنک رہی تھی، تشریف لا رہے ہیں۔ اس نے بے خود ہو کر بلند آواز سے کہا:

''اے بنی قیلہ، تمہارا مبارک بخت اور خوش نصیبی کا سامان آ پہنچا۔''

(زرقانی: ۱/۳۵۰، فتح الباری: ۷/۱۸۹، البدایہ والنہایہ: ۳/۱۹۶)

اس یہودی کی اس آواز نے واپس جانے والوں کو وارفتۂ مسرت بنا دیا۔ اہل قبا کی خوش بختی تھی کہ یہ آواز ان کے کانوں میں بھی پڑی۔ وہ بھی بے تابی سے دوڑے آئے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے زیر پا اپنی آنکھیں بچھائیں اور نظر اشتیاق کو فرش راہ کیا۔

مدینہ منورہ سے 5 کلومیٹر کے فاصلہ پر ایک آبادی ہے جس کا نام ''قبا'' ہے۔ یہاں انصار کے کچھ خاندان آباد تھے۔ سب سے زیادہ عمرو بن عوف کا خاندان ممتاز تھا۔ یہ خاندان قبیلہ اوس کا بطن تھا۔ (فتح الباری: ۷/۱۹۴)

یہودی کی یہ آواز سننے والے خوش نصیب اسی قبیلہ کے لوگ تھے۔

(طبقات ابن سعد: ۱/۱۵۰)

Marfat.com

عرب کا یہ دستور تھا کہ وہ اپنے مہمان کا استقبال ہتھیاروں سے آراستہ ہو کر کرتے تھے۔ اس بے تابی میں بھی انہوں نے اس آن اور شان کو نہیں چھوڑا۔ وہ پہلے ہتھیاروں کی طرف لپکے اور پھر استقبال کو دوڑے۔

(بخاری:۱/۵۵۵، سیرۃ ابن ہشام:۱/۳۴۷)

کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ قبیلہ عمرو بن عوف کا رئیس تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے ہاں قیام فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قیام سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ کے ہاں تھا۔ لیکن پہلی روایت زیادہ صحیح ہے۔ (زادالمعاد:۲/۵۴)

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنے کے بعد تین روز مکہ میں ٹھہرے اور لوگوں کی امانتیں ان کے سپرد کیں۔ پھر پیدل ہی چل کر قبا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آملے۔ آپ نے بھی کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کے ہاں قیام فرمایا۔

(زادالمعاد:۲/۵۴، سیرۃ ابن ہشام:۱/۴۹۳)

قباء میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف چار روز قیام فرمایا یعنی پیر، منگل، بدھ اور جمعرات۔ اسی دوران مسجد قبا کی بنیاد رکھی۔ اسی مسجد کے بارے میں قرآن حکیم میں کہا گیا ہے کہ ''یہ وہ مسجد ہے جس کی بنیاد اول روز ہی سے تقویٰ پر رکھی گئی۔'' (روض الانف:۲/۱۱)

پانچویں روز جمعہ کو آپ حکم الٰہی کے مطابق سوار ہوئے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے ردیف تھے۔ آپ نے بنونجار کو جو آپ کے ماموؤں کا قبیلہ تھا، اطلاع بھیج دی تھی۔ چنانچہ وہ تلواریں حمائل کیے حاضر خدمت تھے۔ آپ نے ان کی معیت میں مدینہ کا رخ کیا۔ جس اونٹنی پر آپ سوار تھے اس کا نام ''قصواء'' تھا۔ یہ وہی ناقہ تھی جس پر آپ نے سفر ہجرت طے فرمایا تھا اور جو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کو دی تھی۔

جب آپ بنوسالم کی آبادی میں پہنچے تو جمعہ کا وقت آ گیا۔ آپ نے بطن وادی میں اس مقام پر جمعہ پڑھا جہاں اب مسجد ہے۔ جمعہ میں قریباً ایک سو آدمی تھے۔

(فتح الباری:۸/۱۸۷، زادالمعاد:۲/۵۵، سیرۃ ابن ہشام:۱/۴۹۴، طبقات ابن سعد:۱/۱۶۰)

راستہ میں زیارت کرنے والوں کا ایک ہجوم تھا وہ بھی تھے جو ابھی حلقۂ اسلام میں داخل نہ ہوئے تھے۔ وہ بھی دیدارِ نبوی کے لیے بے تاب تھے۔ بچے اور بچیاں خوشی اور مسرت کے تھے یہ نعرہ لگا رہی تھیں۔

جاء محمد رسول الله الله اكبر جاء محمد رسول الله (

Marfat.com

صلی الله علیه وسلم) (فتح الباری: ۸/۱۹، ۷، البدایہ والنہایہ: ۳/۱۹۷)

اہل یثرب کے لیے یہ بڑی خوشی اور مسرت کا دن تھا کیونکہ آج آسمانِ نبوت کا نیر تاباں سرزمین یثرب پر اتر رہا تھا۔ اس لیے اب ہر طرف سے یہی صدا آرہی تھی:

جاء نبی الله　　　جاء نبی الله

(اللہ کے نبی آگئے　　　اللہ کے نبی آگئے)

گویا گلی کوچے تقدیس و تحمید سے گونج رہے تھے۔

نماز جمعہ کے بعد آپ قصواء پر سوار ہوئے تو قبیلہ والوں نے مہار تھام لی اور اصرار کیا کہ یہیں قیام فرمائیں۔ ہر شخص کا یہی اصرار تھا کہ غریب خانہ کو دولت خانہ بنایئے۔ لیکن اس شفقت آفرین اور رحمۃ للعالمین پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کی دل شکنی گوارا نہ کی۔ آپ نے ناقہ کی مہار چھوڑ دی اور فرمایا کہ یہ ناقہ مامور ہے جہاں بیٹھ جائے گی وہیں قیام ہوگا۔ (فتح الباری: ۸/۱۹، ۷، طبقات ابن سعد: ۱/۱۶۰)

جب آپ مدینہ میں داخل ہوئے تو بچے اور بچیاں یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

اشرق البدر علینا　　　من ثنیات الوداع

وجب الشکر علینا　　　ما دعا لله داع

ایها المبعوث فینا　　　جئت بالامر المطاع

① ان پہاڑوں سے جو ہیں سوئے جنوب　　　چودھویں کا چاند ہے ہم پر چڑھا

② کیسا عمدہ دین اور تعلیم ہے　　　شکر واجب ہے ہمیں اللہ کا

③ ہے اطاعت فرض تیرے حکم کی　　　بھیجنے والا ہے تیرا کبریا

ناقہ چلتی رہی یہاں تک کہ بنو نجار کا قبیلہ آ گیا۔ جب اس جگہ پہنچی جہاں آج مسجد نبوی ہے تو ناقہ بیٹھ گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((هذا ان شاء الله المنزل)) (بخاری: ۱/۵۵۵)

''انشاء اللہ یہیں منزل ہوگی۔''

یہ محلہ آپ کے ننھیال بنو نجار کا تھا۔ بنو نجار کو جب یہ سعادت میسر آئی تو ان کے بچے بچے کے دل کی کلی کھل گئی اور وہ یہ کہنے لگیں:

نحن جوار من بنی نجار　　　یاحبذا محمد من جار

(ہم بنو نجار کی لڑکیاں ہیں، ہماری خوش نصیبی ہے کہ محمد ﷺ ہمارے

Marfat.com

پڑوسی ہیں۔" (فتح الباری: ۸/ ۱۹۷، البدایہ والنہایہ: ۳/ ۲۰۰)

اب قیام کا مسئلہ تھا۔ فرمایا: "ہمارے رشتہ داروں میں سے کس کا مکان سب سے زیادہ قریب ہے؟" یہ خوش نصیبی تھی سیدنا خالد بن زید رضی اللہ عنہ (ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ) کی۔ فوراً بول اٹھے: "یا رسول اللہ! یہ میرا مکان ہے اور یہ میرا دروازہ ہے۔"

(فتح الباری: ۸/ ۲۰۷، زاد المعاد: ۲/ ۵۵)

سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان پر آپ کا قیام سات ماہ رہا۔ جب مسجد اور حجرے تیار ہو گئے اس وقت آپ وہاں سے تشریف لے گئے۔

چند روز بعد آپ نے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو رافع کو دو اونٹ اور پانچ سو درہم دے کر مکہ بھیجا کہ آپ کے متعلقین کو مدینہ لے آئیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا اور آپ کی دونوں صاحبزادیاں سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اور سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا بھی مدینہ آ گئیں۔

یہاں آپ کی مکی زندگی اور اسلامی دعوت کا ایک دور ختم ہو جاتا ہے۔ اب اس کے بعد آپ کی زندگی کا ایک دوسرا دور شروع ہوتا ہے جس کو "مدنی دور زندگی" کہتے ہیں۔

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں

مدینہ طیبہ جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت فرمائی اسے یثرب کہا جاتا تھا۔ یثرب کہنے کی وجہ بعض حضرات کے نزدیک یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس شہر کو یثرب نامی عمالقی نے بسایا تھا اور اپنے اس نام پر اس کا نام یثرب رکھا۔ (المصباح المنیر فی غریب الشرح الکبیر الرافعی: ۸۹/۱) اس شہر کی تاریخ نہایت قدیم ہے۔ (ملاحظہ ہو معجم البلدان لیاقوت الحموی: ۸۴/۵) سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ کو یثرب کے نام سے موسوم کرنے سے منع فرمایا۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو وفاء الوفاء: ۸/۱) ہمارے خیال میں اس کے لفظی اور لغوی معنی اچھے نہیں ہیں کیونکہ یثرب اس چربی کو کہتے ہیں جو اوجھڑی اور انتڑیوں پر ہوتی ہے۔ اور تثریب گناہ اور برائی پر دلالت کرتا ہے۔ (ابن درید: ۲۰۱/۱، القاموس: ۴۰/۱) یثرب کی وجہ تسمیہ اور مشتقات کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، مکۃ والمدینۃ فی الجاہلیۃ وعہد الرسول، احمد ابراہیم: ص ۲۹۱۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا نام بدل کر طیبہ اور طابہ رکھا۔ یاقوت حموی نے اس کے 29 نام گنائے ہیں۔ (معجم البلدان: ۸۳/۵)

لیکن اب سب سے زیادہ مشہور نام ''مدینہ'' ہے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو لسان العرب: ۲۸۹/۱۷، وفاء الوفاء: ص ۷ تا ۱۹)

مسلمان اور مدینہ طیبہ:

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ اس شہر میں سکونت پذیر ہو گئے اور اب ایک آزاد فضا میں سانس لینے لگے۔ یہاں مکہ کی گھٹن نہیں تھی جس میں ہر وقت جان کا خطرہ رہتا تھا۔ مسلمانوں نے چند ہی روز میں یہ محسوس کر لیا کہ اب زندگی کے دن پھرنے والے ہیں اور اب چند ہی روز میں اسلام کا بول بالا ہونے والا ہے۔

مکہ میں صرف مشرکین ہی سے آپ کا سابقہ تھا جن کو معاشرہ میں غلبہ حاصل تھا۔

Marfat.com

مسلمان ان کے سامنے کچھ دبے ہوئے تھے۔ انہیں ان سے لڑنے کی اجازت بھی نہ تھی۔ اور خود پیغمبر اسلام ﷺ بھی انہیں صبر و استقامت کی بھٹی میں کندن بنانا چاہتے تھے۔

مدینہ میں سرکار دو عالم ﷺ کا سب سے پہلا کام ایک اسلامی مثالی معاشرہ تشکیل دینا تھا تاکہ اس معاشرہ میں اسلام کے دعوتی کام کو زور و شور سے شروع کیا جائے کیونکہ نبوت کا اصل کام دنیا میں دعوت دینا ہوتا ہے۔ مکہ میں یہ نہیں ہوسکتا تھا۔ اب مدینہ میں مسلمانوں کی زمامِ کار چونکہ ان کے اپنے ہاتھ میں تھی اور کسی دوسرے کا اس میں کوئی دخل نہ تھا لہٰذا اب وہ نہایت اچھے طریقے سے اپنا اسلامی معاشرہ تشکیل دے کر معاشیات و اقتصادیات اور تہذیب و عمرانیات اور حکومت و سیاست کے مسائل حل کر سکتے تھے۔

مدینہ میں کچھ لوگ ایسے تھے جو اپنے سینوں میں رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف نفرت و عداوت کے دہکتے ہوئے الاؤ رکھتے تھے لیکن کچھ وجوہات کی بنا پر انہیں اس عداوت کے اظہار کی جرأت نہ تھی بلکہ مسلمانوں کی طاقت کو دیکھ کر وہ ظاہری طور پر خلوص و محبت کے اظہار پر مجبور تھے۔ ان لوگوں کی زمامِ کار عبداللہ بن ابی بن سلول کے ہاتھ میں تھی۔ یہ لوگ منافق تھے اور عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین تھا۔

مدینہ منورہ میں یہود کی بھی ایک اچھی خاصی تعداد موجود تھی۔ اصل میں یہ عبرانی تھے لیکن مدت سے حجاز میں رہنے کے باعث عربی تہذیب و تمدن میں رنگ چکے تھے۔ یہاں تک کہ ان کے قبائل اور خود ان کے نام بھی عربی تھے۔ یہ اپنے آپ کو انبیاء کی اولاد تصور کرتے ہوئے عربوں کو نہایت حقیر سمجھتے تھے جیسے ہندوستان کے برہمن اچھوتوں کو حقیر و ذلیل سمجھتے ہیں۔ یہ عربوں کو سود در سود پر روپیہ دیتے تھے۔ چنانچہ عربوں کے باغات، مکانات اور دوسری کئی چیزیں ان کے ہاں گروی رکھی ہوئی تھیں۔ مدینہ میں دو قبائل تھے۔ ایک خزرج اور دوسرا اوس۔ یہ دونوں آپس میں مدتوں سے برسر پیکار تھے۔ جب لڑائی میں کوئی قبیلہ سرمایہ کی کمی یا اسلحہ کی کمی کی وجہ سے اپنے مدمقابل قبیلہ سے صلح کا ہاتھ بڑھانے کی کوشش کرتا تو یہ یہودی اسے مال اور اسلحہ سپلائی کر کے پھر اس کو اس کے مقابلہ میں کھڑا کر دیتے۔ رسول اللہ ﷺ کے ہجرت فرمانے کے وقت مدینہ میں یہودیوں کے تین مشہور قبائل تھے۔

① بنو نضیر: یہ قبیلہ اوس کا حلیف تھا اور اس کی آبادی بھی مدینہ کے اطراف میں تھی۔

② بنو قریظہ: یہ قبیلہ بھی اوس کا حلیف تھا اور اس کی آبادی مدینہ کے اطراف میں تھی۔

③ بنو قینقاع: یہ قبیلہ خزرج کا حلیف تھا اور اس کی آبادی مدینہ کے اندرون میں تھی۔

Marfat.com

ان تینوں قبائل نے اوس اور خزرج کے درمیان مدتوں سے جنگ کی آگ بھڑکائی ہوئی تھی جس سے یہ دونوں قبیلے قریباً مکمل طور پر تباہ ہو چکے تھے، لہٰذا یہ اب صلح کے خواش مند تھے۔

سرکار دو عالم ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو یہود بھی آپ کے سخت مخالف ہو گئے۔ ان کی مخالفت کے اسباب اصحابِ سیر نے تین لکھے ہیں جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے جن میں اصل بات یہ تھی کہ ان کے سودی کاروبار پر اس سے فرق پڑتا تھا۔ کچھ ان میں نسلی عصبیت کا جذبہ بھی تھا جو انہیں صراط مستقیم کی طرف نہیں آنے دے رہا تھا۔ روایات میں ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو یہود کے کئی علماء آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور آپ سے مختلف قسم کے کئی سوالات کیے کیونکہ انہیں علم تھا کہ وہ نبی جس کی بشارت سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے دی ہے وہ عنقریب سرزمین بطحاء میں مبعوث ہونے والا ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے کئی ایک علماء نے اس بارے میں روایات نقل کی ہیں۔ (ملاحظہ ہو فتح الباری: ۷/۲۱۳، ۲۱۴ وغیرہ)

اس سلسلہ میں سیدنا عبداللہ بن سلام جو یہود کے ایک بہت بڑے عالم تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ تو حضور انور ﷺ کا چہرۂ انور دیکھتے ہی پہچان گئے کہ یہ کسی جھوٹے شخص کا چہرہ نہیں ہو سکتا۔ پھر کچھ سوالات کیے ان کے جواب سن کر آپ فوری طور پر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ (بخاری: ۱/۴۵۹، ۵۵۶)

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو بخاری: ۱/۴۵۹، ۵۵۶، ۵۶۱، روض الانف: ۲/۲۵، عیون الاثر لابن سید الناس: ۱/۲۴۱)

خلاصہ یہ کہ آپ کی خدمت میں روسائے یہود اور علمائے یہود حاضر خدمت ہوئے۔ کچھ آپ سے سوالات کیے اور آپ ﷺ نے ان کے جوابات دیئے جن میں میمون بن یامین اور ابن اخطب کا بھائی ابو یاسر بھی آئے۔ کچھ لوگ ایمان لائے لیکن اکثریت دولت ایمان سے محروم رہی حالانکہ وہ مدتوں سے اس نبی کے منتظر تھے۔ مکہ میں کوئی یہودی نہ تھا اس وجہ سے مدینہ طیبہ میں یہ آپ کا پہلا تجربہ تھا جو آپ کو آتے ہی حاصل ہوا۔

انصار مدینہ سے مواخات:

منافقین اور یہود کے علاوہ مدینہ منورہ میں ایک تیسرا گروہ ان لوگوں کا تھا جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہا تھا اور آپ کو مدینہ آنے کی دعوت دی تھی۔ ان لوگوں نے

Marfat.com

دنیا میں اخلاص و ایثار اور جان نثاری کی مثالیں پیش کیں۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ تشریف لاتے ہی انصار اور مہاجرین کے مابین بھائی چارہ قائم کر دیا۔ یہ بھائی چارہ اور مواخات سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے مکان پر ہوئی۔ (عیون الاثر: ۱/۳۲۲) یہ کل نوے افراد تھے۔ ان میں آدھے مہاجر اور آدھے انصار تھے۔ اخوت کی بنیاد مہاجرین کے دلوں سے غربت اور اجنبیت کی وحشت کو دور کرنا تھا اور ایک دوسرے کے دلوں میں غم خواری کے جذبات پیدا کرنا تھا۔

حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ابن سید الناس رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ مواخات دو مرتبہ ہوئی۔ ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں جس میں مہاجرین میں باہمی رشتہ مواخات قائم فرمایا۔ اور دوسری ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں مہاجرین اور انصار کے مابین مواخات قائم کی۔ یہ دوسری مواخات بعض روایات کے مطابق ہجرت کے پانچ ماہ بعد اور بعض روایات کے مطابق مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد اور بعض اقوال کے مطابق جب مسجد نبوی کی تعمیر ہو رہی تھی۔ (عیون الاثر: ۱/۳۲۲) سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے مکان پر ہوئی۔ آپ نے 45 مہاجرین کو 45 انصار کا بھائی بنایا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو السیرۃ النبویہ لابن ہشام: ۱/۵۰۴، عیون الاثر: ۱/۳۴۴، تاریخ الخمیس: ۱/۳۵۲، الدرر فی المغازی والسیر لابن عبد البر: ص ۹۱۔۹۲، فتح الباری: ۷/۲۱۰)

انصار نے مہاجرین کے ساتھ اس بھائی چارہ کا صحیح معنوں میں حق ادا کر دیا۔ چشمِ فلک نے کبھی ایسا بھائی چارہ نہ پہلے دیکھا اور نہ آئندہ قیامت تک کبھی دیکھے گی۔ انہوں نے اپنا سب کچھ آدھا آدھا مہاجرین میں تقسیم کر دیا۔ ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ میں ہے کہ کوئی انصاری درہم و دینار کا اپنے مہاجر بھائی سے زیادہ اپنے آپ کو مستحق نہیں سمجھتا تھا۔ (زرقانی: ۱/۳۷۴)

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے جب مہاجرین و انصار کے مابین یہ مواخات قائم فرمائی تو انصار نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی کہ آپ ہمارے اور ہمارے مہاجرین بھائیوں کے درمیان کھجور کے باغ تقسیم فرما دیں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ انصار نے کہا: ''تب آپ لوگ یعنی مہاجرین ہمارا کام کر دیا کریں تو ہم پھل میں آپ لوگوں کو شریک رکھیں گے۔'' انہوں نے کہا ٹھیک ہے۔ (بخاری: ۱/۳۱۲)

ایسے غم گسار، غم خورد، ہمدرد اور ایثار و خلوص کے پتلے تو حقیقی اور سگے بھائی بھی نہیں ہوتے جیسے انصار مہاجرین کے لیے تھے۔ انصار کی اس بے مثال غم گساری، ہمدردی اور ایثار کو دیکھ کر ایک روز مہاجرین نے سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ ''اے اللہ کے رسول! جس قوم میں ہم آئے ہیں ہم نے ان سے زیادہ کسی قوم کو غم گسار، ہمدرد اور ایثار پیشہ

Marfat.com

نہیں دیکھا۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ کہیں سارا اجر وثواب وہی حاصل نہ کرلیں اور ہم اس اجر وثواب سے محروم اور خالی رہ جائیں۔'' آپ نے جواب میں فرمایا: ''نہیں، جب تک تم ان کے لیے دعا کرتے رہو گے۔'' (عیون الاثر: ۱/۳۲۲، مسند احمد: ۳/۲۰۰، البدایہ والنہایہ: ۳/۲۲۸)

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دعا کا احسان درہم ودینار کے احسان سے کم نہیں بلکہ کچھ زیادہ ہی ہے۔ ایک مخلصانہ دعا تمام خزائنِ عالم سے بڑھ کر ہے۔

اس مواخات اور بھائی چارے کی وجہ سے دونوں فریق نہایت ایثار اور موانست سے مدینہ منورہ میں اسلامی معاشرہ کی تشکیل میں مصروف ہو گئے۔ مزاجوں کی موافقت کے ساتھ مہاجرین سے خلوص، للّٰہیت اور اعلیٰ اخلاق کا بھی ظہور ہوا تو انصار کے اخلاص نے عقیدت کی شان اختیار کرلی۔ چنانچہ ایک انصاری خاتون ام العلا رضی اللہ عنہا تھیں جن کے خاندان کے حصہ میں سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ آئے تھے۔ وہ ان کی اتنی معتقد ہو گئیں کہ جب ان کی وفات ہوئی تو ام العلاء رضی اللہ عنہا نے بڑے یقین اور وثوق سے کہا: ''میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے یقیناً آپ کو بخش دیا ہے اور آپ کی بڑی تکریم کی ہے۔ (بخاری: ۱/۱۶۶)

یہ سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے اعلیٰ اخلاق کا نتیجہ تھا کہ ایک انصاری عورت قسم کھا کر ان کے مغفور ہونے کی شہادت دے رہی ہے۔

Marfat.com

مسجد نبوی کی تعمیر

انبیاء علیہم السلام کا نصب العین اقامت دین ہوتا ہے اور ان کا پہلا کام اقامت صلوٰۃ، یعنی ایسا ماحول پیدا کرنا اور ایسی جماعت تیار کرنا ہوتا ہے جس کی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز ہو اور جس کے دل کا چین اور اطمینان ذکر اللہ ہو۔

نماز اگرچہ معراج میں فرض ہو چکی تھی اور جبرئیل نے جماعت اور نماز باجماعت کا طریقہ بھی بتا دیا تھا لیکن مکہ کے ماحول میں کوئی مسجد تعمیر نہ ہو سکی جس میں اصحاب کرام رضی اللہ عنہم جماعت سے نماز ادا کر سکیں۔ مکہ میں ایک مسجد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کے سامنے بنائی تھی۔ اور کوئی مسجد نہ تھی۔ (بخاری: ۱/۵۵۲)

قباء کے قیام میں اگرچہ آپ نے مسجد قباء کی بنیاد رکھی لیکن اس مسجد کی تعمیر کی تکمیل نہ ہو سکی۔

مسجد کی تعمیر اسلامی معاشرہ میں ایک مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔ اس سے جہاں اخلاق کی تعمیر ہوتی ہے وہاں آدابِ معاشرت کی تکمیل بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں تشریف لانے کے ساتھ ہی مسجد نبوی کی تعمیر کا منصوبہ بنایا۔ قباء سے مدینہ تشریف آوری پر جس جگہ آپ کی ناقہ بیٹھی تھی وہ جگہ آپ نے مسجد نبوی کے لیے منتخب فرمائی۔ یہ جگہ دو یتیم بچوں کی تھی۔ وہ وہاں کھجوریں خشک کیا کرتے تھے۔ بعض روایات کے مطابق بنونجار کے حضرات یہاں نماز پڑھا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ یہ جگہ کس کی ملکیت ہے۔ بتایا گیا کہ یہ رافع بن ابی عمرو کے بیٹوں سہل اور سہیل کی ملکیت ہے۔ رافع کا انتقال ہو چکا ہے لہٰذا آپ نے اس کے دونوں یتیم بچوں کو بلایا اور ان سے یہ قطعۂ اراضی خرید کر مسجد بنائی۔ ان دونوں بچوں نے بلا قیمت یہ جگہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نذر کرنے کی پیش کش کی لیکن آپ نے ان کی پیش کش کو قبول نہ فرمایا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ اس جگہ کی

Marfat.com

قیمت ادا کر دیں۔ چنانچہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس جگہ کی قیمت جو کہ دس دینار تھی ادا کر دی۔
(فتح الباری: ۸/۷۲۵، بخاری، رقم: ۲۳۴، ۴۲۸، ۴۲۹، ۱۸۶۸، ۲۱۰۶، ۲۷۷۱، ۲۷۷۴، ۳۹۳۲)

زمین میں کچھ درخت تھے۔ ان کو کٹوایا گیا۔ وہاں کچھ مشرکین کی قبریں بھی تھیں، ان کو کھدوا کر ہڈیاں نکلوائی گئیں اور انہیں دوسری جگہ دبوا دیا گیا۔ بنیاد کھودی گئی جو کہ قریباً تین ہاتھ گہری تھی۔ اس کے بعد آپ نے کچی اینٹیں بنانے کا حکم فرمایا۔ تعمیر شروع ہوئی تو معمار بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور وہی اللہ کے گھر کے مزدور بھی تھے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اینٹیں اٹھا اٹھا کر لاتے اور ایک عجیب وغریب پر تقدس جذبہ کے ساتھ یہ رجز پڑھتے:

هذا الحمال لا حمال خيبر

هذا ابر ربنا والطهر

"یعنی یہ خیبر کی کھجوروں جیسا بوجھ نہیں بلکہ اے ہمارے رب تو جانتا ہے کہ یہ اس سے بہت پاکیزہ اور نیکی والا بوجھ ہے۔"

کبھی یہ پڑھتے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مل کر پڑھتے۔

اللهم لا عيش الا عيش الآخرة

فاغفر الانصار والمهاجرة

"اے اللہ! زندگی تو صرف آخرت کی زندگی ہے۔ پس تو مہاجرین و انصار کی مغفرت فرما۔"

کبھی یہ ترمیم فرماتے۔

اللهم ان الاجر اجر الآخرة

فارحم الانصار والمهاجرة

"اے اللہ! دراصل اجر تو آخرت کا اجر ہے اور تو انصار اور مہاجرین پر رحم فرما۔"

اور کبھی اس میں یہ ترمیم فرماتے۔

اللهم لا خير الا خير الآخرة

فانصر الانصار والمهاجرة

"اے اللہ! خیر اور بھلائی تو صرف آخرت کی ہے پس تو انصار اور

Marfat.com

مہاجرین کی مدد فرما۔"

یہ رجز پڑھتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ایک عجیب قسم کا جوش اور جذبہ پیدا ہوتا اور وہ پھر یکا یک زبان ہو کر پڑھتے

لئن قعدنا والنبی یعمل
لذالک منا العمل المضلل

"یعنی اگر ہم بیٹھے رہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کام کریں تو ہمارا یہ کام گمراہی کا کام ہوگا۔"

چنانچہ اس سادگی کے ساتھ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں نے اس مسجد کو تعمیر کیا کہ دیواریں کچی اینٹوں کی تھیں اور ستون کھجور کے تنوں کے، کھجور ہی کی شاخوں اور پتوں کی چھت تھی۔ جب بارش ہوتی تو پانی اوپر سے ٹپکتا۔ چنانچہ بعد میں چھت پر لپائی کرا دی گئی۔

اس وقت قبلہ بیت المقدس تھا لہٰذا اس جانب کی دیوار ستر ہاتھ لمبی بنائی گئی۔ دوسری جانب کی دیوار ساٹھ ہاتھ تھی یعنی جنوب اور شمال کی دیواریں ستر ستر ہاتھ تھیں اور مشرق اور مغرب کی ساٹھ ساٹھ ہاتھ۔ (وفاء الوفاء: ۱/ ۲۳۸) اور ایک ہاتھ دو بالشت کا ہوتا ہے۔ (وفاء الوفاء: ۱/۲۴۲) بعد میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ خیبر کے بعد مسجد میں توسیع فرمائی اور چاروں طرف کی دیواروں کو سوسو ہاتھ کر دیا۔ بنیادیں پتھروں سے بھری گئیں۔ تین ہاتھ اونچائی تک دیواریں اسی پتھر سے بنائی گئیں۔ اس کے اوپر کچی اینٹوں سے دیواریں بنائی گئیں۔ (طبقات ابن سعد: ۲/۲) البتہ دروازوں کے بازو پتھروں کے تھے۔ (بخاری: ۱/۶۱) مسجد کے تین دروازے رکھے گئے۔ ایک دروازہ قبلہ کی طرف، دوسرا دروازہ مغرب کی طرف جسے اب "باب الرحمۃ" کہتے ہیں، اور تیسرا دروازہ جس سے آپ آتے جاتے تھے اور جسے آج کل "باب جبرئیل" کہا جاتا ہے۔

مسجد کا فرش بالکل کچا تھا کیونکہ جب بھی بارش ہوتی تو چھت ٹپکتی تھی اور کیچڑ ہو جاتا جس پر سجدہ کرنا مشکل ہو جاتا۔ چنانچہ کچھ دنوں کے بعد فرش پر کنکریاں بچھا دی گئیں اور چھت پر لپائی کر دی گئی۔ (وفاء الوفاء: ۱/۲۷۲)

قبلہ کی دیوار سے متصل (یعنی جانب شمال) ایک مسقف چبوترہ بنایا گیا جو صفہ کہلاتا تھا۔ اس میں وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رہتے تھے جن کا کوئی گھر بار نہیں تھا اور وہ علم دین حاصل کرنے کے لیے یہاں رہا کرتے تھے۔ (وفاء الوفاء: ۱/۲۶۲، طبقات ابن سعد: ۲/۱۳، بخاری: ۱/۶۳)

ان حضرات کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔ (فتح الباری: ۱۱/۲۱۵)

Marfat.com

حجرات برائے امہات المومنینؓ:

مسجد نبوی کی تعمیر سے فراغت کے بعد آپ ﷺ نے مسجد سے متصل ہی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے لیے حجرات کی بنیاد رکھی۔ اس وقت تک چونکہ سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی حبالہ عقد میں آئی تھیں، اس لیے سردست صرف دو حجرے تیار کروائے۔ بعد میں جب اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن حبالہ عقد میں آتی رہیں تو اور حجرے تعمیر ہوتے رہے۔ (وفاء الوفاء: ۱/۳۲۵)

مسجد سے متصل سیدنا حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کے مکانات تھے۔ ہر نو تعمیر حجرے کے لیے وہی اپنا مکان پیش کرتے یہاں تک کہ تمام مکانات آپ کی نذر کر دیئے۔

(وفاء الوفاء: ۱/ ۳۲۷)

اکثر حجرے کھجور کی چھت اور کچی اینٹوں کے تھے۔ صرف سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کو ایک کواڑ تھا باقی تمام حجروں کے دروازوں پر کمبل یا ٹاٹ کے پردے تھے جو طول میں تین ہاتھ اور عرض میں ایک ہاتھ سے کچھ زائد تھے۔ حجروں کی چھت اونچی نہ تھی۔ رات کو چونکہ گھروں میں چراغ جلانے کا رواج نہ تھا لہٰذا رات کو وہ صرف نور نبوت کی روشنی سے منور رہتے۔ حجرے کیا تھے؟ زہد و قناعت کی تصویر اور دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ تھا۔

سنہ 87ھ میں ولید بن عبدالملک اموی نے مسجد نبوی کی توسیع کے سلسلہ میں ان حجرات کو مسجد میں شامل کر دیا۔ سیدنا سہیل بن حنیف رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے: ''کاش ان حجروں کو اسی طرح چھوڑ دیا جاتا تاکہ لوگ دیکھتے کہ جس نبی کے ہاتھ پر من جانب اللہ تمام خزانوں کی کنجیاں رکھ دی گئیں تھیں وہ خود کیسے حجروں میں اپنی زندگی بسر کیا کرتا تھا۔

(زرقانی: ۱/ ۳۷، وفاء الوفاء: ۱/ ۳۲۷، طبقات ابن سعد: ۲/ ۱۸۱)

مدینہ کے لیے دعا:

مکہ کی آب و ہوا نہایت خشک اور زمین بھی غیر شاداب تھی جس کو قرآن حکیم نے ''غیر ذی زرع'' کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، اس کے برعکس مدینہ طیبہ کی آب و ہوا اس سے بالکل مختلف تھی۔ یہاں سرسبز و شاداب باغات تھے۔ سبزہ ہر طرف جھانک رہا تھا۔ یثرب کے تین میدانوں میں سے ایک میدان گندے پانی کی جھیل بنا ہوا تھا۔

Marfat.com

جب مہاجرین خشک علاقے سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ کی مرطوب آب و ہوا میں آئے تو انہیں مختلف قسم کے بخاروں نے آ گھیرا۔ یہاں کا بخار پہلے ہی سے ''حمیٰ یثرب'' کے نام سے پورے عرب میں مشہور تھا۔ چنانچہ مدینہ پہنچ کر کئی صحابہ کرام بخار میں مبتلا ہو گئے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نہایت تیز بخار ہو گیا۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ بھی بخار میں مبتلا ہو گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس حالت کو دیکھ کر ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارگاہِ الوہیت میں دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا:

''اے اللہ! ہمیں مدینہ بھی ایسا ہی محبوب بنا دے جیسا مکہ محبوب تھا یا مکہ سے بھی زیادہ مدینہ کی محبت عطا فرما دے۔''

''اے اللہ! مدینہ کے صاع اور مد میں ہمارے لیے برکت عطا فرمایا۔''

''اے اللہ! ہمارے لیے اس کی آب و ہوا کو خوش گوار اور صحت بخش بنا دے اور اس بخار کو یہاں سے منتقل کر کے جحفہ پہنچا دے۔''

نبوت کے اٹھے ہوئے ہاتھ اللہ تعالیٰ نے خالی واپس نہیں لوٹائے۔

(ابن ہشام:۲/۵۸۹)

مدینہ کی آب و ہوا نہایت خوش گوار اور صحت بخش ہو گئی اور آج تک ویسی ہی ہے۔ اس کی ہر شے میں برکت ہو گئی۔ ہجرت سے قبل اس شہر کو ''یثرب'' کہا جاتا تھا اب اس کو مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہا جانے لگا۔ بلکہ اربابِ ذوق نے اس کے چورانوے نام نقل کیے ہیں۔ (ملاحظہ ہو وفاء الوفاء سمہودی:۱/ ۷۔۱۹)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی صحیح میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مدینہ طیبہ میں بیمار ہونے کے واقعہ کو نقل فرمایا ہے اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا بھی نقل کی ہے۔ یہ روایت باب فضائل مدینہ، کتاب المرضیٰ اور کتاب الدعوات وغیرہ میں بھی موجود ہیں۔ ابن ہشام نے اپنی السیرۃ النبویہ:۱/۵۹۰ پر ان روایات کو نقل کیا ہے۔

(ملاحظہ ہو بخاری، رقم: ۱۸۸۹، ۳۹۲۶، ۵۶۵۴، ۵۶۷۷، ۶۳۷۲)

Marfat.com

میثاقِ مدینہ

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ پہنچتے ہی فوری طور پر جو اہم کام کیے ان میں ایک یہود اور مدینہ میں آباد دوسرے قبائل کے ساتھ وہ معاہدہ بھی تھا جس کو ''میثاقِ مدینہ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ چونکہ پیغمبر امن و سلامتی تھے اس وجہ سے یہ میثاقِ مدینہ ایک امن و سلامتی کا سندیسہ تھا جو نہ صرف اہل مدینہ بلکہ تمام اہل حجاز کو سنایا گیا اور اس کے بہت دور رس نتائج پیدا ہوئے۔ مدینہ اور اس کے مضافات بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ پورے جزیرہ نما عرب میں چونکہ ایک قبائلی سسٹم رائج تھا، کوئی باقاعدہ حکومت نہ تھی۔ اس وجہ سے وہاں معاہدات کا نظام ہی مختلف قبائل کو باہم جوڑتا تھا۔ اسی وجہ سے ہر قبیلہ کے کچھ حلیف اور معاہد قبائل ہوتے تھے۔ جنگ کی صورت میں ہر حلیف اور معاہد قبیلہ اپنے قبیلہ کا ساتھ دیتا تھا۔

مدینہ منورہ میں اس وقت دو بڑے قبیلے اوس اور خزرج تھے۔ ان کے بھی دوسرے قبائل کے ساتھ معاہدات تھے جیسے بنو قریظہ قبیلہ اوس کے حلیف تھے۔ ان معاہدات میں نہ صرف دفاع کی ذمہ داری ہوتی تھی بلکہ ان میں ایک شق یہ بھی ہوتی تھی کہ اگر حلیف قبیلہ کا کوئی شخص کسی کو قتل کر دے تو اس کی تلافی کی صورت کیا ہوگی؟ چنانچہ بعض صورتوں میں قصاص ہوتا تھا اور بعض میں دیت جو کہ سو اونٹ مقرر تھی دی جاتی تھی۔ بعض صورتوں میں ''خون بہا'' قاتل یا اس کے اہل خانہ سے وصول نہیں کیا جاتا تھا بلکہ اس قاتل کی سوسائٹی سے وصول کیا جاتا تھا جس کو ''عاقلہ'' کہتے تھے۔ بہر حال اس کے لیے معاہدہ میں کچھ شرائط اور حدود مقرر ہوتی تھیں۔

مہاجرین جو قریش سے تعلق رکھتے تھے، مدینہ والوں کے لیے ایک انوکھا عنصر تھے۔ یہ حضرات انہیں خود دعوت دے کر مدینہ لائے تھے۔ ان میں رسول اللہ ﷺ نے جو بھائی چارہ اور مواخات قائم کی تھی، اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان میں دوری اور اجنبیت ختم ہو کر یکسوئی اور باہمی انس و محبت پیدا ہو جائے اور وہ ایک طاقتور گروپ بن جائیں۔

Marfat.com

انصار کے قبائل اوس اور خزرج کے جو لوگ مسلمان ہوئے، ان کے پورے کنبے یا قبیلے دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے بلکہ کچھ لوگ اب بھی شرک وکفر کی دلدل میں پھنسے ہوئے تھے اور خدائے وحدہ لاشریک کے بجائے بتوں کی پوجا کرتے تھے یا ابھی تک سابق مذہب پر جو بھی تھا، اس پر قائم تھے۔ اس لیے خطرہ تھا کہ کہیں ان قبائل کے مسلمان اور غیر مسلم آپس میں متصادم نہ ہو جائیں۔ اس تصادم سے اسلام جیسے دعوتی دین کو نقصان پہنچنے کا شدید خطرہ تھا۔

مدینہ طیبہ میں ایک گروپ مشرکین کا بھی تھا جو قریش مکہ کا ہم مشرب تھا۔ قریش مکہ ان لوگوں کو نہایت آسانی کے ساتھ اپنا آلۂ کار بنا کر مسلمانوں کے خلاف استعمال کر سکتے تھے۔ دوسرے مدینہ کے قرب وجوار میں تین طاقتور قبیلے تھے جو مدتوں سے وہاں رہائش پذیر تھے اور مدینہ کی پوری معیشت پر ان کا اسی طرح کنٹرول تھا جیسے آج امریکہ کے یہودیوں کا معاشی اور اقتصادی طور پر پوری دنیا میں کنٹرول ہے۔ ان یہودی قبائل کے بھی قریش مکہ کے ساتھ گہرے روابط تھے۔ مہاجرین سے ان کا ابھی تک کوئی رابطہ نہ تھا۔

سرکار دو عالم ﷺ اس علاقہ کے تمام باشندوں اور باسیوں میں خیر سگالی اور امداد باہمی کے جذبات پیدا کرنا چاہتے تھے جس کے لیے پہلی کڑی کے طور پر آپ نے مہاجرین اور انصار میں مواخات قائم کی۔ اب اس کی دوسری کڑی یہ تھی کہ آپ مشرکین اور یہود مدینہ کی مسلمانوں کے مابین تعاون اور ہمدردی کی روح قائم کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ آپ نے ہجرت مدینہ کے پانچ ماہ بعد (تاریخ الخمیس: ۱/ ۳۹۸) مہاجرین اور انصار اور ان کے تمام قبائل میں جو مشرکین اور یہود سے تعلق رکھتے تھے، بقائے باہمی اور خیر خواہی کے لیے ایک معاہدہ مرتب فرمایا۔ یہ گویا ایک وفاق کا دستور اساسی تھا جس سے مشرکین مکہ اور دوسرے تمام سازشی عناصر کی تمام کوششیں ناکام ہو گئیں جو انھوں نے مہاجرین کے مدینہ پہنچنے پر شروع کر دی تھیں۔ چنانچہ بعض روایات میں ہے کہ قریش مکہ نے مشرکین مدینہ کو خط لکھا کہ ''مسلمانوں کو مدینہ سے نکال دو یا ان سے جنگ کرو، ورنہ ہم مدینہ پر حملہ کر کے تمہارے نوجوانوں کو قتل کر دیں گے اور تمہاری عورتوں کی عزت وآبرو پامال کر دیں گے۔''

اگر غور سے دیکھا جائے تو رسول اللہ ﷺ کی سیاسی زندگی کا آغاز تاریخی معاہدہ ''حلف فضول'' سے ہوا تھا۔ اس تاریخی معاہدے کی مرکزی دفعہ یہ تھی کہ ''کوئی عرب مظلوم کے مقابلہ میں ظالم کی حمایت نہیں کرے گا۔'' (البدایہ والنہایہ: ۲/ ۲۹۱)

Marfat.com

یہ تاریخی معاہدہ سرزمین عرب بالخصوص مکے کی ریاست میں پہلی مرتبہ قیام امن، بنیادی انسانی حقوق اور مظلوموں کی دادرسی کا تاریخ ساز معاہدہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس تاریخی معاہدہ نے عدل وانصاف میں مؤثر اور بھرپور کردار ادا کیا۔ نگاہِ نبوت میں اس معاہدے کی اہمیت اور قدر و منزلت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا تھا:

''اس معاہدے کے مقابلہ میں اگر مجھے سرخ اونٹ بھی دیئے جاتے تو میں نہ لیتا اور اگر آج بھی اس معاہدے کے لیے کوئی مجھے بلائے تو میں شرکت کے لیے تیار ہوں۔'' (ابن اثیر: ۲/۴۱)

آپ چونکہ پیغمبر امن تھے اس وجہ سے اعلان نبوت سے قبل ہی آپ نے بنو ہاشم، بنو عبدالمطلب، بنو اسد بن عبدالعزیٰ، بنو زہرہ، بنو کلاب اور بنو تیم بن مرہ عبداللہ بن جدعان کے گھر پر اکٹھے ہوئے اور معاہدۂ حلف الفضول طے پایا۔

(طبقات ابن سعد: ۱/۱۲۸، تاریخ الجاہلیۃ، عمر فروخ: ص ۱۳۲)

حلف الفضول کے اس سیاسی معاہدہ میں یہ طے پایا:

1. مکے سے بدامنی دور کی جائے گی اور پرامن فضا قائم کی جائے گی۔
2. مسافروں اور بیرونی تاجروں کے تحفظ کو یقینی بنایا جائے گا۔
3. مظلوموں کی امداد کی جائے گی خواہ وہ مکہ کے باشندے ہوں یا اجنبی ہوں۔
4. زبردست کو زیردست پر ظلم و زیادتی اور جبر واستبداد سے روکا جائے گا۔

(طبقات ابن سعد: ۱/۱۲۸)

اس بارے میں سید امیر علی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سیاسی حکمت و بصیرت اور تدبر و امن پسندی کی بدولت یہ معاہدہ طے پایا۔ رسول اللہ ﷺ اس انجمن کے رکن اعلیٰ تھے۔ اس کی بدولت مظلوموں، کمزوروں اور بے سہارا لوگوں کو بڑی حد تک امن و امان نصیب ہوا۔ اپنے قیام کے پہلے ہی سال اسے اتنا رعب و داب اور سیاسی اثر حاصل ہو گیا کہ اس کی طرف سے کسی معاملہ میں مداخلت کا اشارہ ہی زبردستیوں اور ظالموں کی بے آئینی روکنے اور زیردستوں اور مظلوموں کے نقصانات کی تلافی کرانے کے لیے کافی تھا۔ یہ انجمن تاریخ اسلام کی پہلی نصف صدی کے اختتام تک پوری قوت اور سیاسی اثر کے ساتھ قائم رہی۔

(روح اسلام سید امیر علی: ص ۸۷۔۸۸)

Marfat.com

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر نے اس ''حلف الفضول'' جس کا ذکر گذشتہ صفحات میں آچکا ہے، کے بارے میں لکھا:

''اس معاہدے کی اہمیت اس سے بہت زیادہ ہے جو آپ کے سیرۃ نگار اور مؤرخ اسے دیتے ہیں۔ پیغمبر اعظم و آخر ﷺ اسے بجا طور سے غیر معمولی اہم سمجھتے تھے۔ یہ آپ کے درد آشنا دل کی آواز تھی۔ آپ خدمت خلق کو مقصد زندگی سمجھتے تھے۔ اس اعتبار سے ''حلف الفضول'' میں شرکت آپ کی قومی زندگی کا اولین سنگ میل ہے۔'' (پیغمبر اعظم و آخر ﷺ: ص ۱۹۵)

یہ حلف الفضول تو آپ نے مکہ کی زندگی میں دوسروں کے ساتھ مل کر طے کیا جس میں کئی قبائل شامل تھے۔ ہجرت مدینہ کے بعد آپ نے ''میثاقِ مدینہ'' کے نام سے جو معاہدہ اہل مدینہ سے کیا وہ سیاست نبوی کا ایک شاہکار ہے۔ آپ جب مدینہ تشریف لائے تو آپ کے سامنے دو راہیں تھیں:

① آپ عصری تقاضوں کے مطابق مذہب کی بنیاد پر ایک سیاسی اتحاد کی بنیاد رکھتے، لیکن اس صورت میں نتیجہ یہ ہوتا کہ یہودی اور مشرکین قبائل کو اتحاد سے باہر رکھنا پڑتا کیونکہ ان کے مذہب اور مسلمانوں کے مذہب میں بہت فرق تھا لہٰذا مسلم معاشرے میں ان کی حیثیت ثانوی ہوتی۔

② دوسری راہ یہ تھی کہ آپ انصار اور مہاجرین پر مشتمل ایک الگ جماعت تشکیل دیتے لیکن آپ نے اس قسم کا کوئی سیاسی گروہ بنانے کا فیصلہ نہیں فرمایا بلکہ ایک ایسی پرامن جماعت وجود میں لانے کا فیصلہ فرمایا جس کے ارکان کے بارے میں یہ پورا پورا یقین کیا جاسکے کہ وہ باہم جنگ نہ کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے باہمی اختلافات کو بھی پرامن طریقے سے حل کرنے کی کوشش کیا کریں گے۔ آپ کے اس ارادے کے نتیجہ میں وہ دستاویز وجود میں آئی جس کو مؤرخین نے ''میثاقِ مدینہ'' کا نام دیا ہے۔

''میثاقِ مدینہ'' کا ایک فریق حضرات قریش ہیں جو مسلمان ہونے کی وجہ سے ہجرت کر کے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ آئے تھے جس کو معاہدہ ''المومنین والمسلمین من قریش'' کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ دوسرا فریق اہل یثرب ہیں۔ کسی مذہبی فرقہ کی وجہ سے نہیں بلکہ باسی ہونے کی حیثیت سے آپ نے ان سے یہ معاہدہ کیا۔ اس میں انصار مدینہ بھی شامل ہیں اور وہ لوگ بھی اس میں داخل ہیں جو مسلمان تو نہیں لیکن یثرب میں رہائش پذیر ہیں۔ ان میں مشرکین

Marfat.com

مدینہ بھی ہیں اور منافقین بھی جن کا رئیس عبداللہ بن ابی تھا اور یہودی بھی ہیں جن کے تین بڑے قبائل تھے اور جو معاشی اور اقتصادی طور پر نہایت مضبوط تھے۔

اگرچہ قبائل یہود (بنو قریظہ، بنو قینقاع اور بنو نضیر) اہل یثرب نہیں ہیں کیونکہ یہ یثرب سے باہر مضافاتی یثرب میں رہتے تھے لیکن اہل یثرب یعنی اوس اور خزرج سے ان کے معاہدات تھے۔ پیغمبر امن ﷺ نے ان معاہدات کو مضبوط فرمایا۔ چنانچہ ان لوگوں کو انہی معاہدات کے ذریعہ اس میثاق میں شامل فرمایا۔

اس عہد نامہ میں آپ ﷺ نے اپنے آپ کو کوئی فریق نہیں بنایا بلکہ اپنے آپ ﷺ کو ایک سرپرست کی حیثیت دی جس سے آپ ﷺ کو ایک مرکزی شخصیت تسلیم کیا گیا اور یہ طے پایا کہ باہمی نزاعات اور جھگڑوں میں آپ ﷺ کی ذات اقدس کو مرجع تسلیم کیا جائے گا اور اس بارے میں آپ کا فیصلہ آخری ہوگا۔ سرپرستانہ حیثیت کے علاوہ اور کوئی اختیار آپ ﷺ نے اپنے لیے منظور نہیں کرایا۔ دنیا کی تاریخ میں اس عہد نامہ کو یہ اہمیت دی گئی ہے کہ اسے ''دنیا میں بنیادی حقوق کی سب سے پہلی بنیادی دستاویز'' کہا گیا ہے۔ اس عہد نامہ میں کل 41 دفعات ہیں جن میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں۔ پورا عہد نامہ السیرۃ النبویہ لابن ہشام: ۲/۵۰۱ پر دیا گیا ہے۔ اس عہد نامہ کی حیثیت ابن ہشام نے ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے۔ (ہم صرف ترجمہ نقل کر رہے ہیں جو سید محمد میاں رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے۔ ترجمہ چونکہ نہایت اچھا کیا گیا ہے لہٰذا ہم انہی کے حوالے سے یہاں نقل کر رہے ہیں۔ ظفر)

محمد ابن اسحاق نے بیان فرمایا:

رسول اللہ ﷺ نے ایک کتاب (تحریر) لکھی مہاجرین اور انصار کے درمیان، اس تحریر میں یہود سے بھی مصالحت کی صورت اختیار کی۔ ان سے معاہدہ کیا اور ان کو اپنے دین پر قائم رکھا اور جو جائیدادیں ان کی تھیں ان پر قائم رکھا۔ کچھ شرطیں ان پر لگائیں اور کچھ شرطیں ان کے لیے تسلیم کیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

① یہ تحریر ہے محمد اللہ کے نبی کی طرف سے جو اللہ کے رسول ہیں، قریش کے مومنین و مسلمین اور اہل یثرب کے درمیان اور جو ان کے تابع ہیں، اور ان سے الحاق کیے ہوئے ہیں، اور کوشش و جدوجہد میں ان کے ساتھ ہیں۔

② یہ کہ سب (اپنے ماسوا) تمام انسانوں کے مقابلہ میں ایک امت ہوں گے۔

Marfat.com

③ قریش کے وہ افراد جو ہجرت کر کے آئے ہیں وہ اپنے حال پر بدستور رہیں گے۔ (ان کی آزادی اور ان کے حقوق بدستور رہیں گے) قصاص وخون بہا اور دیت کے متعلق جو ان کا دستور ہے اور جو ان کے معاہدات ہیں وہ بھی بدستور رہیں گے۔ ان کا کوئی شخص قید ہوگا تو اس کا فدیہ وہ خود ادا کریں گے۔ (کوئی حلیف اس کا ذمہ دار نہیں ہوگا) یہ تمام باتیں اس طرح ہوں گی کہ مسلمانوں کے ساتھ بھی عام دستور کے مطابق بھلائی اور انصاف کا معاملہ کیا جائے گا۔

④ بنوعوف کی آزادی اور اس کے حقوق بدستور رہیں گے۔ قصاص، خون بہا اور دیت کے متعلق جو ان کا دستور ہے اور جو ان کے معاہدات ہیں وہ بدستور رہیں گے۔ ان کا کوئی شخص قید ہوگا تو اس کا فدیہ وہ خود ادا کریں گے۔ یہ تمام باتیں اس طرح ہوں گی کہ مسلمانوں کے ساتھ عام دستور کے مطابق بھلائی اور انصاف کا معاملہ کیا جائے گا۔

⑤ یہ کہ مسلمان ایسے شخص کو جو قرض میں دبا ہوا اور کثیر العیال ہو، اس بات سے نہیں چھوڑیں گے (محروم نہیں کریں گے) کہ اس کو اچھی طرح عطیہ دیں، فدیہ یا دیت کے سلسلہ میں۔

⑥ اور یہ کہ کسی مسلمان کو یہ حق نہیں ہوگا کہ وہ کسی مسلمان کو نظر انداز کر کے اس کے حلیف سے معاہدہ کرے۔ (جو مسلمان پہلے سے حلیف ہے اس کو بھی اس معاہدہ اور عہد و پیمان میں شریک رکھنا ہوگا)۔

⑦ اور یہ کہ اہل تقویٰ مومنین سب کی طاقت متحد رہے گی اس شخص کے مقابلہ میں جو ان سے بغاوت کرے۔ (ان پر ظلم وزیادتی کرے) یا ظالمانہ طریقہ پر ان سے وصول کرنا چاہے یا مسلمانوں میں گناہ، ظلم یا فساد پھیلانا چاہے، ایسے شخص کے مقابلہ میں ان کی طاقت متحد رہے گی خواہ (وہ ظالم) کسی کا اپنا لڑکا ہی کیوں نہ ہو۔

⑧ اور یہ کہ کوئی مومن کسی مومن کو کسی کافر کی حمایت میں قتل نہیں کرے گا نہ کسی کافر کی کسی مومن کے مقابلہ میں مدد کی جائے گی۔

⑨ یہ کہ اللہ کی ذمہ داری (پناہ) ایک ہے (یعنی اللہ کے نام پر جو ذمہ داری لی جائے گی اس کا احترام تمام مسلمانوں پر لازم ہوگا)، پناہ دے سکتا ہے مسلمانوں کی ذمہ داری پر سب سے معمولی درجہ کا مسلمان بھی۔

Marfat.com

⑩ اور یہ کہ ہر ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا ولی ہوگا۔(معاہدہ و جنگ میں شریک ہو گا) یہ ولایت غیر مسلم کو حاصل نہیں ہوگی۔

⑪ اور یہ کہ جو یہودی ہمارے ساتھ ہوں گے ان کی مدد کی جائے گی۔ ان کے ساتھ ہمدردی کی جائے گی۔ وہ مظلوم نہیں ہوں گے، نہ ان کے ساتھ انتقامی کارروائی کی جائے گی۔

⑫ اور یہ کہ مسلمانوں کی صلح ایک ہے۔کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کے بغیر قتال فی سبیل اللہ (راہ خدا میں جنگ) کے سلسلہ میں صلح نہیں کر سکتا، مگر اس صورت میں کہ مساوات ہو اور آپس میں پوری طرح انصاف ہو (جب کہ معمولی مسلمان کے عہد و پیمان کو بھی یہ اہمیت ہے کہ وہ سب مسلمانوں کا عہد و پیمان مانا جاتا ہے تو مسلمان کا یہ فرض ہے کہ وہ صلح یا عہد و پیمان ایسی صورت سے کرے جس میں حقوق کی مساوات اور سراسر عدل و انصاف ہو۔ اگر اس میں کوتاہی کی ہے تو صرف اپنے حق میں نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کے حق میں کوتاہی ہو۔ (واللہ اعلم)

⑬ اور یہ کہ مجاہدین (غازیوں) کی جو جماعت ہمارے ساتھ (ہمارے نظام کے تحت) غزوہ کرے گی اس کا غزوہ نمبروار ہوگا۔ایک ہی جماعت (فوج) مسلسل نہیں جائے گی بلکہ اگر ایک مرتبہ جا چکی ہے تو اب دوسری جماعت جائے گی۔ اس کے بعد اپنے نمبر پر یہ جا سکے گی۔

⑭ اور یہ کہ مسلمان ایک دوسرے کے برابر ہوگا۔اس (امتحان) کی بنا پر جو پیش آیا ہوگا ان کے خونوں کو اللہ کی راہ میں یعنی جانی قربانی معیار ہے۔فرق مراتب اسی معیار پر ہوگا۔جن کی قربانیاں مساوی ہیں ان کا درجہ بھی مساوی ہوگا۔اس کا مفاد یہ ہے کہ قبائل میں جو فرق مراتب پہلے تھا اب وہ قابل تسلیم نہیں ہوگا جب تک قربانیاں بھی اس درجہ کی نہ ہوں۔

⑮ اور یہ کہ مومن متقی بہت بہتر طور وطریق اور نہایت مضبوط اصول پر قائم رہیں گے۔ (اہل ایمان اور اہل تقویٰ کا فرض ہوگا کہ ان کے اطوار بہتر اور ان کے اصول و اخلاق مضبوط ہوں)

⑯ اور یہ کہ کوئی مشرک قریش کے کسی مال کی ذمہ داری نہیں لے گا۔ نہ کسی قریشی کی جان کی ضمانت کرے گا۔ (پناہ دے گا) نہ کسی قریشی کی حمایت میں کسی مسلمان کے

Marfat.com

آڑے آئے گا۔

⑰ جو شخص کسی بے قصور مسلمان کو قتل کر دے گا جس کیبنہ (باقاعدہ) شہادت موجود ہو تو اس کے قصاص میں ماخوذ ہو گا۔ (جان کے بدلہ جان دینا ہو گا) البتہ اگر مقتول کے وارث خون بہا پر راضی ہو جائیں تو خون بہا دینا ہو گا۔ اور تمام مسلمانوں کو جماعتی حیثیت میں اس اصول کو نافذ کرنا ہو گا۔ جب تک اس پر عمل نہ ہو جائے، کسی اور کام میں مشغول ہو جانا مسلمانوں کے لیے درست نہ ہو گا۔

⑱ اور یہ کہ جائز نہیں ہو گا کسی صاحب ایمان کے لیے جو اس دستاویز کے مضمون کا اقرار کرے اور جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لائے یہ کہ کسی فتنہ پرداز کی مدد کرے یا کسی فتنہ اٹھانے والے کو پناہ دے (اپنے یہاں ٹھہرائے) اور جو اس کی مدد کرے گا اور اس کو پناہ دے گا (ٹھہرنے کا موقع دے گا) اس پر اللہ کی لعنت، خدا کا غضب، قیامت کے روز نہ اس کی توبہ قبول ہو اور نہ فدیہ (یعنی کفارہ، دوسرے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ نہ اس کی نفل عبادت قبول ہو گی اور نہ فرض)

⑲ اور یہ کہ جب بھی اس عہد نامہ کی کسی بات میں اختلاف کرو تو مرجع، اللہ ہو گا اور محمد (ﷺ)۔ (اس کا فیصلہ ذات اقدس محمد ﷺ کے حوالہ ہو گا جو اس عہد نامہ کے بانی اور معاہدہ کرنے والوں کے سرپرست ہیں اور آپ سے ہی فیصلہ کی اپیل ہو گی۔)

⑳ جب تک کسی جنگ کا سلسلہ رہے تو مصارف جنگ مسلمانوں کے ساتھ یہود کو بھی برداشت کرنے ہوں گے۔

㉑ اور یہ کہ بنی عوف کے یہودی اور مسلمان ایک امت ہوں گے۔ یہود کے لیے ان کا دین ہو گا اور مسلمانوں کے لیے ان کا دین۔ (اپنے اپنے مذہبوں میں آزاد رہتے ہوئے تیسرے کے مقابلہ میں ایک متحدہ طاقت ہوں گے) اور جو ان کے موالی ہیں (آزاد کردہ غلام یا ان کے حلیف اور وہ خود) ان سب کے لیے یہی ہے (کہ وہ اپنے دین پر) مگر وہ شخص جو ظلم کرے کیونکہ ایسا شخص خود اپنے آپ کو اور اپنے اہل بیت (متعلقین) ہی کو برباد کرے گا۔ (اس بربادی کی ذمہ داری خود ان پر ہو گی)

㉒ یہود بنی نجار کے لیے بھی وہی شرطیں اور وہی حقوق ہیں جو یہود بنی عوف کے بیان کیے گئے۔

㉓ اس کے بعد یہود بنی الحارث، یہود بنی ساعدہ، یہود بنی جشم، یہود بنی الاوس، یہود

Marfat.com

بنی ثعلبہ کا نام لیا گیا ہے اور ہر ایک کے متعلق یہ الفاظ دہرائے گئے ہیں۔ "**مثل مالیهود بنی عوف**" ان کو وہی حقوق حاصل ہوں گے جو یہود بنی عوف کے حقوق ہیں۔

آخر میں یہ ہے:

مگر وہ شخص جو ظلم کرے یا کوئی جرم کرے کیونکہ ایسا شخص خود اپنے آپ کو اور اپنے اہل بیت (متعلقین) کو برباد کردے گا۔ اس بربادی کی ذمہ داری خود اس پر ہوگی۔

24 اس کے بعد چند تشریحی اور توضیحی دفعات ہیں۔ جو مختلف یہودی قبائل کے بارے میں ہیں۔

25 اور یہ کہ نہیں بندش لگانے کا کوئی زخم کے قصاص (زخم کے بدلے زخم) پر۔

26 جو کسی کو بے خبری میں دھوکہ سے مار دے اس کی ذمہ داری خود اس پر ہے اور اس کے اہل بیت پر، مگر وہ شخص جس نے ظلم کیا ہو۔ اور ہم اللہ کو حاضر و ناظر جان کر عہد کرتے ہیں کہ خوبی اور پوری ذمہ داری کے ساتھ ان شرائط پر عمل کریں گے۔

27 اور یہ کہ یہود اپنے مصارف کے ذمہ دار ہوں گے اور مسلمان اپنے مصارف کے۔ (جو اس عہد نامے کی شرطوں کو پورا کرتے ہیں، کرنے پڑیں گے۔)

28 اور یہ کہ جو فریق اس معاہدہ میں شریک ہیں وہ آپس میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے، ان کے مقابلہ میں جو ان معاہدہ کرنے والوں سے جنگ کریں گے۔

29 اور یہ کہ اس معاہدہ کے تمام فریق آپس میں ایک دوسرے کی خیر خواہی کریں گے۔ ایک دوسرے کو اچھی باتوں کی ہدایت کریں گے، نیک کردار ہیں گے، جرم اور گناہ نہیں کریں گے۔

اور یہ کہ کوئی شخص اپنے حلیف کے ساتھ مجرمانہ فعل نہیں کرے گا اور یہ کہ مظلوم مستحق مدد ہوگا۔

30 اور یہ کہ جب کوئی جنگ ہوگی تو مسلمانوں کے ساتھ یہود بھی خرچۂ جنگ برداشت کریں گے۔

31 اور یہ کہ پورا علاقہ جو حدود یثرب میں ہے، ان سب کے لیے واجب الاحترام (محفوظ علاقہ) ہوگا جو اس عہد نامہ میں شریک ہیں۔

32 اور یہ کہ پڑوسی کو خود اپنی جان کے برابر سمجھا جائے گا، نہ اس کو نقصان پہنچایا جائے گا نہ اس کے ساتھ کوئی مجرمانہ فعل کیا جائے گا۔

Marfat.com

33 اور یہ کہ نہیں حفاظت اور پناہ میں لیا جائے گا کسی خاتون کو مگر اس کے اہل (ذمہ دار) کی اجازت سے۔

34 اور یہ کہ اس عہد نامہ کے فریقوں کے درمیان جو کوئی نئی بات پیش آئے یا کوئی نزاع ہو جس سے فساد کا خطرہ ہو تو اس میں اللہ اور محمد (ﷺ) کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ اور یہ کہ ہم سب اللہ کو حاضر و ناظر جان کر عہد کرتے ہیں کہ جو کچھ اس عہد نامہ میں ہے اس کی پوری پابندی کریں گے اور اس کو نیکی اور بھلائی کے ساتھ پورا کریں گے۔

35 اور یہ کہ نہ قریش کو پناہ دی جائے گی نہ اس کو جو قریش کی مدد کرے۔

36 اور یہ کہ اس عہد نامہ کے تمام شریک ایک دوسرے کی مدد کریں گے اور اس کے مقابلہ میں جو یثرب پر چڑھ آئے (حملہ کرے)۔

37 اور یہ کہ اس عہد نامہ کے جملہ فریق جب (مسلمانوں کی طرف سے) ان کو کسی کے ساتھ صلح کرنے کی دعوت دی جائے گی وہ صلح کریں گے اور صلح پر عمل کریں گے اور یہ کہ جب مسلمانوں کو اس جیسی صلح کی دعوت دی جائے تو وہ بھی صلح کریں گے۔ مسلمانوں پر یہ ان کا حق ہوگا مگر یہ کہ کسی دین کے بارے میں جنگ ہو رہی ہو (مذہبی جنگ ہو)۔

38 اور یہ کہ ہر فریق پر اس حصہ کی ذمہ داری ہے جو اس کی جانب میں ہے۔

39 اور یہ کہ قبیلہ اوس کے یہود ان کے موالی (حلیف یا آزاد کردہ غلام) ان کو وہی حقوق ہوں گے جو اس عہد نامہ کے تمام فریقوں کو ہوں گے، پوری نیک کرداری اور مخلصانہ بھلائی کے ساتھ نیک کرداری ہی ہمارا اصل اصول ہوگا۔ مجرمانہ فعل (سے کوئی تعلق نہیں ہوگا) ہر ایک عمل کرنے والا اپنے عمل کا ذمہ دار ہوگا۔ (اس کے فعل کو کسی دوسرے پر نہیں ڈالا جا سکے گا) اور اللہ تعالیٰ کو ہم حاضر و ناظر جان کر عہد کرتے ہیں کہ جو کچھ اس دستاویز میں لکھا گیا ہے اس پر پوری سچائی سے اور نیک کرداری کے ساتھ عمل کریں گے۔

40 اور یہ کہ یہ تحریر کسی ظالم اور مجرم کے لیے آڑ نہیں بنے گی۔ جو مدینہ سے باہر ہو وہ بھی امن میں اور جو اندر ہے وہ بھی امن میں رہے گا، مگر یہ کہ وہ ظلم کرے یا مجرمانہ حرکت کرے۔ اللہ تعالیٰ اس کے محافظ ہیں اور محمد رسول اللہ (ﷺ) اس کے محافظ ہیں،

Marfat.com

جو نیک کردار رہ کر پوری پابندی کے ساتھ اس پر عمل کرے۔"

یہ تھے وہ نکات اور دفعات جو سرکارِ دو عالم ﷺ نے یہود کے ساتھ اپنے معاہدہ میں ذکر کیں۔

اس معاہدہ سے سیاسی اور تمدنی زندگی کو ارتقاء کا ایک نہایت بلند مرتبہ حاصل ہوا کہ آج قریباً چودہ سو سال گزرنے کے بعد بھی تمام دنیا اس کی تعریف میں رطب اللسان ہے۔ اس عہد نامہ کی رو سے شرکاء معاہدہ میں سے ہر گروہ کو اپنے اپنے عقیدہ میں آزادی کا حق حاصل ہوا۔ انسانی زندگی کی حرمت قائم ہوئی۔ مال و جان کے تحفظ کی ضمانت ملی اور ارتکاب جرائم پر مواخذہ نے اپنا دباؤ ڈالا اور شہر مدینہ اپنے باسیوں کے لیے امن کا گہوارہ بن گیا۔

میثاقِ مدینہ نے ریاست مدینہ کے قیام میں ایک اہم کردار ادا کیا کیونکہ امن و امان قائم رکھنے کے لیے میثاقِ مدینہ میں دو باتوں پر زور دیا گیا تھا:

① غیر جانب دارانہ عدلیہ کے ذریعہ انفرادی حقوق کا تحفظ۔

② قانون کی نظر میں ہر فرد کی یکساں حیثیت۔

اس میثاق سے اسلامی سوسائٹی کے مقاصد کی تکمیل میں زبردست مدد ملی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں ڈاکٹر حمید اللہ نے لکھا ہے کہ

"جملہ دستاویز میثاقِ مدینہ میں 52 دفعات ہیں۔ پہلی 23 دفعات انصار و مہاجرین کے متعلق قواعد پر مشتمل ہیں اور بقیہ حصہ یہودی قبائل کے حقوق و فرائض سے بحث کرتا ہے۔ ان دونوں میں ایک جملہ دہرایا گیا ہے کہ آخری عدالت مرافعہ محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات ہوگی۔" (خطاب بہاول پور: ص ۸۴)

میثاقِ مدینہ پیغمبر امن و سلامتی ﷺ کی سیاسی بصیرت اور حسن تدبیر کا ایک مثالی شاہکار ہونے کے ساتھ ساتھ رواداری، امن و سلامتی، آزادی، عدل و انصاف کے ہر جوہر سے مزین ہے۔ اس تاریخی معاہدہ کی بدولت پیغمبر امن ﷺ نے چودہ سو سال قبل ایک ایسا ضابطہ انسانی معاشرہ میں قائم کیا جس سے شرکائے معاہدہ میں ہر گروہ اور ہر فرد کو اپنے عقیدہ و مذہب پر فلسفہ عدل و انصاف کی بنا پر آزادی اور حصول انصاف کا حق حاصل ہوا اور انسانی زندگی کی حرمت و عظمت قائم ہوئی۔ گویا یہ سیاست نبوی کا ایک شاہکار ہے۔ اس تاریخی دستاویز بلکہ تاریخ ساز دستاویز اور اس کی دفعات اپنی حقیقت اور عملیت پر آپ گواہ ہیں۔

مدینہ منورہ میں ریاست کا قیام باقاعدہ آئین کے ذریعہ کیا گیا۔ یہ آئین

Marfat.com

''میثاقِ مدینہ'' کے نام سے معروف ہے حالانکہ اس کی حیثیت ایک آئینی حکم نامے (Constitutional Charter) کی سی ہے۔لیکن یہ چونکہ ایک قسم کا عہد نامہ ہوتا ہے جو ایک طرف حکومت اور دوسری طرف افراد کے حقوق و فرائض کے حدود متعین کرتا ہے، اسی بنا پر ''میثاقِ مدینہ'' کو معاہدات میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ عہد نبوی کے معاہدات میں اولیت اسی دستاویز کو دی جاتی ہے۔

پھر یہ دستاویز صرف مسلمانوں اور یہودیوں کے تعلقات ہی کا احاطہ نہیں کرتی بلکہ اس کی مخاطب مدینہ کی پوری آبادی (مسلم، مشرک، منافق اور یہودی) تھی۔ اور اس کا عنوان تھا:

''یہ دستاویز محمد رسول اللہ ﷺ کی جانب سے ہے۔''

اس میثاقِ مدینہ کے دو فریق تھے۔ پہلا فریق اہل اسلام اور دوسرا فریق ہر اس شخص یا ہر اس قبیلے پر مشتمل تھا جو آزادانہ طور پر اپنی آزادی فریق اول کے حوالے کرنے کا خواہش مند ہو۔

پھر یہ آزادی مکمل طور پر فریق اول کے رحم و کرم پر چھوڑی جا رہی تھی، اس لیے کہ دوسرا فریق تین باتوں کو قبول کرتا تھا۔ ایک یہ کہ وہ مسلمانوں کے پیچھے چلے گا، دوسرا یہ کہ ان کی جماعت کا فرد بن کر رہے گا اور تیسرا یہ کہ جب جنگ و قتال کی ضرورت ہو گی تو مسلمانوں کے شانہ بشانہ جنگ میں شریک ہو گا۔

(محمد رسول اللہ ﷺ: ص ۱۶۵، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور)

میثاقِ مدینہ کی چند دفعات ذیل نہایت قابل توجہ ہیں:

① فریق اول کا امن غیر منقسم قرار دیا گیا تھا یعنی یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ مسلمانوں کے ایک حصے سے دشمنی ہو اور دوسرے کے ساتھ دوستی۔ گویا مسلمان ملت واحدہ قرار دیئے گئے۔
(الوثائق السیاسیۃ: ص ۳، شق نمبر ۱۷)

② جنگ شروع ہونے کے بعد فریق ثانی علیحدہ صلح کرنے کا مجاز نہ تھا یعنی مسلمانوں کے ساتھ شامل ہونے کے بعد فریق ثانی کو دشمن کے ساتھ صلح کرنے کی اجازت نہ تھی۔ (الوثائق السیاسیۃ: ص ۴، شق نمبر ۲۰)

③ فریق ثانی قریش مکہ کی جانب سے کسی معاملہ میں دخل نہ دے سکتے تھے۔
(ایضاً: ص ۴)

④ فریق ثانی کے کسی بات میں اختلاف ہونے کی صورت میں معاملہ اللہ (قانون الٰہی) اور محمد رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کیا جانا تھا۔ یہاں بھی حاکمیت اللہ

Marfat.com

کے قانون اور محمد رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں رکھی۔ (ص ۴)

یہ دفعات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حکومت کے سربراہ رسول اللہ ﷺ تھے اور حزب اقتدار مسلمانوں پر مشتمل تھی۔ فریق ثانی حکومت میں صرف اس قدر مشتمل تھا جہاں تک وہ قانون الٰہی پر کاربند رہتا تھا۔

(محمد رسول اللہ ﷺ: ص ۱۶۸، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، لاہور)

ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم نے ریاست مدینہ کی تشکیل میں میثاق مدینہ کی اہمیت اور پیغمبر اسلام ﷺ کی سیاسی فہم وفراست کے حوالہ سے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

''ایک چھوٹی سی بستی کو جو بیس ایک محلوں پر مشتمل تھی، شہری مملکت کی صورت میں منظم کیا گیا اور اس کی قلیل لیکن بوقلموں اور کثیر الاجناس آبادی کو ایک لچک دار اور قابل عمل دستور کے تحت ایک مرکز پر متحد کیا گیا اور اس کے تعاون سے شہر مدینہ میں ایک سیاسی نظام قائم کر کے چلایا گیا جو بعد میں ایشیاء، یورپ اور افریقہ کے تین براعظموں پر پھیلی ہوئی ایک وسیع اور زبردست شہنشاہیت کا بلا کسی وقت کے صدر مقام بھی بن گیا۔'' (عہد نبوی میں نظام حکمرانی: ص ۹۹)

ایک نئی ریاست کی تاسیس وتشکیل کے سلسلہ میں ''میثاق مدینہ'' کو بڑی اہم اور بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ پیغمبر امن ﷺ جب سنہ 1 ھ میں مدینہ منورہ تشریف لائے تو بہت سے مسائل کی طرف آپ نے اپنی سیاسی بصیرت کے تحت فوری توجہ دی، جیسے:

① اہل اسلام کو متحد اور یک جا کرنے کا مسئلہ

② مسلمانوں کی روحانی اور معاشرتی اصلاح اور تربیت کا مسئلہ

③ مدینے میں بسنے والے مختلف قبائل اور گروہوں کے باہمی تعلقات کی استواری خاص طور پر مدینہ طیبہ میں یہودیوں کے دس اور اوس اور خزرج کے بارہ قبائل آباد تھے۔ اوس اور خزرج میں مسلمان بھی تھے اور غیر مسلم بھی۔ یہ لوگ مدینہ میں اسلام کی آمد سے قبل آپس کی ایک خون ریز جنگ میں مبتلا رہ چکے تھے جسے جنگ ''بعاث'' کہا جاتا ہے۔

④ شہر کی سیاسی تنظیم اور اس کے تحفظ ودفاع کا انتظام

رسول اللہ ﷺ نے نبوی حکمت وبصیرت کے تحت ان تمام مسائل کو پوری کامیابی سے اس طرح حل فرمایا:

Marfat.com

① مسلمانوں کو رنگ ونسل کے امتیازات سے بالاتر کر کے انہیں رشتہ اخوت میں منسلک کیا اور ایسی نئی ملت تیار کی جو خالص دینی اور انسانی اقدار پر مبنی تھی۔ اسے ایک خدا، ایک رسول، ایک قبیلے اور ایک ہی مقصد زندگی سے وابستہ کر دیا۔

② مسلمانوں کی روحانی اور معاشرتی تربیت واصلاح اور ان میں مرکزیت پیدا کرنے کے لیے مسجد نبوی تعمیر کی اور اسے اہل اسلام کی روحانی وسماجی اور تعلیمی وعدالتی سرگرمیوں کا مرکز ومحور قرار دیا۔

کی مخا مدینہ طیبہ میں بسنے والے مختلف گروہوں اور قبائل کے باہمی تعلقات اور حقوق و فرائض کو متعین ومنضبط کیا جسے ''میثاق مدینہ'' کہا جاتا ہے۔ آپ نے اسی معاہدے کی اہمیت کے پیش نظر اسے قلم بند کروا کر محفوظ کر لیا۔ اس ''میثاق'' کے لیے آپ ﷺ نے کتاب اور صحیفے کے الفاظ استعمال فرمائے جس سے اس دستاویز کی اہمیت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

(محمد رسول اللہ ﷺ: ص ۱۶۱، اردو دائرہ معارف اسلامیہ لاہور)

مشہور مستشرق ویل ہاؤزن (Wellhousen) نے اس میثاق مدینہ کی تعریف میں لکھا ہے کہ

''مکمل حاکمانہ اختیارات کے ساتھ پہلا عربی معاشرہ حضرت محمد (ﷺ) کے ہاتھوں مدینہ شہر میں قائم ہوا لیکن خون کی بنیاد پر نہیں جو یقینی بات ہے کہ اختلافات کو جنم دیتا بلکہ دین کی بنیاد پر جس کا اطلاق ہر فرد پر یکساں طور پر ہوتا ہے۔'' (The Historians Histry of the World, Vol, viii, P.291)

مشہور مستشرق اور واشنگٹن یونیورسٹی کے پروفیسر عراقی نژاد ڈاکٹر مجید خدوری ''میثاق مدینہ'' کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار اور اس کی اہمیت کو ان الفاظ میں واضح کرتے ہیں کہ

''اس دستاویز کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ محض حلیفی اور اتحاد کا پیمان نہ تھی بلکہ اس کی حیثیت زیادہ وسیع تھی۔ پہلے حصے سے محض یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ یہ قبائل کے درمیان مصالحت کی سعی ہے۔ یہ ایک میثاق ہے جس کے ذریعہ سے مدینہ منورہ کے عرب قبائل کی باہم رقابتیں اور دشمنیاں ختم کر کے مختلف عناصر کو متحد و متفق کر کے ایک ایسی قوم بنانا مقصود تھا جو سب سے زیادہ منفرد اور ممتاز ہو۔ دوسرے لفظوں میں یہ قبائل کے مابین ایک ڈھیلا ڈھالا اتحاد نہیں بلکہ اس اسلامی مملکت کا

Marfat.com

دستور تھا جو ابھی تعمیر و تشکیل کے مرحلے میں تھی۔ اس کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ نے ایک نئے نظام کے اندر تنگ نظرانہ قبائلی وابستگیوں کو تحلیل کر کے نئے مذہب اور نئی حکومت کو توجہ کا مرکز بنا دیا۔

''میثاقِ مدینہ'' کا دوسرا حصہ عرب قبائل اور یہودیوں کے درمیان اتحاد سے متعلق ہے۔ ہر یہودی قبیلہ مومنوں کے ساتھ مل کر ایک قوم قرار پایا لیکن یہودی قبائل بجائے خود ایک قوم نہ رہے۔ معاہدے کے اس حصہ کی حقیقی حیثیت مظہر ہے کہ یہ ایک قسم کا وفاق تھا جو عربوں اور یہودیوں کے مابین قائم کیا گیا تھا۔ ریاست مدینہ کو اس وفاق میں سرکردگی کی نمایاں حیثیت حاصل تھی۔ اس اتحاد کا نتیجہ یہ تھا کہ تمام عناصر کے وفاق میں بحیثیت مجموعی تعلقات خوش گوار رہے اور صرف ایک یہودی قبیلہ مسلمانوں سے برسرِ پیکار تھا۔''

(مجید خدوری الحرب والسلام فی الاسلام: ص ۲۷۰)

رسول اکرم ﷺ کی سیاست خارجہ اور داخلہ پالیسیوں کے حوالہ سے ''میثاقِ مدینہ'' کے سیاسی اثرات اور مثالی مملکت کے قیام میں اس کے متاثر کن کردار پر ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم نے ان الفاظ میں تبصرہ فرمایا ہے:

''ایک شخص جسے اپنے وطن میں جان کے لالے پڑے ہوں، صرف ایک رفیق کے ساتھ غاروں پر چھپتا، نامانوس اور دشوار گزار راستوں پر چلتا، سینکڑوں میل دور جا کر پناہ گزین ہوا ہو، وہ دس سال بعد جب انتقال کرتا ہے تو دس لاکھ مربع میل سے زیادہ کے علاقے کا حکمران بن چکا تھا۔

پھر اس علاقے میں جہاں اس سے پہلے کبھی سیاسی مرکزیت آئی ہی نہ ہو اور ملک قبائلی سطح تمدن سے بلند نہ ہو سکا ہو، اس نراج میں ایک راہ قائم کرے اور بغیر کسی نمونے کے ایک باقاعدہ مملکت کی ضرورت کی ہر چیز رائج کرے اور ایک ایسی حکمت قائم کرے جس کا آغاز ایک شہر کے چند محلوں سے ہوا ہو اور جو 27 ہی سال میں دنیا کی دو عظیم سلطنتوں سے مقابلہ کر کے اور بیسیوں دیگر سلطنتوں کو شکست دے کر ایشیاء، افریقہ اور یورپ کے تین براعظموں پر پھیل جائے۔

''اس سیاست کا مطالعہ صرف ایک عظمت ماضیہ کا مطالعہ نہیں بلکہ ایک ایسی شخصیت کے کارناموں کا مطالعہ ہے جس کے ہر قول و فعل کو اب بھی دنیا کی چوتھائی آبادی اپنا

Marfat.com

قانون اور اپنے لیے اسوۂ حسنہ سمجھتی ہے۔"

(عہد نبوی میں نظام حکمرانی: ۱۵۵، الوثائق السیاسیۃ: ص ۶)

میثاقِ مدینہ کو یثرب کے کلی تناظر میں دیکھا جائے تو اس کی یہ اہم خصوصیت ابھر کر سامنے آتی ہے کہ اس کی رو سے یثرب کی حکومت نا آشنا سرزمین میں پہلی مرتبہ عدل و مساوات کے اصولوں پر منظم اور منضبط مملکت معرض وجود میں آئی۔

اس موقع پر یہ بتا دینا ضروری ہے کہ مکے کے برعکس مدینہ منورہ میں رسول اکرم ﷺ کی ہجرت مدینہ کے وقت کوئی مرکزی حکومت نہ تھی۔ مکہ مدت سے ایک شہری ریاست تھا جس میں قریش کی حکومت تھی اور اس حکومت کے 25 کے قریب شعبے تھے، لیکن مدینے میں عرب (اوس اور خزرج) اور یہود دونوں بالترتیب بارہ اور دس قبیلوں میں منقسم تھے اور ہر قبیلہ اپنے رسم و رواج کے مطابق اپنے امور مقدمات کا فیصلہ کرتا تھا۔

تاریخی حقائق کو اگر پیش نظر رکھا جائے تو تضادات و انتشار کی اس سرزمین میں ایک منظم و منضبط مرکزی حکومت کا قیام رسول اکرم ﷺ کا ایک عظیم اور عہد آفرین کارنامہ ہے۔ اس مملکت کی اساس چونکہ اسلامی اصولوں پر استوار تھی، لہٰذا یہ امن و سلامتی کا گہوارہ تھی اور اس میں غیر مسلموں کے لیے بڑی کشش پائی جاتی تھی۔

(پیغمبر اعظم و آخر ﷺ، ڈاکٹر نصیر احمد ناصر: ص ۴۱۵)

رسول اکرم ﷺ کی سیاسی بصیرت، قائدانہ صلاحیت اور نبوی تدبر و فراست کے نتیجہ میں معرض وجود میں آنے والے دستور "میثاقِ مدینہ" کے سیاسی اثرات اور بعد ازاں اس کے نتیجہ میں وجود پذیر ہونے والی مثالی اسلامی ریاست مدینہ کے بارے میں ایک مغربی دانشور اے جے آربری (A.J.Arberry) نے لکھا ہے کہ

"جب 634ھ میں (آربری کا یہ بیان غلط ہے۔ آپ ﷺ کا انتقال سنہ 632ء میں ہوا تھا) تو اس وقت اسلام پورے خطۂ عرب میں ایک غالب دین اور سیاسی نظام کے طور پر مستحکم ہو چکا تھا۔"

(Aspects of Islamic Civilization, P.11)

Marfat.com

سنہ 2ھ ____ تحویل قبلہ

سنہ 2ھ میں امت مسلمہ میں ایک بہت بڑا انقلاب رونما ہوا کہ دنیا کی سب سے افضل امت کو سب سے افضل قبلہ عطا کیا گیا۔ عبادت کے لیے ایک قبلہ کا ہونا ضروری ہوتا ہے جس کی طرف رخ کر کے امت جہاں کہیں بھی ہو اپنی عبادت کی تکمیل کر سکے۔ مشرکین مکہ اگرچہ بتوں کی پرستش کرتے تھے اور عبادت کے وقت انہی کے سامنے سر جھکاتے تھے لیکن ان کے تحت الشعور میں ان کا قبلہ کعبہ تھا جس کی تجدید ان کے جد امجد سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور ان کے صاحبزادے سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے کی تھی۔ اب جب آپ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرما کر تشریف لائے تو یہاں کے مشرکین کا قبلہ تو کعبہ ہی تھا لیکن اہل کتاب یہود و نصاریٰ کا قبلہ بیت المقدس تھا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب حرم کعبہ میں نماز پڑھتے تو کعبہ کے سامنے کھڑے ہو کر رخ شمال کی طرف کرتے تھے یعنی بیت اللہ بھی آپ کے سامنے رہتا تھا اور بنی اسرائیل کا قبلہ بھی سامنے ہوتا تھا۔ لیکن جب آپ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اجتماع قبلتین ناممکن ہو گیا کیونکہ یہاں سے کعبہ جنوب میں تھا اور بیت المقدس شمال میں۔ چنانچہ آپ نے بیت المقدس ہی کو قبلہ اختیار کیا اور مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت بھی اسی دیوار کو قبلہ قرار دیا جو بیت المقدس کی طرف تھی۔

قبلہ کی تبدیلی صرف ایک رخ کی تبدیلی نہ تھی بلکہ ایک مرکز کی تبدیلی تھی، جیسے جھنڈا ایک نشان قومیت بن جاتا ہے۔ حالانکہ جھنڈا قوم خود بناتی ہے لیکن پھر وہی جھنڈا پوری قوم کا نشان عظمت بن جاتا ہے اور اس کی سربلندی اور سرنگونی قوم کی قسمت کا فیصلہ سمجھا جانے لگتا ہے۔ پھر قبلہ قوم اور ملت کا ایک امتیازی نشان اور شعار ہوتا ہے جس کے بغیر کسی قوم کی ایک مستقل ہستی قائم نہیں ہو سکتی۔ اسی وجہ سے آپ اب دعوت و ارشاد کی مرکزیت کی تبدیلی کے ساتھ ہی قبلہ کی تبدیلی کے بھی خواہش مند تھے کیونکہ اب جب خلافت الٰہیہ بنی اسرائیل سے بنی

Marfat.com

اسماعیل میں تبدیل ہوئی تو بنی اسرائیل والا قبلہ بھی تبدیل ہونا چاہیے۔ اگرچہ آپ یہ سمجھتے تھے کہ مشرق و مغرب اسی کا ہے اور ہر جانب، ہر سمت اور ہر جگہ اس کا جلوہ یکساں ہے لیکن پھر بھی آپ ﷺ بار بار اوپر کی سمت نظر اٹھاتے کہ شاید قبلہ کی تبدیلی کا حکم آ جائے۔ چنانچہ آپ کا اشتیاق جو اضطراب کی صورت اختیار کر چکا تھا ایک روز ختم ہو گیا جب ہجرت سے سوا سال بعد بذریعہ وحی تحویل قبلہ کا فرمان جاری ہوا۔ (ملاحظہ ہو البقرہ: ۱۴۴)

تحویل قبلہ کا کوئی معمولی حکم نہ تھا۔ یہ ایک انقلاب انگیز حکم تھا۔ قبلہ کی اس تبدیلی کا مقصد یہ تھا کہ کئی ہزار سالہ خلافت الٰہیہ کا منصب بنو اسرائیل سے چھین کر بنو اسماعیل کے سپرد کیا جا رہا تھا، کیونکہ "**لاینال عهدی الظالمین**" کے مطابق وہ اب ظالم تھے اور ظالموں کے سپرد یہ منصب امامت نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اب اس کو امت مسلمہ کا قبلہ بنایا گیا جو "**مثابة للناس و امنا**" تھا۔ جہاں مقام ابراہیم تھا اور جس کو خود اللہ تعالیٰ نے "اپنا گھر" فرمایا تھا۔

اس سلسلہ میں بہت سی احادیث بھی کتابوں میں موجود ہیں۔

(ملاحظہ ہو بخاری: ۱/ ۵۱۰، کراچی)

سیدنا براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی اکرم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو اپنے نانا یا ماموں کے گھر ٹھہرے اور آپ نے سولہ یا سترہ ماہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی۔ وہ عصر کی نماز تھی۔ آپ کے ساتھ ایک جماعت نے نماز پڑھی۔ پھر آپ کے ساتھ نماز پڑھنے والوں میں سے ایک شخص ایک مسجد والوں کے پاس سے گزرا۔ وہ اس وقت رکوع میں تھے۔ اس نے کہا میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے۔ وہ تمام لوگ نماز کی حالت میں بیت اللہ کی طرف پھر گئے۔ یہود اور دیگر اہل کتاب کو یہ پسند تھا کہ آپ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہیں۔ جب آپ نے بیت اللہ کی طرف منہ کر لیا تو ان کو یہ ناگوار ہوا۔ (بخاری: ۱/ ۱۰۔۱۱)

حافظ بدرالدین عینی نے لکھا ہے کہ اس مسجد کے نمازیوں کو خبر واحد سے یہ معلوم ہوا کہ قبلہ بدل گیا ہے۔ اب ان کے لیے یہ بھی ممکن تھا کہ وہ نماز کو توڑ کر نبی اکرم ﷺ کے پاس جاتے اور تحویل قبلہ کی تحقیق کرتے، اور یہ بھی ممکن تھا کہ وہ اس خبر پر اعتماد کر کے نماز میں قبلہ بدل لیتے۔ انہوں نے اجتہاد سے دوسری صورت پر عمل کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ خبر واحد حجت ہے اور اپنے اجتہاد سے نماز میں قبلہ کی سمت بدلنا جائز ہے بلکہ اگر ہر رکعت میں اس پر قبلہ مشتبہ ہو تو وہ اپنے اجتہاد سے ہر رکعت میں سمت بدل لے۔ (عمدۃ القاری: ۱/ ۲۴۸)

Marfat.com

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ تحویل قبلہ کے بعد بیت اللہ کی طرف منہ کر کے جو نماز سب سے پہلے پڑھی گئی وہ عصر کی نماز تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ حکم بنو سلمہ کی مسجد میں نازل ہوا، اس وقت آپ ظہر کی نماز میں تھے اور دو رکعت پڑھ چکے تھے۔ پھر نماز ہی میں آپ نے قبلہ بدل لیا اور باقی دو رکعتیں بیت اللہ کی طرف منہ کر کے پڑھیں اور اس مسجد کا نام مسجد قبلتین رکھا گیا۔ چونکہ بیت اللہ اور بیت المقدس ایک دوسرے کے بالمقابل ہیں اس لیے نماز میں مرد گھوم کر عورتوں کی جگہ آ گئے اور عورتیں گھوم کر مردوں کی جگہ چلی گئیں۔

ابو حاتم البستی نے بیان کیا کہ مسلمانوں نے سترہ ماہ اور تین دن بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھیں کیونکہ آپ بارہ ربیع الاول کو مدینہ منورہ تشریف لائے تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو منگل کے روز نصف شعبان کو کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا۔

(تفسیر قرطبی: ۲/ ۱۴۸ـ۱۵۰)

تحویل قبلہ پر یہودیوں کی برہمی:

تحویل قبلہ نے یہودیوں کو سخت برہم کر دیا کیونکہ اسلام نے ان کے مذہبی اعزاز کو مجروح کیا تھا۔ وہ پہلے نہایت فخر سے کہتے تھے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی انہی کے قبلہ کی طرف رخ کرتے ہیں لیکن جب اسلام کا قبلہ بدل گیا تو ان کی برہمی کا جام لبریز ہو گیا اور یہ مشہور کر دیا گیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ ہر بات میں ہماری مخالفت کرتے ہیں، اسی مخالفت کی وجہ سے انہوں نے قبلہ بھی بدل ڈالا ہے۔ اس سے کچھ لوگوں کے دلوں میں مختلف شبہات جنم لینے لگے کہ آخر قبلہ کو کیوں بدلا گیا اور اس کی تبدیلی کی کیا ضرورت اور مصلحت تھی۔ قرآن حکیم نے اس کا جواب دوسرے پارے کے شروع میں دیا کہ قبلہ خود کوئی مقصود بالذات شے نہیں کیونکہ پورب و پچھم سب اللہ ہی کے ہیں۔ وہ ہر جگہ اور ہر سمت ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ ایک مخصوص شعار ہے جس نے مسلمانوں کو ایک دوسرے اہل کتاب سے الگ کر دیا ہے۔ اس سے کئی لوگوں کے نفاق کا پردہ چاک ہوا ہے۔ دوسرا اہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ پیغمبر کا پیروکار کون ہے اور پیچھے پھر جانے والا کون ہے کیونکہ خاص قبلہ کی طرف رخ کرنا اصلی ثواب نہیں بلکہ ایمان اور نیک اعمال اصلی ثواب کا باعث ہیں۔

(تفسیر کبیر: ۱/ ۱۰، روح المعانی: ۲/ ۶، سیرۃ ابن ھشام: ۲/ ۲۵۷، البدایہ والنہایہ: ۳/ ۲۵۲، طبقات ابن سعد: ۲/ ۳، عیون الاثر: ۱/ ۲۳۰)

Marfat.com

تحویل قبلہ کا یہ حکم شعبان سنہ 2 ھ میں نازل ہوا۔

تحویل قبلہ کے بعد جب مسجد نبوی کا رخ بیت اللہ کی طرف ہو گیا تو قبلہ اول کی شمالی دیوار اور اس کے متصل جو جگہ تھی وہ ان لوگوں کے لیے چھوڑ دی گئی جن کا کوئی گھر بار نہیں تھا۔ ان حضرات کی تعداد مختلف اوقات میں مختلف رہی ہے، اور ان کو ''اصحاب صُفہ'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ان لوگوں کا کوئی گھر بار نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ وہ توکل کے ساتھ مسجد نبوی میں بیٹھے رہتے۔ ان میں سے بعض کے جسم پر چادر تک نہ ہوتی۔ ایک کمبل سے اپنے جسم کو ڈھانکے رکھتے۔ اس کی تفصیل بخاری اور دیگر کتابوں میں موجود ہے۔ (بخاری:۱/۶۳، حلیۃ الاولیاء:۱/۳۴۱)

یہ حضرات کئی کئی روز بھوکے رہتے اور کبھی پیٹ بھر کر کھانا بھی مل جاتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر باغ والے کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ اپنے باغ کا ایک ایک خوشہ لا کر مساکین کے لیے مسجد میں لٹکائے۔ (فتح الباری:۱/۴۳۱)

ایک مرتبہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہر دس خوشوں میں سے ایک خوشہ لا کر مسجد کے مساکین کے لیے رکھا جانا ضروری ہے۔ (طحاوی:۲/۳۱۳)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی اصحاب صفہ میں سے تھے۔ ان کے بارے میں عبداللہ بن شقیق فرماتے ہیں کہ ایک روز میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہا۔ انہوں نے فرمایا: ''کاش کہ تو وہ زمانہ بھی دیکھتا کہ جب کئی کئی روز تک ہمیں اتنا کھانا بھی میسر نہ آتا تھا جس سے ہم اپنی کمر ہی سیدھی کر لیں۔ چنانچہ ہم مجبور ہو کر اپنے پیٹ پر پتھر باندھتے تاکہ کمر سیدھی رہے۔

(فتح الباری:۱۱/۲۴۲)

Marfat.com

اذنِ جہاد

اسلام امن اور سلامتی کا دین ہے لڑائی جھگڑے کا دین نہیں۔ مغرب کے دانشوروں نے اسلام کے بارے میں یہ مشہور کر دیا کہ اسلام قتل وخون ریزی اور لڑائی جھگڑے کا دین ہے۔ یہ زبردستی اور تلوار کی نوک پر لوگوں کو اسلام میں داخل کرتا ہے۔ یہ اسلام کے خلاف مغرب کا ایک غلط پراپیگنڈہ ہے۔ اسلام تو وہ دین ہے کہ جس کے بارے میں قرآن حکیم میں صاف لکھا ہے:

﴿لا اکراہ فی الدین﴾

''دین کے بارے میں کوئی جبر نہیں۔''

اس حکم کے الفاظ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں کسی کو جبراً مسلمان بنانا جائز نہیں کیونکہ یہ دین اس قدر واضح ہے اور اس کے دلائل و براہین اس قدر روشن ہیں کہ کسی شخص کو اس میں داخل ہونے پر مجبور کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس شخص کو ہدایت دی ہو اور جس کا سینہ قبول حق کے لیے کھول دیا ہو اور جس کو بصیرت کا نور عطا کیا ہو وہ دلیل واضح کی بنا پر اسے خود اختیار کرے گا اور جس کی سماعت اور بینائی پر مہر کر دی ہو اس کا مارے باندھے سے دین میں داخل ہونا بے کار ہے۔

اسی سلسلہ میں امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ابومسلم اصفہانی وغیرہ کے اقوال نقل کیے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دین کا معاملہ جبر اور سختی پر نہیں رکھا بلکہ تمکن اور اختیار پر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب توحید کے دلائل نہایت شافی اور قاطع طریقہ سے بیان کر دیئے کہ کسی عذر کی گنجائش نہ رہی تو اس نے فرمایا کہ ان دلائل کی توضیح کے بعد کسی کافر کے لیے کفر پر قائم رہنے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہی ہے اور اب وہ اگر ایمان نہ لائے تو اس کو قائل کرنے کی صرف یہی صورت باقی رہ گئی ہے کہ اسے بزور اس پر مجبور کیا جائے، مگر یہ اس دنیا میں جو امتحان و آزمائش کا گھر ہے، جائز نہیں ہے۔ کیونکہ قہر و اکراہ سے دین پر مجبور کرنا امتحان کے مقصد کو باطل کر دیتا ہے۔ اس کی نظیر

Marfat.com

قرآن حکیم کا یہ ارشاد ہے کہ

﴿فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر﴾

''اب جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر پر قائم رہے۔''

ایک اور جگہ پر فرمایا:

﴿ولو شاء ربک لآمن من فی الارض کلھم جمیعاً، أفأنت تکرہ الناس حتی یکونوا مومنین﴾

''اگر تیرا رب چاہتا تو تمام روئے زمین کے لوگ ایمان لے آتے، کیا تو لوگوں کو مجبور کرے گا کہ مومن بن جائیں۔''

اس قول کی تائید میں امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اس قول کو یہ بات اور بھی زیادہ مضبوط کر دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے بعد ہی ارشاد فرمایا: ''ہدایت گمراہی سے ممتاز کر کے دکھائی جا چکی ہے۔'' یعنی دلیلیں ظاہر کر دی گئی ہیں، حجتیں کھول کھول کر بیان کر دی گئی ہیں۔

اب صرف جبر و اکراہ کا طریقہ باقی رہ گیا ہے سو وہ جائز نہیں کیونکہ وہ ذمہ داری کے منافی ہے۔''

معلوم ہوا کہ اسلام اپنی صداقت پر ایمان لانے کے لیے کسی کو مجبور نہیں کرتا بلکہ دلائل و براہین کی روشنی میں ہدایت کی راہ کو ضلالت اور گمراہی کی راہ سے ممتاز کر کے دکھا دینے کے بعد ہر شخص کو یہ اختیار دیتا ہے کہ چاہے غلط راستہ پر چل کر نامرادی کے گڑھے میں جا گرے اور چاہے سیدھے راستہ پر لگ کر حقیقی اور دائمی فلاح و کامرانی سے بہرہ اندوز ہو۔ لیکن ہم اس سے بھی انکار نہیں کرتے کہ اسلام کی اشاعت کو تلوار سے ایک گونہ تعلق ضرور ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جہاں تک تبلیغ دین الٰہی کی حد ہے اس میں تلوار کا کوئی کام نہیں ہے مگر اس تبلیغ کے ساتھ کچھ چیزیں اور بھی ہیں جن کے تعاون سے دنیا میں اسلام کی اشاعت ہوتی ہے اور وہ یقیناً تلوار کی اعانت سے بے نیاز نہیں ہیں۔

یہ بات عموماً دیکھی جاتی ہے کہ جب انسان بے قیدی کی زندگی بسر کرتا ہے اور اپنی خواہشات کی پیروی میں کسی اخلاقی ضابطہ کا پابند نہیں ہوتا تو اسے اپنے اس پُرالم مگر بظاہر پر لطف زندگی میں ایک مزہ آنے لگتا ہے، اور اس مزے کو چھوڑنے کے لیے وہ برضا و رغبت آمادہ نہیں کیا جا سکتا۔ وعظ و نصیحت اور دلیل و برہان کی قوت سے اس کو اخلاقی حدود کی پابندی، حلال

Marfat.com

وحرام کی تمیز اور نیک و بد کے امتیاز کی خواہ کتنی ہی تلقین کی جائے وہ بہر حال سیدھا ہونے پر راضی نہیں ہوتا۔ اول تو اس کی عقل و وجدان پر مسلسل بدکاریاں کرتے رہنے کے باعث ایسا پردہ پڑ جاتا ہے کہ اس کی اخلاقی تعلیم کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا، اور اگر اس کے ضمیر میں کچھ زندگی باقی بھی ہوتی ہے تو وہ اس کے نفس پر اتنی حاوی نہیں ہوتی کہ اس کے اثر سے وہ حق کو محض اس بنا پر کہ وہ حق ہے بطوع و رغبت قبول کر لے، اور ان لذتوں سے دست بردار ہو جائے جو بے قیدی کی زندگی میں اسے حاصل ہوتی ہیں۔ بخلاف اس کے جب کسی اخلاقی تعلیم کی پشت پر وعظ و تذکیر کے ساتھ ساتھ بدی کو روک دینے والی قوت سے بھی کام لیا جاتا ہے تو رفتہ رفتہ طبیعت میں نیک بننے کی صلاحیت پیدا ہونے لگتی ہے۔ حدود کی پابندی اور برے بھلے کی تمیز آہستہ آہستہ ترقی کرتی ہے اور آخر کار وہی انسان اس نیکی کی تعلیم کو دل میں جگہ دینے لگتا ہے جو بے قیدی کی زندگی میں اس کو سننے کا بھی روادار نہ تھا۔

چند لمحوں کے لیے کسی ایسی سوسائٹی کا تصور کیجیے جس میں کوئی قانون نافذ نہ ہو۔ ہر شخص اخلاقی حدود کی پابندی اور قدغن سے مبرا ہے۔ جس پر بس چلتا ہے اسے لوٹ لیتا ہے، جس سے ذرا بھی دشمنی ہو جاتی ہے اسے موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے۔ جس شے کی اسے ضرورت ہوتی ہے اسے دوسرے سے زبردستی چھین لیتا ہے یا پھر چوری کر لیتا ہے، اپنی ہر خواہش کو ہر طریقہ سے پوری کر لیتا ہے۔ حقوق و فرائض کا تصور بھی اس کے دل و دماغ میں نہیں ہے۔ وہ صرف اپنی خواہشات کی بجا آوری کی ہر وقت کوشش کرتا رہتا ہے۔ اس صورت میں ایک مصلح اٹھتا ہے اور اسے حلال و حرام کی تمیز سکھانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے سامنے جائز و ناجائز کی حد بندی کرتا ہے۔ اس کو نیک و بد کا فرق سمجھانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے سامنے ایک مکمل ضابطہ قوانین مرتب کر کے رکھ دیتا ہے۔ مگر اس قانون کی تنفید کے لیے اس کے پاس وعظ و نصیحت اور دلیل و حجت کے سوا اور کوئی قوت نہ ہو تو کیا یہ امید کی جا سکتی ہے کہ وہ جماعت اپنی آزادی پر ان قیود کو بخوشی قبول کرے گی؟ اور خود بخود ان لذتوں سے کنارہ کش ہو جائے گی جو اس کو بے قیدی کی زندگی میں حاصل ہیں؟ ہر شخص جو فطرت انسانی سے آشنا ہے، اس سوال کا جواب محض نفی میں دے گا کیونکہ دنیا میں ایسے پاک نفسوں کی تعداد بہت تھوڑی ہے جو نیکی کو محض نیکی سمجھ کر اختیار کرتے ہیں اور بدی کو صرف اس لیے چھوڑ دیتے ہیں کہ اس کا بد ہونا انہیں معلوم ہو چکا ہے۔

اسلام کی اشاعت کا بھی یہی حال ہے۔ اسلام صرف چند عقائد کا مجموعہ نہیں بلکہ

Marfat.com

ایک مکمل نظام زندگی ہے۔ وہ صرف ایک عقیدہ ہی نہیں بلکہ ایک قانون بھی ہے۔ ایسا قانون جو انسانی زندگی کو اوامر و نواہی کے بندھنوں سے کسنا چاہتا ہے۔ اس لیے اس کا کام صرف پند و موعظت ہی سے نہیں چل سکتا بلکہ اسے نوکِ زبان کے ساتھ نوکِ سنان سے بھی کام لینا پڑتا ہے۔ وہ چوری کرنا چاہتا ہے تو اسلام اسے ہاتھ کاٹنے کی دھمکی دیتا ہے۔ وہ زنا کرنا چاہتا ہے تو اسلام اسے کوڑوں کی مار کا حکم سناتا ہے۔ وہ سود کھانا چاہتا ہے تو اسلام اس کو "فاذنو ابحرب من الله ورسوله" کا چیلنج دیتا ہے۔ وہ حلال وحرام کی قیود سے نکل کر نفس کے مطالبات اور اس کی خواہشات کو پورا کرنا چاہتا ہے، لیکن اسلام مانع ہوتا ہے۔ نفس پرست انسان کی طبیعت اس سے ابا کرتی ہے اور اس میں صداقت اسلام کے نور کو قبول کرنے کی صلاحیت ہی باقی نہیں رہتی۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو مؤثر سے مؤثر انداز ہو سکتا تھا وہ اختیار کیا، مضبوط دلائل و براہین دیئے، فصاحت و بلاغت اور زور خطابت سے دلوں کو گرمایا، معجزات دکھائے، اپنی پاکیزہ زندگی کو نمونہ کے طور پر پیش کیا لیکن آپ کی قوم نے آفتاب کی طرح آپ کی صداقت کے روشن ہو جانے کے باوجود آپ کی دعوت قبول کرنے سے یک قلم انکار کر دیا۔ ان لذتوں کو چھوڑنا انہیں ناگوار تھا جو کافرانہ بے قیدی کی زندگی میں انہیں حاصل تھیں۔ لیکن جب وعظ و تلقین کی ناکامی کے بعد داعی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہاتھ میں تلوار لی تو پھر تمام موروثی امتیازات کا خاتمہ کر دیا، عزت و اقتدار کے تمام رسمی بتوں کو توڑ دیا اور ملک میں منظم و منضبط حکومت قائم کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ طبیعتوں سے فاسد مادے خود بخود نکل گئے، اخلاقی فضائل اور انسانی محاسن کی نشوونما ہونے لگی، دلوں سے بدی اور شرارت کے زنگ رفتہ رفتہ چھوٹنے لگے۔ گردنوں میں وہ سختی اور سروں میں وہ نخوت و تکبر باقی نہ رہا جو انسان کو اسلام کی دعوت کے سامنے جھکنے سے مانع تھا۔ عرب کے علاوہ دوسرے علاقوں نے بھی اسلام کو جو اس سرعت سے قبول کیا کہ ایک صدی کے اندر چوتھائی دنیا مسلمان ہوگئی، تو اس کی وجہ یہی تھی کہ اسلام کی تلوار نے ان پردوں کو چاک کر دیا جو دلوں پر پڑے ہوئے تھے۔ اس فضا اور ماحول کو ختم کر دیا جس کے اندر کوئی اخلاقی تعلیم پنپ نہیں سکتی تھی۔ ان حکومتوں کے تختے الٹ دیئے جو حق کی دشمن اور باطل کی پشت پناہ تھیں۔ ان برائیوں کا استیصال کر دیا جو دلوں کو نیکی اور پرہیزگاری سے دور رکھتی ہیں اور ان اخلاقی قوتوں کو نشوونما دی جو ایک انسان کو حیوانیت سے نکال کر صحیح انسان بنا دیتے ہیں۔ لہٰذا جس طرح یہ کہنا غلط ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے لوگوں کو مسلمان بناتا ہے اسی طرح یہ کہنا بھی غلط ہے کہ اسلام کی اشاعت میں تلوار کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اسلام کی اشاعت میں تبلیغ

Marfat.com

اور تلوار دونوں کا حصہ ہے۔ تبلیغ کا کام تخم ریزی ہے اور تلوار کا کام قلبہ رانی۔
مختصر یہ کہ دین میں کوئی جبر و اکراہ نہیں۔ چنانچہ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم اس بارے میں فرماتے ہیں:

''اے پیغمبر! اگر تیرا پروردگار چاہتا تو جتنے آدمی روئے زمین پر ہیں سب ہی ایمان لے آتے اور دنیا میں اعتقادوں کا اختلاف باقی نہ رہتا، لیکن تو دیکھ رہا ہے کہ اللہ نے ایسا نہیں چاہا۔ اس کی مشیت یہی ہوئی کہ طرح طرح کی طبیعتیں اور طرح طرح کی استعدادیں ظہور میں آئیں اور جس طرح ان کی ظاہری صورتیں مختلف، ان کے مزاج مختلف، ان کی طبیعتیں اور جذبات مختلف ہیں جو خالق ذوالجلال کی حکمت بالغہ کی کھلی ہوئی دلیلیں ہیں، اسی طرح ان کے خیالات اور عقائد و اعمال میں بھی اختلاف باقی رہے۔ یہ رنگ برنگی رخ گیتی کی زینت اور کمال ربوبیت کی دلیل ہے۔ پس اگر لوگ نہیں مانتے اور ایمان نہیں لاتے تو کیا آپ ان پر جبر کریں گے؟ اور ایک ایسے فعل کے خواہاں ہوں گے جو مشیت الٰہی کے خلاف ہے۔ واللہ اعلم بالصواب (ترجمان القرآن: ۲/۱۲۷)

ایسا سلامتی اور امن کا دین اور اس کا امن و سلامتی والا پیغمبر ﷺ یہ کیسے حکم دے سکتا ہے کہ لوگوں کے خلاف اس لیے اعلان جنگ کرو کہ وہ مشرک اور کافر ہیں۔ یہ محمد رسول اللہ ﷺ کی دعوت کو قبول نہیں کرتے بلکہ اس کی نظر میں کچھ اور اسباب اور وجوہات ہوں گی جن کی بنیاد پر جنگ کی اجازت دی گئی ہے۔ قرآن حکیم میں فلسفۂ جہاد پر جب روشنی ڈالی گئی تو اختلاف عقائد کو نہ وجہ جہاد بنایا گیا اور نہ مقصد جہاد قرار دیا گیا بلکہ جہاد کا مقصد تحفظ قرار دیا گیا اور بتایا یہ گیا کہ اگر جہاد نہ ہوتا تو کلیسے، گرجے، خانقاہیں اور مسجدیں سبھی برباد اور منہدم ہو گئی ہوتیں جو اپنے زمانے میں ہدایت وارشاد کے مرکز رہے ہیں۔ (حج: ۴۰) اس آیت میں صرف مسلمانوں کی مسجدوں ہی کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ تین اور چیزوں کا ذکر بھی فرمایا، عیسائیوں کے گرجے، مجوسیوں کے معابد اور صابیوں کے عبادت خانے۔ یہ جامع الفاظ استعمال کرنے کے بعد پھر ''صلوٰت'' کا ایک اور وسیع لفظ استعمال کیا جس کا اطلاق عبادت الٰہی کے ہر مقام پر ہوتا ہے اور پھر ان سب کے آخر میں ''مساجد'' کا لفظ ذکر کیا۔ مقصد یہ بتانا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ عادل انسانوں کے ذریعہ سے ظالم انسانوں کو دفع نہ کرتا رہتا تو دنیا میں اتنا فساد برپا ہوتا کہ عبادت گاہیں تک بربادی سے محفوظ نہ رہتیں جن سے کسی کو ضرر کا اندیشہ نہیں ہوسکتا۔ اس آیت میں اس طرف بھی اشارہ فرما دیا کہ فساد کی سب سے مکروہ صورت یہ ہے کہ ایک قوم عداوت کی راہ سے

Marfat.com

دوسری قوم کے معبودوں اور عبادت خانوں تک کو تباہ و برباد کر دے۔ جب کوئی قوم یا گروہ ایسا فساد برپا کرتا ہے تو پھر ہم کسی دوسرے گروہ کے ذریعے اس کی اس شرارت کا استیصال کر دینا ضروری سمجھتے ہیں۔

اسلام میں جہاد کا وہ تصور نہیں ہے جو غیر مسلم حضرات بیان کرتے ہیں اور جو اہل مغرب نے مشہور کر رکھا ہے یعنی قتل وخون ریزی۔ بلکہ اس کا مقصد فساد وخون ریزی کا خاتمہ ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کو جب جہاد کا حکم دیا گیا تو فساد و بدامنی، طمع و ہوس، بغض و عداوت اور تعصب و تنگ نظری کے خلاف جنگ کرنا ہے۔ چنانچہ اسی مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کو تلوار اٹھانے کا حکم دیا ہے۔

﴿اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا، وان اللہ علیٰ نصرھم لقدیر، الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ﴾ (حج:۳۹۔۴۰)

''یعنی جن لوگوں سے جنگ کی جا رہی ہے انہیں لڑنے کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ ان پر ظلم ہوا ہے اور اللہ ان کی مدد پر یقیناً قدرت رکھتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے بے قصور نکالے گئے۔ ان کا قصور صرف یہ تھا کہ وہ یہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے۔''

یہ قرآن حکیم کی پہلی آیت ہے جو قتال کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس میں جن لوگوں کے خلاف جنگ کا حکم دیا گیا ہے ان کا قصور یہ نہیں بتایا کہ ان کے پاس ایک زرخیز ملک ہے یا وہ تجارت کی ایک بڑی منڈی کے مالک ہیں یا وہ اسلام کے علاوہ کسی دوسرے مذہب کو ماننے والے ہیں بلکہ ان کا جرم صرف یہ بتایا گیا کہ وہ ظلم کرتے ہیں، لوگوں کو بے قصور ان کے گھروں سے نکالتے ہیں اور اس قدر تعصب اپنے دلوں میں رکھتے ہیں کہ محض اللہ کو رب کہنے پر تکالیف اور مصائب کے پہاڑ ڈھاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے خلاف صرف اپنی مدافعت ہی میں جنگ کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ دوسرے مظلوموں کی اعانت وحمایت کا بھی حکم دیا گیا ہے، اور تاکید کی گئی ہے کہ کمزور، بے سہارا اور بے بس لوگوں کو ظالموں کے دست تطاول سے چھڑاؤ۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ایک اور مقام پر فرمایا:

''تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں ان کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے جو کہتے ہیں کہ اے اللہ! ہمیں اس بستی سے نکال

Marfat.com

جہاں کے لوگ بڑے ظالم اور جفا کار ہیں اور ہمارے لیے خاص اپنی طرف سے ایک محافظ اور مددگار مقرر فرما۔" (النساء: ۷۵)

اس آیت میں ایسی جنگ کو جو ظالموں اور مفسدوں کے مقابلہ میں اپنی مدافعت اور کمزوروں، بے بسوں اور مظلوموں کی اعانت کے لیے کی جائے، اللہ تعالیٰ نے خاص راہ خدا کی جنگ قرار دیا ہے اور اس کے بارے میں بتایا ہے کہ یہ جنگ بندوں کے لیے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی مضمر ہے، اور اس جنگ کو اس وقت تک جاری رکھنے کا حکم دیا گیا ہے جب تک اللہ تعالیٰ کے ان بے گناہ بندوں پر ظلم وستم کا سلسلہ بند نہ ہو جائے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿قاتلوهم حتى لا تكون فتنة﴾

"ان سے لڑے جاؤ یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے۔"

ایک اور مقام پر فرمایا کہ

"یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے اور فساد کا نام ونشان مٹ جائے اور جنگ کی ضرورت باقی نہ رہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بے شک جنگیں لڑیں اور جنگ کرنے کے لیے لشکر بھی بھیجے لیکن آپ نے جنگ اس طرح نہیں لڑی جس طرح دنیا کے مختلف حکمرانوں نے لڑی۔ دنیا میں دلیری اور شجاعت اور جنگ جوئی کے عظیم الشان کارناموں کی کوئی کمی نہیں۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں کرۂ ارض کے مختلف حصوں میں ایسی زلزلہ بردوش ہستیاں اٹھتی رہی ہیں جنہوں نے اپنی تلواروں کی نوکوں سے دنیا کے طبقات اور ملکوں کو الٹ کر رکھ دیا، لیکن کیا کبھی ان کی فتح ونصرت کی بازگشت روحِ انسانی کے نہاں خانوں میں بھی سنائی گئی؟ کیا ان کی تلواریں اوہام اور خیالاتِ باطلہ وفاسدہ کی بیڑیاں کاٹ کر تہذیب ومعاشرت کا کوئی نیا خاکہ بھی پیش کر سکی ہیں؟ اور کیا کبھی کسی اسکندر یا چنگیز خان یا نپولین بونا پارٹ کی قوتِ بازو کے صدقہ میں انسانیت کو اس کے قلب وروح کی سیاہی، ناپاکی اور زنگ آلودگی سے نجات مل سکی؟ نبی اگر سر پر خود پہن کر اور تلوار ہاتھ میں لے کر میدان جنگ میں آتا بھی ہے تو اس کی حیثیت ایک ماہر جراح کی ہوتی ہے جو ہاتھ میں نشتر لے کر اپریشن روم میں جاتا ہے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی 23 سالہ زندگی میں 81 غزوات وسرایا پیش آئے۔ ان میں صرف 27 میں آپ شریک ہوئے اور باقاعدہ جنگ صرف چند ہی غزوات میں پیش

Marfat.com

آئی۔ ان تمام لڑائیوں میں مسلمان صرف 259 شہید ہوئے اور غیر مسلم 759 قتل ہوئے۔ گویا کل 1018 آدمی قتل ہوئے۔ اتنے آدمیوں کے قتل سے آپ نے تاریخ کا وہ انقلاب عظیم برپا کیا جس نے تاریخ انسانی کے دھارے کو موڑ دیا

قاضی سلیمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے مطابق بھی آپ کے کل غزوات اور سرایا کی تعداد 82 ہے۔ ان میں مقتول تو اتنے ہی ہوئے لیکن مسلمان صرف ایک اسیر ہوا جب کہ مخالفین کے 6564 افراد قیدی بنائے گئے۔

سنہ 2ھ میں مسلمانوں کو جہاد کا حکم دیا گیا۔ یہ حکم کس وجہ سے دیا گیا؟ اس کے کیا اسباب تھے؟ مؤرخین اور اصحاب سیر نے ان کو یوں بیان کیا ہے:

مکہ مکرمہ میں مسلمان کفار کے ہاتھوں گوناگوں مصائب میں مبتلا تھے جن کا ذکر گذشتہ صفحات میں کیا گیا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ اب ہم ہجرت کر کے اس سرزمین سے نکل آئے ہیں اس وجہ سے اب ہماری وہ تمام تکالیف دور ہو جائیں گی لیکن ایسا نہ ہوا، بلکہ مدینہ منورہ میں وہ مصائب متعدد ہو گئے۔ مکہ کے مصائب گو سخت تھے لیکن منفرد و تنہا تھے، مگر مدینہ منورہ میں آ کر وہ اجتماعی ہو گئے کیونکہ مدینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیام گاہ ہونے کی وجہ سے قریش کے غیظ وغضب کا نشانہ بن گیا۔ چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے ساتھی ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آ گئے تو مشرکین مکہ نے عبداللہ بن ابی کو جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ میں تشریف آوری سے قبل رئیس الانصار شمار کیا جاتا تھا اور اوس اور خزرج کے دونوں قبیلے اسے اپنا بادشاہ بنانا چاہتے تھے، ایک دھمکی آمیز خط لکھا جس میں دوٹوک لفظوں میں یہ لکھا:

''آپ لوگوں نے ہمارے صاحب کو پناہ دے رکھی ہے، اس لیے ہم اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ یا تو تم لوگ ان کو قتل کر ڈالو یا مدینہ سے نکال دو، یا پھر ہم لوگ بھاری جمعیت کے ساتھ آپ لوگوں پر یورش کر دیں گے اور تمہارے مردوں کو قتل کر کے تمہاری عورتوں کی حرمت کو پامال کر ڈالیں گے۔'' (سنن ابی داؤد: ۲/۶۷)

عبداللہ بن ابی کے دل میں پہلے ہی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کے بارہ میں کینہ و بغض بھرا ہوا تھا کیونکہ اس کے کوزۂ ذہن میں یہ بات بیٹھی ہوئی تھی کہ آپ ہی کی وجہ سے اس کی بادشاہت چھینی گئی ہے۔ چنانچہ اس خط کے موصول ہوتے ہی عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں نے مسلمانوں سے قتال یا ان کو مدینہ منورہ سے باہر نکالنے کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اس بات کا پتہ چلا تو آپ خود عبداللہ بن ابی کے

Marfat.com

پاس تشریف لے گئے اور اس کو معاملہ کے نشیب وفراز سے آگاہ کیا اور بتایا کہ کیا تم خود اپنے بیٹے اور بھائیوں سے برسر پیکار ہونا چاہتے ہو؟ یہ بات ان کی سمجھ میں آ گئی اور وہ منتشر ہو گئے۔

اس وقت تو عبداللہ بن ابی اپنے ارادہ سے باز آ گیا کیونکہ اس کے ساتھی اس کا ساتھ دینے سے ڈھیلے پڑ گئے تھے لیکن آپ ﷺ کے خلاف اس کے دل میں کینہ اور حسد و بغض کا لاوا پکتا رہا۔ اس نے قریش مکہ سے اپنے روابط قائم رکھے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع بھی اس نے اپنے ہاتھ سے نہ جانے دیا اور آپ کی موقع بموقع مدینہ منورہ میں تحقیر بھی کرتا رہا۔ (مسلم: ۹۳/۲)

اسی زمانہ میں ایک اور واقعہ رونما ہو گیا کہ قبیلہ اوس کے رئیس سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ عمرہ کے لیے مکہ مکرمہ گئے۔ امیہ بن خلف سے ان کا پرانا یارانہ تھا، اس لیے اس کے مہمان ہوئے۔ ایک روز امیہ بن خلف انہیں دوپہر کے وقت ساتھ لے کر کعبہ کے طواف کے لیے گیا کہ راستہ میں ابوجہل سے مڈھ بھیڑ ہو گئی۔ ابوجہل نے سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے کہا: ''تم تو بڑے اطمینان وسکون سے طواف کر رہے ہو جب کہ تم لوگوں نے صابیوں (یعنی مسلمانوں) کو اپنے ہاں پناہ دے رکھی ہے۔ خدا کی قسم! اگر تم ابوصفوان (امیہ بن خلف) کے ساتھ نہ ہوتے تو تم بچ کر واپس نہیں جا سکتے تھے۔'' سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو بھی ابوجہل کی بات سے غصہ آ گیا۔ وہ بھی بلند آواز سے بولے: ''اگر تم لوگوں نے ہمیں حج سے روکا تو ہم تم لوگوں کو ایسی چیز سے روک دیں گے جو تم پر اس سے بھی زیادہ گراں ہو گی۔'' (یعنی شام کی تجارت کا راستہ) (بخاری: ۵۶۳/۲)

قریش کو جب مسلمانوں کے خلاف اپنی دال گلتی نظر نہ آئی تو انہوں نے جزیرہ نما عرب کے تمام قبائل میں آپ کے خلاف پراپیگنڈہ کر کے ان کو آپ کا مخالف بنا دیا۔ چنانچہ ہجرت کے چھٹے سال تک یمن وغیرہ کے لوگ آپ کے پاس نہیں پہنچ سکتے تھے۔

قریش نے اپنی مخالفت میں اور تیزی پیدا کرنے کے لیے عبداللہ بن ابی کو جس کے قریش مکہ کے ساتھ بڑے گہرے روابط تھے، ایک خط لکھا کہ ہم اس کی تیاریاں کر رہے ہیں کہ مدینہ پر یورش کر کے اسلام اور اہل اسلام کا استیصال کر دیں۔ چنانچہ حالات اس قدر مخدوش ہو گئے تھے کہ رسول اللہ ﷺ راتوں کو جاگا کرتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صبح تک ہتھیار باندھ کر سوتے تھے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مدینہ آنے کے بعد ایک رات رسول اللہ ﷺ جاگ رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کاش آج رات میرے ساتھیوں میں

Marfat.com

سے کوئی صالح آدمی میرے پاس پہرہ دیتا۔'' آپ ﷺ کا یہ کہنا تھا کہ ہمیں اسلحہ کی جھنکار سنائی دی۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''کون ہے؟'' جواب آیا: ''سعد بن ابی وقاص۔'' فرمایا: کیسے آئے؟'' جواب دیا: ''یا رسول اللہ! میرے دل میں آپ کے بارے میں کچھ خطرہ کا اندیشہ تھا، لہٰذا پہرہ دینے کے لیے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ آپ نے بہت دعائیں دیں۔ تب آپ نے آرام فرمایا۔ (بخاری: ۱/۴۰۴، مسلم: ۲/۲۸۰)

اسی طرح ایک اور خطرہ کے موقع پر سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ رات بھر آپ کی چوکیداری کرتے رہے۔ آپ ﷺ نے ان کے حق میں ان الفاظ میں دعا کی: ''ابو ایوب! اللہ تعالیٰ تمہاری اس طرح حفاظت کرے جس طرح تم نے اس کے نبی کی نگرانی اور چوکیداری کی ہے۔

امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ سرور کائنات ﷺ کی دعا کا اثر ہے کہ نصاریٰ ان کی قبر کی ہر طرح سے حفاظت کر رہے ہیں۔ (روض الانف: ۲/۲۴۶)

امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ کی اس تحریر کے وقت قسطنطنیہ پر نصاریٰ کا قبضہ تھا۔ بعد میں 857ھ مطابق 1453ء میں سلطان محمد فاتح نے اس شہر کو اسلامی عمل داری میں داخل کیا اور آج تک مسلمانوں کے قبضہ میں ہے۔ یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ سلطان محمد فاتح بوسینا کے رہنے والے تھے۔

ان پُرخطر حالات میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جنگ کرنے کی اجازت دی اور ان کی بے بسی کو ان الفاظ میں بیان کیا:

﴿الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ﴾ (حج: ۴۰)

''یہ وہ مظلوم ہیں جو بغیر کسی حق کے اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے۔ ان کا کوئی جرم نہ تھا، اگر تھا تو صرف یہ کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے۔''

پھر اسی سورت میں فرمایا:

''جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی اور جو اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکتے ہیں، نیز مسجد حرام سے (لوگوں کو روکتے ہیں) جسے ہم نے بلا امتیاز تمام انسانوں کے لیے (عبادت گاہ) ٹھہرایا ہے، خواہ وہاں کے رہنے والے ہوں یا باہر سے آنے والے ہوں تو انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ ہم نے انہیں اور ہر اس شخص کو جو اس میں از راہ ظلم حق سے منحرف ہونا چاہے گا،

Marfat.com

دردناک عذاب کا مزہ چکھا دیں گے۔''

اس دردناک عذاب کا مزہ چکھانے کے لیے اور وہ بھی مظلوموں کے ہاتھوں سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جنگ کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا:

''جن لوگوں کے خلاف ظالموں نے جنگ کر رکھی ہے اب انہیں بھی (اس کے جواب میں) جنگ کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ ان پر سراسر ظلم کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرنے کی پوری قدرت رکھتا ہے۔''

امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جہاد کی یہ اجازت 12 صفر سنہ 2ھ میں دے دی گئی۔ (زرقانی: ۱/۴۴۰)

Marfat.com

غزوات وسرایا

غزوات غزوہ کی جمع ہے۔ اصحاب سیر کی اصطلاح میں غزوہ اس مہم کو کہتے ہیں جس میں رسول اللہ ﷺ نے خود شرکت فرمائی ہو۔ اور سرایا سریہ کی جمع ہے اور یہ اس مہم کو کہتے ہیں جس میں آپ خود شریک نہ ہوئے ہوں۔ (زرقانی: ۱/ ۳۸۷، خاتم النبیین: ۲/ ۵۷۷)

بارگاہ ایزدی سے جنگ کی اجازت ملنے کے بعد سرکار دو عالم ﷺ نے اپنی فوجی مہمات کا آغاز فرما دیا۔ آپ نے فوجی دستوں کو ترتیب دیا اور انہیں مدینہ طیبہ کے راستوں پر کڑی نظر رکھنے کی ہدایات فرمائیں اور قریش کے اموال کا خصوصی طور پر پتہ لگانے کے لیے کہا کیونکہ وہ اسلام کے سب سے بڑے دشمن تھے اور ان سے ہر وقت مدینہ کے مسلمانوں کو خطرہ تھا۔

دوسرا مقصد ان فوجی دستوں کے بھیجنے کا یہ تھا کہ مدینہ منورہ کے گرد و نواح میں جو قبائل آباد ہیں ان سے معاہدات کیے جائیں۔ ان سے یہ فائدہ بھی تھا کہ آس پاس کے قبائل کو مسلمانوں کی عسکری طاقت کا احساس دلایا جائے اور انہیں یہ بتایا جائے کہ قریش کے مقابلہ میں مسلمان بھی اب کمزور نہیں ہیں۔

سریہ حمزہ رضی اللہ عنہ:

ہجرت کے سات ماہ بعد رمضان المبارک سنہ 1ھ یا ربیع الاول سنہ 2ھ (علیٰ اختلاف الاقوال) سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت 30 مہاجرین کو سیف البحر (ساحل سمندر) کی طرف روانہ کیا تا کہ قریش کا تجارتی قافلہ جو شام کی طرف سے آ رہا تھا، اس کا پتہ لگایا جا سکے۔ اس قافلہ میں تین سو آدمی تھے جن میں ابو جہل بھی تھا۔ ہجرت کے بعد یہ سب سے پہلا سریہ ہے۔ اس لشکر میں سب مہاجرین تھے انصار کا کوئی فرد اس میں نہیں تھا۔ مسلمان جب ساحل سمندر کے پاس پہنچے تو انہیں قافلہ آتا دکھائی دیا۔ چنانچہ جب دونوں جماعتوں کا سامنا ہوا تو اگرچہ قریش کے قافلہ کے افراد کی تعداد زیادہ تھی لیکن مسلمان پھر بھی ان

Marfat.com

کے مقابلہ کے لیے صف آرا ہو گئے۔ قبیلہ جہینہ کے سردار مجدی بن عمرو جہنی نے جو فریقین کا حلیف تھا، اپنی کوششوں سے جنگ نہ ہونے دی اور ابوجہل قافلہ لے کر مکہ چلا گیا اور سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ واپس آ گئے۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا یہ جھنڈا سب سے پہلا جھنڈا تھا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے باندھا تھا۔ اور اس کا رنگ سفید تھا اور اس کے علم بردار سیدنا ابومرثد کنانہ بن حصین غنوی رضی اللہ عنہ تھے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو زرقانی: ۱/۳۹۰، سیرۃ ابن ہشام: ۲/۵۹۰، البدایہ والنہایہ: ۲/۲۴۴، طبقات ابن سعد: ۲/۳، عیون الاثر: ۱/۲۲۴، تاریخ الخمیس: ۱/۳۵۶۔۳۵۷)

غزوہ ابواء:

اسلام کی تاریخ میں یہ سب سے پہلا غزوہ ہے جس میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساٹھ مہاجرین کے ہمراہ تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔ اس مہم کا مقصد بھی قریش کے قافلہ کو راہ میں روکنا تھا تاکہ اس کی اقتصادی قوت پامال ہو اور وہ مسلمانوں پر حملہ کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ اس دستہ بھی میں کوئی انصاری نہ تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ اس غزوہ کا مقصد قریش اور بنوضمرہ پر حملہ کرنا تھا۔ آپ ابواء کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ ودان تک پہنچے لیکن جب آپ ابواء پہنچے تو قریش کا قافلہ نکل چکا تھا۔ بنی ضمرہ کے سردار مخشی بن عمرو سے آپ نے ایک حلیفانہ معاہدہ کیا جس کی عبارت حسب ذیل تھی:

''یہ بنوضمرہ کے لیے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تحریر ہے۔ یہ لوگ اپنے مال اور جان کے بارے میں بالکل مامون رہیں گے اور جو ان پر حملہ کرے گا اس کے خلاف ان کی مدد کی جائے گی مگر یہ کہ یہ خود اللہ کے دین کے خلاف جنگ کریں، یہ معاہدہ اس وقت تک کے لیے ہے جب تک سمندر ان کو تر کرے (یعنی ہمیشہ کے لیے ہے) اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو اپنی مدد کے لیے بلائیں گے تو ان کو آنا ہوگا۔''

اس غزوہ کو ''غزوہ ودان'' بھی کہتے ہیں جو ابواء کے قریب چھ میل کے فاصلہ پر ایک مقام ہے اور مدینہ طیبہ سے 29 میل ہے۔ اس سفر میں بھی قتال کی نوبت نہیں آئی۔ اس مہم کے پرچم کا رنگ بھی سفید تھا۔ سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اس کے علم بردار تھے۔

(عیون الاثر: ۱/۳۵۴، ابن ہشام: ۲/۵۹۰، زرقانی: ۲/۵۷، طبقات ابن سعد: ۲/۳، البدایہ والنہایہ: ۳/۲۴۱، زادالمعاد: ۲/۲۱۲)

Marfat.com

غزوہ بواط:

بواط جہینہکے سلسلہ کا ایک پہاڑ ہے۔ یہ مکہ سے شام جانے والی شاہراہ کے متصل اور مدینہ منورہ سے قریباً 48 میل کے فاصلے پر ہے۔ اس مہم میں بھی سرکار دو عالم ﷺ بنفس نفیس شامل ہوئے اور ربیع الاول سنہ 2ھ یا ربیع الآخرہ میں دو سو مہاجرین کے ساتھ قریش کے ایک قافلہ پر حملہ کرنے کے لیے بواط کی طرف روانہ ہوئے۔ قریش کے اس قافلہ میں ایک سو آدمی اور اڑھائی سو اونٹ تھے۔ امیہ بن خلف بھی اس قافلہ میں موجود تھا۔ بواط پہنچ کر پتہ چلا کہ قافلہ یہاں سے جا چکا ہے، اس لیے کوئی معاملہ پیش نہ آیا، لہٰذا آپ جنگ کیے بغیر واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔

اپنی غیر موجودگی میں آپ نے سیدنا سائب بن مظعون رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ کا امیر مقرر فرمایا۔ بعض روایات میں سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے۔ اس غزوہ کا پرچم بھی سفید تھا اور علم بردار سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے۔

(عیون الاثر: ۱/ ۳۵۷، سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۵۹۸، طبقات ابن سعد: ۲/ ۷، البدایہ والنہایہ: ۳/ ۲۴۶)

غزوہ ذوالعُشیرہ:

یہ غزوہ جمادی الاولیٰ سنہ 2ھ میں پیش آیا۔ اس میں بھی آپ ﷺ نے بذات خود شرکت فرمائی اور آپ کے ساتھ ڈیڑھ سو یا دو سو مہاجرین تھے لیکن آپ نے کسی کو مجبور نہیں فرمایا۔ آپ کو پتہ چلا کہ قریش کا ایک قافلہ بہت سا سامان تجارت لے کر شام جا رہا ہے۔ آپ اس کے تعاقب میں ڈیڑھ سو مہاجرین کا دستہ لے کر نکلے۔ ذوالعشیرہ ینبوع کے اطراف میں ایک مقام کا نام ہے۔ اس کو عسیر اور عشیرہ (عین کے پیش کے ساتھ) دونوں سے بولتے ہیں۔ بعض حضرات نے اس کو ''ذات العشیرہ'' پڑھا ہے۔ (عین کے پیش اور شین کی زیر کے ساتھ)

(نووی: ۱۲/ ۱۶۵)

آپ ﷺ کو پتہ چلا کہ قافلہ مکہ سے نکل چکا ہے۔ آپ کے پاس صرف تیس اونٹ تھے جن پر مسلمان باری باری سوار ہوتے تھے۔ آپ ﷺ جب عشیرہ پہنچے تو پتہ چلا کہ قافلہ کئی روز پہلے ہی جا چکا تھا۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ یہ وہی قافلہ ہے جسے شام سے واپسی پر نبی اکرم ﷺ

Marfat.com

نے پکڑنا چاہا تھا۔ قافلہ تو اس دفعہ بھی بچ نکلا لیکن اس کے نتیجہ میں جنگ بدر کا واقعہ پیش آ گیا۔
آپ نے جمادی الاولیٰ اور جمادی الآخرہ کے کچھ روز وہیں قیام فرمایا اور بنو مدلج اور بنو ضمرہ سے عدم جنگ کا معاہدہ کر کے واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ مدینہ سے اپنی غیر حاضری کے ایام میں سیدنا ابو سلمہ بن عبد الاسد مخزومی رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔ اس دفعہ بھی اسلامی دستہ کا پرچم سفید رنگ کا تھا اور علم بردار سیدنا حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ تھے۔

(روض الانف: ۲/ ۵۸، عیون الاثر: ۱/ ۳۵۷)

غزوات میں سب سے پہلے غزوہ کون سا پیش آیا، اس بارے میں مختلف روایات ہیں کچھ حضرات کا خیال ہے کہ سب سے پہلے غزوہ الابواء، پھر بواط اور پھر عشیرہ پیش آیا۔ بخاری میں بھی یہی ترتیب ہے اور حافظ ابن سید الناس نے بھی عیون الاثر میں اسی کو اختیار کیا ہے۔

غزوہ عشیرہ سے واپسی پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دس روز مدینہ منورہ میں قیام فرمایا تھا کہ ایک روز کرز بن جابر فہری نے مدینہ کی چراگاہ پر شب خون مارا اور لوگوں کے اونٹ اور بکریاں جو وہاں چر رہی تھیں، ان کو ہانک کر لے گیا۔ آپ اس خبر کو سنتے ہی اس کے تعاقب میں سفوان تک گئے جو بدر کے قریب ایک مقام ہے لیکن کرز بن جابر وہاں سے نکل چکا تھا۔ لہٰذا آپ واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔

اس غزوہ کو غزوہ بدر اولیٰ کا نام دیا گیا ہے اور اسے غزوہ سفوان بھی کہتے ہیں۔ اس غزوہ میں جاتے وقت مدینہ منورہ میں اپنی غیر حاضری کے ایام میں آپ نے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔

(سیرت ابن ہشام: ۲/ ۲۵۱، عیون الاثر لابن سید الناس: ۱/ ۲۲۷)

سریہ نخلہ:

رجب سنہ 2ھ میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارہ مجاہدین کا ایک دستہ اپنے پھوپھی زاد بھائی سیدنا عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت مقام نخلہ کی طرف روانہ کیا۔ نخلہ مکہ اور طائف کے درمیان ایک مقام ہے۔ یہ مکہ سے ایک رات کی مسافت پر واقع ہے۔ یہ وہی مقام ہے جہاں طائف سے واپسی پر جنات نے آپ کا قرآن سنا تھا۔ (زرقانی: ۱/ ۳۹۷)

یہ دستہ بارہ مہاجرین پر مشتمل تھا۔ سیدنا عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ بھی ان میں سے ایک تھے۔ باقی گیارہ کے نام حسب ذیل ہیں:

Marfat.com

① سیدنا ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ بن عتبہ بن ربیعہ
② سیدنا عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ
③ سیدنا عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ
④ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ
⑤ سیدنا عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ
⑥ سیدنا واقد بن عبداللہ رضی اللہ عنہ
⑦ سیدنا خالد بن بکیر رضی اللہ عنہ
⑧ سیدنا سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہ
⑨ سیدنا عامر بن ایاس رضی اللہ عنہ
⑩ سیدنا مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ
⑪ سیدنا صفوان بن بیضاء رضی اللہ عنہ

زرقانی میں سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں ایک سریہ میں بھیجنے کا ارادہ فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ میں تم پر ایک ایسے شخص کو امیر بناؤں گا جو تم میں سب سے زیادہ بھوک اور پیاس کو برداشت کرنے والا ہوگا، لہٰذا بعد ازاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ بن جحش کو امیر بنایا اور اسلام میں وہ پہلے امیر تھے۔ (زرقانی: ۱/ ۳۹۷)

روایات میں ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا عبداللہ بن جحش الاسدی رضی اللہ عنہ کو نماز عشا کے وقت ارشاد فرمایا کہ صبح کی نماز پڑھنے کے لیے مسلح ہو کر آنا اور نماز پڑھ کر مجھے ملنا میں نے تمہیں کہیں بھیجنا ہے۔ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں آپ کے فرمان کے مطابق مسلح ہو کر آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھانے کے بعد مجھے اپنے حجرہ میں لے گئے۔ وہاں قبیلہ قریش کے چند حضرات بھی موجود تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو یاد فرمایا۔ وہ حاضر خدمت ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ایک خط لکھنے کے لیے فرمایا۔ پھر مجھے اندر بلا کر وہ خط مجھے عطا فرمایا۔ فرمایا کہ میں نے ان لوگوں پر تمہیں امیر مقرر فرمایا ہے، تم انہیں ساتھ لے کر سفر پر روانہ ہو جاؤ۔ جب دو راتیں سفر کر چکو تو پھر اس خط کو کھول کر پڑھنا اور جو کچھ اس میں لکھا ہے اس کے مطابق عمل کرنا۔ پھر میں نے عرض کی: ''یا رسول اللہ! مجھے کس جانب سفر کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے؟'' فرمایا: ''نجد کی طرف منہ کر کے چل پڑو۔ اس سفر میں دو آدمی ایک اونٹ پر باری باری سوار ہوتے تھے۔ دو رات سفر کرنے کے بعد انہوں نے حسب فرمان نبوی اس خط کو کھولا۔ اس میں لکھا تھا:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ تعالیٰ کی برکت آپ کو نصیب ہو۔ آپ اور آپ کے جو ساتھی آپ کے ساتھ چلیں ان کو ساتھ لے کر روانہ ہوں یہاں تک کہ آپ لوگ بطن نخلہ پہنچ کر قیام کریں۔ وہاں قریش کے ایک قافلہ کو جو غلہ لے جا رہا ہوگا، اس کی تاک رکھیں۔ امید ہے کہ اس کی کوئی خبر لے کر آپ ہمارے پاس آئیں گے۔''

Marfat.com

مدینہ سے چلتے وقت رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ یہ تحریر کھول کر اپنے ساتھیوں کو بھی سنانا اور جو ساتھی آگے نہ جانا چاہے اس پر جبر نہ کرنا۔ چنانچہ جونہی سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی وہ تحریر پڑھی تو کہا: ''جو کچھ حکم ہے اس کی پوری پوری تعمیل ہوگی۔'' پھر انہوں نے وہ تحریر اپنے ساتھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سنائی اور فرمایا کہ جو شخص شہادت کا طلب گار ہے وہ میرے ساتھ چلے، میں کسی پر اس بارہ میں جبر نہ کروں گا۔ لیکن ان گیارہ حضرات میں سے کوئی ایک بھی واپس جانے کے لیے تیار نہ ہوا۔ اب سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کو لے کر آگے بڑھے لیکن جب حجاز کے بالائی علاقے میں فرع کے اوپر ایک میدان کے قریب اس جگہ پہنچے جس کو ''نجران'' کہا جاتا تھا، وہاں اتفاق سے ایک اونٹ گم ہو گیا۔ یہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور سیدنا عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ کا اونٹ تھا۔ یہ دونوں حضرات اونٹ کی تلاش میں پیچھے رہ گئے۔ باقی دس حضرات نے سفر جاری رکھا اور 'بطن نخلہ'' پہنچ گئے اور حسب ہدایت یہاں کام کر کے قریش کے قافلہ کا انتظار کرنے لگے۔ ان حضرات کو زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا۔ قریش کا ایک قافلہ جو کشمش، کچی کھالیں اور دیگر سامان تجارت لیے ہوئے تھے، سامنے آ گیا۔ عمرو بن حضرمی، حکیم بن کیسان، عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ مخزومی اور نوفل بن عبداللہ مخزومی اس قافلہ کے ممتاز شرکاء میں سے تھے۔

سرکار دو عالم ﷺ نے جو سربمہر تحریر عنایت فرمائی تھی اس میں صرف خبر لانے اور حالات معلوم کرنے کی ہدایت تھی۔ حملہ کے بارے میں کوئی ہدایت نہ تھی، لیکن جس اہتمام سے اس دستہ کو بھیجا گیا اور جس اہمیت اور رازداری کے ساتھ دستہ کے امیر سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو یہ تحریر دی گئی تھی، اس سے بہت کچھ سمجھا جا سکتا ہے۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی تیر اندازی مشہور تھی اور سریہ عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ میں انہوں نے ایک تیر چلایا تھا جو اسلام میں سب سے پہلا تیر تھا جو چلایا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے اس تیر چلانے پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا اگرچہ ابھی تک حکم قتال نازل ہوا تھا لیکن اب اذن قتال کی آیت نازل ہو چکی تھی۔ دستہ کے امیر سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ان سب باتوں سے یہی سمجھا کہ موقع ملے تو ان کو ''اقدام'' کی اجازت ہے۔ باہمی مشورہ بھی ہوا کہ کیا کیا جائے کیونکہ آج حرام مہینے رجب کا آخری دن ہے۔ اگر ہم لڑائی کرتے ہیں تو حرمت والے مہینے کی بے حرمتی ہوتی ہے اور اگر رات بھر رک جاتے ہیں تو یہ لوگ حدود حرم میں داخل ہو جائیں گے۔

ایک روایت میں ہے کہ قریش کے قافلہ والوں نے جب ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو

Marfat.com

دیکھا تو وہ سہم گئے۔ سیدنا عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ نے یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ وہ عمرہ ادا کرنے کے لیے جا رہے ہیں لڑائی سے ہمیں کوئی سروکار نہیں، اپنا سر منڈوا دیا۔ انہیں اس حالت میں دیکھ کر مشرکین کو قدرے تسلی ہو گئی۔ انہوں نے اپنی سواری کے جانوروں کو رسیوں سے باندھ کر چرنے کے لیے چھوڑ دیا۔ اب مسلمان سوچنے لگے کہ انہیں کیا کرنا چاہیے۔ یہ ماہ رجب کا آخری روز ہے۔ آج اگر ہم کچھ نہیں کہتے تو کل یہ حدود حرم میں داخل ہو جائیں گے اور پھر ہم انہیں کچھ نہیں کہہ سکیں گے۔ اگر آج ہم ان پر حملہ کرتے ہیں تو آج ان پر حملہ کرنا حرمت والے مہینے کی وجہ سے ممنوع ہے۔ کثرت رائے سے یہ فیصلہ ہوا کہ انہیں یوں ہی نہیں جانے دینا چاہیے۔ چنانچہ مسلمانوں کے دستہ کے ایک مجاہد واقد بن عبداللہ نے تاک کر تیر مارا۔ وہ تیر عمرو بن حضرمی کو لگا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ اس ایک آدمی کے مرنے سے پورے قافلہ کے پاؤں اکھڑ گئے۔ مجاہدین فوراً آگے بڑھے اور انہوں نے مشرکین کو گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ عثمان بن عبداللہ اور حکیم بن کیسان گرفتار ہوئے اور باقی تمام لوگ بھاگ گئے۔ یہ دستہ قریش کے قافلے کا تمام سامان اور ان دونوں قیدیوں کو لے کر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوا۔ اسلام کی پندرہ سالہ تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمانوں کے ہاتھ سے ایک غیر مسلم کا قتل ہوا، بلکہ یہ بھی پہلا موقع تھا کہ اس طرح گرفتار شدہ قیدی اور ضبط سامان بارگاہِ نبوت میں آیا۔ یہ سب کچھ سن دیکھ کر لسان نبوت سے نکلا:

ما امرتکم بقتال.

''میں نے تو تمہیں لڑنے کے لیے نہیں کہا تھا۔''

عمرو بن حضرمی کے قتل کے کیا نتائج ہوں گے یہ مسئلہ ابھی غور طلب تھا لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے فی الحال سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ اس ضبط شدہ مال کا کیا کیا جائے اور قیدیوں کے بارے میں کیا حکم دیا جائے؟ اسی روایات کا ایک جزو یہ بھی ہے کہ سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے جب یہ ضبط کردہ مال بارگاہِ رسالت میں پیش کیا تو آپ نے اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں فرمایا حتیٰ کہ کچھ عرصہ بعد جب جنگ بدر کی غنیمت کے متعلق احکام نازل ہوئے تب آپ نے اس مال کو بھی انہی احکام کے مطابق تقسیم کیا۔

فدیہ ادا کر کے قیدیوں کو چھڑانے کا طریقہ عرب میں بہت پہلے سے رائج تھا۔ اسی رواج کے مطابق قریش مکہ نے فدیہ دے کر اپنے قیدیوں کو رہا کرانا چاہا لیکن چونکہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور سیدنا عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ جو اونٹ کی تلاش میں پیچھے رہ گئے تھے، ابھی

Marfat.com

تک واپس نہیں آئے تھے اور اس بات کا شدید خطرہ تھا کہ شاید قریش نے گرفتار نہ کر لیے ہوں، اس لیے سرکار دو عالم ﷺ نے ان کی واپسی سے پہلے ان قیدیوں کی رہائی کے بارے میں گفتگو مناسب نہ سمجھی۔ جب یہ دونوں حضرات بخیریت واپس آ گئے تب سرور کائنات ﷺ نے ان دونوں کو رہا فرما دیا۔ تین اوقیہ یعنی چار سو اسی درہم ہر ایک اسیر کا فدیہ لیا۔ عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ تو رہا ہو کر چلا گیا اور حالت کفر ہی میں مر گیا حکیم بن کیسان تو کچھ ایسے گرفتار ہوئے کہ رہائی پسند ہی نہ کی۔ پہلے سیاسی اسیر تھے پھر کاکل رسالت کے خود ساختہ اسیر ہو کر مدینہ طیبہ ہی میں سکونت اختیار کر لی گویا کہ

نالہ از بہر رہائی نہ کند مرغ اسیر
خورد افسوس زمانے کہ گرفتار نہ بود

دولت ایمان سے مشرف ہوئے اور زمرۂ صحابہ میں داخل ہو کر تبلیغ و تعلیم کے لیے باہر بھیجے جانے لگے، اور ایک روز بیئر معونہ کے واقعہ میں جام شہادت نوش فرمایا۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

ادھر اس حادثہ سے مشرکین کو اس پراپیگنڈہ کا موقع مل گیا کہ مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ مہینے کو حلال کر دیا ہے۔ بڑی چہ میگوئیاں ہوئیں، لیکن مسلمانوں کے دستہ نے یہ سب کچھ کوئی جان بوجھ کر نہیں کیا تھا۔ اتفاق سے ایسا ہو گیا کیونکہ یہ رجب کا آخری دن تھا۔ ان حضرات نے امن پسندانہ دستور کی خلاف ورزی نہیں کی تھی۔ خود امیر دستہ سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے دربار رسالت پناہ میں یہ عرض کیا تھا۔ (تفسیر معالم التنزیل: ۹۳/۲) سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے بیان کے مطابق انہوں نے ماہ رجب کا پورا احترام کیا تھا لیکن قریش کو پراپیگنڈے کا اچھا موقع مل گیا۔ چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کو جو طعنہ دیا وہ یہ تھا:

"بے دین لوگو! تم نے شہر حرام کی توہین کی۔ اس مقدس مہینہ میں تم نے جنگ کی۔"

اب سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے نازک احساسات کے لیے بہت سخت آزمائش کا وقت تھا۔ ایک صحابی کے لیے اس سے زیادہ صدمہ اور ندامت کی اور کوئی بات نہیں ہو سکتی تھی کہ اس کے عمل سے نبوت کی طبع نازک غبار آلود ہو۔ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کا یہ جرأت مندانہ اقدام ان کے آقائے نامدار ﷺ کی پسندیدگی بھی حاصل نہیں کر سکا تھا، لہٰذا ان لوگوں کو کس قدر تشویش، ندامت اور روحانی کوفت ہوئی ہو گی، اس کا اندازہ نہایت مشکل ہے۔

چنانچہ جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ جو اس واقعہ کے راوی ہیں، ان کے الفاظ پڑھنے کے قابل ہیں:

Marfat.com

''اصحاب سریہ کو اس بات کا سخت احساس ہوا۔ وہ سمجھنے لگے کہ ہم برباد ہو گئے۔ ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ وہ کف افسوس ملنے لگے اور مسلمانوں نے بھی ان کے اس فعل پر انہیں ملامت کی۔'' (تفسیر ابن جریر: ۲/۱۹۵)

ان کی یہ شرمساری اور ندامت رنگ لائی اور تمام مسلمانوں کے لیے مشکل کشا بن گئی۔ چنانچہ اس معاملہ کے بارے میں کچھ آیات نازل ہوئیں جن میں ہمیشہ کے لیے ماہ حرام کے احکام بیان فرما دیئے گئے۔ قریش اشہر حرام کی حرمت کا واسطہ دے کر پراپیگنڈہ کر رہے تھے۔ وحی الٰہی نے شہر حرام کی حرمت کو ایک حد تک تسلیم کرتے ہوئے یہ راہ نمائی فرمائی کہ لکیر کا فقیر بنے رہنا کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ فتنہ ختم ہو۔ اگر فتنہ کو ختم کرنے کے لیے اشہر حرام کی حرمت کو بھی قربان کرنا پڑے تو یہ قربانی درست اور صحیح ہو گی۔ وحی الٰہی نے یہ بھی واضح کیا کہ پہل عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے نہیں کی بلکہ پہل ان کی طرف سے ہو چکی ہے جن کی یہ کوششیں کئی سالوں سے چلی آ رہی ہیں اور آئندہ بھی یہ کوششیں رہیں گی کہ مسلمانوں کو ان کے دین سے برگشتہ کر دیں۔ (ملاحظہ ہو البقرۃ: ۲۱۷)

البقرۃ کی آیت 217 نے اشہر حرام کی پوزیشن تو واضح فرما دی لیکن ان مجاہدین کے بارے میں جو دین حق کی حمایت اور ہادی برحق کی اطاعت اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی دولت حاصل کرنے کے شوق میں جان کی بازی لگا چکے تھے، اور یہی لگن اور ولولہ تھا جس نے ان کو ایک سر بند تحریر لیے ہوئے بلا سروسامان اپنے گھروں سے نکالا اور قریباً تین سو میل کی مسافت پر پہنچایا۔ وہاں انہوں نے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر دشمنانِ اسلام کا مقابلہ کیا۔ وحی الٰہی کا فیصلہ کیا ہے؟ کیا انہیں حق ہے کہ وہ رضاء الٰہی کے متوقع اور رحمت خداوندی کے امیدوار ہیں۔ بعد کی آیت نے ان کی وضاحت کر دی اور انہیں رحمت خداوندی کی بشارت دے دی۔ فرمایا:

''بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے وطن سے بے وطن ہونے کے مصائب برداشت کیے اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا تو بلاشبہ یہی لوگ ہیں جو (بجا طور پر) اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں، اور اللہ تعالیٰ لغزشوں کو معاف کرنے والا اور اپنی رحمتوں سے نوازنے والا ہے۔'' (البقرہ: ۲۱۸)

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سیرۃ ابن ہشام: ۲/۶۱۰-۶۰۵، البدایہ والنہایہ: ۳/۲۴۸، عیون الاثر: ۱/۲۶۹، زرقانی: ۱/۳۹۷، روض الانف: ۲/۶۰، زاد المعاد: ۲/۸۲، امتاع الاسماع للمقریزی: ۱/۶۹-۷۰)

Marfat.com

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ میں آمد کے بعد سب سے پہلے تو ''میثاق مدینہ'' اہل مدینہ کے ساتھ قائم کیا۔ پھر آپ نے مختلف غزوات وسرایا کے تحت مدینہ کے قریب قریب رہنے والے قبائل کے ساتھ دوستی اور معاہدہ کا ہاتھ بڑھایا تاکہ مسلمانوں کی جمعیت میں مضبوطی اور پختگی پیدا ہو اور دشمن قبائل کی بے رحم موجیں اس مضبوط چٹان سے ٹکرا ٹکرا کر اور اپنا سر پھوڑ پھوڑ کر واپس ہونے پر مجبور ہو جائیں۔ آپ نے کم سے کم وقت میں اس بات کی کوشش کی کہ اسلام کی شمع نور کی روشنی کو عالم رنگ و بو کے گوشہ گوشہ میں پھیلا کر اسے رشک طور بنا دیا جائے اور اس کی رخشندہ، درخشندہ اور تابندہ کرنیں قیامت تک ہر تاریکی کو تباہ و برباد کرنے کا پیغام دیتی رہیں۔ آپ نے کسی شخص پر کوئی زیادتی نہیں کی، کسی مقام پر بزدلی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ آپ نے بروقت موثر اقدام کیے۔ عربوں کی تجارتی شاہراہ کے اردگرد بسنے والے قبائل کے ساتھ اگر آپ دوستی کے معاہدے نہ کرتے، مختلف علاقوں میں اپنے فوجی دستے بھیج کر وہاں کے جغرافیائی حالات سے آشنائی بہم نہ پہنچاتے، دشمن کی عددی کثرت، وسائل کی فراوانی، دولت کے انباروں اور اسلحہ کے ڈھیروں سے ڈر اور سہم کر اور دبک کر بیٹھ جاتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں شیروں جیسی جرأت، چیتوں جیسی چستی اور پھرتی اور شاہین کی بلند پروازی اور تجسس جیسی خوبیاں کیوں کر نشوونما پا سکتیں۔ یہ ساری خوبیاں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے ان میں پیدا ہوئیں۔ اب حالت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کے نام کو بلند و بالا کرنے کے لیے جان دینے اور سر کٹانے کا ولولہ ان کو ہر وقت بے چین رکھتا راہ حق میں سرفروشی اور جان سپاری کے جذبات اگر ان میں پروان نہ چڑھائے جاتے تو اہل مکہ کے تکبر، غرور و نخوت کا علاج کیوں کر ہوتا۔ عزیمت واستقامت کے یہ پہاڑ اگر عرب کی فرعونیت کی سرکش موجوں کے سامنے سینہ سپر ہو کر کھڑے نہ ہوتے تو عرب کے مشرکین اس دین حنیف کے نام ونشان کو بھی مٹا کر رکھ دیتے۔ پھر اگر کفر و باطل کی یہ طاغوتی قوتیں اور طاقتیں اپنے مذموم اور خدا مخالف مقاصد میں کامیابی و کامران ہو جاتیں تو عالم انسانیت پر چھائی ہوئی یہ شب دیجور کبھی بھی سحر آشنا نہ ہوتی۔ حق کی حفاظت اور اس کی بقا کے لیے اور اس کی نشوونما کے لیے اور حق کے دشمنوں اور بدخواہوں کو شکست فاش دینے کے لیے جو قدم بھی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اٹھایا وہ نہ صرف یہ کہ درست اور صحیح تھا بلکہ از حد ضروری بھی تھا۔ اسی میں عالم انسانیت کی کامیاب و کامرانی اور فوز وفلاح کا راز مضمر تھا۔ پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آنکھوں نے یہ منظر متعدد بار دیکھا کہ معرکۂ کارزار گرم ہے، تیروں کی بارش ہو رہی ہے، تلواریں چمک رہی ہیں، دونوں طرف سے جنگ کی یلغار پڑی ہوئی

Marfat.com

ہے، سرتن سے جدا ہو رہے ہیں، نفسا نفسی کا عالم ہے، دشمن کی تعداد کثیر اور وسائل جنگ کی فراوانی ہے، اور رسول اللہ ﷺ کا سر مبارک سجدۂ نیاز میں خم ہے، توکل کی سپر، دعاؤں کے تیر، یقین کی زرہ، صداقت کی شمشیر اور حق کا ترکش، یہ تھے آپ کے اسلحہ خانے کے اصلی آلات حرب وضرب، انہی آلات کو دیکھ کر ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سرفروشی اور جان سپاری کے جذبات اٹھکیلیاں لیتے تھے اور وہ میدان جنگ کو کھیل کا میدان سمجھتے تھے جس میں کھلاڑی بڑی خوشی اور مسرت کے ساتھ بازی جیتنے کے لیے جان کی بازی لگا دیتے ہیں۔

سرکار دو عالم ﷺ نے دس سال سے زیادہ عرصہ مدینہ منورہ میں گزارا، مشرکین سے کئی جنگیں بھی لڑیں۔ آپ ﷺ کی بعثت سے قبل جزیرہ نمائے عرب تشتت وانتشار کا شکار تھا۔ جزیرہ عرب سینکڑوں حصوں میں منقسم تھا۔ ہر حصہ مطلق العنان تھا۔ قانون وعدل کا کوئی نظام رائج نہ تھا۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا قانون تھا۔ اس خطے کے باشندوں کی معاشی فلاح اور معاشرتی بہبود کے لیے کوئی منصوبہ بندی نہ تھی۔ ہر طرف طوائف الملوکی اور افراتفری کا عالم تھا۔ طاقت ور جس طرح چاہتے کمزوروں کا استحصال کرتے، ان پر ہر قسم کے جور وستم روا رکھتے کیونکہ ان سے کوئی باز پرس کرنے والا نہیں تھا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے تشتت وانتشار میں ڈوبی ہوئی اس قوم کو اور سینکڑوں ٹکڑوں میں بٹے ہوئے اس ملک کو ایک وحدت میں تبدیل کر دیا۔ وہاں قانون کی بالادستی قائم کی۔ شاہ وگدا کے سارے امتیازات مٹا دیئے۔ محمود و ایاز کو ایک صف میں کھڑا کر دیا۔ رنگ ونسل اور زبان وعلاقہ میں بٹی ہوئی انسانیت کو انسانی مساوات اور شرافت کے پرچم تلے اکٹھا بلکہ متحد ومنظم کر دیا۔ اور سب سے بڑا احسان یہ کیا کہ مدتوں سے بندوں کا اپنے خالق و مالک سے ٹوٹا ہوا رشتہ جوڑ دیا۔ یہ رشتہ اور یہ انسانی وحدت کا قیام تلوار کے زور سے نہیں بلکہ دعوت وارشاد اور دعائے نیم شبی سے قائم کیا اور دس سال کے قلیل عرصہ میں دس لاکھ مربع میل کا علاقہ آپ کے زیر حکومت تھا جب کہ اس تہذیب جدید اور سائنسی ترقی کی آغوش میں پرورش پانے والے حکمرانوں نے اپنے اہل وطن ہی کو نہیں بلکہ ساری انسانی برادری کو قریباً ایک صدی سے ہولناک عالمگیر اور مقامی جنگوں کا جو تحفہ دیا ہے، اس کی تباہ کاریوں کا اندازہ لاکھوں نہیں کروڑوں انسانوں کی جانوں کے ضیاع پر مشتمل ہے۔ پر امن شہری آبادیوں، ہسپتالوں، یونیورسٹیوں، کالجوں اور مذہبی عبادت گاہوں پر جس سنگدلانہ اور بہیمانہ انداز میں بم باری کی گئی اس کے تصور سے انسانی شرافت وتہذیب بلکہ خود انسانیت کا سر ندامت سے جھک جاتا ہے۔ جائیدادوں اور مال ومتاع کے نقصانات کو چھوڑ دیجیے صرف جانی نقصانات کے اعداد وشمار کروڑوں میں ہیں جن کی ایک موٹی

Marfat.com

سی فہرست کتاب کے ابتدائی صفحات میں دی گئی ہے۔

(ان اعداد و شمار کے لیے ملاحظہ ہو انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا: ۷۹۳/۲۳)

انسانی جانوں کی ان عظیم اور ان گنت قربانیوں، بے محابہ خون ریزیوں، تباہ کن بم باریوں، جنہوں نے سینکڑوں نہیں ہزاروں بارونق شہروں کو راکھ کے ڈھیروں اور کھنڈرات میں تبدیل کر دیا، اتنی گراں قدر قیمت ادا کرنے کے بدلے میں انسانیت کو کیا ملا؟ بے رحم آمریت، بے روزگاری، کمر توڑ مہنگائی، بے حیائی اور اخلاق باختگی، غریب ممالک کا بے رحمانہ استحصال، معاشی بحالی اور خوش حالی کی آڑ میں اربوں اور کھربوں ڈالروں کا سودی قرض۔ کیا ان لوگوں کو جن کے ہاتھوں انسانیت کی قبا بار بار تار تار ہوئی اس بات کا حق پہنچتا ہے کہ وہ اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پر امن پالیسیوں پر انگشت نمائی کریں۔ ان لوگوں نے ناگا ساکی اور ہیروشیما میں اپنے ایٹمی بموں سے انسانی خون کی جو ارزانی کی اور دنیا میں جو قیامت برپا کی، خود قلم کو اس کی تفصیل لکھنے سے ندامت محسوس ہوتی ہے کہ بے گناہ لوگوں پر ایٹم بم پھینکنے والے انسان تھے یا جنگلوں کے مورومار جن کو انسانوں پر حملہ کرنے میں کوئی حیا مانع نہیں ہوتی۔

آج اہل مغرب مسلمانوں کے مسئلہ جہاد کو اپنی تنقید کا نشانہ بناتے ہیں، انہیں اپنے نامۂ اعمال پر بھی ایک نظر ڈالنی چاہیے کہ انہوں نے انسانیت پر کیا کیا مظالم توڑے ہیں:
عیسائی سیرت نگار جان بیگٹ گلب (John Bagot Glubb) نے اپنی کتاب "The Life and times of Muhammad" میں لکھا ہے کہ

''سنہ 1099ء میں جب عیسائیوں نے یروشلم کو فتح کیا تو ستر ہزار سے زائد مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔''

اسی واقعہ کے بارے میں علامہ شبلی نعمانی نے اپنی کتاب ''الفاروق'' میں لکھا ہے کہ

''عیسائیت کا اصل چہرہ یہ ہے کہ یروشلم میں صلیبی سپاہیوں نے مسجد عمر میں گھس کر نہتے مسلمانوں کا قتل عام کیا تھا۔ ایک عینی شاید لکھتا ہے کہ اس وقت دل ہلا دینے والے شور وغل میں کسی کی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ مسجد عمر رضی اللہ عنہ کے صحن میں خون سواروں کے ٹخنوں اور گھوڑوں کی رکابوں تک پہنچ گیا تھا۔ ستر ہزار سے زائد مسلمانوں کو قتل کر دیا گیا۔ اس کے برعکس مسلمانوں کا طرز عمل ملاحظہ کیجیے کہ فلسطین کی فتح کے بعد جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ شہر میں داخل ہوتے ہیں تو حکم دیتے ہیں کہ راہبوں پر تلوار نہ اٹھاؤ، عبادت گاہوں کو مسمار نہ کرو اور پھر آپ نے وہاں کھلے

Marfat.com

میدان میں نماز ادا کی تھی۔"

یہی حال ان لوگوں نے مسلمانوں کے ساتھ اسپین (اندلس) میں بھی کیا۔ سنہ 1492ء میں جب وہاں عیسائیوں نے قبضہ کیا تو انہوں نے نہ صرف مسلمانوں بلکہ یہودیوں کے ساتھ بھی نہایت ظالمانہ اور جبر وتشدد والا طرز عمل اختیار کیا۔ اس سلسلے میں کیرن آرمسٹرانگ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ

"1499ء میں اسپین میں رہنے والے مسلمانوں سے یہ کہا گیا کہ یا تو وہ عیسائیت قبول کر لیں یا پھر اسپین سے نکل جائیں۔ اس طرح چند صدیوں تک یورپ مسلمانوں سے خالی ہو گیا۔ یہودیوں کو بھی کہا گیا کہ یا تو عیسائیت قبول کر لیں یا پھر اسپین سے نکل جائیں۔ بہت سے یہودی (70 ہزار) نے عیسائیت قبول کر لی تاہم اسی ہزار یہودی سرحد پار کر کے پرتگال چلے گئے جب کہ پچاس ہزار یہودی نئی مسلم عثمانی سلطنت میں فرار ہو گئے۔"

اس نے اس بارے میں مزید لکھا ہے کہ

"اسلامی ریاست (اسپین) میں یہودیت، عیسائیت اور اسلام چھ صدیوں سے بھی زیادہ طویل عرصہ تک امن اور ہم آہنگی کے ساتھ رہے۔ تاہم جوں جوں عیسائی فوجیں اسلامی علاقوں کو فتح کرتی گئیں اس کے ساتھ ساتھ یہودیت دشمنی بھی پھیلتی گئی۔ 1378ء اور 1391ء میں یہودیوں پر عیسائیوں نے حملے کیے۔ وہ انہیں گھسیٹتے ہوئے بپتسمہ لینے کے مقام پر لے جاتے اور موت سے ڈرا کر عیسائیت قبول کرنے پر مجبور کرتے۔ عیسائیت قبول کرنے والوں کو اس کے باوجود Marranos (خنزیر) کہا جاتا تھا۔"

نیو انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار لفظ Spain کے تحت لکھتا ہے:

مسلمانوں کو مذہبی عدالت میں پیش کیا گیا۔ ان میں سے قریباً تیس (30) ہزار کو سزائے موت دی گئی اور بارہ ہزار کو زندہ جلا دیا گیا۔

یہ تو اس زمانہ کی باتیں ہیں جب یورپ غیر مہذب اور غیر متمدن تھا۔ اس میں مذہبی جنون اور تعصب پایا جاتا، وہ دقیانوس ذہن رکھتا، انتہا پسند تھا، لیکن آج تو یورپ اور امریکہ تہذیب وتمدن کی انتہائی بلندیوں کو چھو رہے ہیں۔ وہ اپنے کو نہایت اعلیٰ ترین قوم سمجھتے ہیں جس میں تعصب کا کوئی جراثیم نہ ہو۔ لیکن اس زمانہ میں بھی امریکہ اور یورپ جو کچھ مسلمانوں کے

Marfat.com

ساتھ کر رہا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان ملکوں میں اخلاقی گراوٹ، مذہبی تعصب اور انسانی اقدار کا احترام ان لوگوں میں قریباً ختم ہو چکا ہے اور ان میں سے اگر کچھ لوگ انسانی اقدار کا احترام کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں تو وہ غلط کہتے ہیں۔ وہاں اخلاق اور انسانیت کی اقدار اپنی انتہائی پستی کو چھو رہی ہیں۔ افغانستان پر صرف اس لیے کارپیٹڈ بمبارمنٹ کی گئی کہ وہ ملک میں اسلامی نظام نافذ کرنا چاہتے تھے، اور آج تک ان لوگوں کو ظلم وستم اور جبر واستبداد کا نشانہ بنایا جا رہا ہے کہ اسامہ بن لادن وہاں چھپا بیٹھا ہے، اور حامد کرزئی جیسے امریکی ایجنٹ ان کی پشت پناہی کر رہے ہیں۔

2003ء کو امریکیوں اور اتحادیوں نے عراق پر اس بہانے دھاوا بولا کہ صدر صدام حسین کے پاس وسیع پیمانے پر تباہی مچانے والے ہتھیار موجود ہیں جب کہ ان کے پاس اس قسم کا ایک بھی ہتھیار نہیں تھا۔ 745 سال قبل دجلہ وفرات اور بابل ونینوا کی عظیم تہذیبوں کے مسکن عراق پر چنگیز خان اور ہلاکو خان نے بھی وہ قیامت نہ ڈھائی تھی جو آج کل کے چنگیز خانوں اور ہلاکو خانوں نے ڈھائی ہے۔ ان کے جنگی جرائم ان سے کہیں زیادہ ہیں۔ عراق پر حملہ کے بعد سب سے پہلے جس شے کا خون ہوا وہ ''سچ'' تھا۔ فلوجہ کے مسلمانوں پر سفید فاسفورس چھڑکا گیا۔ عراق میں بارہ لاکھ بچے شہید ہوئے۔ وہاں چار جامعات کو تباہ کیا گیا۔ 192 سائنس دانوں کو تاک تاک کر مارا گیا۔ زرعی علاقوں کو تباہ کاری کے زہر کا تحفہ دیا گیا اور معصوم عراقیوں پر 500 ٹن ڈیپلیٹڈ یورینیم برسائی گئی۔ یہی وجہ ہے یہ سچائیاں منظرِ عام پر نہیں آ رہی ہیں اور ان پر مجرمانہ خاموشی طاری ہے۔

بصرہ اور بغداد کے عظیم کتب خانوں کو ان پڑھے لکھے لیکن جاہل امریکیوں نے آگ لگا دی۔ ایک سائنسی ادارے کو تباہ و برباد کیا گیا۔ مسجدوں، مزاروں اور خانقاہوں میں قتلِ عام ہوا۔ اتحادی اور امریکی افواج عورتوں کی آبروریزی اور لڑکوں سے بدفعلی تک کی مرتکب ہوئی ہیں، اور ابوغریب جیل میں بے بس عراقیوں پر شرمناک مظالم ڈھائے گئے۔ عراق کے آثارِ قدیمہ اور عجائب خانوں سے 50 ہزار انمول نوادرات لوٹے گئے جو بعد ازاں لندن، نیویارک اور پیرس وغیرہ کے نیلام گھروں میں فروخت ہوئے۔ عراق کی صنعت و حرفت، زراعت، تعلیم، تمدن اور تہذیب کو تباہ کرنے کے لیے سینکڑوں سائنس دانوں، اساتذہ اور اہلِ فن کو ظلم وستم کا نشانہ بنایا گیا۔ نجف اشرف کی الکوفہ یونیورسٹی کو راکٹ مار کر تباہ کر دیا گیا۔ پھر تین روز بعد طب، فارمیسی اور تعلیم کی کلیات کو لوٹا گیا۔ حیاتیات، فصلیات اور طبعیات کی تجربہ

Marfat.com

گاہوں کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیا گیا۔ موصل اور بصرہ کی جامعات کو بھی شدید نقصان پہنچایا جب کہ ناصریہ یونیورسٹی پر بموں کی بارش کی گئی۔ اس صورت حال نے عراق میں ذہانت کے فرار کو جنم دیا اور اعلیٰ ماہرین تعلیم اور اساتذہ ملک چھوڑ کر چلے گئے۔

یہ تو عراق کی مختصر داستان ہے جو کہیں کہیں سے سنائی گئی۔ لیکن اسی امریکہ نے جو دنیا کی تہذیب اور تمدن کا علم بردار بنا پھرتا ہے، اس نے زندہ انسانوں کا ایک قبرستان بھی گوانتا موبے میں بنایا ہوا ہے جہاں انسانیت ایک عرصے سے سسک رہی ہے۔ کبھی کبھار ان بے بس انسانوں کی آہ وزاری میڈیا کے ذریعے دنیا تک پہنچ جاتی ہے لیکن کوئی نہیں جانتا کہ ان مظلوموں کو انصاف دلانے کے لیے کس عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا جائے۔

1903ء میں امریکہ نے کیوبا کے جنوب مشرق میں 45 مربع میل کا یہ قطعہ حاصل کیا۔ اس وقت کسی کو اندازہ نہ تھا کہ یہاں امریکہ کیا کر سکتا ہے۔ امریکہ کی اپنی زمین بہت وسیع ہے۔ وہاں ایسے ایسے جنگلات، وادیاں، صحرا اور جزیرے موجود ہیں جہاں کوئی پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔ اس کے باوجود امریکہ ایک دوسرے ملک سے زمین حاصل کرنے پر کیوں مجبور ہوا؟ یہ صرف اس لیے کہ یہاں وہ ان تمام کارروائیوں کی تکمیل کر سکے جو وہ امریکہ کی حدود میں انجام نہیں دے سکتا کیونکہ وہاں کچھ ملکی قوانین آڑے آسکتے ہیں۔ جہاں عدالتیں انصاف کے نام پر ان اقدامات کی مخالفت اور مزاحمت کر سکتی ہیں۔ چنانچہ دنیا سے الگ تھلگ امریکہ نے اس جزیرے کو حاصل کیا، لیکن یہ کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ یہ ویران جزیرہ ایک صدی بعد چلتی پھرتی لاشوں سے آباد ہوگا۔

11 ستمبر 2001ء میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی تباہی کے بعد امریکہ تمام بین الاقوامی قوانین اور ضابطوں کو پس پشت ڈال کر افغانستان پر چڑھ دوڑا اور طالبان حکومت کو گرانے کے لیے مسلمانوں کا قتل عام کیا اور ہزاروں بے گناہ افراد کو گرفتار کیا ان میں سے 689 آدمی تو صدر پرویز مشرف نے گرفتار کر کے امریکہ کے ہاتھ کئی ملین ڈالر میں فروخت کیے جیسا کہ انہوں نے خود اپنی کتاب میں لکھا ہے، ان میں طالبان حکومت کا پاکستان میں ایک سفیر ملا عبدالسلام ضعیف بھی تھا۔ امریکہ نے افغانستان میں جو ظلم وستم کیا کہ گرفتار شدگان کو کنٹینروں میں تین تین سو افراد کو ٹھونس دیا گیا۔ جب شبرغان جیل کے باہر ان کنٹینروں کو کھولا گیا تو گرفتار شدگان کی اکثریت شدید گرمی اور حبس کے باعث دم توڑ چکی تھی۔ جب یہ واقعات میڈیا تک پہنچے تو امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی پوری دنیا میں سخت بدنامی ہوئی۔ امریکہ نے اس وقت گوانتا موبے کا

Marfat.com

ایکسرے کیمپ آباد کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس سے مقصد یہ تھا کہ یہ قیدی ایک ایسی جگہ رہیں جہاں کوئی عدالت ہو نہ قانون۔ انسانی حقوق کی تنظیموں اور میڈیاؤں کے نمائندے بھی وہاں تک نہ پہنچ سکیں۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے گرفتار شدگان کو وہاں پہنچا دیا جاتا۔

آج ساگوا بیر بکو کے پہاڑوں میں گھرا ہوا گوانتا موبے ایکسرے کیمپ دنیا کا سب سے زیادہ بدنام عقوبت خانہ ہے جہاں قیدیوں پر غیر انسانی مظالم ہو رہے ہیں جن کے تصور سے روح انسانی کانپ اٹھتی ہے۔ یہ وہ قیدی ہیں جو افغانستان اور عراق سے گرفتار کر کے لائے گے اور یہ سب مسلمان ہیں۔ آج ان قیدیوں پر بدترین تشدد کرنے والے لوگ یہ سمجھ رہے ہیں کہ وہ کسی نورالدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی سے انتقام لے رہے ہیں۔ مسلمانوں کو پیدائشی دہشت گردوں اور خود کو امن اور اعتدال پسندی کے نقیب کی حیثیت سے متعارف کرانے والے یہ انسان نما درندے اگر اپنے آباء واجداد کی تاریخ پڑھیں تو وہ بھی اس سے مختلف نہیں۔ لیکن ہمیں اس بات پر فخر ہے کہ ہمارا پیغمبر ﷺ امن وسلامتی کا پیام بر ہے اور اس نے خود امن و سلامتی کی تعلیم دی کہ غلاموں، نوکروں، قیدیوں اور بے سہارا لوگوں کے ساتھ نہایت اچھا برتاؤ کیا جائے۔ چنانچہ سرور کائنات ﷺ نے مجاہدین کے ایک لشکر کو رخصت کرتے ہوئے انہیں یوں ہدایات فرمائیں:

''اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اور اس کے نام کی برکت کے ساتھ جہاد کے سفر پر روانہ ہو جاؤ۔ کسی بوڑھے شخص کو، کسی بچے کو، کسی عورت کو ہرگز قتل نہ کرنا، اور خیانت نہ کرنا، غنائم کو اکٹھا کرنا اور حالات کو درست کرنے کی کوشش کرنا، دشمن کے ساتھ بھی احسان کرنا، بے شک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔'' (خاتم النبیین ﷺ، الاستاذ ابوزہرہ: ۲/۵۸۵)

ایک دوسرے لشکر کو رخصت کرتے ہوئے یوں ہدایات دیں:

''اللہ کا نام لے کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے کے لیے روانہ ہو جاؤ۔ اللہ کے دشمنوں کو تہ تیغ کرنا، خیانت نہ کرنا، کسی سے دھوکا نہ کرنا، کسی مقتول کی لاش کا مثلہ نہ کرنا اور کسی بچے کو قتل نہ کرنا۔'' (خاتم النبیین ﷺ: ۲/۵۸۵)

ایک مرتبہ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا:

((ولا تقتل ذریة ولا عسیفاً)) (ایضاً)

''بچوں کو قتل نہ کرنا اور نہ کسی مزدور کو قتل کرنا۔''

Marfat.com

اور موجودہ زمانے کے مہذب لوگوں کا حال یہ ہے کہ عراق سے گرفتار کر کے مسلمانوں کو اپنے جیل خانوں میں جن ہولناک اور لرزہ خیز مظالم کا نشانہ بنایا ابوغریب جیل کی ایک ایک اینٹ اس کی گواہی دے رہی ہے۔

بات کچھ طویل ہوگئی۔ بتا یہ رہا تھا کہ مسلمانوں کو اذن جہاد اس وجہ سے ملا کہ قریش مکہ نے ان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے تھے اور اب جب کہ وہ اپنی جنم بھومی مکہ مکرمہ کو بھی چھوڑ کر آ گئے تھے پھر بھی یہ لوگ ان کا پیچھا نہیں چھوڑ رہے تھے۔ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ مکہ میں عمرہ کے لیے جاتے ہیں اور امیہ انہیں طواف کرانے کے لیے حرم میں لے جاتا ہے تو ابوجہل ان کو دھمکی آمیز لہجے میں کہتا ہے کہ تم لوگوں نے مسلمانوں کو اپنے ہاں پناہ دے رکھی ہے۔ خدا کی قسم! اگر تم امیہ بن خلف کے ہمراہ نہ ہوتے تو تم زندہ اپنے گھر واپس نہ جا سکتے۔ (ما رجعت الیٰ اهلک سالماً) یہ تھے وہ حالات جن کے بعد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوات وسرایا شروع کیے۔ ان سب غزوات وسرایا میں صرف ایک شخص ابن حضرمی مارا گیا۔ اس کے علاوہ کوئی قتل وغارت گری نہیں ہوئی۔ کسی کا مال نہیں لوٹا گیا۔ لیکن جب کرز بن جابر فہری مسلمانوں کے اونٹ اور ریوڑ ہانک کر لے گیا تو پھر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی ناکہ بندی شروع کی۔

قریش مکہ کے پیغامات جو عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کے نام آتے تھے ان سے خطرہ تھا کہ وہ کہیں حقیقت کا روپ نہ دھار لیں اور وہ مسلمانوں کے لیے خطرہ کا باعث بن جائیں۔ اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مختلف علاقوں میں بھیج کر اپنی قوت کا ان سے اعتراف کروایا اور آخر میں جب سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اور ان کے گیارہ ساتھیوں نے قریش مکہ کے قافلہ پر حملہ کیا تو پھر قریش کو بھی مسلمانوں کی عسکری قوت کا اعتراف ہو گیا۔

ابوجہل کی سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو دھمکی دینے نے مسلمانوں کو چوکنا اور چوکس کر دیا۔ اب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش مکہ کو یہ بتانے کے لیے کہ اگر تم لوگ ہمارا مکہ مکرمہ میں داخلہ بند کر دو گے تو ہم بھی اب اس پوزیشن میں ہیں کہ تمہارے شام جانے والے قافلوں کا راستہ روک سکیں۔ چنانچہ قریش مکہ کو اپنی عسکری قوت کا احساس دلانے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو قریش کے قافلہ کی خبر رکھنے کے لیے نخلہ بھیجا اور انہوں نے قافلہ پر حملہ کر کے ان کا سامان بھی ضبط کر لیا اور دو آدمی بھی گرفتار کر لیے اور ایک آدمی عمرو بن حضرمی کو

Marfat.com

جان سے بھی مار دیا۔ اور یہ سب کچھ مدینہ سے تین سو میل دور اور مکہ کے بالکل قریب ہوا جو قریش کے لیے نہایت ندامت کا باعث تھا کہ مسلمان ہمارے گھر آ کر ہمارا ایک آدمی مار گئے اور دو آدمیوں کو قیدی بنا کر لے گئے اور سارا سامان بھی ضبط کر کے مدینہ لے گئے۔ اس سے مکہ کی قیادت کو یہ احساس ہو گیا کہ مسلمان ہمارے تجارتی قافلوں کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کے قابل ہیں اور اگر وہ چاہیں تو تین سو میل کا راستہ طے کر کے ان کے علاقہ کے اندر آ کر بھی ان کا مال ضبط کر سکتے ہیں، انہیں قیدی بنا سکتے ہیں اور ان کے آدمی بھی مار سکتے ہیں، لہٰذا ان کی سمجھ میں آ گیا کہ اب مسلمانوں کے ہاتھوں ہماری شامی تجارت متاثر ہو سکتی ہے، بلکہ اب ہم مستقل اس خطرے کی زد میں ہیں۔ لیکن مکہ کی قیادت بیدار مغز نہ تھی۔ ان کے ہوش ان کے جوش کے تابع تھے۔ ان کو چاہیے تھا کہ اب وہ بنو ضمرہ اور جہینہ جیسے قبائل کی طرح مسلمانوں کی طرف صلح کا ہاتھ بڑھاتے لیکن انہوں نے غیظ و غضب اور عداوت و کینہ کے جوش میں مسلمانوں کے ساتھ برسر پیکار رہنا ہی پسند کیا۔ ان کی قیادت نے ہوش کے ناخن نہ لیے اور روز بروز ان کے جوش اور طیش میں اضافہ ہوا، اور یہی طیش اور جوش انہیں میدان بدر میں لے آیا۔

دوسری طرف رحمت الٰہی اب تک مسلمانوں کی بے بسی اور بے کسی کا تماشا دیکھتی رہی۔ سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو اگرچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قتل و غارت گری کے لیے نہ بھیجا تھا لیکن ان کے ہاتھوں عمرو بن حضرمی کے قتل اور حکیم بن کیسان اور عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ کی گرفتاری کی توثیق اللہ تعالیٰ نے فرما دی۔ اور پہلے تو مسلمانوں کے لیے اذن قتال تھا لیکن اب حکم قتال بھی بارگاہِ رب العزت سے مل گیا۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

''اور (بے تکلف) لڑو تم خدا کی راہ میں ان لوگوں سے جو تم سے لڑیں اور (حدود شریعت سے) تجاوز نہ کرو، بے شک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتے۔ اور (اگر وہ خود حد سے تجاوز کریں اور عہد شکنی کریں اور تم سے لڑیں تو پھر) تم ان کو مارو جہاں کہیں بھی پاؤ، اور نکال دو ان کو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا ہے (یعنی مکہ سے یعنی تم کو اتنا ستایا کہ تم نکلنے پر مجبور ہو گئے) ایسے لوگوں کو جہاں بھی پاؤ مارو (اور یہ خیال نہ کرو کہ ماہ حرام اور سرزمین حرم میں کیسے قتل و قتال کریں، اس لیے کہ کفر و شرک کا) فتنہ (اور اعداء اللہ کا غلبہ اور ان کی شوکت کا فتنہ سرزمین حرم میں) قتل و قتال اور اخراج کے فتنہ سے کہیں زیادہ سخت ہے، اور (اس کا خاص طور پر خیال

Marfat.com

رکھو) مسجد حرام کے قریب ان سے نہ لڑو تاوقتیکہ وہ اس جگہ خود تم سے نہ لڑیں، پھر اگر وہ لڑیں تو ان کو مارو کیونکہ منکرین کی یہی سزا ہے۔ پھر اگر وہ باز آئیں تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور ان (کافروں) سے لڑو اس وقت تک کہ فساد باقی نہ رہے اور دین (خالص) اللہ ہی کا ہو جائے، اور اگر وہ لوگ (کفر و شرک سے) باز آ جائیں تو زیادتی نہیں مگر ظالموں پر۔" (البقرۃ:۱۹۱ تا ۱۹۳)

جنگ کا یہ حکم حالات کا تقاضا تھا کیونکہ اب پورا کفر پورے اسلام کو نیست و نابود کرنے پر تلا ہوا تھا۔ اب حالات کا تقاضا تھا کہ دونوں فریقوں کے درمیان کوئی فیصلہ کن معرکہ ہوتا کہ حق پوری طرح سامنے کھل کر آ جائے۔

Marfat.com

غزوہ بدر الکبریٰ

غزوہ بدر الکبریٰ اسلام کے غزوات میں سب سے پہلا اور سب سے بڑا غزوہ ہے جس میں پورا کفر پورے اسلام کے مقابلہ میں آیا اور اسی غزوہ نے اسلام کی عزت وشہرت کو چار دانگ عالم میں پھیلا دیا اور شرک کی اتنی ذلت اور رسوائی ہوئی کہ پھر وہ کھل کر مسلمانوں کے مقابلہ میں نہ آسکا۔ اگرچہ اس غزوہ کے بعد بھی شرک کئی مرتبہ اسلام کے سامنے آیا لیکن اتنی بے باکی کے ساتھ نہ آیا بلکہ مسلمانوں کا رعب کافروں کے دلوں پر بیٹھا ہوا ہوتا۔ اسی لیے قرآن حکیم نے اس کو ''یوم الفرقان'' کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی اس میں حق و باطل میں فرق اور امتیاز ہو گیا۔ لوگ کفر اور شرک کی حقیقت کو بھی سمجھ گئے اور اسلام کی حقیقت سے بھی آشنائی حاصل ہو گئی اور حق و باطل اور ہدایت و منزلت کا فرق دنیا پر واضح ہو گیا۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

﴿وما انزلنا علیٰ عبدنا یو م الفرقان یوم التقی الجمعان﴾

(الانفال:۴۱)

''اور جسے ہم نے اتارا اپنے بندہ پر فیصلہ کے دن جس روز آمنے سامنے ہوئے تھے دونوں لشکر۔''

کتاب اللہ کا مطمح نظر سب سے پہلے مومن کا قلب ہوتا ہے۔ مومن ہوسِ اقتدار میں جنگ نہیں کرتا بلکہ اس کے جنگ کرنے کا مقصد رضائے الٰہی اور اللہ کے دین کی سربلندی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ بدر کے ذکر سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی قلبی کیفیت پر روشنی ڈالی کہ ''یہ جنگجو انقلابی یا پیشہ ور فوجی نہیں تھے، ان کو اقتدار کی ہوس تھی اور نہ نمائش کا شوق کہ فوجی مظاہرہ سے ان کو خوشی ہوتی اور وہ کشت وخون کو پسند کرتے۔ یہ نہایت امن پسند اور صلح جو صاحب ایمان تھے اور وہ ان خصوصیات سے مکمل طور پر مزین تھے جو سورۃ الانفال کی پہلی آیات میں بیان کی گئی ہیں۔ وہ خصوصیات یہ ہیں:

Marfat.com

① جب اللہ کا ذکر ان کے سامنے کیا جاتا ہے تو ان کے دل دہل جاتے ہیں۔
② جب اللہ تعالیٰ کی آیات ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو وہ ان کی ایمانی قوت میں اضافہ کر دیتی ہیں۔
③ وہ ہر حال میں اپنے پروردگار پر بھروسہ اور توکل کرتے ہیں۔
④ نماز قائم کرتے ہیں۔
⑤ اور جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے (حسب ہدایت خداوندی) خرچ کرتے رہتے ہیں۔

اسی امن پسندی اور صلح جوئی کا یہ اثر تھا کہ ایک گروہ کے لیے یہ سفر ایسا ناگوار تھا جیسے کسی کو زبردستی موت کے منہ میں دھکیلا جا رہا ہو اور وہ اس منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں۔

ایک طرف مسلمانوں کا یہ خلوص، للّٰہیت اور سادگی تھی اور دوسری طرف قریش کی حالت ان کے بالکل برعکس تھی جس کو قرآن حکیم نے بڑے عجیب انداز میں بیان فرمایا ہے اور مسلمانوں کو ہدایت فرمائی ہے کہ تم ان کی طرح نہ ہو جانا۔ قریش کی حالت یہ تھی کہ وہ اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے نکلے اور لوگوں کی نگاہوں میں نمائش کرتے ہوئے اس حال میں کہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے روک رہے تھے اور شیطان ان کے عمل کو ان کی نگاہوں میں خوش نما کر کے دکھا رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ آج ان لوگوں میں کوئی نہیں جو مجھ پر غالب آسکے اور میں تمہارا پشت پناہ ہوں۔ (انی جار لکم) (الانفال)

اسباب و وجوہات:

اس جنگ کے اسباب و محرکات کئی تھے، لیکن سب سے بڑا سبب ہمارے خیال میں ابوجہل کی وہ دھمکی تھی جو اس نے سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو دی جب وہ طواف کعبہ کے لیے امیہ بن خلف کے ساتھ حرم کعبہ میں جا رہے تھے۔ اس دھمکی نے انصار مدینہ اور دوسرے مسلمانوں کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ وہ جب تک قریش کے کسی سردار کی پناہ میں نہ ہوں گے اس وقت تک حرم کعبہ میں داخل نہیں ہو سکتے ورنہ وہ زندہ واپس نہیں جائیں گے۔

پھر انہی ایام میں سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کا واقعہ پیش آیا اور ایک مہاجر صحابی سیدنا واقد بن عبداللہ سہمی رضی اللہ عنہ کے تیر سے عمرو بن حضرمی مارا گیا۔ پھر تحویل قبلہ کا حکم بھی انہی دنوں نازل ہوا اس میں حتمی طور پر مسلمانوں کا قبلہ کعبہ کو قرار دیا گیا۔ اس سے مسلمانوں کا رشتہ خانہ

Marfat.com

کعبہ کے ساتھ اور بھی مضبوط اور پختہ ہو گیا۔

اس متمدن اور مہذب دنیا کے اندر بھی کسی مطالبہ کو تسلیم کرانے کا پر امن طریقہ اقتصادی ناکہ بندی ہے۔ مدینہ طیبہ کی بیدار مغز قیادت نے یہ طریقہ استعمال کیا۔ چنانچہ مختلف سرایا اور غزوات میں جو دستے روانہ ہوئے ان کا مقصد یہ تھا کہ قریش کو مجبور کر دیا جائے کہ مسلمانوں کا مکہ میں داخلہ بے خطر ہو سکے۔

مسلمان جب ہجرت کر کے مدینہ طیبہ گئے تو قریش نے اہل مدینہ کو پیغام نہیں بلکہ حکم دیا تھا کہ محمد ﷺ سے جنگ کرو یا پھر انہیں مدینہ سے نکال دو، وگرنہ تمہارے نوجوانوں کو قتل اور تمہاری عورتوں کو لونڈیاں بنایا جائے گا۔ اہل مدینہ نے قریش کا یہ حکم بالکل تسلیم نہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قریش کے لیے یہ ایک وقار اور عزت کا مسئلہ بن گیا کیونکہ اب اگر وہ مدینہ پہنچ کر ان کے نوجوانوں کو قتل اور عورتوں کو لونڈیاں نہ بنائیں تو ان کی عزت وقار کی پوری عمارت دھڑام سے زمین پر آ گرتی ہے اور سرزمین عرب میں ان کی تسلیم شدہ عظمت و قیادت خطرہ میں پڑ جاتی ہے۔ لیکن قریش کے ذہن میں یہ بھی تھا کہ اب مسلمانوں کی وہ پوزیشن نہیں جو آج سے دو سال پہلے مکہ مکرمہ میں تھی یا جو قریش کے زعیم ابوجہل وغیرہ سمجھتے تھے کیونکہ سرکار مدینہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مدینہ طیبہ پہنچتے ہی جو سیاسی تدابیر اختیار کی تھیں اور اہل مدینہ سے بقائے باہمی کے اصول پر جو میثاق مدینہ کا معاہدہ اور اردگرد کے قبائل کے ساتھ جو معاہدات کر کے مادی اسباب میں بھی ایک طاقت بنالی تھی، اس نے قریش مکہ کو یہ باور کرا دیا کہ مسلمان اب اتنا تر لقمہ نہیں ہیں کہ ان کو آسانی کے ساتھ مدینہ سے نکالا جا سکے گا کیونکہ اب وہ ایک بڑی طاقت بن چکے ہیں، لہٰذا اب انہیں مکمل تیاری کر کے مدینہ سے نکالا جا سکے کیونکہ اب وہ ایک بڑی طاقت بن چکے ہیں، لہٰذا اب انہیں مکمل تیاری کر کے مدینہ کا رخ کرنا چاہیے۔

ہر زمانہ میں جنگ کی تیاری کے لیے سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب تک کسی ملک کی اقتصادی اور معاشی حالت مضبوط نہ ہو وہ جنگ نہیں کر سکتا۔ قریش کو بھی مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے سرمایہ کی سخت ضرورت تھی۔ اور اتنا سرمایہ اگرچہ ان کے پاس تھا لیکن کفر بخل کی وجہ سے اتنا سرمایہ لگانا نہیں چاہتا تھا۔ اہل مکہ اور دوسرے لوگوں سے چندہ اکٹھا کرنا وہ اپنی عزت و ناموس کے خلاف سمجھتے تھے، لہٰذا منصوبہ یہ بنایا گیا کہ چندہ کے بجائے تجارت کے ذریعہ سرمایہ اکٹھا کیا جائے۔ چنانچہ ایک تجارتی قافلہ تیار کیا گیا جس کے لیے ضروری قرار دیا گیا کہ مکہ کا ہر باشندہ خواہ وہ مرد ہو یا عورت، اس میں سرمایہ لگائے اور اس سے جو منافع حاصل ہو اس کو مسلمانوں کے خلاف جنگ میں

Marfat.com

صرف کیا جائے۔ چنانچہ تجارت کے نام سے قریش کے ایک ایک فرد نے اس قافلہ میں اپنا مال لگایا۔ عورتیں جو اس زمانے میں بہت کم حصہ لیتی تھیں، انہوں نے بھی اس میں اپنی استطاعت کے مطابق رقم لگائی۔ صرف ایک شخص ایسا تھا جو اس سے الگ رہا۔ اس شخص کا نام حویطب بن عبدالعزیٰ تھا۔

(البدایہ والنہایہ: ۲۵۶/۳)

اس جذبے کے تحت جس کسی کے پاس تھوڑی سے تھوڑی رقم بھی تھی اس نے بھی اس تجارتی قافلہ میں لگا دی۔ چنانچہ ابوسفیان جو اس قافلہ کا امیر اور سردار تھا، اس نے خود بیان کیا ہے کہ

مامن قرشی ولا قرشية له نش وصاعداً الا بعث به معنا

(طبقات بن سعد: ۷/۲)

''قریش کے کسی مرد یا عورت کے پاس ایک نش یا نش کے قریب بھی تھا تو اس نے وہ ہمیں دے دیا۔''

نش نصف اوقیہ یا بیس درہم کا ہوتا ہے جس کا وزن قریباً پونے چار تولے چاندی ہوتا ہے۔ اس طرح مجموعی رقم جو اکٹھی ہوئی اس کی مالیت پچاس ہزار دینار بیان کی جاتی ہے، اس لحاظ سے اٹھارہ ہزار سات سو پچاس تولہ سونا اس قافلے کا سرمایہ تھا۔ آج کل کے حساب سے جب کہ سونے کی قیمت بیس ہزار روپیہ فی تولہ ہے، ساڑھے تین ارب سے زیادہ کا سرمایہ تھا جو کہ آج بھی اور اس زمانہ میں بھی ایک بہت بڑی رقم تھی۔

چونکہ پورے مکہ کا سرمایہ اس میں لگا ہوا تھا اس لیے ہر ایک قبیلہ کا نمائندہ اس میں شریک ہوا۔ اس طرح صرف سربراہوں کی تعداد چالیس (معالم التنزیل بغوی) اور ایک روایت کے مطابق ستر تھی۔ (درمنثور: ۱۶۴/۳)

اس قافلہ کا رئیس ابوسفیان بن حرب کو مقرر کیا گیا کیونکہ اسے تجارتی قافلوں کا زیادہ تجربہ تھا۔ اتنے سرمایہ کا ساز و سامان لے کر وہ قافلہ مکہ سے شام کی طرف روانہ ہوا۔

ایک طرف تو یہ منصوبہ تھا اور دوسری طرف یہ منصوبہ بنایا گیا کہ جب تک باقاعدہ جنگ کی تیاری ہو اس وقت تک مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ جاری رکھی جائے اور مدینہ میں ان کو امن و امان سے زندگی کے دن گزارنے کا موقع نہ دیا جائے۔ کرز بن جابر فہری نے مدینہ طیبہ کی چراگاہ پر جو شبخون مارا تھا وہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھی۔

اتنا بڑا کارواں جس میں پچاس ہزار دینار کا ساز و سامان بار کیا ہوا ہو اور ایک

Marfat.com

ہزار اونٹ اور قریش کے چالیس سے ستر اکابر کے ہاتھ میں اس کی زمام کار ہو تو اس کا مکہ سے نکل کر شام تجارت کے لیے جانا کوئی سربستہ راز نہیں ہو سکتا۔ اس کی تمام خبریں مدینہ منورہ پہنچ رہی تھیں اور قدرتی بات ہے کہ یہ خبریں اہل مدینہ کے دلوں میں خوف و ہراس کی لہریں پھیلا رہی تھیں، لہٰذا نبوی بصیرت نے قریش کے اس منصوبے کو ناکام بنانے کے لیے غزوہ ذوالعشیرہ میں ڈیڑھ سو یا دو سو مہاجرین کی معیت میں خود اس کا تعاقب فرمایا لیکن آپ کے عشیرہ پہنچنے سے پہلے وہ قافلہ وہاں سے جا چکا تھا۔ اس طرح وہ آپ ﷺ کی گرفت سے بچ نکلا۔ رمضان المبارک میں وہ قافلہ بے شمار مال سے لدا پھندا واپس مکہ آ رہا تھا۔ آپ کو اس کی واپسی کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ کو اس کے حالات کا پتہ چلانے کے لیے شمال کی جانب روانہ کیا یہ دونوں صحابی قام حوراء تک گئے۔

سرکار دو عالم ﷺ کا یہ اقدام ہر لحاظ سے مناسب تھا۔ یہ اقدام لوٹ مار میں شمار نہیں ہوتا بلکہ یہ دشمن کی اقتصادی ناکہ بندی کہلاتا ہے کیونکہ اپنے آپ کو دشمن کے شر سے بچانا نہایت ضروری ہے۔ قریش کے عزائم اچھے نہیں تھے۔ انہوں نے تمام اہل مدینہ کو الٹی میٹم دیا تھا کہ اگر تم لوگوں نے محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو مدینہ سے باہر نہ نکالا تو تمہارے نوجوانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔ قریش اگر مدینہ طیبہ پر حملہ کرتے تو مسلمان ہی ان کے ظلم وستم کا نشانہ نہ بنتے بلکہ مدینہ کے تمام باشندے اور باسی بھی ان کے حملے کا ہدف ہوتے۔ ایک باحوصلہ، بہادر اور بیدار مغز قائد کے لیے یہ نہایت ضروری ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف اپنے آدمیوں کا بلکہ اپنے حلیف اور معاہد شہریوں کی جان و مال کی حفاظت کا انتظام بھی کرے۔ جنگی تدابیر، لڑائی کے پینترے اور اسٹریٹیجی (Strategy) اور مقابلہ کی چالیں وہ قابل قدر خوبیاں ہیں جو ایک بہادر جرنیل کے کمالات میں شمار ہوتی ہیں۔ سیدنا سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ رئیس اوس مکہ مکرمہ میں ابوجہل کو جو چیلنج دے کر آئے تھے کہ ''ہم تمہاری تجارت کا راستہ بند کر دیں گے''، اس کو کامیاب کرنے کا سب سے اہم اور سب سے زیادہ نازک وقت یہی تھا۔ چنانچہ آپ نے بروقت، برمحل اور بجا طور پر یہ قصد فرمایا کہ اس قافلہ کا رستہ روکا جائے۔

تجارتی قافلے کی واپسی شام سے کب ہو گی اور وہ کس راستہ سے واپس جائے گا اس کا علم کسی کو نہیں تھا۔ جانے کا راستہ تو معلوم تھا لیکن اس بات کا قوی امکان تھا کہ واپسی کا راستہ تبدیل ہو جائے اور مدینہ طیبہ کے قریب سے گزرنے کے بجائے اس شاہراہ سے گزرے جو

Marfat.com

ساحل سمندر سے چھوتی ہوئی ینبع کے قریب سے بدر کی جانب مڑتی ہے[1]۔ بدر ایک جنکشن تھا جہاں مدینہ کو بھی راستہ جاتا تھا اور مکہ مکرمہ کو بھی، لہٰذا سرکار دو عالم ﷺ نے دونوں طرف آدمی روانہ فرما دیئے۔ بسبس بن عمرو جہنی کو بدر کی جانب اس راستہ پر بھیجا اور عدی بن ابی الرغباء کو اس راستہ پر بھیجا جو مکہ کو جاتا تھا، اور سیدنا طلحہ بن عبیداللہ اور سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ کو شام کی جانب روانہ فرمایا۔ (البدایہ والنہایہ: ۲۶۲/۳)

یہ دونوں حضرات شمال کی طرف روانہ ہوئے لیکن انہیں اس قافلہ کے بارے میں کچھ پتہ نہ چلا۔ وہ پھر اسی راستہ کی طرف مڑ گئے جو ساحل سمندر کو چھوتا ہوا گزرتا ہے۔
(تفسیر مظہری: ۱۱/۴)

ابن سعد نے طبقات میں روایت نقل کی ہے کہ جب یہ دونوں حضرات جبار پہنچے جو حوراء کے علاقہ میں ہے تو قافلہ کی آمد آمد تھی۔ کشد جہنی اس علاقہ کا رئیس تھا۔ قبیلہ جہینہ سرکار دو عالم ﷺ کا حلیف تھا۔ یہ دونوں حضرات کشد جہنی کے ہاں مقیم ہو گئے۔ یہ دونوں حضرات ابن سعد کی روایت کے مطابق دس روز تک حوراء (عمرو بن شیبہ کی روایت کے مطابق خرار ہے، یہ دونوں شام کے قریب قریب تھے) حوراء ینبع سے قریباً پچاس میل کے فاصلہ پر تھا اور ینبع مدینہ سے ڈیڑھ سو میل کے فاصلے پر تھا۔

دس روز گزر گئے لیکن یہ دونوں حضرات مدینہ واپس نہ آئے۔ البتہ بسبس بن عمرو جہنی رضی اللہ عنہ جن کو مکہ کی طرف جانے والے راستہ پر بھیجا گیا تھا، وہ واپس تشریف لے آئے۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ سیدنا بسبس رضی اللہ عنہ جب واپس پہنچے تو انہوں نے تنہائی میں سرکار دو عالم ﷺ سے ملاقات کی اور اس وقت آپ کے اور میرے سوا گھر میں اور کوئی نہ تھا۔

---

[1] بدر مدینہ منورہ سے قریباً اسی (80) میل کے فاصلہ پر مغرب مائل بجنوب اس شاہراہ پر واقع ہے جو زمانہ قدیم سے شام اور مکہ کے درمیان تجارتی قافلوں کی جولان گاہ رہی ہے۔ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ جانے کے اور راستے بھی ہیں جن میں سے بعض کا فاصلہ نسبتاً کم ہے لیکن اکثر و بیشتر لوگ بدر کے راستہ ہی سے آتے جاتے ہیں۔ پہلے جو سڑک حرمین کے درمیان بنائی گئی تھی وہ بدر ہی سے ہو کر جاتی تھی۔ لیکن سعودی حکومت نے حجاج اور زائرین کی سہولت کے لیے اب ایک نئی سڑک بنائی ہے جو بدر سے کافی ہٹ کر گزرتی ہے۔ یہ بڑی وسیع سڑک ہے اور بیک وقت تین تین گاڑیاں آ جا سکتی ہیں۔ بحیرہ احمر کے ساحل سے بدر کا فاصلہ دس بارہ میل سے زیادہ نہ ہوگا۔

Marfat.com

(ما فی البیت احد غیری و غیر النبی ﷺ) (البدایہ والنہایہ:۳/۲۷۷)

تنہائی کی اس بات چیت میں کیا کیا باتیں ہوئیں، تاریخ کے اوراق اس کے بارہ میں خاموش ہیں۔ البتہ اس کے فوراً بعد ہی سرکار دو عالم ﷺ نے روانگی کا اعلان فرما دیا اور اعلان کچھ اس طرح فرمایا کہ ''جن کی سواریاں یہاں موجود ہیں وہ ہمارے ساتھ چلیں'' گویا جانے میں نہایت جلدی کا اظہار فرمایا۔

انصار مدینہ کے پاس سواری کے اونٹ تو تھے لیکن رسول اللہ ﷺ ان کو لے کر اتنی جلدی مدینہ طیبہ سے نکلے کہ وہ اپنی چراگاہوں سے جو کہ مدینہ طیبہ کے گرد و نواح میں آٹھ میل تک پھیلی ہوئی تھیں، اپنے اونٹ نہ لا سکے۔ انہوں نے بارگاہ رسالت میں عرض بھی کیا کہ وہ اپنے اونٹ اپنی چراگاہوں سے لے آئیں لیکن لسان نبوت نے فرمایا:

من كان ظهره حاضراً فليركب معنا، ولم ينتظر من كان ظهره غائباً عنه

''یعنی جس کی سواری حاضر ہے وہ تو سوار ہو جائے اور ہمارے ساتھ چلے اور جن کی سواریاں وہاں موجود نہ تھیں بلکہ ان کی چراگاہوں میں یا زرعی فارموں میں تھیں رسول اللہ ﷺ نے ان کا انتظار نہ فرمایا۔''

(عمدۃ القاری للعینی، مسند احمد، انساب الاشراف وغیرہ)

مدینہ منورہ سے اس طرح دفعتاً روانگی کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ناگوار بھی گزری کیونکہ وہ فراست نبوی کا ادراک نہ کر سکے تھے، اور دوسرے قریش کے قافلہ کی شان و شوکت اور جاہ و جلال کا جو نقشہ ان کے ذہنوں میں تھا یا جو ان کو بتایا گیا تھا وہ اس سے خائف تھے۔ اسی بات کو قرآن حکیم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

﴿كما اخرجك ربك من بيتك بالحق و ان فريقا من المومنين لكارهون﴾

''جیسے تیرے رب نے تجھے باہر نکالا تیرے گھر سے صحیح وجہ سے حالانکہ اہل ایمان کا ایک گروہ اس سے ناخوش تھا۔''

سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے تخلیہ کی وہ بات بیان نہیں فرمائی، ہوسکتا ہے کہ انہوں نے یہ بات سنی ہی نہ ہو، لیکن آپ کے بعد والے اقدامات نے اس تنہائی کی گفتگو کی نشان دہی کر دی۔ چنانچہ آپ نے شام کی طرف کوچ نہ فرمایا بلکہ اس جانب کوچ فرمایا جہاں سے اب قافلے

Marfat.com

کے گزرنے کا امکان تھا۔ یہ بدر کے قریب کا راستہ تھا جو ساحل سمندر کو چھوتا ہوا اس راستہ سے جا ملتا ہے جس کو رئیس قافلہ ابوسفیان نے اب اختیار کیا تھا۔ جہاں سیدنا طلحہ بن عبیداللہ اور سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ پہنچے ہوئے تھے اور ابھی تک واپس نہ آئے تھے۔

ہجرت سے 19 ماہ بعد 12 رمضان المبارک بروز ہفتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے 313 یا 315 جاں نثاروں کے ساتھ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ مسلمان لشکر کے پاس سواری کے لئے دو گھوڑے اور اسی اونٹ تھے۔ باقی مجاہدین پا پیادہ تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تو نکلے لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بالکل معلوم نہیں تھا کہ کہاں جانا ہے؟ منزل متعین نہیں تھی۔ نتیجہ سفر کا اندازہ نہیں تھا، لیکن مدینہ سے اتنی جلدی نکلنے کی وجہ سے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ سفر نہایت اہم ہے جبھی تو اتنی جلدی رخت سفر باندھا ہے اور ہمیں اپنی سواریاں لینے کے لئے بھی وقت نہیں دیا گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ مدینہ سے باہر جب بھی سفر پر جاتے تو مدینہ سے باہر نکل کر کسی جگہ قیام فرماتے۔ وہاں ضروری انتظامات کا جائزہ لیتے۔ رفقاء سفر کو شمار کرتے اور ان کی ضروریات کا بھی جائزہ لیتے۔ اس دفعہ جو آپ رفقائے سفر کو لے کر نکلے تو مدینہ طیبہ سے ایک میل باہر ''بئر ابی عتبہ'' پر قیام فرمایا اور ہدایت فرمائی کہ اونٹوں کو پانی پلایا جائے۔ پکھالوں میں پانی بھر لیا جائے اور ایک صحابی سیدنا قیس بن صعصہ رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ وہ کنویں پر کھڑے ہو جائیں اور رفقائے سفر اور ان کی سواریوں کو شمار کریں۔ انہوں نے رفقائے سفر کو جو شمار کیا تو ان کی تعداد 313 تھی (ایک روایت کے مطابق 315 تھی) جن میں 74 مہاجرین اور باقی انصار تھے۔ ان میں 313 کے پاس کل ستر اونٹ تھے اور دو گھوڑے تھے۔ ایک سیدنا مقداد رضی اللہ عنہ کے پاس اور دوسرا سیدنا مرثد بن ابی مرثد غنوی کے پاس تھا۔ تمام اصحاب سیر کا یہ خیال ہے کہ بہت سے آدمی پیچھے رہ گئے تھے، اس لئے کہ انہیں یہ خیال نہیں تھا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جنگ پیش آئے گی اور خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی انہیں جانے کے لئے کوئی زور نہ دیا تھا بلکہ صرف یہ فرمایا کہ جس کے پاس سواری موجود ہو وہ ہمارے ساتھ چلے ارباب سیر اور مورخین نے لکھا ہے کہ اس سفر میں کئی مواقع پر حضرات انصار نے افسوس کا اظہار کیا اور بعد میں بھی افسوس کا اظہار کرتے رہے کہ اگر اس وقت جنگ کا خیال ہوتا تو انصار کی بہت بڑی تعداد آپ کی ہم رکابی کے شرف سے محروم نہ رہ جاتی۔

12 رمضان المبارک کو آپ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اور جمعہ کے روز غزوہ بدر کا

Marfat.com

واقعہ پیش آیا۔ ان پانچ چھ روز میں آپ نے قریباً 80 میل کا سفر طے فرمایا جو عموماً اس سے زیادہ دنوں میں طے ہوتا تھا۔ یہ تیز رفتاری صرف اس لئے اختیار کی گئی تا کہ اس تجارتی قافلہ کا مال ضبط کیا جا سکے جو بعد میں مسلمانوں کے خلاف جنگ میں کام آنا تھا۔ آپ ﷺ کا اس طرح بے سروسامانی کی حالت میں نکلنا اس بات کی صاف غمازی کرتا ہے کہ آپ جنگ کے لئے نہیں نکلے تھے بلکہ قافلہ کے تعاقب اور جستجو میں اتنی تیز رفتاری سے آئے تھے۔

نبی اکرم ﷺ نے عبداللہ بن ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو نماز پڑھانے کے لئے اپنی جگہ امام مقرر فرمایا۔ اسلامی لشکر جب روحاء کے مقام پر پہنچا تو سرکار دو عالم ﷺ نے سیدنا ابو لبابہ رضی اللہ عنہ کو واپس مدینہ بھیج دیا تا کہ وہ آپ ﷺ کی واپسی تک نیابت کے فرائض انجام دیں۔

آپ ﷺ کا یہ دستور تھا کہ جب بھی کوئی دستہ بھیجا جاتا خواہ آپ خود اس میں موجود ہوتے یا نہ ہوتے، آپ اس کو پرچم ضرور دے کر بھیجتے، ایک علم بردار سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہوتے تھے۔ آپ کے پاس جو علم تھا اس کا نام ''عقاب'' تھا۔ دوسرے علم بردار انصاری صحابی ہوتے تھے۔ ایک علم سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو عطا ہوا تھا۔ اس کا رنگ سفید تھا اور ایک جھنڈا مستقل طور پر حضرات انصار کے لئے تجویز تھا۔ سیدنا سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ اس کے علم بردار تھے۔ (البدایہ النہایہ: ۳/۱۶۰)

حافظ ابن کثیر کی ایک روایت میں ہے کہ لشکر اسلام کا پرچم سفید رنگ کا تھا۔ وہ آپ ﷺ نے سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو ارزانی فرمایا۔ سرکار دو عالم ﷺ کے جلو میں دو اور جھنڈے لہرا رہے تھے۔ ایک پرچم جس کا نام ''عقاب'' تھا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا اور دوسرا پرچم ابن ہشام کی روایت کے مطابق سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے پاس تھا لیکن بعض اصحاب سیر نے سیدنا حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کا نام لیا ہے۔

محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ لشکر کے ساقہ (آخری حصہ) پر قیس بن ابی صعصعہ رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمایا جو بنو نجار کے بنو ماذن قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ میمنہ پر اسود رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمایا۔ جب لشکر اسلام روانہ ہونے لگا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جن اونٹوں کے گلے میں گھنٹیاں ہیں وہ اتار دی جائیں۔ مقصد یہ تھا کہ لشکر کی رازداری رہے۔

مرج الطبیہ کے مقام پر لشکر کا جائزہ لیا گیا اور جو کم عمر بچے تھے ان کو واپس بھیجنے کی ہدایت فرمائی بعض روایات میں ہے کہ اس مقام کا نام ''بئر ابی عتبہ'' ہے۔ ان نوعمر اور نوخیز مجاہدین کے نام حسب ذیل ہیں:

Marfat.com

① سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ
② سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ
③ سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ
④ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ
⑤ سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ
⑥ سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ
⑦ سیدنا عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

جب ان کو واپس جانے کا حکم ہوا تو سیدنا عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے یہ حکم سنتے ہی رونا شروع کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو روتے دیکھ کر مجاہدین سے فرمایا کہ اس کو لشکر میں شامل کر لو۔ جنگ بدر میں انہوں نے سولہ سال کی عمر میں جام شہادت نوش فرمایا۔ (سبل الہدیٰ: ۴/ ۳۸، امتاع الاسماع: ۱/ ۷۴)

بئر سقیا سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانی نوش فرمایا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی حکم فرمایا کہ اس کنویں سے پانی پئیں۔ پھر وہاں نماز ادا فرمائی اور ان الفاظ میں مدینہ منورہ کے لیے دعا فرمائی:

اللھم ان ابراھیم عبدک وخلیلک ونبیک دعاک لاھل مکة وانی محمدٌ عبدک ونبیک ادعوک لاھل المدینة ان تبارک فی صاعھم ومدھم وثمارھم، اللھم حبب الینا المدینة واجعل مابھا من الوباء بخم، اللھم انی حرمت مابین لا بتیھا کما حرم ابراھیم خلیلک مکة.

(سبل الہدیٰ: ۴/ ۳۸، امتاع الاسماع: ۱/ ۷۴)

"اے اللہ! ابراہیم تیرے بندے، تیرے خلیل اور تیرے نبی تھے۔ انہوں نے اہل مکہ کے لیے تجھ سے دعا مانگی تھی اور میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تیرا بندہ اور تیرا نبی ہوں۔ میں اہل مدینہ کے لیے تجھ سے دست بدعا ہوں کہ تو ان کے صاع میں، ان کے مد میں اور ان کے پھلوں میں برکت عطا فرما۔ اے اللہ! مدینہ کو ہمارے لیے محبوب بنا دے اور جو وبائی امراض وہاں ہیں انہیں خم میں بھیج دے۔ اے اللہ! میں نے مدینہ کے دو کناروں کے درمیانی علاقہ کو حرم بنا دیا ہے جس طرح تیرے خلیل ابراہیم نے مکہ کو حرم بنا دیا تھا۔"

اتوار کی شام کو آپ سقیا کے مکانوں سے جب روانہ ہوئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خستہ حالی کو دیکھا تو دعا فرمائی:

Marfat.com

اللھم انھم حفاۃ فاحملھم وعراۃ فاکسھم وجیاع فاشبعھم وعالۃ فاغنھم من فضلک۔

''اے اللہ! یہ پیادہ پا ہیں ان کو سواریاں عطا فرما، یہ عریاں ہیں ان کو لباس عطا فرما، یہ بھوکے ہیں ان کو سیر کر دے اور یہ مفلس وقلاش ہیں ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے۔''

بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ سے نکلتے وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا تھا کہ ابوسفیان نے جو اپنے قافلہ سمیت واپس آرہا ہے، اس کے لیے نکلو شاید اللہ تعالیٰ ان کے اموال ہمیں مرحمت فرما دے۔ اس وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ گمان نہ تھا کہ جنگ تک نوبت پہنچے گی۔ ان حضرات نے یہی خیال کیا کہ قافلہ کے ساتھ چالیس کے لگ بھگ محافظوں کا دستہ ہے، ان کو قابو کر لینا کوئی ایسا کام نہیں جس کے لیے مدینہ کے سب مسلمانوں کا ساتھ جانا ضروری ہو۔ نیز سرکار دو عالم ﷺ نے اس مہم میں شامل ہونے کے لیے اصرار نہیں فرمایا۔ سواریاں کم تھیں آدمی زیادہ تھے۔ ایک یا دو گھوڑے تھے اور اسی (80) اونٹ۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسا نہیں کیا کہ جس کے پاس سواری کا اونٹ ہے وہ تو اپنے اونٹ پر سوار ہو جائے اور باقی پاپیادہ سفر کریں بلکہ آپ ﷺ نے ہر تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے ایک ایک اونٹ مقرر فرما دیا، اور اپنے اونٹ کو بھی اپنی ذات کے لیے مخصوص نہیں فرمایا بلکہ آپ نے اسلامی تعلیمات کے تحت اپنے اونٹ کے لیے بھی تین آدمی تجویز فرمائے۔ ایک حضور ﷺ خود، دوسرے سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور تیسرے سیدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہ۔ ابولبابہ کو تو بعد میں مدینہ کا والی بنا کر واپس بھیج دیا، اب ان کی جگہ مرثد بن ابی مرثد رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ شامل کر لیا۔ جب رسول اللہ ﷺ ان دونوں کو باری دینے کے لیے اونٹ سے نیچے اترنے لگے تو ان دونوں نے عرض کی: ''اے اللہ کے رسول! ہماری باری میں بھی آپ ہی سوار رہیں۔ یہ ہماری خوش نصیبی ہوگی کہ آپ ﷺ اونٹ پر سوار ہوں اور اونٹ کی نکیل ہمارے ہاتھ میں ہو اور اس کی گرد اڑ کر ہماری آنکھوں کا سرمہ اور چہروں کا غازہ بن رہی ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((ماانتما باقویٰ منی وما انا اغنیٰ عنکما من الاجر))

(انساب الاشراف: ۱/ ۲۸۹)

''تم دونوں نہ مجھ سے زیادہ طاقتور ہو اور نہ میں تم سے زیادہ اجر سے مستغنی ہوں۔''

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان نے قیامت تک آنے والے قائدین کے لیے مساوات انسانی کا درس دیا ہے۔ مساوات کے دعوے دار زبانی باتیں تو بہت کرتے ہیں لیکن جب عمل کی باری آتی ہے تو اس میں بالکل فیل ہو جاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو جو تعلیم دی اس پر دوسروں سے زیادہ عمل کر کے دکھایا۔

آپ کی صاحبزادی رقیہ سلام اللہ علیہا جو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، ان دنوں سخت بیمار تھیں۔ اس لیے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کی تیمارداری اور عیادت کے لیے مدینہ ہی میں رہنے کے لیے فرمایا۔ سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو ان کی مدد کے لیے مامور فرمایا۔ سیدنا بسبس بن عمرو رضی اللہ عنہ، سیدنا عدی بن ابی الرغباء رضی اللہ عنہ جن کو پہلے قافلہ کا پتہ چلانے کے لیے بھیجا تھا، یہ دونوں حضرات نے بدر پہنچ کر پانی کے چشموں کے قریب ریت کا ایک ٹیلہ تھا، اس کی اوٹ میں انہوں نے اپنے اونٹوں کو بٹھایا۔ انہوں نے دیکھا کہ دو عورتیں پانی کے چشمے کی طرف جا رہی ہیں۔ بسبس بن عمرو جہنی اس چشمہ پر گئے۔ وہاں کا رئیس مجدی بن عمرو جہنی تھا۔ وہ بھی اس وقت چشمہ پر موجود تھا۔ وہاں یہ دونوں عورتیں بھی پانی بھرنے آئیں۔ ان میں سے ایک نے دوسری سے قرض کی رقم لینی تھی۔ چنانچہ وہ دوسری عورت کو پکڑے ہوئے اپنے قرض کا مطالبہ کر رہی تھی۔ مقروض عورت نے اس کو یہ کہہ کر یقین دلایا کہ

انما ترد العیر غداً أو بعده فاعمل لهم ثم اقضیک

(سیرۃ ابن ہشام: ۲/ ۶۱۷)

''کل یا پرسوں (قریش کا) قافلہ یہاں پہنچے گا، میں ان کی خدمت کر کے جو کچھ ملے گا اس سے تمہارا قرض اتار دوں گی۔''

مجدی بن عمرو وہاں چشمہ پر موجود تھا اس نے تصدیق کی۔ سیدنا بسبس رضی اللہ عنہ اور سیدنا عدی رضی اللہ عنہ دونوں نے ان کی باتیں سن لیں اور وہ تمام معلومات اخذ کر لیں جو انہیں درکار تھیں۔ ان دونوں صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی اپنے اونٹوں کو پانی پلایا اور سیدھے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور پوری رپورٹ پیش کر دی۔ ان کی رپورٹ سے یہ پتہ چل گیا کہ ابوسفیان کا قافلہ ابھی بدر سے نہیں گذرا۔

ابوسفیان کی ہوشیاری:

ابوسفیان ایک ہوشیار اور بیدار مغز آدمی تھا۔ وہ صرف ایک تاجر ہی نہیں تھا بلکہ ایک

Marfat.com

حوصلہ مند جرنیل اور صاحب ہوش وحواس لیڈر اور قائد بھی تھا۔ اس وجہ سے اہل مکہ نے اسے قافلہ کا رئیس بنایا تھا حالانکہ عمرو بن العاص جیسے ہوشیار اور صاحب فراست لوگ بھی اس قافلہ میں شامل تھے۔ ابوسفیان کو بخوبی علم تھا کہ قریش نے مسلمانوں سے جنگ کا جو منصوبہ (Plan) بنایا ہے یہ تجارتی قافلہ بھی اس کا ایک حصہ ہے۔ اور چونکہ تمام اہل مکہ کا سرمایہ اس میں لگا ہوا ہے اس وجہ سے سب کی ہمدردیاں بھی ان کے ساتھ ہیں اور وہ ان کے جذبات سے بخوبی کھیل سکتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے دو کام کیے:

ایک تو اس قافلہ کو مسلمانوں کی دست برد سے بچانے کے لیے مناسب تدابیر کیں۔

دوسرے اہل مکہ کو ہوشیار کر دیا کہ وہ قافلہ کے سرمایہ کو تاخت و تاراج ہونے سے بچائیں۔

اس لیے انہوں نے ایک وقت میں یہ دو کام کیے۔ قافلہ کو مسلمانوں کی دست برد سے بچانے کے لیے انہوں نے یہ تدبیر کی کہ مدینہ کا راستہ چھوڑ کر وہ راستہ اختیار کیا جو ساحل سمندر کو چھوڑ کر گذرتا ہوا ینبع کے قریب سے گذرتا تھا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو صحابی سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ قافلہ کی جستجو میں جب حوراء کے علاقہ میں ''کشد'' کے پاس پہنچے تو قافلہ یہاں سے گزر رہا تھا۔ وہ یہاں سے بدر کی طرف مڑا جہاں مشہور فرودگاہ تھی اور یہاں سے ہر طرف کو شاہراہیں جاتی تھیں۔ ایک شاہراہ مکہ مکرمہ کی طرف جاتی تھی۔ ابوسفیان کا اصل راستہ بدر سے یہی شاہراہ تھی اور قریش کی فوج بھی مکہ سے بدر اسی شاہراہ سے آئی تھی، لیکن ابوسفیان نے نہایت ہوشیاری اور بیدار مغزی سے کام لیتے ہوئے پہلے قافلہ کے بغیر خود تنہا بدر پہنچا تاکہ وہاں کے رئیس شیخ مجدی سے حالات معلوم کرے، لیکن اس سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو صحابی سیدنا بسبس بن عمرو رضی اللہ عنہ اور سیدنا عدی بن الرغباء رضی اللہ عنہ قافلہ کا پتہ لگانے کے لیے بدر کے چشمہ پر پہنچے جہاں دو لونڈیاں آپس میں جھگڑ رہی تھیں اور شیخ مجدی بن عمرو ان کے پاس کھڑا ان کا جھگڑا چکا رہا تھا۔ ان دونوں حضرات نے ان دونوں لونڈیوں کی گفتگو سے حالات کو بھانپ لیا بلکہ اپنے اونٹ کو پانی پلا کر اور مشکیزہ میں پانی بھر کے واپس چلے آئے تھے۔ ابوسفیان ان کے بعد جب تنہا بدر پہنچا اور شیخ مجدی بن عمرو سے دریافت کیا کہ کیا مدینہ کے لوگ ادھر آئے تھے؟ آپ کو ان کے بارے میں کچھ علم ہے؟ شیخ مجدی نے جواب دیا:

''مدینہ کا کوئی آدمی اس طرف نہیں آیا۔ جو لوگ اس طرف سے گزرے ہیں ان کو میں بخوبی پہچانتا ہوں۔ البتہ دو شخص ایسے آئے تھے جن کو میں نہیں پہچان سکا۔ انہوں نے یہاں بات

Marfat.com

چیت تو کوئی نہیں کی بلکہ یہاں پہنچ کر ٹیلہ کے قریب اونٹ بٹھایا۔ پھر اس طرف آئے۔ پانی بھرا اور واپس چلے گئے۔ میں نہیں بتا سکتا کہ وہ کون تھے؟''

ابوسفیان کو ان دونوں حضرات کے بارے میں کچھ شبہ ہوا۔ وہ فوراً وہاں گیا جہاں انہوں نے اونٹ بٹھایا تھا۔ وہاں کچھ مینگنیاں پڑی ہوئی تھیں۔ اس نے ایک مینگنی کو اٹھا کر توڑا تو اس میں سے ایک گٹھلی نکلی۔ اس نے گٹھلی دیکھی تو گھبرا کر بولا:

هذه والله علائف اهل يثرب (الاکتفاء:۲/۱۸)

''خدا کی قسم! یہ اہل یثرب کے چارہ کے لیڈ نے ہیں۔''

پھر فوراً وہاں سے قافلہ میں پہنچا۔ رفقاء قافلہ کو بتایا اور اس راستہ کو چھوڑ کر دوسرے راستہ کو ہولیا۔ جب آگے چل کر پوری طرح اطمینان ہو گیا کہ قافلہ مسلمانوں کی دست برد سے کلی طور پر محفوظ و مصئون ہو گیا ہے تو اس نے ابوجہل کو پیغام بھجوایا۔ قافلہ چونکہ محفوظ ہو گیا ہے لہٰذا آپ لوگ بھی جنگ کا ارادہ ترک کر دیں اور واپس چلے جائیں۔ چنانچہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ جب میدان بدر میں فریقین کا مقابلہ ہوا تو ابوسفیان کا قافلہ نشیبی حصے میں سمندر کے کنارے کنارے مکہ جا رہا تھا۔

ایک طرف تو ابوسفیان نے قافلہ کو اس تدبیر سے محفوظ کر لیا۔ دوسری طرف اس نے حفظ ماتقدم کے طور پر ایک شخص ضمضم بن عمرو غفاری کو سونے کے 20 مثقال دیے جن کا وزن آج کل کے حساب سے ساڑھے سات تولے ہوتا ہے، اور اس کو پٹی پڑھائی کہ فوراً مکہ پہنچ کر اپنے اونٹ کی ناک کاٹ دے۔ اپنے تمام کپڑے پھاڑ کر برہنہ ہو جائے اور اونٹ پر الٹا بیٹھ کر (یعنی منہ دم کی طرف کر کے) پورے مکہ شہر میں شور مچاتا ہوا گھوم جائے اور یہ آواز لگائے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ابوسفیان کے تجارتی قافلہ پر حملہ کر دیا ہے۔ ضمضم غفاری خود بھی بہت ہوشیار اور چالاک آدمی تھا، لہٰذا اس نے بڑی ہوشیاری اور چالاکی سے ابوسفیان کی اس تدبیر پر عمل کیا۔ یہ طریقہ اس زمانے میں لوگوں کو ہوشیار کرنے کا ہوتا تھا۔

عاتکہ بنت عبدالمطلب کا خواب:

انہی دنوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب کو جو سیدنا عباس کی بہن تھیں، ایک خواب آیا۔ ان دونوں بہن بھائی کے دلوں میں ایمان کی لہریں تو اٹھ رہی تھیں اور بھتیجا ہونے کے ناطے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ دونوں محبت بھی کرتے تھے، لیکن

Marfat.com

ابھی باقاعدہ طور پر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان نہیں کیا تھا۔

اصحاب سیر نے لکھا ہے کہ جس روز ابو سفیان کا قاصد ضمضم غفاری مکہ مکرمہ کے قافلہ کے بارے میں اطلاع دینے کے لیے پہنچا، اس سے تین روز قبل عاتکہ بنت عبدالمطلب نے ایک نہایت بھیانک خواب دیکھا۔ خواب ایسا تھا جس کو وہ ہر ایک سے بیان نہیں کرسکتی تھیں۔ دماغ کا بوجھ اور دل کی گھبراہٹ کو ہلکا کرنے کے لیے انہوں نے اپنے بھائی عباس سے اپنا وہ خواب بیان کیا، لیکن ساتھ ہی یہ بھی تاکید کردی کہ یہ خواب کسی سے بیان نہ کریں کیونکہ لوگ پہلے ہی ہمارے خاندان کے مخالف ہیں، ہوسکتا ہے کہ وہ اور زیادہ مخالف ہو جائیں یا پھر مذاق اڑائیں۔

انہوں نے بھائی عباس کو بتایا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ایک شتر سوار آیا ہے اور ابطح کے میدان میں اونٹ کو بٹھا کر اور زور زور سے چیخ کر کہنے لگا:

''اے دھوکہ بازو! اپنی قتل گاہوں کی طرف تین دنوں کے اندر اندر دوڑو۔ میں نے دیکھا کہ لوگ اس آواز دینے والے کے گرد اکٹھے ہو گئے۔ پھر وہ اپنا اونٹ لیے ہوئے مسجد حرام گیا۔۔ مجمع بھی اس کے ساتھ گیا۔ مسجد حرام میں پہنچ کر خانہ کعبہ کی پشت پر اس نے اونٹ کو کھڑا کردیا اور یہاں بھی اسی طرح اس نے بلند آواز سے یہی کہا۔ پھر وہ جبل بوقیس کی چوٹی پر چڑھ گیا اور وہاں سے بھی اس نے یہی آواز لگائی۔ پھر اس نے پہاڑ کی چوٹی سے پتھر کی ایک چٹان نیچے پھینکی۔ جب وہ چٹان پہاڑ کے دامن میں پہنچی تو وہ ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی، اور مکہ کا کوئی گھر ایسا نہ رہا جس میں اس کا کوئی ٹکڑا جا کر نہ گرا ہو۔ عاتکہ نے یہ خواب اپنے بھائی عباس سے بیان کرنے کے بعد کہا: بھائی! خدا کی قسم! مجھے اندیشہ ہے کہ تیری قوم پر کوئی بڑی مصیبت نازل ہونے والی ہے۔'' عباس نے بہن سے کہا کہ میں تو اس خواب کا کسی سے تذکرہ نہیں کروں گا، مگر عاتکہ! تم بھی کسی اور سے یہ خواب بیان نہ کرنا۔'' عباس جب گھر سے باہر نکلے تو انہوں نے اپنے دوست ولید بن عتبہ سے یہ خواب بیان کردیا اور اسے تاکید کی کہ اس خواب کو کسی اور سے بیان نہ کرنا، لیکن وہ بھی اپنے پیٹ میں یہ راز نہ رکھ سکا اور اس نے یہ خواب اپنے باپ عتبہ بن ربیعہ سے بیان کردیا۔ اسی طرح ایک دو روز میں یہ بات تمام مکہ میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ دو تین روز بعد عباس مسجد حرام میں گئے تو دیکھا کہ ابو جہل چند لوگوں کے ساتھ وہاں بیٹھا ہوا

Marfat.com

ہے۔اس نے عباس کو دیکھتے ہی کہا:

''اے بنوعبدالمطلب !تم میں یہ نبیہ کب پیدا ہوئی ہے؟

عباس نے کہا: ''کون نبیہ؟'' کہا ''عاتکہ'' عباس نے انجان بن کر پوچھا: ''عاتکہ کیا کہہ رہی ہے؟'' اس نے اس بات کا تو کچھ جواب نہ دیا، کہنے لگا: ''اے بنو عبدالمطلب ! تمہارے مردوں نے تو نبوت کا دعویٰ کیا ہی تھا اب تمہاری عورتیں بھی نبی بننے لگی ہیں، اور دیکھو، خواب میں تین دن کی مدت بتائی گئی ہے۔اگر تین دن کے اندر اندر کوئی واقعہ پیش نہ آیا تو ایک تحریر کے ذریعہ یہ اعلان کر دیں گے:

انکم اکذب اهل بیت فی العرب

یعنی تمام ملک عرب میں تمہارا گھرانا سب سے جھوٹا گھرانا ہے۔

عباس فرماتے ہیں کہ مجھے بے بس ہو کر اس خواب کا انکار کرنا پڑا۔ایک روایت میں ہے کہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے غصہ سے اسے کہا: ''اے بزدل! جھوٹ تجھ میں ہے یا تیرے خاندان میں۔ میں نے اسے کہا کہ عاتکہ نے کوئی ایسا خواب نہیں دیکھا اور اپنے دل میں بھی کہتا رہا کہ کاش عاتکہ نے کوئی ایسا خواب نہ دیکھا ہوتا، لیکن جب گھر پہنچا تو خاندان بنوعبدالمطلب کی عورتوں نے مجھے گھیر لیا اور غصہ سے ہر عورت مجھے یہی کہتی کہ تمہاری غیرت کہاں جاتی رہی؟ یہ خبیث ابوجہل مردوں پر تو زبان درازی کرتا ہی رہتا تھا اب اس نے عورتوں پر بھی زبان درازی شروع کر دی اور ہمیں نہایت افسوس ہے کہ تم چپ چاپ اس کی باتیں سنتے رہے اور اس کو کوئی جواب نہ دیا۔

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابوجہل کی باتوں سے مجھے غصہ بھی آیا اور کچھ ندامت بھی ہوئی۔اب میں نے یہ پختہ ارادہ کر لیا کہ ابوجہل نے اگر پھر ایسی کوئی بات کی تو میں اس کا منہ توڑ جواب دوں گا۔ میں نے خاندان کی عورتوں کو بھی اطمینان دلایا اور ان کے غصہ کو ٹھنڈا کیا۔اگلے روز میں (خواب کے دیکھنے کے تیسرے روز) حرم کعبہ میں گیا۔دل میں یہ ٹھانی ہوئی تھی کہ اگر آج ابوجہل نے بات کی تو اس کو ایسا جواب دوں گا کہ اسے پھر ایسی بات کرنے کی ہمت نہ ہوگی۔ میں جیسے ہی حرم میں داخل ہوا تو ابوجہل مجھے نظر پڑا۔ میں اس کی طرف چلا اور دل میں یہ سوچ رہا تھا کہ اگر آج اس نے خود اس بات کو نہ چھیڑا تو میں خود اس سے بات کروں گا اور اگر آج بھی اس نے کل والے الفاظ دہرائے تو اس کا ایسا جواب دوں گا کہ اس کی ساری تیزی ختم ہو جائے گی۔ ابوجہل نہایت تیز طرار آدمی تھا۔ زبان بھی تیز تھی اور نظر بھی تیز

Marfat.com

Marfat.com

کریں گے۔ مفسرین کا خیال ہے کہ وہ ابلیس لعین تھا اور وہ قریش کو مسلمانوں سے ضرور بھڑانا چاہتا تھا۔

مکہ میں ہر شخص کے دل میں اس قافلے کے تحفظ کے لیے ایک ولولہ تھا۔ اس لیے یا تو خود وہ جنگ میں جا رہا تھا یا اپنی جگہ کسی اور کو بھیج رہا تھا۔ تمام سرداران قریش جنگ میں جانے کے لیے تیار ہو گئے لیکن ابولہب اس میں شریک نہ ہوا اور ایک شخص عاصی ابن ہشام کو اپنے بدل میں بھیج دیا۔ عاصی بن ہشام دیوالیہ ہو گیا تھا پھر بھی لوگوں کے چار ہزار درہم اس کے ذمہ باقی تھی۔ قرض خواہ ہر روز اس سے تقاضا کرتے تھے وہ ان تقاضوں سے سخت پریشان تھا۔ ابولہب نے اسے کہا کہ تمہارا قرض میں ادا کر دیتا ہوں تم میری جگہ پر جنگ میں چلے جاؤ۔ عاصی پہلے ہی تقاضا کرنے والوں سے پریشان تھا اس لیے ابولہب کی جگہ جنگ میں چلا گیا۔ یہ عاصی بن ہشام ابوجہل کا بھائی تھا۔ ابن سعد کی روایت میں ہے کہ عاصی بن ہشام ابولہب ہی کا چار ہزار درہم کا مقروض تھا۔ (ابن سعد: ۲/۷)

اسی طرح امیہ بن خلف نے بھی جنگ پر جانے سے انکار کیا لیکن پھر ابوجہل کے اصرار پر چلا گیا۔ بعض نے عقبہ بن معیط کے طعنہ پر اس کا جنگ میں جانا لکھا ہے۔ امیہ بن خلف کا واقعہ ہے کہ جیسا کہ ہم نے گزشتہ صفحات میں لکھا ہے کہ ہجرت نبوی کے بعد سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ مکہ عمرہ کے لیے گئے۔ امیہ بن خلف ان کا پرانا دوست تھا اس لیے اسی کے ہاں قیام کیا۔ حرم میں طواف کے دوران ان کی ابوجہل سے درشت کلامی ہو گئی۔ ابوجہل نے ان کو دھمکی دی۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے دھمکی کا جواب دھمکی میں دیا۔ امیہ بن خلف نے سعد رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم ابوالحکم (ابوجہل) پر اپنی آواز بلند نہ کرو کیونکہ یہ اس وادی کا سردار ہے۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے نہایت ترشروئی سے کہا: ''امیہ بے رہنے دو، خدا کی قسم میں نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ تو ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کے ہاتھ سے قتل ہوگا۔'' امیہ نے پوچھا: ''کیا میں مکہ میں مارا جاؤں گا؟'' سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ''یہ مجھے معلوم نہیں کہ تو کہاں اور کس جگہ مارا جائے گا۔'' یہ سن کر امیہ بہت ڈر گیا اور کہا ''خدا کی قسم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی غلط نہیں کہتے'' اور قریب تھا کہ خوف و ہراس کی وجہ سے امیہ کا پاخانہ خطا ہو جائے۔ (فتح الباری: ۷/۲۲۰)

امیہ نے اس خوف و ہراس کی وجہ سے اس بات کا پکا ارادہ کر لیا کہ کبھی مکہ سے باہر نہیں نکلے گا۔ چنانچہ جب ابوجہل نے لوگوں کو بدر کی طرف چلنے کو کہا تو امیہ نے انکار کر دیا۔ ابوجہل اس کے پاس آیا اور چلنے کے لیے سخت اصرار کیا اور کہا کہ آپ سردار ہیں اگر آپ لوگ

Marfat.com

نہیں جائیں گے تو آپ کی دیکھا دیکھی اور لوگ بھی نہیں نکلیں گے۔ جب امیہ کسی صورت نہ مانا تو آخر میں ابوجہل نے یہ کہا: ''ابوصفوان! تیرے لیے نہایت عمدہ اور تیز گھوڑا خریدوں گا تاکہ جہاں خطرہ محسوس کرو فوراً واپس آ جاؤ۔'' امیہ اس خیال سے جانے کے لیے تیار ہو گیا کہ تھوڑی دور جانے کے بعد واپس آ جاؤں گا۔ چنانچہ گھر میں آ کر اپنی بیوی سے سفر کا سامان تیار کرنے کے لیے کہا۔ بیوی نے کہا: ''تمہیں اپنے یثربی بھائی کا قول یاد نہیں رہا؟'' امیہ نے بیوی سے کہا کہ ''میرا ارادہ تھوڑی دور جا کر واپس آ جانے کا ہے۔'' چنانچہ اسی ارادہ سے وہ گیا لیکن اس نے بدر میں قتل ہونا تھا اس لیے قضا وقدر نے واپس نہ آنے دیا اور میدان بدر میں لے جا کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں قتل کرایا۔

بعض مؤرخین نے کہا ہے کہ امیہ کا ارادہ جنگ میں جانے کا بالکل نہیں تھا، لیکن عقبہ ابن معیط نے اس کو ایسا طعنہ دیا کہ اپنی عزت کی خاطر اسے میدانِ جنگ میں جانا پڑا۔

امیہ ایک بھاری بدن کا سن رسیدہ شخص تھا۔ یہ حرم کعبہ میں اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ عقبہ دھونی دینے کی انگیٹھی اور لوبان (بخور) لے کر اس کے پاس پہنچا کہ اگر تم اس قومی جنگ میں شرکت نہیں کرتے ہو تو عورتوں کی طرح کپڑوں میں خوشبو بسائے رہو۔ اس بات سے امیہ کی رگ حمیت پھڑکی۔ وہ گھر پہنچا اور بیوی سے کہا کہ ''میں جا رہا ہوں۔'' اس نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئی یاد دلا کر روکا، لیکن امیہ نے کہا اس وقت تو مجھے جانا ہی ہے البتہ راستہ سے واپس آنے کی پوری پوری کوشش کروں گا۔ (بخاری: ۱/۵۶۳)

مختصر یہ کہ تین دن میں تیاری مکمل ہوئی اور جنگجو بہادروں پر مشتمل فوج اس شان سے مکہ سے روانہ ہوئی کہ ہر طرف جھنڈیاں لہرا رہی تھیں۔ سو شہ سوار آراستہ گھوڑوں پر سوار تھے۔ رؤسا قریش نہایت شاہانہ شان وشوکت کے ساتھ آگے تھے۔ قریش کے 9 معزز آدمی اس کی رسد کے ذمہ دار تھے۔ ایک دن نو اور ایک دن دس اونٹ ذبح کیے جاتے تھے۔ جیسے ہی مکہ سے نکلے تو ابوجہل نے دعوت کی اور دس اونٹ ذبح کرائے۔ ابوجہل نے پہلی منزل مرالظہر ان کے مقام پر دعوت کی۔ جب اونٹ ذبح کیے جا رہے تھے تو ایک اونٹ زخمی حالت میں ہاتھ سے نکل کر خیموں کی طرف بھاگا اس کے سینہ سے خون کا فوارہ ابل رہا تھا۔ اس خون کے چھینٹے تمام خیموں میں پہنچے۔ کوئی ایک خیمہ بھی اس خون سے نہ بچا۔ یہ گویا عاتکہ اور جہیم بن الصلت کے خوابوں کی تعبیر کا ایک حصہ تھا ''سیرۃ حلبیہ'' میں ہے کہ بنو عدی نے اس واقعہ سے متاثر ہو کر جنگ میں شرکت نہیں کی اور راستہ ہی سے واپس آ گئے۔ بنو عدی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قبیلہ تھا۔

Marfat.com

یہ قافلہ عسفان پہنچا تو امیہ بن خلف نے نو اونٹ ذبح کر کے دعوت کی۔ تیسرے دن قدید پر سہیل بن عمرو نے دس اونٹ ذبح کرائے۔ تیسرے روز یہیں شیبہ بن ربیعہ نے نو اونٹ ذبح کرائے۔ پھر جب جحفہ پہنچے تو شیبہ کے چھوٹے بھائی عتبہ بن ربیعہ نے دس اونٹ ذبح کروائے۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے بھی ایک قیام پر دس اونٹ ذبح کرا دیے تھے۔ جب یہ لشکر چشمہ بدر کے قریب پہنچا تو ابوالبختری نے دس اونٹ ذبح کرائے۔ (عیون الاثر ۱: ۳۸۸)

مختصر یہ کہ یہ مشتعل لشکر قرآن کے بقول "بطرورئاء" یعنی اکڑ اور ٹھاٹ کے ساتھ، کرتے ہوئے اور اپنی شان و شوکت دکھاتے ہوئے مدینہ طیبہ کی جانب روانہ ہوا۔ گویا پورا کفر پورے اسلام کے مقابلہ میں جا رہا تھا۔ جوش انتقام سے چور اور جذبہ غضب و حمیت سے مخمور، نہایت تیز رفتاری بلکہ برق رفتاری کے ساتھ چلے جا رہے تھے۔ جب وادیٔ عسفان اور قدید کی وادیوں کو طے کر کے جحفہ پہنچے تو ابوسفیان کا نیا پیغام آن پہنچا کہ قافلہ کو بچا لیا گیا ہے۔ اب کوئی خطرہ نہیں لہٰذا اب آپ لوگ واپس چلے جائیں۔

قریش کی فوج کے امن پسند سرداروں نے اس پیغام کو قبول کیا۔ چنانچہ بنو زہرہ اور بنو عدی کے شیوخ نے ابوجہل سے نہایت اصرار کے ساتھ کہا کہ اب ہمیں واپس جانا چاہیے۔ کیونکہ مال و اسباب اور آدمی محفوظ ہو گئے ہیں، لہٰذا اب آگے جانے کا کوئی فائدہ نہیں، لیکن ابوجہل نے جس کے رگ و پے میں سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کی مخالفت بھری ہوئی تھی ان لوگوں کی بات کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ وہ چاہتا تھا کہ اس وقت جذبات کے اشتعال سے فائدہ اٹھایا جائے اور مسلمانوں کو نیست و نابود کر کے عرب پر قریش کی دھاک بٹھا دی جائے۔ چنانچہ اس نے سفر پر اصرار کیا اور اس کی مصلحت اور فائدہ یہ بیان کیا:

"عرب کے کانوں تک ہماری شان و شوکت، رعب و ادب، ہمارے سفر، ہمارے تحائف اور ہماری ایک جمعیت کی جب خبریں پہنچیں گی تو اس سے وہ بہت متاثر ہوں گے اور ہم سے ہمیشہ مرعوب اور ہیبت زدہ رہیں گے۔" (عیون الاثر ۱: ۳۸۹)

ابوجہل کی اس مصلحت اور اس پروگرام کے ساتھ بنو زہرہ اور بنو عدی کے لوگوں نے اتفاق نہ کیا۔ اخنس بن شریق نے واپس جانے کے لیے لوگوں کو کہا لیکن ابوجہل کے ہمنوا لوگ واپس جانے پر تیار نہ ہوئے۔ چنانچہ وہ بنو زہرہ کے لوگوں کو ساتھ لے کر چلا گیا، کیونکہ وہ بنو زہرہ کا حلیف اور ان میں شامل تھا۔ بنو زہرہ کے آدمیوں کی تعداد تین سو تھی۔ بنو زہرہ کے واپس جانے کی وجہ سے لشکر میں سے بھی واپس جانا چاہا لیکن ابوجہل کے اصرار نے انہیں روک دیا۔

Marfat.com

بنو زہرہ کے علاوہ بنو عدی کے لوگ بھی واپس چلے گئے۔ اب قریش کے اس لشکر کی تعداد ایک ہزار رہ گئی۔ مختصر یہ کہ قریش کے لشکر نے اپنا سفر جاری رکھا اور بدر کے قریب پہنچ کر ایک ٹیلہ کے پیچھے پڑاؤ ڈالا۔ یہ ٹیلہ وادی بدر کی حدود پر جنوبی دہانے کے پاس واقع تھا۔

اخنس بن شریق بنو زہرہ کے سرداروں میں سے تھے۔ انہیں جب ابوسفیان کا پیغام پہنچا کہ قافلہ بحفاظت ہے تو انہوں نے ابوجہل سے تنہائی میں گفتگو کی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پیچھے تم کیوں پڑے ہو؟ کیا وہ جھوٹے ہیں؟ ابوجہل نے جواب دیا۔ قطعاً نہیں۔ وہ تو زبان اور ہاتھ کے اتنے سچے اور صادق ہیں کہ ہم نے ان کا لقب ''الصادق الامین'' تجویز کیا تھا۔ لیکن بات یہ ہے کہ حرم کعبہ کے خاص منصب سقایہ، رفادہ اور مشورہ خاندان عبدالمطلب کے پاس پہلے سے تھے۔ اب منصب نبوت بھی اسی خاندان کے حصہ میں آ گیا تو ہم کہاں جائیں اور ہمیں کیا ملا۔

(سیرۃ حلبیہ: ۱۷۱/۲)

اس سے شاید اخنس سمجھ گئے کہ یہ جنگ کسی حقیقت پر مبنی نہیں بلکہ حسد اور بغض کی بنیاد پر ہے، لہٰذا ہمیں اس میں حصہ نہیں لینا چاہیے۔ بعد میں جنگ کے نتائج دیکھ کر انہیں نہایت خوشی اور مسرت ہوئی کہ ہمارا فیصلہ بروقت اور صحیح تھا۔

Marfat.com

یہود کی عہد شکنی

یہودیوں کو بنی اسرائیل بھی کہتے ہیں۔ اسرائیل کے معنی ہیں ''عبداللہ'' یا ''بندۂ خدا'' یہ لقب سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے پوتے سیدنا یعقوب علیہ السلام کا تھا۔ انہی کی نسل کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے۔ ان کی اپنی روایات میں ہے کہ سیدنا یعقوب علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کشتی لڑی۔ رات بھر کشتی ہوتی رہی اور صبح تک لڑ کر بھی اللہ تعالیٰ انہیں پچھاڑ نہ سکا۔ پھر جب صبح ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا کہ اب مجھے جانے دے تو انہوں نے کہا کہ میں تجھے نہ جانے دوں گا جب تک تو مجھے برکت نہ دے۔ اللہ تعالیٰ نے پوچھا: ''تمہارا نام کیا ہے؟'' انہوں نے کہا: ''یعقوب۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''آئندہ تیرا نام یعقوب نہیں بلکہ اسرائیل ہوگا کیونکہ تو نے خدا اور بندوں کے ساتھ زور آزمائی کی اور غالب ہوا۔''

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو یہودیوں کا جدید ترین ترجمہ کتب مقدسہ The Holy Scriptures شائع کردہ جیوئش پبلیکیشن سوسائٹی آف امریکا، پیدائش باب ۳۲ آیت ۲۵۔۲۹۔ عیسائیوں کے ترجمہ بائبل میں بھی یہ مضمون اسی طرح بیان ہوا ہے۔ انسائیکلوپیڈیا آف بلیکل لٹریچر میں عیسائی علماء نے اسرائیل کے معنی کی یہ تشریح کی ہے Wrestler With God یعنی خدا سے کشتی لڑنے والا۔ پھر بائبل کی کتاب ہوسیع میں سیدنا یعقوب علیہ السلام کی تعریف یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ اپنی توانائی کے ایام میں خدا سے کشتی لڑا، پھر فرشتے سے کشتی لڑا اور غالب آیا۔ (باب:۱۲ آیت:۴)

اصل دین جو سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور ان سے پہلے اور بعد کے انبیاء لائے تھے وہ تو اسلام ہی تھا۔ انبیاء میں سے کوئی بھی یہودی نہیں تھا اور نہ ان کے زمانہ میں یہودیت پیدا ہوئی تھی۔ یہ مذہب اس نام کے ساتھ بہت بعد کی پیداوار ہے۔ یہ اس خاندان کی طرف منسوب ہے جو سیدنا یعقوب علیہ السلام کے چوتھے بیٹے یہوداہ کی نسل سے تھا۔ سیدنا سلیمان علیہ السلام کے بعد

Marfat.com

جب ان کی سلطنت دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئی تو یہ خاندان اس ریاست کا مالک ہوا جو یہودیہ کے نام سے موسوم ہوئی اور بنی اسرائیل کے دوسرے قبیلوں نے اپنی الگ ریاست قائم کر لی جو ''سامریہ'' کے نام سے مشہور ہوئی۔ پھر اسرائیلی تمام قبائل نیست و نابود ہو گئے۔ اس کے بعد صرف یہوداہ اور اس کے ساتھ بن یمین کی نسل ہی باقی رہ گئی جس پر یہوداہ کی نسل کے غلبے کے باعث یہود کے لفظ کا اطلاق ہونے لگا۔ اس نسل کے اندر کاہنوں، ربیوں اور احبار نے اپنے اپنے خیالات اور رجحانات کے مطابق عقائد اور رسوم مذہبی ضوابط کا جو ڈھانچہ صدہا برس میں تیار کیا، اس کا نام یہودیت ہے۔ یہ ڈھانچہ چوتھی صدی قبل مسیح سے بننا شروع ہوا اور پانچویں صدی بعد مسیح تک پورے نو سو سال بنتا رہا۔ اللہ کے رسولوں کی لائی ہوئی ربانی ہدایت کا بہت تھوڑا عنصر اس میں شامل ہے اور اس کا حلیہ بھی اچھا خاصہ بگڑ چکا ہے۔ اسی وجہ سے قرآن حکیم اکثر مقامات پر ان کو ﴿الذین ھادوا﴾ کہہ کر خطاب کرتا ہے (یعنی اے وہ لوگو! جو یہودی بن کر رہ گئے ہو۔) قرآن حکیم میں جہاں بنی اسرائیل کو خطاب کیا گیا ہے وہاں بنی اسرائیل کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور جہاں مذہب یہود کے پیروکاروں کو خطاب کیا گیا ہے وہاں ﴿الذین ھادوا﴾ کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔

یہود کا ابتدائی دور:

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد جب بنی اسرائیل فلسطین میں داخل ہوئے تو یہاں مختلف قومیں آباد تھیں۔ ان قوموں میں بدترین شرک پایا جاتا تھا۔ ان کے سب سے بڑے معبود کا نام ''ایل'' تھا۔ اس کی بیوی کا نام عشیرہ تھا۔ ان کی اولاد میں سب سے بڑا بعل تھا۔ تورات میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ بنی اسرائیل کو جو ہدایات دی گئی تھیں ان میں صاف صاف کہہ دیا گیا تھا کہ تم ان قوموں کو ہلاک کر کے ان کے قبضہ سے سرزمین فلسطین چھین لینا اور وہاں کے باشندوں کی اخلاقی اور اعتقادی خرابیوں میں مبتلا ہونے سے اجتناب کرنا، لیکن بنی اسرائیل جب فلسطین میں داخل ہوئے تو وہ تمام ہدایات بھول گئے۔ وہ قبائلی عصبیت میں مبتلا تھے اس لیے ہر قبیلے نے اس بات کو پسند کیا کہ مفتوح علاقے کا ایک حصہ لے کر الگ ہو جائے۔ لہٰذا اس وجہ سے ان کا کوئی قبیلہ بھی اتنا طاقتور نہ ہو سکا کہ اپنے علاقے کو مشرکین سے پاک کر دیتا۔ بنی اسرائیل کی اس غلط روش کی وجہ سے انہیں کئی بار خمیازے بھگتنے پڑے۔

ان میں پہلا خمیازہ یہ تھا کہ ان قوموں کا شرک ان میں گھس گیا اور شرک کے ساتھ

Marfat.com

بہت سی اخلاقی گندگیاں بھی ان میں راہ پانے لگیں۔

دوسرا خمیازہ یہ بھگتنا پڑا کہ جن قوموں کی شہری ریاستیں انہوں نے چھوڑ دی تھیں انہوں نے اور فلسطینیوں نے بنی اسرائیل کے خلاف ایک متحدہ محاذ بنالیا، اور پے در پے حملے کر کے فلسطین کے ایک بڑے حصے سے ان کو بے دخل کر دیا یہاں تک کہ تابوت سکینہ بھی ان سے چھین لیا۔ بالآخر بنی اسرائیل کو ایک متحدہ سلطنت قائم کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی اور بالآخر ان کی درخواست پر سیدنا سیموئیل نبی نے 102 قبل مسیح میں طالوت کو ان کا بادشاہ بنایا۔ اس متحدہ سلطنت کے تین فرمان روا ہوئے طالوت، سیدنا داؤد علیہ السلام اور سیدنا سلیمان علیہ السلام۔ ان فرماں رواؤں نے اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا جسے بنی اسرائیل نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بعد نامکمل چھوڑ دیا تھا۔

سیدنا سلیمان علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل پر پھر دنیا پرستی کا شدید غلبہ ہوا اور انہوں نے آپس میں لڑ کر دو الگ سلطنتیں قائم کر لیں۔ ان میں شرک اور دوسری کئی بداخلاقیوں کا ایک سیلاب امڈ آیا۔ حضرت الیاس اور حضرت الیسع علیہما السلام نے ان خرابیوں کو روکنے کی بہت کوشش کی لیکن یہ قوم جس تنزل کی طرف جارہی تھی اس سے باز نہ آئی۔ بالآخر خدا کا عذاب اسرائیلی سلطنت اور اس کے باشندوں پر ٹوٹ پڑا۔ اشور کے سخت گیر فرمان روا سارگون نے دولت اسرائیلی کا خاتمہ کر دیا۔ ہزار ہا اسرائیلی تہ تیغ کیے گئے۔ 27 ہزار سے زیادہ با اثر اسرائیلیوں کو اشوری سلطنت کے مشرقی اضلاع میں منتشر کر دیا گیا اور دوسرے علاقوں سے غیر اسرائیلیوں کو لا کر اسرائیلی علاقہ میں بسایا گیا جن کے درمیان رہ کر بچا کھچا اسرائیلی عنصر بھی اپنی قومی تہذیب سے روز بروز بیگانہ ہوتا چلا گیا۔ یہ تو سامریہ ریاست کا حال تھا۔

اسرائیل کی دوسری ریاست جو یہودیہ کے نام سے جنوبی فلسطین میں قائم ہوئی وہ بھی سیدنا سلیمان علیہ السلام کے بعد بہت جلدی شرک اور بت پرستی میں مبتلا ہوگئی۔ اس سلطنت پر بھی اشوریوں کے حملے ہوتے رہے۔ ان کے شہروں کو تباہ و برباد کیا، اس کے پایہ تخت کا محاصرہ کیا لیکن یہ ریاست اشوریوں کے ہاتھوں ختم نہ ہوسکی۔ بالآخر 598 قبل مسیح میں بابل کے بادشاہ بخت نصر نے یروشلم سمیت پوری دولت یہودیہ کو تاخت و تاراج کر دیا۔ یہودیوں کا بادشاہ ان کے پاس قیدی بن کر رہا۔ سیدنا یرمیاہ نبی کے سمجھانے کے باوجود وہ اپنی عملی اور اخلاقی حالت درست کرنے کے بجائے بابل کے خلاف بغاوت کر کے اپنی قسمت بدلنے کی کوشش کرنے لگے، آخرکار 587 قبل مسیح میں بخت نصر نے ایک سخت حملہ کر کے یہودیہ کے تمام چھوٹے بڑے

Marfat.com

شہروں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ یروشلم اور ہیکل سلیمانی کو پیوند خاک کر دیا کئی ہزار لوگوں کو وہ قیدی بنا کر اپنے ساتھ لے گیا۔ یہ تھا وہ پہلا فساد جس سے بنی اسرائیل کو متنبہ کیا گیا، اور یہ تھی وہ پہلی سزا جو اس کی پاداش میں ان کو دی گئی۔

آخر کار رحمت خداوندی ان کی طرف متوجہ ہوئی۔ بابل کی سلطنت زوال پذیر ہوئی۔ سنہ 539 قبل مسیح میں ایرانی فاتح سائرس (فورس یا خسرو) نے بابل کو فتح کیا۔ اور اس کے دوسرے ہی سال اس نے یہ فرمان جاری کر دیا کہ بنی اسرائیل کو اپنے وطن واپس جانے اور وہاں دوبارہ آباد ہونے کی عام اجازت ہے۔ چنانچہ اس فرمان کے بعد یہودیوں کے قافلے پر قافلے یہودیہ کی طرف جانے شروع ہو گئے۔ جس کا سلسلہ مدتوں جاری وساری رہا۔ یہودیوں کو ہیکل سلیمانی دوبارہ تعمیر کرنے کی اجازت بھی مل گئی۔ ایرانی سلطنت کے زوال اور سکندر اعظم کی فتوحات اور پھر یونانیوں کے عروج سے یہودیوں کو کچھ مدت کے لیے ایک سخت دھکا لگا۔

یہودیوں کی ایک سلطنت بھی قائم ہوگئی۔ یہ ریاست بالآخر سنہ 40 ق م میں ایک ہوشیار یہودی ہیرود اعظم کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی حکومت پورے فلسطین اور شرق اردن پر سنہ 40 سے سنہ 4 ق م تک رہی۔ اس زمانے میں یہودیوں کی اخلاقی اور دینی حالت گرتے گرتے زوال کی آخری حد تک پہنچ چکی تھی۔

پھر سیدنا یحییٰ علیہ السلام ان کی اصلاح کے لیے مبعوث ہوئے۔ وہ متی کی انجیل کے مطابق اونٹوں کے بالوں کی پوشاک پہنے اور چمڑے کا پٹکا کمر سے باندھے رہتے تھے، اور ان کی خوراک ٹڈیاں اور جنگلی شہد تھا۔ (متی ۳:۴) اس فقیرانہ زندگی کے ساتھ وہ منادی کرتے پھرتے تھے کہ توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہی قریب آ گئی ہے۔ (متی ۳:۲) یعنی مسیح علیہ السلام کی نبوت کا آغاز ہونے والا ہے۔ اسی وجہ سے ان کو عموماً سیدنا مسیح کا ''ارہاص'' کہا جاتا ہے۔ اور یہی بات ان کے بارے میں قرآن حکیم میں بھی کہی گئی ہے۔ (آل عمران: ۴)

اس عہد کا یہودی فرمان روا ہیرود اینٹی پاس جس کی ریاست میں دعوت حق کی خدمت انجام دیتے تھے، سراپا رومی تہذیب میں غرق تھا اور اس کی وجہ سے سارے ملک میں فسق و فجور نہ صرف پھیل رہا تھا بلکہ اس کی معاشرہ کے ہر طبقہ میں آبیاری ہو رہی تھی۔ سیدنا یحییٰ علیہ السلام نے ہیرود کو ملامت کی اور اس کی فاسقانہ حرکات کے خلاف آواز اٹھائی۔ لیکن بادشاہوں کو اصلاح کی آواز اچھی نہیں لگتی۔ چنانچہ بادشاہ نے انہیں گرفتار کر کے جیل بھیج دیا۔ آخر کار ہیرود پاس کی سالگرہ کے جشن میں ایک فاحشہ عورت نے خوب رقص کیا جس پر خوش ہو کر ہیرود نے

Marfat.com

کہا: ''مانگ کیا مانگتی ہے؟'' اس نے کہا: ''یوحنا بپتسمہ دینے والے کا سر۔'' چنانچہ اس نے فوراً قید خانہ سے سیدنا یحییٰ علیہ السلام کا سر کٹوا کر منگوایا اور ایک تھال میں رکھوا کر اس رقاصہ کی نذر کر دیا۔ (متی ۱۴:۳۔۲۱، مرقس ۶:۱۷۔۲۹، لوقا ۳:۱۹۔۲۰)

اب سیدنا عیسیٰ علیہ السلام دین موسوی کے مصدق بن کر آئے، لیکن علمائے یہود نے ان کی اتباع کرنے کی بجائے ان پر تنقید کی تیراندازی شروع کر دی۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام انہیں شریعت موسوی کی طرف دعوت دیتے تھے لیکن یہودی علماء اور فقہاء، امراء اور عوام سب شریعت موسوی کے کئی قوانین کو چھوڑ چکے تھے۔ چنانچہ انہوں نے دعوت عیسوی کو ردّ کر دیا۔ (آل عمران: ۵۲)

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پر بنی اسرائیل اور ان کے امراء کا غصہ اس لیے بھڑکا تھا کہ وہ انہیں گناہوں اور ان کی ریاکاریوں پر ٹوکتے تھے اور انہیں راستی کی تلقین کرتے تھے، لہٰذا انہوں نے اپنے زعم باطل میں انہیں صلیب دے دی۔ (النساء: ۱۵۶)

انجیل میں ہے کہ جب سیدنا مسیح علیہ السلام بنی اسرائیل کی اصلاح کے لیے اٹھے تو یہودیوں کے تمام مذہبی پیشواؤں اور ربیوں نے مل کر ان کی سخت مخالفت کی اور رومی گورنر پیلاطس سے ان کو سزائے موت دلوانے کی کوشش کی۔

سنہ 41 عیسوی میں ہیرود اعظم کے پوتے نے برسر اقتدار آنے کے بعد سیدنا مسیح علیہ السلام کے پیروکاروں پر مظالم کی انتہا کر دی اور اپنا پورا زور اصلاح خلق اور خدا ترسی کی اس دعوت کو کچلنے میں صرف کر ڈالا جو حواریوں کی راہ نمائی میں چل رہی تھی۔ اس قوم کی بے راہ روی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس قوم کی آنکھوں کے سامنے سیدنا یحییٰ علیہ السلام جیسے پاکیزہ انسان کا سر قلم کر دیا گیا اس ظلم عظیم کے خلاف پوری قوم میں سے ایک شخص نے بھی آواز نہ اٹھائی۔ پھر پوری قوم کے مذہبی پیشواؤں نے سیدنا مسیح علیہ السلام کے لیے سزائے موت کا مطالبہ کیا۔ پھر حد یہ ہے کہ رومی گورنر پیلاطس نے ان شامت زدہ لوگوں سے پوچھا کہ آج تمہاری عید کا دن ہے اور قاعدے کے مطابق میں سزائے موت کے مجرموں میں سے ایک کو چھوڑ سکتا ہوں۔ بتاؤ مسیح کو چھوڑ دوں تو ان کے پورے مجمع نے بیک آواز ہو کر کہا کہ برابا کو چھوڑ دے۔ یہ گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخری حجت تھی جو اس قوم پر کی گئی۔

اس واقعہ پر ابھی تھوڑا عرصہ ہی گزرا تھا کہ یہودیوں اور رومیوں کے درمیان سخت کشمکش شروع ہو گئی اور سنہ 64ء میں اور سنہ 66ء کے درمیان یہودیوں نے کھلی بغاوت کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رومی سلطنت نے ایک سخت فوجی کاروائی سے اس بغاوت کو کچل ڈالا اور سنہ

Marfat.com

70ء میں ٹیٹس نے بزور شمشیر یروشلم کو فتح کر لیا۔ اس معرکہ میں ایک لاکھ 36 ہزار آدمی مارے گئے۔ 67 ہزار گرفتار کر کے غلام بنائے گئے۔ ہزار ہا آدمی پکڑ کر مصری کانوں میں کام کرنے کے لیے بھیج دیے گئے۔ ہزاروں آدمیوں کو مختلف شہروں میں بھیجا گیا تا کہ جنگلی جانوروں سے پھڑوانے اور شمشیر زنوں کے کھیل کا تختہ مشق بننے کے لیے استعمال کیا جا سکے۔ تمام دراز قامت اور حسین لڑکیاں فاتحین کے لیے چن لی گئیں۔ اور یروشلم کے شہر اور ہیکل کو زمین بوس کر دیا گیا۔ اس کے بعد یہودی اثر ورسوخ ایسا مٹا کہ دو ہزار برس تک اس کو پھر سر اٹھانے کا موقع نہ ملا۔ اور یروشلم کا ہیکل پھر بھی تعمیر نہ ہو سکا۔ بعد میں قیصر ہیڈ ریان نے اس شہر کو دوبارہ آباد کیا مگر اب اس کا نام ایلیا تھا، اور اس میں مدت ہائے دراز تک یہودیوں کو داخل ہونے کی اجازت نہ تھی۔ یہ وہ سزا تھی کہ دوسری دفعہ بنی اسرائیل کو فساد عظیم کی پاداش میں ملی۔

یہودانِ عرب کی تاریخ:

عرب کے یہودیوں کی کوئی مستند تاریخ نہیں البتہ حجاز کے یہودیوں کا اپنا یہ دعویٰ ہے کہ وہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے آخری عہد میں یہاں آ کر آباد ہوئے تھے۔ یہ ان کا ایک دعویٰ ہے جس کا کوئی ثبوت نہیں۔ لیکن دراصل جو بات ثابت ہے کہ جب سنہ 70ء میں رومیوں نے فلسطین میں یہودیوں کا قتل عام کیا اور پھر سنہ 132ء میں انہیں اس سرزمین سے بالکل نکال باہر کیا تو اس دور میں یہودیوں کے قریباً تمام قبائل بھاگ کر حجاز میں پناہ گزین ہوئے تھے۔ کیونکہ یہ علاقہ فلسطین کے جنوب میں متصل ہی واقع تھا۔ یہاں پانی دستیاب اور زمین زرخیز تھی لہٰذا وہ یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ جوڑ توڑ اور سود خوری کے ذریعے اس سرزمین پر قبضہ جما لیا۔ اسی دور میں ان کے کچھ قبائل کا ایلہ، مصلا، تبوک، تیماء، وادی القریٰ، فدک اور خیبر وغیرہ پر تسلط قائم ہوا، اور بنی نضیر، بنی قینقاع، بنی قریظہ اور بنی سعد اسی دور میں آ کر یثرب پر قابض ہو گئے۔

یثرب میں آباد ہونے والے قبائل میں بنی نضیر اور بنی قریظہ زیادہ ممتاز تھے کیونکہ وہ کاہنوں کے طبقہ میں سے تھے۔ انہیں یہودیوں میں عالی نسب مانا جاتا تھا اور انہیں اپنی ملت میں مذہبی ریاست حاصل تھی۔ جب یہ یثرب میں وارد ہوئے اس وقت کچھ دوسرے عرب قبائل بھی یہاں رہتے تھے جن کو انہوں نے دبا لیا اور عملاً اس سرسبز و شاداب مقام کے مالک بن گئے۔ اس کے قریباً تین صدی بعد سنہ 450 یا سنہ 451ء یمن کے اس سیلاب عظیم کا واقعہ پیش آیا جس کا ذکر سورۃ سبا کے دوسرے رکوع میں ہے۔ اس سیلاب کی وجہ سے مختلف قبائل یمن سے نکل کر

Marfat.com

عرب کے اطراف میں پھیل جانے پر مجبور ہوئے۔ ان میں غسانی شام میں، لخمی حیرہ (عراق) میں، بنوخزاعہ جدہ اور مکہ کے درمیان اور اوس اور خزرج یثرب میں جا کر آباد ہو گئے۔ یثرب پر چونکہ یہودی چھائے ہوئے تھے، اس لیے انہوں نے اول اول اوس اور خزرج کی دال گلنے دی، اور یہ دونوں عرب قبیلے چارو ناچار بنجر زمینوں پر بس گئے جہاں ان کو قوت لایموت بھی بمشکل حاصل ہوتا تھا۔ آخر کار ان کے سرداروں میں سے ایک شخص اپنے غسانی بھائیوں سے مدد مانگنے کے لیے شام گیا اور وہاں سے ایک لشکر لا کر اس نے یہودیوں کا زور توڑا۔ اس طرح اوس اور خزرج کو یثرب پر پورا غلبہ حاصل ہو گیا۔ یہودیوں دو بڑے قبیلے بنی نضیر اور بنو قریظہ شہر کے باہر بسنے پر مجبور ہو گئے اور تیسرے قبیلے بنی قینقاع کی چونکہ ان دونوں یہودی قبیلوں سے ان بن تھی، اس لیے وہ شہر کے اندر ہی مقیم رہا لیکن یہاں رہنے کے لیے اسے قبیلہ خزرج کی پناہ لینا پڑی اور اس کے مقابلہ میں بنو نضیر اور بنو قریظہ نے قبیلہ اوس کی پناہ لی۔ تا کہ اطراف یثرب میں امن کے ساتھ رہ سکے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری۔ سے پہلے یہودی پوزیشن:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ طیبہ تشریف آوری سے قبل حجاز اور یثرب میں زبان، لباس، تہذیب و تمدن ہر لحاظ سے یہودیوں نے اپنے آپ کو مکمل طور پر عربی رنگ میں رنگ لیا تھا۔ ان کی غالب اکثریت کے نام عربی ہو گئے تھے۔ 12 یہودی قبیلے جو حجاز میں آباد ہوئے تھے ان میں سے بنی زعورا کے سوا کسی قبیلے کا نام عبرانی نہ تھا۔ ان کے چند گنے چنے علماء کے سوا اور کوئی عبرانی نہیں جانتا تھا۔ ان کے عربوں کے درمیان شادی بیاہ کے تعلقات قائم ہو چکے تھے۔ اب عربوں اور یہودیوں کے درمیان دین کے سوا اور کوئی فرق باقی نہیں رہا تھا، لیکن انہوں نے اندرونی طور پر بڑی شدت کے ساتھ اپنی یہودی عصبیت قائم رکھی۔

اہل عرب کو وہ اُمّی کہتے تھے جس کے معنی ان کے نزدیک ان پڑھ کے نہیں بلکہ وحشی اور جاہل کے تھے۔ وہ یقین رکھتے تھے کہ ان عربوں کو وہ انسانی حقوق حاصل نہیں ہیں جو یہودیوں کو ہیں لہٰذا ان کا مال ہر جائز و ناجائز طریقے سے کھانا اسرائیلیوں کے لیے حلال ہے۔ علمائے یہود نے ان لوگوں کو متاثر کرنے کے لیے تعویذ گنڈوں، فال گیری اور جادوگری کا کاروبار خوب چمکا رکھا تھا جس کی وجہ سے عربوں پر ان کے علم اور عمل کی خوب دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔

معاشی طور پر ان کی پوزیشن عرب قبائل کی بہ نسبت بہت زیادہ مضبوط تھی کیونکہ وہ

Marfat.com

فلسطین جیسے متمدن علاقہ سے آئے تھے اس لیے وہ بہت سے علوم وفنون سے آشنا تھے۔ اس وجہ سے ان کے باہر کی دنیا سے کاروباری تعلقات بھی تھے۔ وہ درآمد اور برآمد کا کام بھی کرتے تھے۔ یثرب اور بالائی حجاز میں غلے کی درآمد اور یہاں سے چھوہاروں کی برآمد ساری ان کے ہاتھ میں تھی۔ مرغ بانی اور ماہی گیری پر بھی ان کا پورا قبضہ تھا۔ جگہ جگہ شراب خانے بھی انہوں نے قائم کر رکھے تھے اور ملک شام سے شراب درآمد کر کے یہاں فروخت کی جاتی تھی۔ بنو قینقاع زیادہ سنار، لوہار اور ظروف سازی کا پیشہ کرتے تھے۔ چنانچہ یہودی عربوں سے اپنی مصنوعات اور کاروبار کی منہ مانگی قیمت لیتے تھے، لیکن ان تمام کاروباروں کے ساتھ ان کا سب سے بڑا کاروبار ساہوکارہ یعنی سود خوری تھا۔ عرب سردار دوسروں پر اپنا ٹھاٹھ جمانے کے لیے اور اپنی شیخی بگھارنے کے لیے قرض لے کر ان کے پھندے میں پھنسے ہوئے تھے۔ یہ انہیں بھاری شرح سود پر قرضے دیتے تھے اور پھر سود در سود کا چکر چلاتے تھے۔ ان کی گرفت میں آ جانے کے بعد مشکل ہی سے کوئی نکل سکتا تھا۔ اس طریقہ سے انہوں نے عربوں کی معاشی اور اقتصادی حالت کو کھوکھلا کر دیا ہوا تھا۔ جس کے نتیجے میں عربوں میں ان کے خلاف ایک گہری نفرت پائی جاتی تھی۔ ان کے ان تجارتی اور مالی مفادات کا تقاضا یہ تھا کہ وہ عربوں کو باہم متحد نہ ہونے دیتے تھے بلکہ کسی نہ کسی طریقے سے ان کو لڑاتے رہتے۔ اس سے ایک تو ان کا اسلحہ فروخت ہوتا دوسرے ہر قبیلہ دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے ان یہودیوں سے قرض لینے پر مجبور ہوتا۔ چنانچہ یہ تینوں قبیلے اپنے مالی مفادات کے لیے عربوں کے حلیف بنے ہوئے تھے۔ بنو قریظہ اور بنو نضیر قبیلہ اوس کے حلیف تھے اور بنو قینقاع خزرج کے۔ ہجرت سے قبل بعاث کے مقام اوس اور خزرج کی جو خونریز جنگ ہوئی تھی، اس میں یہودی قبائل اپنے اپنے حلیفوں کے ساتھ مل کر ایک دوسرے کے ساتھ نبرد آزما تھے اور یہودیوں سے اسلحہ خریدتے تھے۔

یہودیوں کی دینی اور اخلاقی زندگی نہایت خراب تھی۔ مذہب کو وہ قریباً قریباً چھوڑ چکے تھے۔ صدیوں کے مسلسل انحطاط نے ان کو اصل دین سے بہت دور کر دیا تھا۔ ان کے عقائد میں بہت غیر اسلامی عناصر کی آمیزش ہو گئی تھی جن کے لیے تورات کی کوئی سند موجود نہ تھی۔ ان کی عملی زندگی میں بکثرت ایسے رسوم اور طریقے رواج پا گئے تھے جو اصل دین میں نہ تھے اور جن کے لیے تورات میں کوئی ثبوت نہ تھا۔

خود تورات کو انہوں نے انسانی کلام میں خلط ملط کر دیا تھا۔ دین کی روح ان کے اندر سے نکل چکی تھی اور ظاہری مذہبیت کا محض ایک بے جان ڈھانچہ باقی تھا جس کو وہ سینہ سے

Marfat.com

لگائے ہوئے تھے۔ ان کے مشائخ میں اعتقادی، اخلاقی اور عملی حالت نہایت بگڑ چکی تھی اور ریاکاری ان کی فطرتِ ثانیہ بن چکی تھی اور اسی ریاکاری کی وجہ سے وہ سادہ لوح لوگوں کو پھانستے رہتے تھے۔ اب ان کی فطرت اتنی مسخ ہو چکی تھی کہ جب کوئی اللہ کا بندہ ان کو دین کا سیدھا راستہ بتانے کی کوشش کرتا تو وہ اسے اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھتے۔ یہ لوگ اصل میں دینی لحاظ سے اس قدر بگڑے ہوئے تھے کہ ان کے ہاں بدعتوں، تحریفوں، موشگافیوں، فرقہ بندیوں، استخوان گیری، مغز افگنی، خدا فراموشی اور دنیا پرستی اپنی اتھاہ گہرائیوں تک پہنچ چکی تھیں اور وہ اپنے انحطاط اور زوال کی آخری حد کو چھو رہے تھے۔

غزوہ بدر میں باہر کا ایک محاذ تو فتح ہو گیا، لیکن مدینہ کے اندر ایک بہت بڑا محاذ یہود کا تھا جو کئی لحاظ سے بیرونی محاذ سے بھی زیادہ خطرناک تھا۔ ان کے پاس مادی اقتدار، دولت وثروت، وسائل و ذرائع کی فراوانی سب کچھ موجود تھا۔ اگرچہ ان لوگوں میں ہزاروں انبیاء پیدا ہوئے، لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی ان نوازشوں کی قدر کرنے سے یہاں تک اکتا گئے کہ خود اپنے ہی ہاتھوں سے اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے نبیوں کو جو انہی میں سے ہوتے تھے، قتل کرنے لگے۔ پھر ایک موقع ایسا بھی آیا کہ بڑے فخر سے یہ دعویٰ کرنے لگے:

انا قتلنا المسیح عیسی ابن مریم رسول الله.

"بے شک ہم نے قتل کیا ہے مسیح کو، وہی مسیح جو عیسیٰ ابن مریم تھے اور جو اللہ کے رسول تھے۔"

اگرچہ یہود کا یہ دعویٰ سراسر غلط تھا اور قرآن حکیم نے ان کے اس دعویٰ کی بڑے شدومد سے تردید بھی کی کہ ان کو اس بارے میں دھوکا لگا ہے۔ یہ سیدنا مسیح علیہ السلام کو قتل نہیں کر سکے لیکن ان لوگوں نے اپنے جرم کا اظہار بڑی جرأت و جسارت سے کیا۔ پھر اظہار جرم میں صرف ایک نام نہیں لیا بلکہ "مسیح ابن مریم" دونوں نام لیتا کہ سننے والا ان کی سینہ زوری سے مرعوب اور متاثر ہو جائے۔

(سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کے لیے ملاحظہ ہو احقر کی کتاب عقیدہ اہل الاسلام فی حیات عیسیٰ علیہ السلام)

کور باطنی کی یہ بحرانی کیفیت اسی وجہ سے پیدا ہوئی کہ انہوں نے اللہ کی کتاب تورات کو نہیں بلکہ اپنی اختراعات کو اپنا دین و مذہب سمجھ لیا تھا اور ان کی گردنیں خالق کائنات کی عظمت کے حضور نہیں بلکہ اپنے باطل تصورات کے سامنے جھکتی تھیں۔ ان کے عقائد ونظریات کی

Marfat.com

خرابیوں کو ایک ایک کر کے قرآن حکیم نے بیان کیا ہے۔

ان عقائد و نظریات کے ساتھ اخلاق و اعمال کی حالت بھی ان کی کچھ ایسی ہی تھی کیونکہ اگر عقائد و نظریات درست نہ ہوں تو ان پر اخلاق و اعمال کی جو عمارت استوار ہو گی وہ بھی کسی صورت درست اور صحیح نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ حرص، خود غرضی، طمع، نفع اندوزی بخل اور سود جیسی بری خصلتیں ان کی فطرت ثانیہ بن چکی تھیں۔ آج بھی یہ خصائل بد دنیا کی تمام قوموں سے زیادہ اس قوم کے اندر پائی جاتی ہیں جن کی وجہ سے ''یہودی'' ان بری اور خبیث خصلتوں کی تصویر اور مثال بن چکے ہیں۔ وہ اتنے بدقسمت تھے کہ آفتاب ہدایت کے بالکل سامنے بیٹھ کر بھی نور آفتاب کو نہ دیکھ سکے۔

طمع و حرص کی انتہا یہ تھی کہ وہ چار روپے کے زیور کے لیے معصوم بچوں کا سر کچلنے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔ (بخاری: ۱/ ۳۲۵، ترمذی، باب فیما جاء فیمن وضح)

دولت کے یہ شائیلاک (Shylock) بڑی بے رحمی سے سود کی بڑی شرحیں مقرر کرتے تھے اور قرضہ کی کفالت میں بال بچے یہاں تک کہ مستورات کو بھی رہن رکھواتے تھے اور باطل اور ناجائز طریقوں سے لوگوں کا مال کھاتے تھے۔

مدینہ کے یہودی آنے والے پیغمبر اور رسول کی پیشگوئی کیا کرتے تھے۔ اس کے اوصاف اور علامات لوگوں کو بتایا کرتے تھے لیکن یہ کس قدر عجیب شے ہے کہ اوس وخزرج منزل پر جا پہنچے اور جن لوگوں کے اشاروں سے ان جاہل و مشرک لوگوں نے راستہ کے نشانات معلوم کیے تھے، وہ خود راہ یابی سے محروم رہ گئے۔ ان دونوں قبائل نے ایک داعی حق کی آواز سنی، اس پر کان لگائے اور ان باتوں میں سچائی پائی، قریب پہنچے تو یہودیوں کی بتائی ہوئی باتوں سے مطابقت پائی۔ طلب صادق کا جذبہ ابھرا، توفیق خداوندی نے دستگیری کی تو ایمان واذعان کی روشنی پا کر ''السابقون الاولون'' میں داخل ہو گئے۔

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ یہودیوں کے تین مشہور قبیلے مدینہ کے قریب دو دو تین تین میل کے فاصلہ پر آباد تھے۔ بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ۔ ہر ایک آبادی کا ایک قلعہ تھا۔ اس میں ان کے محل اور تجارتی کوٹھیاں اور بنگلے تھے۔ باہر ان کے باغات تھے۔ گویا ایک عیش و عشرت کی زندگی وہ تینوں قبائل بسر کر رہے تھے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں تشریف لانے کے بعد مدینہ کے تمام قبائل سے ایک معاہدہ کیا جس کی تفصیل گزشتہ صفحات میں بیان ہو چکی ہے۔ اس معاہدہ کی رو سے:

Marfat.com

''ہر قبیلہ کا جو نظام آپ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے تھا وہ بدستور قائم رکھا گیا تھا۔ باہمی معاملات ومقدمات طے کرنے کے لیے ان کی پنچایتیں وغیرہ جو قائم تھیں، ان کو بھی بدستور قائم رکھا گیا تھا۔ تعلیم گاہیں اور عبادت گاہیں بھی بدستور قائم رکھی گئیں اور خود ان کی رضامندی سے یہ حق تسلیم کیا گیا کہ اپنے معاملات کی آخری اپیل سرکار دو عالم ﷺ کے سامنے پیش کرسکیں گے۔''

ان عمومی رعایتوں کے علاوہ چند اور رعایتیں صرف اس خاص گروہ کے ساتھ مخصوص تھیں، لیکن افسوس کا مقام یہ ہے کہ اس گروہ نے ان مراعات کی کوئی قدر نہ کی اور نبی اکرم ﷺ کی بھی کوئی قدر نہ کی اور آپ ﷺ پر ایمان لانے کے بارے میں بالکل تہی دست رہے۔ حالانکہ اگر وہ حضور ﷺ پر ایمان لے آتے اور اسلام سے مشرف ہوتے تو ان کو دوگنا اجر و ثواب ملتا۔ (بخاری: ۱/۲۰)

مسلمانوں کو یہ بھی تاکید تھی کہ مشرک اور اہل کتاب جو کچھ بھی کہیں ان کے جملوں اور فقروں سے تمہیں خواہ کتنی ہی تکلیف کیوں نہ پہنچے، تمہارا فرض ہے کہ تم ضبط وتحمل سے کام لو اور ان کی ہر بات پر صبر کرو۔ اس فیاضانہ اور رحیمانہ سلوک، غیر معمولی شفقت اور ملاطفت کی مثال نہ تو اس زمانہ میں ملتی تھی اور نہ آج ملتی ہے۔ یہ ان لوگوں کی اسلام کی طرف سے ناز برداری تھی اور ان ناز برداریوں کے جواب میں مطالبہ صرف یہ تھا کہ

''مکہ کے وہ مشرک جنہوں نے مسلمانوں کو ظلم وستم سے اپنے وطن عزیز سے نکلنے پر مجبور کیا ہے اور جو مسلمانوں کی بیخ کنی کے درپے ہیں۔ (جن سے یہود کا کوئی مذہبی رشتہ ہے اور نہ وطنی ونسلی) وہ اگر حملہ آور ہوں تو معاہدے کے دوسرے شرکاء کی طرح یہود کا بھی فرض ہوگا کہ مسلمانوں کی مدد کریں اور حملہ آوروں کی کسی قسم کی کوئی مدد نہ کریں۔''

لیکن یہود نے اس فیاضانہ، مشفقانہ سلوک اور غیر معمولی رواداری اور ناز برداری کا جواب نہایت غلط دیا۔ وہ حضور ﷺ کی مجلس میں بیٹھ کر گستاخانہ حرکتیں کرتے، فقرے بازی کرتے اور تمسخر اڑاتے، مسلمانوں میں تشتت وانتشار پیدا کرنے کی کوشش کرتے۔ چنانچہ ایک موقع پر اوس اور خزرج کے حضرات کا اجتماع تھا۔ یہودیوں کا ایک سردار شاس بن قیس وہاں سے گزرا اور وہ ان دونوں قبیلوں کے لوگوں کو اکٹھا بیٹھا دیکھ کر جل اٹھا۔ اس نے وہاں کچھ آدمیوں کو بھیج دیا کہ وہ جنگ بعاث کا ذکر چھیڑ دیں۔ یہ ایک چال تھی جو ان دونوں قبائل میں

Marfat.com

تفرقہ ڈالنے کے لیے کی گئی تھی۔ چنانچہ شماس کے آدمیوں نے اس مجلس میں پہنچ کر اس لڑائی کا ذکر اس طریقے سے چھیڑا کہ دونوں قبائل کے آدمی مشتعل ہو گئے اور دونوں فریق جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً موقع پر پہنچ کر دونوں فریقوں کو ٹھنڈا کیا۔ اور فرمایا: ''میں زندہ موجود ہوں اور تم میری موجودگی میں لڑنے لگے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ایک فقرے نے انصار کے مبارک قلوب میں رقت اور دل گیری پیدا کر دی۔ اب دونوں فریقوں کی زبان پر توبہ واستغفار کے جملے تھے۔ آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور گلے مل کر اس تلخی کو مٹا رہے تھے۔ (تفسیر مظہری: ۱/ ۱۲۶)

یہود کے اخلاق واعمال میں ایک خرابی کتمان حق کی پیدا ہو گئی تھی۔ دولت کی کثرت اپنے ساتھ تمام خرابیاں لاتی ہے۔ دولت کا ایک خاصہ زنا بھی ہے۔ زنا کی سزا تورات میں سنگ ساری تھی، لیکن یہود کے علماء نے اپنی طماعی کے عوض شریعت کو فروخت کر دیا تھا۔ چنانچہ ان کے ہاں اگر کوئی غریب زنا کرتا تو اس پر سنگ ساری کی سزا لاگو ہوتی، لیکن امراء میں سے اگر کوئی اس گھناؤنے جرم کا مرتکب ہوتا تو اس کے لیے کوئی نہ کوئی حیلہ اختیار کر کے اس کو اس سزا سے بچا لیا جاتا تھا۔ خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ایک مقدمہ چلا۔ ایک بڑے دولت مند شخص پر زنا کا الزام تھا۔ اس نے اپنی دولت خرچ کر کے سنگساری سے خلاصی حاصل کر لی۔ مدعی کا اصرار تھا کہ تورات کے مطابق سزا دی جائے۔ چنانچہ اس نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں اپیل کر دی۔ یہود کی طرف سے اس کے بہت بڑے عالم ابن صوریا کو بلایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ تورات کا زنا کے بارے میں کیا حکم ہے؟ ابن صوریا نے کتمان حق کرتے ہوئے بتایا کہ تورات کا حکم یہ ہے کہ مجرم کا منہ کالا کر کے اس کو شہر بھر میں پھرایا جائے اور اس کو درے لگائے جائیں۔ سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جو یہود کے بہت بڑے عالم تھے اور اب مسلمان ہو چکے تھے وہ بھی اس مجلس میں موجود تھے۔ انہوں نے فوراً جواب دیا: ''یا رسول اللہ! ابن صوریا غلط کہتا ہے۔ تورات میں زانی کا حکم صراحت کے ساتھ سنگسار کرنا ہے۔'' ابن صوریا حجت کرنے لگا تو تورات منگوائی گئی۔ لیکن جب تورات کھولی گئی تو ابن صوریا نے زنا کے حکم کی آیت پر ہاتھ رکھ لیا اور آگے پیچھے کی آیات پڑھنا شروع کر دیں۔ سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاتھ ہٹاؤ اور یہ آیت پڑھو جس میں سنگساری کا حکم ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنگساری کے فیصلہ ہی کو نافذ فرمایا۔ اس پر یہود کے علماء اور بدنیت طبقہ برافروختہ ہو گیا۔

(بخاری: ۱/ ۵۱۳، ۲/ ۶۵۴، ۱۰۱۱، ابوداؤد وغیرہ)

Marfat.com

اسی قسم کی اور کئی قباحتیں یہود میں پیدا ہو چکی تھیں۔ لیکن ان لوگوں میں ایک نہایت مختصر سی جماعت وہ بھی تھی جس نے دین حق کو دنیا پر ترجیح دی تھی۔ چنانچہ جیسے ہی سرکار دو عالم ﷺ مدینہ تشریف لائے یہ جماعت فوری طور پر حلقہ بگوش اسلام ہوگئی۔

یہود کی یہ تمام سرکشیاں، گستاخیاں اور غیر معمولی مراعات کے جواب میں غیر معمولی دیدہ دلیری، سینہ زوری اور ایذا رسانی دعوت اسلام کی راہ میں بہت سی مشکلات پیدا کر رہی تھیں۔ مگر نہ ان کو عہد شکنی قرار دیا گیا اور نہ ان کے خلاف کوئی تادیبی کارروائی کی گئی۔ لیکن غزوہ بدر کے بعد اس سرکشی اور تمرد میں بغاوت اور عہد شکنی کا رنگ پیدا ہوگیا۔ عہد شکنی کے جواب میں خاموشی اور چشم پوشی نہ صرف سیاسی جرم ہے بلکہ اخلاقی نقطۂ نگاہ سے بھی ایک جرم عظیم ہے۔ کیونکہ مجرم کو جرم کی سزا نہ دینا خود جرم ہے۔ عہد شکنی ایک فساد ہے اور فساد جہاں بھی پیدا ہو اس کو روکنا نہایت ضروری ہوتا ہے۔ البتہ عدل و انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ سزا صرف مفسد کو دی جائے غیر مفسد کو سزا نہ دی جائے کیونکہ غیر مفسد کو سزا دینا وحشت و بربریت کہلاتا ہے۔

پہلی مرتبہ یہود کے ایک قبلیہ بنو قینقاع نے عہد شکنی کی۔ آپ ﷺ نے اس کی سزا بھی اسی قبیلہ تک محدود رکھی۔ یہود کے دوسرے قبائل اس سزا سے محفوظ و مصئون رہے۔ بنوقینقاع کا قبیلہ تمام دوسرے یہودی قبائل کے مقابلہ میں زیادہ بدمعاش قبیلہ تھا۔ یہ مدینہ کے اندر رہتے تھے۔ پیشہ کے لحاظ سے سنار، لوہار اور برتن ساز تھے۔ اسلحہ وافر مقدار میں تھا اور سات سو جنگجو جوان ان کے پاس تھے۔

غزوہ بنی قینقاع:

جب سے سرکار دو عالم ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تھے اس وقت سے قریش کی یہ پالیسی تھی کہ کوئی ایسی صورت پیدا کی جائے کہ خود مدینہ طیبہ کے لوگ محمد ﷺ کو شہید کر دیں یا مدینہ سے باہر نکال دیں۔ چنانچہ انہوں نے شروع میں ایک خط عبداللہ بن ابی کو لکھا جس کا ذکر گذشتہ صفحات میں کیا جا چکا ہے۔ لیکن عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کے لیے یہ دونوں کام بہت مشکل تھے کیونکہ مدینہ کی اکثر آبادی آپ ﷺ کی ہم نوا بن چکی تھی۔ غزوہ بدر کے بعد قریش نے اپنی پہلی پلاننگ کو پھر زندہ کیا۔ پہلے انہوں نے خط عبداللہ ابن ابی کو لکھا تھا لیکن اس دفعہ انہوں نے یہودی سرداروں کو تہدید آمیز خط لکھا کہ

"آپ لوگ اسلحہ اور قلعوں کے مالک ہیں، لہٰذا ضروری ہے کہ آپ لوگ ہمارے

Marfat.com

حریف (رسول اللہ ﷺ) سے برسر پیکار ہوں ورنہ ہم تمہارے ساتھ جو کچھ کر سکیں گے کریں گے۔ اور کوئی شے ایسی نہ ہوگی جو ہمارے اور تمہاری عورتوں کے پاؤں کے زیور میں حائل ہو سکے۔ یعنی ان کی ٹانگیں کھینچیں گے اور آبرو ریزی کریں گے۔" (فتح الباری: ۷/۲۶۴، ابوداؤد، باب فی خبر النضیر)

یہ توہین آمیز خط جب یہود کو ملا تو چاہیے تو یہ تھا کہ وہ معاہدہ کے مطابق سرکار دو عالم ﷺ کے ساتھ اپنا رابطہ مضبوط کرتے یا پھر قریش کو اسی طرح توہین آمیز جواب دیتے اور انہیں غزوہ بدر میں ان کا حشر یاد کرواتے۔ مگر وہ لوگ تو صرف دولت کے بچاری تھے۔ نہ ان میں غیرت تھی اور نہ سیاست کی سمجھ بوجھ۔ وہ اس خط کو پڑھ کر ہوائی قلعے بنانے لگے کہ قریش مکہ نے انہیں مخاطب کر کے خط لکھا ہے۔ گویا یثرب کی سیاست کا نقشہ ان کے ہاتھ میں آ گیا ہے۔ اور یہ کہ وہ قریش کی مدد سے مسلمانوں کو ختم کریں اور حجاز کے تنہا حکمران بن جائیں، لیکن یہ ان کی خام خیالی تھی۔ پھر بدقسمتی یہ تھی کہ وہ سرمایہ دار ہوتے ہوئے اپنے آپ کو بہادر بھی خیال کرنے لگے تھے۔ حالانکہ سرمایہ دار کبھی بہادر نہیں ہوتا۔ یہ دونوں باتیں آپس میں متضاد ہیں۔

قریش کا یہ خط ان کی نظر میں تائید غیبی تھا۔ چنانچہ انہوں نے خط کے تلخ لہجے کو بھی عسلِ مصفّٰی سمجھا اور ان کی آواز پر لبیک کہنے پر آمادہ ہو گئے۔ لکھا ہے کہ "انہوں نے قریش کے ساتھ ساز باز شروع کر دی اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف انہیں جنگ پر آمادہ کیا اور پوشیدہ راز ان کو بتائے۔" (فتح الباری: ۷/۲۶۵)

اس بات کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ غزوہ بدر کے بعد کعب بن الاشرف یہودی مکہ گیا اور قریش سے مقتولین بدر کی تعزیت کی۔ ان سے اظہار ہمدردی کیا۔ ان کے غم میں مرثیے لکھے اور لوگوں کو جمع کر کے مرثیے پڑھتا۔ خود بھی روتا اور ان کو بھی رلاتا۔ بلکہ ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ اپنے ساتھ یہود کے 70 نمائندے بھی لے گیا اور وہاں قریش اور یہود میں یکجہتی پیدا کرنے کے لیے اپنے آدمیوں کو سمجھاتا۔

"مسلمانوں کی بہ نسبت ان مشرکین مکہ کا راستہ زیادہ سیدھا ہے اور یہ لوگ زیادہ ہدایت یافتہ اور راہ راست پر ہیں۔" (سیرۃ حلبیہ: ۳/۱۷۷)

کعبہ کا احترام اس کے عقیدہ کے بالکل خلاف تھا لیکن قریش کے ساتھ اپنی ہمدردی جتانے کے لیے ان کے ساتھ کھڑے ہو کر اس نے بیت اللہ کا غلاف تھاما اور عہد کیا کہ مسلمانوں سے بدر کا انتقام لیں گے۔ (فتح الباری: ۷/۲۷۰)

Marfat.com

مدینہ کے منافقین کو بھی اس نے اکسایا ہوا تھا اور در پردہ وہ بھی اس کی امداد کے لیے پر تولے ہوئے تھے۔ چنانچہ یہود اور منافقین کی ساز باز سے مدینہ کی سیاسی فضا بڑی مکدر ہو چکی تھی اور اب ایسے حالات ہو گئے تھے کہ خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اپنی جان کا خطرہ رہنے لگے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیکورٹی کے بارہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کا خاص خیال رکھنے لگے۔ اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک جانثار سیدنا طلحہ بن براء رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت آیا تو وصیت فرمائی کہ اگر رات کو میری روح قبض ہو تو خود ہی نماز پڑھ کر دفن کر دینا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر نہ کرنا۔ ایسا نہ ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائیں اور یہود کی طرف سے کوئی حادثہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر رونما ہو جائے۔ چنانچہ وہ رات ہی کو انتقال فرما گئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع دیئے بغیر انہیں دفن کر دیا۔ لیکن جب صبح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پتہ چلا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ساتھیوں کے ساتھ ان کی قبر پر تشریف لے گئے اور ایک صف میں کھڑے ہو کر یہ دعا کی:

((اللھم الق طلحه وانت تضحک وھو یضحک الیک))

''اے اللہ! طلحہ کو اس طرح اپنے دیدار سے نواز کہ تو بھی ہنستا ہو (راضی ہو) اور وہ بھی ہنستا ہو (راضی ہو) رضی اللہ عنہ ارضاہ۔''

قریش مکہ کے اس خط کے بعد ان کی سرکشی اور تمرد میں شدت آ گئی اور ان کی خباثتوں اور قبیح حرکتوں نے وسعت اختیار کر لی۔ چنانچہ جو مسلمان انہیں بازار میں ملتا اس کا وہ استہزاء اڑاتے اور اسے اذیت پہنچاتے یہاں تک کہ مسلمان عورتوں سے بھی انہوں نے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔

جب صورت حال زیادہ سنگین ہو گئی اور ان کی سرکشی حد سے تجاوز کر گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک روز بنو قینقاع کے بازار میں تشریف لے گئے اور ان کو جمع کر کے فرمایا:

''اے گروہ یہود! اللہ سے ڈرو۔ جیسے بدر میں قریش پر خدا کا عذاب نازل ہوا، کہیں تم پر بھی اسی طرح عذاب نازل نہ ہو۔ اسلام قبول کر لو۔ اور اس کے حدی خواں بن جاؤ کیونکہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں اللہ کا نبی اور اس کا رسول ہوں جس کو تم اپنی کتابوں میں لکھا ہوا پاتے ہو اور اللہ نے تم سے اس کا عہد لیا ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منہ سے یہ کلمات سن کر وہ مشتعل ہو گئے اور جواب میں کہنے لگے:

''اے محمد! تمہیں خود فریبی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے کہ تمہارا مقابلہ قریش کے اناڑی

Marfat.com

اور نا تجربہ کار اور جنگ کے طور طریقوں سے ناواقف لوگوں سے ہوا اور تم نے انہیں مار لیا۔ اگر ہم سے مقابلہ ہوا تو ہم بتا دیں گے کہ جنگ کیسے کہتے ہیں اور جنگ جو کیسے ہوتے ہیں۔"

(ابوداؤد مع عون المعبود: ۳/۱۱۵، باب کیف کان اجلاء الیہود من المدینہ، ابن ہشام: ۱/۵۵۲، عیون الاثر: ۱/۴۴۴، زرقانی: ۱/۴۵۶)

یہود کا یہ گستاخانہ جواب سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش ہو گئے، لیکن اس جواب کا صاف مطلب جنگ تھا مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کا یہ باغیانہ جواب سن کر صبر کیا اور آنے والے حالات کا انتظار کرنے لگے۔

اب یہود کی سیاست کا تقاضا یہ تھا کہ یہ مقابلہ جلد از جلد ہو اور مسلمانوں کو اتنی مہلت نہ دی جائے کہ وہ زیادہ مضبوط ہو سکیں۔ چنانچہ غزوہ بدر کو ابھی ایک ماہ بھی پورا نہیں ہوا تھا کہ بقول ابن سعد قریباً 15-16 شوال کو انہوں نے بغاوت کا علم بلند کیا اور معاہدہ کی دھجیاں اڑا دیں۔ (طبقات ابن سعد: ۳/۱۹)

واقعہ کی ابتداء ایک انصاری خاتون کی سربازار بے حرمتی سے ہوئی۔ ایک عرب خاتون بنو قینقاع کے بازار میں دودھ فروخت کرنے کے لیے آئی۔ دودھ فروخت کر کے وہ ایک سنار کی دکان پر بیٹھی ہوئی تھی کہ چند یہودی غنڈوں نے اس سے منہ کھولنے کی فرمائش کی۔ اس نے انکار کر دیا۔ اس پر سنار نے چپکے سے اس کے کپڑے پیچھے سے کچھ اس طرح الجھا دیئے کہ جب وہ اٹھی تو برہنہ ہو گئی اور یہودیوں نے قہقہہ لگایا۔ عورت اس شرمناک حرکت پر چیخ اٹھی۔ قریب ہی کوئی مسلمان تھا۔ وہ اس عورت کی چیخ و پکار سن کر موقع پر پہنچ گیا۔ اس نے غیرت میں آ کر یہودی سنار کو زدوکوب کیا۔ اتفاق سے وہ مر گیا۔ جواب میں یہودی جو پہلے سے بھرے بیٹھے تھے، جمع ہوئے اور اس مسلمان کو شہید کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں اور بنو قینقاع کے یہودیوں میں سخت کشیدگی کی فضا پیدا ہو گئی۔

(ابن ہشام: ۲/۴۷۔۴۸، عیون الاثر: ۱/۴۴۴، البدایہ والنہایہ: ۴/۳۔۴، زرقانی: ۱/۴۵۶)

مسلمان عورت کے بارے میں مسلمان کا فعل تو اضطراری تھا کیونکہ یہود نے ایک شرمناک فعل کیا تھا اور غیرت میں آ کر مسلمان نے اس سنار کو قتل کر دیا، لیکن یہود نے اس مسلمان کو قتل کر کے معاملہ آگے بڑھا دیا۔ چنانچہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود جائے واردات پر تشریف لے گئے اور یہود سے اس بارے میں گفتگو فرمائی، لیکن یہود کا جواب نہایت تلخ تھا۔

Marfat.com

آپ ﷺ نے انہیں بہت سمجھایا مگر وہ معاملہ کو خود طول دینا چاہتے تھے کیونکہ قریش کے خط نے ان کے دماغ کو خراب کیا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے انہیں فرمایا کہ تمہاری کتابوں میں میری نبوت و رسالت کے بارے میں پیشگوئیاں موجود ہیں، مگر تم ضد کی وجہ سے میری نبوت کا اقرار نہیں کر رہے۔ یہود نے آپ ﷺ کی اس بات کا توہین کے ساتھ وہی جواب دیا جو اس سے قبل وہ آپ ﷺ کو دے چکے تھے کہ

''اے محمد! تم اپنی قوم سے فریب میں مبتلا نہ ہو جانا۔ تم نے ایسی قوم کو شکست دی ہے جو جنگی اصولوں سے ناآشنا تھی۔ یاد رکھو، ہم خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ اگر ہم سے تمہارا پالا پڑا تو تمہیں پتہ چل جائے گا کہ دراصل آدمی ہم ہی ہیں۔'' (انا نحن الناس) (سیرۃ ابن ہشام: ۲/۵۶)

بنی قینقاع نے صرف اس جواب ہی پر اکتفا نہ کیا بلکہ بقول ابن سعد:

حاربوا وتحصنوا فی حصنهم.

''جنگ شروع کر دی اور اپنی حفاظت کے لیے قلعہ بند ہو گئے۔''

جب یہود نے آغازِ جنگ کر دیا اور خود قلعہ بند ہو گئے تو آپ ﷺ کے لیے بھی اقدام ضروری ہو گیا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے سیدنا ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ کا منتظم بنا کر اور سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو جنگ کا علم دے کر مجاہدین کے لشکر کے ساتھ بنو قینقاع کا رخ کیا۔ انہوں نے جب آپ ﷺ کے لشکر کو دیکھا تو قلعہ بند ہو گئے۔ آپ ﷺ نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ یہ جمعہ کا روز تھا اور شوال کی 15-16 تاریخ تھی۔ محاصرہ یکم ذی قعدہ تک جاری رہا۔ وہ لوگ اگرچہ بہت بہادر سمجھے جاتے تھے کیونکہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ یہود میں وہ سب سے بہادر تھے۔ (کانوا اشجع یهود) لیکن قریش کو ناتجربہ کار اور جنگی علوم سے ناواقف کہنے والے کسی ایک مسلمان کی نکسیر بھی نہ پھوڑ سکے۔ اپنے گھروں میں ڈرے سہمے بیٹھے رہے اور آخر کار یکم ذی قعدہ سنہ 2 ھ کو اپنا معاملہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے حوالہ کر دیا۔ یہ آپ ﷺ کی ذات قدسی صفات کا رعب تھا جو ان کے دلوں پر بیٹھ گیا کیونکہ آپ ﷺ نے اپنی ایک خصوصیت یہ بھی بیان فرمائی ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے یہ نصرت عطا فرمائی ہے کہ دشمن مرعوب اور ہیبت زدہ ہو جاتا ہے۔ (نصرت بالرعب) انہوں نے اس شرط پر ہتھیار ڈال دیئے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ ان کی جان و مال اور آل و اولاد کے بارے میں جو فیصلہ فرمائیں گے وہ اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیں گے۔ اس کے بعد آپ ﷺ کے حکم سے ان

Marfat.com

کو گرفتار کر لیا گیا۔

وہ غدار تھے، انہوں نے عہد شکنی کی تھی۔ ایک معاہدہ کے پرخچے اڑائے تھے۔ ان کی سزا قتل یا قید و بند ہونی چاہیے تھی، لیکن سرکار دو عالم ﷺ نے انہیں صرف یہ فرمایا کہ وہ مدینہ چھوڑ کر کسی اور جگہ چلے جائیں۔ چنانچہ وہ ملک شام کے علاقہ اذرعات چلے گئے۔ یہ سات سو آدمی تھے جن میں تین سو زرہ پوش تھے۔

بعض روایات میں ہے کہ اس موقع پر عبداللہ بن ابی نے اپنا منافقانہ رول ادا کیا۔ اس نے سرکار دو عالم ﷺ سے نہایت الحاح وزاری سے کہا کہ آپ ﷺ ان لوگوں کے بارے میں معافی کا حکم صادر فرمائیں۔ بنوقینقاع قبیلہ خزرج کے حلیف تھے اس وجہ سے اس نے حلیف ہونے کے ناطے آپ ﷺ سے اصرار بھی کیا کہ میرے معاہدین کے بارے میں احسان فرمایئے۔ اس کی بات سن کر رسول اللہ ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے اپنی درخواست پھر دہرائی۔ آپ ﷺ نے پھر کوئی جواب نہ دیا۔ اس بے حیا نے گریبان نبوت میں اپنا ہاتھ ڈال دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرا گریبان چھوڑ دو اور آپ ﷺ ایسے غضب ناک ہوئے کہ غصہ کے آثار آپ ﷺ کے چہرہ انور پر نمایاں ہو گئے۔ آپ ﷺ نے پھر اسے فرمایا کہ مجھے چھوڑ دو لیکن وہ اپنے اصرار پر قائم رہا اور اس کی زبان پر ایک ہی جملہ تھا کہ میرے معاہدین پر احسان فرمایئے۔ چار سو کھلے جسم کے جوان اور تین سو زرہ پوش جنہوں نے مجھے سرخ و سیاہ سے بچایا تھا، آپ انہیں ایک ہی صبح میں کاٹ کر رکھ دیں گے۔ خدا کی قسم میں زمانے کی گردشوں کا خطرہ محسوس کر رہا ہوں۔

رسول اللہ ﷺ کے ایک جنبش ابرو سے اس منافق کا سرتن سے جدا ہو سکتا تھا کیونکہ اس نے ایک بہت بڑی گستاخی کی تھی، لیکن آپ ﷺ نے اس کی خاطر ان سب یہودیوں کی جان بخشی فرمادی اور انہیں حکم دیا کہ وہ مدینہ سے نکل جائیں اور آپ ﷺ کے پڑوس میں نہ رہیں۔ چنانچہ وہ سب اذرعات شام کی طرف چلے گئے اور چند دنوں کے بعد وہاں اکثر مر گئے۔

وہ لوگ زیورات کا کام کرتے تھے۔ ان کے باغات اور کھیت وغیرہ نہ تھے۔ لہٰذا مسلمانوں کو ان کی کوئی غیر منقولہ جائیداد ہاتھ نہ آئی۔ ان کے پاس اسلحہ بہت تھا۔ وہ مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ کچھ اوزار تھے جو زیورات بنانے کے کام آتے تھے۔ وہ سارا مال ضبط کر کے اور اس میں سے خمس نکال کر مسلمانوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ان کے اسلحہ سے رسول اللہ ﷺ نے

Marfat.com

بھی تین کمانیں (جن میں سے ایک کا نام کتوم، دوسری کا نام روحاء اور تیسری کا نام بیضاء تھا) دو زرہیں (ایک کا نام صغد یہ اور دوسری کا نام فضہ تھا) تین تلواریں (ایک کا نام قلعی، دوسری کا نام بتار اور تیسری کا نام معلوم نہیں) اور تین نیزے اپنے لیے منتخب فرمائے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو طبقات ابن سعد: ۳/۱۹، سیرۃ ابن ہشام: ۲/۴۷ تا ۴۹، زاد المعاد: ۲/۷۱، ۹۱، زرقانی: ۱/۴۵۶، البدایہ والنہایہ: ۴/۳، ۴)

غزوہ سویق:

غزوہ بدر میں شکست کھا کر جب قریش مکہ واپس پہنچے، یہ وہی وقت تھا جب ابوسفیان کا کاروان تجارت بھی مکہ پہنچا تھا۔ تجارت کا یہ سامان ایک ہزار اونٹوں پر لدا ہوا تھا اور اس کا مشترک سرمایہ پچاس ہزار دینار تھا۔ یہ پورا مال سو فیصدی نفع کے ساتھ تھوک اٹھا دیا گیا تھا۔
(ابن سعد: ص ۲۵)

حصہ داروں کی اصل رقم واپس کردی گئی اور نفع کے پچاس ہزار دینار جنگ کے لیے محفوظ رکھے گئے۔

بنوقینقاع کی جلاوطنی کے بعد اگرچہ مدینہ کے غیر مسلم طبقوں نے ایک طویل سنبھالا لیا، لیکن دوسری طرف ابوسفیان نے، جو قریش کے سرداروں میں تنہا رہ گیا تھا، سر اٹھایا، اگرچہ رؤسا قریش اور بھی تھے جیسے عبداللہ بن ابی ربیعہ، عکرمہ بن ابی جہل، صفوان بن امیہ وغیرہ۔ لیکن ابوسفیان کو سربراہ اور قائد عوام تسلیم کیا گیا۔

ابوسفیان کو جب زمام قیادت سپرد کی گئی تو اس کا سب سے بڑا اور پہلا کام غزوہ بدر کا انتقام تھا کہ جب تک وہ غزوہ بدر کا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انتقام نہ لے گا نہ تو غسل جنابت کرے گا اور نہ ہی سر میں تیل ڈالے گا۔ اس سے اس کا مقصد قریش کے دامن سے بدر کی شکست کا داغ دور کرنا تھا تاکہ ملک میں ان کی دھاک بیٹھ جائے اور ان کی شوکت واپس آجائے۔ چنانچہ سب سے پہلا کام پروپیگنڈہ تھا۔ اس نے اس مقصد کے لیے دو آدمی مقرر کیے کہ قبائل میں دورہ کر کے اور اشعار اور تقاریر سے لوگوں کے جذبات جنگ کے لیے ابھاریں۔ ان میں ایک ابوعزہ شاعر تھا، جو غزوہ بدر میں گرفتار ہو گیا تھا۔ اس نے جب اپنے افلاس، تہی دستی اور پانچ لڑکیوں کے خرچ کے نام پر رہائی کی بھیک مانگی تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بلا فدیہ صرف اس شرط پر رہا کر دیا کہ وہ آئندہ اسلام کے خلاف کسی کی مدد نہیں کرے گا۔ اس وقت جب صفوان بن امیہ

Marfat.com

نے اس کے سپرد یہ کام کیا تو اس نے یہ عذر کر دیا کہ میں محمد ﷺ سے اسلام کے خلاف مدد نہ کرنے کا وعدہ کر چکا ہوں۔ صفوان نے اس کے جواب میں یہ کہا کہ ہم آپ سے کوئی حملہ نہیں کرانا چاہتے بلکہ صرف آپ کی زبان کی مدد چاہتے ہیں۔ صفوان نے اس کے تمام اخراجات کی ذمہ داری لی اور یہ وعدہ بھی کیا کہ اس کے مارے جانے کی صورت میں اس کی لڑکیوں کا کفیل ہوگا۔ چنانچہ اس لالچ میں وہ شخص اپنے وعدہ سے منحرف ہو گیا حالانکہ جب اس کو رہا کیا گیا تو اس نے رسول اللہ ﷺ کی منقبت میں پانچ اشعار کا قصیدہ بھی کہا تھا جن کو ابن ہشام نے اپنی سیرۃ میں نقل کیا ہے، مگر جب مکہ مکرمہ پہنچا تو کہا میں نے محمد ﷺ پر جادو کر دیا (سحرت محمد) (سیرۃ حلبیہ: ۲/۲۲۲)

دوسرا شخص مسافع بن عبد مناف تھا اس کو بھی یہی خدمت سپرد کی گئی۔

(طبقات ان سعد: ۳/۲۰)

چنانچہ ایک روز ابوسفیان دو سو ستر سواروں کو ساتھ لے کر مدینہ کی طرف روانہ ہوا اور مسلمانوں کی گرفت کے خوف سے قدم قدم پر کاوے کاٹتا ہوا مدینہ کے قریب پہنچا اور وادی قناۃ کے سرے پر واقع نیب نامی ایک پہاڑی کے دامن میں مدینہ طیبہ سے بارہ میل ادھر خیمہ زن ہوا۔

یہود کے بارے میں ابوسفیان کا یہ خیال تھا کہ وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں اس کی مدد کریں گے۔ چنانچہ رات کی تاریکی میں وہ بنونضیر کے علاقہ میں پہنچا۔ پہلے حیی بن اخطب کے دروازے پر دستک دی لیکن اس نے دروازہ ہی نہ کھولا۔ اس سے مایوس ہو کر سلام بن مشکم کے ہاں آیا جو بنونضیر کا سردار تھا اور تجارتی خزانہ اسی کے پاس رہتا تھا۔ اس نے ابوسفیان کا پر جوش استقبال کیا۔ اس کی پر تکلف دعوت کی، شراب بھی پلائی، مدینہ طیبہ کے مخفی راز بھی بتائے۔ آخر شب وہاں سے نکل کر ابوسفیان اپنے ساتھیوں میں پہنچا اور ان کے ایک دستہ کے ساتھ ''عریض'' جو مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر ہے، حملہ آور ہوا۔ اس دستہ نے وہاں کھجور کے کچھ درخت کاٹے اور جلائے اور ایک انصاری سعد بن عمر رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔ چند مکانات اور گھاس کے انبار جلا دیے۔ ان باتوں سے اس کی قسم پوری ہوگئی پھر وہ تیزی سے مکہ واپس بھاگ نکلا۔

سرکار دو عالم ﷺ کو اس واردات کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے دو سو مہاجرین و انصار کے ساتھ اس کا تعاقب کیا۔ لیکن ابوسفیان اپنے ساتھیوں کے ساتھ اتنی تیز رفتاری سے بھاگا کہ ہاتھ نہ آیا۔ اس کے پاس رسد کے لیے ستو کے بورے تھے۔ چنانچہ اپنا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے اور گھبراہٹ میں ستو کے وہ بورے اور دوسرا بہت سا ساز و سامان پھینکتا گیا۔ جو

Marfat.com

مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ رسول اللہ ﷺ نے کرۃ الکدر تک اس کا تعاقب کیا لیکن وہ نہ ملا چنانچہ آپ ﷺ واپس تشریف لے آئے۔ مسلمان ستو کے بورے اور دوسرا ساز وسامان لاد کر واپس ہوئے۔ عربی زبان میں ستو کو ''سویق'' کہتے ہیں، اس لیے یہ غزوہ ''غزوہ سویق'' کے نام سے مشہور ہوا۔

ابن سعد کی تحقیق کے مطابق یہ حملہ 5 ذی الحجہ سنہ 2ھ کو ہوا۔ اس غزوہ کے دوران آپ ﷺ نے مدینہ طیبہ کا انتظام ابولبابہ بن عبدالمنذ رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا تھا اور اس تعاقب میں آپ ﷺ کے پانچ دن صرف ہوئے۔

(تفصیل کے ملاحظہ ہو زرقانی: ۱/ ۴۵۸، ابن سعد: ۲/۳، سیرۃ ابن ہشام: ۲/۴۴۔۴۵، زادالمعاد لابن قیم: ۲/ ۹۱۔۹۱ وغیرہ)

ان تمام واقعات کی خبریں تمام جزیرہ نما عرب میں پھیل گئیں کہ بدر سے پہلے جو لوگ اپنی قوم کے خوف سے بھاگ کر ترک وطن پر مجبور ہوئے اور مدینہ میں آ کر پناہ لی، ان لوگوں نے بدر میں قریش مکہ کو پیس کر رکھ دیا ہے۔ مدینہ کا یہودی قبیلہ بنوقینقاع جو اپنے آپ کو بڑا بہادر سمجھتا تھا، وہ بھی ان کے دبدبہ کے باعث ہمیشہ کے لیے مدینہ کو چھوڑ گیا ہے اور قریش کا مشہور اور نامی گرامی سردار ابوسفیان جو بدر کے انتقام کیلیے غراتا ہوا مکہ سے نکلا تھا، چھپتا چھپاتا مدینہ گیا اور وہاں سے مسلمانوں کی ہیبت کے باعث سرپٹ بھاگتا ہوا مکہ پہنچا اور اب مکہ میں دبک کر بیٹھ گیا ہے۔ قریب وجوار میں بسنے والے غیر مسلم قبائل ان واقعات سے بہت متاثر تھے۔

اس زمانہ میں مکہ اور شام کے تجارتی قافلوں کی گزرگاہ بحیرہ احمر کے کنارے والی شاہراہ تھی جس پر بسنے والے قبائل آنے جانے والے قافلوں سے مالی منفعت حاصل کرتے تھے۔ اب سرکار دو عالم ﷺ نے ان قبائل سے معاہدات کر کے قریش مکہ کی تجارتی ناکہ بندی کر دی۔ جس سے قریش مکہ نہایت پریشان تھے۔ قریش کی تجارتی ناکہ بندی سے ان قبائل کو بھی معاشی بدحالی سے دوچار ہونا پڑا کیونکہ ان کا خیال یہ تھا اور یہ خیال کسی حد تک درست بھی تھا کہ اگر ان شاہراہوں پر قریش کی آمدورفت نہ رہی تو وہ ایسے بے برگ وبار علاقہ میں زندگی کے دن کیسے بسر کر سکیں گے۔ وہ ہمہ وقت اور ہمہ تن اپنے مستقبل کے بارے میں فکرمند رہتے۔ یہ دشواریاں مسلمانوں کے مدینہ میں آنے سے قبل ان کے حاشیہ خیال میں بھی نہ تھیں۔ اسی وجہ سے کچھ قبائل نے مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کیں لیکن ان کے حملہ سے قبل ہی مسلمانوں نے ان کی سرکوبی کر دی۔

Marfat.com

واقعات متفرقہ:

اس سال میں کچھ اور واقعات بھی پیش آئے جو حسب ذیل ہیں:

1 ــــــ سیدہ رقیہ سلام اللہ علیہا کی وفات:

رسول اللہ ﷺ کی دوسری صاحبزادی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا جو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے حبالہ عقد میں تھیں، کی وفات ہوئی۔ ان کی وفات رمضان المبارک سنہ 2ھ میں ہوئی۔ 19 رمضان المبارک اتوار کا دن تھا جبکہ غزوہ بدر 17 رمضان المبارک جمعہ۔ کے روز ہوا۔ وفات کے وقت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی عمر 20 یا 21 سال تھی۔

2 ــــــ عاشورہ کے روزے کا حکم:

اسی سال سرکار دو عالم ﷺ نے عاشورے کا روزہ رکھا۔ نیز اس کا حکم فرمایا یعنی بطور وجوب۔ لیکن جب اسی سال میں رمضان کے روزے فرض ہوئے تو عاشورہ کا روزہ سنت مستحبہ رہ گیا۔

3 ــــــ رمضان المبارک کی فرضیت:

اسی سال تحویل قبلہ کے ایک ماہ بعد نصف شعبان کو رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے۔ یہ آپ ﷺ کی مدینہ تشریف آوری کے ٹھیک اٹھارہ ماہ بعد فرض ہوئے۔

4 ــــــ سب سے پہلی نماز عید الفطر:

اسی سال نماز عید کا حکم ہوا اور یکم شوال کو رسول اللہ ﷺ نماز عید کے لیے نکلے۔ عصا مبارک آپ ﷺ کے آگے گاڑ دیا گیا اور آپ ﷺ نے اس کو سترہ بنا کر لوگوں کو نماز عید پڑھائی۔ یہ مسلمانوں کی سب سے پہلی عید تھی۔ یہ عصائے مبارک (عنزہ) دراصل نجاشی شاہ حبشہ کا تھا۔ انہوں نے سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو دیا تھا اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو ہدیہ کر دیا تھا۔ یہ عصا عیدین وغیرہ میں آپ کے سامنے گاڑ دیا جاتا تھا۔

Marfat.com

5____ عید الاضحیٰ اور قربانی:

اسی سال ذی الحجہ میں رسول اللہ ﷺ نے پہلی عید الاضحیٰ پڑھائی اور اسی سال قربانی کی۔ آپ ﷺ نے نماز عید سے فارغ ہو کر چاشت کے وقت دو مینڈھوں کی قربانی کی۔ یہ دونوں سیاہ رنگ، سینگوں والے اور خصی تھے۔ دونوں کو آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے ذبح کیا۔ ایک اپنی جانب سے اور دوسرا پوری امت کی طرف سے۔ اس کے بعد آپ ﷺ ہر سال قربانی فرمایا کرتے تھے۔

6____ نماز میں سلام و کلام کی ممانعت:

اسی سال نماز میں سلام اور کلام کرنے کی ممانعت وارد ہوئی، اس سے قبل نماز میں یہ دونوں باتیں جائز تھیں۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حبشہ سے اسی سال واپس آئے تو رسول اللہ ﷺ نماز میں مشغول تھے۔ انہوں نے حضور ﷺ کو سلام عرض یا لیکن آپ ﷺ نے سلام کا جواب نہ دیا اور نماز سے فارغ ہو کر اس کی وجہ بیان فرمائی کہ اب نماز میں سلام و کلام کی ممانعت ہو چکی ہے۔

7____ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح:

ایک روایت کے مطابق اسی سال کے اواخر ماہِ صفر میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا سے نکاح کیا۔ یہ سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کی رخصتی سے ساڑھے چار ماہ بعد کا واقعہ ہے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عمر نکاح کے وقت ایک روایت کے مطابق انیس سال ڈیڑھ ماہ تھی۔ پھر اسی سال غزوہ بدر کے بعد ذی الحجہ میں یعنی آپ ﷺ کی مدینہ تشریف آوری کے 22 ماہ بعد، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہوئی۔

ایک روایت کے مطابق یہ سنہ 3ھ کا واقعہ ہے۔ (نکاح کی تفصیلات ہم نے اپنی کتاب ''صحابہ کرام اور اہل بیت نبوت کے تعلقات اور رشتہ داریاں'' میں بیان کی ہیں) اسی سال سیدنا مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ جو سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے بھانجے تھے، اور سیدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی۔ نبی کریم ﷺ کے انتقال کے وقت ان دونوں کی عمر آٹھ سال تھی۔

Marfat.com

سنہ 3 ہجری

کعب بن اشرف کا قتل:

کعب بن اشرف مذہبا یہودی تھا لیکن رشتہ داری اور قرابت کے لحاظ سے اس کا تعلق عرب سے تھا۔ اس کی ماں کا نام ''عقیلہ'' تھا جو عرب کے مشہور مالدار شخص ابوالحقیق کی بیٹی تھی۔ کعب کے باپ اشرف کا خاندانی تعلق ''بنو بنہان'' جو قبیلہ ''طے'' کی ایک شاخ تھی، سے تھا۔ جس طرح قبیلہ ''طے'' کے کچھ لوگ نصرانی ہو گئے جیسے سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کا خاندان، اسی طرح سے اشرف نے یہودی مذہب اختیار کر لیا۔ اتفاق سے اس کے ہاتھوں ایک قتل ہو گیا جس کی وجہ سے وہ وہاں سے بھاگ کر یثرب آ گیا۔ یہاں وہ بنی نضیر اور بنو قریظہ یہودی قبائل کا حلیف بن گیا اور سودی کاروبار کرنے لگا۔ ساہوکارے میں اس نے نام پیدا کیا۔ ڈھیروں دولت کمائی اور مالداروں میں اپنا ایک نام پیدا کیا۔ اس کی دولت کی شہرت کی وجہ سے خیبر کے سردار ابوالحقیق نے اپنی لڑکی اس کے رشتہ زوجیت میں دے دی۔ کعب اس کے بطن سے پیدا ہوا۔ (فتح الباری: ۳۷۹/۷) اشرف نے اپنی اولاد کی شادیاں عرب قبائل میں بھی کیں۔ چنانچہ اس نے اپنی ایک لڑکی کی شادی قبیلہ اوس میں کی۔ اس طرح اس کے تعلقات عرب اور یہود دونوں میں وسیع تھے اور دونوں اس کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

کعب بن اشرف ایک مالدار باپ کا بیٹا تھا۔ قیادت اور لیڈری کا اسے بہت شوق تھا۔ اس نے بھی باپ کی طرح سودی کاروبار میں ڈھیروں دولت کمائی اور سوسائٹی میں اپنا اثر و رسوخ بڑھانے کے لیے یہودی علماء کے وظائف مقرر کیے۔ یہودی مدرسوں کی بھرپور امداد کی۔ شاعر بھی تھا۔ شاعری کے اس ذوق نے بھی اسے اپنی سوسائٹی میں بلکہ پورے علاقہ میں بہت شہرت دی۔

Marfat.com

وہ روز اول سے ہی اسلام کے خلاف اپنے دل میں عداوت کا ایک الاؤ پالے ہوئے تھا۔ اسلام کی ترقی اسے ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ چنانچہ جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے اور یہودی علماء کی ایک اچھی خاصی تعداد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متاثر ہوئی تو اس کے سینہ پر سانپ لوٹنے لگے۔ اس کے دل میں ان علماء کے خلاف نفرت پیدا ہوئی۔ چنانچہ اس نے ان کے وظائف بند کر دیئے اور جب تک ان علماء کو اس نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عداوت اور مخالفت پر آمادہ نہیں کیا ان کے وظائف جاری نہ کیے۔ (سیرۃ حلبیہ: ۳/۱۷۷)

اس نے ہر طریقہ سے اسلام کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا:

لیس علینا فی الامین سبیل.

''یعنی ان امیوں کا مال جس طرح چاہو ہضم کر لو۔ اس میں کوئی گناہ نہیں۔''

غزوہ بدر میں مسلمانوں کی فتح اور قریش کی شکست فاش کی خبر جب اس کو پہنچی تو اس کے منہ سے بے اختیار نکلا ''لبطن الارض خیر من ظهرها'' یعنی اب مر جانا بہتر ہے'' اسے یقین نہیں آتا تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ مٹھی بھر مسلمانوں نے قریش کے تین گنا بڑے لشکر کو شکست فاش دے دی۔ چنانچہ اسی بوکھلاہٹ میں وہ مکہ پہنچا۔ کم وبیش ستر آدمی اس کے ساتھ تھے۔ وہاں وہ مطلب بن ابی وداعہ سہمی کا مہمان ہوا۔ پھر مشرکین مکہ کی غیرت بھڑکانے، ان کی آتش انتقام تیز کرنے کے لیے مقتولین بدر کے مرثیے کہے۔ ان کے سرداروں کا نوحہ و ماتم کیا۔ مرثیے پڑھتے وقت اس نے یہ ڈرامہ رچایا کہ خود بھی روتا اور انہیں بھی رلاتا۔ ایک روز ابوسفیان اور دوسرے مشرکین نے اس سے پوچھا کہ ہمارا دین تمہارے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا دین۔ اس نے جواب دیا کہ تم لوگ اس سے زیادہ افضل اور ہدایت یافتہ ہو۔ (انتم واللہ اھدی سبیلا ممن هو علیه) (سیرۃ حلبیہ: ۳/۱۷۸) اور ان کے ساتھ بیت اللہ جاتا اور اس کے غلاف کو پکڑ کر عہد کرتا کہ مسلمانوں سے بدر کا انتقام ضرور لیں گے حالانکہ بیت اللہ سے نہ اسے کوئی محبت تھی اور نہ اس کا احترام اس کے دل میں تھا۔ (فتح الباری: ۷/۲۷۰) ائمہ سیرۃ نے لکھا ہے کہ وہ مکہ سے اس وقت تک واپس نہ آیا جب تک کہ اس نے مشرکین مکہ کو اس بات پر متفق نہ کر لیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ضرور جنگ کریں گے۔ مکہ سے جب واپس مدینہ آیا تو اب اس کی حالت یہ تھی کہ وہ کھلم کھلا مسلمانوں سے اپنی عداوت کا اظہار کرتا اور لوگوں کو جنگ پر آمادہ کرتا۔ (البدایہ والنہایہ: ۴/۶) ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ مدینہ واپس آ کر اس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی

Marfat.com

عورتوں کے بارے میں غلیظ قسم کے اشعار کہنے شروع کر دیئے۔ سرکار دو عالم ﷺ کی ہجو میں اشعار کہے۔ اشعار اس زمانہ میں بہت اہمیت رکھتے تھے کیونکہ جب کوئی شاعر کسی کی مدح یا ہجو میں شعر کہتا تو وہ بچہ بچہ کی زبان پر جاری ہو جاتے۔ (زرقانی: ۹/۲)

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اس نے اپنے ہاں ایک دعوت میں سرکار دو عالم ﷺ کو مدعو کیا اور ایک خفیہ سازش کے تحت یہ انتظام کیا کہ آپ ﷺ جب میرے ہاں تشریف لائیں تو انہیں شہید کر دیا جائے۔ (سیرۃ حلبیہ: ۱۷۸/۳، فتح الباری: ۲۵۹/۷)

یہ وہ حالات تھے جن سے تنگ آ کر ایک روز آپ ﷺ نے فرمایا:

من لی للکعب بن اشرف فانه قد اذی الله ورسوله.

''یعنی کون ہے جو کعب بن اشرف سے نمٹے کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دی ہے۔''

سرکار دو عالم ﷺ کے منہ سے یہ کلمات سن کر محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اٹھے اور عرض کیا ''یا رسول اللہ! کیا آپ ﷺ کعب بن اشرف کا قتل چاہتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ عرض کی پھر آپ ﷺ مجھے اس ذومعنی بات کہنے کی اجازت فرمائیں۔ فرمایا اجازت ہے۔

اس کے بعد محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اپنے قبیلہ اوس کے چند ان ساتھیوں کو ساتھ لیا جو کعب بن اشرف سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ مندرجہ ذیل حضرات تھے:

(1) عباد بن بشر رضی اللہ عنہ (2) سلکان بن سلام رضی اللہ عنہ اس کی کنیت ابو نائلہ تھی اور یہ کعب کے رضاعی بھائی تھے، (3) حارث بن اوس رضی اللہ عنہ اور (4) ابو عبس بن اوس رضی اللہ عنہ۔

کعب بن اشرف ایک گڑھی میں رہتا تھا۔ اس کا محل ایک قلعہ تھا جس کے باقاعدہ دربان اور چوکیدار دروازے پر موجود رہتے تھے۔ اس لیے اس تک پہنچنا بہت مشکل تھا اور ہتھیار اور اسلحہ لے جانا تو اور بھی زیادہ مشکل تھا۔ اب ان حضرات کے لیے پہلا کام یہ تھا کہ اسلحہ اندر لے جانے کی صورت پیدا کی جائے۔ چنانچہ فیصلہ یہ ہوا کہ کعب بن اشرف کے پاس پہنچ کر قرض کی بات کی جائے۔ پہلے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کعب کے پاس گئے اور رسول اللہ ﷺ کی شکایت اس انداز سے کی کہ کعب نے اس کو حقیقت پر محمول کیا۔ جب کہ یہ کہانی تجاہل عارفانہ سے کہی جا رہی تھی۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس شخص (یعنی محمد ﷺ) کے مدینہ آ جانے سے ہم لوگ عجیب پریشانی اور کشمکش میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ ایک تو تمام عرب سے دشمنی مول لینا پڑی۔ ہر طرف سے ہمارے راستے بند ہو گئے۔ اہل و عیال ضائع ہونے لگے حتیٰ کہ جانیں قلب میں تھرا

Marfat.com

اٹھیں۔ دوسرے یہ کہ ہم سے صدقہ اور زکوٰۃ مانگتا ہے تاکہ فقراء و مساکین میں تقسیم کیا جائے۔
کعب نے جواب دیا۔ ابھی تو ابتدائے عشق ہے۔ خدا کی قسم، ابھی تم لوگ اور بھی اکتا جاؤ گے۔
محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا! اب جب کہ ہم اس کے پیچھے لگ گئے ہیں تو مناسب معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا ساتھ چھوڑ دیں جب تک یہ نہ دیکھ لیں کہ نتیجہ کیا نکلتا ہے۔ ابھی ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ ہمیں ایک دو وسق غلہ دے دیں۔ (ایک وسق پانچ من اڑھائی سیر کا ہوتا ہے)
کعب نے کہا: غلہ دینے سے تو مجھے انکار نہیں لیکن میرے پاس آپ کی کوئی سکیورٹی ہونی چاہیے، لہٰذا کوئی شے رہن رکھ دو۔ محمد ابن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کون سی چیز رہن رکھ دیں؟ اس نے کہا: اپنی عورتوں کو رہن رکھ دو۔ محمد ابن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے چونک کر کہا: عورتیں! ان کو ہم کیسے رہن رکھ دیں؟ آپ عرب کے سب سے زیادہ حسین و جمیل انسان ہیں۔ ہماری عورتیں آپ کو دیکھیں گی تو آپ پر فریفتہ ہو جائیں گی۔ پھر وہ ہمارے قابو سے نکل جائیں گی۔ اس نے کہا: تو پھر اپنے بیٹوں کو رہن رکھ دو۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ پھر چونکے اور بولے: سیٹھ صاحب! یہ بھی کیسے ممکن ہے؟ اپنے لڑکوں کو رہن رکھ کر تو ہماری ناک ہمیشہ کے لیے کٹ جائے گی اور ان لڑکوں کی ناک بھی کٹ جائے گی کیونکہ جہاں کہیں بھی بات ہوا کرے گی تو لوگ ہمارے ان لڑکوں کو طعنہ دیا کریں گے کہ تم وہی ہو جو ایک وسق غلہ کے عوض گروی پڑے رہے تھے۔ یہ بات ہمارے لیے اور ہمارے بچوں کے لیے نہایت شرم کی ہے۔ البتہ ہم آپ کے پاس اپنے ہتھیار گروی رکھ سکتے ہیں۔

مختصر یہ کہ کعب بن اشرف ہتھیار گروی رکھنے پر آمادہ ہو گیا۔ اب اس نے پوچھا کہ کب ہتھیار لاؤ گے؟ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ آج ہی رات کو لے آئیں گے۔
دوسری طرف ابو نائلہ بھی کعب بن اشرف کے پاس آئے اور بالکل وہی گفتگو کی جو محمد ابن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کی تھی دوران گفتگو ابو نائلہ نے یہ بھی کہا کہ میرے کچھ اور ساتھی ہیں جن کے خیالات بھی میرے ہی جیسے ہیں۔ میں انہیں بھی آپ کے پاس لانا چاہتا ہوں۔ آپ انہیں بھی کچھ قرض دے کر ان پر احسان کریں۔
مختصر یہ کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اور ابو نائلہ اپنی اپنی گفتگو کے ذریعہ اپنے مقصد میں کامیاب رہے کیونکہ اس گفتگو کے بعد ہتھیار اور رفقاء سمیت ان دونوں کی آمد پر کعب چونک نہیں سکتا تھا۔

14 ربیع الاول سنہ 3ھ کی چاندنی رات کو ان چند حضرات پر مشتمل دستہ سرکار دو عالم

Marfat.com

ﷺ کے پاس طے شدہ پروگرام کے مطابق جمع ہوا۔ آپ ﷺ نے بقیع غرقد تک ان کی مشایعت فرمائی۔ دعا کی کہ اے اللہ! ان کی مدد فرما اور گھر واپس آ کر پھر دعا و مناجات میں مشغول ہو گئے۔

جب یہ لوگ کعب بن اشرف کے قلعہ کے دامن میں پہنچے تو ابو نائلہ نے زور سے آواز دی۔ کعب! آواز سن کر کعب ان کے پاس آنے کے لیے اٹھا تو اس کی بیوی نے جو ابھی نئی نویلی دلہن تھی اور روایات سے پتہ چلتا ہے کہ بہت نازک اندام اور نفاست پسند تھی، ہر وقت عطر میں بسی رہتی تھی، کہا کہ اس وقت کہاں جا رہے ہو؟ میں یہ ایسی آواز سن رہی ہوں۔ جس سے خون ٹپک رہا ہے۔ کعب نے جواب دیا نہیں ایسی کوئی بات نہیں، یہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اور ابو نائلہ رضی اللہ عنہ میرے رشتہ دار ہیں۔ ایک میرا بھانجا ہے اور دوسرا دودھ شریک بھائی ہے، لہٰذا کوئی خطرہ کی بات نہیں اور اگر خطرہ بھی ہو تو بہادر لوگ خطرہ سے نہیں ڈرا کرتے۔ بہادر کو رات کے وقت بھی جنگ کے لیے بلایا جائے تو وہ فوراً لبیک کہتا ہے۔ اچھا میں ہتھیار لگائے لیتا ہوں۔ چنانچہ کعب بن اشرف مسلح ہو کر باہر آیا۔

ابو نائلہ نے ساتھیوں سے کہہ رکھا تھا کہ جب وہ آ جائے گا تو میں اس کے بال پکڑ کر سونگھوں گا جب تم دیکھو میں نے اس سر پکڑ لیا ہے تو اس پر پل پڑنا اور اسے قتل کر دینا۔ کعب بن اشرف باہر آیا تو وہ عطر سے مہک رہا تھا۔ وہ عام طور پر مشک استعمال کیا کرتا تھا۔ ابو نائلہ نے کہا: ابن اشرف! آپ نے تیل کیسا لگا رکھا ہے یہ تو بہت ہی عمدہ خوشبو ہے۔ ایسی خوشبو تو میں نے کبھی دیکھی ہی نہیں۔ کہنے لگا: میرے پاس عرب کی سب سے زیادہ خوشبو لگانے والی عورت ہے۔ ابو نائلہ نے کہا: اجازت ہو تو آپ کا سر سونگھ لوں۔ وہ بہت خوش ہوا اور سونگھنے کی اجازت دے دی۔ ابو نائلہ نے اس کے سر میں اپنا ہاتھ ڈالا۔ خود بھی سونگھا اور ساتھیوں کو بھی سونگھایا۔ پھر کہا جی نہیں بھرا۔ خوشبو بہت عمدہ ہے ایک دفعہ اور سونگھنے کی اجازت دیجئے۔ اب کی بار ابو نائلہ نے اس کے سر میں ہاتھ ڈال کر اس کو قابو کر لیا۔ اور کہا کہ لے لو اللہ کے اس دشمن کو۔ ساتھیوں نے فوری طور پر اس پر حملہ کر دیا۔ ایک ساتھ کئی تلواریں آئیں لیکن کچھ کام نہ آ سکیں۔ یہ دیکھ کر محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے جھٹ اپنی کدال لی اور اس کے پیٹ پر لگا کر چڑھ بیٹھے کدال آر پار ہو گئی۔ اور وہ دشمن خدا وہیں ڈھیر ہو گیا۔ حملہ کے دوران وہ اس زور سے چیخا کہ گرد و پیش میں ہلچل مچ گئی۔ حملہ کے دوران حارث بن اوس رضی اللہ عنہ کو بعض ساتھیوں کی تلواروں کی نوک لگ گئی۔ جس سے وہ بھی زخمی ہو گئے لیکن اس کا کام تمام ہو گیا۔

Marfat.com

واپسی پر اس دستہ نے اپنی کامیابی پر بقیع غرقد پہنچ کر اس زور کا نعرہ لگایا کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی سن لیا۔ آپ ﷺ سمجھ گئے کہ یہ لوگ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ جب یہ لوگ آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ چہرے کامیاب رہیں۔ ان لوگوں نے جواب میں کہا: یا رسول اللہ! آپ رخ انور پر بھی۔ اس کے ساتھ اس ملعون کا سر آپ کے قدموں میں رکھ دیا۔ آپ نے اس قتل پر اللہ کی حمد و ستائش کی اور حارث رضی اللہ عنہ کے زخم پر لعاب دہن لگایا جس سے وہ شفایاب ہو گیا۔

یہود کو جب کعب بن اشرف کے قتل کا علم ہوا تو ان کے دلوں میں مسلمانوں کے رعب اور ہیبت کی لہر دوڑ گئی اور انہیں پتہ چل گیا کہ سرکار دو عالم ﷺ جب یہ محسوس کریں گے کہ امن و امان سے کھیلنے والے اور ہنگامہ برپا کرنے والے، اور عہد و پیمان اور معاہدات کا احترام نہ کرنے والے لوگوں پر زبانی نصیحت کارگر نہیں ہوتی تو آپ ﷺ طاقت کے استعمال سے بھی گریز نہ کریں گے۔ لہٰذا وہ دم سادھے پڑے رہے اور کچھ نہ بولے لیکن ہمت ہار بیٹھے۔

چنانچہ سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

> ''کعب بن اشرف کو جب محمد ابن مسلمہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے قتل کر دیا تو یہود اور مشرک (منافق) گھبرا گئے۔ یہ لوگ سرکار مدینہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے انہیں کعب بن اشرف کی حرکتوں سے آگاہ کیا۔ پھر فرمایا: آپ لوگ کچھ شرائط طے کر لیں اور ان کی پابندی کرتے رہیں۔ چنانچہ ایک عہد نامہ تحریر کیا گیا جس کے فریق تین تھے سرکار دو علام ﷺ بنی نضیر اور مسلمان۔'' (ابوداؤد، باب کیف کان اخرج الیہود من المدینہ)

لیکن یہ معاہدہ بھی زیادہ دیر نہ چل سکا۔ بنو نضیر نے خود سرکار دو عالم ﷺ کو (معاذ اللہ) قتل کرنے کی کوششیں کیں جس پر یہ معاہدہ ختم ہو گیا۔

(ملاحظہ ہو بخاری: ۲/ ۵۷۶، فتح الباری: ۷/ ۲۶۰، باب قتل کعب بن الاشرف، طبقات ابن سعد: ۲/ ۲۳، ابن ہشام: ۲/ ۵۱۔ ۵۷، البدایہ والنہایہ: ۴/ ۵۔ ۸، عیون الاثر: ۱/ ۴۴۸)

کعب بن اشرف کے قتل سے ایک تو تمام یہودیوں اور منافقین پر آپ ﷺ کی ہیبت طاری ہو گئی۔ دوسرے مسلمان اندرونی مشکلات کے بارِ دوش سے سبکدوش ہو گئے اور تیسرے بیرون مدینہ سے پیش آنے والے متوقع خطرات کے لیے فارغ ہو گئے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو جامع الاصول: ۹/ ۱۶۹، ۱۷۱، طبقات: ۲/ ۱۱۹، وغیرہم)

Marfat.com

سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ:

کعب بن الاشرف یہودی کے قتل کے بعد مسلمانوں کو ایک اور مہم پیش آئی۔ یہ مہم بھی کامیاب رہی۔ اس مہم کے پیش آنے کی وجہ یہ تھی کہ قریش جنگ بدر کی شکست کے بعد مسلمانوں سے حد درجہ مرعوب اور خوفزدہ ہو گئے۔ انہیں یہ فکر دامن گیر تھی کہ اب شام کے تجارتی قافلہ کے لیے بھی بہت سے خطرات پیدا ہوں گے کیونکہ مسلمان اب اس پوزیشن میں ہیں کہ جب چاہیں ہماری تجارتی لائن کاٹ دیں۔ اگر ہماری تجارتی زبوں حالی اسی طرح رہی تو تھوڑے ہی عرصہ میں ہم قحط اور بھوک کے کنارے جا لگیں گے کیونکہ تجارتی شاہراہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تھا اور ساحل سمندر پر بسنے والے تمام قبائل سے ان کے حلیفانہ تعلقات قائم ہو چکے تھے۔

ادھر گرمی کا موسم آ گیا جو ملک شام کے تجارتی سفر کا وقت تھا۔ قریش نے صفوان بن امیہ کو اس سال ملک شام کی طرف جانے والے تجارتی قافلے کا امیر کاروان منتخب کیا۔ صفوان امیر تو منتخب ہو گیا لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کیا جائے کیونکہ شام کی تجارتی شاہراہ مسلمانوں نے پر صعوبت بنا رکھی تھی۔ چنانچہ ایک روز صفوان نے قریش کے اجتماع میں ایک تقریر کی: ''ہمارے حریف محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں نے ہماری تجارتی ناکہ بندی کر رکھی ہے۔ کوئی ایسی صورت نظر نہیں آتی جس سے ہم شام کی شاہراہ کو عبور کر کے ان کے ہاتھ سے سلامت نکل سکیں۔ اس شاہراہ پر بسنے والے قبائل نے بھی مسلمانوں کے ساتھ حلیفانہ معاہدات کر رکھے ہیں۔ اب ہمارا کیا بنے گا؟ اگر ہم گھروں میں بیٹھے رہے تو قحط و غربت کا شکار ہو جائیں گے۔ کئی سالوں سے ہمارا یہ دستور تھا کہ موسم گرما میں شام کی طرف اور سردی کے موسم میں حبشہ کی طرف تجارتی قافلے لے جا کر ہم اپنی روزی کما لاتے تھے۔ اب اس مشکل کا کوئی حل مجھے نظر نہیں آتا۔''

صفوان بن امیہ نے جب اپنی یہ تقریر ختم کی تو اسود بن عبدالمطلب نے کھڑے ہو کر کہا: شام جانے کے لیے ساحل سمندر کی شاہراہ سے ہٹ کر عراق کے راستہ سے بھی ہم جا سکتے ہیں۔ یہ راستہ بہت طویل تھا۔ نجد سے ہو کر شام جاتا تھا اور مدینہ کے مشرق میں کافی فاصلہ سے گزرتا تھا۔ قریش اس راستہ سے بالکل ناآشنا تھے۔ اس لیے اسود بن عبدالمطلب نے کہا ہمارے ہاں فرات بن حیان جو بنی بکر بن وائل سے تعلق رکھتا ہے، راستہ کے نشیب و فراز سے

Marfat.com

بخوبی واقف ہے۔ وہ اس سفر میں ہماری راہنمائی کرے گا۔ جب فرات بن حیان سے رابطہ کیا گیا تو اس نے کہا! جہاں تک میرا علم ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیوں میں سے کسی نے ابھی تک عراق کا یہ راستہ نہیں دیکھا۔ اس راہ میں پہاڑیوں اور صحراؤں کا بے پایاں سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔

اس انتظام کے ساتھ قریش کے کارواں کی تیاریاں صفوان بن امیہ کی قیادت میں شروع کر دی گئیں۔ جس میں چاندی اور دوسرا سامان تجارت قریباً ایک لاکھ درہم کا تھا۔ اس قافلہ میں صفوان بن امیہ کے علاوہ ابوسفیان بن حرب، حویطب بن عبدالعزیٰ اور عبداللہ بن ابی ربیعہ بھی تھے۔ (فتح مکہ میں یہ چاروں حضرات حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے تھے)

جس وقت یہ فیصلہ ہوا اس وقت مدینہ کے ایک اشجعی جن کا نام نعیم بن مسعود تھا، مکہ میں موجود تھے۔ انہوں نے مدینہ پہنچ کر یہ خبر ایک مسلمان کو سنا دی جو رفتہ رفتہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کانوں تک بھی پہنچ گئی۔

یہ خبر سنتے ہی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً حملہ کی تیاری کی اور سو سواروں کا ایک دستہ سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی قیادت روانہ فرمایا۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ نہایت تیزی کے ساتھ روانہ ہوئے۔ قریش کا کاروان تجارت قردہ نامی ایک چشمہ پر پڑاؤ ڈالنے کے لیے اتر رہا تھا کہ سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دستہ کے ساتھ ان پر دھاوا بول دیا۔ یلغار اچانک تھی۔ قریش پریشان ہو گئے۔ ان میں بھگدڑ مچ گئی اور مسلمانوں نے پورے اموال تجارت پر قبضہ کر لیا۔ صفوان بن امیہ، قائد کاروان، اور اس کے دوسرے ساتھیوں نے بھاگ کر اپنی جان بچائی۔ البتہ قافلہ کے راہ نما فرات بن حیان اور مزید دو آدمیوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ ایک لاکھ درہم کا مال مسلمانوں کو مال غنیمت کے طور پر ہاتھ لگا۔ مسلمانوں کو پہلی مرتبہ اتنی بڑی رقم کا سامان غنیمت میں حاصل ہوا۔ سارا مال خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پیش کر دیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خمس نکال کر باقی سارا مال مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔ فرات بن حیان کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ فرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو کیا کرتا تھا لیکن جب گرفتار ہو کر آیا تو اسی زبان نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منقبت میں قصیدہ خوانی سے اپنے جسم کے روئیں روئیں کو کفر و شرک کی غلاظتوں سے پاک کر لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرات کا اسلام لانا قبول فرما لیا۔

بدر کے بعد قریش کی یہ دوسری بڑی نکبت و ذلت تھی۔ جس سے ان کے غصہ اور انتقام میں اور اضافہ ہوا کیونکہ ان کی مکہ کی سرداری تمام عرب میں مسلم تھی۔ خود کو اتنا باوقار سمجھنے والی قوم کے لیے یہ بات ناقابل برداشت تھی کہ وہ آئے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے ساتھیوں

Marfat.com

کے ہاتھوں ذلیل ہوتی رہے، اب ان کے سامنے صرف دو ہی راستے تھے کہ یا تو اپنی نخوت و غرور کی چادر اتار کر مسلمانوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائیں یا پھر ایک فیصلہ کن جنگ کر کے اپنی عزتِ رفتہ اور عظمت گزشتہ کو واپس لائیں اور مسلمانوں کی قوت اور طاقت کو اس طرح توڑ دیں کہ انہیں پھر قریش مکہ کے قافلوں پر دست درازی اور مقابلہ کا حوصلہ نہ رہے۔ انہوں نے دوسرے راستہ کو اختیار کیا اور مسلمانوں کی طاقت کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کے لیے ایک بہت بڑی جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔

Marfat.com

غزوۂ احد

غزوہ بدر میں قریش کو مسلمانوں کے ہاتھوں جو صدمہ اٹھانا پڑا غزوہ احد اس کی ایک صدائے بازگشت تھی۔ بدر کے چرکے کا زخم کسی طور ان کے دلوں سے مندمل نہیں ہو رہا تھا۔ اگرچہ قریش نے مقتولین بدر پر آہ وفغان اور نوحہ و ماتم سے بھی منع کر دیا تھا اور قیدیوں کے فدیے کی ادائیگی میں بھی جلد بازی کا مظاہرہ کرنے سے روک دیا تھا تاہم ان کے سینے غیظ و غضب کی آگ سے کھول رہے تھے۔ اور ان کی شدتِ رنج و غم میں کوئی افاقہ نہیں ہوا تھا۔ بلکہ اضافہ ہی ہوا تھا۔ بدر کا یہ غم وہ فراموش بھی کیسے کر سکتے تھے کیونکہ ان کے نادرۂ روزگار اور سرکردہ اشخاص مسلمانوں کی تلواروں کے ذریعہ لقمہ اجل بنے تھے جن کی یاد میں قریش کی عورتیں نوحہ و ماتم کی ممانعت کے باوجود ہر لحہ مصروف گریہ و بکا تھیں۔ کوئی اپنے لخت جگر کو روتی، کسی کے دل میں اپنے بھائی کے قتل کا ناسور رس رہا تھا، کوئی باپ کا سایہ اٹھ جانے سے شکستہ خاطر تھی، کسی کا شوہر مارا گیا تھا اور کسی کا کوئی دوسرا قرابت دار نابود ہو گیا تھا غرضیکہ مکہ میں کوئی گھر ایسا نہ تھا جس کا کوئی نہ کوئی فرد بدر میں مسلمانوں کی تلواریں چاٹ نہ گئی ہوں۔ گویا اپنے مقتولوں پر رونا اور نوحہ و ماتم کرنا قریش کی عورتوں کا مقدر بن گیا تھا۔ ان کا نوحہ ایسی رقت اور سوز سے معمور تھا جسے قریش سنتے تو ان کی آتش انتقام اور تیز ہوتی۔

غزوۂ بدر کے بعد زمامِ قیادت ابوسفیان کے سپرد کی گئی تو اس کا بھی سب سے بڑا مقصد غزوہ بدر کا انتقام تھا۔ غزوہ سویق بھی دراصل ابوسفیان نے غزوہ بدر کے انتقام لینے کے لیے کیا تھا۔ لیکن اس میں بھی وہ صرف چند مکانات اور گھاس پھوس کے ڈھیر جلا سکا اور اپنی دانست میں اس نے سمجھ لیا کہ اس نے غزوہ بدر کا انتقام لے لیا ہے۔ لیکن قریش اصل حقیقت سے واقف تھے وہ اس کو غزوہ بدر کا انتقام نہیں سمجھتے تھے۔

آخر میں سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ نے تو جلتی پر تیل کا کام کیا۔ اس میں

Marfat.com

قریش کا ایک لاکھ درہم کا مال و اسباب مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ جس نے ان کی اقتصادی طور پر کمر توڑ کر رکھ دی۔ اب ہر طرف سے انتقام انتقام کی صدائیں بلند ہونے لگیں اور ان آوازوں نے مکہ کی قیادت کو جنگ کے لیے مجبور کر دیا۔ چنانچہ ایک روز ابوسفیان بن حرب، عبداللہ بن ابی رعبیہ، عکرمہ بن ابی جہل، حارث بن ہشام، حویطب بن عبدالعزیٰ اور صفوان بن امیہ اور دوسرے سرداران قریش اور سربرآوردہ لوگ دارالندوہ کی ایک مجلس میں جمع ہوئے اور یہ طے کیا کہ کاروان تجارت جو بطور امانت محفوظ ہے، اس کا اصل سرمایہ تو شرکاء میں تقسیم کر دیا جائے، لیکن اس کا منافع جو کہ پچاس ہزار دینار ہے، اس کو محمد ﷺ کے خلاف جنگ کی تیاری میں صرف کیا جائے اور محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں پر فتح حاصل کر کے قریش کی عزتِ رفتہ کو بحال کیا جائے اور اپنے اشراف و صنادید کا جو بدر میں مسلمانوں کی تلواروں سے مارے گئے ہیں، انتقام لیا جائے۔ اس مجلس میں جو لوگ بیٹھے ہوئے تھے، ان کے اپنے اعزاء و اقرباء بھی بدر میں مارے گئے تھے۔ چنانچہ ابوسفیان کا بیٹا حنظلہ، عکرمہ کا باپ ابوجہل، حارث بن ہشام کا بھائی ابوجہل بن ہشام اور صفوان کا باپ امیہ اس غزوہ میں کام آئے تھے۔

(الحمدللہ غزوہ احد کے یہ سب محرکین بعد میں مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ زرقانی: ۲/۲۰)

درالندوہ کی اس مجلس میں جو کچھ طے پایا، تمام قریش نے اس کی تائید کی۔ چنانچہ بڑے زور و شور سے اس انتقامی جنگ کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ دوسرے قبیلوں کو بھی اس جنگ میں شرکت کی دعوت دی گئی۔ اس مقصد کے لیے ترغیب و تحریص کی تمام صورتیں اختیار کی گئیں۔ شاعروں کو کہا گیا کہ وہ لوگوں کو جنگ پر آمادہ کرنے کے لیے اپنا کردار ادا کریں کیونکہ اس معاشرہ میں شعراء کا ایک بہت بڑا مقام تھا۔ وہ آج کل کے پریس کا کام کرتے تھے۔ ابوعزہ شاعر کو اس کام پر صفوان بن امیہ نے دولت کا لالچ دے کر لگایا اور اسے پراپیگنڈہ سیل کا انچارج بنایا۔ اگرچہ اس شخص نے جنگ بدر میں بلا فدیہ رہا ہونے کے بعد حضور ﷺ سے وعدہ کیا تھا کہ میں آئندہ اسلام کی مخالفت نہیں کروں گا جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بتایا گیا ہے، لیکن اس نے اپنے وعدہ کو بالکل فراموش کر کے اس عہد و پیمان کو پس پشت ڈال کر غیرت و حمیت کو مشتعل کرنے والے اشعار کے ذریعہ لوگوں کو بھڑکانا شروع کیا۔ ایک اور شاعر مسافع بن عبد مناف نے بھی ابوعزہ کا ساتھ دیتے ہوئے لوگوں کو اس مہم کے لیے ابھارا۔ دوسری طرف ابوسفیان نے بھی غزوہ سویق سے نامراد واپس لوٹنے کے بعد مسلمانوں کے خلاف لوگوں کو بھڑکانے میں کچھ زیادہ ہی سرگرمی دکھائی۔ پھر آخر میں سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے قریش مکہ کا

Marfat.com

ایک لاکھ درہم کا ساز و سامان ضبط کر کے ان کی آتش انتقام کو اور تیز کر دیا۔ اس کے بعد مسلمانوں سے ایک فیصلہ کن جنگ لڑنے کے لیے قریش کی تیاری کی رفتار میں بڑی تیزی آ گئی۔

خواتین قریش کی شرکت:

مردوں کے اس جوش و خروش کو دیکھ کر جوش انتقام میں مدہوش قریشی عورتیں بھی ساتھ جانے کے لیے مصر ہوئیں، جس پر ایک شخص نے مجلس مشاورت یہ رائے پیش کی:

''ہم لوگ سر پر کفن باندھ کر جا رہے ہیں۔ اگر اپنے مقتولین کا بدلہ نہ لے سکے تو زندہ واپس نہ لوٹیں گے۔ عورتوں کی معیت ہمارے لیے مفید ثابت ہوگی۔ یہ ہمارے جذبات غضب کو بھڑکائیں گی اور ہمیں بدر کے واقعات یاد دلا کر آگے بڑھائیں گی۔''

ایک دوسرے شخص نے اس رائے سے اختلاف کرتے ہوئے کہا:

''عورتیں ہماری آبرو ہیں۔ اگر ہمیں شکست ہوئی تو ان کی بے حرمتی سے ہماری رہی سہی آبرو بھی خاک میں مل جائے گی۔ لہٰذا انہیں ہمراہ نہ لے جایا جائے۔''

اس موقع پر ہند زوجہ ابوسفیان نے، جس کے دو بیٹے (ولید اور حنظلہ) باپ (عتبہ بن ربعیہ) اور دیور (شیبہ بن ربیعہ) اس جنگ میں مارے گئے تھے اور اس کا سینہ آتش انتقام سے بھرا ہوا تھا، اٹھ کر کہا:

''آپ حضرات اس بات سے بالکل نہ گھبرائیں کہ آپ زندہ بچ کر نہ آسکیں گے۔ آخر آپ لوگ بدر سے بھی بچ کر آ ہی گئے تھے اور اپنی عورتوں کو بھی آ کر دیکھ لیا۔ پھر آپ حضرات ہمیں شرکت سے منع کرنے والے کون ہیں؟ جبکہ یہی غلطی آپ سے بدر میں ہوئی جب آپ لوگوں نے نوجوان لڑکیوں کو مقام جحفہ سے لوٹا دیا، جو اگر جنگ کے وقت ہوتیں تو آپ لوگوں کو غیرت و حمیت دلا کر آگے بڑھاتیں۔ آہ، وہ بدر جس میں ہمارے عزیز ترین مرد دشمن کے ہاتھوں خاک و خون میں تڑپے۔''

ہند کی اس دلیل کے بعد تمام لوگ عورتوں کو ساتھ لے جانے پر متفق ہو گئے۔ تاکہ وہ رجزیہ اشعار پڑھ کر لڑنے والوں کی ہمت بڑھائیں اور بھاگنے والوں کو غیرت دلائیں۔ چنانچہ ایک بڑے لشکر کو تیار کیا گیا جس کی کل تعداد تین ہزار تھی۔ قائدین قریش کی عورتوں کو بھی اس

Marfat.com

لشکر میں شامل کیا گیا جن کی تعداد پندرہ تھی۔ تین ہزار اونٹ، سات سو زرہ پوش، دو سو گھوڑے اور ہر قسم کا اسلحہ ان کے ہمراہ تھا۔ قریش کے علاوہ حلیف قبائل کے جنگجو اور بہادر بھی اس میں شریک تھے۔ مجموعی تعداد بعض روایات کے مطابق تین ہزار سے زیادہ تھی۔ اس لشکر میں ایک سو تیر انداز بھی تھے۔ ابوسفیان کو پورے لشکر کی کمان سونپی گئی۔ رسالہ کی کمان خالد بن ولید کو دی گئی اور عکرمہ بن ابی جہل کو اس کا معاون بنایا گیا۔ پرچم دستور کے مطابق قبیلہ بنی عبدالدار کے ہاتھ میں دے دیا گیا۔

عورتوں میں ابوسفیان قائد لشکر کی بیوی ہند، عکرمہ بن ابی جہل کی بیوی ام حکیم، خالد بن ولید کی بہن فاطمہ، رئیس طائف مسعود ثقفی کی بیٹی برزہ، عمرو بن العاص کی بیوی ریطہ، سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی والدہ خناس کے نام بھی ابن ہشام نے بتائے ہیں۔

(جلد:۲/۶۵_۶۶)

مدینہ میں اطلاع:

یہ تیاری اور روانگی پوری راز داری کے ساتھ ہوئی۔ چنانچہ مدینہ کی انٹیلی جنس بھی اس بارے میں بالکل بے خبر رہی۔ لیکن مکہ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ قریش کی اس ساری نقل و حرکت پر نہایت چابکدستی اور گہرائی سے نظر رکھے ہوئے تھے۔ جوں ہی یہ لشکر مکہ سے نکلا۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے تمام حالات لکھ کر ایک خط کے ذریعہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں روانہ فرما دیئے۔ قاصد کو تاکید کی کہ جلد از جلد یہ خط حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچا دیا جائے۔ قاصد نہایت مستعد تھا اس نے پانچ سو کلومیٹر کی مسافت صرف تین دن میں طے کر کے یہ خط سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت قبا میں تشریف فرما تھے۔ یہ قاصد وہیں باریاب ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لفافہ کھول کر سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو دیا سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے خط پڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام حالات سنائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو تاکید فرما دی کہ اس خط کے مضمون کی ابھی کسی کو خبر نہ دی جائے۔ البتہ سیدنا سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بارے میں خود آگاہ فرما دیا۔ (سیرۃ حلبیہ:۲/۲۴۱، طبقات ابن سعد:۲/۲۵، زرقانی:۲/۲۰)

خط ملنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوری طور پر مدینہ تشریف لائے۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود قریش کے لشکر کے حالات معلوم کرنے کی طرف متوجہ ہوئے۔ چنانچہ 5 شوال سنہ 3ھ کو

Marfat.com

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو خبر رساں سیدنا انس رضی اللہ عنہ اور سیدنا مونس رضی اللہ عنہ لشکر قریش کے بارے میں خبر لانے کے لیے بھیجے۔ انہوں نے آ کر یہ اطلاع دی کہ قریش کا لشکر مدینہ کے قریب آ گیا ہے۔ اور مدینہ کی چراگاہ ''عریض'' کو اس کے گھوڑوں نے صاف کر دیا ہے۔

اب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا حباب بن المنذر رضی اللہ عنہ کو فوج کی تعداد معلوم کرنے کے لیے بھیجا۔ سیدنا حباب نے بتایا کہ لشکر کی تعداد تین ہزار ہے۔ چنانچہ مدینہ طیبہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فوراً حفاظتی انتظامات کرنے شروع کر دیے۔ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ، سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اور چند اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد نبوی میں حاضر ہو گئے اور تمام رات باب رسالت پر پہرہ دیتے رہے۔ شہر کے اطراف و جوانب میں بھی پہرے بٹھلا دیے گئے۔ (طبقات ابن سعد: ۲/ ۲۵۔۲۶) کچھ دستے دشمن کی نقل و حرکت کا پتہ لگانے کیلیے ان راستوں پر گشت کرنے لگے۔ جن سے مدینہ میں داخل ہوا جا سکتا تھا۔

بعض روایات میں ہے کہ قریش کا لشکر معروف کاروانی شاہراہ پر چلتا آ رہا تھا لیکن جب ابواء کے مقام پر پہنچا تو بعض شرکاء لشکر نے یہ تجویز پیش کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ کی قبر کو اکھیڑ دیا جائے۔ لیکن لشکر نے یہ تجویز منظور نہ کی۔ پھر یہ لشکر مدینہ کے قریب پہنچ کر وادی عقیق سے گزرا۔ پھر دائیں جانب کترا کر کوہ احد کے قریب عینین کے مقام پر مدینہ کے شمال میں وادی قناۃ کے کنارے ایک وادی میں پڑاؤ ڈال دیا۔ یہ 6 شوال سنہ 3 ھ کا واقعہ ہے۔

مدینہ کے ذرائع اطلاعات ایک ایک منٹ کی خبر مدینہ طیبہ پہنچا رہے تھے۔ یہاں تک کہ مکی لشکر کے پڑاؤ کی بابت آخری خبر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچا دی گئی۔ 6 شوال سنہ 3 ھ بروز جمعہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوج کی ہائی کمان کی مجلس شوریٰ منعقد فرمائی جس میں مکہ لشکر کے مقابلہ کی حکمت عملی کا جائزہ لیا گیا۔ سب سے پہلے یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ قریش کی فوج کا مقابلہ مدینہ میں رہ کر کیا جائے یا باہر نکل کر۔ تاریخ کی ورق گردانی سے اس بات کا پتہ نہیں چلتا کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود بلایا، یا وہ خود پہنچ گیا۔ لیکن یہ بات یقینی ہے کہ وہ اس مجلس میں موجود تھا اور اپنی جماعت کی نمائندگی کر رہا تھا۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ایک خواب بتایا کہ واللہ! میں نے ایک نہایت بھلی اور اچھی چیز دیکھی۔ میں نے دیکھا کہ کچھ گائیں ذبح کی جا رہی ہیں اور میں نے یہ بھی دیکھا کہ میری تلوار کے سرے پر کچھ شکستگی ہے۔ اور یہ بھی دیکھا کہ میں نے اپنا ہاتھ ایک مضبوط زرہ میں داخل کیا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس خواب کی تعبیر بتلائی۔ گائے کی تعبیر یہ بتلائی

Marfat.com

کہ کچھ صحابہ قتل کیے جائیں گے۔ تلوار کی شکستگی کی تعبیر یہ بتلائی کہ آپ ﷺ کے گھر کا کوئی شخص شہید ہوگا اور محفوظ زرہ کی یہ تعبیر بتلائی کہ اس سے مراد شہر مدینہ ہے۔

اب دفاعی حکمت عملی کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے مختلف تجاویز پیش کی گئیں۔ آپ ﷺ کی اس بارے میں اپنی رائے یہ تھی کہ مدینہ کے اندر رہ کر ہی دشمن کا مقابلہ کیا جائے اور مدینہ سے باہر نہ نکلیں کیونکہ مدینہ کے دونوں طرف چھوٹے چھوٹے پہاڑی سلسلے ہیں۔ مدینہ کے ناکوں پر دیواریں چن کر پورے مدینہ کو ایک محفوظ قلعہ کی صورت میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ عورتیں اور بچے قریب کی پہاڑیوں پر پہنچا دیئے جائیں۔ اگر موقع ہوتا تو وہاں سے دشمن پر سنگباری بھی کر سکتے تھے۔ مدینہ میں قلعہ بند ہونے سے یہ ہوگا کہ اگر دشمن اپنے کیمپ میں مقیم رہتے ہیں تو ان کا قیام بے مقصد ہوگا اور وہ چند روز قیام کر کے واپس چلے جائیں گے اور اگر وہ چند روز بعد حملہ کرے گا تو خود پریشان ہو کر واپس چلا جائے گا۔ اور اگر وہ مدینہ میں داخل ہوتا ہے تو مسلمان گلی کوچوں کے ناکوں پر ان سے جنگ کریں گے اور عورتیں مکانوں کی چھتوں کے اوپر سے ان پر خشت باری کریں گی۔ یہ رائے چونکہ سرکار دو عالم ﷺ کی طرف سے پیش کی گئی تھی اس لیے صحیح اور درست رائے تھی کیونکہ پیغمبر کی بصیرت ایک بڑے سے بڑے آدمی سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول نے بھی اس رائے کی تائید کی۔ اگرچہ اس کی تائید اس بنیاد پر نہ تھی کہ جنگی نقطہ نظر سے یہ صحیح اور درست تھی بلکہ اس وجہ سے تھی کہ وہ جنگ سے دور بھی رہے اور کسی کو اس کا احساس بھی نہ ہو کیونکہ دل منافقت سے بھرا ہوا تھا۔ عبداللہ بن ابی نے اس رائے کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ مدینہ کے ماضی کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ اہل مدینہ نے شہر میں رہ کر کسی دشمن کا جب بھی مقابلہ کیا وہ کامیاب رہے اور دشمن کو جرأت نہ ہوئی کہ شہر میں داخل ہو سکے اور جب کبھی وہ باہر نکلے انہوں نے نقصان اٹھایا۔ (سیرۃ ابن ہشام: ۲/۶۶)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی تعداد تھی جن کو حسرت تھی کہ وہ جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے اور اس فضیلت سے محروم رہے جو اہل بدر کی اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی۔ ان کا خیال تھا کہ اگر ہم مدینہ میں رہے تو ہمیں دشمن سے مقابلہ کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اگرچہ بدر میں شریک ہوئے تھے، لیکن وہ بھی اس رائے کے حامی تھے۔ (البدایہ والنہایہ: ۴/۲۱) سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا نعمان بن مالک رضی اللہ عنہ کی بھی یہی رائے تھی کہ مدینہ سے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ (تفسیر مظہری: ۲/۱۲۸)

چنانچہ ان حضرات نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا:

Marfat.com

''یا رسول اللہ! ہم تو اس دن کی تمنا کیا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے حضور اس کی دعائیں مانگا کرتے تھے۔ اب اللہ نے یہ موقع فراہم کر دیا ہے کہ میدان میں نکلنے کا وقت آ گیا ہے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دشمن کے مدمقابل ہی تشریف لے چلیں کیونکہ اگر ہم شہر بند ہو گئے تو اس کا اثر نہ تو دشمن پر اچھا پڑے گا اور نہ عرب کے قبائل پر۔ کیونکہ سمجھا یہ جائے گا کہ مسلمانوں میں مقابلہ کی ہمت نہیں ہے اور اگرچہ انہوں نے بدر میں فتح حاصل کی ہے تو وہ ایک اتفاقی بات تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ غزوہ بدر کی فتح سے جو ہیبت اور رعب مسلمانوں کا قائم ہوا ہے وہ ختم ہو جائے گا۔''

دونوں طرف سے بڑی آزادی کے ساتھ دلائل پیش کیے گئے لیکن اتفاق سے غالب یہی رائے رہی کہ مدینہ سے نکل کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ (طبقات ابن سعد: ۱۶/۳)

بعض روایات میں ہے کہ ان حضرات میں، جو مدینہ سے باہر جا کر دشمن کا مقابلہ کرنا چاہتے تھے، سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سب سے پیش پیش تھے۔ انہوں نے بارگاہ رسالت میں عرض کی: ''یا رسول اللہ! اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ کتاب نازل کی، میں کوئی غذا نہ چکھوں گا جب تک کہ مدینہ سے باہر اپنی تلوار کے ذریعہ ان سے دو دو ہاتھ نہ کر لوں۔'' (سیرۃ حلبیہ: ۱۴/۲) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سب باتیں سنیں اور اکثریت کے اصرار کے سامنے اپنی رائے ترک کر دی اور آخری فیصلہ یہی ہوا کہ مدینہ سے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔

یہ ساری گفتگو نماز جمعہ سے قبل ہوئی۔ نماز جمعہ کے بعد سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تقریر فرمائی اور مسلمانوں کے جہاد کے جذبات کو ولولۂ تازہ دیا۔ ان کو تیاری کا حکم دیا کیونکہ دشمن مدینہ کے باہر ڈیرے ڈالے بیٹھا تھا اور یہ بشارت بھی دے دی کہ اگر صبر و استقلال سے کام لیا گیا تو یقیناً کامیابی ہمارے قدم چومے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس بشارت سے اب مسلمانوں میں شوق جہاد کے ساتھ کامیابی اور کامرانی کی امنگ بھی تھی۔ (طبقات ابن سعد: ۲۶/۳)

نماز جمعہ اور جذبہ جہاد کی تقریر کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے راحت کدہ پر تشریف لے گئے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ دونوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے۔ ان دونوں نے وہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عمامہ بندھوایا اور پوشاک زیب تن کروائی۔ پھر دو زرہیں پہنائیں۔ پشت مبارک کو چمڑے کے پٹکے سے کسا اور لوگوں کے سامنے اس حالت میں تشریف لائے کہ گردن کے ایک طرف تلوار کا پرتلہ تھا، دوسری طرف کمان، پشت پر ترکش اور دست مبارک میں نیزہ۔ (سریت حلبیہ: ۱۴/۲، طبقات ابن سعد: ۲۶/۳۔۲۷) سر پر اس

Marfat.com

وقت عمامہ تھا لیکن میدان جنگ میں جب آپ ﷺ صفیں درست فرما رہے تھے تو خود بھی سر مبارک پر تھا اور اس کے ساتھ مغفر بھی تھا۔ (طبقات ابن سعد: ۲/۲۷) تفسیر مظہری: ۳/۱۲۹ میں ہے کہ اس دوران میں اہل عوالی (یعنی قبا وغیرہ کے باشندے) بھی آ گئے اور حجرہ مبارکہ اور منبر نبوی کے درمیان دو رویہ صفیں لگا کر کھڑے ہو گئے تھے۔

سرکار دو عالم ﷺ جب اسلحہ سے آراستہ ہو کر باہر تشریف لائے تو سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ وغیرہ بزرگ صحابہ کو یہ احساس ہوا کہ حضور ﷺ کی مرضی کے خلاف مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کرنے کے لیے اصرار کیا گیا ہے۔ ان حضرات نے لوگوں کو توجہ دلائی کہ جس رسول پر آسمان سے وحی نازل ہوتی رہتی ہے، آپ لوگوں نے اس کی مرضی کے خلاف ایک بات پر اصرار کیا ہے جو مناسب نہیں تھا۔ اب مناسب یہ ہے کہ آپ حضرات اپنا فیصلہ واپس لے لیں اور معاملے کا سارا اختیار آپ ﷺ کو دے دیں۔ لوگوں نے یہ سن کر ندامت محسوس کی۔ چنانچہ جب آپ ﷺ باہر تشریف لائے تو لوگوں نے ندامت محسوس کرتے ہوئے کہا: ''اے اللہ کے رسول! ہمارا اصرار غلط تھا۔ آپ ﷺ منشاء عالی کے مطابق جو مناسب ہو وہی کیجیے۔''

آپ ﷺ نے لوگوں کی یہ معذرت سنی تو فرمایا: ''نبی کے لیے یہ مناسب نہیں کہ جب وہ زرہ پہن چکا ہو تو اس کو اتارے تا آنکہ اللہ تعالیٰ اس کے درمیان اور اس کے دشمن کے درمیان فیصلہ فرما دے۔''

پھر آپ ﷺ نے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا اور تین جھنڈے منگوائے اور تین حضرات کو مرحمت فرمائے۔

① مہاجرین کا پرچم سیدنا مصعب بن عمیر عبدری رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔
② قبیلہ اوس کا پرچم سیدنا ابن حضیر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔
③ قبیلہ خزرج کا پرچم سیدنا حباب بن المنذر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ خزرج کا پرچم سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔

پورا لشکر ایک ہزار افراد پر مشتمل تھا۔ جن میں ایک سو زرہ پوش، پچاس شہ سوار تھے۔ بعض روایات میں ہے کہ شہسوار کوئی نہیں تھا لیکن یہ درست نہیں۔ (زاد المعاد: ۲/۹۲) اپنی غیر حاضری میں سیدنا عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مسجد نبوی کا امام مقرر فرمایا کہ وہ مدینہ میں رہ جانے والے لوگوں کو نماز پڑھائیں۔

Marfat.com

اسلامی لشکر کی مدینہ سے روانگی:

ابن سعد کے بیان کے مطابق آپ ﷺ نے نماز عصر کے بعد مدینہ طیبہ سے کوچ فرمایا۔ اور لشکر نے شمال کا رخ کیا۔ سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ زرہ پہنے امام الانبیاء ﷺ کے آگے آگے چل رہے تھے۔ تھوڑی دور چل کر ایک میدان میں قیام فرمایا۔

بعض روایات میں ہے کہ آپ ﷺ جب ثنیۃ الوداع سے آگے بڑھے تو ایک دستہ نظر آیا۔ جو نہایت نفیس اور عمدہ ہتھیار لگائے ہوئے تھا۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ یہ لوگ کون ہیں؟ بتلایا گیا کہ یہ خزرج کے حلیف یہود ہیں جو مشرکین مکہ کے خلاف جنگ میں شرکت کے متمنی ہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''کیا یہ مسلمان ہو چکے ہیں؟'' بتلایا گیا کہ نہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہم اہل شرک کے خلاف اہل کفر کی مدد نہیں لینا چاہتے۔ چنانچہ وہ واپس چلے گئے۔'' (ابن سعد: ۳/۲۷)

آگے بڑھ کر آپ ﷺ نے مقام شیخین پر قیام فرمایا۔ مغرب کا وقت ہوا تو سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی اور امام الانبیاء نے نماز پڑھائی۔ رات کو یہیں قیام فرمایا اور عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد آرام کیا گیا۔

لشکر کی حفاظت کے لیے پچاس مجاہدین کا ایک دستہ رات بھر گشت کرتا رہا۔ محمد ابن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ اس کے کمانڈر تھے۔ سیدنا ذکوان رضی اللہ عنہ ابن عبداللہ بن قیس خاص سرکار دو عالم ﷺ کا پہرہ دے رہے تھے۔ یہاں آپ ﷺ نے اسلامی لشکر کا معائنہ بھی فرمایا۔ جو پندرہ سال سے کم عمر کے تھے ان کو واپس کر دیا گیا ان حضرات کے نام یہ ہیں:

سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ، سیدنا اسید بن ظہیر رضی اللہ عنہ، سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ، سیدنا عرابہ بن اوس رضی اللہ عنہ، سیدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ، سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ، سیدنا زید بن حارثہ انصاری رضی اللہ عنہ، سیدنا سعد بن حبہ رضی اللہ عنہم۔

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی جو روایت بخاری میں مذکور ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ غزوہ احد میں شریک تھے۔

Marfat.com

ان نوجوان صحابہ کو واپس تو کر دیا گیا لیکن تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ نوجوانوں میں سے سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ تم عمر میں چھوٹے ہو لہٰذا واپس ہو جاؤ تو وہ انگوٹھوں کے بل تن کر کھڑے ہو گئے تاکہ قد اونچا نظر آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی اس جانثاری کے جذبہ کو دیکھ کر لشکر میں لے لیا۔ جب انہیں لے لیا گیا تو ایک اور نوجوان سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے جوان کے ہم عمر تھے، بارگاہ رسالت میں عرض کی کہ میں رافع رضی اللہ عنہ سے زیادہ طاقتور ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم دونوں کی کشتی کروالیں میں انہیں پچھاڑ دوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے سامنے ان دونوں کی کشتی کروائی۔ سمرہ رضی اللہ عنہ نے واقعتاً رافع رضی اللہ عنہ کو پچھاڑ دیا، لہٰذا انہیں بھی لشکر میں شرکت کی اجازت مل گئی۔ (سیرۃ حلبیہ: ۲/۲۴۴)

صبح کی نماز پڑھنے کے بعد ارشاد فرمایا: ہمیں قریب کے راستہ سے پہنچنا ہے، مگر راستہ ایسا ہو کہ دشمن کے لشکر سے بچتا ہوا نکلے کیونکہ دشمن کا پڑاؤ آپ کے درمیان اور احد کے درمیان کئی سمت سے حائل تھا۔ سیدنا ابو خیثمہ رضی اللہ عنہ نے حاضر ہو کر عرض کی کہ میں اس بارہ میں راہنمائی کرتا ہوں۔ پھر انہوں نے ایک مختصر راستہ اختیار کیا جو مشرکین کے لشکر کو مغرب میں چھوڑتا ہوا بنی حارثہ کے حرہ اور کھیتوں سے گزرتا تھا اس راستہ سے جاتے ہوئے لشکر کا گذر مربع بن قیظی کے باغ سے ہوا۔ یہ شخص منافق بھی تھا اور نابینا بھی۔ اس نے لشکر کی آمد محسوس کی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے چہروں پر دھول پھینکنے لگا اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخانہ کلمات کہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جوش میں آگئے اور اس کو قتل کرنے کی ٹھانی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: چھوڑو، یہ دل اور آنکھوں دونوں کا اندھا ہے۔ پھر بھی ایک صحابی سعد بن زبدہ اشہلی رضی اللہ عنہ کی کمان اس کے سر پر پڑ گئی جس سے سر زخمی ہو گیا۔ (ابن ہشام: ۲/ ۶۷-۶۸)

منافقین کی لشکر اسلام سے علیحدگی:

نماز فجر کے بعد چل کر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احد کے قریب مقام ''شوط'' پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دشمن کے بالکل قریب تھے اور دونوں ایک دوسرے کو بخوبی دیکھ رہے تھے۔ یہاں پر عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین نے اسلامی لشکر کو زک پہنچانے کے لیے تمرد اختیار کیا۔ اس منافق نے بہانہ یہ بنایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری بات کیوں نہیں مانی کہ مدینہ کے اندر رہ کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ یہاں سے وہ تین سو آدمیوں کو لے کر واپس چلا گیا اور یہ کہہ کر گیا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہماری بات نہیں مانی اور ہمارے بجائے

Marfat.com

نوجوانوں کی باتیں مانیں تو ہم خواہ مخواہ اپنی جانیں کیوں دیں۔ اس کا یہاں سے اپنے آدمیوں سمیت جانے کا وہ سبب نہیں تھا جو اس نے بیان کیا۔ یہ سبب ہوتا تو وہ مدینہ سے یہاں تک نہ آتا بلکہ اس کا مقصد یہاں سے واپس جانے کا یہ تھا کہ وہ لشکر اسلام میں کھلبلی مچانا چاہتا تھا اور اس طریقہ سے قریش کی مدد کرنا چاہتا تھا کیونکہ جب دشمن ایک ایک نقل وحرکت دیکھ رہا ہو، اس صورت میں جب عام فوجی اپنے کمانڈر کو چھوڑ جائیں اور جو باقی رہ جائیں ان کے حوصلے ہار جائیں اور کمر ہمت ٹوٹ جائے اور دوسری طرف اس منظر کو دیکھ کر دشمن کے حوصلے بلند ہوں اور اس کی ہمت بندھے۔ اس لیے عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین کی یہ کارروائی پیغمبر اسلام اور ان کے مخلص اور باوفا ساتھیوں کے خاتمے کی ایک موثر تدبیر تھی اور ان کی کمر میں چھرا گھونپنے کے مترادف تھی۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے والد سیدنا عبداللہ بن عمرو بن حزام جو عبداللہ بن ابی کے ہم قبیلہ تھے، اور اسی غزوہ میں شہید ہوئے، عبداللہ بن ابی کے پیچھے گئے اور اسے سمجھانے کے بہت کوشش کی مگر اس نے یہ کہہ کر انہیں مایوس کر دیا کہ

"ہمیں معلوم ہے کہ جنگ وغیرہ کچھ نہ ہوگی۔ یہ خواہ مخواہ کی باتیں ہیں۔ اگر واقعی جنگ ہوتی تو ہم کبھی ساتھ نہ چھوڑتے۔"

چنانچہ قرآن نے بھی ان کے اس مقولہ کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

لو نعلم قتالا لا تبعنا کم.

"اگر ہم جانتے کہ فی الواقع جنگ ہوگی تو ہم ضرور تمہارا ساتھ دیتے۔"

پھر قرآن نے یہ بھی کہا کہ

"جس وقت انہوں نے یہ بات کہی اس وقت وہ ایمان کے مقابلہ میں کفر سے زیادہ قریب تھے۔ یہ لوگ زبان سے ایسی بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے اور جو کچھ وہ دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں، اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔" (آل عمران)

آپ اندازہ فرمائیں کہ یہ وقت کتنا نازک تھا جب کہ عین معرکہ کے وقت ایک تہائی لوگوں کا الگ ہو جانا اور میدان چھوڑ کر چلے جانا یہ کوئی معمولی بات نہ تھی۔ اس سے پورے لشکر کے پاؤں اکھڑ سکتے تھے، ہوسکتا ہے کہ عبداللہ بن ابی کی یہ حرکت دشمن کے اشارہ پر ہو، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پائے ثبات میں کوئی فرق نہ آیا۔ بلکہ ان کے جذبات برانگیختہ اور پہلے سے

Marfat.com

زیادہ مضبوط ہوئے۔ صرف دو ٹکڑیوں میں کچھ لغزش پیدا ہوئی۔ ایک ٹکڑی بنو سلمہ کی تھی جس کا تعلق قبیلہ خزرج سے تھا اور دوسری بنو حارثہ کی جس کا تعلق قبیلہ اوس سے تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے دونوں کی دستگیری کی اور وہ پھر جم گئیں۔ چنانچہ قرآن حکیم اگر ان کا پردہ فاش نہ کرتا تو اس کا پتہ چلنا بھی مشکل تھا۔ فرمایا:

''جب تم میں سے دو جماعتوں نے ارادہ کیا کہ بزدلی اختیار کریں، اور اللہ ان کا ولی ہے اور مومنوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے۔''

(۱۲۲:۳)

چنانچہ سیدنا جابر بن عبداللہ جن کا تعلق بنو سلمہ سے تھا فرمایا کرتے تھے کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی جس میں ہماری کمزوری ظاہر کی گئی، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی ولایت اور مدد کا اظہار فرما کر ایک ایسی قابل فخر سند ہمیں عطا فرمادی کہ اب میرے لیے یہ خوشی کی بات نہیں ہے کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نہ نازل ہوتی۔ (کیونکہ یہ کمزوری اتنی باعث ندامت نہیں جتنی یہ سند قابل مسرت ہے) (بخاری:۲/۶۵۴)

محمد ابن اسحاق کی روایت ہے کہ عبداللہ بن ابی جب اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ واپس چلا گیا تو انصار نے بارگاہ رسالت میں عرض کی کہ کچھ یہودی ہمارے حلیف ہیں، ہمیں اجازت فرمائیں کہ ہم ان سے امداد کی اپیل کریں۔ امام الانبیاء ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہمیں ان کی ضرورت نہیں۔ (سیرۃ ابن ہشام:۲/۶۷)

اب باقی ماندہ لشکر کو لے کر جس کی تعداد اب صرف سات سو رہ گئی تھی آپ ﷺ آگے بڑھے اور وادی کے آخری سرے پر واقع احد پہاڑ کی گھاٹی میں نزول فرمایا اور وہیں اپنے لشکر کا کیمپ لگوایا وہ اس طرح کہ سامنے مدینہ تھا اور عقب میں احد کا بلند و بالا پہاڑ اس طرح دشمن کا لشکر مسلمانوں اور مدینہ کے درمیان حد فاصل بن گیا۔

جبل احد:

مدینہ طیبہ کے شمال میں قریباً تین میل کے فاصلہ پر شرقاً غرباً بخط مستقیم احد پہاڑ پھیلا ہوا ہے۔ اس کی جنوبی جانب وسط میں ایک نعل نما خلا ہے جو نہایت وسیع ہے۔ یعنی جہاں سے پہاڑ پیچھے کی طرف ہٹ گیا ہے۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے ابن ہشام نے لکھا ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ نزل الشعب من احد فی عدوۃ الوادی الیٰ جبل'' یعنی

Marfat.com

آپ ایک گھاٹی میں اترے۔ یہ مقام وادی قناۃ میں پہاڑ کی جانب اونچائی پر واقع ہے۔ جہاں یہ خلا یا جھکاؤ شروع ہوتا ہے وہاں سے جبل احد کے ساتھ ساتھ وادی قناۃ گزرتی ہے جس میں بارش کے وقت اچھا خاصا پانی بہنے لگتا ہے۔ لیکن اگر بارش نہ ہو تو یہ اکثر و بیشتر خشک ہوتی ہے۔ قناۃ کا بہاؤ مشرق سے مغرب کی طرف ہوتا ہے۔ خلا کی زمین قناۃ سے اونچی ہے۔ اس کے عین سامنے وادی کے جنوبی کنارے پر ایک چھوٹا سا ٹیلا ہے جس کو ''جبل عینین'' کہتے ہیں یعنی دو چشموں والا ٹیلا، کیونکہ اس سے دو چشمے نکلتے ہیں۔ جنگ احد کے بعد بعض لوگ اسے ''جبل الرماۃ'' بھی کہنے لگے جس کا مطلب ہے وہ ٹیلا جس پر تیراندازوں کا مورچہ تھا۔

احد اور مدینہ طیبہ کے مابین زیادہ سے زیادہ تین میل کا فاصلہ ہے۔ اس میں کئی چھوٹی بڑی آبادیاں تھیں۔ ان میں ایک مقام شوط بھی تھا۔ جو مدینہ کے شمال مشرق میں شیخین کے قریب تھا۔ دائیں جانب حرہ پر بنی عبدالاشہل کا محلہ تھا۔ اس سے آگے بنی حارثہ کی آبادی تھی۔

لشکر اسلام جب شیخین سے چل کر احد کی گھاٹی میں پہنچا تو نماز فجر کا وقت ہو گیا تھا۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی اور آپ نے نماز فجر باجماعت ادا کی۔ نماز سے فراغت کے وقت آپ نے مجاہدین کے سامنے ایک ایمان افروز خطبہ دیا۔ اس خطبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کے بہت سے گوشے پوری رعنائی کے ساتھ جلوہ افروز ہوتے ہیں جو آزمائش کے طویل ترین لمحوں میں بے نقاب ہوتے ہیں۔ یہ خطبہ آپ نے اس وقت دیا جب دشمن کا تین گنا بڑا لشکر پورے طمطراق اور تبختر کے ساتھ مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے اور ان سے جنگ بدر کا انتقام لینے کے لیے ان کے بالکل سامنے خیمہ زن تھا۔ یہ خطبہ کسی شہنشاہ عالم پناہ کا نہ تھا بلکہ اللہ کے ایک نبی اور رسول کا خطبہ تھا۔ اس خطبہ کے ایک ایک لفظ سے روحانیت اور حب آخرت کے رشحات انسان کے بابِ قلب کو دستک دیتے ہیں۔ اس خطبہ میں آپ نے اپنے مجاہدین کو وہ ہدایات دیں جن پر عمل کرتے ہوئے انہوں نے دشمن کی فوج کو مار بھگایا۔ یہ الگ بات ہے کہ بعد میں چند حضرات کی ایک خوفناک غلطی سے وہ فتح ظاہری طور پر شکست میں تبدیل ہو گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سخت مجروح ہو گئے اور بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جن میں ایک اللہ اور اللہ کے رسول کا شیر سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بھی تھے جن کی شہادت کے صدمہ کو آپ پوری زندگی فراموش نہ کر سکے۔

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایمان افروز خطبہ:

یا ایھا الناس! اوصیکم بما اوصانی اللہ تعالیٰ بہ فی کتابہ من العمل بطاعتہ والتناھی عن محارمہ	اے لوگو! میں تمہیں اس چیز کی وصیت کرتا ہوں جس کا حکم مجھے اللہ نے اپنی کتاب میں دیا کہ میں اس کے احکام کی اطاعت کروں اور حرام کاموں سے باز رہوں
ثم انکم الیوم فی نزل اجرو ذخر لمن ذکر الذی علیہ	آج تم لوگ اجر وثواب کے مقام پر کھڑے ہو جس نے اپنے اس مقام کو یاد رکھا
ثم وطن نفسہ لہ علی الصبر والیقین والجد والنشاط	اور پھر اس نے اپنے نفس کو صبر، یقین اور جہد مسلسل اور خوش دلی کا خوگر بنالیا
فان جھاد العدو شدید کریہ قلیل من یصبر علیہ	کیوں کہ دشمن سے جہاد کرنا بہت مشکل ہے، کم لوگ ہیں جو اس صبر آزما مرحلہ میں ثابت قدم رہتے ہیں
الا من عزم اللہ تعالیٰ رشدہ فان اللہ تعالیٰ مع من اطاعہ	سوائے ان لوگوں کے جنہیں اللہ سیدھے راستہ پر جما دیتا ہے بے شک اللہ تعالیٰ اسی کا ساتھی ہوتا ہے جو اس کی اطاعت اور فرمان برداری کرے
فان الشیطان مع من عصاہ	اور بے شک اس کے ساتھ ہوتا ہے جو شیطان کی نافرمانی کر کے اللہ کا فرمان بردار ہوتا ہے
فافتتحوا اعمالکم بالصبر علی الجھاد والتمسوا بذالک ماوعدکم اللہ تعالیٰ	آج اپنے اعمال کی ابتداء جہاد پر صبر سے کرو اور طلب کرو اس صبر سے فتح کا وہ انعام جس کا اللہ تعالیٰ نے تم سے وعدہ فرمایا ہے
وعلیکم بالذي امرکم بہ وانی حریص علیٰ رشدکم	اور تم پر ضروری ہے کہ اس چیز کی پابندی کرو جس کا اللہ نے تم کو حکم دیا ہے کیونکہ میں تمہاری ہدایت یابی پر بہت حریص ہوں۔
وان الاختلاف والتنازع والتثبیط من امر العجز والضعف	باہمی اختلاف، جھگڑا اور بزدلی عجز اور کمزوری کی علامات ہیں۔
مما لا یحب اللہ تعالیٰ	ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا

Marfat.com

ولا یعطی علیه النصر والظفر	اور اس پر فتح وظفر اور کامیابی سے نہیں نوازتا۔
یاایها الناس!	اے لوگو!
جدد فی صدری ان من کان علیٰ حرام فرق الله تعالیٰ بینه وبینه	اللہ تعالیٰ نے یہ چیز از سر نو میرے سینہ میں ڈالی کہ جو شخص حرام کام کرتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے درمیان اور اس کے درمیان جدائی پیدا کر دیتا ہے
ومن رغب له عنه غفر الله تعالیٰ له ذنبه	اور جو شخص اللہ کی رضا کے لیے اس حرام سے اعراض برتتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے
ومن صلّی علیّ صلوٰة صلی الله علیه وملائکته عشراً	جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس پر دس مرتبہ درود بھیجتے ہیں
ومن احسن من مسلم أو کافر وقع اجره علی الله	جو شخص کسی کافر یا مسلمان کے ساتھ احسان کرے اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر لازم ہے
فی عاجل دنیاه وآجل آخرته	اس دنیا میں بھی اور آخرت کی آنے والی دنیا میں بھی
ومن کان یؤمن بالله والیوم الآخر فعلیه الجمعة الاصبیاً أو امرأة أو مریضاً أو عبداً مملوکاً	جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس پر جمعہ فرض ہے سوائے بچے کے، عورت، بیمار اور مملوک غلام کے
ومن استغنی عنها استغنی الله عنه	جو شخص نماز جمعہ سے بے پروائی کرے گا اللہ تعالیٰ اس سے بے پروائی کرے گا
والله غنی حمید	اور اللہ تعالیٰ غنی اور حمید ہے
ما اعلم من عمل یقربکم الیٰ الله تعالیٰ الا قد امرتکم به	میں کوئی ایسا عمل نہیں جانتا جو تمہیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دے مگر میں نے تمہیں اس کا حکم دے دیا ہے
ولا اعلم من عمل یقربکم الیٰ النار الا وقد نهیتکم عنه	اور میں کوئی ایسا عمل نہیں جانتا جو تمہیں جہنم کی آگ کے قریب کر دے مگر میں نے تمہیں اس سے منع کر دیا ہے
وانّه قد نفث فی روعی الروح الامین انه لن تموت نفسی حتی تستوفی اقصیٰ رزقها، لا ینقص منه شئی، فان ابطأ عنها	میرے دل میں جبرئیل نے یہ بات ڈال دی ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک نہیں مرے گا یہاں تک کہ اپنے رزق کا آخری لقمہ بھی پورا پورا حاصل نہ کر لے، اور اس سے ذرا کم نہ ہو، اور اگر وہ رزق اس سے لیٹ ہو جائے

Marfat.com

فاتقوا الله ربکم — پس تم اپنے پروردگار سے ڈرتے رہو اور رزق طلب کرنے میں خوب صورت ذرائع اختیار کرو

ولا یحملنکم استبطاءُ ہ ان تطلبوہ بمعصیة الله تعالیٰ فانه لایقدر علیٰ ما عندہ الا بطاعته — اور رزق کے ملنے پر تاخیر تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ تم اللہ کی نافرمانی کے ذریعہ سے اس کو طلب کرو کیونکہ جو چیز اس کے پاس ہے وہ اس کی فرمان برداری ہی سے حاصل ہو سکتی ہے

قد بین لکم الحلال والحرام غیر ان بینھما شبهاً من الامر من وقع فیھا کان کالراعی الیٰ جلب الحمیٰ — اللہ نے تمہارے لیے حلال اور حرام کو بیان کر دیا ہے ان کے علاوہ ان کے درمیان مشتبہ چیزیں بھی ہیں جو ان کا مرتکب ہوتا ہے وہ اس چرواہے کی طرح ہے جو کسی محفوظ چراگاہ کے کنارے پہنچ جاتا ہے

اوشک ان یقع فیه — قریب ہے کہ وہ اس محفوظ چراگاہ میں داخل ہو جائے

ولیس ملک الا وله حمعًی — کوئی ایسا بادشاہ نہیں مگر اس کی محفوظ چراگاہ ہوتی ہے

الا وان حمی الله تعالیٰ محارمه والمومن من المومنین کا الراس من الجسد اذا اشتکی تداعی علیه سائر جسدہ والسلام علیکم — خبردار! اللہ تعالیٰ کی محفوظ چراگاہیں اس کے محارم ہیں۔ ایک مومن دوسرے مومن کے لیے اس طرح ہے جس طرح سر جسم سے ہوتا ہے۔ جب سر بیمار ہوتا ہے تو سارا جسم بے قرار ہو جاتا ہے، اور تم پر اللہ کی طرف سے سلامتی ہو۔ (سبل الہدیٰ: ۴/۲۸۲)

اس خطبہ کا ایک ایک لفظ ایمان افروز اور روح پرور ہے جس سے سینوں کی شمع فروزاں ہو گئی اور مجاہدین اسلام کو سرفروشی اور جانثاری کی نئی توانائیاں نصیب ہوئیں۔ اب سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجاہدین کو مختلف احکام صادر فرمائے پہلا حکم یہ تھا کہ جب تک میں حکم نہ دوں کوئی شخص جنگ کا آغاز نہ کرے۔

پہاڑ کے درّہ پر پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ متعین کیا ہوا تھا۔ انہیں سفید وردی پہننے کا حکم دیا تھا تاکہ ان کی دور سے پہچان ہو سکے۔ پھر ان تیر اندازوں کو درّہ کسی حالت میں نہ چھوڑنے کا حکم صادر فرمایا۔

اگر گھوڑ سوار ہم پر حملہ کریں تو ان پر تیروں کی بوچھاڑ کرنا تاکہ ہمارے پیچھے سے وہ ہم پر حملہ نہ کر سکیں۔ ہم فتح یاب ہوں تب بھی اور ناکام ہوں تب بھی۔ تم لوگ اس مورچہ پر

Marfat.com

ڈٹے رہنا اور کسی صورت اس درہ کو نہ چھوڑنا۔ اگر تم دیکھو کہ پرندے ہمیں اچک کرلے جارہے ہیں اور دشمن ہمیں تہ تیغ کر رہے ہیں پھر بھی ہماری امداد کے لیے اس درہ کو چھوڑ کر نہ آنا جب تک کہ اپنا خصوصی پیغام نہ بھیجوں۔ دشمنوں پر تیروں کی موسلادھار بارش کرتے رہنا کیونکہ جہاں تیر برس رہے ہوں وہاں گھوڑے پیش قدمی نہیں کرتے۔ کان کھول کر سن لو جب تک تم اپنی جگہ ڈٹے رہو گے ہم غالب رہیں گے۔ اے اللہ! تو گواہ رہنا میں نے انہیں سمجھانے میں اپنا فرض ادا کر دیا۔

ان ارشادات کے بعد اسلامی لشکر کے میمنہ کی قیادت سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اور میسرہ کی قیادت سیدنا منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ کو تفویض فرمائی۔ پھر پوچھا کہ مشرکین کا علم بردار کون ہے؟ عرض کیا گیا طلحہ بن ابی طلحہ۔ فرمایا: کفار نے اگر بنی عبدالدار کے ایک فرد کو اپنا پرچم دیا ہے تو ہم بھی اسی خاندان کے ایک فرد کو یہ اعزاز دیں گے۔ چنانچہ سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو اسلام کا علم عطا فرمایا گیا۔ اس روز آپ نے دو زرہیں زیب تن فرمائی تھیں۔ اور مسلمانوں کا نعرہ تھا اے اللہ! کافروں اور مشرکین کو ہلاک کر دے۔

اسلامی لشکر کی صف بندی:

یہاں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے لشکر کی صف بندی فرمائی۔ جنگی نقطہ نگاہ سے لشکر کو کئی صفوں میں تقسیم فرمایا۔ ماہر تیر اندازوں کا ایک دستہ بھی منتخب فرمایا جو پچاس تیر اندازوں پر مشتمل تھا۔ اس دستہ کی کمان سیدنا عبداللہ بن جبیر بن نعمان انصاری دوسی بدری رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمائی اور انہیں وادی قناۃ کے جنوبی کنارے پر واقع ایک چھوٹی سی پہاڑی پر جو اسلامی لشکر کے کیمپ سے کوئی ڈیڑھ سو میٹر جنوب مشرق میں واقع تھی، تعینات فرمایا۔ اس دستہ کو یہ ہدایت فرمائی کہ تم نے یہاں بیٹھ کر ہمارے عقب سے قریش کے حملہ کو روکنا ہے اور اگر ہم کو مشرکین پر غالب ہوتے دیکھو تب بھی یہاں سے نہ ہٹنا اور اگر مشرکین کو ہم پر غالب ہوتے دیکھو تب بھی اس جگہ سے سرک کر ہماری مدد کے لیے نہ آنا۔ (بخاری: ۱/ ۴۲۶)

ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر پرندوں کو بھی ہمیں اچکتے ہوئے دیکھو تب بھی اس جگہ سے نہ ہٹنا یہاں تک کہ میں بلا بھیجوں۔

اور مسند احمد وغیرہ میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

Marfat.com

فرمایا: ''تم لوگ اس جگہ کھڑے رہو اور پشت کی جانب سے ہماری حفاظت کرو۔ اگر ہم کو قتل ہوتے بھی دیکھو تو ہماری مدد کے لیے نہ آنا اور اگر غنیمت حاصل کرتے ہوئے دیکھو تو اس میں شریک نہ ہونا۔'' (فتح الباری: ۳۷۰/۷)

فوج کا میمنہ اور میسرہ بھی مقرر فرمایا۔ کوہ احد سے حصار کا کام لیا۔ میمنہ پر سیدنا منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا اور میسرہ پر سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو اور ان کا معاون سیدنا مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو یہ مہم بھی سونپی گئی تھی کہ خالد بن ولید کے سواروں کی راہ روکے رکھنا۔ صف کے اگلے حصہ میں ان بہادر اور جانباز مسلمانوں کو رکھا گیا جن کی دلیری اور جانبازی کا شہرہ تھا۔

غزوہ بدر میں تین سو تیرہ کا مقابلہ 950 سے تھا یعنی وہاں ایک اور تین کی نسبت تھی۔ لیکن غزوہ احد میں سات سو کا مقابلہ 32 سو سے تھا یعنی ایک اور پانچ کا مقابلہ تھا۔ دشمن کی فوج میں تین ہزار اونٹ اور دو سو گھوڑے تھے۔ لیکن مسلمانوں کا یہ سفر پا پیادہ ہوا تھا لہٰذا اونٹ تو ایک بھی نہیں تھا۔ گھوڑے ابن سعد کی روایت کے مطابق صرف دو تھے۔ (ابن سعد: ۳۲/۳) اور ابن قیم کے مطابق پچاس تھے۔ (زاد المعاد: ۹۲/۲، فتح الباری: ۳۷۰/۷) دشمن کی فوج میں سات سو زرہ پوش تھے اور ایک سو تیر انداز جبکہ اسلامی لشکر میں صرف ایک سو زرہ پوش تھے اور پچاس تیر انداز۔ اس وجہ سے یہ دفاعی منصوبہ بندی بڑی باریک بینی سے کی گئی۔ جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عسکری عبقریت کا پتہ چلتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لشکر کے لیے وہ مقام منتخب فرمایا جو فوجی نقطہ نگاہ سے میدان جنگ کا بہترین مقام تھا، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوہ احد کی بلندیوں کی اوٹ لے کر اپنی پشت اور دایاں بازو مضبوط فرما لیا تھا اور بائیں بازو کو جنگ کے دوران جس درہ سے حملہ کا خطرہ تھا اسے تیر اندازوں کے ذریعہ بند کر دیا۔ دشمن اگرچہ تین روز پہلے وہاں پہنچ چکا تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی جنگی حکمت عملی اور بہترین صف بندی سے اپنے پڑاؤ کے لیے وہ جگہ متعین فرمائی جو فتح و شکست دونوں صورتوں میں مفید تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دشمن کو ایک نشیبی مقام قبول کرنے پر مجبور کر دیا تاکہ اگر خدانخواستہ وہ غالب آ جائے تو فتح کا کوئی خاص فائدہ نہ اٹھا سکے اور اگر شکست کھا جائے تو تعاقب کرنے والی مسلمان فوج کی گرفت سے نہ بچ سکے۔ اور اپنے لیے ایک اونچی جگہ منتخب فرمائی کہ اگر خدانخواستہ شکست سے دوچار ہونا پڑے تو تعاقب کرنے والوں کی قید میں جانے کی بجائے کیمپ میں پناہ لی جا سکے اور دشمن کے کیمپ پر پیش قدمی کی صورت میں اسے شدید جانی نقصان پہنچ سکے اور مسلمانوں کی فتح کی صورت میں دشمن کا تعاقب کر کے اسے بھاری نقصان پہنچایا جا سکے۔

Marfat.com

پھر لشکر میں جہاں جہاں کسی مجاہد کو کھڑا کیا گیا وہ اسی جگہ کے لیے موزوں ترین تھا۔
علم برداری لشکر میں ایک خاص اعزاز سمجھا جاتا ہے۔ قریش میں یہ اعزاز بنی عبدالدار کے لیے مخصوص تھا۔ چنانچہ قریش کا لشکر جب مکہ سے چلا تو علم بنی عبدالدار کے آدمی کو دیا گیا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس بات کا لحاظ رکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے مہاجرین کا پرچم سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمایا تھا لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوا کہ ابوسفیان نے روایات قریش کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے بنی عبدالدار کے فرد کو پرچم دیا ہے تو آپ نے بھی اسی خاندان کے ایک ممتاز مہاجر سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو علم عطا فرمایا اور فرمایا: ''ان کے مقابلہ میں ہم پر زیادہ حق ہے کہ ہم وفا کریں۔''

نحن احق بالوفاء منهم. (البدایہ والنہایہ: ۴/۲۰)

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ خاندانی احترامات کو باقی رکھنا بھی اسلام میں ضروری ہے ورنہ بعض دفعہ اس کے نتائج اچھے نہیں ہوتے اور لوگوں میں تشتت و افتراق کی آبیاری ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے روز سقایہ، رفادہ اور خانہ کعبہ کی کلید برداری کے مناصب جن جن خاندانوں کے سپرد تھے، ان سے یہ مناصب نہ چھینے بلکہ انہی کے سپرد رہنے دیئے، حالانکہ خانہ کعبہ کی کلید برداری کے منصب کے لیے آپ کے شفیق چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے خواہش بھی کی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی خاندان کو کلید عطا فرمائی جس کے پاس پہلے سے تھی۔

سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے اس پرچم کا حق ادا کر دیا اور قوت و شدت سے دشمن کا مقابلہ کیا۔ جب آپ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے پھر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ علم سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ بعض روایات میں ہے کہ سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو زرہ پوش رسالے کا افسر مقرر کیا گیا اور سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو ان مجاہدین کا کماندار مقرر فرمایا جو زرہ پوش نہ تھے۔

ابن سعد نے طبقات میں تصریح کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پاپیادہ گھوم کر صفیں قائم فرمائیں اور انہیں درست فرمایا حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گھوڑا ''سکب'' موجود تھا۔ جسد اطہر پر دو زرہیں تھیں۔ سر مبارک پر مغفر اور اس کے اوپر خود تھا۔ شانہ اقدس پر ایک طرف تلوار کا پرتلہ تھا اور دوسری جانب کمان، پشت پر ترکش اور دست بیضاء میں نیزہ۔ لشکر کی یہ ترتیب و تنظیم اور میدان جنگ میں صف بندی 7 شوال سنہ 3 ھ ہفتہ کے دن عمل میں آئی اور اللہ کے پیغمبر نے میدان احد میں اللہ کے دشمنوں کے مقابلہ میں لشکر کو یوں ترتیب دیا۔

جب صفیں مرتب ہو گئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ جب تک میں حکم نہ دوں

Marfat.com

جنگ شروع نہ کی جائے۔ اب آپ ﷺ نے صحابہ کرام ﷺ کو پامردی اور ثابت قدمی کی تلقین فرمائی ان میں دلیری اور بہادری کی روح پھونکتے ہوئے ایک برہنہ تلوار ہاتھ میں لے کر فرمایا:

((من یاخذ هذا السیف بحقه؟))

''کون ہے جو اس تلوار کو لے کر اس کا حق ادا کرے؟''

پیغمبر اسلام ﷺ کے منہ سے یہ کلمات سن کر کئی حضرات سعادت حاصل کرنے کے لیے آگے بڑھے۔ جن میں سیدنا عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ لیکن ایک صحابی سیدنا ابو دجانہ سماک بن خرشہ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر عرض کی، اے اللہ کے رسول! اس تلوار کا حق کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کا حق یہ ہے کہ اس سے خدا کے دشمنوں کو مارے یہاں تک کہ یہ ٹیڑھی ہو جائے۔''

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس تلوار کا حق یہ ہے کہ اس سے کسی مسلمان کو کبھی قتل نہ کرنا اور اس کو لے کر کبھی کسی کافر کے مقابلہ سے فرار نہ ہونا۔''

سیدنا ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں اس تلوار کو لے کر اس کا حق ادا کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اسی وقت تلوار سیدنا ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کو عطا فرما دی۔

(زرقانی: ۲/ ۲۸)

سیدنا ابو دجانہ رضی اللہ عنہ بڑے جانباز آدمی تھے۔ لڑائی کے وقت اکثر نازو انداز اور وجد و سکر کی خاص کیفیت ہوتی تھی۔ ان کے پاس ایک سرخ پٹی ہوتی تھی جب اس کو باندھ لیتے تو وہ سمجھ لیتے کہ اب وہ موت تک لڑتے رہیں گے۔ چنانچہ انہوں نے سرکار دو عالم ﷺ کے دست مبارک سے تلوار لی اور سر پر سرخ پٹی بھی باندھ لی۔

سیرۃ حلبیہ میں ہے کہ اس تلوار کے ایک طرف شعر کندہ تھا جس کا ترجمہ یہ ہے:

''بزدلی میں عار ہے اور آگے بڑھنے میں عزت ہے۔ انسان بزدلی کر کے تقدیر سے نجات حاصل نہیں کر سکتا۔'' (سیرۃ حلبیہ: ۲/ ۲۴۶)

(بعض روایات میں ہے کہ سرخ عمامہ باندھا) اور فریقین کی صفوں کے درمیان اکڑ کر اور نازو انداز سے چلنے لگے۔ اس موقع پر امام الانبیاء ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ چال اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں لیکن اس جیسے موقع پر پسند ہے۔

(زرقانی: ۲/ ۲۸، انساب الاشراف: ۱/ ۱۴۷، زاد المعاد: ۲/ ۱۳۱)

Marfat.com

قریش کے لشکر کی ترتیب و تنظیم:

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے کہ قریش مکہ، مکہ سے ہی تین ہزار سے زائد کا لشکر لے کر چلے تھے، لیکن اس لشکر کو مدینہ سے بھی امداد مل گئی۔ مدینہ کا ایک مقبول عام شخص عمرو بن صیفی جو ابو عامر کے نام سے مشہور تھا، اس کا زہد اور پارسائی اہل مدینہ کے ہاں مشہور تھی اور اس وجہ سے مدینہ کے بہت سے لوگ اس کو عزت واحترام سے دیکھتے تھے، لیکن جیسے ہی مدینہ کے لوگ اسلام کی دولت سے مشرف ہوئے، اس شخص کے زہد کا بھانڈا چوراہے میں پھوٹ گیا اور لوگوں کو اس کے نمائشی زہد کی حقیقت کا پتہ چل گیا۔ چنانچہ وہ مدینہ چھوڑ کر مکہ میں آباد ہو گیا۔ یہ ابو عامر بھی اپنی پارٹی کے ساتھ قریش کے لشکر میں شامل تھا۔ یہ بھی روایت ہے کہ اس کی وجہ سے قبیلہ اوس کے بھی پچاس آدمی قریش کے لشکر میں شریک تھے۔

قریش کے لشکر کا سپہ سالار اعظم ابوسفیان بن حرب تھا۔ اس نے معمول کے مطابق اپنے لشکر کی صف بندی کی۔ لشکر کے قلب پر اپنا مرکز بنایا۔ میمنہ کا افسر خالد بن ولید کو بنایا اور میسرہ پر ابوجہل کے بیٹے عکرمہ کو مقرر کیا۔ پیدل فوج کی کمان صفوان بن امیہ کے پاس تھی جو قریش کا مشہور رئیس اور امیہ بن خلف کا بیٹا تھا۔ تیر اندازوں کے دستوں پر عبداللہ بن ربیعہ کو مقرر کیا۔

لشکر کی علم برداری ایک خاص اعزاز تھا۔ یہ منصب نہایت خطرناک اور ایثار طلب تھا کیونکہ علم فتح و شکست کا نشان سمجھا جاتا تھا۔ جیسے ہی جھنڈا سرنگوں ہوتا تھا فوج کے پاؤں اکھڑ جاتے تھے اور وہ فرار ہو کر اپنی جان بچاتی تھی۔ قریش میں جب عبد مناف نے قصی سے وراثت میں پائے ہوئے منصبوں کو تقسیم کیا تھا تو علم برداری کا منصب بنو عبدالدار کے سپرد کیا تھا۔ بدر میں بھی اسی خاندان کے سپرد قریش کا پرچم تھا۔ بدر میں جس شخص کے پاس پرچم تھا اس کا نام نضر بن حارث تھا۔ وہ گرفتار ہو گیا تو قریش کو بہت سخت حالات سے دو چار ہونا پڑا۔ چنانچہ اس جنگ میں ابوسفیان نے ان کو علم سپرد کرتے وقت ان سے عہد لینے کے لیے کہا:

''بدر میں جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ اس وقت اگر آپ کے بہادر تیار ہیں کہ اس علم کی عظمت و رفعت برقرار رکھنے کے لیے اپنی جانوں کی پروا نہ کریں تو بے شک اس لشکر کی علم برداری آپ کا حق ہے، اس حق کو حاصل کیجیے اور اگر یہ ہمت اور جرأت نہ ہو تو ہمیں اجازت دیجیے کہ ہم اپنی جانوں کی قیمت پر اس کی عظمت وعزت برقرار

Marfat.com

رکھیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ بدر کے روز آپ لوگوں نے ہمارا جھنڈا لے رکھا تھا تو ہمیں جن حالات سے دوچار ہونا پڑا اس سے آپ لوگ بخوبی آشنا ہیں۔ دراصل فوج پر علم ہی کی طرف سے زد پڑتی ہے۔ جب پرچم گرتا ہے تو فوج کے قدم اکھڑ جاتے ہیں۔"

بنی عبدالدار نے جب قائد لشکر ابوسفیان کے یہ طنز آمیز ریمارکس سنے تو بھڑک اٹھے۔ انہوں نے دھمکیاں دیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس پر پل پڑیں گے۔ چنانچہ انہوں نے اسی غصہ اور جوش میں ابوسفیان کو جواب دیا:

"یہ ہرگز ممکن نہیں کہ ہم اپنے خاندانی اعزاز کو آپ کے حوالہ کر دیں۔ ہم موت سے جان چرانے والے نہیں بلکہ موت سے کھیل جانے والے ہیں۔ پرچم ہمارے حوالے کیجیے اور کل جب دشمن سے ٹکر ہوگی تو دیکھ لینا کہ ہم کیا کرتے ہیں۔"

ابوسفیان کا مقصد بھی اپنے ان ریمارکس سے یہی تھا اور وہ ان کے منہ سے یہی کہلوانا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے علم بنی عبدالدار کے نمائندہ طلحہ بن ابی طلحہ کے سپرد کر دیا۔ ان لوگوں نے میدان احد میں قربانی کی ایک مثال پیش کر دی۔ اس خاندان کے سات آدمی یکے بعد دیگرے اس پرچم کے لیے قربان ہوئے۔

(ابن ہشام: ۲/ ۷۷، طبقات ابن سعد: ۳/ ۲۸، عیون الاثر: ۲/ ۱۶)

آغازِ جنگ:

اب دونوں طرف سے صف بندی ہو چکی تھی اور ایک اشارہ کی ضرورت تھی کہ جنگ شروع ہو جائے۔ اتنے میں دیکھا گیا کہ قریش کی عورتیں جنگ میں اپنا پارٹ ادا کرنے کے لیے آگے بڑھیں۔ وہ دف پر اشعار پڑھ رہی تھیں جو کشتگان بدر کے انتقام اور مقتولین کے رجز پر مشتمل تھے۔ یہ کل چودہ عورتیں تھیں اور ان کی قیادت قائد لشکر ابوسفیان کی اہلیہ ہند بنت عتبہ بن ربیعہ کر رہی تھی۔ یہ عورتیں صفوں میں گھوم گھوم کر اور دف پیٹ پیٹ کر لشکریوں کو جوش دلا رہی تھیں اور شمشیر زنی، تیر افگنی اور مار دھاڑ کے لیے فوجیوں کے جذبات کو برانگیختہ کر رہی تھیں۔ کبھی وہ لشکر کے علم برداروں کو مخاطب کر کے کہتیں:

"شاباش بنو عبدالدار، شاباش جو پیٹھ کے پاسدار ہیں، جو تیز تلواروں سے بھرپور ضرب لگاتے ہیں۔"

Marfat.com

اور کبھی فوجیوں کو ان اشعار سے جوش دلاتیں ۔

نحن بنات طارق نمشی علی النمارق
ان تقبلوا نعانق ان تدبروا نفارق
فراق غیر وامق

''ہم آسمان کے تاروں کی بیٹیاں ہیں، ہم قالینوں پر چلتی ہیں۔ اگر تم آگے بڑھو گے تو تمہیں گلے لگائیں گی، اگر پیٹھ دکھاؤ گے تو تمہیں چھوڑ دیں گی۔ تم اسے ایسی الگ ہوں گی جس میں محبت کا نام ونشان نہ ہوگا۔''

یہ خواتین پیچھے ہٹیں تو سب سے پہلے ابو عامر فاسق اپنے نمائشی زہد و پارسائی کے ساتھ مسلمانوں کے سامنے نمودار ہوا۔ جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ اس کا نام عبد عمرو بن صیفی تھا اور اس کے نمائشی زہد و پارسائی کی وجہ سے اسے ''راہب'' کہا جاتا تھا لیکن سرکار دو عالم ﷺ نے اس کا نام ''فاسق'' رکھ دیا تھا۔ اس نے قریش کو یقین دلایا تھا کہ میری قوم اوس کے لوگ مجھے دیکھیں گے تو محمد ﷺ کو چھوڑ کر میرے ساتھ ہو جائیں گے۔ اس مقصد کے لیے وہ اپنے ڈیڑھ سو آدمیوں کے ساتھ آیا تھا۔ چنانچہ یہ سب سے پہلا شخص تھا جو میدان جنگ میں آیا اس نے میدان میں آ کر اپنی قوم کو پکارا: مجھے پہچانتے ہو؟ میں ابو عامر ہوں۔ انصار نے جواب دیا: او فاسق! او نمائشی زاہد و راہب! ہم تمہیں بخوبی جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تیری آنکھ کو ٹھنڈا نہ کرے۔ ابو عامر نے یہ خلاف توقع جواب سنا تو کہنے لگا: ''میرے بعد میری قوم کا مزاج بگڑ گیا ہے۔ پھر اس نے اور اس کے ساتھیوں نے مسلمانوں پر پتھراؤ شروع کر دیا لیکن مسلمانوں نے اینٹ کا جواب پتھر سے دیا اور تھوڑی ہی دیر میں اس کا منہ پھیر کر رکھ دیا۔

(طبقات ابن سعد: ۳/ ۲۸، زرقانی: ۲/ ۳۰، البدایہ والنہایہ: ۴/ ۱۶، عیون الاثر: ۲/ ۱۶، ابن ہشام: ۲/ ۶۷)

اب باقاعدہ جنگ کا آغاز ہو گیا، اب قریش کا علم بردار طلحہ بن ابی طلحہ میدان میں آیا اور مسلمانوں کو للکارا۔ یہ شخص قریش کا بڑا بہادر شہ سوار تھا اور مسلمان اس کو کبش الکتیبہ (لشکر کا مینڈھا) کہتے تھے۔ یہ اونٹ پر سوار ہو کر نکلا اور مسلمانوں کو دعوت مبارزت دی اور کہا کہ اے محمد (ﷺ) کے ساتھیو! تمہارا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو تمہاری تلواروں سے جلدی جہنم میں پہنچاتا ہے اور ہماری تلواروں سے تم کو جنت میں جلد پہنچاتا ہے۔ لہٰذا کیا تم میں کوئی ہے جس کو میری تلوار جنت یا اس کی تلوار مجھے جہنم میں پہنچائے؟ (سیرۃ حلبیہ: ۲/ ۲۴۷)

Marfat.com

یہ سنتے ہی سیدنا علی رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور تلوار کا ایک ہی وار ایسا کیا کہ اس کا پیر کٹ گیا اور وہ منہ کے بل گرا اور اس کا ستر کھل گیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ شرما کر پیچھے ہٹ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیچھے ہٹنے کی وجہ پوچھی تو عرض کیا کہ مجھ کو اس کے ستر کھل جانے سے شرم آ گئی۔ (زرقانی: ۲/۳۱)

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ایسی تلوار ماری کہ عمامہ کو چیرتی ہوئی گردن تک پہنچ گئی اور وہ جہنم رسید ہو گیا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں نے کلمہ تکبیر کہا اور فرمایا: ''میں نے خواب میں جو کبش الکتیبہ دیکھا تھا وہ یہی تھا جو پہلے ہی ذبح کر دیا گیا ہے۔'' (طبقات ابن سعد: ۳/۲۸)

سیرۃ حلبیہ میں ہے کہ اس کو سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔ جونہی اس نے دعوت مبارزت دی، سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور چشم زدن میں شیر کی طرح جست لگا کر اونٹ پر جا چڑھے اور اسے اپنی گرفت میں لے کر زمین پر کود گئے اور اسے ذبح کر دیا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرط مسرت سے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کی تحسین فرمائی اور فرمایا: ''ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے اور میرا حواری زبیر رضی اللہ عنہ ہے۔''

(سیرۃ حلبیہ: ۲/۲۴۷، البدایہ والنہایہ: ۴/۲۰)

قریش کے اس علم بردار کا قتل ان کے لیے کوئی اچھا شگون نہ تھا۔ اب طلحہ کے بعد اس کے بھائی عثمان بن ابی طلحہ نے علم سنبھالا اور یہ رجز پڑھتے ہوئے میدان میں نکلا:

''علم بردار کا یہ فرض ہے کہ اپنے نیزے کو دشمن کے خون سے رنگین کر دے، یا پھر وہ نیزہ ٹوٹ جائے۔''

اس کا یہ رجز سن کر سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ فوراً آگے بڑھے اور کاندھے پر ایسی تلوار ماری کہ کاندھے کو کاٹتی اور جسم کو چیرتی ہوئی ناف تک جا پہنچی۔ پیٹ چاک ہو گیا۔ تمام انتڑیاں باہر نکل آئیں۔ ساتھ ہی سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ نکلا: انا ابن ساقی الحجیج. میں ساقی حجاج کا بیٹا ہوں۔ (طبقات: ۳/۲۸)

طلحہ اور عثمان کے بعد ان کے تیسرے بھائی ابوسعد بن ابی طلحہ نے جھنڈا ہاتھ میں لیا اور دعوت مبارزت دی تو سیدنا سعد بن ابی وقاص نے اس کو تاک کر ایسا تیر مارا جو اس کے چہرہ اور گردن میں پیوست ہو گیا اور ابوسعد کی زبان باہر نکل آئی۔ پھر آگے بڑھ کر تلوار سے اس کا کام تمام کر دیا۔

ابوسعد کے قتل کے بعد بنو عبدالدار نے پھر بھی علم نیچے نہ گرنے دیا اور طلحہ کے بیٹے

Marfat.com

مسافع بن طلحہ نے بڑھ کر علم کو سنبھالا، لیکن ابھی سنبھالنے بھی نہ پایا تھا کہ سیدنا عاصم بن ثابت بن ابی افلح رضی اللہ عنہ نے تیر مار کر اس کا کام تمام کر دیا۔

مسافع کے بعد اس کے بھائی کلاب بن طلحہ بن ابی طلحہ نے علم اٹھایا لیکن اس کو سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا۔ پھر طلحہ کے تیسرے بیٹے جلاس بن طلحہ نے علم ہاتھ میں لیا مگر اس کو بھی فوراً سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

خاص طلحہ کے گھر کے چھ افراد یکے بعد دیگرے اس علم پر اپنی جاں نثار کر چکے تو اب بنی عبد الدار کے ایک اور شخص ارطاۃ بن شرحبیل نے آگے بڑھ کر علم تھاما لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ایک روایت کے مطابق سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے اس کا کام تمام کر دیا۔ ارطاۃ کے قتل کے بعد اب شریح بن قارظ نے علم لیا لیکن اسے قزمان نے قتل کر دیا۔ قزمان منافق تھا اور اسلام کے بجائے قبائلی حمیت کے جوش میں مسلمانوں کے ہمراہ لڑنے آیا تھا۔ شریح کے بعد ابو زید عمرو بن عبد مناف عبدری نے علم سنبھالا، لیکن اسے قزمان نے قتل کر دیا۔ پھر شرحبیل بن ہاشم عبدری کے ایک لڑکے نے علم اٹھایا مگر وہ بھی قزمان کے ہاتھوں قتل ہوا۔

بنو عبد الدار کے دس افراد اس علم کی خاطر قتل ہوئے۔ اب اس قبیلے کا کوئی آدمی علم اٹھانے کے لیے تیار نہیں تھا لیکن اب ابو طلحہ کے ایک غلام نے جس کا نام صواب تھا علم اٹھا لیا اور ایسی بہادری اور جوانمردی سے لڑا کہ اپنے آقاؤں سے بھی بازی لے گیا۔ یہ شخص یہاں تک لڑا کہ اس کے دونوں ہاتھ کاٹ دیئے گئے لیکن اس کے بعد بھی اس نے علم نہ گرنے دیا، بلکہ گھٹنے کے بل بیٹھ کر سینے اور گردن کی مدد سے علم کو کھڑے کیے رکھا لیکن پھر وہ بھی تہ تیغ کر دیا گیا۔ روایت میں آتا ہے کہ مرنے کے وقت وہ کہہ رہا تھا: ''اے اللہ! اب تو میں نے کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔''

اب غلام ''صواب'' کے قتل کے بعد وہ علم متاعِ بے مایہ بن کر زمین پر گر گیا اور اس کو کوئی اٹھانے والا نہ رہا لہٰذا وہ اب گرا ہی رہا۔

(طبقات ابن سعد: ۳/ ۲۸، ۲۹، زرقانی: ۲/ ۳۱، سیرۃ ابن ہشام: ۲/ ۷۸)

عام جنگ:

ایک طرف قریش کے علم بردار، ایک ایک کر کے کٹ رہے تھے دوسری طرف شدید جنگ جاری تھی۔ مسلمانوں کی صفوں پر ایمان کی روح چھائی ہوئی تھی۔ شہادت کا ایک وجد طاری تھا۔ ہر شخص دشمن پر اس طرح حملہ آور تھا جیسے باز چڑیوں پر حملہ کرتا ہے۔ قریش کی تعداد

Marfat.com

اگرچہ مسلمانوں سے پانچ گنا زیادہ تھی لیکن اس بات سے بے خبر وہ بھوکے بازوں کی طرح دشمن پر جھپٹ جھپٹ کر حملہ آور ہو رہے تھے۔ ہر شخص کے دل میں ''غازی یا شہید'' کا جذبہ موجزن تھا۔ ایک عجیب کیفیت کے ساتھ وہ دشمنوں سے نبرد آزما تھے۔ سیدنا ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کو امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک تلوار مرحمت فرمائی تھی جس کا ذکر گذشتہ صفحات میں آچکا ہے، وہ سر پر سرخ رومال باندھے دشمن کی صفوں کو الٹ پلٹ کرتے آگے بڑھ رہے تھے۔ جو مشرک بھی اس تلوار کی زد میں آجاتا وہیں کھیت ہو جاتا۔ اس تلوار کے حق کی ادائیگی کا عزم صمیم کیے ہوئے دشمن کی صفوں کو چیرتے ہوئے دور تک چلے گئے۔

سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ تلوار دینا چاہی تو میں نے بھی ہاتھ بڑھایا، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ تلوار سیدنا ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کو مرحمت فرما دی۔ مجھے بہت تعجب ہوا کہ میں قریش کا مشہور شمشیر زن ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رشتہ بھی نہایت قریب کا ہے۔ میری والدہ آپ کی پھوپھی ہیں۔ قریشی ہوں، مہاجر ہوں، میں نے ابودجانہ رضی اللہ عنہ سے پہلے تلوار مانگی تھی، پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے تلوار عطا نہیں فرمائی اور میرے مقابلے میں سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کی درخواست کو شرف قبولیت عطا فرمایا۔ یقیناً کوئی بات ہے۔ جس کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کو مجھ پر ترجیح دی۔ اب مجھے ابودجانہ رضی اللہ عنہ کا پیچھا کرنا چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ میں ان کے پیچھے ہولیا دیکھا کہ ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے ایک سرخ پٹی نکالی اور اس کو سر پر باندھ لیا۔ لوگوں نے کہا کہ یہ ''عصابۃ الموت'' (موت کی پٹی) ہے۔ جب ابو دجانہ رضی اللہ عنہ مرنے مارنے کی ٹھان لیتے ہیں تب یہ پٹی باندھا کرتے ہیں۔ بہادرانہ ولولہ کا اثر رفتار میں بھی تھا اور گفتار میں بھی۔ رجز پڑھ کر دشمن کی طرف بڑھ رہے تھے۔ رجز کا ترجمہ یہ تھا:

''میں نے اس نخلستان کے دامن میں اپنے حبیب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے عہد کیا
ہے کہ میں کبھی صفوں کے پیچھے نہ رہوں گا اور اللہ اور اس کی تلوار سے
اس کے دشمنوں کو مارتا رہوں گا۔''

وہ فوجیوں کو چیرتے اور لاشوں پر لاشے گراتے چلے جا رہے تھے جو بھی ملتا ان کی تلوار کا لقمہ اجل بن جاتا۔ ادھر مشرکین میں ایک شخص ہمارے جس زخمی کو پاتا اس کو ڈھیر کر دیتا تھا۔ یہ دونوں رفتہ رفتہ قریب ہو رہے تھے۔ میں نے دل میں دعا کی کہ دونوں میں ٹکر ہو جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ دونوں نے ایک دوسرے پر ایک ایک وار کیا۔ لیکن دوسرے ہی وار میں ابو

Marfat.com

دجانہ رضی اللہ عنہ نے دشمن کو قتل کر دیا۔

ابو دجانہ رضی اللہ عنہ پر ایک وجد کی حالت طاری تھی۔ مشرکین کے لشکر میں ایک کھلبلی مچا رکھی تھی۔ وہ ان کی تلوار سے بچنے میں اپنی عافیت سمجھ رہے تھے۔ وہ صفیں درہم برہم کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے کہ اچانک ابوسفیان کی بیوی ''ہند'' سامنے آ گئی۔ انہیں معلوم نہ ہوا کہ یہ عورت ہے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں کہ میں نے ایک فرد کو دیکھا کہ وہ لوگوں کو زور و شور دلا رہا ہے، اس لیے میں نے اس کو نشانے پر لے لیا، مگر جیسے ہی احساس ہوا کہ یہ ایک عورت ہے، تلوار روک لی کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلوار کی یہ شان نہیں کہ کسی عورت پر آزمائی جائے۔''

(سیرۃ ابن ہشام:۲/۷۰)

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ہند بنت عتبہ کے سر کے درمیان تلوار بلند کی اور پھر ہٹا لی۔ میں نے کہا: ''اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔''

(عیون الاثر:۲/۱۷، سیرۃ ابن ہشام:۲/۶۹، سیرۃ حلبیہ:۲/۲۴۹، زرقانی:۲/۲۹، البدایہ والنہایہ:۴/۱۶)

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت:

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اللہ اور اس کے رسول کے شیر، دو دستی تلوار چلاتے جاتے تھے۔ جدھر کا رخ کرتے دشمنوں کی صفوں میں بھگدڑ مچا دیتے۔ قریش کا علم بردار عثمان بن ابی طلحہ ان کی تلوار کا لقمہ اجل بن چکا تھا۔ اسی حالت میں سباع بن عبدالعزیٰ غبشانی ان کی تلوار کے سامنے آ گیا۔ زور سے پکارے او مقطعة البظور. (عرب کی لڑکیوں کی ختنہ کرائی جاتی تھی اور اس کی ماں بھی یہی پیشہ کرتی تھی اس لیے اس لفظ سے خطاب کیا) کہ بچ کہاں جاتا ہے۔ یہ کہہ کر ایسی تلوار ماری کہ اسے افسانہ ماضی بنا دیا۔

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ جیسے ہی سباع بن عبدالعزیٰ کو پچھاڑ کر پلٹے تو وحشی بن حرب نے ایک چھوٹا سا نیزہ جس کو حربہ کہتے ہیں اور جو حبشیوں کا ایک خاص ہتھیار ہوتا ہے، سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو تاک کر اس زور سے مارا کہ ناف میں لگا اور پار ہو گیا۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے اس پر حملہ کرنا چاہا لیکن لڑکھڑا کر گر پڑے اور عدم ہستی نما سے ہستی عدم نما کو انتقال فرما گئے۔

Marfat.com

اس حبشی نے آپ رضی اللہ عنہ کو کیوں شہید کیا؟ اس کی ان سے کیا دشمنی تھی؟ اس کے بارے میں خود وحشی کا بیان ہے کہ میں جبیر بن مطعم کا غلام تھا۔ اس کا چچا طعیمہ بن عدی جنگ بدر میں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ جب قریش جنگ احد پر روانہ ہونے لگے تو جبیر بن مطعم نے مجھ سے کہا کہ "اگر تم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حمزہ رضی اللہ عنہ کو میرے چچا کے بدلے میں قتل کر دو تو تم آزاد ہو۔"

وحشی بن حرب کا بیان ہے کہ میں بھی اس پیش کش کے نتیجے میں قریش کے لشکر کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ میں دوسرے حبشیوں کی طرح حربہ پھینکنے میں نہایت ماہر تھا۔ میرا نشانہ کم ہی چوکتا تھا۔ جب عام جنگ چھڑی تو میری نگاہیں حمزہ رضی اللہ عنہ کو تلاش کرنے لگیں۔ آخر کار میں نے انہیں لوگوں کے ہجوم میں دیکھ لیا۔ وہ لوگوں کو درہم برہم کرتے جا رہے تھے۔ ان کے سامنے کوئی چیز نہیں ٹھہر رہی تھی۔ میں ان پر وار کرنے کے لیے تیار ہو رہا تھا، ایک درخت یا پتھر کی اوٹ میں چھپ کر انہیں قریب آنے کا موقع دے رہا تھا کہ اتنے میں سباع بن عبدالعزیٰ مجھ سے آگے بڑھ کر ان کے پاس جا پہنچا اور ان کی تیغ آبدار کا لقمہ بن گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اسے اس زور سے تلوار ماری کہ گویا اس کا سر تھا ہی نہیں۔

وحشی کا بیان ہے کہ میں نے اس کے ساتھ ہی اپنا نیزہ اس زور سے انہیں مارا کہ ان کی ناف کے نیچے لگا اور دونوں پاؤں کے درمیان سے پار ہو گیا۔ انہوں نے مجھے پکڑنا چاہا لیکن وہ نڈھال ہو کر گر پڑے۔ میں نے انہیں اسی حال میں چھوڑ دیا۔ یہاں تک کہ ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ اس کے بعد میں نے ان کے پاس جا کر اپنا نیزہ نکال لیا۔ اب میں لشکر میں واپس جا کر بیٹھ گیا کیونکہ میرا کام ختم ہو گیا تھا۔ مجھے اس کے سوا اور کسی سے کوئی سروکار نہ تھا۔ میں نے انہیں صرف اپنی آزادی کے لیے قتل کیا تھا چنانچہ جب میں مکہ آیا تو مجھے آزادی مل گئی۔ (سیرۃ ابن ہشام: ۲/۷۲، بخاری: ۲/۵۸۳، فتح الباری: ۷/۲۸۲)

فتح مکہ کے بعد وفد طائف کے ساتھ وحشی بن حرب بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ لوگوں نے اسے دیکھ کر عرض کی "یا رسول اللہ! یہ وحشی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عم محترم سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا قاتل ہے۔" رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا:

"اس کو چھوڑ دو۔ ایک شخص کا مسلمان ہونا میرے نزدیک ہزار قاتلوں کے قتل سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہے۔"

وحشی نے اسلام قبول کر لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے فرمایا کہ جب میری مجلس میں آیا

Marfat.com

کرو تو اگر ہو سکے تو میرے سامنے نہ بیٹھا کرو کیونکہ تمہیں دیکھ کر مجھے میرا چچا حمزہ رضی اللہ عنہ یاد آ جاتا ہے اور اس کے صدمہ کا زخم ہرا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ وحشی جب بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو بجائے سامنے بیٹھنے کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت کے پیچھے بیٹھتے تھے۔ اور ہمیشہ اس فکر میں رہے کہ اس جرم کا کوئی کفارہ ادا کروں۔ چنانچہ جنگ یمامہ میں انہوں نے اسی نیزہ سے مسیلمہ کذاب کو مار کر جہنم رسید کیا۔ اس طرح ایک خیر الناس کے قتل کی شر الناس کے قتل سے مکافات کی۔ (فتح الباری: ۷/۲۸۴، ابن ہشام: ۲/۷۲۔۷۳)

غسیل الملائکہ:

ان جان فروش مجاہدین میں جنہوں نے صفحہ دہر پر بہادری اور پامردی کے نقش ثبت کیے، ایک سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ بھی تھے جنہیں "غسیل الملائکہ" بھی کہا جاتا ہے۔ یہ ابو عامر راہب جو اسی میدان احد میں سب سے پہلے میدان میں آیا تھا اور جس کا ذکر گذشتہ صفحات میں گزر چکا ہے، کے بیٹے تھے۔ قدرت خداوندی کا یہ عجیب کرشمہ ہے کہ باپ فاسق اور بیٹا غسیل الملائکہ، باپ کافر اور بیٹا مجاہد۔

سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ نوجوان مجاہد تھے۔ ابھی نئی نئی شادی ہوئی تھی، بیوی سے ہم آغوش تھے کہ جنگ کی منادی ہوئی۔ آواز سنتے ہی آغوش سے نکل کر میدان جہاد میں چلے آئے۔ میدان جنگ میں باپ جب سب سے پہلے آیا تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے باپ پر حملہ کی اجازت چاہی لیکن رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت نہ دی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گوارا نہ کیا کہ بیٹا باپ پر تلوار اٹھائے۔ (سیرۃ حلبیہ: ۲/۲۶۶)

جب لڑائی کی آگ ہر طرف بھڑک اٹھی تو آپ صفوں کو چیرتے ہوئے مشرکین کے قائد اور سپہ سالار ابو سفیان تک جا پہنچے اور قریب تھا کہ تلوار ابو سفیان کو افسانہ ماضی بنا دیتی۔ دفعتاً شداد بن اسود نے جھپٹ کر سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ پر حملہ کر کے ان کو شہید کر دیا۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "میں نے ملائکہ کو دیکھا کہ حنظلہ کو ابر کے پانی سے چاندی کے برتنوں میں غسل دے رہے ہیں۔" بیوی سے پوچھا گیا تو پتہ چلا کہ حالت جنابت ہی میں جہاد کے لیے میدان جنگ میں آ گئے تھے، غسل کا موقع نہیں ملا۔ (خصائص کبریٰ: ۱/۲۱۶)

ایک روایت میں ہے کہ لڑائی ختم ہونے کے بعد جب ان کی لاش تلاش کی گئی تو سر سے پانی ٹپکتا ہوا پایا گیا۔ (روض الانف سہیلی: ۱/۱۳۳، البدایہ والنہایہ: ۴/۲۱)

Marfat.com

عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ کا شوق شہادت:

سیدنا عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ لنگڑے تھے۔ اس وجہ سے ان کا چلنا پھرنا مشکل تھا۔ ان کے چار صاحبزادے تھے جو شیر کی طرح بہادر تھے۔ غزوہ احد کے موقع پر بچوں نے انہیں منع کیا کہ آپ معذور ہیں لہٰذا جنگ میں تشریف نہ لے جائیں بلکہ گھر پر ہی رہیں۔ لیکن ان کے قلب میں شہادت کا جذبہ جوش مار رہا تھا۔ فوراً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! میں اگرچہ لنگڑا ہوں لیکن آپ پر قربان ہونے کے لیے تو میدان جہاد میں جا سکتا ہوں۔ کیا پتہ کہ اپنے اس لنگڑے پاؤں سے جنت میں پہنچ جاؤں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں تو یہ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر جہاد فرض ہی نہیں کیا کیونکہ آپ معذور ہیں، لیکن ان کے صاحبزادوں سے فرمایا کہ بڑے میاں اگر شوق پورا کرنا چاہتے ہیں تو آپ کیوں روکتے ہیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمانے کے بعد بھی ان سے نہ رہا گیا اور شوق شہادت کی تکمیل کی۔ (سیرۃ ابن ہشام: ۲/۹۰)

بنی عبدالاشہل کا ایک نوجوان عمرو بن ثابت جس کو ''اصیرم'' کہا کرتے تھے، کے سامنے اسلام کا تذکرہ ہوا تو اس نے دعوت اسلام کو قبول نہ کیا۔ اس کے قبیلہ کے لوگ مشرکین کے لشکر کے ساتھ میدان احد میں آئے اور یہ اکیلا ہی اپنے قبیلہ میں رہ گیا۔ جس روز یہ جنگ ہوئی، خدا جانے کیا ہوا اس کے دل میں ایک جذبہ ابھرا۔ اس نے اسلام کی دعوت پر لبیک کہہ کر میدان احد کا رخ کیا۔ یہاں آ کر دیکھا کہ زور کا رن پڑا ہوا ہے۔ وہ بھی تلوار لے کر دشمنان اسلام کے مقابلہ میں نکلا۔ کئی کافروں کو مارا۔ بالآخر خود زخمی ہو کر گر پڑا۔ قبیلہ کے لوگوں نے دیکھا کہ زخموں سے چور دم توڑ رہا ہے۔ قبیلہ کے لوگوں نے پوچھا: میدان میں کیوں آئے؟ کب آئے؟ ہماری حمایت میں آئے یا مسلمانوں کی حمایت میں؟ جواب دیا کہ میں مسلمان ہو کر اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فدائی اور جان نثار بن کر اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر رہا ہوں۔ چنانچہ وہ شہید ہو گئے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''یہ جنتی ہے۔'' (انه لمن اهل الجنه)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ لوگوں سے ایک دلچسپ سوال کیا کرتے تھے کہ ایسے شخص کا نام بتاؤ جس نے ایک نماز بھی نہیں پڑھی اور جنت میں پہنچ گیا۔ لوگ پوچھتے کہ وہ کون ہے؟ فرماتے: ''اصیرم'' عمرو بن ثابت رضی اللہ عنہ۔ (ابن ہشام: ۲/۹۰، البدایہ والنہایہ: ۴/۳۷)

Marfat.com

بنو ثعلبہ بن غیطون کا ایک یہودی مخریق اپنے قبیلے کا ایک اچھا اور مشہور آدمی تھا۔ مشرکین مکہ کی مسلمانوں سے یہ جنگ ہوئی تو اس میں بھی جوش پیدا ہو گیا۔ اس نے اپنے قبیلہ کے یہودیوں کو کہا: تم اچھی طرح جانتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امداد و اعانت ہم سب پر لازم ہے۔ یہودیوں نے کہا کہ آج ہفتہ کا دن ہے۔ اس دن جنگ درست نہیں۔ مخریق نے کہا کہ جب حق کی مدد ضروری ہے تو پھر دن کی کوئی پابندی نہیں۔ یہودیوں کی طرف سے انکار سن کر وہ اکیلا ہی تلوار لے کر گیا اور ساتھیوں سے کہہ گیا کہ اگر میں جنگ میں مارا جاؤں تو میرا تمام ترکہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دے دینا۔ میدان جنگ میں جا کر مارا گیا۔ پھر اس کی تمام جائیداد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے کر دی گئی۔ یہ سات باغ تھے۔ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سب کو وقف فرما دیا اور فرمایا: ''مخریق یہودیوں میں سب سے بہتر تھا۔'' (البدایہ والنہایہ: ۴/۳۶، ابن ہشام: ۲/۸۸-۸۹)

تیر اندازوں کی بہادری:

پہاڑ کے جس درہ پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی زیر کمان جن پچاس تیر اندازوں کو متعین فرمایا تھا انہوں نے اپنی بہادری کے پورے پورے جوہر دکھائے۔ انہوں نے بھی مشرکین کی ہزیمت میں اپنا اہم پارٹ ادا کیا۔ مکہ کے شہ سواروں نے خالد بن ولید کی زیر قیادت اور ابو عامر فاسق کی مدد سے اسلامی فوج کا میسرہ توڑ کر مسلمانوں کی پشت تک پہنچنے کے لیے تین دفعہ پر زور حملے کیے لیکن درہ پر متعین تیر اندازوں نے انہیں اس طرح تیروں کی بارش سے چھلنی کر دیا اور ان کے تینوں حملے اس بری طرح ناکام کر دیے کہ انہیں پھر ادھر سے حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

مجاہدین اسلام سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ، سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ، سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ، سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ، سیدنا سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ، سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ، سیدنا نضر بن انس رضی اللہ عنہ، سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے میدان جنگ میں ایسی جوانمری اور پامردی اور جانبازی سے یہ لڑائی لڑی کہ مشرکین کے حوصلے ٹوٹ گئے اور ان کی ہمت جواب دے گئی۔ مسلمانوں کی تعداد اگرچہ سات سو تھی اور مشرکین کی تین ہزار۔ مشرکین کے پاس سواری اور اسلحہ بھی مسلمانوں سے بہت زیادہ تھا، لیکن ایمان و یقین کی دولت سے مشرکین یکسر محروم تھے جس کی وجہ سے اگرچہ انہوں نے بدلہ و انتقام اور غرور و وقار کی بحالی کے لیے نہایت پامردی اور بہادری سے

Marfat.com

جنگ لڑی لیکن مسلمانوں کی روحانی معنوی طاقت کا وہ مقابلہ نہ کر سکے۔ علماء نے کہا ہے کہ غزوہ احد میں مسلمانوں کی فتح ان کی حربی قابلیت کا وہ ناقابل انکار معجزہ ہے جس میں امام الانبیاء ﷺ کی جنگی مہارت کو بھی بہت بڑا دخل ہے۔ آپ ﷺ نے مسلمانوں کے ایسے دستہ کو درہ کے ناکہ پر متعین فرمادیا جس کا ایک ایک فرد تیراندازی میں بے مثل تھا۔ علاوہ ازیں مشرکین کی کثرت کے مقابلہ میں مسلمانوں میں قلت کے باوجود جو سب سے بڑی طاقت تھی وہ تھی فکر صحیح، خدائے برتر پر ایمان و یقین کا عقیدہ۔ فکر صحیح اور اللہ تعالیٰ پر پختہ عقیدہ رکھنے والے لوگ اگر قلیل سے قلیل تعداد میں بھی ہوں تب بھی ان پر غالب آنا مشکل اور ناممکن ہے۔ اسی وجہ سے سات سو مسلمانوں نے تین ہزار سے زائد مشرکین کا منہ پھیر کر رکھ دیا۔

مسلمانوں کی جوانمردی اور مشرکین کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کی وجہ سے دشمن کے علم بردار قتل ہو گئے، علم گر چکا، جتھے ٹوٹ گئے، میدان خالی ہو گیا۔ چنانچہ محمد ابن اسحاق کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر مدد نازل فرمائی اور ان سے اپنا وعدہ پورا کیا اور مسلمانوں کی تلواروں نے مشرکین کے سروں کی ایسی فصل کاٹی کہ وہ کیمپ سے بھی پرے بھاگ گئے۔ مسلمان ان کا تعاقب کرتے ہوئے ان کے خیموں تک پہنچ گئے اور سرکار دو عالم ﷺ کے پاس صرف چند حضرات رہ گئے جو حفاظت کی غرض سے آپ ﷺ کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کے والد سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خدا کی قسم میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ اور اس کی ساتھی عورتوں کی پنڈلیاں نظر آ رہی تھیں۔ وہ کپڑے اٹھائے بھاگی جا رہی تھیں۔ ان کی گرفتاری میں کوئی شے بھی حائل نہ تھی۔ (سیرۃ ابن ہشام: ۲/۷۷)

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب مشرکین مکہ سے ہماری مڈھ بھیڑ ہوئی تو مشرکین میں بھگدڑ مچ گئی یہاں تک کہ میں نے عورتوں کو دیکھا کہ اپنی پنڈلیوں سے کپڑے اٹھائے ہوئے تیزی سے بھاگ رہی تھیں اور ان کی پازیبیں دکھائی دے رہی تھیں۔
(بخاری: ۲/۵۷۹)

کچھ مسلمان بھاگتے دشمن کے تعاقب میں تھے اور کچھ اس کا مال اکٹھا کر رہے تھے۔ دشمن کو کافی دور تک چھوڑ کر تعاقب کرنے والے بھی واپس آ کر مال غنیمت اکٹھا کرنے میں مصروف ہو گئے۔

Marfat.com

ایک خوفناک غلطی:

عین اس وقت جب کہ اسلامی لشکر فتح ونصرت سے ہمکنار ہو کر دنیا کی تاریخ کے اوراق پر اپنی تابناک فتح کے نقش ثبت کر رہا تھا، درہ پر متعین تیر انداز دستہ کی اکثریت نے ایسی خوفناک غلطی کی جس نے ان کی فتح کو شکست میں تبدیل کر کے رکھ دیا اور اسلامی لشکر کا اتنا نقصان اور قائد اسلام کو اس قدر تکلیف پہنچی جو ناقابل بیان ہے اور مسلمانوں کی وہ ہیبت اور دبدبہ جو جنگ بدر کی فتح کے نتیجہ میں حاصل ہوا تھا کافی حد تک جاتا رہا۔

ہوا یہ کہ وہ پچاس تیر انداز جن کو جبل رماۃ پر متعین کیا گیا تھا؟ انہوں نے جب دشمن کے بھاگ جانے کے بعد میدان جنگ پر نظر ڈالی تو انہیں وہاں ایک عجیب نقشہ نظر آیا۔ دشمن کا علم فرش خاک پر گرا ہوا تھا اور اس کے ارد گرد علم برداروں کی لاشوں کا ڈھیر تھا۔ قریش کے بہادر اور سورما سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ رہے تھے اور مسلمان ان کے تعاقب میں تھے۔ میدان بالکل خالی تھا۔ جوش دلانے والی عورتیں بھی پہاڑوں اور ٹیلوں پر اپنی جانیں بچانے کے لیے چڑھی ہوئی تھیں۔ مسلمان دشمن کے اصطبل تک پہنچ چکے تھے اور فتح و کامیابی نے ان کے پاؤں چھو لیے تھے۔ تیر اندازوں کا دستہ اس نقشہ کو دیکھ کر نہایت خوش ہوا۔

اس دستہ کی اکثریت نے جب دیکھا کہ مسلمان غنیم کا مال اکٹھا کرنے میں مصروف ہو گئے ہیں اور اب فتح کے بارے میں بالکل مطمئن ہیں تو انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ ہمیں بھی آگے بڑھ کر اس کام میں حصہ لینا چاہیے۔ کیونکہ اب ہم اس درہ کی ڈیوٹی سے فارغ ہیں وہ پیغمبر اسلام ﷺ کے اس تاکیدی فرمان کو بھول گئے جو سرکار مدینہ ﷺ نے انہیں یہاں مقرر کرتے وقت فرمایا تھا کہ جیتیں یا ہاریں تم اپنی جگہ پر رہنا۔ (ابن ہشام: ۲/ ۵۶۔۶۶)

ہماری پشت کی جانب سے حفاظت کرنا۔ دیکھو کہ ہم مارے جا رہے ہیں تو ہماری مدد کو نہ آنا اور اگر دیکھو کہ ہم مال غنیمت سمیٹ رہے ہیں تو ہمارے ساتھ شریک نہ ہونا۔ (فتح الباری: ۷/ ۳۵۰)

امیر دستہ سیدنا عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے سمجھایا کہ ہمیں حضور ﷺ کی ہدایت پر عمل کرنا چاہیے اور اس درہ کو اس وقت تک نہ چھوڑیں جب تک کہ حضور ﷺ کا واضح فرمان ہمیں نہ مل جائے، لیکن اکثریت کی رائے یہ تھی کہ اب یہاں ڈٹے رہنا بے معنی ہے۔ چنانچہ اکثریت نے اس درہ کو چھوڑ دیا اور نیچے آ کر مال غنیمت کو سمیٹنا شروع کر دیا۔ صرف چند حضرات جن کی تعداد نو بتائی جاتی ہے۔ عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہاں رہے۔ قرآن حکیم نے ان کو بڑا خراج تحسین پیش کیا ہے:

Marfat.com

﴿منکم من یرید الآخرۃ﴾

''تم میں وہ بھی تھے جو آخرت کے خواہاں تھے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درہ چھوڑنے والی یہ خوفناک غلطی کوئی پیغمبر اسلام کی نافرمانی کرنے کے لیے نہیں کی گئی تھی۔ وہ اپنی سمجھ کے مطابق اپنی ڈیوٹی انجام دے چکے تھے اور مورچہ سے ہٹنے کے بعد بھی وہ جہاد میں مصروف تھے کیونکہ دشمن کو نقصان پہنچانے اور اس کو ذلیل کرنے کی ایک شکل یہ بھی تھی۔ اس وجہ سے مال غنیمت کی فراہمی اور اس کا سمیٹنا خود غرضی یا نفع اندوزی نہیں بلکہ یہ بھی جہاد فنڈ کے لیے ایک خدمت ہے۔ لیکن قرآن حکیم نے ان لوگوں کے بارے میں جو ریمارکس دیئے وہ یہ ہیں:

﴿منکم من یرید الدنیا﴾

''تم میں کچھ وہ بھی ہیں جو دنیا چاہتے ہیں۔''

کیونکہ اس کام کی ظاہری صورت ایسی تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ دنیوی خواہش اس خوفناک غلطی کا سبب بنی ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دامن تقدس کے لیے یہ بھی زیب نہیں دیتا کہ دنیا طلبی کا ظاہری دھبہ بھی اس کی کسی شکن پر پڑے۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں کی پاکیزگی نے سند معافی بھی حاصل کر لی کہ

﴿ولقد عفا عنکم، واللہ ذو فضل علی المومنین﴾

''بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں معاف کر دیا اور اللہ تعالیٰ مومنوں کے لیے بڑا ہی فضل کرنے والا ہے۔''

درہ کا مورچہ چھوڑنے والے مجاہدین کو اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ وہ کتنی بڑی خوفناک غلطی کر رہے ہیں۔ اور انہیں اس بات کا بھی اس وقت احساس نہیں تھا کہ دشمن کی فوج کو جو پانچ سو کلومیٹر سے لڑنے کے لیے آئی ہے، ایسے جرنیل بھی میسر ہیں جو اپنی عقابی نگاہوں سے تحت الثریٰ اور پاتال کی چیزیں بھی دیکھ لیتے ہیں۔ اور اپنی ماہرانہ جنگی تدبیروں سے اپنے حریف کی فتح کو شکست میں تبدیل کر سکتے ہیں۔ خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابی جہل دشمنوں کی فوج کے عقابی نظر رکھنے والے ماہر کمانڈر تھے۔ دوران جنگ بھی انہوں نے تین بار اس مورچہ پر حملہ کیا لیکن نقصان اٹھانا پڑا۔ قریشی لشکر کے بھاگتے ہوئے بھی خالد بن ولید نے اس مورچہ پر نظر ڈالی تو دیکھا یہ کمزور ہو چکا ہے۔ انہوں نے مورچہ کی کمزوری سے فائدہ اٹھایا اور سواروں کے دستہ کے ساتھ پہاڑ کے پیچھے سے اس مورچہ پر حملہ کر دیا۔ صرف دس مجاہدین (ایک روایت

Marfat.com

کے مطابق سات) وہاں موجود تھے۔ انہوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن کب تک؟ دشمن ان کی لاشوں کو پھلانگتا ہوا آگے بڑھا اور دندناتا ہوا منتشر مسلمانوں کے سروں پر پہنچ گیا جو دشمن کی آمد سے بے خبر اس کے مال کو اکٹھا کر رہے تھے۔

یہ دستہ شیرازہ بند تھا اور مسلمان منتشر اور پراگندہ حال، صفیں ٹوٹی ہوئی، پاپیادہ لیکن دشمن گھوڑوں پر سوار۔ دشمن کے اس دستہ نے ایسا یک بارگی حملہ کیا کہ مسلمانوں کے اوسان خطا ہو گئے۔ قریش کی ایک بہادر خاتون عمرہ بنت علقمہ نے زمین پر گرا ہوا جھنڈا اٹھا کر بلند کیا۔ میدان میں موجود تمام قریشی اس کے گرد جمع ہو گئے۔ اور فوج کی بڑی تعداد جو بھاگی جا رہی تھی اس کو آواز دینے لگے۔ وہ بھی پلٹ کر اس جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئی۔ پہلے مسلمان جتھہ بند تھے۔ صفیں اس طرح قائم کی گئی تھیں کہ ایک ناقابل تسخیر اور مضبوط حصار کی شکل پیدا ہو گئی تھی۔ مگر اب مسلمانوں کی حالت یہ تھی کہ قلیل بھی تھے اور منتشر بھی۔ اور دشمن کی فوج میں بری طرح پھنسے ہوئے بھی۔ سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ جب یہ واقعہ بیان فرمایا کرتے تھے تو دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسری میں پھنسا کر سمجھایا کرتے کہ مسلمان اس طرح مشرکین کی فوج کے جال میں پھنس گئے تھے۔ (البدایہ والنہایہ: ۴/۲۴)

دشمن جب واپس پلٹا تو اس کے اونٹوں اور گھوڑوں کے پاؤں سے ایسا گرد و غبار اٹھا کہ فضا مکدر ہو گئی۔ گرد و غبار کی اس کثرت نے نہ صرف چہروں کو مشتبہ کر دیا بلکہ فضا کو بھی اس قدر تاریک کر دیا کہ ایک دوسرے کی پہچان نہایت مشکل ہو گئی۔ چنانچہ اسی کشمکش میں سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد "یمان" خود مسلمانوں کی نرغہ میں آ گئے۔ ان پر تلواریں برس پڑیں۔ کوئی جانتا نہیں تھا کہ یہ کون ہیں؟ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ چلائے کہ میرے والد ہیں، لیکن ان کی کسی نے نہ سنی اور یمان شہید ہو گئے۔ مسلمانوں کو جب پتہ چلا کہ یہ مرنے والا سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کے باپ تھے تو بہت نادم ہوئے لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کو بھی شکایت کا موقع نہ تھا کیونکہ یہ کام افراتفری میں ہوا تھا۔ لہٰذا انہیں یہی کہنا پڑا:

یغفر اللہ لکم، وھو ارحم الراحمین.

"اللہ تعالیٰ تمہیں معاف فرمائے۔ وہ سب سے زیادہ مہربان ہے۔"

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیت دینے کا ارادہ فرمایا لیکن سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے دیت بھی معاف کر دی۔ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کے اس ایثار کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت پسند فرمایا۔ (فتح الباری: ۷/۲۹۱، زرقانی: ۲/۳۲، سیرۃ ابن ہشام: ۲/۸۷)

Marfat.com

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کے لیے مغالطہ کا ایک سبب یہ بھی ہوا کہ سیدنا یمان رضی اللہ عنہ کی میدان احد میں آمد خلاف توقع تھی۔ یہ بہت بوڑھے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو اور ثابت بن وقش رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ ہی میں عورتوں اور بچوں کی دیکھ بھال کے لیے چھوڑ آئے تھے، مگر پھر بھی ان دونوں حضرات کو جہاد میں شرکت کا شوق پیدا ہوا۔ یہ دونوں مدینہ طیبہ سے میدان احد کی جانب روانہ ہوئے لیکن راستہ وہ اختیار کیا جو مشرکین کے لشکر کی جانب سے آتا تھا۔ مسلمانوں کو اول تو ان کے آنے کی توقع نہیں تھی دوسرے ان کا آنا بھی مشرکین کے لشکر کی جانب سے ہوا تھا۔ (البدایہ والنہایہ: ۴/۳۳، فتح الباری: ۷/۲۹۱، سیرۃ ابن ہشام: ۲/۷۸)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب غنیم کا مال سمیٹ رہے تھے، اس وقت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف نو صحابہ (سات انصار اور دو مہاجر، مسلم: ۳/۱۰۷) کے ساتھ پیچھے تشریف فرما تھے اور مسلمانوں کی مال غنیمت کے سمیٹنے کی کارروائی دیکھ رہے تھے کہ آپ کو اچانک خالد بن ولید اور ان کے شہسوار آتے دکھائی دیے۔ ایسے نازک وقت میں آپ کے سامنے صرف دو راستے تھے۔ ایک یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ان نو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ تیزی سے بھاگ کر کسی محفوظ جگہ پر چلے جائیں اور اپنے لشکر کو جواب دشمن کے نرغہ میں آیا ہی چاہتا تھا، اس کے حال پر چھوڑ دیں اور دوسرا راستہ نہایت خطرناک تھا وہ یہ کہ اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بلائیں اور ان کی ایک معتدبہ تعداد اپنے گرد جمع کر کے ایک مضبوط محاذ تشکیل دیں اور اس کے ذریعہ مشرکین کا حصار توڑ کر اپنے لشکر کو پہاڑ کی بلندی کی طرف لے جائیں اور اس طرح اپنی اور لشکر کی حفاظت کریں۔ اس نازک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسرے راستے کو اپنایا اور اپنی عسکری عبقریت اور بے نظیر شجاعت کو بروئے کار لا کر اپنی جان بچا کر بھاگنے کے بجائے اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جانوں کو بچانے کا فیصلہ فرمایا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جونہی خالد بن ولید اور ان کے شہ سواروں کو دیکھا تو اسی وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بلند آواز سے پکارا: ''اللہ کے بندو! ادھر آؤ'' حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بخوبی جانتے تھے کہ یہ آواز مسلمانوں سے پہلے کافروں تک پہنچ جائے گی اور ہوا بھی یہی۔ چنانچہ جونہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو اپنی طرف آنے کے لیے پکارا، مشرکین کو معلوم ہو گیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہاں ہیں۔ مسلمانوں کے وہاں تک پہنچنے سے پہلے کافروں کا ایک دستہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچ گیا اور دوسرے قریشی سواروں نے نہایت تیزی کے ساتھ مسلمانوں کے گرد محاصرہ کرنا شروع کر دیا تا کہ وہ اپنے سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد جمع ہو کر پھر کہیں مضبوط محاذ تشکیل نہ دے لیں۔

Marfat.com

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دشمنوں کے نرغہ میں:

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب مسلمانوں کو پکارا تو وہ آواز کافروں نے بھی سنی اور چند مسلمانوں نے بھی اس کو سنا۔ مسلمانوں سے پہلے کافر اس نور الٰہی کو بجھانے کے لیے آگے بڑھے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حملہ کر دیا۔ عبداللہ بن قمیہ جو قریش کا مشہور پہلوان تھا، آپ کے اس قدر قریب پہنچ گیا کہ اس نے تلوار سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حملہ کر دیا۔ اسلام کی بہادر خاتون ام عمارہ مازینہ رضی اللہ عنہا سامنے آ گئیں۔ تلوار ان کے شانے پر پڑی۔ زخم نہایت گہرا ہو گیا اور مندمل ہونے کے بعد بھی وہاں ایک گڑھا بن گیا۔ سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے بھی تلوار کا جواب تلوار سے دیا، لیکن وہ زرہ پہنے ہوئے تھا لہٰذا اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔

محمد ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا مشکیزہ لے کر پانی پلانے آئی تھیں۔ تلوار بھی ہاتھ میں تھی۔ جب میدان جنگ میں مسلمانوں کا یہ انتشار دیکھا تو یہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کرنے لگیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کرتے ہوئے بارہ زخم آئے تھے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تحسین و تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ میں جب بھی دائیں بائیں نظر ڈالتا رہا، ام عمارہ رضی اللہ عنہا کو دیکھتا رہا کہ وہ مقابلہ کر رہی ہیں۔ ان کے شوہر نامدار سیدنا زید بن عاصم رضی اللہ عنہ اور دو لخت جگر خبیب رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بھی اس معرکہ میں شریک تھے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ام عمارہ رضی اللہ عنہا کی بہادری اور جانثاری دیکھ کر دعا دی **رحمکم اللہ اھل البیت**۔ یا فرمایا **بارک اللہ فیکم اھل البیت**۔ سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ یہ دعا فرمائیے کہ جنت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت میسر آئے۔ آپ نے دعا فرمائی **اللھم اجعلھم رفقائی فی الجنۃ**۔ سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے یہ دعا سنی تو جھومنے لگیں اور فرمایا ''اب دنیا کی کوئی مصیبت آئے مجھے پروا نہیں۔'' (رضی اللہ عنہا)

(سیرۃ ابن ہشام: ۲/ ۸۱-۸۲، سیرۃ حلبیہ: ۲/ ۲۵۵)

عبداللہ بن قمیہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دائیں جانب پسلیوں پر اس زور سے تلوار ماری کہ اگر دو آہنی زرہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اطہر پر نہ ہوتیں تو بہت گہرا زخم ہو جاتا لیکن اب زرہوں کی وجہ سے زخم تو نہ ہوا لیکن دکھن قریباً ایک ماہ تک باقی رہی۔

(طبقات ابن سعد: ۳/ ۲۹، سیرۃ حلبیہ: ۲/ ۲۵۸)

اس کے بعد اس نے پہلے کی طرح پھر ایک زوردار تلوار ماری جو آنکھ سے نیچے ابھری

Marfat.com

ہوئی ہڈی پر لگی اور اس کی وجہ سے خود کی دو کڑیاں چہرہ مبارک کے اندر دھنس گئیں۔ اس کے ساتھ ہی اس نے کہا: "خذھا وانا ابن قمیئۃ" اسے لے، میں قمیئہ (توڑنے والے) کا بیٹا ہوں۔ سرکار دو عالم ﷺ نے رخ انور سے خون پونچھتے ہوئے فرمایا: "اللہ تجھے توڑ ڈالے۔" (اقماک اللہ)

اللہ تعالیٰ نے سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا سن لی۔ چنانچہ ابن قمیئہ جنگ سے گھر واپس جانے کے بعد اپنی بکریوں کو دیکھنے کے لیے نکلا تو اسے یہ بکریاں پہاڑ کی چوٹی پر ملیں۔ یہ بے ایمان انہیں لینے کے لیے پہاڑ کی چوٹی پر پہنچا تو ایک پہاڑی بکری نے حملہ کر دیا اور سینگ مار مار کر اس کو پہاڑ کی چوٹی سے نیچے پھینک دیا۔ (فتح الباری: ۷/۳۷۲)

طبرانی کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر ایک پہاڑی بکرا مسلط کر دیا جس نے سینگ مار مار کر اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ (فتح الباری: ۷/۳۶۶، زرقانی: ۲/۴۸)

امام مسلم نے اپنی صحیح میں سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ غزوہ احد کے روز سرور کائنات ﷺ کے نو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن میں سات انصار اور دو مہاجر تھے، الگ رہ گئے تھے۔ جب مشرکین کے لشکر نے پلٹ کر اسلام فوج پر حملہ کیا تو وہ آپ ﷺ کے بالکل قریب پہنچ گئے۔ آپ ﷺ نے آواز دی کہ کون ہے جوان کو ہم سے دفع کرے اور اس کے لیے جنت ہے یا آپ ﷺ نے یہ فرمایا وہ جنت میں میرا رفیق اور ساتھی ہوگا۔ یہ سننا تھا کہ ایک انصاری صحابی آگے بڑھے اور آپ ﷺ کی حفاظت کرتے کرتے جام شہادت نوش فرمایا۔ اس کے بعد مشرکین پھر آپ ﷺ کے قریب آگئے۔ اور پھر یہی ہوا۔ اسی طرح باری باری ساتوں انصاری شہید ہو گئے۔ (مسلم: ۲/۱۰۷، باب غزوۃ احد، البدایہ والنہایہ: ۴/۲۶)

ان ساتوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے آخری صحابی سیدنا زیاد بن السکن رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ کافی دیر تک لڑتے رہے یہاں تک کہ زخموں سے چور ہو کر گر پڑے۔ محمد ابن اسحاق کا بیان ہے کہ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد رسول اللہ ﷺ کے پاس صحابہ کی ایک جماعت آ گئی۔ انہوں نے مشرکین کو پیچھے دھکیلا اور زیاد بن السکن رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کے قریب لے آئے۔ کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اس کو میرے قریب لاؤ۔ آپ ﷺ نے انہیں اپنے پاؤں پر ٹیک لیا اور انہوں نے اسی حالت میں اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی کہ ان کا رخسار امام الانبیاء ﷺ کے قدموں پر تھا۔ (سیرۃ ابن ہشام: ۲/۸۱)

زیاد بن السکن رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اب صرف دو مہاجر طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ اور

Marfat.com

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس رہ گئے۔ (بخاری: ۱/ ۵۲۷، ۲/ ۵۸۱)

یہ موقع آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے لیے نہایت نازک موقع تھا جبکہ مشرکین کے لیے انتہائی سنہری تھا اور حقیقت یہ ہے کہ مشرکین نے اس سنہری موقع سے فائدہ اٹھانے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ چنانچہ انہوں نے پے در پے تابڑ توڑ حملے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس پر شروع کیے۔ اب پوری جنگ کا مرکز ثقل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات تھی۔ مشرکین کی خواہش یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کام تمام کردیں۔ (معاذ اللہ) لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی خواہش کی تکمیل نہ ہونے دی۔

بعض روایات میں ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو لوگوں کو آواز دی الی عباداللہ۔ (اللہ کے بندو! ادھر میری طرف آؤ) اس وقت تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے۔ (ابن جریر بحوالہ البدایہ والنہایہ: ۴/ ۲۳) لیکن جب دشمن کا دباؤ بڑھا تو اس ریلے میں یہ حضرات بھی جدا ہو گئے اور ایک درجن یا اس سے بھی کم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہ گئے۔ دشمن کا سارا زور اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف تھا۔ اس لیے صحابہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بچھڑتے تھے اور پھر اس مرکز رحمت و رافت سے قریب ہونے کی کوشش کرتے تھے۔ اس وجہ سے یہ تعداد گھٹتی بڑھتی رہی۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ گیارہ انصار اور ایک مہاجر (سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ) باقی رہ گئے۔ ابن سعد نے چودہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام دیئے ہیں جن میں سات مہاجر اور سات انصار تھے۔ مہاجرین میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ، زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ، ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ اور انصار میں ابودجانہ رضی اللہ عنہ، حباب بن منذر رضی اللہ عنہ، عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ، حارث بن ابن ضمہ رضی اللہ عنہ، سہیل بن حنیف رضی اللہ عنہ، سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ، اسید بن حضیر (رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ تھے۔) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس گھمسان میں مختلف صورتیں پیدا ہوتی رہیں اس لیے تعداد کا فرق روایات میں موجود ہے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتح الباری: ۷/ ۲۷۸، زرقانی: ۲/ ۳۵، سیرۃ ابن ہشام: ۴/ ۷۷)

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بھائی عتبہ بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایک پتھر پھینکا جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلو کے بل گر گئے اور نیچے کے دو رباعی دانت ٹوٹ گئے اور نچلا ہونٹ بھی بری طرح زخمی ہو گیا۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس وجہ سے میں اپنے بھائی عتبہ کے قتل کا اتنا خواہش مند رہا کہ کسی اور شخص کے قتل کا خواہش مند نہیں ہوا۔

(فتح الباری: ۷/ ۲۸۱، زرقانی: ۲/ ۳۷)

Marfat.com

عبداللہ بن شہاب زہری کا پتھر پیشانی مبارک پر لگا جس نے اسے زخمی کر دیا۔

بخاری میں ہے کہ جب آپ ﷺ کے رباعی دانت توڑ دیئے گئے اور سر مبارک زخمی کر دیا گیا تو اس وقت آپ ﷺ اپنے رخ انور پر سے ایک کپڑے سے خون پونچھتے جا رہے تھے اور یہ فرماتے جا رہے تھے "وہ قوم کیسے فلاح پا سکتی ہے جس نے اپنے نبی کے چہرے کو زخمی کر دیا؟" اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿لیس لک من الامر شئی، اویتوب علیھم، او یعذبھم فانھم ظالمون﴾ (۳:۱۲۸)

"آپ کو کوئی اختیار نہیں، اللہ چاہے تو انہیں توبہ کی توفیق دے اور چاہے تو عذاب دے کیونکہ وہ ظالم ہیں۔" (بخاری: ۲/۵۸۲، مسلم: ۲/۱۰۸)

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے اس روز فرمایا: اس قوم پر اللہ تعالیٰ کا سخت عذاب ہوگا جس نے اپنے پیغمبر کا چہرہ خون آلود کیا۔ پھر فرمایا:

((اللھم اغفر لقومی فانھم لا یعلمون))

"اے اللہ! میری قوم کو معاف کرنا کیونکہ وہ مجھ سے ناواقف ہے۔"

(مسلم: ۲/۱۰۸، فتح الباری: ۷/۳۷۳)

عبداللہ بن قمیہ آپ ﷺ پر بار بار حملہ کر رہا تھا کیونکہ مشرکین کے ارادے نہایت برے تھے، وہ اس شمع رسالت کو بجھا دینا چاہتے تھے۔ مہاجرین کے علم بردار سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر ابن قمیہ کا بڑی ہمت و جرأت سے مقابلہ کیا اور اس کو حضور ﷺ سے پیچھے ہٹانے کی پوری کوشش کی، لیکن اس کوشش میں انہیں جام شہادت نوش کرنا پڑا۔

علم بردار شہید ہوئے۔ جھنڈا گرا تو ابن قمیہ نے شور مچا دیا کہ میں نے محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو شہید کر دیا۔ (ابن سعد: ۳/۲۹)

ناگہاں رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی آواز سننے میں آئی تو مسلمانوں کے دل بیٹھ گئے۔ وہ پہلے سے سراسیمہ تھے اس آواز نے ان کو اور بھی حواس باختہ بنا دیا۔ مصائب نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اگرچہ بعض حضرات دشمن کا مقابلہ کر رہے تھے، لیکن امیر لشکر کی سربراہی کے بغیر۔ اس لیے کئی لوگوں نے ہمت ہار دی لیکن جو ہمت والے تھے ان کا بھی زور نہیں چل رہا تھا، جو جہاں تھا وہیں کھڑا ہوا تھا۔ کچھ حضرات وہ تھے جو اس گھمسان کی جنگ سے باہر تھے لیکن بہت ہمت انہیں بھی نہیں ہو رہی تھی کہ اس بھیڑ میں گھسیں۔ بعض نے پہاڑوں کا

Marfat.com

Marfat.com

دوستوں کے ساتھ آگے بڑھے اور قریش کے ایک دستہ پر جس میں خالد بن ولید، عکرمہ بن ابی جہل، عمرو بن العاص اور ضرار بن الخطاب وغیرہ تھے، حملہ کر دیا اور سخت مقابلہ کے بعد ایک ایک کر کے تمام حضرات نے جامِ شہادت نوش فرمایا۔ (سیرۃ صحابہ ۲: ۲۵)

سیدنا جابر ؓ کے والد عبداللہ ؓ بھی ان لوگوں میں سے تھے جو سینے سے شہادت کو گلے لگانے کے لیے بے قرار تھے۔ رات ہی کو اپنے لختِ جگر جابر ؓ کو کہہ چکے تھے کہ میں سمجھتا ہوں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ پر جان نچھاور کرنے والے جو لوگ سب سے پہلے ہوں گے، میں ان میں سب سے پہلا شخص ہوں گا۔ چنانچہ وہی ہوا جو کہا تھا۔ سینہ پر بہت سے زخم کھا کر حجلۂ شہادت میں جا بیٹھے۔ دشمنوں نے ان کے ناک کان بھی کاٹ ڈالے تھے۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ دشمن کی اس یلغار کا مقصد صرف شمعِ رسالت کو بجھانا تھا لہٰذا وہ رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس پر تابڑ توڑ حملے کر رہے تھے اور جاں نثارانِ نبوت ذاتِ اقدس کو ہالہ بنائے ہوئے تھے اور ایک ایک کر کے کٹ رہے تھے۔ بخاری کی روایت کے مطابق ایک لمحہ ایسا بھی آیا جب صرف دو صحابی (مہاجر) آپ ﷺ کی حفاظت کے لیے رہ گئے۔ ان میں ایک سیدنا طلحہ بن عبیداللہ ؓ تھے اور دوسرے سیدنا سعد بن ابی وقاص ؓ۔ انہوں نے تاریخِ عالم میں اپنی نادر الوجود جانبازی کی مثال قائم کر دی کہ صرف دو ہوتے ہوئے مشرکین کی کامیابی ناممکن بنا دی۔ یہ دونوں عرب کے ماہر تیر انداز اور شمشیر زن تھے۔ انہوں نے اپنے تیروں اور تلواروں سے دشمن کے ناپاک وجود کو آپ ﷺ کے طاہر اور مطہر وجود سے پرے رکھا۔ سیدنا طلحہ ؓ کی جانبازی اور بہادری کا اندازہ نسائی کی اس حدیث سے لگایا جا سکتا ہے جس میں سیدنا جابر بن عبداللہ ؓ کا بیان ہے کہ جب مشرکین نے سرکارِ مدینہ ﷺ کو جا لیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کون ہے جو ان لوگوں سے نمٹے؟'' سیدنا طلحہ ؓ نے عرض کیا: ''میں ہوں، اے اللہ کے رسول!'' یہ کہہ کر سیدنا طلحہ ؓ آگے بڑھے اور گیارہ آدمیوں کا برابر تنہا مقابلہ کیا یہاں تک کہ ان کے ہاتھ پر تلوار کی ایک ایسی ضرب لگی جس سے ان کی انگلیاں کٹ گئیں۔ اس سے ان کے منہ سے سی کی آواز نکلی۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے یہ آواز سنی تو فرمایا: ''طلحہ! اگر تم اس کی بجائے بسم اللہ کہتے تو تمہیں فرشتے اٹھا لیتے اور تم دیکھتے۔'' سیدنا جابر ؓ فرماتے ہیں کہ پھر اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو پلٹا دیا۔ (نسائی: ۲/ ۵۲، فتح الباری: ۷/ ۳۶۱)

Marfat.com

امام بخاری نے سیدنا قیس بن حازم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ دیکھا کہ وہ شل تھا۔ اس سے انہوں نے احد کے روز سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کی تھی۔ (بخاری: ۱/ ۵۲۷، ۲/ ۵۸۱)

ترمذی کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احد کے روز سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا تھا:

''جو شخص کسی شہید کو کرۂ ارض پر چلتا ہوا دیکھنا چاہے وہ طلحہ رضی اللہ عنہ کو دیکھ لے۔''

(ابن ہشام: ۲/ ۸۶)

اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے ابا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب جنگ احد کا تذکرہ فرماتے تو کہتے: ''یہ جنگ کُلی کُل طلحہ رضی اللہ عنہ کے لیے تھی۔'' (**کان ذالک الیوم کله طلحه**) (فتح الباری: ۷/ ۲۷۸)

سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ اپنا پہلو اور شانہ تیروں کی طرف کیے ہوئے تھے اور دشمن کے تیروں کو اپنے پہلو اور بازوؤں پر روکتے۔ چنانچہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم نے احد کے دن طلحہ رضی اللہ عنہ کے جسم پر ستر سے زیادہ زخم دیکھے۔ ایک اور روایت کے مطابق انتالیس یا پینتیس زخم آئے اور ان کی چھنگلی اور شہادت کی انگلیاں شل ہو گئیں۔ (فتح الباری: ۷/ ۳۶۱)

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی بہت بڑے تیرانداز تھے۔ انہوں نے بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دشمنوں کے مقابلہ میں پورا پورا دفاع کیا۔ یہ اپنی نشست صحیح کر کے دشمنوں پر تیر برسانے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ترکش کے تمام تیر ان کے سامنے ڈال دیئے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیر اٹھا اٹھا کر دیتے جاتے تھے اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ دشمن کو تاک تاک کر مار رہے تھے۔ بخاری میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو تیر دیتے تو فرماتے:

((ارم فداک ابی وامی)) (بخاری: ۲/ ۵۸۰)

''میرے ماں باپ تجھ پر قربان یہ تیر چلا۔''

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سوائے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے کسی اور کے بارے میں ''فداک ابی وامی'' کہتے نہیں سنا۔ (بخاری: ۲/ ۵۸۱)

عجیب اتفاق ہے کہ چشم فلک نے یہ نظارہ کم ہی دیکھا ہوگا کہ ایک بھائی (عتبہ بن ابی وقاص) نے پتھر مار کر چہرہ انور کو لہولہان کیا اور دوسرا بھائی (سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ) اسی رخ

Marfat.com

انور کی حفاظت کے لیے تیر اندازی کر رہا ہے اور لسان نبوت سے کلمات تحسین سن رہا ہے۔

سیدنا ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ بھی ایک مشہور تیر انداز تھے۔ کمان پر ان کا ہاتھ بڑا ماہرانہ پڑتا تھا۔ کمان کی تانت بڑے زور سے کھینچتے تھے۔ ایک مضبوط کمان ہی اس کا سہار کر سکتی تھی۔ تانت چونکہ بڑے زور سے کھینچتے تھے اس وجہ سے ان کا تیر نشانہ کو پار کرتے ہوئے بہت دور پہنچتا تھا۔ چنانچہ اس روز کئی کمانیں ان کے ہاتھ سے ٹوٹ گئی تھیں۔ ایک طرف سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور دوسری طرف سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنی ڈھال سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخ انور کے سامنے آڑ بنالی تھی تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی تیر آ کر نہ لگے۔ سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے تیر کو خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی دیکھتے کہ کہاں پہنچا لیکن جیسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گردن اٹھاتے، ابوطلحہ رضی اللہ عنہ عرض کرتے: یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جان قربان، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گردن نہ اٹھائیں، نصیب دشمناں کہیں کوئی تیر نہ لگ جائے۔ یہ میرا سینہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے حاضر ہے۔ (بخاری: ۲/ ۵۸۱)

تیر ختم ہونے لگے تو جس جس کے پاس ترکش تھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے ترکش لیتے اور سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے سامنے ڈال دیتے۔ (بخاری: ۲/ ۵۸۱)

اس جانثاری میں سیدنا ابودجانہ رضی اللہ عنہ بھی کسی سے پیچھے نہ تھے۔ سپر بن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کھڑے ہو گئے اور پشت دشمنوں کی جانب کر لی۔ تیر پر تیر چلے آ رہے ہیں اور ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کی پشت ان کا نشانہ بنی ہوئی ہے مگر اس خوف سے کہ کہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی تیر نہ لگ جائے کوئی حرکت نہیں کرتے۔ (زرقانی: ۲/ ۴۳)

قتادہ بن النعمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ احد کے دن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ انور کے سامنے کھڑا ہو گیا اور اپنا چہرہ دشمنوں کے سامنے کر دیا۔ تا کہ دشمنوں کے تیر میرے چہرے پر لگیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک چہرہ ان تیروں سے محفوظ رہے۔ دشمنوں کا آخری تیر میری آنکھ میں ایسا لگا کہ آنکھ کا ڈھیلا باہر نکل آیا جس کو میں نے اپنی ہتھیلی پر رکھ لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دکھایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے اور دعا فرمائی کہ اے اللہ! جس طرح قتادہ رضی اللہ عنہ نے تیرے نبی کے چہرے کی حفاظت فرمائی اسی طرح تو اس کے چہرہ کی حفاظت فرما اور اس آنکھ کو دوسری آنکھ سے بھی زیادہ تیز اور خوبصورت بنا دے اور پھر آنکھ کو اس کے مقام پر رکھ دیا۔ اسی وقت آنکھ بالکل صحیح وسالم ہو گئی اور نظر پہلے سے بھی تیز ہو گئی۔

(زرقانی: ۲/ ۴۳، اصابہ: ۳/ ۲۲۵، البدایہ والنہایہ: ۴/ ۳۴، خصائص کبریٰ: ۱/ ۲۱۵، ابن ہشام: ج ۲)

Marfat.com

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے عتبہ بن ابی وقاص کا پیچھا کیا جس نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دانت شہید کیا تھا اور اسے اس زور سے تلوار ماری کہ اس کا سر چھٹک گیا۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اپنے اس بھائی کے قتل کے بہت خواہاں تھے لیکن سعادت حاطب رضی اللہ عنہ کی قسمت میں تھی۔

مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ مبارک سے خون چوس کر صاف کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اسے تھوک دو۔ عرض کی! خدا کی قسم میں ہرگز نہ تھوکوں گا۔ اس کے بعد پلٹ کر لڑنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص کسی جنتی کو دیکھنا چاہتا ہے وہ انہیں دیکھے۔'' اس کے بعد وہ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے بھی اس روز اپنی بہادری کے جوہر دکھائے۔ لڑتے ہوئے منہ پر چوٹ کھائی۔ دانت ٹوٹ گیا۔ بیس سے زیادہ زخم آئے جن میں بعض پاؤں میں تھے اور وہ لنگڑے ہو گئے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک اور شخص پر میری نگاہ پڑی۔ اس کے سب طرف دشمن تھے اور پچھلی طرف میں تھا۔ یہ شخص دشمنوں پر اپنی تلوار کے جوہر دکھلا رہا تھا اور سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کھسک رہا تھا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب پہنچ گیا تھا۔ یہ صاحب میرے بعد پہنچے۔ میں نے پہچانا تو وہ ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ تھے جو دشمنوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس سے ہٹا رہے تھے۔ رضی اللہ عنہ

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دشمنوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پرے ہٹاتے ہم دونوں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچ گئے۔ دیکھا کہ روئے انور شدید زخمی تھا۔ دندان مبارک شہید تھے۔ مغفر کی کڑیاں رخسار مبارک میں کھبی ہوئی تھیں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کڑیاں نکالنے کا ارادہ فرمایا تو سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے قسم دے کر کہا کہ یہ سعادت مجھے حاصل کرنے دیجئے۔ ہاتھ سے کڑیاں نکالنے میں تکلیف زیادہ محسوس ہوئی تو دانتوں میں دبا کر ایک کڑی کو اس زور سے کھینچا کہ کڑی تو نکل آئی لیکن ساتھ ہی سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا دانت بھی ٹوٹ گیا۔ اب دوسری کڑی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نکالنا چاہتے تھے۔ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے پھر قسم دے کر یہ سعادت حاصل کرنے کی درخواست کی۔ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اب دوسرے دانت سے کڑی دبا کر نکالی لیکن اب کی دفعہ دوسرا دانت بھی ٹوٹ گیا۔

سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے دو دانت تو ٹوٹ گئے لیکن چہرہ کی رونق ایسی بڑھی کہ کوئی ٹوٹا ہوا

Marfat.com

ذات اتنا حسین و جمیل نہیں معلوم ہوتا تھا۔ (سیرۃ ابن ہشام: ۲/ ۷۷، البدایہ والنہایہ: ۴/ ۲۹۔۳۰)

اللہ رب العزت کی نگاہ بخوبی اس منظر کو دیکھ رہی تھی کہ کس طرح نبوت کے پروانے کٹ کٹ کر اس شمع کی حفاظت کر رہے ہیں اور تاریخ کے اوراق پر اپنی نادر الوقوع جان نثاری کی مثالیں ثبت کر رہے ہیں۔ اب رحمت الٰہی جوش میں آئی اور اس نازک ترین لمحے اور مشکل ترین وقت میں اللہ تعالیٰ نے غیب سے اسی طرح مدد نازل فرمائی جس طرح جنگ بدر میں فرمائی تھی۔

چنانچہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدافعت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھڑے ہو کر تیر برسا رہے تھے۔ بڑے وثوق سے فرماتے ہیں دو شخص سفید لباس پہنے ہوئے بڑی سختی کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدافعت کر رہے تھے۔ میں نے ان کو نہ تو اس سے پہلے کبھی دیکھا تھا اور نہ بعد میں۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ دونوں اللہ کے فرشتے جبرائیل و میکائیل تھے۔ (بخاری: ۲/ ۵۸۰)

اس مدافعت اور جانثاری کے باوجود دشمنوں کا ہجوم اس ذات اقدس پر اتنا تھا کہ قریباً ستر مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تلواروں کے حملے ہوئے لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے شر سے محفوظ فرمایا۔ (بخاری: ۲/ ۵۸۰ تعلیقہ)

سیرۃ کی کتابوں کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سارا حادثہ چند لمحات کے اندر اندر اور نہایت تیز رفتاری سے پیش آیا۔ ورنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد ہر وقت ہالہ بنائے رکھتے تھے۔ وہ تو ایک لحہ بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے دور نہیں ہوتے تھے۔ جنگ بدر میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم لشکر سے پیچھے عریش پر دعا اور مناجات الٰہی میں مصروف تھے۔ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ نیچے پہرہ دے رہے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ حالات یک دم ایسی کروٹ لیں گے کہ فتح شکست میں تبدیل ہو جائے گی، لہٰذا پیغمبر کی آواز سنتے ہی کہ "لوگو میری طرف آؤ" وہ دیوانہ وار اس جانب دوڑے جدھر سے آواز آئی تھی کہ کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی حادثہ پیش نہ آ جائے۔ لیکن جب یہ لوگ پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہو چکے تھے۔ ان لوگوں نے پہنچتے ہی اپنے جسموں اور ہتھیاروں سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد ایک باڑھ تیار کر دی۔

لڑائی کی صفوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پلٹ کر آنے والے سب سے پہلے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے۔ ابن حبان نے اپنی صحیح میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان نقل کیا ہے کہ ان کے والد سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ احد کے روز محافظین کے سوا تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیام گاہ پر چھوڑ کر لڑائی کی اگلی صفوں میں چلے گئے تھے۔ پھر

Marfat.com

گھیراؤ کے حادثے کے بعد سب سے پہلا شخص میں تھا جو آپ ﷺ کے پاس پلٹ کر آیا۔ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کے سامنے صرف ایک آدمی تھا جو آپ ﷺ کی مدافعت میں اپنی جان سے کھیل رہا تھا۔ میں نے کہا: "تم طلحہ رضی اللہ عنہ ہو، میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں۔ اتنے میں ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ بھی میرے پاس پہنچ گئے۔ وہ اس طرح دوڑ رہے تھے گویا چڑیا اڑ رہی ہے۔ اب ہم دونوں حضور ﷺ کی طرف دوڑے، دیکھا کہ طلحہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے سامنے سینہ سپر ہیں۔ آپ ﷺ نے ہمیں دیکھ کر فرمایا: اپنے بھائی کو سنبھالو۔ اس نے اپنے لیے جنت واجب کر لی ہے۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم پہنچے تو آپ ﷺ کا چہرہ مبارک زخمی ہو چکا تھا اور خود کی دو کڑیاں آنکھ کے نیچے رخسار میں دھنس چکی تھیں جو سیدنا ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے اپنے دانتوں سے نکالیں جن سے ان کے دو دانت ٹوٹ گئے۔

اس کے بعد کئی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کے گرد جمع ہو چکے تھے جن میں ابو دجانہ رضی اللہ عنہ، مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ، عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ، علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ، سہیل بن حنیف رضی اللہ عنہ، مالک بن سنان رضی اللہ عنہ (ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ کے والد) قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ اور حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ وغیرہ رضی اللہ عنہم اجمعین ورضوا عنہ۔

ایک مہاجر صحابی کا بیان ہے کہ میں نے جنگ احد میں اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ سرکار دو عالم ﷺ پر ہر طرف سے تیروں کی بارش ہو رہی ہے اور آپ ﷺ ان تیروں کے بیچ میں ہیں، لیکن سارے تیر آپ ﷺ سے پھر جاتے ہیں۔ یعنی آگے گھیرا ڈالے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کو روک لیتے ہیں۔ اور میں نے دیکھا کہ عبداللہ بن شہاب زہری کہہ رہا تھا! مجھے بتاؤ محمد ﷺ کہاں ہیں؟ اب یا تو میں رہوں گا یا پھر وہ رہے گا۔ حالانکہ سرکار دو عالم ﷺ اس کے بازو میں کھڑے تھے۔ (یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا تھا۔) آپ ﷺ کے پاس کوئی بھی نہ تھا۔ پھر وہ آپ ﷺ سے آگے نکل گیا۔ اس پر صفوان بن امیہ نے اس کو ملامت کی۔ اس نے صفوان کے جواب میں کہا: "میں نے اسے دیکھا ہی نہیں۔ خدا کی قسم وہ ہم سے محفوظ کر لیا گیا ہے۔" اس کے بعد ہم چار آدمی اس عزم اور عہد کے ساتھ نکلے کہ انہیں قتل کر دیں گے لیکن ان تک ہم پہنچ نہ سکے۔ (زاد المعاد: ۲/ ۹۷)

جستجو:

سرکار دو عالم ﷺ جہاں کھڑے تھے، ان کے قریب ایک گڑھا تھا۔ ابو عامر فاسق

Marfat.com

نے میدان احد کے مختلف حصوں میں کچھ گڑھے کھدوا دیئے تھے۔ اس سے اس کا مقصد مسلمانوں کو نقصان پہنچانا تھا۔ سرکار دو عالم ﷺ اس قسم کے ایک گڑھے میں پاؤں پھسلنے سے گر گئے۔ (طبقات ابن سعد: ۲۹/۳)

اس تھوڑے سے وقفہ میں آپ ﷺ اپنے پروانوں اور جان نثاروں کی آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔ شمع نبوت کے پروانوں پر ان لمحات میں کیا کچھ گزرا، قلم کو تابِ نگارش نہیں۔ اس وقفہ میں پچاس سے زیادہ سرفروش شہید ہو گئے۔ غزوہ احد میں کل ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جام شہادت نوش فرمایا جن میں وہ حضرات بھی شامل ہیں جو درہ کی حفاظت کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اور کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس سے پہلے شہید ہو چکے تھے۔ اس گھمسان میں شہید ہونے والوں کی تعداد کم و بیش پچاس تھی۔

اگرچہ نبوت کے جانثار مضطرب اور پریشان دلوں کے ساتھ دشمنوں سے دفاع میں مصروف تھے لیکن ان کی نگاہیں اپنے آقا کی متلاشی تھیں۔ ان کی نظریں اس امام الانبیاء ﷺ کو ڈھونڈ رہی تھیں جس نے انہیں تحت الثریٰ سے اٹھا کر ثریا تک بلکہ اس سے بھی اوپر پہنچا دیا تھا۔ سب سے پہلے جس کی نگاہ نے اپنے اس آقائے رحمت کو پایا وہ سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ تھے۔ اچانک ان کی نظریں آپ پر پڑیں کہ خود میں ڈھکے ہوئے جھالر (مغفر) سے چہرہ انور چھپا ہوا تھا۔ صرف آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔ ان دو آنکھوں سے سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنے کعبۂ مقصود کو پہچانا۔ پہچانتے ہی زور سے آواز دی، مسلمانو! رسول اللہ ﷺ تو یہ ہیں۔ (یا معشر المسلمین هذا رسول الله) حضور ﷺ نے فوراً اشارہ کیا، شور نہ کرو، لیکن رسول اللہ ﷺ کے فرمانے پر کعب رضی اللہ عنہ ضبط نہ کر سکے۔ اس آواز کا سننا تھا کہ مسلمانوں کے تن مردہ میں زندگی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ جس کے کان میں بھی اس مژدہ جان بخش کی آواز پڑی وہ اس آواز کی طرف دوڑا۔ سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے جھنڈا سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو دیا تھا۔ اب رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جانب راستہ بناتے ہوئے آگے بڑھے۔ لشکر اسلامی کا جھنڈا دیکھ کر اور رسول اللہ ﷺ کے زندہ ہونے کی آواز سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کی پناہ میں آنا شروع ہو گئے۔ اس طرح رفتہ رفتہ قریباً تیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمع ہو گئے۔

ایک روایت میں ہے کہ جس جگہ سرکار دو عالم ﷺ تشریف فرما تھے وہ دامن کوہ کا

Marfat.com

حصہ تھا۔ امکان تھا کہ دشمن اوپر سے حملہ کر دے۔ اس لیے آپ ﷺ وہاں سے ہٹے اور اوپر ٹیلے پر تشریف لے گئے۔ یہاں ایک چٹان کے پیچھے کچھ مسلمان ہمت ہار کر اور مایوسی کے عالم میں بیٹھے ہوئے تھے اور مستقبل کے بارے میں سوچ رہے تھے کسی کا خیال یہ تھا کہ عبداللہ بن ابی سے کچھ بات چیت کی جائے۔ کہ دفعتاً ایک زرہ پوش اور مسلح آدمی سر پر خود لگائے ان کے سامنے آ گیا۔ اس کے ساتھ اور بھی کچھ آدمی تھے۔ یہ حضرات پہلے ہی سہمے ہوئے تھے سمجھے کہ دشمن یہاں بھی آ گیا ہے۔ فوراً کمانیں سنبھالیں، تیر سیدھے کیے۔ کئی حضرات نے تلوار کے دستوں پر ہاتھ رکھ لیا کہ حضور ﷺ نے پکارا ''میں محمد رسول اللہ ﷺ ہوں۔''

(البدایہ والنہایہ:۴/۲۳)

بس پھر کیا تھا مردہ جسموں میں جان پڑ گئی اور خوشی و مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ رحمۃ اللعالمین کا دامن سب پر سایہ فگن ہو گیا، بے چین دلوں کو چین مل گیا۔ سارے غم غلط ہو گئے۔ نیند آنے لگی اور غنودگی طاری ہو گئی۔

اب رسول اللہ ﷺ نے پہاڑی کی گھاٹی یعنی کیمپ کی طرف ہٹنا شروع کیا۔ مشرکین نے اس واپسی کو ناکام بنانے کی بہت کوشش کی، مگر آپ ﷺ کے شیر دل ساتھیوں نے ان حملہ آوروں کا ہجوم چیر کر راستہ بنا ہی لیا۔ قریش سرکار دو عالم ﷺ کی زندگی کو اپنی موت کا پیش خیمہ سمجھتے تھے، لہٰذا انہوں نے ایک مرتبہ پھر دھاوا بول دیا۔

اسی اثناء میں مشرکین کا ایک اڑیل شہسوار عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ آپ ﷺ کی جانب گھوڑے پر سوار ہو کر آیا اور کہا کہ آج یا تو میں رہوں گا یا وہ رہے گا۔ سرکار دو عالم ﷺ بھی اس کی اس بات کا جواب دینے کے لیے ٹھہر گئے، لیکن مقابلہ کی نوبت نہ آئی کیونکہ اس کا گھوڑا ایک گڑھے میں گر گیا۔ اتنے میں حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ نے اس کے پاس پہنچ کر اسے اس زور سے تلوار ماری کہ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔

خلاصہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ اپنے جانثار اور پامرد ساتھیوں کے اس دستہ کے ساتھ باقی ماندہ لشکر کے لیے راستہ بناتے ہوئے پہاڑ کی گھاٹی میں واقع اپنے کیمپ میں آ گئے اور مسلمانوں کا لشکر ایک دفعہ پھر منظم ہونا شروع ہو گیا۔ گویا خالد بن ولید کی عسکری عبقریت رسول اللہ ﷺ کی عسکری عبقریت کے سامنے ناکام ہو گئی۔ (فشلت عبقرية خالد امام عبقرية رسول الله صلى الله عليه وسلم)

محمد ابن اسحاق کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ گھاٹی میں تشریف لا چکے تو مکہ کا

Marfat.com

ایک رئیس ابی بن خلف آپ ﷺ کے مقابلہ کے لیے آیا۔ اس کا بھائی امیہ بن خلف غزوہ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ ابی بن خلف مکہ میں یہ کہا کرتا تھا کہ محمد (ﷺ) کو میں قتل کروں گا۔ سرور کائنات ﷺ بھی اس کی یہ بات سنتے رہتے تھے۔ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ یہ بھی فرما دیا تھا کہ ''وہ نہیں بلکہ انشاء اللہ میں اسے قتل کروں گا۔''

اس نازک لمحے میں جب آپ ﷺ زخموں سے چور اس گھاٹی میں فوج کو منظم کرنے کے لیے تشریف لائے تو وہ گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اس کی جانب بڑھنے لگے۔ آپ ﷺ نے اشارہ سے منع فرما دیا اور فرمایا اسے آنے دو، جب وہ قریب آ گیا تو آپ ﷺ نے حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ سے جو برابر میں کھڑے تھے، حربہ لے لیا (حربہ ایک چھوٹا سا نیزہ ہوتا ہے) اور لینے کے بعد جھٹکا دیا تو اس طرح لوگ ادھر ادھر اڑ گئے۔ جیسے اونٹ اپنے بدن کو جھٹکا دیتا ہے تو مکھیاں اڑ جاتی ہیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ اس کے سامنے آئے اور اس کی زرہ اور خود کے درمیان حلق کے پاس تھوڑی سی کھلی جگہ آپ ﷺ کو نظر آئی۔ آپ ﷺ نے تاک کر اس جگہ ایسا حربہ مارا کہ وہ گھوڑے سے کئی بار لڑھکا۔ وہ گرتا پڑتا اور چنگھاڑتا ہوا واپس بھاگا۔ اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا تو انہوں نے کہا کوئی بات نہیں۔ اتنے چیخنے کی کوئی وجہ نہیں۔ معمولی سی خراش ہے۔ تم بلاوجہ اتنے بے تاب ہو رہے ہو۔ ابی نے ان کی بات سن کے غصے سے کہا: ''یہ معمولی ضرب نہیں، یہ محمد ﷺ کے ہاتھ کی ضرب ہے۔ اگر وہ تھوک بھی دیتا تو مجھے مار ڈالتا۔'' **(فواللہ لو بصق علی القتلنی)**

ابی بن خلف درد سے اسی طرح تڑپتا رہا یہاں تک کہ واپسی میں ''سرف'' کے مقام پر مر گیا اور وہیں اس کو دبا دیا گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ اس کی لاش کو مکہ اٹھا کر لے گئے۔

(زرقانی: ۲/۴۴، سیرۃ ابن ہشام: ۲/۸۴، عیون الاثر: ۲/۲۴، زاد المعاد: ۲/۹۷)

ایک روایت یہ ہے کہ یہ بیل کی طرح آواز نکالتا تھا اور کہتا تھا کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو تکلیف مجھے ہے وہ اگر ذی المجاز کے سارے باسیوں کو ہوتی تو وہ سب کے سب مر جاتے۔ **(والذی نفسی بیدہ لو کان الذی بی باھل ذی المجاز لماتوا جمیعا)** (مختصر سیرۃ الرسول الشیخ عبداللہ: ص ۲۵۰)

تمام دنیا میں یہی ایک بدبخت اور بدنصیب انسان تھا جس کو حضور ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے قتل کیا۔ وگرنہ آپ ﷺ پر تیر برستے رہے، تلواریں پڑتی رہیں لیکن آپ ﷺ نے کسی کو اپنے ہاتھ سے قتل نہیں کیا۔ کیونکہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

Marfat.com

((اشتد غضب اللہ علی رجل یقتلہ رسول اللہ فی سبیل اللہ))

''اس شخص پر اللہ کا غضب سب سے شدید ہوتا ہے جس کو اللہ کا رسول اپنے ہاتھ سے اللہ کے رستہ میں قتل کرے۔'' (بخاری: ۲/۵۸۳)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کو بد بخت اور بد نصیب نہیں بنانا چاہتے تھے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوری زندگی میں سوائے اس بد بخت کے اور کسی کو قتل نہیں کیا۔

محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس پہاڑ (گھاٹی) کی طرف جا رہے تھے۔ تو ایک چٹان آ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر چڑھنے کی کوشش کی مگر بوجہ ضعف چڑھ نہ سکے کیونکہ ایک تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بدن بھاری ہو چکا تھا، دوسرے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوہری زرہ پہن رکھی تھی اور تیسرے بدن سے کافی خون بہ جانے کی وجہ سے ضعف بھی ہو گیا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شدید چوٹیں بھی آئی تھیں۔ اس لیے سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نیچے بیٹھ گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کندھوں پر اٹھا کر کھڑے ہو گئے۔ اس طرح چل کر چٹان پر پہنچ گئے۔ یہ دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''طلحہ نے جنت واجب کر لی۔'' (ابن ہشام: ۲/۸۶)

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ملنا تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تمام غم غلط ہو گئے۔ جمال جان پرور کی زیارت ہو گئی۔ مردہ روحوں میں زندگی کی لہر دوڑ گئی۔ اب مضطرب روحوں کو سکون اور چین نصیب ہوا کہ میدان جنگ میں ہی غنودگی طاری ہو گئی جس کو قرآن حکیم نے یوں بیان کیا ہے:

''پھر نازل کیا تم پر غم (یعنی ابتری اور پریشانی) کے بعد امن (سکون اور بے خوفی) کی ایک غنودگی جو تمہارے ایک گروہ پر چھا رہی تھی۔'' (آل عمران)

اسی وجہ سے سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ''میدان جنگ میں نیند ایمان کی علامت ہے اور نماز میں نیند شیطان کے اثر سے ہوتی ہے۔'' (البدایہ والنہایہ: ۴/۲۸)

چنانچہ بعض صحابہ پر اب بے خوفی اور سکون خاطر کی وجہ سے غنودگی طاری ہو گئی۔ وہی سیدنا ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ جن کے ہاتھ سے تیر پھینکتے ہوئے کئی کمانیں ٹوٹیں، فرمایا کرتے تھے اس وقت جو سکون میسر ہوا وہ کچھ عجیب تھا۔ خود میری حالت یہ تھی کہ ایسی غنودگی طاری ہوئی کہ تلوار میرے ہاتھ سے بار بار گر جاتی تھی۔ میں اٹھاتا تھا تو وہ پھر گر جاتی تھی۔ (بخاری: ۲/۸۵۲)

سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ شدت خوف و ہراس کے بعد جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ہم پر نیند کا غلبہ ہوا اور حالت یہ ہو گئی کہ ہر ایک کی

Marfat.com

ٹھوڑی سینہ سے لگی ہوئی تھی۔ اس غنودگی کی حالت میں معتب بن قشیر کی آواز میرے کانوں میں پڑی، وہ کہہ رہا تھا:

لو کان لنامن الامر شی ماقتلنا ھھنا.

''اگر اس مہم میں ہمارا کوئی دخل ہوتا تو ہم یہاں نہ مارے جاتے۔''

(تفسیر مظہری: ۲/۱۵۸)

آخری حملہ:

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھاٹی میں تشریف فرما تھے اور جانثار ارد گرد ہالہ بنا کر بیٹھے ہوئے تھے، تو دیکھا کہ ابوسفیان اور خالد بن ولید پہاڑ پر چڑھے ہوئے ہیں۔ سواروں کا ایک دستہ بھی ساتھ ہے۔ خالد آگے ہیں اور مسلمانوں پر پھر ایک حملہ کرنے کے لیے پرتول رہے ہیں۔ اس وقت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے وہی جملے نکلے جو میدان بدر میں نکلے تھے:

اللھم انک ان تشاء لا تعبد فی الارض.

''اے اللہ! تیری مشیت اور مرضی یہی ہے تو کرۂ ارض سے تیری عبادت ختم ہو جائے گی۔''

پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ چند مہاجرین کو ساتھ لے کر اس پہاڑ کی طرف بڑھے۔ دونوں طرف سے تیر اور پتھر برسائے گئے۔ لیکن دشمن ٹھہر نہ سکا اور اس پہاڑ سے نیچے اتر گیا۔

(البدایہ والنہایہ: ۴/ ۲۸، ابن ہشام: ۲/ ۸۶)

حافظ ابن قیم رضی اللہ عنہ نے نقل کیا ہے کہ جب مشرکین پہاڑ پر چڑھ آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ان کے حوصلے پست کرو یعنی انہیں یہاں سے نیچے اتارو۔ عرض کی میں اکیلا ان کے حوصلے کیسے پست کر سکتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین دفعہ یہ فرمایا۔ اس پر سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے ایک تیر نکالا اور ایک شخص کو مارا تو وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ آپ نے پھر وہی تیر لے کر ایک دوسرے آدمی کو مارا وہ بھی وہیں مر گیا۔ پھر وہی تیر تیسرے کو مارا اور وہ بھی مر گیا۔ اس کے بعد مشرکین خوف کی وجہ سے پہاڑ سے نیچے اتر گئے۔ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے دل میں کہا یہ تو بہت مبارک تیر ہے۔ چنانچہ میں نے اس تیر کو اپنے ترکش میں رکھ لیا۔ یہ تیر زندگی بھر ان کے پاس رہا پھر ان کی اولاد کے پاس رہا۔

(زادالمعاد: ۲/ ۹۵)

Marfat.com

عورتوں کی میدان جنگ میں آمد:

مشرکین بالکل ہمت ہار چکے تھے۔ اس لیے انہوں نے اب مزید کوئی حملہ کرنے سے گریز کیا۔ کوئی مؤرخ اس کی وجہ بیان نہیں کر سکا کہ قریش کا یہ لشکر جرار کامیابی کے بعد ناکام کیوں ہو گیا؟ بہرحال جنگ بند ہو گئی۔ مدینہ طیبہ میں بھی یہ خبر پہنچ چکی تھی کہ سرکار دو عالم ﷺ شہید ہو گئے ہیں۔ جس طرح اس اندوہناک خبر نے میدان جنگ میں مسلمانوں مردوں کو پریشان اور حواس باختہ کیا اس طرح مدینہ طیبہ میں مسلمان عورتیں بھی اس خبر سے سخت پریشان ہوئیں۔ جنگ کا ہنگامہ ظہر تک ختم ہو چکا تھا۔ خاتمۂ جنگ کے بعد کچھ مسلمان عورتیں میدان جنگ میں پہنچیں۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے عائشہ بنت ابی بکر رضی اللہ عنہ اور ام سلیم (یہ سیدنا ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں جن کے ہاتھوں سے کئی کمانیں ٹوٹیں) کو دیکھا کہ پنڈلی کی پازیب تک کپڑے چڑھائے پیٹھ پر پانی کے مشکیزے لا رہی تھیں اور زخمیوں کو پلا رہی تھیں۔

(بخاری: ۱/۴۰۳، ۲/۵۸۱)

انہی عورتوں میں سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہ بھی تھیں۔ انہوں نے جب شکست خوردہ مسلمانوں کو دیکھا کہ مدینہ میں گھسنا چاہتے ہیں، تو آپ نے دونوں ہاتھوں میں مٹی بھر کر ان کے منہ پر ماری اور فرمایا: ''سوت کی انٹی تم لو اور مجھے تلوار دو۔'' (ایک روایت میں ہے کہ یہ مٹی ان کو ماری تھی جو حضور ﷺ کے قتل کی وحشت انگیز خبر لے کر مدینہ گئے تھے) پھر آپ رضی اللہ عنہ میدان جنگ میں تیزی سے پہنچیں اور پیاسے زخمیوں کو پانی پلانے لگیں۔ ان پر ایک شخص حبان (ح کی زیر کے ساتھ) بن عرقہ نے تیر چلایا جس سے وہ گر پڑیں اور بدن کھل گیا۔ اس پر حبان نے زوردار قہقہہ لگایا۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کی یہ بات گراں گزری۔ آپ ﷺ نے بے پھل کا ایک تیر سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو دیا اور فرمایا اسے چلاؤ۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے وہ تیر چلایا تو اس کے حلق پر جا کر لگا اور وہ چت گرا اور اس کا پردہ کھل گیا۔ اس انتقام پر سرکار دو عالم ﷺ اتنا ہنسے کہ جڑ کے دانت دکھائی دینے لگے۔ اور فرمایا سعد رضی اللہ عنہ نے ام ایمن کا بدلہ چکا دیا۔

(سیرۃ حلبیہ: ۲/۲۲)

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی والدہ ام سلیط رضی اللہ عنہا بھی مشک میں پانی بھر بھر کر زخمیوں کے لیے لاتی تھیں۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول ﷺ بھی تشریف لائیں۔ ابا کو دیکھا کہ چہرہ مبارک کے زخموں سے خون بہہ رہا ہے اور سرکار دو عالم ﷺ اس کا کوئی قطرہ

Marfat.com

زمین پر نہیں گرنے دے رہے اور خون کو کپڑوں پر لے رہے ہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ڈھال میں پانی لائے اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے زخم دھوئے لیکن خون تھمتا نہیں تھا۔ چنانچہ چٹائی کا ایک ٹکڑا لایا گیا اور اس کی راکھ زخم میں بھری تب خون بند ہوا۔ (زرقانی: ۲/ ۴۹، رواہ البخاری والطبرانی)

سیدنا سہیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زخم کس نے دھویا؟ پانی کس نے بہایا اور علاج کس چیز سے کیا گیا؟ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زخم دھو رہی تھیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ڈھال سے پانی بہا رہے تھے۔ جب سیدہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ پانی کی وجہ سے خون بڑھتا ہی جاتا ہے تو چٹائی کا ایک ٹکڑا لے کر اس کو جلایا اور زخموں پر چپکا دیا جس سے خون رک گیا۔ (بخاری: ۲/ ۵۸۴)

گھاٹی میں استراحت:

غزوہ احد کی جنگ ظہر کے وقت تک ختم ہو چکی تھی۔ ظہر کی نماز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیٹھ کر پڑھی۔ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی یہ نماز بیٹھ کر پڑھی۔ (ابن ہشام: ۴/ ۸۷)

نماز سے قبل سیدنا علی رضی اللہ عنہ مہراس (ایک چشمہ کا نام) سے اپنی ڈھال میں پانی بھر کر لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیش کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں کچھ ناگوار بو محسوس کی اس لیے پیا تو نہیں البتہ اس سے چہرے کا خون دھولیا۔ اور سر پر بھی ڈالا۔ اور اس حالت میں فرمایا:

((اشتد غضب الله على من رمى وجه نبيه))

''اس شخص پر اللہ کا سخت عذاب ہو جس نے اس کے نبی کے چہرے کو خون آلود کیا۔''

اتنے میں محمد ابن مسلمہ رضی اللہ عنہ کہیں سے شیریں اور خوش ذائقہ پانی لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے نوش فرمایا اور دعائے خیر فرمائی۔ (سیرۃ حلبیہ: ۲/ ۳۰)

ابوسفیان کی آواز:

قریش کے لشکر نے جب واپسی کی تیاری کی تو ابوسفیان نے پہاڑ پر چڑھ کر آواز دی: ''کیا تم لوگوں میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ ہیں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی اس کا جواب نہ دے۔'' جب کوئی جواب نہ آیا تو پھر یہ آواز آئی: ''کیا تم میں ابن ابی قحافہ (ابوبکر رضی اللہ عنہ) موجود

Marfat.com

ہیں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی جواب نہ دے۔'' جب کوئی جواب نہ آیا تو پھر یہ آواز دی:!'' کیا تم میں عمر بن الخطاب موجود ہیں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا جواب دینے سے بھی منع فرمادیا۔ جب کوئی جواب نہ آیا تو اس نے اپنے ساتھیوں سے خوش ہو کر کہا: ''بہر حال یہ سب قتل ہو گئے کیونکہ اگر زندہ ہوتے تو ضرور جواب دیتے۔''

یہاں یہ بات خاص طور پر ذہن میں رکھنے کے قابل ہے کہ ابوسفیان نے ان تین کے سوا کسی اور کے بارے میں نہیں پوچھا۔ کیونکہ کفر بھی سمجھتا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد عمر رضی اللہ عنہ ہی اس قوم کی قیادت کر سکتے ہیں اور اب اگر یہ تینوں زندہ نہیں رہے تو اب ہمیں فکر کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اب دین اسلام اور مسلمان ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

ابوسفیان کی یہ بات سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بے قابو ہو گئے اور اونچی آواز سے فرمایا: ''اے اللہ کے دشمن! تو نے بالکل غلط کہا تیرے رنج وغم کا سامان اللہ تعالیٰ نے ابھی باقی رکھ چھوڑا ہے۔ یہ سب زندہ ہیں۔'' پھر ابوسفیان نے نعرہ لگایا: ''اعل هبل. ہبل کی جے ہووے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم اس کے جواب میں کہو: اللہ اعلیٰ واجل. اللہ سب سے اعلیٰ اور برتر ہے۔

پھر ابوسفیان نے دوسرا نعرہ لگایا: **لنا عزی ولا عزی لکم.** ہمارے لیے عزیٰ ہے اور تمہارے پاس عزیٰ نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اس کا یہ جواب دو: **اللہ مولانا ولا مولی لکم.** اللہ ہمارا مولا ہے اور تمہارا کوئی مولا نہیں۔

اس کے بعد ابوسفیان نے کہا: ''یہ دن یوم بدر کا بدلہ ہے لہٰذا ہم اور تم برابر ہو گئے اور لڑائی تو ڈول کی مانند ہے۔ کبھی اوپر اور کبھی نیچے۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''ہم اور تم برابر نہیں۔ ہمارے مقتولین جنت میں ہیں اور تمہارے جہنم میں۔''

بعد ازاں ابوسفیان نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو آواز دی کہ میرے پاس آؤ۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جاؤ اور دیکھو کیا کہتا ہے؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس کے پاس گئے تو ابوسفیان نے کہا: ''عمر! میں تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں سچ بتاؤ کہ ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کیا؟''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''خدا کی قسم! ہرگز نہیں، وہ اس وقت تیری بات کو سن رہے ہیں۔''

Marfat.com

ابوسفیان نے کہا: ''تم میرے نزدیک ابن قمیئہ سے زیادہ سچے اور نیک ہو۔''

اس کے بعد ابوسفیان نے کہا: ''ہمارے آدمیوں کے ہاتھ سے تمہارے مقتولین کا مثلہ ہوا ہے۔ خدا کی قسم، میں اس فعل سے نہ راضی ہوں اور نہ ناراض۔ نہ میں نے منع کیا اور نہ حکم دیا۔''

(بخاری: ۲/۵۷۹، فتح الباری: ۷/۲۷۲، زرقانی: ۲/۴۷، زادالمعاد: ۲/۹۴، سیرۃ ابن ہشام: ۲/۹۳-۹۴، عیون الاثر: ۲/۲۹)

رسول اللہ ﷺ نے کسی صحابی سے یہ کہا کہ کہہ دو: ''ہاں ہمارا اور تمہارا یہ وعدہ ہے۔ ان شاء اللہ۔'' (زرقانی: ۲/۴۸، ابن ہشام: ۲/۹۴)

لشکر قریش کی واپسی:

قریباً ظہر کے بعد قریش کا لشکر احد کے میدان سے روانہ ہوا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ ان کے پیچھے جا کر پتہ لگاؤ کہ وہ کہاں جا رہے ہیں اور ان کا کیا ارادہ ہے؟ اگر وہ مدینہ کا رخ کر رہے ہیں تو ہم فوراً مدینہ پہنچ کر ان کا مقابلہ کریں۔ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر انہوں نے گھوڑے پہلو میں رکھے ہوں اور اونٹوں پر سوار ہوں تو ان کا مکہ کا ارادہ ہے۔ اور اگر گھوڑوں پر سوار ہوں اور اونٹوں کو ہانک کر لے جائیں تو مدینہ کا ارادہ ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ان کے پیچھے پیچھے گیا تو کیا دیکھا کہ انہوں نے گھوڑے اپنے پہلو میں رکھے ہیں اور اونٹوں پر سوار ہو کر مکہ کا رخ کیا ہوا ہے۔

(سیرۃ ابن ہشام: ۲/۹۴)

ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے مشرکین کے عزائم کا پتہ لگانے کے لیے اور یہ جاننے کے لیے کہ وہ کدھر جا رہے ہیں، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بجائے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا۔ (ملاحظہ ہو فتح الباری: ۷/۳۴۷)

زخمیوں کی خبر گیری:

قریش کی مکہ واپسی کے بعد زخمیوں اور شہیدوں کا پتہ چلایا گیا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے اپنے مجاہدین اور جان نثاروں پر نگاہ ڈالی تو ان سے حالات دریافت فرمانے لگے۔ پوچھا: ''سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ نظر نہیں آ رہے۔ وہ کہاں ہیں؟ تلاش کرو زندہ ہیں یا شہید ہو گئے ہیں؟''

Marfat.com

سعد ابن ربیع السابقون الاولون میں سے تھے۔ وہ اپنی قوم کے نقیب تھے۔ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجر و انصار میں مواخات قائم کی تو سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو ان کا بھائی بنایا۔ سیدنا سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ نے اپنی کل جائیداد کا نصف سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو دینے کی پیش کش کی۔ یہ بھی کہا کہ ان کی دو بیویاں ہیں۔ ان دونوں میں سے جو بھی پسند ہو، میں اس کو طلاق دے دوں گا۔ عدت کے بعد آپ اس سے نکاح کر لیں، لیکن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ان کی اس پیش کش کو قبول نہ کیا بلکہ کہا کہ آپ مجھے صرف بازار کا راستہ بتا دیں۔ لیکن سیدنا سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کا یہ ایثار نا قابل فراموش ہے۔ سیرت ابن ہشام میں ہے کہ ایک شخص نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ایک بچی کو چھاتی پر بٹھا کر اسے چمکار رہے ہیں۔ کسی نے پوچھا کہ یہ بچی کس کی ہے؟ فرمایا اس شخص کی بچی ہے جو بیعت عقبہ کے وقت نقیب بنائے گئے تھے۔ جنگ بدر میں شریک ہوئے اور غزوہ احد میں شہید ہوئے۔

(۹۵/۲)

سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے بھیجا کہ میں سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کو تلاش کروں۔ اور یہ بھی فرمایا کہ مل جائیں تو میرا اسلام کہنا اور یہ بھی کہنا کہ تم اس وقت اپنے کو کیسا پاتے ہو؟ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مقتولین میں ڈھونڈتا ہوا ان کے پاس پہنچا۔ دیکھا تو انہیں نیزے اور تلوار کے قریباً ستر زخم آئے ہوئے تھے۔ ابھی کچھ زندگی کی رمق باقی تھی۔ میں نے کہا سعد! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو سلام کہتے ہیں اور پھر آپ کا پیغام پہنچایا۔ سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی سلام اور تم پر بھی سلام ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کرنا کہ میں اس وقت جنت کی خوشبو سونگھ رہا ہوں اور میری قوم انصار سے یہ کہنا کہ جب تک ایک جھپکنے والی آنکھ تم میں زندہ ہے یعنی جب تک تم میں ایک شخص بھی زندہ ہے، اگر دشمن نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بال بیکا کر دیا تو تمہارے پاس خدا کے حضور پیش کرنے کے لیے کوئی عذر نہ ہوگا۔ یہ کہا اور روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ رضی اللہ عنہ۔

سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں سیدنا سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کا وہ پیغام پہنچا دیا۔ (زرقانی: ۴۹/۲، ابن ہشام: ۸۶/۲)

ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کرنا کہ اس وقت میں مر رہا ہوں اور سلام

Marfat.com

کے بعد کہنا: اے اللہ کے رسول! اللہ آپ کو ہماری اور سب امت کی طرف سے جزائے خیر دے کہ ہم کو حق کا راستہ بتایا۔'' (مستدرک حاکم: ۲۰۱/۳)

زخمیوں میں اصیرم کو بھی دیکھا گیا جنہوں نے ایمان لانے کے بعد ایک وقت کی بھی نماز نہیں پڑھی تھی کہ جنت میں چلے گئے۔ (زاد المعاد: ۹۶/۲)

ان کا واقعہ گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔

تجہیز و تکفین:

زخمیوں کے ساتھ ساتھ شہداء کی بھی تلاش کی گئی کیونکہ ان کی تجہیز و تکفین کرنا تھی۔ کچھ حضرات نے اپنے شہداء کو مدینہ منتقل کر لیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں واپس لانے کا حکم فرمایا اور فرمایا کہ ان کو ان کی شہادت گاہوں ہی میں دفن کیا جائے۔

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا تو اس کا مثلہ ہو چکا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لاش دیکھ کر نہایت صدمہ ہوا۔ فرمایا: ''میرا دل تو یہ چاہتا ہے کہ حمزہ کی لاش اسی حالت میں پڑی رہے اور قیامت کے دن اس کے اجزاء درندوں کی پیٹ اور پرندوں کی پوٹوں سے اکٹھے ہوں، مگر اس بات پر اس لیے عمل نہیں کرتا کہ پھر یہ ایک سنت مان لی جائے گی۔ اس کے علاوہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی بہن صفیہ رضی اللہ عنہا اس کو برداشت نہیں کریں گی۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے جبرئیل امین نے خبر دی ہے کہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا یہ لقب ساتوں آسمانوں میں لکھ دیا گیا ہے:

اسد الله واسد رسوله.

''اللہ اور اس کے رسول کا شیر۔'' (ابن ہشام: ۹۵/۲-۹۶)

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہن اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی تھیں۔ دونوں بہن بھائیوں میں بڑی محبت تھی۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ تھیں۔ شکست کی خبر سن کر مدینہ طیبہ سے احد پہنچیں۔ وہ اپنے بھائی سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش دیکھنا چاہتی تھیں۔ لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے صاحبزادے سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمادیا کہ انہیں واپس لے جائیں۔ لاش کے پاس نہ جانے دیں کیونکہ اپنے بھائی کی لاش کی یہ حالت وہ دیکھ نہ پائیں گی۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ کو بتادیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لاش کو دیکھنے سے منع فرمایا ہے۔ فرمایا: میں اپنے بھائی کی لاش کا حشر سن چکی ہوں کہ اس کا مثلہ کیا گیا ہے۔

Marfat.com

راہ خدا میں یہ کوئی بڑی قربانی نہیں ہے۔ جو کچھ ہوا ہم اس پر پوری طرح راضی ہیں۔ تم حضور ﷺ کو اس بات کا اطمینان دلا دو۔ میں ان شاء اللہ صبر سے کام لوں گی۔ آپ ﷺ نے ان کے یہ جذبات دیکھ کر لاش کے پاس جانے کی اجازت فرما دی۔ وہ لاش پر تشریف لے گئیں۔ خون کا جوش تھا اور عزیز بھائی کے ٹکڑے بکھرے پڑے تھے۔ لیکن آپ رضی اللہ عنہا نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور ان کے لیے دعائے مغفرت مانگی اور خاموش ہوگئیں۔

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کو دیکھا تو رو پڑے یہاں تک کہ ہچکی بندھ گئی۔ پھر فرمایا:

سید الشهداء عندالله يوم القيامه حمزه.

''قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے ہاں حمزہ رضی اللہ عنہ تمام شہیدوں کے سردار ہوں گے۔'' (مستدرک حاکم: ۳/۱۹۹)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ پر جس طرح روئے اس طرح میں نے ان کو کبھی روتے نہیں دیکھا۔ آپ ﷺ نے انہیں قبلہ کی طرف رکھا پھر ان کے جنازے پر کھڑے ہوئے اور اس طرح روئے کہ آواز بلند ہوگئی۔ (مختصر السیرۃ: ص ۲۵۵)

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے بھانجے (امیمہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے) سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ دعا مانگا کرتے تھے کہ اللہ کے رستہ میں اپنی جان نثار کروں اور اللہ کے راستہ میں ان کے ناک، کان کاٹے جائیں اور اسی وجہ سے انہیں ''المجدع فی سبیل اللہ'' کہا گیا۔ ان کی لاش بھی وہیں پڑی ہوئی تھی۔ ان کا پیٹ تو چاک نہیں کیا گیا تھا البتہ ناک کاٹ لی گئی تھی۔

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ احد کے روز جنگ شروع ہونے سے پہلے سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے مجھے الگ بلا کر کہا کہ آؤ ہم دونوں کہیں الگ بیٹھ کر دعا مانگیں اور پھر ایک دوسرے کی دعا پر آمین کہیں۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک گوشہ میں جا کر بیٹھ گئے۔ پہلے میں نے دعا مانگی کہ اے اللہ! آج میرا مقابلہ ایک ایسے دشمن سے ہو جو نہایت بہادر، دلیر اور غضبناک ہو۔ کچھ میرا اور اس کا مقابلہ ہو۔ پھر اے اللہ! مجھے اس پر فتح نصیب فرما کہ میں اس کو قتل کروں اور اس کا سامان چھینوں۔ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے میری اس دعا پر آمین کہی۔

اب سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے دعا مانگی کہ ''اے اللہ! آج میرا ایک ایسے دشمن

Marfat.com

سے مقابلہ ہو جو بہت سخت اور غضبناک ہو۔ میں صرف تیرے لیے اس سے قتال کروں اور وہ مجھ سے لڑے۔ آخر کار وہ مجھ کو قتل کر دے اور میرے ناک اور کان کاٹے۔ اے اللہ! پھر جب میں تجھ سے ملوں اور تو مجھ سے پوچھے کہ عبداللہ! تیرے یہ ناک اور کان کہاں گئے تو میں عرض کروں کہ اے اللہ تیرے پیغمبر کی راہ میں۔ اور تو فرمائے: سچ کہا۔'' سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے ان کی اس دعا پر آمین کہی۔ پھر فرمایا کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ کی دعا میری دعا سے کہیں بہتر تھی۔ فرماتے ہیں کہ شام کو دیکھا کہ ان کے ناک اور کان کٹے ہوئے ہیں۔

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے میری دعا بھی قبول فرمالی۔ میں نے ایک بہت بڑے کافر کو قتل کیا اور اس کا سامان چھینا۔ (روض الانف: ۲/۱۴۳)

ان کی لاش کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ انہیں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ دفن کیا جائے۔ یہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے بھانجے بھی تھے اور رضاعی بھائی بھی۔ سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ علم بردار لشکر بھی اس غزوہ میں شہید ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی لاشوں کو دیکھ کر فرمایا یہ وہ ہیں کہ خدا سے جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کر دکھایا۔ (البدایہ والنہایہ: ۴/۴۵)

اسی طرح سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ کی شہادت واقع ہوئی۔ ان کی لاش غائب تھی۔ تلاش کرنے پر ایک جگہ زمین پر پڑی ہوئی ملی اور اس سے پانی ٹپک رہا تھا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ فرشتے انہیں غسل دے رہے تھے۔ اسی وجہ سے ان کا نام ''غسیل الملائکہ'' پڑ گیا۔

(زاد المعاد: ۲/۹۴)

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے والد عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ بھی اس غزوہ میں شہید ہوئے۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے والد عبداللہ نے رات ہی کو بٹھا کر مجھے وصیت کی تھی کہ صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانثاروں میں سے جو سب سے پہلے قربان ہوگا مجھے امید ہے کہ وہ میں ہوں گا۔ پھر فرمایا: تم یقین رکھو کہ میں جن کو چھوڑ کر رخصت ہوں گا ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تم ہو۔ میں اپنے ذمہ قرض چھوڑ رہا ہوں۔ تم اسے ادا کر دو گے۔ اپنی بہنوں کا پورا پورا خیال رکھنا (ان کی سات بہنیں تھیں) سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابا کی بات بالکل صحیح ہوئی وہ انہی میں سے تھے جو سب سے پہلے شہید ہوئے۔ (بخاری: ۱/۱۸۰)

خود فرمایا کہ احد کے غزوہ سے پہلے میں نے سیدنا مبشر بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا۔ وہ کہہ رہے ہیں، عبداللہ! تم بھی آج کل میں ہمارے پاس پہنچنے والے ہو۔ میں نے کہا تم کہاں ہو، کہا جنت میں۔ جہاں چاہتے ہیں سیر و تفریح کرتے ہیں۔ میں نے پوچھا کیا تو

Marfat.com

بدر میں قتل نہیں ہوا تھا۔ مبشر نے کہا، ہاں، لیکن پھر زندہ کر دیا گیا۔ عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے خواب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ابو جابر! اس خواب کی تعبیر شہادت ہے۔''

(زاد المعاد: ۲/۹۶، فتح الباری: ۳/۱۷۲)

شہادت کے بعد ان پر کپڑا ڈال دیا گیا تھا۔ میں پاس بیٹھے رو رہا تھا اور بار بار کپڑا اٹھا کر ان کی زیارت کر رہا تھا۔ مجھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے منع بھی کیا مگر مجھ سے نہ رہا گیا۔ میں نے دو تین دفعہ ایسا کیا۔ پھر سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنازہ اٹھانے کا حکم دیا تو میری پھوپھی سیدہ فاطمہ بنت عمرو رضی اللہ عنہا کی چیخ نکل گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کیوں روتی ہو۔ جب تک جنازہ اٹھا میں برابر دیکھتا رہا کہ اللہ کے فرشتے اس پر سایہ کیے ہوئے ہیں۔''

(بخاری: ص ۱۶۶، ۱۷۲، ۲۹۵، ۲/۵۸۴)

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ کے بہنوئی سیدنا عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ بھی اس معرکہ میں شہید ہوئے۔ ان کو اس معرکہ میں آنے کا بہت شوق تھا کیونکہ یہ جنگ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے۔ یہ لنگڑے تھے۔ ان کے شوق شہادت کا واقعہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ اسی شوق شہادت میں مدینہ سے چلتے وقت قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا کی:

اللهم ارزقني الشهادة ولا تردني الى اهلي.

''اے اللہ! مجھے شہادت سے بہرہ مند فرما اور گھر والوں کی طرف واپس نہ لوٹا۔''

دعا قبول ہوگئی۔ اسی غزوہ میں ان کے بیٹے خلاد بن عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ بھی شہید ہوئے۔ عمرو ابن الجموح رضی اللہ عنہ کی بیوی ہندہ بنت عمرو بن حرام (جو کہ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی پھوپھی تھیں) نے یہ چاہا کہ تینوں لاشوں (عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ، خلاد بن عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ (یعنی بیٹے شوہر اور بھائی) کو ایک اونٹ پر لاد کر مدینہ لے جائے اور وہیں دفن کیا جائے۔ مگر جب مدینہ کا رخ کرتیں تو اونٹ بیٹھ جاتا اور جب احد کا رخ کرتیں تو اونٹ چلنے لگتا۔ ہندہ کی سمجھ میں اس کی وجہ نہیں آ رہی تھی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ نے گھر سے چلتے وقت کچھ کہا تھا۔ انہوں نے دعا کا تذکرہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہی وجہ ہے کہ اونٹ مدینہ کی طرف نہیں جاتا اور یہ بھی فرمایا:

''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، تم میں بعض لوگ

Marfat.com

ایسے بھی ہیں اگر وہ کسی بات پر قسم کھا بیٹھیں تو اللہ ان کی قسم کو ضرور پورا کرتا ہے، اور عمرو ابن الجموح رضی اللہ عنہ بھی ان میں سے ایک ہیں اور بے شک میں نے ان کو اسی لنگڑے پن کے ساتھ جنت میں چلتا ہوا دیکھا ہے۔''

(عیون الاثر: ۲/ ۲۸، زرقانی: ۲/ ۵۰، استیعاب، ترجمہ عمرو بن الجموح: ۲/ ۵۰۳، روض الانف: ۲/ ۱۳۹)

سیدنا خیثمہ رضی اللہ عنہ بھی اس غزوہ میں شہید ہوئے۔ ان کے صاحبزادے سیدنا سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ غزوہ بدر میں شہید ہو چکے تھے۔ اب غزوہ احد میں یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میں بدر میں جانا چاہتا تھا اور میرا بیٹا بھی یہ سعادت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ آخر میں نے بیٹے سے قرعہ اندازی کی مگر قرعہ میں نام اس کا نکل آیا اور وہ غزوہ بدر میں گیا اور شہادت حاصل کی اور میں رہ گیا۔ آج رات میں نے بیٹے کو خواب میں دیکھا ہے۔ وہ جنت کے باغات میں سیر وتفریح کرتا پھرتا ہے اور مجھ سے کہتا ہے کہ ابا یہیں آ جاؤ۔ دونوں مل کر جنت میں ایک ساتھ رہیں گے۔ یا رسول اللہ! میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور بیٹے کی مرافقت کا نہایت مشتاق ہوں۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے شہادت نصیب فرمائے اور جنت میں اپنے بیٹے سعد کی رفاقت۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیثمہ رضی اللہ عنہ کے لیے دعا فرمائی۔ دعا قبول ہوئی اور خیثمہ رضی اللہ عنہ کو شہادت کی دولت نصیب ہوئی اور امید ہے کہ خیثمہ رضی اللہ عنہ جنت میں اپنے بیٹے کے ساتھ ہوں گے۔ (زاد المعاد: ۲/ ۹۶)

ان کے علاوہ اور بھی کئی شہداء میدان جنگ میں پڑے تھے جنہوں نے اپنی جانیں پیغمبر اسلام اور دین اسلام کے لیے نہایت خوشی کے ساتھ قربان کی تھیں۔

شہداء کو غسل نہیں دیا جاتا کیونکہ شہادت کے خون کے چھینٹے اللہ کے ہاں مشک وغیرہ سے بھی زیادہ معطر ہوتے ہیں۔ ان کو دھویا نہیں جاتا۔ ان کے کپڑے نہیں اتارے جاتے، کفن نہیں پہنایا جاتا بلکہ انہیں خون آلود کپڑوں سے دفن کر دیا جاتا ہے۔ البتہ زرہ وغیرہ جو بدن پر ہو یا اگر کچھ زائد کپڑے ہوں تو وہ اتار لیے جاتے ہیں۔ اور اگر کپڑے مسنون کفن (یعنی تین کپڑے نہ ہوں) تو ان کو پورا کر دیا جاتا ہے۔ شہداءِ احد کی تجہیز وتکفین میں بھی یہی عمل ہوا۔ لیکن سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی لاشوں کے ساتھ جو سلوک کیا گیا تھا، اس میں ان کے کپڑے بھی پورے نہیں رہے تھے۔ اس لیے اضافہ کیا گیا۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے لیے ایک سیاہ دھاریوں والی چادر کے سوا کوئی کفن نہ مل سکا۔ یہ چادر سر پر ڈالی جاتی تو پاؤں کھل

Marfat.com

جاتے اور پاؤں پر ڈالی جاتی تو سر کھل جاتا۔ بالآخر چادر سے سر ڈھک دیا گیا اور پاؤں پر اذخر گھاس ڈال دی گئی۔

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ایک صحابی ہیں۔ ان کے صاحبزادے ابراہیم بیان کرتے ہیں کہ ابا کا روزہ تھا۔ افطار کا وقت ہوا تو کھانا لایا گیا۔ فرمانے لگے: مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مجھ سے بہتر اور افضل تھے۔ غزوہ احد میں جام شہادت نوش فرمایا لیکن تنگ دستی کی یہ حالت تھی کہ پورا کفن میسر نہ ہو سکا، صرف ایک چادر ملی وہ بھی پوری نہیں تھی۔ سر چھپاتے تو پاؤں کھل جاتے تھے اور پاؤں چھپاتے تھے تو سر کھل جاتا تھا۔

فرمایا حمزہ رضی اللہ عنہ مجھ سے بہتر اور افضل تھے۔ وہ بھی اسی جنگ میں شہید ہوئے اور پورا کفن انہیں بھی میسر نہ آیا۔ صرف ایک چادر تھی وہ چھوٹی تھی۔ سر ڈھانکتے تو پیر کھل جاتے اور پیر ڈھانکتے تو سر کھل جاتا۔ بالآخر سر چھپا دیا گیا اور پاؤں پر اذخر گھاس ڈال دی۔

(ترمذی، باب قتلی احد وذکر حمزہ، بخاری: ۲/ ۵۷۹، ۵۸۴)

یہ بھی کچھ ان دونوں حضرات کی خصوصیت تھی کہ ان دونوں کو الگ الگ ایک ایک کپڑا دے دیا گیا، ورنہ ایسا بھی ہوا کہ ایک ہی کپڑے سے دو شہیدوں کا کفن پورا ہو گیا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ایک کپڑے کے دو ٹکڑے کر دیتے تھے اور اس ایک ٹکڑے سے شہید کو کفن دیتے تھے۔ (فیض الباری: ۲/ ۴۷۷)

تدفین:

شہداء کی تعداد زیادہ تھی یعنی ستر اور مدینہ کی زمین بھی کھدائی کے لیے بہت سخت تھی۔ زمین کھودنے والے خود زخموں سے چور اور تھکے ہارے اور پھر دشمن کا خطرہ بھی موجود تھا کیونکہ وہ ابھی زیادہ دور نہیں گیا تھا۔ اس وجہ سے فیصلہ یہ ہوا کہ ایک ایک قبر میں دو دو دفن کیے جائیں۔ چنانچہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بھانجے سید عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو ایک قبر میں دفن کیا گیا اور سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے والد عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ کو ایک قبر میں دفن کیا گیا۔ ابن سعد نے طبقات جلد ۳ صفحہ ۵۶۲ میں لکھا ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے منہ پر ایک زخم لگا تھا۔ شہادت کے وقت ان کا ہاتھ اس زخم پر تھا۔ ان کا ہاتھ اس زخم سے ہٹایا گیا تو زخم سے خون کا فوارہ جاری ہو گیا۔ پھر جب ہاتھ واپس لے جایا گیا تو خون بند ہو گیا چنانچہ ان کا ہاتھ اسی طرح زخم پر رکھ کر ان کو دفن کر دیا گیا۔ (عیون الاثر: ۲/ ۳۴)

Marfat.com

جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قرآن زیادہ یاد تھا۔ ان کو مقدم کیا جاتا تھا۔ (بخاری: ۱/۱۷۹)

ان شہداء کے بارے میں زبان رسالت سے یہ الفاظ بھی نکلے:

((انا شهيد على هولاء يوم القيامه))

''قیامت کے روز میں ان کی گواہی دوں گا۔'' (بخاری: ۱/۱۷۹)

بعض حضرات اپنے شہداء کو مدینہ طیبہ لے گئے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب کو یہیں دفن کیا جائے۔ چنانچہ ان کو واپس لایا گیا۔

دفن کی طرح نماز میں بھی اختصار کیا گیا۔ دس دس شہداء کی نماز جنازہ ایک ساتھ پڑھائی گئی لیکن سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا جنازہ برابر رکھا رہا۔ ان پر نماز جنازہ سات مرتبہ پڑھائی گئی۔ (ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۱۵۱۳، باب ماجاء فی الصلوٰۃ علی الشہداء ودفنہم)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہدائے احد کے بارے میں فرمایا کہ ان کو اسی طرح خون آلود دفن کیا جائے اور نہ انہیں غسل دیا جائے اور نہ ہی ان پر نماز جنازہ پڑھی گئی۔ (ولم يصل عليهم) (بخاری: ۱/۱۷۹)

مطلب یہ ہے کہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور کسی کی نماز مستقل طور پر علیحدہ نہیں پڑھی گئی۔ یہ چونکہ سید الشہداء تھے لہٰذا اصل یہی رکھے گئے اور سب ان کے تابع کیے گئے۔ ابن سعد نے طبقات میں اس کی تعبیر یہ کی ہے کہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ پر ستر نمازیں پڑھی گئیں۔

(طبقات: ۳/۳۰)

محمد ابن اسحاق نے ان کی تعداد 72 بتائی ہے۔

(سیرۃ ابن ہشام: ۲/۹۷، عیون الاثر: ۲/۳۱)

حافظ مغلطائی نے شہداء احد کی نماز جنازہ پر اجماع نقل کیا ہے۔

(سیرۃ مغلطائی: ص ۵۰)

دعا:

جب قریش کا لشکر واپس چلا گیا تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ تمام حضرات صفیں باندھ لیں تاکہ سب مل کر دعا کریں۔ اسلام کی یہی ایک خصوصیت ہے کہ ہر خوشی اور غمی کے موقع پر، ہر مصیبت اور مسرت پر اسی کے آگے جھکا جاتا ہے، اسی سے مانگا جاتا ہے اور اسی کا شکر ادا کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ایسے موقع پر جب ستر (70) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی لاشیں

Marfat.com

پڑی ہوئی ہیں خود حضور ﷺ اور قریباً تمام صحابہ زخموں اور تھکاوٹ سے چور ہیں، پیغمبر اسلام ﷺ نے ان کو میدان جنگ میں برابر ہو کر دعا مانگنے کے لیے کہا۔ اس حکم پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے صفیں باندھ لیں اور آپ ﷺ نے یوں دعا فرمائی۔ دعا کے ایک ایک لفظ سے عبدیت اور شکر کے جذبات ٹپکتے ہیں۔ عرض کی:

((اللھم لک الحمد کله، اللھم لا قابض لما بسطت، ولا باسط لما قبضت، ولا ھادی لمن اضللت، ولا مضل لمن ھدیت، ولا معطی لما منعت، ولا مانع لما اعطیت، ولا مقرب لما باعدت، اللھم ابسط علینا من برکاتک ورحمتک وفضلک ورزقک، اللھم اسئلک النعیم المقیم الذي لا یحول ولا یزول، اللھم اسلک النعیم یوم العیله والامن یوم الخوف، اللھم انی عائذبک من شرما اعطیتنا وشرما منعتنا، اللھم حبب الینا الایمان وزینه فی قلوبنا وکره الینا الکفر والفسوق والعصیان، واجعلنا من الراشدین. اللھم توفنا مسلمین واحینا مسلمین والحقنا بالصالحین، غیر خزایا ولا مفتونین، اللھم قاتل الکفره الذین یکذبون رسلک، ویصدون عن سبیلک، واجعل علیھم رجزک وعذابک، اللھم اھلک الکفره الذین اوتوا الکتاب اله الحق))

''اے اللہ! ساری حمد تیرے ہی لیے ہے، اے اللہ جس کو تو کشادہ کر دے اسے کوئی تنگ نہیں کر سکتا اور جس شے کو تو تنگ کر دے اسے کوئی کشادہ نہیں کر سکتا۔ جس کو تو ہدایت دے اس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو تو گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اور جو چیز تو دے دے اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جس شے کو دو دور کر دے اسے کوئی قریب نہیں کر سکتا۔ اے اللہ! ہمارے اوپر اپنی برکتیں، رحمتیں، فضل اور رزق پھیلا دے۔ اے اللہ! میں تجھ سے برقرار رہنے والی نعمت کا سوال کرتا ہوں جو نہ ٹلے اور نہ ختم ہو۔ اے اللہ! میں تجھ سے فقر کے دن مدد

Marfat.com

کا اور خوف کے دن امن کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ! جو کچھ تو نے ہمیں دیا ہے اس کے شر سے اور جو کچھ نہیں دیا ہے اس کے بھی شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ اے اللہ! ہمارے نزدیک ایمان کو محبوب بنا دے اور اسے ہمارے دلوں میں مزین کر دے، اور کفر، فسق اور نافرمانی کو ناپسند بنا دے اور ہمیں ہدایت یافتہ لوگوں میں سے کر دے۔ اے اللہ! ہمیں موت دے تو اسلام پر، زندہ رکھے تو اسلام پر اور ہمیں صالحین میں شامل کر دے۔ ہمیں رسوا نہ کر اور ایسا بھی نہ ہو کہ ہم فتنہ میں مبتلا ہو جائیں۔ اے اللہ! تو ان کافروں کو ہلاک کر جو تیرے پیغمبروں کو جھٹلاتے اور لوگوں کو تیرے راستہ سے روکتے رہتے ہیں اور ان پر اپنا عتاب اور عذاب نازل فرما۔ اے اللہ! ان کافروں کو بھی ہلاک فرما جنہیں کتاب دی گئی۔ اے سچے معبود۔'' (مسند احمد: ۳/۴۲۴)

اس واقعہ کے کئی سال بعد انتقال سے کچھ پہلے سرکار دو عالم ﷺ نے شہداء احد کے لیے اسی طرح نماز پڑھی جیسے جنازہ کی نماز پڑھی جاتی ہے۔ بعد ازاں آپ ﷺ منبر پر تشریف لے گئے اور لوگوں کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

''میں تمہارا ہراول ہوں۔ میں تمہارا گواہ ہوں گا۔ خدا کی قسم! میں اپنے حوض کو اس وقت دیکھ رہا ہوں۔ مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئی ہیں۔ (یا فرمایا مجھے زمین کی کنجیاں دے دی گئی ہیں)۔ مجھے، بخدا! اس کا کوئی خوف نہیں ہے کہ تم میرے بعد شرک میں مبتلا ہو جاؤ گے، البتہ مجھے یہ خوف ضرور ہے کہ تم دنیا کی دلدل میں پھنس جاؤ گے اور ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرو گے۔''

(بخاری: ۱/۱۷۹)

مدینہ طیبہ کو واپسی:

شہداء کی تکفین و تدفین کے بعد اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور دعاء و مناجات سے فارغ ہو کر رسول اللہ ﷺ گھوڑے پر سوار ہوئے اور اپنے زخمی اور تھکے ہارے ساتھیوں کے ساتھ مدینہ طیبہ کی واپسی کا ارادہ فرمایا۔ خواتین جو میدان کارزار میں پہنچ گئی تھیں اور جن کی تعداد چودہ کے قریب تھی، وہ بھی ساتھ تھیں۔ ان کی صف سب سے پیچھے تھی۔ (سیرۃ حلبیہ: ۲/۲۸۰)

Marfat.com

قبیلہ اوس کے رئیس سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے گھوڑے کی باگ سنبھالی ہوئی تھی۔
کچھ راستہ طے کیا تھا کہ حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا جو سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ام المومنین کی بہن اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن بھی تھیں، سامنے آئیں۔ انہیں بتایا گیا کہ تمہارا بھائی عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ معرکہ میں شہید ہو گیا ہے۔ انہوں نے اناللہ پڑھی اور ان کے لیے دعا مغفرت کی۔ پھر بتایا گیا کہ تمہارے ماموں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے ہیں۔ انہوں نے ان کے لیے بھی دعائے مغفرت کی اور خاموش ہو گئیں۔ اس کے بعد ان کے شوہر سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ علم بردار لشکر کی شہادت کی خبر دی گئی۔ یہ خبر سنتے ہی دامن صبر ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ تڑپ کر چیخ اٹھیں اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایک عورت کی نظر میں جو شوہر کا مقام اور درجہ ہے وہ کسی اور کا نہیں۔ (ابن ہشام: ۲/۹۸)

پوچھا کہ بھائی اور ماموں کی شہادت کی خبر پر تو تم اتنی بے تاب نہیں ہوئیں، شوہر کی شہادت پر کیوں رونے لگیں۔ کہنے لگیں بچوں کی یتیمی کے خیال نے تڑپا دیا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے دعا فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کی برکت سے عدت کے بعد ان کا نکاح سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے ہو گیا۔ انہوں نے ان کے یتیم بچوں کو اپنے بچوں کی طرح پالا۔ پھر سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ سے ایک لڑکا محمد بن طلحہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے جو کہ تاریخ اسلام میں خاص شہرت کے حامل ہوئے۔

راستہ میں بنو دینار کی ایک خاتون سے ملاقات ہوئی جس کے والد، شوہر اور بھائی اس جنگ میں شہید ہوئے تھے۔ انہیں ان کی شہادت کی خبر دی گئی۔ یہ خبر سن کر ایک ہی بات ان کی زبان پر تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا حال ہے؟ بتایا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بخیر ہیں۔ کہنے لگیں مجھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک وجود دکھلا دو۔ یعنی آپ کے بعد ہر مصیبت ہیچ ہے۔
(ابن ہشام: ۲/۹۸)

آگے بڑھے تو ایک بوڑھی خاتون روتی ہوئی آئی۔ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھوڑے کی باگ تھامے ہوئے تھے، عرض کیا: یارسول اللہ! یہ میری والدہ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مرحبا، اور گھوڑا روک لیا۔ جب وہ قریب آئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ان کے بیٹے عمرو بن معاذ رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر دی اور انہیں تسکین بخش کلمات ارشاد فرمائے اور صبر کی تلقین فرمائی۔ کہنے لگیں: یارسول اللہ! جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سلامت ہیں تو ہر مصیبت ہیچ ہے۔

Marfat.com

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہداءِ احد کے لیے دعا فرمائی اور فرمایا: سعد کی اماں! خوش ہو جاؤ اور شہداء کے گھر والوں کو بھی خوشخبری دے دو کہ ان کے ساتھ سب اکٹھے جنت میں ہیں اور اپنے گھر والوں کے بارے میں ان سب کی شفاعت قبول کر لی گئی ہے۔ کہنے لگیں: ''یا رسول اللہ! ان شہداء کے پس ماندگان کے لیے دعا فرما دیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے دعا فرمائی: ''اے اللہ! ان کے دلوں کو غم سے دور کر، ان کے مصائب کا بدل عطا فرما اور پسماندگان کی بہترین دیکھ بھال فرما۔ (سیرۃ حلبیہ:۲/۴۸۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں:

اسی طرح راستہ میں مختلف عورتوں اور مردوں کو ملتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری کاشانہ نبوت پر پہنچی تو سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ رئیس اوس اور سیدنا سعد بن عبادہ رئیس خزرج نے دونوں طرف سہارا دے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گھوڑے سے نیچے اتارا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکان میں تشریف لے گئے۔ اندر جا کر اپنی تلوار سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دی اور فرمایا: بیٹی اس کا خون دھو دو، واللہ! یہ آج میرے لیے بہت صحیح ثابت ہوئی۔ پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی تلوار دی اور فرمایا اس کا خون بھی دھو دو۔ واللہ! یہ بھی آج بہت اچھی ثابت ہوئی۔ اس پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اگر تم نے بے لاگ جنگ کی ہے تو تمہارے ساتھ ابو دجانہ رضی اللہ عنہ اور سہیل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے بھی بے لاگ جنگ کی ہے۔''

(ابن ہشام:۲/۱۰۰)

یہ تلوار جو اس روز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ میں تھی اس کا نام ''ذوالفقار'' تھا۔ (ایضاً)

تھوڑی دیر بعد مغرب کی اذان ہو گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان دونوں سردارانِ انصار کے ساتھ مسجد میں تشریف لائے اور نماز مغرب ادا فرمائی۔ نماز عشاء کے بعد آرام فرمانے کا وقت ہوا تو اوس اور خزرج کے جاں باز اور جانثار مسجد میں آ گئے اور شب بھر مسجد میں پہرہ دیتے رہے کہ کہیں کوئی اچانک حملہ نہ ہو جائے۔ (سیرۃ حلبیہ:۲/۴۸۱)

8 شوال سنہ 3ھ ہفتہ اور اتوار کی درمیانی رات ہنگامی حالت میں گزری۔ اگرچہ مجاہدین اسلام کو جنگ نے زخموں سے رنجور اور تھکاوٹ سے چور کر دیا تھا، پھر بھی وہ ساری رات مدینہ کے راستوں اور گزرگاہوں پر نگرانی کرتے رہے کیونکہ کچھ خدشات لاحق تھے۔ اس وجہ سے یہ کارروائی ضروری تھی۔ خود مدینہ کے اندر منافقین اور یہود کی کافی تعداد موجود تھی۔ جنہیں قریش کی ناکامی کا بہت صدمہ تھا۔ لہٰذا یہ سارا بندوبست کیا گیا۔

Marfat.com

منافقین نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور مدینہ میں طرح طرح کی افواہیں پھیلانی شروع کر دیں کہ دیکھو کتنا نقصان ہوا۔ ستر آدمی قتل ہو گئے۔ مجروحین کی تعداد بھی معتد بہ ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بھی منافقین کی یہ باتیں سنیں تو کچھ دل تنگ ہوئے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

((لن ينالوا منا مثل هذا اليوم حتى نستلم الركن))

''قریش نے جتنا نقصان آج ہمیں پہنچایا ہے، اس کے بعد اتنا نقصان پھر کبھی نہیں پہنچا سکیں گے یہاں تک کہ ہم حجر اسود کو بوسہ دیں گے یعنی مکہ فتح کریں گے۔'' (طبقات ابن سعد: ۳/۳۱)

سبحان اللہ! باوجود اتنا نقصان اٹھانے اور خود بری طرح زخمی ہونے کے مستقبل کے پردوں میں جھانک پر پیشگوئی کی جارہی ہے کہ ایک دن وہ بھی آئے گا کہ ہم مکہ کی زمین میں جہاں سے رات کی تاریکی میں چوری چھپے نکلے تھے، دن کی روشنی میں فاتحانہ طور پر داخل ہوں گے۔

معافی:

بعض حضرات کا یہ خیال ہے کہ غزوہ احد میں مسلمانوں کو فتح کے بعد شکست ہوگئی اور ایک فاتح فوج معمولی سی غلطی سے شکست خوردہ فوج کے زمرہ میں داخل ہوگئی۔ عام مؤرخین نے اس جنگ سے یہی نتیجہ نکالنے کی کوشش کی ہے، لیکن ہمارے نزدیک یہ بات غلط ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے ایک اعلیٰ نمبروں میں کامیاب ہونے والا درجہ دوم کی کامیابی کو اپنی ناکامی سمجھنے لگے۔ اس جنگ کا نتیجہ نکالنے سے قبل یہ بات ذہن میں رکھنا نہایت ضروری ہے کہ مکہ سے قریش کا سوا تین ہزار بہادروں پر مشتمل لشکر جرار غصہ سے دانت پیستا ہوا مدینہ کی طرف بڑھا کہ وہ نہ صرف مسلمانوں سے جنگ بدر کا انتقام لے گا بلکہ اہل مدینہ کو بھی حکم عدولی کا مزہ چکھائے گا جو انہوں نے ہمارے اس دھمکی آمیز خط کے جواب میں کی اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کو برابر پناہ دیئے رکھی۔ ان کے اس خط کی دھمکی کوئی معمولی نہ تھی کہ ''محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نکال دو یا اس سے جنگ کرو ورنہ ہم مدینہ پہنچ کر تمہارے جوانوں کو قتل کر دیں گے اور عورتوں کو لونڈیاں بنالیں گے۔''

لیکن ہوا کیا؟ سات سو مسلمانوں کا پاپیادہ لشکر مدینہ سے نکل کر ان کے پاس احد میں پہنچا۔ صرف چند گھنٹے مقابلہ کیا اور اس جرار لشکر کو جو سوار بھی تھا اور ہر قسم کے اسلحہ سے لیس تھا حواس باختہ بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ پھر اس کا تعاقب بھی کیا اور وہ خوف زدہ ہو کر ایسا بھاگا کہ

Marfat.com

پلٹنے کا نام بھی نہ لے سکا۔

کوئی مؤرخ اس کی وجہ بیان نہیں کر سکا کہ جنگ کے اختتام پر فاتح مرعوب اور ہیبت زدہ اور شکست خوردہ مطمئن اور بے خوف کیوں تھا؟ کوئی وجہ نہیں بتائی جا سکتی کہ قریش کا یہ لشکر کامیابی کے بعد ناکام کیوں ہو گیا؟ سوال یہ ہے کہ جب مسلمان نیم جان ہو چکے تھے پھر کیا ہوا کہ قریش نے اپنی تلوار روک لی۔ سب کو اپنی خون آشام تلواروں کا لقمہ کیوں نہیں بنایا؟ مدینہ میدان جنگ سے صرف تین میل دور تھا اور بالکل خالی تھا۔ جو لوگ وہاں موجود تھے وہ یا یہود تھے یا منافقین۔ وہ پہلے ہی ان کے تھے۔ قریش نے اپنے لشکر کے پانچ چھ سو جوان بھیج کر مدینہ پر کیوں نہ حملہ کر دیا؟ اگر وہ مدینہ پر حملہ کر دیتے تو ہو سکتا تھا کہ وہ اپنی اس دھمکی کو عملی جامہ پہنا دیتے کہ "ہم مدینہ کے جوانوں کو قتل کر دیں گے اور عورتوں کو باندیاں بنا لیں گے۔"

قریش کے جرنیل بھی کوئی معمولی جرنیل نہ تھے۔ ابو سفیان بن حرب قائد لشکر تھا۔ خالد بن ولید، عکرمہ بن ابی جہل اور صفوان بن امیہ جیسے باہمت اور زیرک جرنیل اس کے معاون و مددگار تھے۔ پھر ایک موقع ایسا بھی آیا کہ ابو سفیان اور خالد بن ولید نے پہاڑ کی بلندی سے مسلمانوں پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا اور یہ حملہ مسلمانوں کے لیے بہت خطرناک ہو سکتا تھا کیونکہ دشمن بلندی پر تھا اور مسلمان نشیب میں تھے اور اس سے قبل ظاہری طور پر شکست فتح میں تبدیل ہو چکی تھی اور مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد شہید اور قتل ہو چکی تھی۔ لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے چند ساتھیوں کے ساتھ ایک معمولی سا حملہ کیا تو اس طاقتور اور فاتح دشمن نے تیزی سے اس بلندی سے اتر کر مکہ کا راستہ لیا۔ یہ اور اس قسم کے اور کئی سوالات ہیں جو اس جنگ کے مقابلہ میں پیدا ہوتے ہیں اور مؤرخ دلائل سے ان کا جواب دینے سے قاصر ہے۔ ان سوالات کا جواب صرف اور صرف یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس وعدہ کو پورا کیا جو اس جنگ کے آغاز میں کیا تھا اور اس کے پورا ہونے میں کچھ دیر صرف اس لیے کی گئی تھی کہ مسلمانوں نے حکم عدولی کر کے کم ہمتی اور نزاع باہمی کا راستہ اختیار کر لیا تھا جو ان کے لیے زیبا ہی نہیں تھا۔ چنانچہ وہ وعدہ ان الفاظ میں کیا:

> "مسلمانو! ہم عنقریب ان کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی۔"

اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ حق و باطل کے اس معرکہ میں قریش نے اس ذات کو چھوڑ دیا تھا جو امداد و نصرت کا حقیقی مرکز اور اصلی منبع ہے اور ان کو لے لیا اور ان کو اللہ تعالیٰ کا شریک گردان لیا جو خود تہی دامن ہیں، جو خود اپنے لیے مدد کے محتاج ہیں، جن کے پاس صحیح

Marfat.com

دلیل، کوئی حجت اور برہان نہیں ہے۔ پس قدرتی بات ہے کہ ان کے قلوب عزم و ہمت سے خالی ہوں اور صاحب عزم وہ ہیں جو حق کے حامی اور رب حقیقی کے پرستار ہیں۔

یہ لوگ جو اپنے کو فاتح سمجھنے لگے تھے یہ فتح کی حقیقت سے محروم تھے۔ حقیقی طاقت سے منہ موڑے ہوئے تھے۔ ان کو جو فتح حاصل ہوئی وہ صرف مسلمانوں کی ایک غلطی کے نتیجہ میں تھی اور یہ فتح بھی عارضی اور نمائشی تھی اسی وجہ سے وہ خوف زدہ بھی تھے اور غیر مطمئن بھی اور اسی وجہ سے مزید فتح حاصل کرنے کے بجائے ابوسفیان اور اس کے باطل پرست ساتھیوں نے جن کا نعرہ بھی میدان جنگ میں "یاللھبل" اور "یاللعزیٰ" تھا۔ (طبقات ابن سعد: ۳/۲۹) اسی کو غنیمت سمجھا جو "نمائشی فتح" انہیں میسر آ گئی۔ اس کے مقابلہ میں وہ خدا پرست تھے جو سب کو چھوڑ کر اپنے رب سے رشتہ جوڑ چکے تھے۔ انہیں دنیا مطلوب نہیں تھی، وہ قریش کے خیموں سے جو کچھ لے رہے تھے، وہ خدا کے لیے لے رہے تھے۔ مگر صورت ایسی ہی ہوگئی جو طالبانِ دنیا کی ہوتی ہے۔ لیکن جیسے ہی انہوں نے "الی عباداللہ" کی آواز سنی۔ فوراً چونک اٹھے۔ دنیا طلبی کا یہ غبار فوراً چھٹ گیا اور محبت کی چنگاریاں بھڑکنے لگیں۔ یہی عشق و محبت کا جذبہ تھا جس نے فاتح کو مرعوب اور خوف زدہ بنا دیا اور شکست خوردہ کو امن و اطمینان کے جام جان آفرین سے سرشار کر دیا۔

یہی وجہ تھی کہ حق تعالیٰ شانہ نے ان کی اس غلطی اور کوتاہی کو، اگرچہ اس کا نتیجہ بڑا خوفناک نکلا تھا کہ مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد اسی وجہ سے شہید اور زخمی ہوگئی اور خود پیغمبر اسلام ﷺ بھی شدید زخمی ہوئے، دانت ٹوٹے، چہرہ زخمی ہوگیا، لیکن اللہ رب العزت نے ان کی ان کوتاہیوں اور لغزشوں کو درگزر فرمایا اور نہ صرف خود ہی درگزر فرمایا بلکہ سفارش بھی فرما دی کہ اے پیغمبر! ان خطا کاروں پر جو اعتماد پہلے تھا اس میں ذرہ برابر کمی نہ آئے بلکہ ان پر پہلے ہی کی طرح اعتماد کرو اور جس طرح ان کو ہر معاملہ میں مشورہ کر کے اعتماد میں لیتے تھے آئندہ بھی ان سے اسی اعتماد کے ساتھ مشورہ لیا کرو۔ چنانچہ بڑے صاف لفظوں میں فرمایا:

﴿فاعف عنھم واستغفر لھم وشاورھم فی الامر﴾

"پس ان کو معاف کر دو اور ان کے لیے اللہ سے مغفرت طلب کرو اور جو کام درپیش ہو اس میں ان سے مشورہ کرو۔" (۳:۱۵۹)

پس جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا اور اپنے رسول ﷺ سے بھی معاف کرنے کی سفارش فرمائی۔ کون بدبخت ہے جو ان حضرات کی شان میں لب کشائی کرے۔ جب

Marfat.com

عرش معلٰی سے ان کو معافی کا اعلان صادر ہو گیا تو کیا کسی کو ہمت ہے کہ ان حضرات کو مطعون کر کے رب العرش کا مقابلہ کرے؟ یہ حضرات تو مخلصین میں سے تھے، صرف چند آدمیوں کی ایک معمولی سی غلطی پر پوری جماعت کو نتیجہ بھگتنا پڑا۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے بھی درگزر فرمایا جو عین جنگ کے وقت اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر میدان سے پلٹ آئے تھے حالانکہ ان کا جرم اتنا سنگین تھا جس کی سزا گردن زدنی کے سوا اور کچھ نہ تھی۔ پھر نہ صرف وہ میدان سے پلٹ آئے بلکہ مدینہ میں بھی افواہوں کا بازار گرم کر دیا اور جب مسلمان شکستہ حال اور نزار حالت میں مدینہ واپس آئے تو ان منافقوں نے آوازے کسے کہ اگر ہماری بات مانی جاتی تو لوگ میدان جنگ میں بے بسی کی موت نہ مرتے۔ ان کی اس بات کو قرآن حکیم نے بھی ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

﴿لو اطاعونا ماقتلوا﴾ (۳:۱۶۸)

''اگر وہ ہماری بات مانتے تو مارے نہ جاتے۔''

چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ایک جماعت ان کی گردنیں اڑانے اور دوسری جماعت ان کی معذرت قبول کرنے کی رائے رکھتی تھی۔ لیکن رحمت کا وہ سرچشمہ جو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منبع فیض سے ابل رہا تھا اور ارحم الراحمین کی رحمت کاملہ اس کی موجوں میں ہر لحہ اضافہ کر رہی تھی، اس نے ان غداروں کو بھی نظر انداز کر دیا۔ ان کا معاملہ دنیا کے بجائے آخرت کے حوالے کر دیا۔ کیونکہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چشم فراست اور نگاہِ بصیرت اس کو دیکھ رہی تھی کہ ان تین سو میں سے اکثر و بیشتر مومن کامل بن جائیں گے۔ خلاصہ یہ کہ مسلمانوں نے اس کو شکست صرف اس لیے کہا تھا کہ ان کا محبوب آقا اس جنگ میں زخمی ہو گیا تھا اور یہ المیہ ان کی ایک غلطی کی وجہ سے پیش آیا تھا۔ دوسرے مسلمانوں کا نقصان اس میں قریش سے زیادہ ہوا تھا۔

ذاتِ اقدس پر حملہ آوروں کا انجام:

میدان جنگ میں جن لوگوں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نیزوں اور تلواروں سے حملے کیے، ہو سکتا ہے کہ ان کی تعداد کثیر ہو۔ کیونکہ زہری کا اندازہ ہے کہ ستر مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تلوار کے حملے ہوئے۔ مگر حق تعالیٰ نے سب سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محفوظ رکھا۔ ان سب کے نام تو سیرت اور تاریخ کے رپورٹروں نے نہیں بتائے البتہ چار آدمیوں کے نام کتابوں میں منقول ہیں:

① عبداللہ بن قمیہ: اس کی تلوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گردن کے قریب شانے پر لگی لیکن زرہ کی وجہ سے کوئی زخم تو نہ آیا لیکن ضرب کی تکلیف ایک ماہ سے زائد تک رہی۔ یہ

Marfat.com

شخص جنگ سے واپس جب گھر پہنچا تو کچھ دنوں کے بعد بکریوں کی تلاش میں پہاڑ پر چڑھا تو ایک پہاڑی بکرے نے اس کو ٹکریں مار مار کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان کیا گیا ہے۔

② ابی بن خلف: یہ امیہ بن خلف کا بھائی اور صفوان بن امیہ کا چچا تھا۔ یہ سرکار دو عالم ﷺ پر حملہ کرنے کے لیے آیا تھا لیکن خود حملہ تو نہ کر سکا بلکہ الٹا سرکار دو عالم ﷺ نے اس پر ایک نیزہ پھینک مارا جس کی ظاہری خراش تو معمولی تھی لیکن وہ چیختا چلاتا مر گیا۔

③ عتبہ بن ابی وقاص: یہ سیدنا سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا بھائی تھا۔ اس نے سرکار دو عالم ﷺ کو پتھر مارا تھا، جس سے آپ ﷺ کے دندان مبارک شہید ہو گئے۔ یہ خود تو ایک روایت کے مطابق غزوہ احد میں ہی مارا گیا اور سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کیا۔ لیکن ایک روایت یہ بھی ہے کہ اسلام سے مشرف ہوا اور پھر اس کا انتقال ہوا۔ لیکن اس کے پتھر سے حضور ﷺ کے دندان مبارک شہید ہوئے، اس واقعہ کے بعد اس کے جتنے بیٹے اور پوتے پیدا ہوئے۔ قدرتی طور پر ان کے یہ دانت نہیں تھے۔ (سیرۃ حلبیہ: ۲/۲۵۸)

④ عبداللہ بن شہاب زہری: یہ اسلام سے مشرف ہوئے اور حدیث کے مشہور امام زہری انہی کے خاندان سے تھے۔ (سیرۃ حلبیہ: ۲/۲۵۸)

(غزوہ احد کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو السیرۃ النبویہ لابن ہشام: ۲/۶۴، طبقات ابن سعد: ۲/۲۵، ابن جریر طبری: ۳/۹، انساب الاشراف: ۱/۱۴۷، عیون الاثر: ۲/۲، البدایہ والنہایہ: ۴/۹، زاد المعاد: ۲/۲۳۱، تاریخ الخمیس: ۱/۴۱۹)

غزوہ حمراء الاسد:

سرکار دو عالم ﷺ ابھی میدان احد میں تھے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے آپ کو یہ اطلاع دی کہ دشمن مکہ کی طرف روانہ ہوا ہے اگرچہ آپ ﷺ کو اطمینان ہو گیا تھا کہ مدینہ دشمن کی دسترس سے محفوظ ہے، لیکن اس بات کا اندیشہ ضرور تھا کہ ہماری اس حالت کے پیش نظر کہیں دشمن راستہ سے واپس پلٹ کر ہم پر دوبارہ حملہ نہ کر دے۔ دشمن کا پیچھا کرنا بھی ضروری تھا تا کہ اگر وہ پلٹنا چاہے تو وہیں اس کا مقابلہ کیا جائے، لیکن فراست نبوی نے یہ طے کیا کہ پہلے

Marfat.com

پورا لشکر مدینہ جائے اور مدینہ کی مکمل حفاظت کا بندوبست کر کے پھر ایک دستہ دشمن کے تعاقب میں بھیجا جائے۔ چنانچہ آپ تمام لشکر کے ساتھ مدینہ پہنچے۔ مدینہ کی ہر گزرگاہ اور راستہ پر مجاہدین کو متعین فرمایا۔ کاشانۂ نبوت کے آستانہ پر انصار کا ایک دستہ متعین فرمایا۔ زخمیوں کی رات کو مرہم پٹی کی۔ مدینہ میں رات خیریت سے گزری۔ کوئی یورش نہ ہوئی۔ لیکن خطرہ پھر بھی متوقع تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ اسی روز ایک شخص مکہ سے مدینہ پہنچا تھا۔ راستہ میں اس کی ابوسفیان اور لشکر قریش کے کچھ آدمیوں سے ملاقات ہوئی۔ اس نے بھی بتایا کہ قریش کے لشکر میں یہ بات چل رہی تھی کہ ہمیں دوبارہ حملہ کرنا چاہیے۔ ہم غلطی کر رہے ہیں کہ نیم جان مسلمانوں کو چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ ہم مسلمانوں کے قلع قمع کے لیے آئے تھے اب اس کام کو نامکمل چھوڑ کر جانا دانش مندی نہیں۔ ابوسفیان کا رجحان یہی تھا لیکن صفوان بن امیہ اس رائے کا مخالف تھا کہ اگر ہم نے واپس مدینہ پر حملہ کیا تو وہاں جو تازہ دم مسلمان ہیں وہ ہمیں کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔ ہماری یہ نمائشی فتح بھی مسلمانوں کی اپنی غلطی کی وجہ سے ہوئی ہے ورنہ ہم تو مکمل طور پر شکست کھا کر میدان سے بھاگ گئے تھے، یہ صفوان بن امیہ کی رائے تھی۔

(البدایہ والنہایہ: ۴/ ۴۸)

بہرحال رات گزرنے کے بعد اتوار کی صبح کو نماز فجر سے فارغ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اعلان کر دیں کہ ”رسول اللہ کا حکم ہے کہ دشمن کے تعاقب میں چلو اور یہ بھی حکم ہے کہ صرف وہی لوگ چلیں جو کل ہمارے ساتھ جنگ میں شریک تھے۔“ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اعلان بہت بڑی حکمت پر مبنی تھا۔ دراصل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منافقین (عبداللہ بن ابی اور اس کی پارٹی) کو ساتھ لے جانا نہیں چاہتے تھے، لہٰذا اس طرح اعلان فرمایا کہ منافقین ساتھ جا ہی نہ سکیں۔ چنانچہ عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں نے چلنے کی پیشکش بھی کی تھی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت نہیں دی۔ (سیرۃ حلبیہ: ۲/ ۲۸۴)

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ جن کے والد عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کل جنگ میں شہید ہوئے تھے، وہ یہ اعلان سن کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ! کل میں اس لیے حاضر خدمت نہیں ہو سکا تھا کہ والد صاحب، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنگ میں تشریف لے گئے تھے اور مجھے گھر کی دیکھ بھال کے لیے چھوڑ گئے تھے۔ اب والد صاحب کی وصیت ختم ہو چکی ہے۔ مجھے یہ گوارا نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس حالت میں تشریف لے جائیں اور میں گھر میں پڑا رہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے اس بلند جذبے اور نوجوانی کے پیش نظر اجازت

Marfat.com

مرحمت فرما دی۔ (ابن ہشام:۲/۹۹)

اس جنگ کے لیے پرچم سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا (طبقات ابن سعد: ۳/۳۴) اور حمراء الاسد جو مدینہ سے آٹھ دس میل کے فاصلہ پر تھا، کا قصد فرمایا۔ سیدنا ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ راستہ بتانے کے لیے آگے آگے چلے۔ (سیرۃ حلبیہ: ۳/۲۸۵)

حکم یہ تھا کہ جو کل جنگ احد میں شریک ہوئے تھے وہ لوگ ہی اس دستہ میں شامل ہوں، لیکن ان لوگوں میں زیادہ تر مضروب اور زخمی لوگ تھے جو تمام رات زخموں کی مرہم پٹی کرتے رہے۔ ان میں سب سے مقدم خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کے بدن پر نو زخم، سیدنا عقبہ ابن عامر رضی اللہ عنہ کے جسم پر بھی نو زخم، سیدنا خرش بن صمہ رضی اللہ عنہ کے بدن پر دس زخم، کعب بن مالک کے جسم پر بھی کئی زخم تھے۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے بدن پر بیس زخم اور سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کا تو پوچھنا ہی کیا، وہ تو دشمن کے تیروں کے سامنے ڈھال بنے ہوئے تھے۔ ان کے بدن پر ستر سے زیادہ زخم اور ایک انگلی کٹی ہوئی۔ ہاتھ شل ہو گیا ہوا تھا۔ کچھ یہی حال سیدنا ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کا تھا۔ اسی طرح دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی مضروب اور مجروح تھے جو اپنے قائد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک حکم پر اپنی ان تمام چوٹوں اور ضربوں کو بھول کر ان کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ دنیا میں ایسی مثال ڈھونڈے سے نہیں ملتی۔

جیسا کہ گزشتہ سطور میں بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ اندیشہ کہ دشمن پلٹ کر پھر حملہ آور نہ ہو جائے کسی حد تک درست تھا، دشمن نے مدینہ سے 36 میل دور مقام روحاء پر پہنچ کر جب پڑاؤ ڈالا تو اسے محسوس ہوا کہ اس نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔ انہوں نے آپس میں کہا کہ ہم لوگوں نے کچھ نہیں کیا کہ مسلمانوں کو نیم جان کر کے انہیں یونہی چھوڑ دیا، یہ لوگ ہمارے لیے پھر درد سر بن سکتے ہیں، لہٰذا ہمیں واپس لوٹ کر مدینہ پر حملہ کرنا چاہیے اور مسلمانوں کی رہی سہی طاقت کا قلع قمع کر کے اس درد سر کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دینا چاہیے۔ لیکن صفوان بن امیہ نے ان کی اس تجویز کو احمقانہ قرار دیا اور اس کی سخت مخالفت کی۔ اس نے کہا کہ مسلمانوں کی ایک معمولی سی غلطی کی وجہ سے تمہاری شکست فتح میں تبدیل ہو گئی ہے۔ تمہارے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ اگر اب تم لوگوں نے واپس جا کر مدینہ پر حملہ کیا تو تمہاری یہ عزت بھی جاتی رہے گی اور تمہیں شکست فاش کا سامنا کرنا پڑے گا۔ صفوان بن امیہ کی یہ رائے بنیادی طور پر درست تھی لیکن اکثریت نے اس کو قبول نہ کیا اور واپس مدینہ چلنے کے لیے پلاننگ شروع کر دی۔

Marfat.com

مدینہ سے سرکار دو عالم ﷺ بھی اپنے مجاہدین کے ساتھ روانہ ہو کر حمراء الاسد پہنچ گئے اور قیام فرمایا۔ قریش کا لشکر اس سے آگے روحاء میں قیام پذیر تھا اور وہاں سے واپس آ کر مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ سرکار مدینہ ﷺ نے پیر، منگل اور بدھ یعنی 10,9 اور 11 شوال سنہ 3 ھ تین دن وہاں قیام فرمایا۔

اثنا قیام میں معبد بن ابی معبد الخزاعی جو قبیلہ ''خزاعہ'' کا رئیس تھا، وہاں پہنچ گیا۔ اس پورے قبیلے کو اسلام اور مسلمانوں سے ہمدردی تھی۔ اس قبیلہ کے کچھ لوگ مسلمان بھی ہو چکے تھے، لیکن معبد ابھی تک مسلمان نہیں ہوا تھا۔ ایک روایت یہ ہے کہ وہ یہاں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا لیکن دوسری روایت یہ ہے کہ وہ اپنے شرک ہی پر قائم رہا، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ سرکار دو عالم ﷺ کا دل سے خیر خواہ تھا۔ اس خیر خواہی کی ایک وجہ یہ تھی کہ بنو ہاشم اور بنو خزاعہ آپس میں حلیف تھے۔ اس نے آپ ﷺ سے مل کر شہداء احد کی تعزیت بھی کی اور آپ ﷺ سے اظہار ہمدردی بھی کیا۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ وہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے پاس روحاء میں جائے اور اس کی حوصلہ شکنی کرے۔

قریش روحاء میں واپس مدینہ کی طرف پلٹنے کی تیاریاں کر رہے تھے کہ معبد خزاعی وہاں پہنچ گیا ہے۔ ابوسفیان کو معلوم نہیں تھا کہ وہ مسلمان ہو گیا ہے۔ ابوسفیان نے اس سے پوچھا: ''معبد! پیچھے کی کیا خبر ہے؟'' معبد نے کہا کہ مدینہ کے مسلمانوں کو جب احد کی شکست کا علم ہوا تو ان میں سے ہر ایک شعلہ جوالہ بن گیا اور قریش پر دانت پیسنے لگا۔ یہ سب لوگ انتقام لینے کے لیے مدینہ سے اتنی بڑی جمعیت کے ساتھ نکل پڑے ہیں کہ میں نے ویسی جمعیت کبھی دیکھی ہی نہیں۔ احد میں جو مسلمان پیچھے رہ گئے تھے وہ بھی اب کے ساتھ ہیں۔ ممکن ہے کہ تم کوچ کرنے سے پہلے پہلے ان کے گھوڑوں کی پیشانیاں دیکھو یا لشکر کا ہراول دستہ اس ٹیلے کے پیچھے سے نمودار ہو جائے۔

معبد کی یہ بات قریش کے لشکر پر ایک بہت بڑا اعصابی حملہ تھا۔ اس بات سے قریشی لشکر کی ہمت ٹوٹ گئی، اعصاب جواب دے گئے اور رعب اور گھبراہٹ طاری ہو گئی۔ ابوسفیان کا رجحان اگرچہ یہ ہو گیا تھا کہ پلٹ کر مدینہ پر حملہ کرے، اب معبد خزاعی کے اس بیان سے اس نے یہ طے کیا کہ واپس جانے کی بجائے مکہ کی طرف تیزی سے بڑھنا چاہیے۔

(سیرۃ ابن ہشام: ۲/۹۰)

حمراء الاسد کے تین روزہ قیام میں حضور ﷺ نے ایک جنگی تدبیر کی جس کے

Marfat.com

دشمن پر بڑے اثرات پڑے، چونکہ آپ ﷺ کے لشکر کے بہت سے آدمی زخمی تھے ان کو زخموں کو سینکنے کے لیے آگ کی ضرورت بھی پڑتی تھی۔ آپ ﷺ نے حکم فرمایا کہ رات کو دور دور تک آگ جلائی جائے۔ جس کی روشنی دور دور تک جاتی تھی اور ایک دیکھنے والے کو پتہ چلتا تھا کہ یہاں بہت بڑی فوج پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے۔ جنگی مصلحت کے لحاظ سے یہ ایک بڑی اچھی تدبیر تھی۔ اس تدبیر نے آس پاس کے قبائل پر بھی اچھے اثرات ڈالے۔ اس سے بھی مسلمانوں کافی حد تک قریش کے حملہ سے محفوظ رہے۔ (طبقات ابن سعد: ۳/۲۵)

اس مقام پر آپ ﷺ کے قیام کے دوران دو واقعات اور پیش آئے۔ ایک یہ کہ عبداللہ بن سہیل رضی اللہ عنہ اور رافع بن سہیل رضی اللہ عنہ دو بھائی تھے۔ یہ دونوں جنگ احد میں شریک تھے اور دونوں جنگ کے دوران شدید زخمی ہو گئے تھے۔ سیدنا رافع رضی اللہ عنہ کی ٹانگ پر ایسی چوٹ لگی تھی کہ چلنا مشکل تھا، لیکن جونہی دشمن کا تعاقب کرنے کی منادی سنی تو دونوں بھائیوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ آج تک تو ہم کسی غزوہ میں پیچھے نہیں رہے، لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ اس غزوہ کی سعادت سے ہم محروم رہ جائیں۔ دونوں کے پاس کوئی سواری نہ تھی، لہٰذا دونوں پا پیادہ روانہ ہو گئے لیکن حضور ﷺ لشکر کو لے کر پہلے مدینہ سے نکل آئے تھے۔ سیدنا عبداللہ کے زخم کم تھے وہ اچھی طرح چل سکتے تھے لیکن سیدنا رافع رضی اللہ عنہ کو زخم بھی زیادہ آئے تھے اور ان کی ٹانگ پر ایک شدید چوٹ آئی تھی اس سے وہ چلنے سے معذور تھے۔ ان کے بھائی عبداللہ رضی اللہ عنہ ان کو اٹھا کر چلتے تھے اس وجہ سے وہ دیر سے یعنی عشاء کے وقت حمراء الاسد پہنچے۔ محافظین نے ان دونوں کو دشمن کا آدمی سمجھتے ہوئے گرفتار کر لیا، لیکن جب معلوم ہوا کہ یہ فلاں فلاں انصاری ہیں تو سرکار دو عالم ﷺ نے تاخیر کی وجہ پوچھی۔ ان دونوں بھائیوں نے پورا واقعہ بیان کیا اور اپنا شوق جہاد بتایا تو حضور ﷺ بہت خوش ہوئے اور ان کے لیے دعا فرمائی۔

(سیرۃ حلبیہ: ۲/۲۸۶، سیرت ابن ہشام: ۲/۱۰۱)

دوسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ مدینہ واپسی پر ابوعزہ جمحی آپ ﷺ کی گرفت میں آ گیا۔ اس کو جنگ بدر میں گرفتار کیا گیا تھا اور جب اسے فدیہ کے لیے کہا گیا تو اس نے اپنی غریبی کا رونا رویا اور کہا کہ میری پانچ لڑکیاں ہیں، ان کی بمشکل کفالت کرتا ہوں اس لیے میرے پاس فدیہ کے لیے کوئی رقم نہیں ہے۔ رحمت عالم ﷺ نے اسے بغیر فدیہ کے اس شرط پر چھوڑ دیا کہ وہ آئندہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف کسی سے تعاون نہیں کرے گا۔ کچھ ماہ تو وہ اپنے اس وعدہ پر قائم رہا لیکن اس کے بعد اس نے صفوان بن امیہ کے کہنے پر پھر مسلمانوں اور رسول اللہ ﷺ

Marfat.com

کے خلاف لوگوں کو بھڑکانا شروع کر دیا۔ جنگ احد سے ذرا پہلے اس نے اپنے اشعار سے لوگوں میں اشتعال پیدا کر کے انہیں قریش کے لشکر میں شرکت کے لیے اکسایا تھا۔ خود بھی مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کے لیے میدان احد میں آیا۔ یہاں پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انہیں گرفتار کر کے بارگاہ نبوت میں پیش کیا۔ اس نے عرض کیا کہ مجھ سے جو وعدہ خلافی اور عہد شکنی ہوگئی ہے، اس کے لیے درگزر فرمائیں اور مجھ پر احسان فرمائیں۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پھر وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ ایسی حرکت نہیں کروں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اب میں ایسا نہیں کرسکتا کہ تم مکے جا کر اپنے رخسار پر ہاتھ پھیرو اور کہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دو مرتبہ دھوکہ دیا ہے۔ مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا۔'' اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو یا سیدنا عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ اس کی گردن ماردو۔ چنانچہ حکم کی تعمیل کی گئی۔

اسی طرح ایک قریشی جاسوس بھی مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ یہ معاویہ بن مغیرہ بن ابی العاص تھا۔ یہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا چچازاد بھائی تھا۔ یہ جنگ کے بعد مدینہ میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو لینے آیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہا نے اس کے لیے بارگاہ رسالت سے امان طلب کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شرط پر اسے امان دی کہ اگر تین روز سے زیادہ یہاں پایا گیا تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔ لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حمراء الاسد کے لیے روانہ ہوئے اور مدینہ خالی ہو گیا تو یہ شخص جاسوسی کے لیے تین روز سے زیادہ یہاں ٹھہر گیا اور جب لشکر حمراء الاسد سے واپس آیا تو بھاگنے کی کوشش کی لیکن پکڑا گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں قتل ہوگیا۔ (ابن ہشام: ۲/۱۰۳-۱۰۴)

یہ غزوہ کوئی مستقل غزوہ نہیں بلکہ غزوہ احد ہی کا تتمہ ہے۔ اس کے دوران مدینہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہا کو اپنا قائم مقام فرمایا۔ (ابن ہشام: ۲/۱۰۱)

واقعات متفرقہ:

- اس سال سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سیدہ حفصہ سلام اللہ علیہا سے نکاح فرمایا۔ یہ نکاح شعبان سنہ 3ھ میں ہوا ان کے پہلے خاوند سیدنا خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ جنگ بدر میں زخمی ہوئے۔ وہ غزوۂ احد سے قبل انتقال فرما گئے اور ان کی موت کا سبب وہ زخم تھے جو انہیں غزوہ بدر میں آئے۔ لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی نے الاصابہ میں لکھا ہے کہ سیدنا خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ غزوہ احد میں شہید

Marfat.com

ہوئے تھے اور غزوہ احد شوال سنہ 3ھ میں ہوا اس لحاظ سے یہ نکاح سنہ 4ھ میں ہوا۔

② اسی سال سرور کائنات ﷺ نے ام المومنین سیدہ زینب بنت خزیمہ الہلالیہ سے عقد فرمایا۔ یہ زوجہ محترمہ کثرت صدقہ کی وجہ سے "ام المساکین" کہلاتی تھیں۔ ان کے پہلے شوہر سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ غزوہ احد میں جو شوال سنہ 3ھ میں ہوا، شہید ہو گئے تھے۔ عدت پوری ہونے کے بعد ذی الحجہ سنہ 3ھ میں ان سے آپ ﷺ کا عقد ہوا۔ سرکار مدینہ ﷺ کی خدمت میں دو یا تین مہینے رہ کر ربیع الاول یا ربیع الآخر سنہ 4ھ میں انتقال فرما گئیں۔

رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات میں سے سیدہ خدیجہ الکبریٰ اور سیدہ زینب ام المساکین سلام اللہ علیہما کا وصال آپ ﷺ کی زندگی میں ہوا۔

③ اسی سال ربیع الاول میں سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا نکاح سیدہ ام کلثوم بنت رسول اللہ ﷺ سے ہوا اور اسی سال جمادی الآخرۃ میں رخصتی ہوئی۔

④ ایک روایت کے مطابق اسی سال نصف رمضان میں سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی۔

⑤ وراثت کا قانون بھی اسی سال نازل ہوا۔ اب تک وراثت میں ذوالارحام کا کوئی حصہ مقرر نہ تھا۔

⑥ مشرکہ عورت کا نکاح ایک مسلمان مرد سے اسی سال حرام ہوا۔ اس سے قبل یہ نکاح جائز تھا۔

⑦ ایک روایت کے مطابق شراب کی حرمت بھی اسی سال ہوئی اور دوسری روایت کے مطابق یہ حرمت سنہ 4ھ میں نازل ہوئی۔

Marfat.com

سنہ 4ھ

بدر کی فتح سے مسلمانوں کی جو ہیبت قریش اور دوسرے قبائل کے دلوں میں بیٹھی تھی، احد کی عارضی شکست نے اس ہیبت اور دبدبہ میں خاصی کمی کر دی۔ جس سے داخلی اور خارجی مشکلات میں اضافہ ہو گیا۔ مختلف قبائل نے کھل کر مخالفت شروع کر دی اور اب ہر قبیلہ نے عداوت کا مظاہرہ شروع کر دیا۔ مدینہ کے یہودی قبائل نے بھی یہ توقع باندھ لی کہ وہ مسلمانوں کو ختم کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ بات بھی ہر قبیلہ کے ذہن میں بیٹھ گئی کہ مسلمانوں کو ختم کرنا صرف قریش کے بس کی بات نہیں ہے، اگر بس کی بات ہوتی تو وہ جنگ احد میں ضرور ان کو ختم کر کے واپس مکہ جاتے۔ اس لیے اگر اپنے دھرم اور دیوتاؤں اور دھرم استھانوں کو اسلام سے بچانا ہے تو ہر قبیلہ کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ قریش کی مدد کرے اور جس طریقہ سے بھی اسلام کو زک پہنچا سکتا ہے، زک پہنچائے۔ چنانچہ اب مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے اسٹریجی (Strategy) تبدیل کر دی گئی۔ اب اس کے لیے تین صورتیں اختیار کی گئیں:

① مسلمانوں کی جماعت کو دھوکہ سے قتل کرنا۔
② مختلف قبائل کی طرف حملہ کی تیاری۔
③ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کی کوششیں۔

لیکن فراست نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشرکین اور کفار کی ان تمام کوششوں اور تدابیر کو خاک میں ملا دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جونہی پتہ چلتا کہ کوئی قبیلہ حملہ کی تیاری کر رہا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے حملہ سے پہلے ہی مجاہدین کا دستہ بھیج کر اس کی سرکوبی کر دیتے اور شورش کی چنگاریوں کو شعلہ کی شکل اختیار کرنے سے پہلے ہی ٹھنڈا کر دیتے۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف قبائل میں مختلف مجاہدین کو بھیجا اور وہ سارے کے سارے اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر واپس لوٹے۔

Marfat.com

سریہ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ:

خویلد کے دو بیٹے طلیحہ اور اسد قبیلہ بنو اسد کے سردار تھے۔ قبیلہ بنو اسد ''فید'' کے پہاڑی علاقہ میں ''کوہ قطن'' پر آباد تھا۔ وہاں ایک چشمہ بھی تھا جس کی وجہ سے یہ علاقہ سرسبز تھا اور اس قبیلہ کی خوش حالی کی علامت تھا۔ طلیحہ اپنے آپ کو بڑا بہادر سمجھتا تھا اور کہتا تھا کہ وہ اکیلا ایک ہزار بہادروں کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ یہ وہی طلیحہ ہے جس نے بعد میں نبوت کا دعویٰ بھی کیا لیکن پھر تائب ہو کر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

(سیرۃ حلبیہ: ۳/۱۸۳)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پتہ چلا کہ طلیحہ اور اسد مسلمانوں پر حملہ کی تیاری کر رہے ہیں اور اس مقصد کے لیے اور کئی قبائل کو بھی اس جنگ میں شامل کرنے کے لیے تیار کر لیا ہے۔ (طبقات ابن سعد: ۲/۳۵) ان کے حملہ سے پہلے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو سلمہ بن عبد الاسد رضی اللہ عنہ مخزومی کی قیادت میں ڈیڑھ سو مجاہدین پر مشتمل ایک دستہ روانہ کیا۔ یہ دستہ بہت تیزی سے ''قطن'' پہنچا۔ دشمن کی چراگاہ پر حملہ کیا۔ اس اچانک حملہ سے وہ بھاگ گئے۔ مسلمان مجاہدین نے ان کے اونٹ اور بکریوں پر قبضہ کر لیا اور تین چرواہوں کو بھی گرفتار کر لیا۔

سیدنا ابو سلمہ رضی اللہ عنہ، جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی اور رضاعی بھائی بھی تھے، چند روز وہاں قیام پذیر رہے۔ پچاس مجاہدین کو انہوں نے اپنے ساتھ رکھا اور بقیہ سو مجاہدین کو، ان قبائل کی طرف روانہ کیا جنہوں نے اس قبیلہ بنو اسد کے ساتھ تعاون کا وعدہ کیا تھا۔ ان مجاہدین نے ان قبائل کی چراگاہوں پر حملے کر کے ان کے مویشی ضبط کر لیے۔ (سیرۃ حلبیہ: ۳/۱۸۳) اس طریقہ سے حملہ کرنے کا کیڑا ان کے دماغوں سے نکل گیا۔ اس سریہ میں کسی قبیلہ کے ساتھ دوبدو جنگ کی نوبت نہیں آئی۔

یہ سریہ محرم سنہ ۴ھ کا چاند نظر آنے پر روانہ کیا گیا تھا۔ واپسی پر سیدنا ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کا ایک زخم جو انہیں جنگ احد میں لگا تھا، پھوٹ پڑا اور اس کی وجہ سے یہاں سے واپسی پر ان کا جلد انتقال ہو گیا۔ (زرقانی: ۲/۶۳، البدایہ والنہایہ: ۴/۶۱، طبقات ابن سعد: ۲/۳۵، زاد المعاد: ۲/۱۰۸)

سریہ عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ:

اسی سال سنہ ۴ھ ۵ محرم الحرام کو آپ کو خبر ملی کہ خالد بن سفیان ہذلی مسلمانوں پر

Marfat.com

حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ آپ ﷺ نے عبداللہ بن انیس انصاری رضی اللہ عنہ کو اس کے قتل کے لیے روانہ فرمایا۔ سیدنا عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے اس کا حلیہ بھی بتا دیا تھا اور یہ بھی فرمایا کہ اس کی شکل بہت مہیب اور ڈراؤنی ہے جب تم دیکھو گے تو ڈر جاؤ گے اور تمہیں شیطان یاد آ جائے گا۔ سیدنا عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اس وقت تو میں نے بارگاہ رسالت میں عرض کر دیا تھا کہ میں تو کسی سے نہیں ڈرا کرتا لیکن جب میں نے خالد کو دیکھا تو اس کی صورت واقعی کچھ ایسی تھی کہ میرا دل دہل گیا اور مجھ پر اس کا رعب طاری ہونے لگا۔ لیکن میں فوراً سنبھلا اور لطائف الحیل سے موقع پا کر اس کو قتل کر دیا اور اس کا سر لے کر ایک غار میں جا چھپا۔ جب اس کے ساتھیوں کو پتہ چلا تو وہ میری تلاش میں ادھر ادھر دوڑے۔ وہ اس غار کے قریب بھی آئے مگر وہاں مکڑی نے جالا تن دیا تھا، لہٰذا اس کے ذہن میں یہ نہ آیا کہ میں اس غار میں چھپ سکتا ہوں۔ یہاں سے میں رات کو نکلا اور رات کو چلتے اور دن کو چھپتے چھپاتے میں محرم سنہ 4ھ کو مدینہ منورہ پہنچا اور اس کا سر آپ ﷺ کے سامنے رکھ دیا، آپ میری اس کارروائی سے بہت خوش ہوئے اور مجھے دعا دی اور چھڑی انعام میں مرحمت فرمائی اور فرمایا:

''اس عصا کو پکڑ کر جنت میں چلنا۔ جنت میں عصا لے کر چلنے والا کوئی شاذونادر ہی ہوگا۔'' اور یہ بھی فرمایا کہ ''یہ میرے اور تیرے درمیان قیامت کے دن ایک نشانی ہے۔'' سیدنا عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے اس عصا کی پوری زندگی حفاظت فرمائی۔ مرتے وقت یہ وصیت فرمائی کہ اس عصا کو میرے کفن میں رکھ دینا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

(البدایہ والنہایہ: ۴/۱۴۰، ابن ہشام: ۲/۶۱۹ـ۶۲۰، زادالمعاد: ۲/۱۰۹، زرقانی: ۲/۶۳، طبقات ابن سعد: ۲/۳۶)

حادثہ رجیع:

اسی سال صفر سنہ 4ھ میں سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں عضل اور قارہ کے کچھ لوگ حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ہمارے قبیلوں میں اسلام کے بارے میں دلچسپی پیدا ہو رہی ہے، اس لیے آپ چند اچھے پڑھے لکھے لوگوں کو بھیج دیں جو ان میں دین کی تبلیغ کریں۔ انہیں قرآن پڑھائیں اور اسلامی احکام کے بارے میں تعلیم دیں۔ آپ ﷺ نے محمد ابن اسحاق کے بقول چھ اور بخاری کی روایت کے مطابق دس حضرات کو ان کے ساتھ بھیج دیا۔ جن میں سے چھ کے نام یہ ہے:

Marfat.com

(1) سیدنا عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ (2) سیدنا مرثد بن ابی مرثد رضی اللہ عنہ
(3) سیدنا زید بن وثنہ رضی اللہ عنہ (4) سیدنا خالد بن بکیر رضی اللہ عنہ
(5) سیدنا خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ (6) سیدنا عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ

سیدنا عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر فرمایا اور یہ بھی ہدایت فرمائی کہ حالات معلوم کرتے رہیں۔ ان میں چھ مہاجر اور چار انصار تھے۔

(بخاری:۲/۵۶۸،۵۸۵، فتح الباری:۷/۲۹۱، طبقات:۲/۳۹)

جب یہ لوگ رالبغ (بخاری میں نام ''ھداۃ'' ہے اور ھداۃ عسفان اور مکہ کے درمیان ایک جگہ ہے ابو حاتم کا بیان ہے کہ مکہ اور طائف کے درمیان ایک جگہ کا نام ''ھدہ'' ہے بغیر الف کے) اور جدہ کے درمیان قبیلہ ہذیل کے چشمہ ''رجیع'' پر پہنچے تو ان لوگوں نے بدعہدی کی اور سفیان بن خالد نے قبیلہ بنولحیان کو اشارہ کیا کہ ان کا کام تمام کر دیں۔ (سیرۃ حلبیہ: ۳/۱۸۴) بنولحیان کے دوسو آدمی جن میں ایک سو تیر انداز تھے، فوراً ان کے تعاقب میں چل دیئے۔ جب ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان لوگوں کو آتے دیکھا تو جان گئے کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ چنانچہ یہ ایک ٹیلہ پر چڑھ گئے۔ بنولحیان نے ٹیلہ کو گھیر لیا۔ بنولحیان نے قسمیں کھا کھا کر انہیں اطمینان دلایا کہ ہم کسی آدمی کو قتل نہیں کریں گے، البتہ آپ لوگوں کے ذریعہ اہل مکہ سے کچھ باتیں منوائیں گے۔ (ابن ہشام:۲/۱۷۰)

سیدنا عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ ان کی باتوں سے مطمئن نہ ہوئے اور فرمایا کہ میں کافر کی پناہ میں کبھی نہ اتروں گا اور یہ دعا مانگی:

اللھم اخبرعنا رسولک۔

''اے اللہ! اپنے رسول کو ہمارے حال کی خبر کر دے۔''

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرماتے ہوئے بذریعہ وحی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع دے دی۔ (ابوداؤد طیالسی)

بعض روایات میں ہے کہ سیدنا عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس وقت یہ دعا بھی مانگی:

''اے اللہ! آج میں تیرے دین کی حفاظت کر رہا ہوں تو میرے گوشت یعنی جسم کی کافروں سے حفاظت فرما۔''

اس کے بعد انہوں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ان سے جنگ شروع کر دی۔ لیکن کہاں سو تیر انداز اور کہاں دس۔ یعنی ایک اور دس کا مقابلہ تھا۔ بلکہ ایک لحاظ سے ایک اور بیس کا

Marfat.com

مقابلہ تھا۔ کیونکہ لحیانیوں کی تعداد دو سو تھی۔ دشمن کے تیروں کی بوچھاڑ سے سات صحابہ شہید ہو گئے اور صرف تین رہ گئے۔ حملہ آوروں نے ان تینوں کو پھر اطمینان دلایا کہ تم لوگ نیچے آ جاؤ، ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔ اس پر تینوں صحابی نیچے آنے لگے۔ عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ ابھی اوپر ہی تھے کہ ان بدعہدوں اور غداروں نے اپنی کمانوں کے تانت اتارے اور ان کے ساتھ ان دونوں کے ہاتھ پاؤں کس دیئے۔ سیدنا عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ نے اوپر سے آواز دی: یہ تمہاری پہلی بدعہدی ہے۔ میں اس طرح اپنے آپ کو تمہارے حوالے نہیں کر سکتا۔ یہ کہہ کر مقابلہ پر ڈٹ گئے۔ لیکن دوسری طرف دو سو آدمی تھے، چنانچہ حملہ آوروں نے انہیں بھی شہید کر دیا۔ مشرکین ان دونوں کو گرفتار کر کے مکہ لے آئے اور قریش مکہ کے ہاتھ فروخت کر دیا۔

ان دونوں صحابہ نے غزوۂ بدر میں اہل مکہ کے سرداروں کو قتل کیا تھا۔ اس لیے ان کو ان لوگوں نے خریدا جن کے عزیز غزوہ بدر میں مارے گئے تھے۔ چنانچہ سیدنا زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کو امیہ بن خلف (مقتول بدر) کے بیٹے صفوان بن امیہ نے خریدا جو مکہ کا رئیس اور ابوسفیان کا دست راست تھا۔ سیدنا خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے حارث بن عامر مارا گیا تھا۔ اس لیے حارث کے بیٹوں نے انہیں اپنے باپ کے انتقام کے لیے خریدا۔

قریش مکہ اشہر حرم (رجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم) اور حرم مکہ کا بڑا احترام کرتے تھے۔ حرمت والے مہینے تو گزر چکے تھے لیکن حرم مکہ کا احترام تو باقی تھا اس وجہ سے مکہ سے باہر ''تنعیم'' میں ان کے قتل کا انتظام کیا گیا۔ قتل کا تماشا دیکھنے کے لیے دوسرے سرداران قریش کے ساتھ ابوسفیان بھی گیا۔ جب قاتل نے انہیں قتل کرنے کے لیے تلوار ہاتھ میں لی تو ابوسفیان نے سیدنا زید رضی اللہ عنہ سے پوچھا: تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں۔ مجھے سچ سچ بتانا: ''کیا تم یہ بات پسند کرتے ہو کہ اس وقت تمہاری جگہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں اور ہم ان کی گردن اڑائیں اور تم اپنے بال بچوں میں آرام کرو۔؟''

سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے عشق و مستی کی زبان میں فوراً یہ جواب دیا:

''محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت میری جگہ ہوں اور میں اپنے گھر میں ہوں اس کو تو کیا چاہتا اور پسند کرتا۔ میں تو اس بات کو بھی برداشت نہیں کر سکتا کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر میں تشریف فرما ہوں اور وہاں ان کے پاؤں مبارک میں کوئی کانٹا چبھ جائے اور میں اپنے گھر میں اپنے بال بچوں میں آرام کرتا رہوں۔''

اس عاشق صادق کے منہ سے یہ جواب سن کر ابوسفیان حواس باختہ ہو گیا، ہوش اڑ

Marfat.com

گئے کہ کیسی محبت ہے اور کہنے لگا:

ما رایت من الناس احدا یحب احدا کحب اصحاب محمد محمدا.

''میں نے دنیا میں ایسا کوئی شخص نہیں دیکھا جو کسی سے اتنی محبت کرتا ہو جتنی اصحاب محمد، محمد ﷺ سے کرتے ہیں۔''

صفوان بن امیہ کا غلام نسطاس قتل کے لیے مامور تھا۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ کا جواب ختم ہوا تو اس نے تلوار کے ایک ہی وار سے اس جان نثار نبوت کو ہمیشہ کی نیند سلا دیا۔ رضی اللہ عنہ۔ (سیرۃ ابن ہشام: ۲/۱۷۲)

بعد میں یہ نسطاس بھی دولت اسلام سے بہرہ ور ہو گئے۔ (اصابہ: ۳/۵۵۳)

دوسرے صحابی سیدنا خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کو حارث بن عامر کے لڑکوں نے خریدا۔ ان کو بھی سیدنا زید رضی اللہ عنہ کی طرح تنعیم میں قتل کرنے کا انتظام کیا گیا، لیکن تلوار سے گردن اڑانے کے بجائے ان کو سولی پر چڑھا کر مارنے کا پروگرام بنایا گیا۔ سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ نے اپنے خریدار قاتلوں سے کہہ رکھا تھا کہ میں صرف تین باتوں کا خواہش مند ہوں، کہ دوران قید مجھے:

① ٹھنڈا اور میٹھا پانی دیا جائے۔

② میرے کھانے میں ایسے جانور کا گوشت نہ ہو جس کو کسی بت کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔

③ جب قتل کرنا ہو تو مجھے اطلاع دے دی جائے، اچانک قتل نہ کیا جائے۔

(طبقات: ۳/۴۰)

ان قاتلوں نے آپ کو حسب وعدہ بتا دیا کہ فلاں روز آپ کو سولی پر چڑھایا جائے گا۔ آپ نے بال وغیرہ صاف کر کے غسل کیا۔ پھر جب آپ کو حدود حرم سے باہر تنعیم میں سولی پر چڑھانے کے لیے لے گئے تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے چھوڑ دو تا کہ میں دو رکعت نماز پڑھ لوں۔ انہوں نے دو رکعت نماز کے لیے وقت دے دیا۔ چنانچہ یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے شہادت سے قبل دو رکعت نماز پڑھنے کی سنت جاری کی۔ (بخاری: ۲/۵۶۹) جب سلام پھیر چکے تو مشرکین سے فرمایا: میں نے اس خیال سے نماز کو طویل نہیں کیا کہ کہیں تم کو یہ گمان نہ ہو کہ میں موت سے گھبراہٹ کی وجہ سے ایسا کر رہا ہوں۔ پھر ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگی:

اللهم احصهم عددا واقتلهم بددا ولا تبق منهم احدا.

Marfat.com

"اے اللہ! ان لوگوں کو ایک ایک کر کے ختم کر اور ان میں سے ایک کو بھی باقی نہ رہنے دے۔"

پھر کچھ شعر پڑھے جن میں سے دو کا ترجمہ یہ ہے:

① جب میں دین اسلام پر قتل کیا جا رہا ہوں تو مجھے اس بات کی کوئی پروا نہیں کہ قتل کے بعد کس رخ پر گرتا ہوں اور کس طرح مارا جاتا ہوں۔

② میری یہ جان ساری حق تعالیٰ شانہ کی ذات کے بارے میں ہے۔ وہ اگر چاہے گا تو بدن کے ان جوڑوں میں برکت ڈال دے گا جو پارہ پارہ ہو چکے ہوں گے۔

سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ ایک وجد و مستی کی کیفیت میں گم تھے۔ حارث مقتول کے لڑکے نے آگے بڑھ کر آپ کو سولی پر باندھنا شروع کیا۔ جب آپ کو سولی پر باندھا جا رہا تھا تو آپ نے فرمایا:

اللھم انا قد بلغنا رسالہ رسولک، فبلغہ الغداہ مایصنع بنا.

"اے اللہ! ہم نے تیرے رسول کا پیغام پہنچا دیا ہے، اب جو ہمارے ساتھ کیا جا رہا ہے اس کی خبر اپنے رسول کو پہنچا دے۔"

(سیرۃ ابن ہشام: ۲/۱۷۳)

پھر عتبہ بن حارث نے اس کو قتل کر دیا۔

بعض روایات میں ہے کہ قاتل عتبہ بن حارث کا بیان ہے کہ میں اتنا چھوٹا تھا کہ سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ کو قتل نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے مجھ سے قتل کرایا گیا۔ جس کی صورت یہ ہوئی کہ بنو عبد الدار کے ایک شخص ابو میسرہ نے میرے ہاتھ میں خنجر دیا لیکن خود چلا کر سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ کو قتل کیا اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ مکہ کے جو لوگ بدر میں مارے گئے تھے، ان کے تمام وارثوں کو اکٹھا کیا گیا اور ہر ایک کے ہاتھ میں خنجر دے کر کہا گیا کہ اس نے تمہارے باپ کو قتل کیا تھا، لہٰذا اس کا انتقام اس سے لے لو، چنانچہ ان سب نے اپنے نیزوں سے باری باری ان کے جسم کو چھلنی کیا۔

(سیرۃ حلبیہ: ۳/۱۳۶، ابن ہشام: ۲/۱۷۳)

محمد ابن اسحاق کا بیان ہے کہ سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ کو جب سولی دیا گیا، میں اس زمانہ میں ایک چھوٹا بچہ تھا اور اپنے والد ابو سفیان کے ساتھ ان کے قتل کا تماشا دیکھنے کے لیے قتل گاہ میں گیا ہوا تھا۔ جب سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ کی زبان سے مشرکین کے بارے میں بددعا کے لفظ نکلے تو ابو سفیان کی حالت یہ تھی کہ گھبرا کر

Marfat.com

جلدی جلدی مجھے زمین پر لٹا رہے تھے کہ خبیب رضی اللہ عنہ کی دعائے بد مجھے نہ لگ جائے کیونکہ مشہور یہ تھا کہ اگر فوراً ہی کوئی زمین پر لیٹ جائے تو دعائے بد اثر نہیں کرتی۔

(سیرۃ ابن ہشام:۲/۱۷۳)

ابن ہشام ہی نے یہ روایت نقل کی ہے کہ سعید بن عامر بن حذیم کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں ایک علاقہ کا عامل مقرر کیا ہوا تھا۔ وہ کبھی بیٹھے بیٹھے بے ہوش ہو جایا کرتے تھے۔ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ انہیں مرگی کی بیماری ہے۔ چنانچہ امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ان کی اس بارہ میں شکایت کی گئی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے اس بارے میں دریافت کیا: تو کہا: امیر المومنین! اصل بات یہ ہے کہ سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ کو جب سولی دی جارہی تھی تو اس وقت میں بھی وہاں موجود تھا۔ اس وقت انہوں نے جو دعا فرمائی اس کے کلمات، جو ایسے درد انگیز تھے کہ جب بھی مجھے ان کا خیال آتا ہے تو میں اپنے قابو میں نہیں رہتا اور بے ہوش ہو جاتا ہوں۔ مجھے کوئی مرگی نہیں ہے۔ (سیرۃ ابن ہشام:۲/۱۷۳)

مکہ میں قید کے دوران سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ نے اپنی بلند کرداری اور اعلیٰ اخلاق کا جو مظاہرہ کیا اس نے قید کرنے والوں کو متاثر کیا۔ چنانچہ حارث کی بیٹی زینب (جو بعد میں مسلمان ہوگئی تھیں) کہا کرتی تھیں:

''میں نے کوئی قیدی خبیب رضی اللہ عنہ سے بہتر نہیں دیکھا۔ وہ لوہے کی زنجیروں میں بندھے ہوئے تھے اور اس زمانہ میں مکہ میں انگور ڈھونڈے سے نہیں ملتے تھے لیکن میں نے ایک روز دیکھا کہ انگور کا ایک پورا خوشہ ان کے ہاتھ میں ہے اور وہ مزے سے کھا رہے ہیں۔ یہ انہیں کسی انسان نے لا کر نہیں دیئے تھے بلکہ یہ اللہ کا دیا ہوا رزق تھا جسے وہ تناول فرما رہے تھے۔''

(تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں سیرۃ ابن ہشام:۲/ ۱۶۹، ۱۷۹، بخاری:۲/ ۵۶۸، ۵۶۹، ۸۵۸، زاد المعاد:۲/ ۱۰۹، زرقانی:۲/ ۶۸، فتح الباری:۷/ ۲۹۳ وغیرہ)

حافظ ابن کثیر نے نقل کیا ہے کہ سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ کو سولی دینے کے بعد مشرکین نے ان کی لاش کو سولی پر لٹکا ہوا چھوڑ دیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اس کے قتل کی اطلاع ملی تو آپ نے سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اور سیدنا مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ کو ان کی لاش لانے کے لیے مکہ بھیجا۔ جب یہ دونوں رات کے وقت تنعیم پہنچے تو دیکھا کہ 40 آدمی ان کی نعش کا پہرہ دینے کے لیے سولی کے اردگرد لیٹے پڑے ہیں۔ ان دونوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان لوگوں کو غافل پا کر سیدنا

Marfat.com

خبیب رضی اللہ عنہ کی نعش کو سولی سے اتار کر گھوڑے پر رکھا۔ دیکھا کہ لاش اسی طرح تر و تازہ تھی، اس میں کوئی تغیر نہیں آیا تھا۔ حالانکہ سولی دیئے ہوئے چالیس دن گزر گئے تھے۔

مشرکین کی جب آنکھ کھلی تو لاش کو سولی سے غائب پا کر ہر طرف تلاش کے لیے دوڑے اور آخر کار سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اور سیدنا مقداد رضی اللہ عنہ کو جا پکڑا۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے نعش کو گھوڑے سے اتار کر زمین پر رکھا۔ زمین فوراً شق ہوئی اور نعش کو نگل گئی۔ اس وجہ سے سیدنا خبیب ''بلیع الارض'' کے لقب سے مشہور ہیں۔ (البدایہ والنہایہ: ۴/ ۶۷، زرقانی: ۲: ۷۳)

حافظ ابن کثیر نے ایک روایت یہ بھی نقل کی ہے کہ سیدنا عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ اور مسلم بن اسلم رضی اللہ عنہ سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ کی لاش کو لینے کے لیے مکہ گئے تھے۔

(ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ: ۴/ ۶۹۔ ۷۱)

ان دس صحابہ کی جماعت کے امیر سیدنا عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بتایا گیا ہے، شہادت سے قبل ایک دعا مانگی تھی کہ ''اے اللہ! آج میں تیرے دین کی حفاظت کر رہا ہوں تو میرے جسم کی کافروں سے حفاظت فرما۔'' آپ کی یہ دعا قبول ہوئی۔ قریش کی ایک رئیس زادی سلافہ بنت سعد کا لڑکا جنگ بدر میں سیدنا عاصم رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے مارا گیا تھا۔ اس نے قسم کھا رکھی تھی کہ اگر کبھی میرا عاصم رضی اللہ عنہ پر قابو چل گیا تو اس کی کھوپڑی میں شراب پیوں گی۔ سیدنا عاصم رضی اللہ عنہ جب شہید ہوئے تو قبیلہ ہذیل کے لوگوں نے سوچا کہ ان کے سر کو کاٹ کر سلافہ کے ہاتھ فروخت کر کے رقم حاصل کریں۔ چنانچہ جب ان کا سر کاٹنے کے لیے اس جگہ پہنچے جہاں ان کی لاش پڑی ہوئی تھی تو سیدنا عاصم رضی اللہ عنہ کی دعا کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اس شہید وفا کی لاش کو دشمنوں کی بے حرمتی سے اس طرح محفوظ رکھا کہ شہد کی بڑی مکھیوں کا ایک دَل وہاں نمودار ہو گیا اور اس دل نے سیدنا عاصم رضی اللہ عنہ کی لاش کو گھیر لیا اور جو بھی ان کی لاش کے قریب آتا یہ مکھیاں اس پر حملہ کر دیتیں۔ چنانچہ یہ لوگ ان کا سر نہ کاٹ سکے اور یہ طے ہوا کہ رات کو مکھیاں چلی جائیں گی۔ تب آ کر یہ ان کا سر کاٹ لیں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک عجیب طریقہ سے ان کی لاش کی حفاظت فرمائی۔ رات کو سیلاب آیا جو ان کی لاش کو بہا کر لے گیا۔ اس طرح سے بنو ہذیل کا یہ منصوبہ بھی خاک میں مل گیا۔ رضی اللہ عنہ۔

بعض روایات میں ہے کہ سیدنا عاصم رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ نہ میں کبھی کسی مشرک کو ہاتھ لگاؤں گا اور نہ کوئی مشرک مجھ کو ہاتھ لگائے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے جب کبھی سیدنا عاصم رضی اللہ عنہ کی بات ہوتی تو فرماتے کہ اللہ تعالیٰ بعض دفعہ اپنے خاص بندوں کے

Marfat.com

مرنے کے بعد بھی اسی طرح حفاظت فرماتے ہیں جیسے اس کی زندگی میں حفاظت فرماتے ہیں۔
چنانچہ عاصم رضی اللہ عنہ اس کا زندہ ثبوت ہیں۔

(ملاحظہ ہو بخاری: ۲/ ۵۶۹، فتح الباری: ۷/ ۲۹۵، زرقانی: ۲/ ۷۳، ابن ہشام: ۲/ ۱۷۱)

بیئر معونہ کی لرزہ خیز داستان:

بنوسلیم ایک قبیلہ تھا جو نجد میں آباد تھا۔ رعل، ذکوان، بنولحیان، عصیة اور بنو عامران کے مختلف قبائل کے نام تھے۔ ان کا رئیس ابو براء عامر بن مالک تھا جو **"ملاعب الانسہ"** (نیزوں سے کھیلنے والا) کے لقب سے مشہور تھا۔ یہ خطاب اس کو وراء بن عمر نے دیا تھا۔

(اصابہ)

صفر سنہ 4ھ میں عامر بن مالک بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور خود اپنی طرف سے بھی اور عل اور ذکوان وغیرہ قبائل کی طرف سے بھی اپنے حریفوں کے مقابلہ میں آپ سے امداد کی درخواست کی۔ یہ قبائل سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معاہدہ کیے ہوئے تھے، لہٰذا آپ نے درخواست منظور فرمائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس موقع پر عامر بن مالک کو اسلام کی دعوت بھی دی۔ اس نے جواب دیا کہ آپ اپنے منتخب اصحاب کو بھیجیں گے تو وہ فریضۂ دعوت بھی سرانجام دیں گے اور مجھے امید ہے کہ ان کی دعوت سے وہ لوگ اسلام قبول کرلیں گے۔ اس وجہ سے آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے انتخاب کے وقت ان کو منتخب فرمایا جو علم وفضل میں ایک امتیازی حیثیت رکھتے تھے اور ان کو قراء کہا جاتا تھا۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے ان صحابہ کرام کی شان ان الفاظ میں بیان کی:

کانوا یحتطبون بالنھار ویصلون باللیل. (بخاری: ۲/ ۵۸۶)

''وہ حضرات دن کو لکڑیاں چن کر معاش فراہم کیا کرتے تھے اور رات کو نوافل میں مشغول رہتے۔''

اس بات کی بھی تصریح ہے کہ یہ پاکباز جماعت لکڑیاں چن کر جو معاش فراہم کرتی وہ اپنے لیے نہیں بلکہ اصحاب صفہ کے لیے کھانا لاتے اور رات کا کچھ حصہ درس قرآن میں اور کچھ حصہ نوافل پڑھنے میں گزارتے۔ (فتح الباری: ۷/ ۲۹۶۔۲۹۷)

ان میں چند حضرات کے نام یہ ہیں:

(1) منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ (2) سیدنا حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ (3) سیدنا حرام بن

Marfat.com

ملحان رضی اللہ عنہ (4) عروہ بن اسماء بن الصلت رضی اللہ عنہ (5) سیدنا نافع بن بدیل رضی اللہ عنہ (6) سیدنا عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اگرچہ بخاری کی روایت کے مطابق ستر صحابہ کو قبائل کی درخواست پر ان کے ہمراہ بھیجا تھا لیکن آپ کا قلب مبارک مطمئن نہیں تھا۔ چنانچہ آپ نے ابو براء عامر بن مالک سے یہ فرمایا تھا کہ مجھے اہل نجد کی طرف سے خطرہ ہے، لیکن ابو براء نے بڑے وثوق سے یقین دلایا کہ میں ذمہ دار ہوں۔ آپ بالکل کوئی فکر نہ کریں۔ آپ نے جب ان صحابہ کو رخصت فرمایا تو ان قبائل کے سردار عامر بن طفیل کے نام ایک خط لکھا اور تین صحابہ کرام سیدنا حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ، سیدنا کعب بن زید رضی اللہ عنہ اور سیدنا منزر بن محمد بن عقبہ خزرجی کو کہا کہ آپ تینوں یہ خط عامر بن طفیل کو پیش کر دیں۔ (بخاری: ۲/ ۵۸۶)

یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دن رات سفر کرتے ہوئے بیرِ معونہ (معونہ کے کنویں) پر جا پہنچے۔ یہ کنواں بنو عامر اور بنی سلم کے درمیان ایک زمین میں واقع ہے۔ وہاں پڑاؤ ڈالنے کے بعد ان صحابہ رضی اللہ عنہم نے سیدنا حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ کو جو ان تینوں کے امیر تھے، وہ خط عامر بن طفیل کو پہنچانے کے لیے کہا۔ حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ نہایت زیرک انسان تھے اور حالات کے نشیب و فراز کو بخوبی سمجھتے تھے۔ پھر ان کے ذہن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ بات بھی تھی کہ "مجھے اہل نجد کی طرف سے خطرہ ہے۔" چنانچہ حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں ساتھیوں کو کہا کہ آپ یہیں ٹھہریں۔ میں تنہا عامر بن طفیل کے پاس جاتا ہوں۔ اگر کوئی خطرہ کی بات ہوئی تو صرف ایک شخص اس کا نشانہ بنے گا۔ آپ دونوں حضرات فوری طور پر دوسرے ساتھیوں کو مطلع کر دینا۔ سیدنا حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ (برادر سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا) قربان اور فدا ہونے کی تمنا دل میں لیے ہوئے روانہ ہوئے اور عامر بن طفیل کے پاس جا کر اس کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکتوب دیا۔ لیکن عامر بڑا بدمزاج انسان تھا، اس کے دماغ میں خشونت اور نخوت کی ہوا بھری ہوئی تھی اس نے آپ کا وہ خط دیکھا تک نہیں اور ایک شخص کو اشارہ کر دیا۔ اس شقی اور بدبخت نے اشارہ پاتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس نامہ بر کو پیچھے سے اس زور کا نیزا مارا کہ آر پار ہو گیا۔ جسم سے خون کا فوارا چھوٹا، لیکن زبان پر جو الفاظ تھے وہ تاریخ نے یوں قلم بند کیے ہیں:

فزت ورب الکعبہ.

"رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔" (بخاری: ۲/ ۵۸۶)

ابھی یہ (سیدنا حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ) فرش خاک پر تڑپ رہے تھے کہ اس نے فوری

Marfat.com

طور پر باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر حملہ کرنے کے لیے اپنے قبیلہ بنو عامر کو آواز دی۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ اسی وقت گھوڑا دوڑا کر قبائل میں پہنچا اور ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر حملہ کرنے کے لیے کہا۔ بنو عامر قبیلہ نے اس کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا کیونکہ وہ ابو براء کی پناہ میں تھے۔ باقی قبائل رعل، ذکوان اور عصیہ نے اس کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے جھٹ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گھیر لیا۔ یہ سب حضرات اس اچانک اور فوری حملہ سے بالکل غافل تھے، لیکن پھر بھی مقابلہ کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ حملہ آور بہت زیادہ تھے اور حملہ اچانک کیا گیا تھا لہٰذا کچھ دیر مقابلہ کرنے کے بعد سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جام شہادت نوش فرمایا۔ ان ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے صرف ایک صحابی سیدنا کعب بن زید رضی اللہ عنہ (اعرج) جن کو مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا گیا تھا، زندہ بچ گئے۔ انہیں شہداء کے درمیان سے زخمی حالت میں اٹھا لیا گیا۔ یہ کسی نہ کسی طریقے سے مدینہ پہنچے پھر آئندہ سال غزوۂ خندق میں جام شہادت نوش فرمایا۔ ان کے علاوہ دو اور صحابی سیدنا عمرو بن امیہ ضمری اور سیدنا منذر بن محمد انصاری رضی اللہ عنہ اونٹ چرا رہے تھے۔ انہوں نے دور سے دیکھا کہ گدھ اڑ رہے ہیں او ران کے پنجوں میں گوشت کے لوتھڑے ہیں جن سے خون نچڑ رہا ہے۔ انہیں یہ گمان ہوا کہ کوئی جنگ ہوئی ہے اور لاشیں پڑی ہوئی ہیں اور یہ گدھ ان کا گوشت نوچ رہے ہیں۔ وہ دونوں اس میدان کی طرف بڑھے۔ چنانچہ وہ دونوں وہاں پہنچے تو دیکھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی لاشیں پڑی ہوئی ہیں اور قاتل اپنی کامیابی پر اٹھکیلیاں بھر رہا ہے۔ سیدنا منذر بن محمد رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھی سے کہا کہ ہمیں فوری طور پر مدینہ منورہ پہنچ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع کرنی چاہیے، لیکن سیدنا عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ نے کہا: ”میں اس میدان سے نہیں جا سکتا جہاں منذر بن عمرو ساعدی رضی اللہ عنہ شہید ہوا۔ (یہ صحابی امیر جماعت تھے) میں تو یہاں دشمنوں کا مقابلہ کروں گا۔ خواہ شہید ہی کیوں نہ ہو جاؤں۔ آپ مدینہ جا کر خبر کر سکتے ہیں۔“ لیکن سیدنا منذر بن محمد رضی اللہ عنہ کو بھی اپنے ساتھی کا ساتھ چھوڑنا گوارا نہ ہوا۔ چنانچہ ان دونوں نے دشمنوں پر حملہ کر دیا۔ سیدنا منذر بن محمد خزرجی رضی اللہ عنہ تو شہید ہو گئے اور عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو گرفتار کر لیا گیا اور عامر بن طفیل کے سامنے پیش کیا گیا۔

سیدنا عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ کی زندگی کے کچھ دن ابھی باقی تھے۔ عمار بن طفیل نے صرف اس وجہ سے کہ سیدنا عمرو بن امیہ کا تعلق بنو ضمرہ سے ہے (جو قبیلہ کی شاخ تھا اور جو اسلام دشمنی میں پیش پیش تھا) ان کے قتل کا حکم نہ دیا۔ پھر ان کی پیشانی کے بال کاٹ کر اس وجہ سے آزاد کر دیا کہ اس کی ماں نے ایک گردن آزاد کرنے کی نذر کی تھی۔ (زرقانی: ۳/۷۷، ابن ہشام: ۲/۱۸۵)

Marfat.com

سیدنا عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ واپسی میں وادی قناۃ کے سرے پر واقع مقام قرقرہ پہنچے تو ایک درخت کے سایہ میں اترے۔ وہاں بنو کلاب کے دو آدمی بھی آ کر اترے تھے۔ جب وہ دونوں بے خبر سو گئے تو سیدنا عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کے بدلے میں ان دونوں کو قتل کر دیا حالانکہ ان دونوں کے پاس سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے عہد تھا، لیکن سیدنا عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ اس سے بالکل بے خبر تھے۔ چنانچہ جب مدینہ پہنچ کر انہوں نے اس بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''عمرو! تم نے ایسے دو آدمیوں کو قتل کیا ہے جن کو میں نے عہد دیا تھا۔ لہٰذا اب ان دونوں کی دیت مجھ پر لازم ہے۔'' اس کے بعد آپ مسلمانوں اور ان کے خلفاء سے دیت جمع کرنے میں مصروف ہو گئے۔ (ابن ہشام: ۲/۱۸۹)

سیدنا عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ اور سیدنا منذر بن محمد خزرجی کو تو گدھوں کی اڑان سے ان مظلوم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت کا علم ہوا تھا لیکن سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو طائر قدس یعنی جبرئیل امین علیہ السلام نے فوری طور پر اس سانحہ کی اطلاع دی جو تاریخ اسلام میں ایک لرزہ خیز اور خوں چکاں المیہ تھا۔ واقدی کا بیان ہے کہ رجیع اور معونہ کے دونوں المیوں کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک ہی رات میں ملی تھی۔ (مختصر سیرۃ الرسول: ص ۶۲۰)

اس طائر قدس نے ان شہداء کا پیغام پہنچا دیا کہ

بلغوا عنا قومنا انا لقینا ربنا فرضی عنا وارضانا.

''ہماری قوم کو یہ پیغام پہنچا دو کہ ہم اپنے رب سے جا ملے اس حالت میں کہ وہ ہم سے خوش ہو گیا اور ہمیں خوش کر دیا۔''

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان شہداء کا یہ پیغام قرآن پاک کی آیت کی طرح ایک عرصہ تک پڑھا جاتا رہا۔ (بخاری: ۲/۵۸۶)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے انتقام کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز فجر میں رعل، ذکوان، لحیان اور عصیہ قبائل پر ایک ماہ تک متواتر بددعا کی۔ آپ رکوع اور سجدہ کے درمیان یعنی قومہ میں یہ دعا پڑھتے:

اللھم اشدد وطاتک علی مضر اللھم اجعلھا علیھم سنین کسنی یوسف.

''خداوندا! مضر کے کافروں کو سختی سے پامال کر دے اور یوسف علیہ السلام کے قحط کی طرح انہیں قحط میں مبتلا کر دے۔'' (بخاری: ۲/۵۸۷)

Marfat.com

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس قدر بئر معونہ کے شہداء پر مغموم ہوئے میں نے کسی اور پر اس سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مغموم ہوتے نہیں دیکھا۔ (مختصر سیرۃ الرسول، شیخ عبداللہ: ص ۲۶۰)

رجیع اور بئر معونہ کے واقعات چند ہی دن آگے پیچھے پیش آئے تھے اس وجہ سے بھی آپ بہت زیادہ غمگین تھے۔

ہجرت کے واقعات میں گزر چکا ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایک غلام عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ تھے جو ہجرت کے وقت بہت راز دار تھے اور ہجرت میں انہوں نے بہت کام بھی کیا ہے۔ جب غار ثور سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روانگی ہوئی تو مدینہ طیبہ تک مرکب ہمایوں کی نگرانی بھی فرماتے رہے کہ کوئی حادثہ پیش نہ آ جائے۔ بیئر معونہ کے ان ستر قراء میں یہ بھی شامل تھے۔
سیدنا عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب مجھے گرفتار کر لیا گیا تو مشرک عامر بن طفیل نے ایک لاش کی طرف اشارہ کر کے مجھ سے دریافت کیا یہ لاش کس کی ہے؟ میں نے کہا: عمر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کی، جو ہجرت مدینہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رفیق سفر تھے۔ عامر نے کہا کہ میں نے عجیب ماجرا دیکھا ہے کہ یہ لاش اٹھائی گئی اور آسمان کے قریب تک اس کو لے جایا گیا پھر یہاں لا کر رکھ دیا گیا۔ (بخاری: ۲/ ۵۸۷)

جبار بن سلمی کلابی جو عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کے قاتل ہیں، فرمایا کرتے تھے کہ جب میں نے عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کے نیزہ مارا تو ان کی زبان سے نکلا:

فزت واللہ.

''خدا کی قسم میں اپنی مراد کو پہنچ گیا۔''

مجھے ان کی زبان سے یہ فقرہ سن کر بہت تعجب ہوا اور دل میں کہا کہ کیا مراد کو پہنچے۔
ضحاک بن ثابت کے پاس آ کر میں نے یہ واقعہ بیان کیا۔ ضحاک نے کہا۔ ''حصول جنت'' میں۔ یہ بات سن کر میں مسلمان ہو گیا۔ (فتح الباری: ۷/ ۳۱۲)

آخر میں رجیع اور بیئر معونہ کے دونوں واقعات کے بارے میں یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ابن سعد وغیرہ مؤرخین نے ان دونوں واقعات کا ہونا صفر میں لکھا ہے اور اس بات پر تو تمام مؤرخین اور اصحاب سیرۃ متفق ہیں کہ یہ دونوں واقعات چند دنوں کے فرق سے پیش آئے۔ ابن سعد رضی اللہ عنہ وغیرہ کے لکھنے پر ہم نے بھی ان واقعات کا ہونا صفر میں لکھ دیا ہے لیکن واقعات کا تسلسل بتا رہا ہے کہ یہ دونوں محرم الحرام میں پیش آئے۔ کیونکہ جن حضرات نے

Marfat.com

ان واقعات کا صفر میں ہونا لکھا ہے انہوں نے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ جیسے ہی اشہر حرام ختم ہوئے یعنی محرم کا مہینہ کیونکہ محرم اشہر حرم کا آخری مہینہ ہوتا ہے، گزرا تو بیر معونہ کے واقعات نہیں ہوئے بلکہ محرم میں ہوئے ہیں۔ کیونکہ اگر یہ واقعات صفر میں ہوتے تو ان دونوں صحابہ رضی اللہ عنہ کو محرم کے ختم ہونے کے انتظار میں قید کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی بلکہ اسی روز یا دو تین روز بعد قتل کر دیا جاتا۔ لیکن چونکہ ان دونوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو صفر میں شہید کیا گیا اس وجہ سے ابن سعد اور دوسرے کئی ایک مؤرخین نے ان واقعات کو صفر کے حادثات قرار دیا۔

بنونضیر کی جلاوطنی:

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بتایا جا چکا ہے کہ سیدنا عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ جب عامر بن طفیل کی قید سے رہا ہو کر واپس آ رہے تھے تو قرقرہ کے مقام پر انہوں نے دو آدمیوں کو، جن کا تعلق بنو عامر سے تھا، غدار سمجھ کر قتل کر دیا تھا اور جب مدینہ طیبہ میں انہوں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قتل کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ دونوں معاہد تھے لہٰذا ان کی دیت ادا کرنا ہو گی۔ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مختلف قبائل سے معاہدہ کر رکھا تھا اس کی رو سے دیت کی ادائیگی میں ہر ایک حلیف قبیلہ کو حصہ لینا ہوتا تھا۔ اس لیے بنو عامر کے ان دو مقتولوں کی دیت میں بنونضیر کو بھی مدد کرنی چاہیے تھی۔ اس مقصد کے لیے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بنونضیر جانے کا ارادہ فرمایا تا کہ اس بارے میں یہودی سرداروں سے بات کی جا سکے۔

یہود کو جب اس بات کا پتہ چلا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود ہمارے ہاں تشریف لا رہے ہیں تو انہیں خوش ہونا چاہیے تھا کہ ان کا اعزاز و احترام کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کے ہاں تشریف لا رہے ہیں، لیکن یہود نے اس موقع سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے لیے نہایت ناپاک اور مکروہ منصوبہ تیار کیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت پر منتج ہوتا تھا۔

یہ بات پہلے بھی ذکر کی جا چکی ہے کہ یہود کے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کینہ اور عداوت کے جذبات موجزن تھے، لیکن وہ مالدار اور سود خور ہونے کی وجہ سے مرد میدان اور بہادر نہ تھے بلکہ سازشی اور دسیسہ کار تھے۔ اس وجہ سے مسلمانوں سے عہد و پیمان کے باوجود انہیں اذیت اور نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ بنو قینقاع کی جلاوطنی اور کعب بن اشرف یہودی کے قتل اور جنگ بدر میں قریش مکہ کی شکست نے ان کے حوصلے پست کر دیئے تھے لیکن غزوۂ احد میں مسلمانوں کے جانی نقصان نے ان میں پھر جرأت و ہمت پیدا

Marfat.com

کر دی اور انہوں نے کھلم کھلا مسلمانوں کی عداوت، مخالفت اور بدعہدی شروع کر دی۔ یہ سب کچھ حضور ﷺ کے علم میں تھا لیکن آپ نے یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی صبر سے کام لیا کیونکہ ایک تو آپ نے ویسے ہی یہود کو بہت مراعات دی ہوئی تھیں، دوسرے وقت کا تقاضا بھی یہ تھا کہ ان کی ان تمام بدعہدیوں سے وقتی طور پر چشم پوشی کی جائے۔

رجیع اور بیرِ معونہ کے المناک اور خونریز واقعات میں مسلمانوں کے قریباً اسی بہترین جانباز شہید ہو گئے تھے جس سے مسلمانوں کی ظاہری اور معنوی قوت کو کافی نقصان پہنچا۔ اس وجہ سے بھی یہود کی جرأت اور جسارت اسلام کی مخالفت میں اس حد تک بڑھ گئی کہ انہوں نے سرکار دو عالم ﷺ کے قتل کا منصوبہ بنا لیا۔

جب انہیں پتہ چلا کہ رسول اللہ ﷺ خود ان کی آبادی میں تشریف لا رہے ہیں تو انہوں نے ان کی نشست کا ایسی جگہ انتظام کیا کہ وہاں اوپر سے ایک بھاری پتھر گرا کر نیچے بیٹھنے والے کو ختم کیا جا سکے۔ ایک یہودی عمرو بن حجاش بن کعب نے وہ بھاری پتھر اوپر چڑھایا۔ اس طرح حضور ﷺ کو ختم کرنے کی سازش تیار کی گئی۔

رسول اللہ ﷺ حسب وعدہ دیت کے لیے اعانت وامداد لینے کی غرض سے بنو نضیر کے پاس تشریف لے گئے۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ، سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ، سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ وغیرہ جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے ہمراہ تھے۔ یہود بنی نضیر نے اپنی پلاننگ کے تحت انہیں ایک دیوار کے سایہ میں بٹھا دیا۔ بنو نضیر نے بظاہر نہایت خندہ پیشانی سے آپ کا استقبال کیا اور دیت میں اعانت کا وعدہ بھی کیا تاکہ ان کے دل میں جو سازش آپ کو ختم کرنے کی تھی، اس کا آپ کو پتہ نہ چل سکے۔ یہود کے ایک عالم سلام بن مشکم نے انہیں اس سازش سے منع بھی کیا اور کہا کہ ''ایسا نہ کرو، خدا کی قسم، اس کا رب اسے اس بارے میں مطلع کر دے گا، نیز یہ بدعہدی بھی ہے۔'' لیکن انہوں نے اس کی اس بات کی کوئی پروا نہ کی۔

جونہی سرکار دو عالم ﷺ دیوار کے سایہ میں جا کر بیٹھے، جبرئیل امین نے آپ کو یہود کے اس منصوبہ سے باخبر کر دیا۔ آپ تیزی سے اٹھے اور خاموشی سے مدینہ تشریف لے آئے۔ آپ نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ فرما دیا کہ وہ وہاں ٹھہریں، پھر جب معلوم ہو گیا کہ آپ مدینہ پہنچ گئے ہیں تو باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی واپس چلے آئے۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کے مدینہ پہنچنے کی اطلاع پہلے ان یہودیوں ہی کو ہوئی جو اس سازش کے بانی مبانی تھے۔ ایک یہودی نے انہیں آ کر بتایا، آپ لوگ کس انتظار میں ہیں؟ میں مدینہ سے آرہا ہوں۔ میں جب مدینہ سے نکل رہا تھا تو آپ ﷺ مدینہ میں داخل ہو رہے تھے۔ (فتح الباری: ۷/۱۶۲، سیرۃ حلبیہ: ۲/۲۹۰)

یہ واقعہ ربیع الاول سنہ 4ھ کو ہوا۔ ابن سعد نے طبقات میں سبت (ہفتہ) کے دن کی بھی تصریح کر دی ہے۔ یہود کا یہ منصوبہ اس درجہ مکمل (Well- Planned) تھا کہ وحی الٰہی نے اس کی ناکامی کو دست قدرت کا کارنامہ اور رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کو اللہ تعالیٰ کا مخصوص انعام قرار دیا۔

بنونضیر کی یہ کوئی پہلی عہد شکنی نہ تھی بلکہ اس سے قبل بھی کئی دفعہ اپنے اس عہد و پیان کو توڑا جو خود انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ کیے تھے۔ قریش کا خط بونضیر کے نام، کعب بن اشرف کی عہد شکن حرکتیں، بنونضیر کا قریش کے ساتھ گٹھ جوڑ ساری باتیں معاہدہ رسول کے سراسر خلاف تھیں، لیکن کعب بن اشرف کے قتل کے بعد جب بنونضیر نے معاہدہ کی تجدید کی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی پہلی تمام اشتعال انگیز اور پیان شکن حرکات سے چشم پوشی فرمائی۔ مگر

نیش عقرب نہ از پے کین است
مقتضائے طبیعت اش این است

اس نئے معاہدہ سے بھی یہودیوں کی ذہنیت تبدیل نہ ہوئی بلکہ ان کی زہریلی ذہنیت میں اور بھی تیزی پیدا ہوگئی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ تجدید عہد کے بعد یہودیوں نے برابر یہ سازش شروع کی کہ کسی نہ کسی طریقہ سے سرکار دو عالم ﷺ کو ختم کیا جائے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے حضور ﷺ کو ایک پیغام بھیجا کہ مسلمانوں اور یہودیوں کے تیس تیس آدمی اکٹھے ہو کر مناظرہ کریں۔ علماء یہود اگر مسلمانوں کے دلائل سے متاثر ہو گئے تو ہم سب دعوت اسلام پر لبیک کہہ دیں گے، پھر معلوم نہیں کیا خیال آیا کہ تیس کی تعداد کو تین میں تبدیل کر دیا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے پہلی اور دوسری ترمیم شدہ تجویز، دونوں کو منظور فرما لیا اور یہود کے علماء سے گفتگو کے لیے مدینہ سے روانہ ہو گئے، لیکن راستہ میں ایک انصاری مسلمان نے آپ کو بتایا کہ اس کی بہن بنونضیر کے علاقہ میں رہتی ہے اس نے مجھے بڑے باوثوق ذرائع سے معلوم کر کے یہ اطلاع دی ہے کہ گفتگو صرف بہانہ ہے۔ اصل مقصد ان کا آپ کو (معاذ اللہ) ختم کرنا ہے اور اس

Marfat.com

کارروائی کے لیے یہ طریقہ طے کیے گیا ہے کہ تین آدمی کپڑوں میں خنجر چھپا کر جائیں گے اور موقع پا کر سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حملہ کر کے ختم کر دیں گے۔ اس اطلاع کے ملتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ارادہ ملتوی فرما دیا اور واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔

(فتح الباری: ۷/۳۶۱، تفسیر مظہری: ۹/۲۳۰)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بروقت اطلاع ملنے کی وجہ سے یہود کا یہ منصوبہ ناکام رہا۔ اب دیت کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو بنو نضیر میں جانے کا ارادہ فرمایا، اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اب یہ دوسرا منصوبہ مرتب کیا۔ اس طرح تجدید عہد کے بعد یہ دوسری مرتبہ نقض عہد تھا۔ اب ان کے جرائم سے مزید چشم پوشی کرنا اسلام اور مسلمانوں کے لیے سخت نقصان دہ تھا۔ اس لیے اب رسول اللہ نے یہود کے سرداروں کو طلب فرمایا، اور ان کے سامنے ان کے تمام جرائم کی فہرست رکھی، لیکن وہ اپنے جرائم کا کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکے۔ چنانچہ آپ نے فیصلہ فرمایا کہ دس روز کے اندر بنو نضیر مدینہ طیبہ کی سرزمین سے نکل جائیں، بصورت دیگر انہیں پھر کوئی پناہ نہیں دی جائے گی۔

تفسیر مظہری میں یہود کی ایک اور سازش کا تذکرہ بھی ہے کہ ان لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعزاز میں ایک دعوت کا اہتمام کیا اور اس دعوت کے بہانے آپ کو شہید کرنے کا منصوبہ تیار کیا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس سازش کا علم ہو گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دعوت میں تشریف نہ لے گئے، لیکن آپ نے ان کی اس سازش سے بھی چشم پوشی فرماتے ہوئے کوئی مواخذہ نہ کیا۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بنو نضیر سے اٹھ کر مدینہ تشریف لائے، کسی صحابہ کو پتہ نہیں کہ آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟ کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی مدینہ چلے آئے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس طرح اٹھ جانے کی وجہ پوچھی تو آپ نے یہود کی سازش کا ان کے سامنے انکشاف فرمایا۔

مدینہ واپس آ کر آپ نے اب فوری طور پر سیدنا محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کو بنو نضیر کے پاس روانہ کیا اور انہیں یہ نوٹس دیا کہ تم لوگ اب یہاں نہیں رہ سکتے کیونکہ تمہارے جرائم کی فہرست اب بہت طویل ہو چکی ہے، لہٰذا تم لوگ دس دن کے اندر اندر مدینہ سے نکل جاؤ۔ اس کے بعد جو شخص پایا جائے گا اس کی گردن مار دی جائے گی۔

بنو نضیر کو اپنی طاقت پر بہت گھمنڈ تھا۔ ان کا علاقہ ایک اسٹیٹ تھا جس کی حفاظت کے لیے ان کے پاس مسلح جوان تھے۔ مضبوط قلعہ تھا جس کے سامنے باغات کے حصار تھے۔

Marfat.com

ان کے مکانات بڑے مضبوط تھے۔ ان کے ہم مذہب بنو قریظہ ان کی پشت پر تھے۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی سے ان کا سیاسی گٹھ جوڑ تھا۔ اس لیے وہ یہ نوٹس پڑھ کر حیران اور ششدر رہ گئے کہ احد کے شکست خوردہ اور رجیع اور بیرِ معونہ کے زخم خوردہ مسلمانوں کو یہ جرأت کیسے ہو گئی کہ انہیں اس اسٹیٹ سے نکل جانے کا نوٹس دیں، لہٰذا انہوں نے اس نوٹس کو در خورِ اعتناء نہ سمجھا اور اس کی تعمیل کرنے کے بجائے مخالفانہ اور باغیانہ رویہ اختیار کیا۔ انہوں نے مسلمانوں کی طاقت کا غلط اندازہ لگایا۔ وہ اپنی دولت کے زعم میں یہ سمجھنے لگے کہ محمد ﷺ کو صرف اوس اور خزرج کے قبائل کی حمایت حاصل ہے اور یہ دونوں قبائل کل تک ہمارے باج گزار تھے، ان لوگوں کے نوٹس پر ہم اپنے محلات، باغات اور اپنے مضبوط قلعہ کو چھوڑ دیں، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ہم بالکل مدینہ سے نہیں جائیں گے اور نہ کسی میں یہ طاقت ہے کہ ہمیں نکال سکے۔

رؤسا میں اپنی ریاست کا گھمنڈ ہوتا ہے۔ دولت کی بہتات کی وجہ سے ان کے سوچنے اور غور و فکر کی قوتیں ماؤف ہو جاتی ہیں، لیکن قوم میں کچھ سنجیدہ اور معاملات کے انجام اور ان کی نشیب و فراز کو سمجھنے والے لوگ بھی ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہود کے ایک دور اندیش اور سنجیدہ عالم اور دانشور کنانہ بن صوریا نے انہیں بہت سمجھایا:

"تم اچھی طرح جانتے ہو کہ محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں، اس لیے مجھے امید ہے کہ تم یہ باغیانہ اور مخلصانہ رویہ اختیار کر کے اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو گے اور آخر کار تمہیں یہاں سے نکلنا ہی پڑے گا۔ اس لیے تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ تم صداقت کے سامنے گردن جھکا دو۔"

سلام بن مشکم نے بھی کنانہ بن صوریا کی پوری پوری تائید کی، لیکن بنو نضیر کا لیڈر حیی بن اخطب تھا۔ اس نوٹس کے ملنے سے وہ بہت جذباتی تھا۔ اس نے عوام کو مشتعل کرنے کے لیے یہ نعرہ لگایا کہ ہم موسیٰ نبی (علیہ السلام) کا دامن نہیں چھوڑ سکتے۔ دوسری طرف رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کو جب اس نوٹس کا پتہ چلا تو اس نے حیی بن اخطب کو کہلوا بھیجا۔ مسلمانوں سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں، ڈٹ جاؤ، مقابلہ کرو اور ہمت نہ ہارو۔ میرے پاس عرب کے دو ہزار جوان ہیں جو تمہارے ساتھ قلعہ میں داخل ہو کر تمہاری حفاظت کے لیے اپنی جانیں قربان کرنے سے دریغ نہ کریں گے۔ عرب کا مشہور طاقتور اور کثیر التعداد قبیلہ "بنو غطفان" بھی تمہارے ساتھ ہے۔ وہ بھی اپنے جوانوں کو تمہاری مدد کے لیے بھیجے گا۔ اگر کسی صورت میں تمہیں نکالا ہی گیا تو پھر ہم بھی تمہارے ساتھ نکل جائیں گے اور تمہارے بارے میں کسی سے

Marfat.com

ہرگز نہیں دیں گے۔ پھر بنو قریظہ بھی تو تمہارے ساتھ ہے۔ لہٰذا ہمت کرو اور اس نوٹس کا جواب نفی میں دو۔ قرآن حکیم نے منافقین کی اس بات کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

﴿لئن اخرجتم لنخرجنا معکم ولا نطیع فیکم احدا ابدا، وان قوتلتم لننصرنکم﴾

''اگر تمہیں نکالا گیا تو ہم تمہارے ساتھ ہوں گے اور یقیناً ہم بھی نکل جائیں گے۔ ہم تمہارے معاملہ میں کسی کا کہنا نہیں مانیں گے اور اگر (بالفرض) جنگ ہوئی تو تم یقین رکھو کہ ہم ضرور تمہاری پوری پوری مدد کریں گے۔''

رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی اس بات نے یہودیوں میں خود اعتمادی پیدا کر دی اور انہوں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ مدینہ چھوڑنے کے بجائے مسلمانوں کا ہر طرح سے مقابلہ کریں گے۔ اس لیے انہوں نے اس نوٹس کا یہ جواب دیا:

انا لانخرج من دیارنا فاصنع مابدالک

''ہم اپنے گھروں سے ہرگز نہیں نکلیں گے آپ کو جو کرنا ہو کر لیں۔''

(طبقات ابن سعد: ۳/۴۱)

حیی ابن اخطب کا بھائی جدی بن اخطب یہ پیغام لے کر مدینہ منورہ آیا۔ اس کا یہ پیغام سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منہ سے بے ساختہ اللہ اکبر نکلا۔ آپ کے اللہ اکبر کہنے پر مسلمانوں نے بھی اللہ اکبر کہا جس سے مدینہ کی پوری فضا گونج اٹھی۔

مسلمانوں کے سامنے اس وقت بڑی نازک صورت حال تھی۔ کیونکہ حالات کی کروٹیں کچھ اس طرح تھیں کہ دشمنوں سے ٹکراؤ مفید اور مناسب نہ تھا۔ انجام خطرناک بھی ہو سکتا تھا۔ سارا عرب مسلمانوں کے خلاف تھا۔ خود بنو نضیر کے یہود اتنے طاقتور تھے کہ ان کا ہتھیار ڈالنا آسان نہ تھا۔ منافقین، بنو غطفان اور بنو قریظہ کی پوری پوری حمایت انہیں حاصل تھی۔ لیکن رجیع اور بیئر معونہ کے واقعات نے مسلمانوں کو محتاط بھی کر دیا تھا اور حساس بھی، او رجرائم ارتکاب کرنے والوں کے خلاف مسلمانوں کا جذبہ انتقام زیادہ ہو گیا تھا۔ بنو نضیر نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کا پروگرام بنایا تھا، لہٰذا طے یہ ہوا کہ ان سے بہر صورت لڑنا ہے خواہ اس کا انجام جو بھی ہو۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جونہی حیی بن اخطب کا پیغام ملا تو آپ نے اور صحابہ

Marfat.com

کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ اکبر کہا اور پھر لڑائی کے لیے اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کا انتظام سیدنا عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمایا اور سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو علم بردار بنا کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فرمایا کہ ''نماز عصر بنونضیر کے میدان میں جا کر پڑھیں۔'' چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فوری طور پر تعمیل کی۔

حیی بن اخطب کے بھائی جدی بن اخطب نے پیغام پر جب مسلمانوں کا نعرہ تکبیر سنا اور زبان رسالت سے فوری تیاری کا حکم بھی اس کے کان میں پڑا تو وہ کچھ پریشان ہوا۔ چنانچہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے اٹھ کر اپنے پشت پناہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے پاس پہنچا۔ وہ اپنے مکان میں اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ جدی نے جب عبداللہ بن ابی سے اس بارے میں بات کی تو جدی بن اخطب کو تعجب ہوا کہ اس کا وہ سارا جوش ٹھنڈا پڑا ہوا تھا۔ اس نے خود کوئی تیاری نہ کی اور نہ ہی حوصلہ افزا جواب دیا، صرف یہ کہا کہ میں حلیف قبائل (بنوغطفان وغیرہ) کے پاس آدمی بھیج رہا ہوں۔ ان کا جواب آنے پر کچھ جواب دوں گا۔ جدی بن اخطب اس کے اس جواب سے نہایت شکستہ خاطر ہوا اور یہی حوصلہ شکن جواب اس نے اپنے بھائی حیی بن اخطب کو جا کر سنا دیا اور یہ بھی کہا کہ میں ''خیر'' سے نہیں بلکہ ''شر'' سے آیا ہوں۔ ابھی یہ مدینہ کی مکمل روئیداد بھی نہیں سنا چکا تھا کہ مجاہدین اسلام نے بنونضیر کے میدان میں پہنچ کر نعرہ تکبیر بلند کیا۔ اس وقت نماز عصر کا وقت تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسی میدان میں صف بستہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور نماز عصر کے لیے سر نیاز خم کیا۔

اتنی ڈینگیں مارنے والے یہودیوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا رعب اس طرح ڈال دیا کہ وہ مقابلہ کرنے کے بجائے قلعہ بند ہو گئے۔ اتنے بلند بانگ دعوے لیکن لشکر اسلام کو دیکھ کر ہمتوں کا یوں پست ہو جانا، قرآن حکیم نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے:

﴿فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ﴾ (حشر:۲)

''پہنچ گیا ان پر اللہ ایسی جگہ سے کہ ان کو اس جگہ کا خیال بھی نہیں تھا اور ان کے دلوں میں (مسلمانوں کا) رعب ڈال دیا۔''

قلعہ بند ہونے کے بعد بھی انہیں یہ ہمت نہ ہوئی کہ قلعہ کی کمین گاہوں سے مسلمانوں پر حملہ کریں۔ صرف کچھ نوجوان لڑکوں نے قلعہ کی دیواروں سے تیر اور پتھر برسائے لیکن بہت جلد ان کو خاموش کر دیا گیا۔

Marfat.com

اب نہ تو عبداللہ بن ابی اور نہ قبائل عرب کے وہ لوگ جن کے تعاون کا عبداللہ بن ابی نے یقین دلایا تھا، ان کی مدد کو پہنچے بلکہ وہ سب اپنی جگہ پر سمٹ کر بیٹھ گئے۔ حیی بن اخطب نے اپنے کو بے دست و پا پایا اور اب اسے سلام بن مشکم کی تجویز یاد آئی کہ مسلمانوں سے کچھ شرطیں طے کر لی جائیں اور مدینہ کو چھوڑ دیا جائے۔ لیکن اب پانی سر سے گزر چکا تھا۔

اب بارگاہ رسالت سے ان کے بارے میں یہ فیصلہ ہوا کہ جائیداد منقولہ میں سے جو کچھ وہ لے جا سکتے ہیں، لے جائیں، باقی ان کی تمام جائیدادیں منقولہ و غیر منقولہ ضبط ہو جائیں گی۔ حیی بن اخطب نے اس فیصلہ کو تسلیم کرنے میں پس و پیش کیا۔ اس موقع پر سلام بن مشکم نے اسے پھر مشورہ دیا کہ اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ اس کو فوری طور پر تسلیم کر لو کیونکہ اس سے بدتر فیصلہ بھی ہو سکتا ہے۔ حیی بن اخطب نے کہا: اس سے بدتر فیصلہ کیا ہو سکتا ہے؟ سلام بن مشکم نے جواب دیا: تم اپنے جرم کی طرف دیکھو۔ بدتر فیصلہ یہ ہے کہ تمہارے نوجوانوں کو قتل کیا جائے اور عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا جائے۔

چند روز اسی سوچ بچار اور لیت و لعل میں گزرے۔ اس عرصہ میں محاصرہ بدستور رہا، لیکن یہود کو مسلمانوں پر حملہ کی کوئی جرأت نہ ہوئی اور نہ ہی بنو قریظہ یا دوسرے کسی قبیلہ سے انہیں کوئی امداد پہنچی۔ عبداللہ بن ابی نے بھی خاموش تماشائی کا کردار ادا کیا۔ بنو غطفان بھی چاپ سادھ گئے۔ جوں جوں محاصرہ طویل ہوتا گیا، اس میں شدت پیدا ہوتی گئی۔ چنانچہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان درختوں کو کاٹنے کا حکم صادر فرما دیا جو قلعہ کے لیے حصار کا کام دے سکتے تھے۔

اس پر طنز کیا گیا کہ مسلمان تعمیر کا دعویٰ کرنے کے باوجود تخریبی کارروائیاں کر رہے ہیں اور پھل دار درختوں کو کاٹ رہے ہیں۔ (سیرۃ حلبیہ: ۲/۲۹۴) اللہ تعالیٰ نے ان کے اس طنز کا قرآن حکیم میں جواب دیا اور اس تخریب کی ذمہ داری اپنے اوپر لی۔ فرمایا:

﴿مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ﴾ (حشر: ۵)

''جو کھجور کے درخت تم نے کاٹ ڈالے یا جن کو اپنے تنوں پر کھڑا رہنے دیا، وہ سب اللہ تعالیٰ ہی کے اذن سے ہوا تاکہ اللہ تعالیٰ ان فاسقوں کو ذلیل کرے۔''

سیرت کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ محاصرہ نے کچھ زیادہ طول نہیں پکڑا۔ صرف چھ رات یا ایک روایت کے مطابق پندرہ رات جاری رہا۔ اس دوران اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں

Marfat.com

اس قدر رعب ڈالا کہ ان کے حوصلے ٹوٹ گئے، ہمتیں جواب دے گئیں اور وہ ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔ چنانچہ انہوں نے سرور کائنات ﷺ کو پیغام بھجوایا کہ ہمیں آپ کی تمام شرطیں منظور ہیں اور ہم مدینہ کو ہمیشہ کے لیے چھوڑنے کے لیے تیار ہیں، ہماری جان بخشی کی جائے۔ آپ نے پھر وہی فرمایا کہ اسلحہ کے علاوہ اپنی منقولہ جائیداد سے جتنا ساز و سامان وہ اونٹوں پر لاد سکتے ہیں، وہ سب لے کر بال بچوں سمیت چلے جائیں۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں اس بارہ میں اتنا ذلیل اور خائب و خاسر کیا کہ پہلے تو وہ خود مسلمانوں پر تخریب کی طنز کرتے تھے، لیکن اب انہوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنی تخریب کی، اپنی جائیدادوں کو خود تباہ کیا۔ اپنے مکانات، دوسری کئی چیزوں کو خود اپنے ہاتھوں سے تباہ و برباد کر رہے تھے تا کہ مسلمانوں کا قبضہ ان پر اس حالت میں ہو کہ پوری آبادی کھنڈر بن چکی ہو۔

(سیرۃ حلبیہ: ۲/۲۹۴، زرقانی: ۲/۸۲)

قرآن حکیم نے ان کی اس پالیسی کو ان الفاظ میں بیان کیا۔ فرمایا:

﴿یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَهُمْ بِاَیْدِیْهِمْ وَاَیْدِی الْمُؤْمِنِیْنَ فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ﴾ (حشر:۲)

"وہ اپنے مکانات کو اپنے ہاتھوں سے برباد کر رہے ہیں اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے بھی، پس اے ارباب دانش و بینش اس سے عبرت حاصل کرو۔"

یعنی بیرون قلعہ مسلمان ان کی جائیدادوں کو برباد کر رہے تھے اور اندرون قلعہ وہ خود اپنے ہاتھوں سے اپنی بربادی کر رہے تھے۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ ان کے مکانات اندر سے نہایت آراستہ و پیراستہ (Well Decorated) تھے وہ اندر سے ان کی تمام ڈیکوریشن خود برباد کر رہے تھے تا کہ مسلمان ایسے پر تکلف آراستہ مکانوں میں نہ رہ سکیں اور باہر سے مسلمان توڑ پھوڑ کر رہے تھے۔ اسی طرح کا ایک قول سیدنا عروہ رضی اللہ عنہ کا امام سیوطی نے تفسیر درمنثور میں بھی نقل کیا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ گلیوں اور کوچوں میں گھس جائیں۔ چنانچہ حال یہ تھا کہ آبادی کے باہر باغات جلائے جا رہے تھے، درخت کاٹے جا رہے تھے اور اندر سے خود یہودی اپنے ہاتھوں توڑ پھوڑ کر رہے تھے۔ ان کی تمام ڈیکوریشن ختم کر رہے تھے، چوکھٹ، کڑیاں، تختے اور دروازے نکال رہے تھے۔ اس عبرت انگیز صورت سے اہل دانش کو عبرت حاصل کرنے کی تاکید کی جا رہی ہے۔

دولت جب کسی غیر دیندار کے پاس آتی ہے تو وہ اکیلی نہیں آتی بلکہ اپنے ساتھ

Marfat.com

دوسری تمام بری باتیں، بے حیائی، بے غیرتی، اللہ تعالیٰ کے احکام سے غفلت اور کوتاہی سب کچھ ساتھ لاتی ہے، چنانچہ دولت کے ان پجاریوں نے دولت کی ہوس میں گھروں کے چوکھٹ، کڑیاں، تختے، کیل، دیواروں کی کھونٹیاں تک مکانوں سے اتارے اور ان کو اپنے اونٹوں پر لادا پھر اپنے بچوں اور عورتوں کو سوار کیا۔ عورتیں اعلیٰ قسم کے ملبوسات اور زیوروں سے آراستہ تھیں، ساتھ ساتھ باجا بجتا جا رہا تھا۔ مطربہ عورتیں دف بجاتی اور گانا گاتی تھیں۔ (سیرۃ حلبیہ: ۲/۲۹۴) مختصر یہ کہ چھ سو اونٹ لدلدا کر روانہ ہوئے۔ اہل مدینہ کا بیان ہے کہ اس سروسامان کا قافلہ اس سے پہلے کبھی ان کی نظر سے نہیں گزرا تھا۔

یہود اور ان کے لیڈر حیی بن اخطب، سلام بن ابی الحقیق اور کنانہ بن ربیع وغیرہ نے تو خیبر کا رخ کیا۔ اپنا سونا بھی جو چمڑوں کے تھیلوں میں بھرا ہوا تھا اپنے ساتھ لے گئے۔ باقی یہودی اذرعات وغیرہ کے مقامات پر چلے گئے۔

ایک حسرت ناک بدقسمتی یہ دیکھنے میں آئی کہ یہودی عالم کنانہ بن صوریا اور سلام بن مشکم، جنہوں نے یہود کو بتایا کہ تم ایک اللہ کے سچے پیغمبر سے مقابلہ کر رہے ہو، تم اس سے عہد شکنی نہ کرو، ان دونوں کو اسلام لانے کی توفیق حاصل نہ ہوئی بلکہ وہ بھی اپنا سازوسامان اونٹوں پر لاد کر ان لوگوں کے ساتھ ہی مدینہ سے چلے گئے۔ صرف دو آدمیوں نے سلام قبول کیا جن کے نام یامین بن عمیر اور ابو سعد بن وہب رضی اللہ عنہما ہیں (الاستیعاب) لہٰذا ان کے سامان سے بالکل کوئی تعرض نہ کیا گیا۔

یامین بن عمیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں حافظ ابن عبدالبر نے لکھا ہے:

حسن اسلامه، وهو من كبار الصحابه.

''وہ بڑے پکے مسلمان ہوئے اور وہ کبار صحابہ میں سے ہوئے ہیں۔''

ان کے پکے مسلمان ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جونہی مسلمان ہوئے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت رگ و پے میں سرایت کر گئی اور کفر کی نفرت اس قدر پیدا ہوئی کہ عمرو بن حجاش کو ایک شخص کے ذریعہ کچھ رقم دے کر قتل کروا دیا۔ عمرو بن حجاش وہ شخص تھا جو بنونضیر کے بالا خانہ میں اس غرض سے چڑھا ہوا تھا کہ جونہی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہوں تو یہ اوپر پتھر گرا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کام تمام کر دے۔ (سیرۃ ابن ہشام: ۲/۱۹۲، سیرۃ حلبیہ: ۲/۲۹۵)

اس غزوہ میں جہاں یہودیوں کی مال و دولت کے بارے میں حرص و طمع کا پتہ چلتا ہے۔ وہاں مسلمانوں کے اخلاص وللّٰہیت کی بھی نشان دہی ہوتی ہے۔ انقلابات عالم کی تاریخ

Marfat.com

ایسے مجاہدوں کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ چشم فلک نے ایسے لوگ کبھی نہیں دیکھے ہوں گے جن کے عزائم اس درجہ انقلاب انگیز اور چٹانوں کی طرح پختہ ہوں کہ بڑے بڑے فرعونوں اور ہامانوں کے دلوں کو لرزا دیں اور توکل کی یہ شان ہو کہ زنبیل سفر میں مٹھی بھر جو بھی نہ ہوں۔

تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ ان توکل کے پتلوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بنونضیر کی طرف روانہ ہونے کے حکم کی تعمیل اس عجلت سے کی کہ نماز عصر بنونضیر کے میدان میں جا کر ادا کی، مگر توشہ دان سب کا خالی۔ نہ کسی کے پاس ناشتہ نہ توشہ اور نہ توشہ کی فکر۔ قبیلہ خزرج کے رئیس سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ، جب تک محاصرہ رہا ان مجاہدین کو کھجوروں کا رسد اپنی جیب خاص سے پیش کرتے رہے اور عام روایت کے مطابق محاصرہ پندرہ روز رہا۔ (سیرۃ حلبیہ: ۲/۲۹۳)

بنونضیر کی تمام غیر منقولہ جائیدادیں، اسلحہ اور کچھ سامان جن پر مسلمانوں نے قبضہ کیا وہ قرآن حکیم کی رو سے مال فئے میں شمار ہوتا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملکیت تھا کیونکہ یہ مال بغیر جنگ کے حاصل ہوا تھا، آپ نے اپنے مالکانہ اختیارات کو کس طرح عملی جامہ پہنایا؟ سیرت کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ آپ نے اکثر حصہ مہاجرین پر تقسیم فرمایا۔ بعض انصاری حضرات جو مفلوک الحال تھے ان کو بھی مرحمت فرمایا۔ اہل وعیال کا سال بھر کا خرچہ بھی اسی سے مقرر فرمایا اور ان میں سے، جو فاضل بچتا وہ آپ جہاد کی تیاری کے لیے صرف فرماتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرات انصار کو بھی کچھ عطا فرمانا چاہا لیکن ان پیکران اخلاص نے صاف معذرت کر دی اور سفارش کر دی کہ جو کچھ آپ ہمیں عنایت فرمانا چاہتے ہیں، وہ بھی آپ ہمارے مہاجرین بھائیوں کو عنایت فرما دیں۔ تاہم ایسے انصاری حضرات جو بہت مخلص اور مفلوک الحال تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ جائیداد ان کو عطا فرما دی جس سے ان کی مفلوک الحالی میں کافی فرق پڑا۔ وہ حضرات سیدنا سہیل بن حنیف رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو دجانہ انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔

(طبقات ابن سعد: ۳/۴۲)

حضرات انصار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اس ایثار کی جس قدر تعریف کی جائے کم ہے کہ اب تک تو ان حضرات نے مہاجرین کو ہر طرح کی امداد دی تھی یہاں تک کہ انہیں اپنی جائیدادوں میں بھی شریک کر لیا تھا اور اب جب جائیدادیں ملنے کا وقت آیا تو اس بات کو قطعاً گوارا نہ کیا کہ اس ایثار کا کوئی معاوضہ لیں۔ یہی وہ ایثار ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ان الفاظ میں تحسین فرمائی ہے:

﴿ویؤثرون علی انفسھم ولا کان بھم خصاصہ﴾

Marfat.com

''اور وہ اپنے پر دوسروں کو مقدم رکھتے ہیں اگرچہ ان کو خود سخت ضرورت ہوتی ہے۔''

بعض روایات میں ہے کہ آپ نے انصار سے پوچھا کہ میں اموال بنی نضیر کو تم میں اور مہاجرین میں برابر برابر تقسیم کر دوں۔ اوس اور خزرج دونوں قبیلوں کے دونوں سرداروں (سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ) نے یک زبان ہو کر عرض کیا: ''یا رسول اللہ! ہم خوش دلی سے اس بات پر راضی ہیں کہ یہ مال آپ صرف مہاجرین میں تقسیم فرما دیں اور حسب سابق مہاجرین ہمارے ہی گھروں میں رہیں اور کھانے پینے میں بھی ہمارے شریک رہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار کے منہ سے یہ بات سن کر فرمایا:

اللهم ارحم الانصار وابناء الانصار.

''اے اللہ! انصار اور ان کی اولاد پر رحم فرما۔'' (عیون الاثر:۲/۷۷)

آپ نے مہاجرین کو اتنا دیا کہ ''وسع فی الناس منها'' (لوگوں میں وسعت پیدا کر دی۔) (عیون الاثر:۲/۷۶، طبقات ابن سعد:۳/۴۲)

غزوہ بنو نضیر کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورہ حشر نازل فرمائی اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ اس سورت کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ اسے سورہ بنی النضیر کہو۔ اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے مال فیئ کے احکام بیان فرمائے اور مہاجرین و انصار کی ستائش فرمائی۔ منافقین کے طرز عمل کا پردہ فاش کیا۔ یہود کی جلا وطنی کو بیان کیا اور یہ بھی بتلایا کہ جنگی مصالح کے پیش نظر دشمن کے درخت بھی کاٹے جا سکتے ہیں اور ان کے باغات کو آگ بھی لگائی جا سکتی ہے اور ان کی جدائیداوں کو برباد بھی کیا جا سکتا ہے۔ یہ فساد فی الارض اور تخریب نہیں ہے بلکہ سراسر تعمیر ہے کیونکہ بعض دفعہ کسی تعمیر کے لیے تخریب ضروری ہو جاتی ہے اور وہ تخریب تعمیر کے مقدمہ اور پیش خیمہ ہوتی ہے۔ اس لیے اسے تخریب کہنا درست نہیں۔ محمد ابن اسحاق کا بیان ہے کہ شراب کی حرمت بھی اسی غزوہ میں نازل ہوئی۔ (عیون الاثر: جلد۲)

اسلحہ میں سے جن اشیاء پر مسلمانوں نے قبضہ کیا۔ تین سو چالیس تلواریں، پچاس زرہیں اور پچاس خود تھے۔ (طبقات ابن سعد:۳/۴۰)

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو بخاری:۲/۵۷۴۔۵۷۵، زادالمعاد:۲/۷۱۔۱۱۰، ابن ہشام: ۲/۱۹۰ تا ۱۹۲، عیون الاثر:۲/۳۷ تا ۳۸، زرقانی:۲/۸۰ تا ۸۶، فتح الباری:۷/۲۵۴، البدایہ والنہایہ: ۴/۷۴ تا ۸۰ وغیرہ)

Marfat.com

غزوہ بدر دوم:

غزوہ بنی نضیر کے بعد، ربیع الاول سنہ 4ھ میں پیش آیا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ شعبان سنہ 4ھ تک مدینہ ہی میں مقیم رہے۔ اکثر اصحاب سیر نے جمادی الاولیٰ سنہ 4ھ میں غزوات ذات الرقاع کا ذکر کیا ہے لیکن ہماری رائے کے مطابق یہ غزوہ سنہ 7ھ میں پیش آیا نہ کہ سنہ 4ھ میں۔ لہٰذا ہم اس کو سنہ 7ھ کے واقعات میں درج کریں گے۔

ابوسفیان احد سے واپسی کے وقت یہ کہہ گیا تھا کہ اگلے سال بدر میں پھر میدان کارزار گرم ہوگا۔ لیکن اندر سے اس کا دل خوفزدہ تھا، وہ چاہتا تھا کہ مسلمان بدر کے مقابلہ کے لیے نہ آئیں تاکہ مجھے ندامت اور شرمندگی نہ ہو اور الزام مسلمانوں پر رہے۔ چنانچہ اس نے نعیم بن مسعود نامی ایک شخص کو کچھ مال دینے کا وعدہ کیا اور کہا کہ تم مدینہ پہنچ کر یہ مشہور کردو کہ قریش مکہ نے مسلمانوں کے استیصال کے لیے بڑی بھاری جمعیت اکٹھی کی ہے، لہٰذا مسلمانوں کے لیے یہی بہتر ہے کہ وہ قریش کے مقابلہ کے لیے نہ نکلیں۔ اس خبر کے مشہور کرنے سے ابوسفیان کا مقصد مسلمانوں کو خوفزدہ کرنا تھا، لیکن اس خبر نے الٹا کام کیا۔ یہ سنتے ہی مسلمانوں کے ایمانوں میں اور زیادہ جوش پیدا ہوا اور وہ ”حسبنا الله ونعم الوکیل“ پڑھتے ہوئے میدان بدر کی طرف روانہ ہو گئے۔

مسلمان ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے اس اعلان کے بعد کہ اگلے سال میدان بدر میں پھر معرکہ ہوگا، ایک ایک روز گن گن کر گزار رہے تھے، اگرچہ اس دوران بڑے ہولناک، خوفناک اور دردناک واقعات پیش آئے لیکن ان واقعات نے ان کے جوش ایمانی میں اضافہ ہی کیا۔ چنانچہ شعبان سنہ 4ھ میں امام الانبیاء ﷺ مدینہ کا انتظام سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر کے اس طے شدہ جنگ کے لیے پندرہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ جن کے پاس دس گھوڑے بھی تھے، بدر کی طرف روانہ ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فوج کا علم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمایا اور بدر میں جا کر خیمہ زن ہو گئے۔

دوسری طرف ابوسفیان بھی مشرکین کا دو ہزار کا لشکر جس میں پچاس گھوڑ سوار بھی تھے، لے کر مکہ سے بدر کی طرف روانہ ہوا۔ وہ مرالظہران کے قریب مجنہ کے چشمے پر خیمہ زن ہوا لیکن مکہ سے نکلتے وقت اس کا دل نہایت بوجھل تھا۔ یہاں پہنچ کر بددلی اور مسلمانوں کی ہیبت کے گھرے بادل اس کے دل و دماغ پر چھا گئے اور بدر و احد کی جنگوں کے نتائج کی پوری

Marfat.com

فلم اس کی آنکھوں سے سامنے گھومنے لگی۔ وہ نہایت زیرک اور دانشور آدمی تھا، اسے پتہ تھا کہ اب اگر میدان بدر میں ہمارا مسلمانوں سے سامنا ہوا تو ہماری رہی سہی ساکھ بھی جزیرہ عرب میں ختم ہو جائے گی۔ اس کو اپنے سسر عتبہ بن ربیعہ اور دوسرے صنادید قریش کے انجام کا بخوبی علم تھا۔ اس لیے مرالظہر ان پہنچ کر اس کی ہمت بالکل جواب دے گئی اور اب وہ کسی نہ کسی بہانے سے واپس جانے کی سوچ رہا تھا۔ جب کوئی معقول بہانہ نظر نہ آیا تو آخرکار اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا: ''بھائیو! جنگ اس وقت مناسب اور موزوں ہوتی ہے جب شادابی کا زمانہ ہوتا کہ ہریالی اور گھاس کے چارہ کی بہتات کی وجہ سے جانور بھی اچھے طریقے سے چرا سکیں اور لوگ بھی ان کا سیر ہو کر دودھ پی سکیں۔ اس وقت خشک سالی ہے، لہٰذا میں واپس جا رہا ہوں اور تمہیں بھی یہ ہدایت کرتا ہوں کہ واپس چلے چلو۔''

ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی اس تجویز پر تمام لشکر نے لبیک کہا اور کسی نے بھی سفر جاری رکھنے اور مسلمانوں سے لڑنے کی رائے نہ دی اور نہ ہی کسی گوشہ سے ابوسفیان کی واپسی کی تجویز کی مخالفت کی گئی اور ایسا ہونا ایک قدرتی امر تھا کیونکہ جب قائد لشکر خوفزدہ اور مرعوب ہو تو لشکری تو اور زیادہ ہیبت زدہ ہوں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بدر میں آٹھ روز قیام کر کے دشمن کا انتظار کیا لیکن اس نے نہ آنا تھا نہ آیا۔ وہاں بدر میں ایک بہت بڑا بازار لگتا تھا۔ اس کے قیام کے دوران انہوں نے اپنا سامان تجارت بیچ کر خوب نفع کمایا اور بڑی شان کے ساتھ مدینہ واپس آئے۔ مسلمانوں کی اس پیش قدمی نے نہ صرف قریش کے دلوں پر مزید ہیبت ڈالی بلکہ دوسرے قبائل کے دلوں پر بھی ایک دھاک بیٹھ گئی۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو عیون الاثر: ۲/۸۲، زاد المعاد: ۲/۱۱۲، ابن ہشام: ۲/۲۰۹۔۲۱۰، البدایہ والنہایہ: ۴/۸۷ وغیرہ)

واقعات متفرقہ:

1. اس سال ماہ ربیع الاول یا ربیع الآخر میں ام المومنین سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی۔
2. اسی سال جمادی الاولیٰ میں سیدنا ابوسلمہ بن عبدالاسد المخزومی رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔ یہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر تھے۔ ان کو جنگ احد میں ایک زخم آیا تھا۔ اس کے

Marfat.com

دوبارہ کھلنے پر جمادی الاولیٰ یا جمادی الآخرۃ کے اوائل میں ان کا انتقال ہوا اور ایک روایت کے مطابق سنہ 3ھ میں انتقال ہوا۔

ان کی وفات کے بعد سیدہ ام سلمہ نے اپنی عدت پوری کی۔ بعد ازاں سرکار دو عالم ﷺ نے ان سے نکاح فرمایا۔ اواخر شوال میں وہ دولت کدہ نبوت میں آباد ہوئیں۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی وفات تمام امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے بعد ہوئی۔

③ اسی سال سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ سیدہ فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف کا انتقال ہوا۔ رضی اللہ عنہا۔

Marfat.com

سنہ 5 ھ

غزوہ دومۃ الجندل:

غزوہ بدر دوم سے شعبان میں آپ واپس مدینہ منورہ تشریف لائے۔ بدر میں جانے کی وجہ سے ادھر ادھر کے قبائل کے دلوں پر آپ ﷺ کی ایک دھاک بیٹھ گئی تھی جس کی وجہ سے چاروں طرف اسلامی سلطنت میں امن وامان اور اطمینان وسکون کی بادِ نسیم چل رہی تھی اور آپ سلطنت کی آخری حدود تک توجہ فرمانے کے لیے فارغ ہو چکے تھے۔ قریباً چھ ماہ آپ نے مدینہ طیبہ میں قیام فرمایا۔ بعدازاں آپ ﷺ کو اطلاع ملی کہ دومۃ الجندل (دال کے پیش اور زبر دونوں کے ساتھ صحیح ہے) کے اردگرد بسنے والے قبائل آنے جانے والے قافلوں پر ڈاکے ڈال رہے ہیں اور وہاں سے جو ساز وسامان بھی گزرتا ہے اس کو لوٹ لیتے ہیں۔ دومۃ الجندل بہت دور مقام تھا۔ علامہ زرقانی نے لکھا ہے کہ یہ مدینہ منورہ سے پندرہ دن کے راستہ پر ہے اور دمشق وہاں سے صرف پانچ دن کے راستہ پر۔ (زرقانی:۲/۹۵)

جونہی آپ ﷺ کو یہ اطلاعات موصول ہوئیں، آپ نے سیدنا سباع بن عرفطہ غفاری رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں منتظم مقرر فرما کر ایک ہزار مسلمانوں کی جمعیت کے ساتھ دومۃ الجندل کی طرف خروج فرمایا۔ یہ 25 ربیع الاول سنہ 5 ھ کا واقعہ ہے۔ اس غزوہ میں آپ رات کو سفر فرماتے اور صبح کے وقت پڑاؤ ڈالتے تاکہ دشمن پر اچانک حملہ کیا جائے اور وہ بھاگ نہ سکے لیکن قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ لوگ باہر نکل گئے ہیں۔ آپ نے وہاں کچھ روز قیام فرمایا لیکن کوئی دشمن ہاتھ نہ لگا۔ بالآخر بغیر کسی جنگ کے آپ 20 ربیع الثانی کو واپس مدینہ تشریف لے آئے۔ اس غزوہ میں عیینہ بن حصن سے بھی مصالحت ہوئی۔

(عیون الاثر:۲/۸۳، زرقانی:۲/۹۵، طبقات ابن سعد:۲/۶۵، البدایہ والنہایہ:۴/۹۲)

Marfat.com

غزوہ بنی المصطلق:

غزوہ بنی المصطلق کا دوسرا نام غزوہ مریسیع ہے۔ بنو مصطلق ایک قبیلہ کا نام ہے جو بنوخزاعہ کی ایک شاخ ہے اور چونکہ اس غزوہ میں ایک روایت کے مطابق مریسیع (م پر پیش اور ر پر زبر) کے چشمہ پر دشمن سے مڈبھیڑ ہوئی تھی۔ اس وجہ سے اس کو غزوہ مریسیع بھی کہتے ہیں۔

یہ غزوہ کب پیش آیا اس بارے میں بہت اختلاف ہے۔ محمد ابن اسحاق کے نزدیک یہ شعبان سنہ 6ھ میں پیش آیا۔ موسیٰ بن عقبہ کے نزدیک سنہ 5ھ میں اور ابن سعد کے نزدیک بھی شعبان سنہ 5ھ میں۔ (عیون الاثر: ۱۳۴/۲) حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہی قول صحیح ہے کیونکہ صحیح بخاری میں ہے کہ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اس غزوہ میں شریک تھے اور صحیح روایات کی رو سے سیدنا معاذ نے غزوہ بنی قریظہ میں وفات پائی۔ جو سنہ 5ھ میں پیش آیا۔ اس وجہ سے یہ غزوہ سنہ 5ھ ہی میں ہوا۔ (ملاحظہ ہو فتح الباری: ۳۳۲/۷، زرقانی: ۱۶/۲، زادالمعاد: ۱۱۵/۲) امام بخاری سے موسیٰ بن عقبہ کے حوالہ سے یہ بھی منقول ہے کہ یہ غزوہ سنہ 4ھ میں واقع ہوا لیکن موسیٰ بن عقبہ کی کتاب میں متعدد طریق سے سنہ 5ھ ہی مذکور ہے۔ اس لیے امام بخاری کے ماننے والوں کو بھی یہ تسلیم کرنا پڑا کہ امام بخاری سنہ 5ھ ہی لکھنا چاہتے تھے لیکن سبقت قلم سے سنہ 4ھ لکھا گیا۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو حاشیہ بخاری: ۵۹۳/۲)

یہ غزوہ کوئی بھاری بھرکم نہیں ہے کہ اس میں اتنے ہزار انسانوں پر مشتمل فوج مدینہ پر حملہ آور ہونا چاہتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے دفاع کے لیے کوئی اہم طریقہ اختیار کیا جیسا کہ غزوہ احزاب میں کیا تھا، لیکن یہ غزوہ اس لحاظ سے نہایت اہم ہے کہ اس میں کچھ اہم واقعات رونما ہوئے جس نے نہ صرف اسلامی معاشرہ میں بلکہ اسلامی تاریخ میں اضطراب پیدا کر دیا۔ جیسا کہ آئندہ صفحات میں بیان کیا جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ اطلاع ملی کہ بنو مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے اپنے قبیلے اور کچھ دوسرے عربوں کی فوج جمع کی ہے اور وہ مدینہ طیبہ پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کر رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ عنہ کو تحقیق حال کے لیے بھیجا۔ انہوں نے واپس آ کر خبر کے صحیح ہونے کی تصدیق کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر کے صحیح ثابت ہونے کے بعد مسلمانوں کو تیاری کا حکم دیا۔

مدینہ کا انتظام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اور ایک روایت میں ہے

Marfat.com

کہ سیدنا ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کو اور ایک اور روایت کے مطابق سیدنا نمیلہ بن عبداللہ لیثی رضی اللہ عنہ کو سونپا اور خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر بنو مصطلق کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس لشکر میں تیس گھوڑے آپ کے ہمراہ تھے۔ جن میں دس مہاجرین کے اور بیس انصار کے تھے۔ اس جنگ میں عادت کے خلاف منافقین کی بھی ایک بڑی تعداد شریک تھی۔ اصحاب سیر نے لکھا ہے کہ وہ مال غنیمت کے لالچ میں اس لشکر میں شریک ہوئے تھے حالانکہ وہ اس سے قبل کبھی کسی غزوہ میں شریک نہ ہوئے تھے۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھیں اور 2 شعبان سنہ 5ھ بروز پیر آپ مریسیع کی جانب روانہ ہوئے۔ (زرقانی: ۲/ ۹۶، ابن سعد: ۲/ ۴۵، ابن ہشام: ۲/ ۲۸۹، عیون الاثر: ۲/ ۱۳۴۔۱۳۵)

حارث بن ابی ضرار کو بھنک پڑ گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حملہ کرنے کی نیت سے بنو مصطلق کی طرف جا رہے ہیں تو اس نے تحقیق حال کے لیے ایک جاسوس بھیجا مسلمانوں نے اسے گرفتار کر کے قتل کر دیا۔

بخاری کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیز رفتاری کے ساتھ چل کر بنو مصطلق پر اس وقت اچانک حملہ کر دیا جب وہ اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے تھے۔ (جلد اص ۳۴۵)۔ لیکن دوسری روایت میں ہے کہ جب حارث بن ابی ضرار رئیس بنو مصطلق اور اس کی فوج کے آدمیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روانگی اور اپنے جاسوس کے قتل ہونے کا علم ہوا تو وہ سخت خوفزدہ ہو گئے اور جو عرب ان کے ساتھ تھے وہ سب منتشر ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ساتھیوں کے ساتھ پیش قدمی فرماتے ہوئے بنو مصطلق کے چشمہ مریسیع تک پہنچ گئے۔

مہاجرین کے علم بردار سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے جب کہ انصار کا پرچم سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ذریعہ اس بات کا اعلان کروا دیا کہ اگر تم لوگ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جاؤ تو تم سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا اور تمہاری جانیں اور اموال محفوظ رہیں گے، لیکن انہوں نے اس سے صاف انکار کر دیا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صف بندی کر کے مسلمانوں کو یکبارگی حملہ کا حکم دیا۔ بنو مصطلق حملہ کی تاب نہ لا سکے اور جلد ہی ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ اس جنگ میں غنیم کے دس آدمی مارے گئے اور مسلمانوں کا ایک آدمی شہید ہوا وہ بھی غلطی سے مسلمانوں کے ہاتھ سے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شہید ہونے والے کے بھائی کو اس کا خون بہا دے دیا۔ اس میں قریباً چھ سو قیدی ہاتھ آئے جن میں سو کے قریب عورتیں تھیں۔ دو ہزار اونٹ اور پانچ

Marfat.com

ہزار بکریاں مال غنیمت کے طور پر مسلمانوں کو ملیں۔ قیدیوں میں بنو مصطلق کے رئیس حارث بن ابی ضرار کی بیٹی جویریہ بھی تھیں۔ مال غنیمت کی تقسیم میں یہ سیدنا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئیں۔ سیدنا ثابت رضی اللہ عنہ نے انہیں مکاتب بنالیا یعنی انہیں کہا کہ تم اتنی رقم دے دو تو تم آزاد ہو۔ جویریہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور عرض کی یا رسول اللہ! آپ کو پتہ ہے کہ میں بنو مصطلق کے رئیس کی بیٹی ہوں۔ میں ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئی ہوں۔ انہوں نے مجھے مکاتب بنا دیا ہے۔ میں بدل مکاتب میں آپ سے امداد کی طالب ہوں۔ رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم کو اس سے بہتر شے بتلاتا ہوں، وہ یہ کہ تمہاری طرف سے کتابت کی رقم میں ادا کر دیتا ہوں اور تمہیں آزاد کر کے اپنے حبالۂ عقد میں لے لیتا ہوں۔ کیا تم اس پر راضی ہو؟ جویریہ نے کہا کہ مجھے یہ منظور ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی جانب سے کتابت کی رقم ادا کر کے ان سے شادی فرمالی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جب یہ معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا سے شادی کر لی ہے تو انہوں نے بنو مصطلق کے تمام قیدیوں کو آزاد کر دیا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سسرالی رشتہ دار ہیں۔ چنانچہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے جویریہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ کسی عورت کو اپنی قوم کے حق میں بابرکت نہیں دیکھا کہ جس کی وجہ سے ایک دن میں سو گھرانے آزاد ہوئے ہوں۔ (ابوداؤد ۲/ ۱۹۲)

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ابن ہشام: ۲/ ۲۸۹، ۲۹۵، عیون الاثر: ج ۲، زادالمعاد: ۲/ ۱۱۲۔۱۱۳)

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے والد حارث بن ابی ضرار بہت سے اونٹ لے کر مدینہ میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تاکہ فدیہ دے کر اپنی بیٹی کو چھڑا لائیں۔ ان میں سے دو نہایت عمدہ نسل کے اونٹ ایک گھاٹی میں چھپا آئے کہ واپسی پر ان کو لے لوں گا۔ جب مدینہ میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور وہ اونٹ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیے اور کہا کہ اے محمد! آپ نے میری بیٹی کو گرفتار کر کے قیدی بنایا ہے۔ یہ اس کا زرفدیہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ لے کر اسے آزاد کر دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ اونٹ کہاں ہیں جو تم فلاں گھاٹی میں چھپا کر آئے ہو۔ حارث نے یہ سنتے ہی کلمہ شہادت پڑھا اور مسلمان ہو گیا اور کہا کہ اللہ کے سوا کسی کو ان اونٹوں کا پتہ نہ تھا، لہٰذا آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں اور اللہ ہی نے ان کے بارے میں آپ کو خبر دی ہے۔

(الاصابہ: ۱/ ۲۸۱، خصائص کبریٰ بیہقی: ۱/ ۲۳۶)

Marfat.com

یہ داستان ہے اس غزوہ کی۔لیکن اس غزوہ میں چونکہ منافقین کی ایک بڑی تعداد پہلی بار شامل ہوئی تھی اس لیے انہوں نے اپنی کارروائیوں سے کچھ گل کھلائے۔ان کی وجہ سے یہ غزوہ ایک خاص اہمیت اختیار کر گیا۔

منافقین کی فتنہ پردازی:

ابھی آپ مریسیع میں قیام پذیر ہی تھے کہ جانوروں کو پانی پلانے پر دو مسلمانوں میں جھگڑا ہو گیا (بلکہ منافقین نے جھگڑا کروا دیا) ان میں ایک جہجاہ بن مسور غفاری تھا جو سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا اجیر تھا اور ان کے گھوڑے کو پانی پلانا چاہتا تھا اور دوسرا سنان بن دبر جہنی تھا جو مدینہ کے بنی عوف (قبیلہ خزرج) کا حلیف تھا۔ان دونوں کا ایک دوسرے سے پانی پلانے پر جھگڑا ہو گیا۔جہجاہ نے سنان کو پیٹا۔سنان نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا اور ساتھ ہی "**یا معشر الانصار**" کا نعرہ لگایا۔اس کے جواب میں جہجاہ نے بھی "**یا معشر المھاجرین**" پکارا۔اتفاق سے جبال نامی مہاجر جو پاس ہی کھڑا تھا، اس مار پیٹ میں جہجاہ کا ساتھی بن گیا۔ادھر سے کچھ انصار کے آدمی سنان کی مدد کو پہنچے۔اس پر کافی ہنگامہ برپا ہو گیا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب ان نعروں کا پتہ چلا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ جاہلیت کی آوازیں کیا ہیں؟ لوگوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! ایک مہاجر نے ایک انصاری کو لات ماری ہے۔آپ نے ارشاد فرمایا:

دعوها فانها منتنه.

ان کو چھوڑو یہ گندی اور بدبودار باتیں ہیں یعنی کوئی ظالم ہے یا مظلوم تمہارا دینی بھائی ہے۔ظالم ہے تو اسے ظلم کرنے سے روکو، مظلوم ہے تو اس کی حمایت کرو۔''

عبداللہ بن ابی بن سلول اپنے مخصوص گروہ منافقین میں بیٹھا ہوا تھا جس کے سرکردہ لوگ یہ تھے۔ مالک، سوید، قاعیس، عبیداللہ بجتل، مغیث بن قشر، زید بن الاسید وغیرہ۔اتفاق سے سیدنا زین بن الارقم رضی اللہ عنہ بھی یہیں موجود تھے۔عبداللہ بن ابی نے جونہی یہ واقعہ سنا تو فوراً بھڑک اٹھا اور اس پر جو ہذیانی کیفیت طاری ہوئی وہ زید بن ارقم کی زبانی سنئے۔زید بن ارقم رضی اللہ عنہ اس وقت نوجوان تھے جو ابھی سن رشد کو نہیں پہنچے تھے۔عبداللہ بن ابی بن سلول نے نہایت جوش و خروش اور جذباتیت سے یہ تقریر کی اور اس میں اس نے یہ کہا کہ

''میں نے آج سے زیادہ ذلیل دن اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھا۔میں تو پہلے ہی

Marfat.com

بہت زیادہ ذلت محسوس کر رہا تھا لیکن آج تو انتہا ہو گئی اور یہ سب کچھ میری قوم کی وجہ سے ہوا۔ ہماری اور ان کنگلے مہاجروں کی مثال یہ ہے: "سمن کلبک یا کلک" (اپنے کتے کو موٹا کرو تا کہ وہ تجھے کھا جائے) کاش کہ میں آج کے دن سے پہلے مر جاتا اور مجھے یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ تم لوگوں نے ان مہاجروں کو ٹھکانہ دیا۔ اپنے مال ان پر نچھاور کیے۔ ان کی ہر طرح سے خاطر مدارت کی۔ اگر تم لوگ ان پر مہربانی نہ کرتے تو انہیں کہیں بھی ٹھکانہ نہ ملتا۔ اب بھی تم لوگ ہوش سے کام لو اور ان پر اپنا مال خرچ کرنا بند کر دو تو یہ خود بخود بکھر جائیں گے (لا تنفقوا علی من عند رسول الله حتی ینفضوا) ان کو بچانے کے لیے تم نے اپنے آپ کو موت کے منہ میں دھکیل دیا لیکن پھر بھی یہ لوگ تم سے خوش نہیں۔ تم نے ان کی خاطر اپنی جانیں قربان کر دیں، اپنے مال خرچ کیے، اپنے بچوں کو یتیم اور اپنی عورتوں کو بیوہ بنایا۔ چنانچہ تم روز بروز کم ہو رہے ہو اور یہ دن بدن زیادہ ہو رہے ہیں۔ انہیں مار مار کر سیدھا کر دو تا کہ انہیں عقل آ جائے۔ اب انہیں واپس جا کر معلوم ہو جائے گا کہ ہم عزت والے ان ذلیل لوگوں کو مدینہ سے نکال باہر کریں گے۔" (فان رجعنا الی المدینه لیخرجن الاعز منها الاذل)

اسی طرح جو اس کے منہ میں آیا اس نے وہ اگلا۔ اس کی تقریر بہت زہریلی اور مسلمانوں کے سخت خلاف تھی۔ سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ بیان کر دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے حد کبیدہ خاطر ہوئے اور چہرہ انور سرخ ہو گیا۔ آپ نے سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "کہیں غصہ کی وجہ سے تم خلاف حقیقت تو بیان نہیں کر رہے؟" انہوں نے عرض کی: "یا رسول اللہ! اس نے ایسا ہی کہا ہے اور میں نے اپنے کانوں سے خود سنا ہے اور جو کچھ میرے کانوں نے سنا ہے وہ میں نے من و عن آپ کی خدمت میں عرض کر دیا ہے۔"

یہ بات پورے لشکر میں پھیل گئی کہ عبداللہ بن ابی نے یہ کہا ہے اور سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے وہ سب کچھ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کر دیا ہے۔ چنانچہ لشکر کے کئی سادہ دل مسلمان یہ کہنے لگے کہ اس نوخیز نوجوان کو یہ بات آپ کی خدمت میں نہیں پہنچانی چاہیے تھی۔ کئی لوگ یہ کہنے لگے کہ اس بچے نے ایسی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہی جو عبداللہ بن ابی نے نہیں کہی۔ غرضیکہ لشکر میں طرح طرح کی باتیں ہونے لگیں۔ سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے بھی بعض

Marfat.com

لوگوں نے پوچھا کہ کیا واقعی عبداللہ بن ابی نے یہ باتیں کی ہیں۔ سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے ان کو یہی جواب دیا کہ میں نے جو کچھ عبداللہ کے منہ سے سنا وہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کر دیا حالانکہ عبداللہ بن ابی مجھے خزرج میں سب سے زیادہ عزیز تھا۔

سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے کان میں بھی یہ بات پہنچ گئی کہ عبداللہ بن ابی نے یہ یہ باتیں کی ہیں۔ رگ فاروقی فوراً حرکت میں آئی اور بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کیا: ''یا رسول اللہ! اجازت دیجیے اس دشمن خدا کی گردن اس کے جسم سے جدا کر دوں، یا عباد بن بشر کو حکم فرمایئے کہ اس کا سر قلم کر دے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''عمر! صبر سے کام لو، میں ایسا حکم نہیں دے سکتا کیونکہ لوگ کہنے لگیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہے۔ (ان محمد ایقتل اصحابہ)

عبداللہ بن ابی کو جب پتہ چلا کہ سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے اس کی یہ ساری باتیں بارگاہِ نبوت میں بیان کر دی ہیں اور اس کا بھانڈا چوراہے پر پھوڑ دیا ہے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور اللہ کی قسمیں کھا کر کہنے لگا کہ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا ہے میں نے وہ نہیں کہا اور نہ مجھ میں یہ ہمت ہے کہ ایسی بات زبان پر لا سکوں۔ اس وقت انصار کے جو لوگ موجود تھے، انہوں نے بھی کہا: ہاں اے اللہ کے رسول! وہ ابھی لڑکا ہے، ہوسکتا ہے کہ اسے کچھ وہم ہو گیا ہو اور عبداللہ بن ابی نے جو کچھ کہا ہے اسے وہ ٹھیک طور پر اپنے کوزہ ذہن میں محفوظ نہ رکھ سکا ہو۔ چنانچہ آپ نے عبداللہ کی قسموں پر اعتبار کرتے ہوئے اس کی بات کو سچ مان لیا۔ سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کو بہت ندامت بھی ہوئی اور غم بھی لاحق ہوا بلکہ ان کا بیان ہے کہ ایسا غم مجھے پوری زندگی نہیں ہوا۔ چنانچہ میں اس صدمہ کی وجہ سے گھر بیٹھ گیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ منافقون نازل فرمائی جس نے میری بات کی تائید کر دی۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سورہ منافقون نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے بلایا اور اس سورت کی آیات مجھے پڑھ کر سنائیں اور پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری باتوں کی تصدیق فرما دی ہے۔ (بخاری: ۱/ ۴۹۹، ۲۲۷۔۲۲۹، ابن ہشام: ۲/ ۲۹۰۔۲۹۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی قسموں کا کیوں اعتبار کیا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دراصل بہت چالاک اور مکروفریب میں ماہر آدمی تھا۔ چنانچہ محمد ابن اسحاق کا بیان ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ کے لیے تشریف لاتے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطبہ سے پہلے خود کھڑا ہو جاتا اور لوگوں سے کہتا: ''لوگو! یہ تم لوگوں کے درمیان اللہ کے رسول ہیں۔ ان کے ذریعہ سے اللہ

Marfat.com

تعالیٰ نے تمہیں عزت و احترام عطا کیا ہے، لہٰذا ان کے ساتھ تعاون کرو، ان کے مشن کو تقویت پہنچاؤ۔ ان کی بات سنو اور ان کی اطاعت کرو۔'' یہ بات کر کے وہ بیٹھ جاتا۔ اس کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھ کر خطبہ ارشاد فرماتے۔ جنگ احد میں اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں سے بدترین دغابازی اور دھوکہ دہی کی تھی کہ میدان جنگ سے اپنے آدمیوں کو واپس لے آیا، لیکن اس کے باوجود جنگ احد کے بعد پہلے جمعہ میں اس نے پھر یہی الفاظ دہرانا چاہے اور وہی بات کرنا چاہی جو اس سے قبل ہر جمعہ کو خطبہ سننے سے پہلے کہا کرتا تھا۔ یہ اس کی بے حیائی کی انتہا تھی، لیکن اب کی بار جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطبہ ارشاد فرمانے سے قبل اٹھا تو مسلمانوں نے ہر طرف سے اس پر آوازے کسے اور اس کے کپڑوں کو پکڑ کر کہا: دشمن خدا بیٹھ جا، تو نے ہم سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو حرکتیں کی ہیں، اس کے بعد اب تو اس لائق نہیں کہ مسجد نبوی میں کھڑا ہو کر اس طرح کے الفاظ کہے۔ تو نہایت دغاباز اور منافق آدمی ہے۔ تیرے کئی چہرے ہیں۔ مسلمانوں کے منہ سے اپنے بارے میں یہ ریمارکس سن کر وہ لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا اور بڑبڑاتا ہوا باہر نکل گیا کہ میں نے آپ کی تائید میں اٹھ کر کچھ کہنا چاہا لیکن ان لوگوں نے مجھے روک دیا، اتفاق سے دروازے پر اسے ایک انصاری مل گئے۔ انہوں نے اس سے کہا: تیرا ستیاناس ہو، واپس چل اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معافی مانگ، وہ تیرے لیے دعائے مغفرت کریں گے اس نے نہایت ڈھٹائی سے جواب دیا کہ ''خدا کی قسم، میں نہیں چاہتا کہ وہ میرے لیے مغفرت کی دعا کریں۔'' (ابن ہشام: ۲/ ۱۰۵)

مختصر یہ کہ عبداللہ بن ابی بن سلول کی شرانگیز اور زہر آلود جذباتی تقریر کی وجہ سے فضا کافی مکدر ہو چکی تھی۔ اس لیے آپ نے مسلمانوں کو بے وقت کوچ کا حکم دے دیا۔ تمام دن اور تمام رات سفر جاری رہا۔ اگلے روز دوپہر کے وقت ماء حجاز پر جو نقیع سے ذرا اوپر ہے، قیام فرمایا جس کا نام بقعاء ہے۔ (یہ جگہ موجودہ رابغ کے قرب و جوار میں ہے) یہاں تک پہنچتے ہوئے لوگوں کا جوش ٹھنڈا ہو گیا، فضا کا تکدر ختم ہو گیا، لوگ سفر سے اس قدر چور ہو چکے تھے کہ سواریوں سے اترتے ہی نیند نے ان پر غلبہ پالیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس بے وقت کوچ پر مسلمان حیران تھے، لیکن کسی کو جرأت نہیں تھی کہ آپ سے کوئی سوال کرتا۔ راستہ میں سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے کچھ جرأت کی اور اپنی سواری بڑھا کر آپ سے دریافت کیا کہ ''اے اللہ کے رسول! آج اس بے وقت سفر کا حکم کیسے فرمایا؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ ''تم نے سنا نہیں کہ تمہارے ساتھی (عبداللہ بن

Marfat.com

ابی) نے کیا کہا؟'' سیدنا اسید رضی اللہ عنہ نے پوچھا! کون ساتھی؟ فرمایا: ''عبداللہ بن ابی بن سلول۔''
سیدنا اسید رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اس شخص سے تو درگزر ہی بہتر ہے، یہ شخص مجبور ہے، کیونکہ جب آپ تشریف لائے تو ہم نے اس کے لیے تاج تیار کر رکھا تھا کہ اس کو اپنا بادشاہ بنا لیں، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنے سے اس کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔ یہ اپنے حسد کی آگ میں خود ہی جلتا رہے گا۔ خزرج کے سردار سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آؤ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تمہارے لیے مغفرت کی دعا کی درخواست کریں۔ لیکن وہ گردن کو جھٹکے سے چھڑا کر نکل گیا۔ (تعالوا یستغفر لکم رسول الله لووا روسهم)

منافقین کی اس غزوہ میں شرکت کی وجہ:

ہمارے اصحاب سیر نے یہ لکھا ہے کہ اس غزوہ میں منافقین کی کثرت سے شرکت کی وجہ یہ ہے کہ وہ مال غنیمت کے لالچ میں شریک ہوئے تھے، لیکن شرکت کی یہ وجہ محل نظر ہے، بلکہ وہ ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت شریک ہوئے تھے اور وہ ایک جنگی سازش تھی جس کے تحت انہوں نے اس غزوہ میں شرکت کی تھی اور وہ بھی اپنے لحاظ سے ایک بہت بڑی تعداد میں۔ انہیں معلوم تھا کہ چند روز بعد یہود خیبر اور قریش مکہ دوسرے قبیلوں کے ساتھ ایک متحدہ محاذ بنا کر مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے والے ہیں، کیونکہ یہود خیبر کے قاصد اور مشرکین مکہ کے خبر رساں اور پیغام بران کے پاس آتے جاتے رہتے تھے۔ انہیں ان کے متحدہ محاذ بنا کر مدینہ پر جنگ احزاب کی صورت میں حملہ کرنے کا بخوبی علم تھا، بلکہ وہ خود ان تیاریوں اور اسکیموں میں شریک تھے۔ وہ دراصل اس آنے والے حملے کے لیے پہلے سے زمین تیار کرنا چاہتے تھے۔ اسی لیے وہ غزوہ میں شریک ہوئے اور کثیر تعداد میں ہوئے تا کہ مہاجرین و انصار میں جھگڑا کرا کر ان کی مجموعی قوت کو کم کیا جا سکے۔ علاوہ ازیں مسلمانوں سے قریبی میل جول کر کے اور جنگ میں اپنی ہمدردیاں انہیں جتا کر ان سے فوجی اور جنگی راز معلوم کر کے اپنے حلیفوں (یہود خیبر اور قریش مکہ) کو بتا سکیں۔

جہجاہ بن مسعود اور سنان بن دبر کا جھگڑا کوئی اتفاقیہ جھگڑا نہ تھا بلکہ یہ جھگڑا بھی منافقین نے دانستہ کروایا تھا۔ کیونکہ پہلے پانی پلانے کی ایک معمولی بات پر ''یا معشر الانصار'' اور ''یا معشر المہاجرین'' کے انتہائی جوشیلے نعرے یقیناً ایک سوچی سمجھی سازش کی نشاندہی کرتے ہیں اور پھر اس کے بعد عبداللہ بن ابی کی جوشیلی تقریر ایک اہم سازش کا حصہ معلوم ہوتی ہے۔ پھر اسی

Marfat.com

جذباتی اور جوشیلی تقریر میں عبداللہ بن ابی کی زبان سے یہ نکلتا کہ

لا تنفقوا علی من عند رسول اللہ حتی ینفضوا اور لئن

رجعنا الی المدینہ لیخرجن الاعز منها الاذل

ان دونوں جملوں کا وزن صاف بتا رہا ہے کہ عبداللہ بن ابی اور اس کے منافق ساتھی آنے والے حملہ احزاب کی تیاری سے پوری طرح آشنا تھے اور قریش اور ان کے حلیف قبائل کی جنگی اور فوجی تدابیر ان کے علم میں تھیں اور ان جملوں میں ان کا اسی طرف اشارہ تھا، کیونکہ ان منافقین کا خیال ہی نہیں بلکہ انہیں پورا یقین تھا کہ اس مرتبہ مسلمان قریش، یہود اور ان کے حلیف قبائل کے متحدہ محاذ کے حملہ کی تاب نہ لاسکیں گے اور انہیں مدینہ میں کوئی پناہ نہ ملے گی۔ لیکن انہیں اللہ تعالیٰ کی اس تدبیر کا علم نہ تھا جو وہ اپنے نبی ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو بچانے کے لیے کرے گا جس سے دشمنان اسلام کی کمر ہمت ہمیشہ کے لیے ٹوٹ کر رہ جائے گی۔

اس غزوہ بنی المصطلق میں منافقین کی شرکت کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ اس غزوہ میں عین موقع پر کوئی ایسی تدبیر کریں گے جس سے ایک تو مسلمان اس غزوہ میں شکست کھا جائیں اور دوسرا غزوہ احزاب کے لیے ان میں تشتت و افتراق کی ایسی خلیج پیدا ہو جائے کہ احزاب کے حملہ میں ان میں دفاع کی طاقت ختم ہو جائے۔ چنانچہ انصار و مہاجرین کے مابین پانی پانے پر جھگڑا اسی سازش کی ایک فرع تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت نے اس کی اس تدبیر کو انہی پر الٹ دیا اور مسلمانوں میں اختلاف کی وہ خلیج پیدا نہ ہو سکی جس کے لیے پلاننگ کی گئی تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ دشمنان اسلام کو نہ صرف اس غزوہ میں شکست کا منہ دیکھنا پڑا بلکہ وہ شکست قریش مکہ کے لیے آخری ضرب ثابت ہوئی اور پھر وہ مسلمانوں پر حملہ کرنے کے قابل نہ رہے۔

عبداللہ بن ابی نے یہ دھمکی اپنی تقریر میں دی تھی کہ عزت والے، ذلیل لوگوں کو سرزمین سے نکال باہر کریں گے، لیکن یہ تعجب کی بات ہے کہ اسی رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کا صاحبزادہ جس کا نام بھی عبداللہ تھا، وہ سرکار دو عالم ﷺ کے جاں نثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تھا، اسلام کا نہایت شیدائی اور سرکار مدینہ ﷺ کا جانثار۔ اس نے جب اپنے باپ کے منہ سے یہ کلمات سنے تو وہ باپ سے پہلے مدینہ پہنچ کر مدینہ کے دروازے پر تلوار سونت کر کھڑا ہو گیا اور جب اس کا باپ مدینہ میں داخل ہونے کے لیے پہنچا تو وہ بولا: خدا کی قسم، میں تجھ کو اس وقت تک مدینہ میں داخل نہیں ہونے دوں گا جب تک تو اس بات کا اقرار نہیں کرتا کہ تو ذلیل ہے اور حضور ﷺ عزت والے ہیں۔ چنانچہ اس نے اس بات کا اقرار کیا تب کہیں اس کو مدینہ میں

Marfat.com

داخل ہونے کی بیٹے نے اجازت دی۔ (ترمذی: ۲/ ۱۹، فتح الباری: ۸/ ۵۰۰)

ایک روایت میں ہے کہ بیٹے نے یہ بھی کہا کہ جب تک سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہیں مدینہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیں گے اس وقت تک تم مدینہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو مدینہ میں داخل ہونے کی اجازت فرمائی تب صاحبزادے نے اپنے باپ عبداللہ بن ابی کا راستہ چھوڑا۔

مدینہ پہنچ کر سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے پتا چلا ہے کہ آپ میرے باپ کے قتل کے احکام صادر فرمانے والے ہیں کیونکہ اس نے بڑی غلط قسم کی تقریر کی ہے۔ اگر آپ اجازت فرمائیں تو میں خود اپنے باپ کا سر قلم کر کے آپ کی خدمت اقدس میں لا حاضر کروں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کسی دوسرے مسلمان کو اس کے قتل کا حکم دیں اور میں جذبات میں آ کر اپنے باپ کے قاتل کو قتل کر دوں اور اس طرح سے ایک مسلمان کے قتل کا ارتکاب کروں، لیکن رحمت مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے باپ کو قتل کرنے سے سختی سے منع فرمایا بلکہ اس کے ساتھ حسن سلوک اور احسان کرنے کا حکم دیا۔

(فتح الباری: ۸/ ۴۹۸، ابن ہشام: ۲/ ۲۹۰۔۲۹۲)

غرض یہ کہ اس غزوہ میں منافقین کی شرکت غنیمت حاصل کرنے کی وجہ سے نہ تھی بلکہ ایک سازش اور سوچی سمجھی اسکیم کے تحت تھی۔ جیسا کہ ہم نے اس کی نشاندہی کی ہے۔ چنانچہ ہمارے اصحاب سیر کا یہ لکھنا کہ وہ مال غنیمت کے لالچ میں اس غزوہ میں شریک ہوئے تھے، ان کی سادگی اور بھولا پن ہے، کیونکہ اس غزوہ سے پہلے اب تک مسلمانوں کو کسی جنگ میں اتنی بڑی غنیمت ملی ہی نہیں تھی کہ ان منافقین کے دل للچا اٹھتے اور ان کے منہ میں لالچ کا پانی بھر آتا۔ دوسرے منافقین کوئی غیب دان تو نہیں تھے کہ انہیں پہلے سے ہی پتہ چل گیا کہ اس غزوہ میں فتح مسلمانوں کی ہوگی اور ان کو اس میں اس قدر مال غنیمت ملے گا۔ بلکہ جس جنگ میں غیر مخلص اور منافق دل والے لوگ موجود ہوں اور وہ بھی کثیر تعداد میں، وہاں تو فتح کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کی جگہ شکست یقینی ہوتی ہے اور منافقین تو کسی صورت بھی مسلمانوں کی فتح کے حامی نہیں تھے۔ جنگ احد میں بھی ان کے تمام حربے مسلمانوں کو شکست سے ہمکنار کرنے کے لیے تھے نہ کہ فتح کے لیے۔

واقعہ افک کی تخلیق:

اس غزوہ میں منافقین کی شرکت کی وجہ سے دوسری سازش ''افک'' کی تخلیق تھی۔ یہ

Marfat.com

ایک اہم ترین سازش، بہتان تراشی اور پھر اس کی اشاعت وتشہیر تھی۔ مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کی ساکھ خراب ہو اور لوگوں کی نگاہوں میں ان کے اخلاقی تفوق کو پست کر کے آنے والے غزوہ احزاب میں اس سے پورا پورا فائدہ حاصل کیا جائے، لیکن ان لوگوں کی یہ سازش بھی ناکام رہی۔ اس واقعہ افک سے بھی ہمارے اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے کہ منافقین اس غزوہ میں مال غنیمت کے لالچ کی وجہ سے شریک نہیں ہوئے تھے بلکہ ایک حربی سازش کے تحت شریک ہوئے تھے اگرچہ اس غزوہ میں ان کے حصہ میں کافی مال غنیمت بھی آیا جس سے ہمارے مؤرخین اور ارباب سیر نے یہ سمجھ لیا کہ وہ مال غنیمت کے لالچ میں شریک غزوہ ہوئے تھے کیونکہ جہاد تو ان کے پیش نظر تھا نہیں لہٰذا دوسرا سبب ان کی شرکت کا بیان کر دیا۔

اس غزوہ کا دوسرا اہم واقعہ افک کا واقعہ ہے۔ اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اس سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جاتے وقت اپنی ہمشیرہ کے ہار مانگ کر اپنے ساتھ لے گئی تھیں۔ واپسی پر ایک جگہ لشکر نے پڑاؤ ڈالا اور سیدہ عائشہ قضائے حاجت کے لیے گئیں اور وہ اپنی بہن کا ہار کہیں گم کر بیٹھیں۔ جب واپس آئیں تو دیکھا کہ گلے میں ہار نہیں ہے۔ فوراً اس جگہ واپس گئیں جہاں ہار گم ہوا تھا۔ اسی دوران وہ لوگ آئے جو ہودج کو اونٹوں پر لادا کرتے تھے انہوں نے یہ سمجھتے ہوئے کہ آپ ہودج میں تشریف فرما ہیں، اس کو اونٹ پر لاد دیا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا چونکہ نوخیز تھیں اور نوعمر تھیں، بوجھل بھی نہ تھیں۔ اس وجہ سے ہودج لادنے والوں کو کوئی احساس نہ ہوا کہ آپ ہودج میں تشریف نہیں رکھتی ہیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جس جگہ ہار ڈھونڈنے گئی تھیں، وہاں انہیں ہار تو مل گیا لیکن جب واپس تشرف لائیں تو دیکھا کہ پورا لشکر جا چکا تھا اور میدان بالکل خالی پڑا تھا۔ سیدہ رضی اللہ عنہا یہ خیال کر کے کہ لوگ انہیں ڈھونڈنے واپس آئیں گے، ایک جگہ چادر لپیٹ کر لیٹ گئیں اور لیٹتے ہی ان کی آنکھ لگ گئی، اور وہ سو گئیں۔

سیدنا صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ جو قافلہ کی گری پڑی اشیاء اٹھانے کے لیے پیچھے رہا کرتے تھے، وہ آ گئے اور انہوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو پہچان لیا اور دیکھتے ہی کہا: انا للہ وانا الیہ راجعون۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیوی...... یہ الفاظ سن کر سیدہ رضی اللہ عنہا کی آنکھ کھل گئی اور انہوں نے فوراً چادر سے منہ ڈھانپ لیا۔ انہوں نے سیدہ رضی اللہ عنہا کو اپنی سواری پر بٹھا لیا۔ سیدنا صفوان رضی اللہ عنہ نے انا للہ کے سوا زبان سے اور کوئی لفظ نہ نکالا، چپ چاپ سواری کی نکیل پکڑی اور

Marfat.com

پیدل چلتے ہوئے عین دوپہر کے وقت لشکر میں پہنچے۔ عبداللہ بن ابی اور اس کے منافق ساتھیوں کو تہمت تراشی کا موقع مل گیا اور انہوں نے سیدہ رضی اللہ عنہا پر تہمت تراش کر واقعات کے تانے بانے بننے شروع کر دیئے۔

جب یہ لشکر مدینہ پہنچا تو ان تہمت تراشوں نے خوب پراپیگنڈہ کیا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سخت پریشان تھے۔ جب ایک عرصے تک وحی نہ آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدہ سے علیحدگی کے لیے اپنے خاص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اشاروں کنایوں میں سیدہ رضی اللہ عنہا سے علیحدگی کا مشورہ دیا، لیکن سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کا مشورہ یہ تھا کہ سیدہ رضی اللہ عنہا کو آپ اپنی زوجیت میں ہی رکھیں اور دشمنوں کی بات کی طرف دھیان نہ دیں۔ پھر ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے برسر منبر عبداللہ بن ابی کی ان ایذا رسانیوں سے نجات کی طرف توجہ دلائی۔ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کرنے کی آپ سے اجازت طلب کی، لیکن سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے جو عبداللہ بن ابی کے قبیلہ خزرج کے رئیس تھے، اس بات کی مخالفت کی۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سفر سے واپس آ کر بیمار پڑ گئیں اور ایک ماہ تک مسلسل بیمار رہیں۔ انہیں اس بارے میں کچھ علم نہ تھا، البتہ انہیں یہ بات ضرور کھٹکتی تھی کہ بیماری کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے انہیں وہ محبت اور لطف و عنایت نظر نہ آ رہی تھی جو اس سے قبل انہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملا کرتی تھی۔ بیماری کے ختم ہونے کے بعد وہ ایک رات ام مسطح رضی اللہ عنہا کے ساتھ قضائے حاجت کے لیے باہر گئیں، ام مسطح رضی اللہ عنہا نے چادر اوڑھی ہوئی تھی۔ وہ اس چادر میں پھنس کر پھسل گئیں۔ انہوں نے پھسلتے ہوئے اپنے بیٹے کو بددعا دی اور برا بھلا کہا۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے انہیں ٹوکا کہ کیوں اپنے بیٹے کو برا بھلا کہہ رہی ہو۔ اس پر انہوں نے تہمت کا یہ سارا واقعہ کہہ سنایا اور سیدہ رضی اللہ عنہا کو بتایا کہ میرا بیٹا بھی اس پراپیگنڈے کے جرم میں شریک ہے۔ (یہ ذہن میں رہے کہ ام مسطح رضی اللہ عنہا سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خالہ زاد بہن تھیں۔ اس رشتہ سے یہ سیدہ رضی اللہ عنہا کی پھوپھی تھیں۔) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ سن کر سخت رنج ہوا۔ بعض روایات میں ہے کہ اس بات کو سن کر سیدہ رضی اللہ عنہا کو اس قدر صدمہ ہوا کہ ''بلا اختیار دل نے چاہا کہ اپنے آپ کو کسی کنوئیں میں جا کر گرا دوں۔''

واپس آ کر اس خبر کی تحقیق کے لیے سیدہ رضی اللہ عنہا نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے والدین کے ہاں جانے کی اجازت چاہی جو دے دی گئی۔ والدین کے ہاں جا کر انہیں پتہ چل

Marfat.com

گیا کہ واقعی ان پر یہ تہمت لگائی گئی ہے۔ اب انہوں نے رونا شروع کیا یہاں تک کہ دو رات اور ایک دن روتے روتے گزر گیا۔ انہیں یہ معلوم ہونے لگا کہ روتے روتے ان کا کلیجہ شق ہو جائے گا۔

ایک روز رسول اللہ ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں تشریف لائے اور فرمایا: ''عائشہ! مجھے تمہارے متعلق ایک ایسی بات کا پتہ چلا ہے، اگر تم اس قصور سے مبرا ہو تو عنقریب اللہ تعالیٰ تمہاری براءت فرما دے گا اور اگر خدانخواستہ تم سے کوئی ایسا گناہ سرزد ہو گیا ہے تو تم اللہ سے مغفرت مانگو اور اللہ کے حضور توبہ کرو کیونکہ جب بندہ اپنے گناہ کا اعتراف کر کے اللہ کے حضور توبہ کرتا ہے تو اس کی توبہ قبول ہو جاتی ہے۔''

سرکارِ دو عالم ﷺ کی زبان سے یہ کلمات سن کر سیدہ رضی اللہ عنہا کے آنسو ایک دم تھم گئے اور آنسوؤں کا ایک قطرہ بھی آنکھ میں باقی نہ رہا۔ انہوں نے خود جواب دینے کے بجائے اپنے والدین سے کہا کہ آپ ﷺ کو جواب دیں، لیکن ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا جواب دیں۔ اب سیدہ رضی اللہ عنہا نے خود ہی جواب دیا کہ ''واللہ! میں جانتی ہوں کہ یہ بات لوگوں سے سنتے سنتے آپ کے دلوں میں اچھی طرح بیٹھ گئی ہے اور آپ لوگوں نے اسے سچ سمجھ لیا ہے۔ اب اگر میں اپنی براءت بھی کروں اور اللہ خوب جانتا ہے کہ میں اس گناہ سے بری ہوں، تو آپ لوگ میری بات کو درست اور سچا نہ سمجھیں گے اور اگر میں اس بات کا اقرار اور اعتراف کر لوں حالانکہ اللہ بخوبی جانتا ہے کہ میں اس سے بری ہوں، تو آپ لوگ میری بات درست سمجھیں گے۔ بس میں وہی کچھ کہتی ہوں جو سیدنا یوسف علیہ السلام کے باپ نے کہا تھا:

فصبر جميل والله المستعان على ما تصفون.

''صبر ہی بہتر ہے اور تم لوگ جو کچھ کہتے ہو اس پر اللہ تعالیٰ کی مدد مطلوب ہے۔''

یہ بات کہہ کر سیدہ رضی اللہ عنہا بستر پر جا کر لیٹ گئیں۔

اسی وقت سرکارِ دو عالم ﷺ پر وحی کا نزول شروع ہو گیا۔ پھر جب وحی کی کیفیت ختم ہوئی تو آپ مسکرا رہے تھے اور آپ نے پہلی بات یہ فرمائی: ''عائشہ! اللہ نے تمہیں بری کر دیا۔'' یہ سن کر سیدہ رضی اللہ عنہا کی والدہ ام رومان رضی اللہ عنہا نے کہا: عائشہ! اٹھ، اور رسول اللہ ﷺ کا شکریہ ادا کر، انہوں نے ازراہِ ناز کہا: ''خدا کی قسم، میں سوائے اللہ تعالیٰ کے جس نے میری براءت نازل فرمائی، کسی اور کا شکریہ ادا نہ کروں گی۔''

Marfat.com

اس واقعہ کے بارے میں جو آیات نازل ہوئیں وہ سورۂ نور کی دس آیات ہیں۔ آیت نمبر 11 سے آگے۔ اس کے بعد تہمت تراشی کے جرم میں مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ، حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا پر حد قذف جاری کی گئی یعنی انہیں اسی اسی کوڑے مارے گئے، لیکن اس تہمت کے اصل بانی عبداللہ ابی کی پیٹھ ان کوڑوں سے بچ گئی۔

(بخاری: ۱/۳۶۴، ۲/۶۹۶۔۹۲۸، فتح الباری: ۸/۳۶۶، زادالمعاد: ۲/۱۱۳۔۱۱۵، ابن ہشام: ۲/۲۹۷، عیون الاثر: ۲/۱۳۹۔۱۴۳)

یہ روایت زہری سے مروی ہے اور مضطرب اور ناقابل استشہاد ہے۔ یہ روایت نہیں بلکہ ایک کہانی ہے۔ زہری کا یہ کہنا کہ "اخبرنی عروہ" ایک کھلی تدلیس ہے اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ زہری نے عروہ سے کچھ نہیں سنا۔ معلوم نہیں کس نے سنا اور عروہ کی جانب منسوب کر دیا۔ یہ ساری تفصیل جو حدیث افک میں منقول ہے، زہری کی روایت کے سوا کسی اور میں نہیں ملتی اور زہری کا ارسال اور تدلیس مشہور ہے اور زہری کا ادراج بھی محدثین میں بہت مشہور ہے۔ زہری سے اوپر اس روایت کا بالکل وجود نہیں ہے بلکہ زہری کے وقت میں بھی یہ روایت عام نہیں ہوئی۔ صرف اس کے مخصوص تلامذہ کو ہی اس کا علم تھا۔ بعد میں زہری کی اس روایت کو منقح اور مرتب شکل میں عبدالرزاق نے اپنے مصنف میں معمر کے واسطے بیان کیا۔ وہیں سے یہ روایت آگے چلی۔ امام احمد نے اس روایت کو عبدالرزاق سے لیا اور بعد میں ان کے ہم عصر محدثین نے اسے قبول کیا اور حسب عادت علیحدہ علیحدہ اسناد سے اپنی کتابوں میں اسے روایت کیا۔ یہ اصل روایت زہری کی ہے۔ محمد ابن اسحاق نے بھی زہری سے اس روایت کو بیان کیا ہے۔ ابن ہشام نے اپنی کتاب "السیرۃ النبویہ" میں "قال ابن اسحاق" کہہ کر یہ روایت درج کی ہے۔ اس روایت کو مہذب صورت میں عبدالرزاق بن ہمام نے اپنی کتاب "المصنف" میں روایت کیا ہے۔ یہ شخص سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بہت ہی ناراض ہے۔ ان کی اہانت سے اسے بڑی خوشی ہوتی ہے۔

اگر زہری کی یہ روایت مصنف عبدالرزاق کے دور میں بھی عام ہوتی تو اسے اس دور کی کتابوں میں آنا چاہیے تھی، لیکن یہ اس دور کی کتابوں موطا امام مالک، موطا امام محمد اور امام ابو یوسف کی کتابوں میں بھی کہیں نہیں ملتی۔ مسند ابو داؤد طیالسی میں بھی نہیں، اختلاف الحدیث میں بھی نہیں، حتیٰ کہ واقدی نے بھی اسے قابل اعتنا نہیں سمجھا اور ابن سعد نے بھی اس کا ذکر نہیں کیا۔

Marfat.com

اگر یہ روایت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے متعلق تھی تو یہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی اور بھتیجوں سے منقول ہونی چاہیے تھی لیکن ان میں سے کسی سے بھی یہ روایت منقول نہیں۔ پھر عروہ کے ساتھ ساتھ دوسرے بھانجے اسے بیان کرتے مگر وہ بھی اس سے خاموش ہیں۔ واقدی نے لکھا ہے کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی اس سفر میں ساتھ تھیں لیکن ان سے بھی کوئی روایت اس بارے میں موجود نہیں۔ ان کی اس بارہ میں خاموشی اس بات کی طرف ایک اشارہ ہے کہ اس واقعہ کی دورِ نبوت میں کوئی اصلیت نہیں تھی۔

چونکہ یہ بہتان غزوہ مریسیع کے فوراً بعد گھڑا گیا تھا اس لیے زہری نے بھی اسے مریسیع کے سفر کے ساتھ نتھی کر دیا۔ سوال پیدا ہوتا تھا کہ اتنے بڑے قافلہ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کسی کو بھی نظر نہ آئیں۔ زہری نے اس بارے میں یہ بتایا کہ یہ تو اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ جب سفر ہودج میں ہو۔ چنانچہ روایت میں یہ بیان کر دیا کہ "اٹھانے والوں نے بغیر دیکھے ہودج اٹھا کر رکھ دیا۔"

پھر سوچا کہ آخر آدمی کا وزن تو ہوتا ہی ہے۔ ہودج اٹھانے والوں کو معلوم ہو جاتا کہ سیدہ رضی اللہ عنہا ہودج میں ہیں یا نہیں۔ تو اس کا جواب یہ گھڑا گیا کہ "اس زمانہ میں عورتیں کم کھاتی تھیں اس لیے دبلی ہوتی تھیں۔"

اب ایک سوال یہ تھا کہ صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ نے آپ کو کیسے پہچانا؟ تو اس کے لیے یہ کہا گیا کہ "آپ میدان میں لیٹ گئیں اور منہ کھولے سو گئیں۔ سیدنا صفوان رضی اللہ عنہ آئے اور منہ کھلا ہونے کی وجہ سے پہچان گئے اور انا للہ پڑھا۔ آواز سن کر سیدہ رضی اللہ عنہا جاگ گئیں اور منہ چھپا لیا۔"

حمنہ کے بارے میں یہ کہا گیا کہ انہوں نے اس تہمت کی تشہیر اس لیے کی کہ وہ اپنی بہن کی حمایت کرنا چاہتی تھیں حالانکہ اس وقت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح بھی نہیں ہوا تھا۔

روایات کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ رضی اللہ عنہا ہودج میں نہیں تھیں، بلکہ اونٹ کی پشت پر بغیر ہودج کے سوار تھیں کیونکہ اس زمانہ میں ہودج کا رواج نہیں تھا۔ پھر سات سو آدمیوں کا قافلہ وہ تھا جو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مدینہ طیبہ سے گیا تھا۔ چھ سو قیدی وہاں سے ساتھ آئے تھے جن میں سو عورتیں تھیں۔ دو ہزار اونٹ مالِ غنیمت کے ساتھ تھے۔ پانچ ہزار بکریاں تھیں اور جنوری سنہ 627ء کی ابتدائی تاریخیں تھیں جن میں سخت سردی ہوتی ہے۔ پھر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ایک چادر میں منہ کھولے میدان میں کیسے سو گئیں؟

اس کے علاوہ اور بھی کئی ایسی وجوہات ہیں جن کی بناء پر ہم بلا خوف و خطر یہ کہہ سکتے

Marfat.com

ہیں کہ یہ واقعہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں گھڑا گیا اور اس واقعہ کو گھڑنے ولا زہری کا اپنا ہی ذہن ہے۔ اگر زہری کی اس تعبیر واقعہ کو تسلیم کر لیا جائے تو اس کا سب سے بڑا الزام (خاکم بدہن) سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آتا ہے کہ آپ معاذ اللہ اس قدر غافل تھے کہ بیوی کو پیچھے چھوڑ آئے اور انہیں بالکل خبر نہ ہوئی کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہاں ہیں؟ آخر ہر روز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خیمہ سے سوار ہوتی ہوں گی اور ان کو اونٹ پر سوار کرانے والے اسی خیمہ کی طرف متوجہ ہوتے ہوں گے، جہاں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا رات کو آرام فرماتے ہوں گے اور وہیں سے آپ سوار ہوتی ہوں گی۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہرگز سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو پیچھے نہیں چھوڑا تھا اور نہ ہی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سفر میں پیچھے رہیں اور نہ اس سفر میں کوئی ایسا واقعہ پیش آیا۔ یہ تو بالکل ایسا ہی ہے کہ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود پیچھے رہ جائیں اور قافلہ چل دے۔

تاریخی لحاظ سے بھی اگر دیکھا جائے تو صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کی شرکت ہی غزوہ مریسیع میں مشکوک ہے، واقدی کے بیان کے مطابق وہ پہلی دفعہ غزوہ خندق میں شریک ہوئے اور غزوہ خندق غزوہ مریسیع کے بعد ہوا ہے اور کلبی کے بیان کے مطابق یہ پہلی مرتبہ غزوہ مریسیع میں شریک ہوئے اور کلبی واقدی سے زیادہ معتبر نہیں ہے۔ اگر واقدی کا بیان صحیح ہے اور کلبی کے مقابلہ میں یقیناً وہ صحیح ہے تو پھر یہ بات کہ صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ قافلہ کے پیچھے تھے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اونٹ پر بٹھا کر لائے، سارا غلط ہو جاتا ہے اور اگر کلبی کا بیان صحیح تسلیم کیا جائے تو سیدنا صفوان رضی اللہ عنہ کی اس غزوہ میں یہ پہلی شرکت تھی اور جو آدمی کسی مہم میں نو وارد ہو اس کو اتنی اہم ذمہ داری نہیں سونپی جا سکتی۔

اصل بات یہ ہے کہ زہری کی یہ روایت کوئی ایک روایت نہیں ہے بلکہ زہری نے اور بھی کئی روایتوں میں اپنے مسلک کا کھل کر اظہار کیا ہے۔ جیسے یہ روایت کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو رات کے وقت دفن کیا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع نہ دی اور خود سیدہ فاطمہ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اس میں بھی ابن شہاب زہری نے تفرد کیا ہوا ہے۔ حالانکہ سیدہ فاطمہ کی نماز جنازہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہی پڑھائی اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے انہیں خود پکڑ کر نماز پڑھانے کے لیے آگے کیا۔

(کنز العمال روایت نمبر ۵۲۹۹، کنز العمال: ۷/۱۱۴، طبقات ابن سعد: ۸/۲۹، حلیۃ الاولیا: ۴/۹۶، ریاض النضرہ: ۱/۱۵۶)

Marfat.com

وہ روایت جس میں لکھا ہے کہ "سیدہ فاطمہ" ابوبکر رضی اللہ عنہ سے وراثت نہ ملنے کی وجہ سے ناراض ہو گئیں اور انہوں نے اپنے انتقال تک ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کوئی کلام نہ کیا۔ (بخاری: ۹۹۶/۲، المصنف عبدالرزاق: ۴۷۲/۵، سنن الکبریٰ بیہقی: ۳۰۰/۶) اس میں بھی ابن شہاب زہری موجود ہے اور حدیث و تاریخ کی جن روایات میں یہ منقول ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت چھ ماہ بعد کی، ان روایات میں بھی ابن شہاب زہری گھسا ہوا ہے اور ان روایات میں یہ الفاظ اس کا ادراج ہے۔ حالانکہ زہری کے علاوہ دوسری روایات میں ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بھی سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت اسی روز کی تھی جس روز دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کی بیعت کی تھی۔

(ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ: ۲۴۹/۵، ۳۰۲/۲، انساب الاشراف: ۵۸۵/۱، ابن ابی الحدید: ۱۵۴/۱، السنن الکبریٰ: ۱۴۳/۸، ۱۵۲، ۱۵۳)

اسی طرح یہ روایت کہ سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحبزادے سیدنا عبداللہ بن عثمان بن عفان چھ سال کی عمر میں مرغ کی ٹھونگ لگنے سے انتقال فرما گئے تھے۔ اس کے راوی بھی ابن شہاب زہری ہیں۔ (ملاحظہ ہو تاریخ صغیر بخاری: ص ۳۲)

اور اسی طرح یہ روایت کہ ایام فترت وحی میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعض اوقات پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر اپنے آپ کو نیچے گرانے کا قصد فرماتے لیکن غیب سے فرشتہ پکارتا کہ بے شک آپ خدا کے برحق رسول ہیں۔ اس سے آپ کو تسکین ہو جاتی اور آپ اپنے آپ کو گرانے کا ارادہ ترک کر دیتے گویا آپ خودکشی کرنے کی کوشش کرتے۔

یہ بھی زہری ہی کی روایت ہے۔

(ملاحظہ ہو فتح الباری: ۴۷۵/۸، قسطلانی: ۱۱۷/۱۰، سیرۃ النبی: ۱۴۹/۱ طبع اول)

اس قسم کی روایت اہل السنت کی کتابوں میں گھسیڑنے کی وجہ صرف یہ تھی کہ زہری کور باطن ہے۔ زہری سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان کے والد کے سخت خلاف تھے، چنانچہ اسی وجہ سے محققین نے اسے رجال شیعہ میں سے لکھا ہے۔ (تتمہ روضات الجنات، ذکر الزہری) زہری کی انہی حرکات کی وجہ سے مولانا پیر قمر الدین سیالوی مرحوم نے بھی ابن شہاب زہری کی بابت اپنی کتاب میں لکھا ہے:

"اب فدک والی روایت میں ایک شخص محمد بن مسلم ہے جس کو ابن شہاب زہری بھی کہتے ہیں۔ صرف یہی راوی یہ روایت کرتا ہے۔ اس کے ساتھ کوئی شاہد نہیں اور یہ

Marfat.com

ابن شہاب زہری اہل تشیع کی ''اصول کافی'' میں بیسیوں جگہ پر روایتیں کرتا نظر آتا ہے اور اہل تشیع کی ''فروع کافی'' نے تو اس کی روایتوں کے بل بوتے پر کتاب کی شکل اختیار کی ہے۔ تو بھائیو! اہل تشیع کے اس قدر مشہور و معروف کثیر الروایت آدمی کی روایت سے اہل السنت پر الزام قائم کرنا اور ائمہ صادقین کو جھٹلانا عجیب نظر و فکر ہے۔ اگر اہل تشیع کے راویوں کی روایات اہل السنت کے لیے قابل توجہ ہوتیں تو پھر بخاری ہو یا کافی کلینی، اس میں کیا فرق تھا۔''

(مذہب شیعہ: مولانا پیر قمر الدین سیالوی: ص ۹۳، لاہور)

زہری بہت بڑا تقیہ باز تھا جو مختلف روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ظاہری طور سے اپنے آپ کو اہل سنت کہتا تھا، لیکن سنی علمائے رجال نے بھی اسے مرسل، مدلس اور مدرج قرار دیا ہے اور مرسلات زہری کو ''شر المرسلات'' کہا ہے۔ یہ چند سوالات ہیں جو اس روایت کے بارے میں کیے جاتے ہیں۔ جو لوگ واقعہ افک کو درست مانتے ہیں ان کو ان پر ذرا غور کرنا چاہیے۔

ہمارے خیال میں افک ازواج نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے کسی سے بھی متعلق نہیں تھا۔ قرآن حکیم نے اسے مبہم رکھا مگر زہری نے افواہی مضمون کی بنا پر یہ خیال کر کے کہ قرآن کا کچھ تو بیان ہونا چاہیے مبہم افک کو جس کو اللہ تعالیٰ نے خود مبہم رکھا تھا، سیدہ عائشہ سے متعلق کر دیا اور ایک طویل داستان مرتب کر کے ان کی اپنی زبان سے ادا کر دی۔ ہمارے لیے یہ ضرورت دین میں سے نہیں ہے کہ ہم یہ معلوم کریں کہ آیات افک کس کے متعلق نازل ہوئی تھیں اور نہ ان آیات کے مقتضی پر عمل کرنا یہ معلوم کرنے پر موقوف ہے جو لوگ ان واقعات سے واقف تھے انہوں نے بتلایا نہیں اور جو واقف نہیں تھے وہ سو سال بعد اپنی تاریخی معلومات کی بنا پر قیاساً وظناً ہمیں یقین دلانے لگے کہ یہ آیات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے متعلق نازل ہوئی تھیں۔ ان کے اس دعوے پر صرف ان کے قول کے سوا ان کے پاس اور کوئی دلیل نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

Marfat.com

غزوۂ احزاب

یہ غزوہ شوال سنہ 5 ھ میں پیش آیا۔ اصحاب سیر کی اکثریت اسی پر متفق ہے۔
(زرقانی: ۱۰۳/۲، فتح الباری: ۳۰۲/۷)

مدینہ کی اسلامی اسٹیٹ میں امن وسکون کی فضا دشمنان اسلام کو ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ غزوہ بدر، غزوہ احد، بنو قینقاع اور بنو نضیر کی جلا وطنی صرف انہی دسیسہ کاریوں، مکروسازش اور غدر و خیانت کے نتائج تھے جو دشمنان اسلام نے مسلمانوں کے خلاف کیں، لیکن ہر طرح کی ناکامی کے باوجود بھی نہ یہود کو چین آیا اور نہ ہی قریش امن وچین سے بیٹھے۔ یہ دونوں گروہ ہر وقت اسی فکر میں رہتے کہ کسی نہ کسی طریقہ سے مدینہ کی اسلامی اسٹیٹ کو تباہ و برباد کر دیا جائے۔ الگ الگ اس اسٹیٹ کو تباہ کرنے کی ہر ایک نے کوشش کی لیکن ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اب ایک متحدہ محاذ بنانے کی کوشش کی گئی۔ قریش مکہ اور یہود جب دیکھتے کہ پورے جزیرہ عرب میں مسلمانوں کے حالات نہایت سازگار ہو گئے ہیں اور گردلیل ونہار نے ان کے نفوذ کو مزید وسعت دی ہے اور دور دور تک ان کا سکہ لوگوں کے دلوں میں بیٹھ گیا ہے تو ان کے سینوں پر سانپ لوٹنے لگے، راتوں کی نیندیں حرام ہو گئیں، وہ صبح وشام اسلامی مملکت کی پامالی کی فکر میں مگن رہتے لیکن کچھ بات بنتی نظر نہ آتی۔

یہودی ذہن شروع ہی سے بہت تیز اور شاطر رہا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو نضیر کے یہود کو مدینہ سے جلا وطن کیا، اس میں ان کے بڑے بڑے رؤسا اور سردار خیبر میں چلے گئے جن میں حیی بن اخطب، کنانہ بن ربیع اور ابن ابی الحقیق خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہاں بیٹھ کر انہوں نے مسلمانوں کے خلاف ایک نہایت خوفناک پلان تیار کیا۔

بنو نضیر کے بیس سردار اور دانشور قریش کے پاس مکہ گئے اور ان کے ساتھ مل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف ایک متحدہ محاذ بنانے کی پلاننگ کی۔ انہوں نے قریش کو اپنے ہر قسم کے تعاون کا پورا پورا یقین دلایا۔ قریش کو ایک ڈھارس دی اور دونوں نے مل کر مسلمانوں کے خلاف

Marfat.com

جنگی اقدام کا منصوبہ بنایا۔

یہودیوں کا یہ وفد جو قریش مکہ کے پاس گیا اس میں ان کے یہ اکابر بھی شریک تھے:

① سلام بن ابی الحقیق ② سلام بن مشکم

③ کنانہ بن ربیع ④ حیی بن اخطب

ان چاروں کا تعلق قبیلہ بنی نضیر سے تھا، اور بنو وائل کے ہوذہ بن قیس اور ابو عمارہ۔ ان سرکردہ افراد کے علاوہ ابو عامر فاسق بھی اس وفد میں شامل تھا۔ چنانچہ بیس (اور بعض روایات میں چوبیس) افراد پر مشتمل یہ وفد یثرب سے مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے قریش کو سرکار دو عالم ﷺ کے خلاف جنگ پر مشتعل کرنا شروع کیا اور انہیں ہر ممکن طریقے سے یہ یقین دلایا کہ وہ اس جنگ میں ان کا پورا پورا ساتھ دیں گے یہاں تک کہ اسلام اور پیغمبر اسلام دونوں کو ختم کر کے دم لیں گے۔

یہ وفد سب سے پہلے ابو سفیان سے ملا۔ اس نے ان کا پرتپاک خیر مقدم کیا کیونکہ اس کے دل میں پہلے ہی سے بدر و احد کی شکست کی آگ بھڑک رہی تھی۔ ابو سفیان نے ارکان وفد سے کہا کہ ہمارے نزدیک سب سے پسندیدہ لوگ وہ ہیں جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلاف ہمارے ساتھ عہد و پیمان اور معاہدہ کرتے ہیں۔ یہود ابو سفیان کی اس بات سے بہت خوش ہوئے۔ ابو سفیان سے انہوں نے کہا کہ آپ قریش میں سے پچاس سردار چن لیں اور ان میں ایک آپ بھی ہوں۔ پھر ہم سب جا کر خانہ کعبہ کے غلاف کو پکڑ کر اور اپنے سینے کعبہ کی دیواروں سے لگا کر وعدہ کریں کہ ہم پیغمبر اسلام کی عداوت میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں گے۔ جب تک ہم میں سے ایک شخص بھی زندہ رہا وہ اسلام کے خلاف جنگ جاری رکھے گا۔ چنانچہ قریش کے پچاس سرداروں اور یہودیوں کے اس وفد نے کعبہ کے غلاف کو پکڑ کر اور اپنے سینوں کو اس کی دیوار کے ساتھ لگا کر اسلام، مسلمانوں اور پیغمبر اسلام ﷺ کو ختم کرنے کا معاہدہ کیا۔ (سبل الہدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد: ۵۱۲/۴)

یہود نے یہ سب کچھ اسلام اور رسول اللہ ﷺ کی دشمنی میں کیا حالانکہ ان کا بیت اللہ سے کوئی تعلق نہ تھا۔ وہ تو تحویل قبلہ پر ہی پریشان تھے، لیکن دشمنی انسانی غور و فکر کی قوتوں اور حق و صداقت کے سوتوں کو بند کر دیتی ہے۔

جب یہودی قریش مکہ کو یقین دلانے کے لیے کہ ہم ان کے حامی و ناصر ہیں، یہ سب کچھ کر رہے تھے تو ابو سفیان نے یہودیوں سے پوچھا: ''مجھے ایک بات بتاؤ، تم لوگ

Marfat.com

صاحب علم وفضل اور صاحب کتاب ہو۔ تم جانتے ہو کہ محمد (ﷺ) سے ہم برسر پیکار ہیں۔ ہم کو یہ تو بتاؤ کہ ہم صراط مستقیم پر ہیں یا وہ۔ یہودی وفد جو ان کے علماء اور احبار پر مشتمل تھا اور اس میں دینوی نشیب وفراز کے ماہرین بھی تھے، انہیں اچھی طرح علم تھا کہ قریش مکہ بت پرست ہیں اور انہوں نے ہمارے جد اعلیٰ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے تعمیر کردہ بیت اللہ میں 360 بت رکھے ہوئے ہیں جن کی یہ پوجا پاٹ کرتے ہیں جب کہ ان کے مقابلہ میں جناب رسول اللہ ﷺ اور ان کے پیروکار صرف ایک اللہ کو ماننے والے ہیں اور ان کی پیشانیاں صرف ایک رب کی چوکھٹ پر گرتی ہیں، ان تمام حقائق سے آشنائی رکھتے ہوئے انہوں نے ایک موہوم فائدہ کے لیے اتنا بڑا جھوٹ بولا کہ 15 سو سال گزرنے کے بعد بھی تاریخ اس کو ہضم نہیں کر سکی۔ ان کے انصاف پسند مصنفین نے بھی ان کو ان کے اس بڑے جھوٹ پر انہیں سخت لعن طعن کیا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر ولسن (Wilson) نے لکھا ہے:

''جو چیز ہر مومن کے دل کو دکھاتی ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا یہودی وہ اس یہودی وفد کی مشرکین مکہ کے ساتھ گفتگو ہے جس میں انہوں نے مکہ کے بت پرستوں کو ان مسلمانوں پر فضیلت دی ہے جو خدائے وحدہ لاشریک پر محکم ایمان رکھتے ہیں۔''

(تاریخ الیہود فی بلاد العرب: ص ۱۴۲)

جب تک یہ دنیا قائم ہے، اہل حق کی محفل میں یہ لوگ اپنی دروغ گوئی کی وجہ سے آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہیں کر سکیں گے۔ وہ بولے: ''اے قریش مکہ! تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کہیں زیادہ راہ راست پر قائم ہو اور حق کے دامن کو پکڑے ہوئے ہو کیونکہ تم اس گھر کی تعظیم کرتے ہو۔ (یہ 360 بت وہاں رکھنا تعظیم ہے یا توہین؟) حاجیوں کو پانی پلاتے ہو، فربہ اونٹوں کو ذبح کرتے ہو اور ان خداؤں کی پوجا پاٹ کرتے ہو جن کی پرستش اور پوجا پاٹ تمہارے آباء واجداد کیا کرتے تھے۔ (سبل الہدیٰ: ۴/۵۱۲، تفسیر کبیر: ۳/۲۳۵)

ابوسفیان بھی کوئی معمولی شخص نہیں تھا۔ وہ بڑا ہوشیار اور کایاں تھا۔ اس نے کہا: ''اے یہودی رئیسو، دانشورو اور ربیو! میں تمہاری بات پر اس وقت تک یقین نہیں کر سکتا جب تک تم ہمارے معبودوں کو سجدہ نہ کرو۔'' اب انہوں نے اپنے دین کے اصولوں کے خلاف صرف قریش مکہ کو یقین دلانے اور اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کو گزند پہنچانے کی خاطر وفد کے تمام ارکان نے جن میں ان کے بڑے بڑے علماء بھی شامل تھے، قریش کے بتوں کو سجدہ کیا۔

(شوقی ابو خلیل، الخندق: ص ۶۶)

Marfat.com

ان کے اس حرام فعل اور کذب بیانی پر اللہ تعالیٰ نے مہر تصدیق ثبت کر دی:

''کیا تو نے نہیں دیکھا ان لوگوں کی طرف جنہیں کتاب میں سے حصہ دیا گیا اور (اب) وہ اعتقاد رکھنے لگے جبت اور طاغوت پر اور کہتے ہیں ان کے بارے میں جنہوں نے کفر کیا کہ وہ کافر زیادہ ہدایت یافتہ ہیں ان سے جو ایمان لائے ہیں۔'' (النساء:۵۱)

چونکہ یہودیوں نے بت پرستوں کو موحدین (مسلمانوں) پر ترجیح دی اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت فرمائی۔ اور لعنت کا مطلب ہے اللہ کی رحمت سے دوری۔ ان پر دنیا اور آخرت دونوں میں لعنت ہے۔ یہ جہاں کہیں بھی ہوں گے لعنتی رہیں گے اور آخرت میں ان پر زیادہ لعنت ہوگی۔ اس کے برخلاف مومنوں کو قرب خداوندی حاصل ہوگا جو کہ رحمت خداوندی کی ایک فرع ہے۔

قریش مکہ اپنے بارہ میں یہود کی اس بات سے بہت خوش ہوئے بلکہ مارے خوشی کے اچھلنے لگے اور انہوں نے کہا کہ وہ اس مہم میں آخری سانس تک ان کا ساتھ دیں گے۔

قریش مکہ کی بات چیت سے مطمئن ہو کر یہود کے یہ سردار اور دانشور بنوغطفان کے پاس گئے اور انہیں بھی مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے تیار کیا اور ان کو یہ لالچ دیا کہ خیبر کے نخلستانوں میں جس قدر کھجوریں پیدا ہوں گی، اس کا نصف حصہ ہر سال آپ لوگوں کو دیا جائے گا۔ یہ پیش کش سن کر عینیہ بن حصن فزاری بھی مسلانوں کے خلاف متحدہ محاذ بنانے کے لیے تیار ہو گیا۔ بنوغطفان سے مطمئن ہو کر یہی لوگ باقی قبائل عرب میں بھی گئے اور انہیں مسلمانوں کے خلاف اس متحدہ محاذ میں شامل ہونے کی دعوت دی اور ان میں سے بہت سے قبائل نے ان کو اپنے تعاون کا وعدہ کیا۔ اس طرح یہودی سیاست دانوں نے پوری کامیابی کے ساتھ کفر کے بڑے بڑے گروہوں کو اسلام اور اس کی دعوت کے خلاف بھڑکایا اور انہیں جنگ کے لیے تیار کر کے متحدہ محاذ میں شمولیت پر راضی کر لیا۔

اب ایک طے شدہ پروگرام کے تحت جنوب سے قریش، کنانہ اور تہامہ میں آباد حلیف قبائل ابوسفیان کے پاس آئے اور یہ چار ہزار کا لشکر مرالظہران پہنچا۔ یہاں پر بنوسلیم اس لشکر میں شامل ہوئے۔ مشرق کی طرف سے بنوغطفان کے قبائل فزارہ، مرہ اور اشجع عینیہ بن حصن، حارث بن عوف اور مسعر بن رحیلہ کی زیر قیادت یہاں پہنچ گئے۔ ان کے علاوہ بنواسد اور دیگر قبائل کے بھی بہت سے آدمی اس لشکر میں آ کر شامل ہو گئے۔ اس لشکر کی مجموعی تعداد دس

Marfat.com

ہزار ہو گئی اور ایک طے شدہ پروگرام کے تحت اس نے مدینہ کی اسلامی سلطنت کو تاخت وتاراج کرنے کے لیے مدینہ کا رخ کیا۔ یہ اتنا بڑا لشکر تھا کہ مسلمانوں نے اس سے قبل اتنا بڑا لشکر کبھی دیکھا نہیں تھا اور نہ ہی ان کے وہم وگمان میں تھا کہ عرب کے قبائل اس طرح متحدہ محاذ بنا کر ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے۔

مشرکین اور یہود کی اس مشترکہ پلاننگ سے مدینہ کی بیدار مغز اور چوکس قیادت اس سے غافل نہیں تھی، ان کی انگلیاں ہمیشہ حالات کی نبض پر رہتی تھیں اور حالات کے ہر قسم کے نشیب وفراز سے نمٹنے کے لیے مناسب ترین قدم اٹھاتی تھی۔ چنانچہ جب اس لشکر کی حرکات کے بارے میں آپ ﷺ کو اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے مدینہ کی ہائی کمان کی مجلس مشاورت طلب کی اور مدینہ کے دفاعی منصوبہ کے لیے غور وخوض کیا۔ سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے تجویز پیش کی کہ عرب کے کئی قبائل مجتمع ہو کر قریباً دس ہزار کی تعداد میں مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے آرہے ہیں۔ یہ اتنا بڑا لشکر ہے کہ مدینہ کی کل آبادی بھی اس کے مقابلہ میں بہت کم ہے۔ اس وجہ سے کھلے میدان میں مقابلہ کرنا دفاعی نقطہ نظر سے مفید نہیں، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ مدینہ کے گرد خندق کھود کر اور شہر کے اندر رہ کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی اس تجویز کو بالاتفاق منظور کر لیا گیا۔

ایران کے لوگ جب دیکھتے کہ دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے اور وہ شہر پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے تو وہ اپنے دفاع کے لیے خندق کھودنے کا یہ دفاعی منصوبہ بنایا کرتے تھے۔ عرب اس منصوبے سے بالکل ناآشنا تھے، لیکن یہ منصوبہ سب کو پسند آیا۔ مدینہ کے اردگرد خندق کھودنے کا کام شروع کر دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے خندق کی حدود خود قائم فرمائیں اور خط کھینچ کر دس دس آدمیوں پر دس دس گز زمین تقسیم فرما دی۔ خندق اس قدر گہری کھودی گئی کہ نیچے سے تری نکل آئی اور جلدی اتنی کھودی گئی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چھ روز میں خندق کھود کر فارغ ہو گئے۔

(فتح الباری: ۷/۳۰۵، طبقات ابن سعد: ۲/۴۸)

بعض حضرات نے یہ مدت بیس روز لکھی ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ (زرقانی: ۲/۱۱۰)

خندق کی کھدائی کا افتتاح خود پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنے ہاتھ سے کیا، چنانچہ آپ ﷺ نے کدال دست مبارک میں لے کر زمین پر ماری اور یہ کلمات آپ کی زبان مبارک پر تھے:

Marfat.com

بسم اللہ وبہ بدینا
ولو عبدنا غیرہ شقینا
حبذا ربا و حبذا دینا

یعنی "بنام خدا اور ہمارا آغاز کار اسی کے نام سے ہوتا ہے اور اگر ہم اس کے سوا کسی اور کی عبادت کریں تو نہایت بدبخت اور بدنصیب ہیں۔ وہ کیسا اچھا رب ہے اور کیسا اچھا دین ہے۔"

(فتح الباری: ۷/۳۰۴، روض الانف: ۲/۱۸۹)

سخت سردی کا موسم تھا۔ ہر طرف سرد ہوائیں چل رہی تھیں۔ کپڑے پھٹے ہوئے، پیٹ میں بھوک بلکہ کئی کئی دن کا فاقہ، لیکن یہ درویش صفت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہایت لگن اور ذوق کے ساتھ خندق کی کھدائی میں معروف تھے۔ کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کدالوں سے مٹی کھودتے اور کچھ اٹھا اٹھا کر باہر لاتے، لیکن ہر ایک کی زبان پر یہ کلمات تھے ؎

نحن الذین بایعوا محمدا
علی الجھاد ما بقینا ابدا

"ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی ہے۔ جب تک جسم میں جان ہے ہم کافروں سے جہاد کرتے رہیں گے۔"

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ان کے منہ سے یہ کلمات سنتے تو جواب میں یہ ارشاد فرماتے ؎

اللھم لاعیش الاعیش الآخرۃ
فاغفر الانصار والمھاجرۃ

"اے اللہ! بے شک زندگی تو صرف آخرت کی زندگی ہے۔ پس تو انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرما۔"

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ خندق سے مٹی ڈھو ڈھو کر لا رہے ہیں۔ گرد و غبار سے آپ کا جسم اٹ گیا۔ میں نے اسی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے یہ رجزیہ کلمات کہتے ہوئے سنا۔ آپ مٹی ڈھوتے جاتے اور یہ کلمات کہتے جاتے:

Marfat.com

اللهم لو لا انت ما اهتدينا

ولا تصدقنا ولا صلينا

فانزلن سكينة علينا

وثبت الاقدام ان لاقينا

ان الالى قد بغوا علينا

اذا ارادوا فتنة ابينا

① اے اللہ! اگر تو نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے اور نہ صدقہ دیتے اور نہ نماز پڑھتے۔

② پس تو ہم پر سکون واطمینان نازل فرما۔ اور اگر دشمن سے ٹکراؤ ہو جائے تو ہمیں ثابت قدم رکھ۔

③ ان لوگوں نے ہم پر بڑا ظلم کیا ہے۔ اگر وہ ہمیں فتنہ میں ڈالنا چاہیں گے تو ہم ہرگز سرنگوں نہ ہوں گے۔ (بخاری:۱/ ۲،۳۹۷/ ۵۸۸۔۵۸۹)

ادھر دشمن کے لشکر کے پہنچنے کی خبریں برابر آرہی تھیں اور ادھر مسلمان نہایت گرم جوشی اور وجدانی کیفیت کے ساتھ دن رات خندق کھود رہے تھے تاکہ دشمن کے پہنچنے تک خندق کی تکمیل ہو جائے، لیکن دوسری طرف بھوک کی شدت نے بھی نڈھال کر رکھا تھا اور سردی کی شدت بھی اپنی انتہا کو تھی۔ سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خندق کی کھدائی کے دوران ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی بھوک کا شکوہ کیا اور اپنے پیٹ کھول کر ایک ایک پتھر دکھایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا پیٹ کھول کر دو پتھر دکھلائے۔ (مشکوٰۃ:۲/ ۴۴۸ رواہ الترمذی)

اسی سلسلہ میں امام بخاری نے سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے خندق کی کھدائی کے دوران دیکھا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ مبارک پر بھوک کے واضح آثار ہیں، تو انہوں نے بکری کا ایک بچہ ذبح کیا اور ان کی بیوی نے ایک صاع (قریباً ایک کلو) جو پیسا۔ کھانا چونکہ کم تھا لہٰذا نہایت رازداری کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ "اے جان عالم! چند مخصوص ساتھیوں کے ساتھ تشریف لا کر میرے غریب خانہ پر کچھ تناول فرمالیں۔" سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام اہل خندق کو جن کی تعداد ایک ہزار کے قریب تھی ساتھ لیا اور سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے۔ گھر والے اتنے حضرات دیکھ کر پریشان تو ہوئے، لیکن جب حضور علیہ السلام ساتھ تھے تو غم کس بات کا۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ ایک ہزار آدمی نے اس تھوڑے سے کھانے سے پیٹ بھر کر کھا لیا۔ پھر بھی سالن کی ہنڈیا بھری رہی

Marfat.com

اور گوندھا ہوا آٹا بھی اسی طرح رہا۔ یعنی ان دونوں میں کوئی کمی نہ ہوئی۔ (بخاری: ۲/ ۵۸۸)

اسی سے ملتا جلتا ایک اور واقعہ ابن ہشام نے اپنی سیرت میں نقل کیا ہے کہ سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ خندق کے پاس دو مٹھی کھجوریں لے کر آئیں تا کہ اس کے ابا اور ماموں عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو جو کئی دنوں سے بھوکے تھے، دوں، لیکن جب وہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے گزریں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے وہ کھجوریں لے لیں اور ایک کپڑا بچھا کر اس پر بکھیر دیں۔ پھر اہل خندق کو دعوت دی۔ اہل خندق انہیں کھاتے گئے۔ یہاں تک کہ سارے اہل خندق کھا کھا کر چلے گئے اور کھجوریں تھیں کہ کپڑے کے کناروں سے باہر گر رہی تھیں۔ (وانہ لیسقط من اطراف الثوب) (ابن ہشام: ۲/ ۲۱۸)

مجاہدین اسلام جب خندق کھود رہے تھے تو ایک چٹان نما سخت ٹکڑا ظاہر ہوا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ یہ سخت پتھر نما ٹکڑا خندق کی کھدائی میں آڑے آ گیا ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ٹھہرو، میں اتر رہا ہوں۔ جب آپ اٹھے تو آپ کے شکم پر ایک پتھر بندھا ہوا تھا۔ ہم نے بھی تین دن سے کچھ نہ چکھا تھا۔ پھر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کدال پکڑ کر اس چٹان پر ماری تو وہ دفعتاً ایک تودۂ ریت بن گئی۔ (بخاری: ۲/ ۵۸۸)

یہ تو بخاری کی روایت ہے، سنن نسائی اور مسند احمد میں سیدنا براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خندق کی کھدائی کے دوران ایک سخت چٹان آ گئی ہم اس پر کدال مارتے تھے تو وہ اچٹ جاتی تھی۔ ہم نے بارگاہ رسالت میں عرض کی، آپ تشریف لائے، کدال لی اور بسم اللہ پڑھ کر پہلی کدال ماری تو وہ چٹان ایک تہائی ٹوٹ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ اکبر! مجھے ملک شام کی کنجیاں دی گئی ہیں۔ بخدا! میں شام کے سرخ محلوں کو اس وقت اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔

اس کے بعد دوسری ضرب لگائی تو دوسرا تہائی ٹکڑا ٹوٹ کر گرا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ اکبر! ملک فارس کی کنجیاں مجھ کو عطا کی گئیں، بخدا! مدائن کے قصر ابیض کو میں اس وقت اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ پھر تیسری بار آپ نے بسم اللہ پڑھ کر ضرب لگائی تو باقی ماندہ چٹان بھی ٹوٹ گئی۔ پھر فرمایا: اللہ اکبر! ملک یمن کی کنجیاں مجھے دی گئی ہیں، بخدا! میں صنعاء کے دروازوں کو اپنی آنکھوں سے اس جگہ کھڑا دیکھ رہا ہوں۔ (فتح الباری: ۷/ ۳۰۴۔۳۰۵، نسائی: ۲/ ۵۶)

مدینہ طیبہ کی دفاعی پوزیشن کچھ ایسی تھی کہ جانب شمال کے علاوہ باقی اطراف سے چٹانوں، پہاڑوں اور کھجوروں کے باغات سے گھرا ہوا تھا۔ اور اس پر یورش صرف شمال کی جانب ہی سے ہو سکتی تھی۔ اس وجہ سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خندق صرف شمال کی جانب ہی کھدوائی۔

Marfat.com

ابن ہشام نے نقل کیا ہے کہ کھدائی کا کام صرف دن کو ہوتا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دن بھر کھدائی کرتے اور شام کو گھر لوٹ جاتے، یہاں تک کہ قریش کے لشکر کے مدینہ کی دیواروں تک پہنچنے سے پہلے پوری خندق کی کھدائی کا کام مکمل ہو گیا۔

مسلمان خندق کی کھدائی سے فارغ ہوئے تو قریش اور دیگر قبائل کا متحدہ 10 ہزار کا لشکر جرار مدینہ کی حدود میں پہنچ گیا۔ قریش کا اپنا لشکر تو چار ہزار افراد پر مشتمل تھا اور غطفان اور دوسرے نجدی قبائل چھ ہزار کی تعداد میں تھے۔ یہ دس ہزار کا لشکر احد کے مشرقی کنارے ذنب نقمی میں خیمہ زن ہوا۔ قرآن حکیم نے کہا ہے کہ اہل ایمان نے جب اس لشکر کو دیکھا تو ان کے ایمان میں اضافہ ہوا۔ اللہ کے وعدوں پر ایمان زیادہ ہوا اور منافقین اور کمزور دل لوگوں نے اس لشکر جرار کو دیکھا تو کہنے لگے کہ اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا وہ صرف ایک فریب تھا۔ (۳۳:۲۲،۱۲)

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دس ہزار کے مقابلہ میں تین ہزار افراد پر مشتمل ایک لشکر تیار کیا اور کوہ سلع کی طرف پشت کر کے قلعہ بندی کی شکل اختیار کر لی۔ اب حالت یہ تھی کہ فریقین کے مابین خندق حائل تھی۔ یعنی ایک طرف مسلمان تھے اور دوسری طرف کافر اور درمیان میں خندق تھی۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کو ایک قلعہ میں محفوظ ہو جانے کا حکم ارشاد فرمایا۔ مدینہ کا انتظام سیدنا عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے حوالہ کیا اور خود دشمن کے سامنے اپنی فوج کے ساتھ کوہ سلع کے دامن میں تشریف لے گئے۔ یہ وقت مسلمانوں کے لیے نہایت سخت اور آزمائش کا وقت تھا۔ خود قرآن حکیم نے اس کا جو نقشہ کھینچا ہے اس میں اس کیفیت کو یوں بیان فرمایا ہے:

> ”مسلمانو! یاد کرو، اس وقت کو جب دشمن تمہارے سر پر آ پہنچا تھا اوپر کی جانب سے بھی اور نیچے کی طرف سے بھی اور نگاہیں خیرہ ہو گئیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کیے جانے لگے۔ اس جگہ اہل ایمان آزمائے گئے اور خوب آزمائے گئے۔“

قریش اور دوسرے قبائل کا یہ اتحادی لشکر راستہ میں معلوم نہیں کیا کیا منصوبے بنا کر آیا تھا کہ جاتے ہی یک بارگی حملہ کر کے مسلمانوں کو نیست و نابود کر دیں گے، لیکن جب یہاں پہنچے تو انہوں نے اپنے اور اہل مدینہ کے درمیان ایک وسیع اور گہری خندق حائل دیکھی۔ سخت پریشان ہوئے، ان کے وہم و گمان میں بھی مسلمانوں کی یہ دفاعی پلاننگ نہ تھی، کیونکہ جزیرہ نما عرب میں خندق کا یہ دفاعی منصوبہ نہ تھا، لہٰذا اس خندق کو دیکھ کر سخت پریشان ہوئے۔ اب دشمن

Marfat.com

کے فوجی خندق کے پاس آکر اس کے چکر لگانے لگے، وہ غصہ سے اپنے دانت پیس رہے تھے کیونکہ ان کے حملہ کرنے کے سارے منصوبے مسلمانوں کی اس شاندار دفاعی منصوبہ بندی سے خاک میں مل گئے تھے۔ دوسری طرف مسلمان بھی دشمن کے سپاہیوں کی ہر نقل وحرکت پر گہری نظر رکھے ہوئے تھے اور جب بھی دشمن کا کوئی سپاہی خندق کے قریب آنے کی کوشش کرتا تو اس پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی جاتی تاکہ نہ تو کود کے اس کو عبور کر سکیں اور نہ مٹی ڈال کر اس میں سے آنے کا راستہ بنا سکیں۔ اب دشمن کے لیے سوائے مدینہ کا محاصرہ کرنے کے اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے مدینہ طیبہ کا محاصرہ کر لیا۔

نبی کریم ﷺ نے جب بنونضیر کو مدینہ سے جلاوطن کیا تھا تو بنوقریظہ سے آپ نے تجدید معاہدہ کیا تھا کیونکہ ان کی کارروائیاں بھی بہت حد تک مشکوک تھیں۔ اس وجہ سے بنوقریظہ کے یہودی مشرکین کے اس لشکر سے الگ تھلگ تھے، لیکن قریش کو اس حملہ پر جن لوگوں نے اکسایا اور جنہوں نے ان کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف ایک متحدہ محاذ قائم کیا وہ بھی بنونضیر کے یہودی تھے جو ایک سال قبل مدینہ سے جلاوطن ہو کر خیبر میں ڈیرے لگائے ہوئے تھے اور اب اس لشکر کے ساتھ اپنے آدمی لے کر آئے ہوئے تھے اور اب یہ سانپ اپنی دسیسہ کاریوں سے مسلمانوں کے جسم میں اپنا زہر اتارنے کی کوشش میں مصروف تھے۔ چنانچہ خندق کی وجہ سے باہر سے تو بڑا حملہ ہونا ناممکن تھا لہٰذا منصوبہ یہ بنایا کہ مدینہ کے اندر سے بغاوت کی آگ بھڑکائی جائے۔ اس لیے بنوقریظہ کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی گئی۔ اس مقصد کے حصول کے لیے بنونضیر کا سردار حیی بن اخطب خود بنوقریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس گیا۔ کعب نے حیی کو آتے دیکھ کر دروازہ بند کر لیا کیونکہ وہ مسلمانوں سے یہ معاہدہ کیے ہوئے تھا کہ وہ بیرونی حملہ کی صورت میں آپ ﷺ کی مدد کرے گا۔ حیی نے دستک کے ساتھ آواز بھی دی کہ دروازہ کھولو۔ کعب نے جواب دیا: ''حیی! افسوس ہے تم پر، تم بلاشبہ ایک منحوس آدمی ہو۔ میں محمد ﷺ سے معاہدہ کر چکا ہوں۔ میں اب اس عہد کو ہرگز نہیں توڑوں گا کیونکہ میں نے آپ ﷺ میں سچائی اور ایفائے عہد کے سوا اور کچھ نہیں دیکھا۔''

حیی نے جواب دیا:

''کعب تم دروازہ کھولو، میں تمہارے لیے دائمی عزت کا سامان لایا ہوں۔ قریش اور بنوغطفان کی فوجوں کا بحر بے کراں لے کر آیا ہوں۔ میں نے قریش کو اس کے سرداروں اور قائدین کے ساتھ مجمع الاسیال میں اتار دیا ہے۔ ان لوگوں نے مجھ سے عہد و پیمان کیا ہے کہ

Marfat.com

جب تک وہ محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کا مکمل استیصال اور قلع قمع نہ کر دیں گے اس وقت تک یہاں سے ہرگز نہ جائیں گے۔"

کعب نے کہا:

"خدا کی قسم! تم ہمیشہ میرے پاس ذلت و رسوائی اور فوجوں کا برستا ہوا بادل لے کر آئے ہو جو صرف گرج اور چمک رہا ہے، لیکن اس میں کچھ رہ نہیں گیا ہے۔ لہٰذا تم مجھے میرے حال پر چھوڑ دو، میں کبھی عہد و پیمان کو نہیں توڑوں گا کیونکہ محمد ﷺ سے سچائی اور ایفائے عہد کے سوا اور کچھ نہیں پاتا۔"

لیکن بالآخر حیی بن اخطب نے اپنے پیہم اصرار سے کعب بن اسد قرظی کو رام کر لیا۔ البتہ اسے اس مقصد کے حصول کے لیے کعب سے یہ عہد و پیمان کرنا پڑا کہ "اگر قریش اور اتحادی فوجوں نے محمد ﷺ کو ختم کیے بغیر واپسی کی راہ اختیار کی تو میں بھی تمہارے ساتھ تمہارے قلعہ میں داخل ہو جاؤں گا، پھر جو انجام تمہارا ہوگا وہی میرا ہوگا۔"

حیی کے اس پیمان کے ساتھ کعب بن اسد نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیا ہوا عہد توڑ دیا اور مشرکین کی طرف سے جنگ میں شریک ہو گیا۔

رسول اللہ ﷺ کو جب اس ساری کارروائی کی اطلاع ملی تو آپ نے سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ، سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا خوات بن جبیر رضی اللہ عنہ کو تحقیق حال کے لیے بنو قریظہ کے پاس بھیجا اور ان حضرات کو یہ بھی فرمایا کہ اگر یہ خبر صحیح نکلے تو وہاں سے واپس آ کر اس خبر کو ایسے مبہم الفاظ میں بیان کرنا کہ لوگ سمجھ نہ سکیں اور اگر غلط ہو تو پھر علی الاعلان بیان کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اس سے حضور کا مقصد یہ تھا کہ لوگ کہیں حوصلہ نہ ہار بیٹھیں۔ اس نازک وقت میں اس خبر کی تحقیق نہایت ضروری تھی تاکہ اس کی روشنی میں پھر دفاعی اقدام میں تبدیلی کی جا سکے۔

یہ سب حضرات جب بنو قریظہ گئے اور کعب بن اسد کو مل کر اس کو معاہدہ یاد دلایا تو وہ انتہائی خباثت پر اتر آیا۔ اس نے گالیاں بکیں، رسول اللہ ﷺ کی توہین کی اور کہنے لگا، اللہ کا رسول کون............ اور کون سا معاہدہ، ہمارا ان سے کوئی معاہدہ نہیں۔ یہ سن کر یہ حضرات واپس آ گئے اور رسول اللہ ﷺ سے صرف اتنا کہا عضل اور قارہ۔ یعنی جس طرح ان دو قبیلوں نے اصحاب رجیع کے ساتھ بدعہدی کی تھی، اسی طرح انہوں نے بھی بدعہدی اور پیمان شکنی کی ہے۔

(زرقانی:۲/۱۱۱، ابن ہشام:۲/۲۲۱-۲۲۲، عیون الاثر:۲/۹۱-۹۲)

Marfat.com

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ اکبر! مسلمانو! خوشخبری ہو۔'' مسلمان اس وقت انتہائی نازک صورت حال سے دوچار تھے۔ عقب میں بنو قریظہ تھے جن کے حملہ کو روکنے کے لیے مسلمانوں کے درمیان کوئی آڑ نہ تھی، پھر مسلمان عورتیں اور بچے جو کسی حفاظتی انتظام کے بغیر بنو قریظہ کے یہودیوں کے بالکل قریب تھے، سامنے دس ہزار کا لشکر جرار خشم گیں نگاہوں سے مسلمانوں کو دیکھ رہا تھا۔ سخت سردی کی راتیں اور کئی کئی دن کا فاقہ، لیکن اللہ کا پیغمبر پھر بھی انہیں خوشخبری سنا رہا ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ یہ خبر سن کر اور مسلمانوں کی کیفیت دیکھ کر آپ ﷺ نے اپنا سر اور منہ کپڑے سے ڈھانک لیا اور دیر تک چت لیٹے رہے، اب اس کیفیت کو دیکھ کر مسلمانوں کے اضطراب میں کچھ اضافہ ہوا، لیکن اس کے بعد آپ اٹھے، اللہ اکبر کہا اور فرمایا: مسلمانو! اللہ کی مدد اور فتح کی خوشخبری سن لو۔ پھر آپ نے آئندہ کے لیے اپنا دفاعی پروگرام بنایا تا کہ ان پیش آمدہ حالات سے اچھی طرح نمٹا جا سکے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے سب سے پہلے مدینہ کی نگرانی کے لیے محافظ بھیجے۔ تا کہ یہود عورتوں اور بچوں کی طرف سے ہمیں غافل دیکھ کر حملہ نہ کر دیں۔

اس بارے میں دوسرا اقدام آپ نے یہ سوچا کہ اتحادی فوجوں کے اتحاد میں دراڑ پیدا کر کے ان کی قوت کو کم کیا جائے۔ چنانچہ آپ نے یہ سوچا کہ غطفان کے دونوں سرداروں عینیہ بن حصن اور حارث بن عوف سے مدینہ کے نخلستان کی ایک تہائی پیداوار دے کر مصالحت کر لی جائے تا کہ یہ دونوں سردار اپنے قبائل کو لے کر واپس چلے جائیں اور مسلمانوں کو اس محاصرہ سے نجات مل جائے۔ چنانچہ آپ نے سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ تجویز رکھی۔ دونوں نے بیک زبان ہو کر عرض کیا: ''یا رسول اللہ! اگر تو یہ حکم اللہ کی طرف سے ہے تو پھر بلا چوں و چرا سر تسلیم خم ہے۔ اور اگر صرف ہماری خاطر ایسا کیا جا رہا ہے تو ہمیں اس کی کوئی ضرورت نہیں۔'' آپ نے فرمایا کہ ''صرف تمہاری خاطر یہ سب کچھ کرنا چاہتا ہوں اس لیے کہ عرب نے متفق و متحد ہو کر ایک کمان سے تم پر تیراندازی شروع کی ہے، اس طریق سے میں ان کی اجتماعی قوت کو توڑنا چاہتا ہوں۔''

قبیلہ اوس کے رئیس سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! جب ہم اور یہ کافر اور مشرک تھے، بتوں کی پرستش کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کو نہ جانتے تھے اور نہ مانتے تھے، اس وقت بھی ان کی یہ مجال نہ تھی کہ ہم سے کھجور کا ایک دانہ بھی لے سکیں مگر یہ کہ مہمانی کے طور پر یا خرید کر۔ اور اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو ایمان کی لازوال اور بے مثالی نعمت سے سرفراز فرمایا

Marfat.com

ہے اور ہدایت اور اسلام سے ہم کو عزت بخشی ہے تو اب ہم ان کو اپنا مال کیوں دیں؟ یہ ناممکن ہے۔ اللہ کی قسم! انہیں اپنا مال دینے کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں۔ بخدا! ہم ان کو سوائے تلوار کے اور کچھ نہ دیں گے۔ ان سے جو ہو سکتا ہے وہ کر گزریں۔" سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے بھی اس کی تائید کی۔ اس بارے میں صلح کی جو تحریر لکھی گئی تھی، سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک سے لے کر اس کی تمام عبارت مٹا دی۔ (ابن ہشام: ۲/۲۲۳، عیون الاثر: ۲/۹۱)

قریباً مدینہ کے محاصرہ میں دو ہفتے گزر گئے۔ ادھر خندق کے پار بیٹھے ہوئے قریشی شہسواروں کو یہ صورت گوارا نہ تھی کہ خندق کے پاس جنگ کے نتائج کے انتظار میں بے فائدہ بیٹھے رہیں۔ ان کے ذہنوں میں مسلمانوں کو ختم کرنے کی ہوا بھری ہوئی تھی۔ یہ جو کچھ ہو رہا تھا ان کی شان اور عادت کے خلاف تھا۔ وہ تو اپنے بدر کے مقتولوں کا بدلہ جلد از جلد لینا چاہتے تھے لیکن یہاں انہیں انتظار کرنا پڑ رہا تھا۔ جب سے آئے تھے کوئی مقابلہ یا دست بدست لڑائی کی نوبت نہیں آئی تھی۔ صرف کبھی کبھی طرفین میں تیر اندازی ہوتی رہی۔ بالآخر قریش کے چند سوار عمرو بن عبدود، عکرمہ بن ابی جہل، ہبیرہ بن ابی وہب، ضرار بن خطاب اور نوفل بن عبداللہ مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے جب خندق کے پاس پہنچے تو کہا: "خدا کی قسم، یہ مکر و فریب اس سے پہلے عرب میں نہ تھا۔" ایک مقام سے خندق تنگ تھی وہاں سے اس کو پار کر لیا اور ان کے گھوڑے خندق اور سلع کے درمیان چکر کاٹنے لگے۔ ادھر سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ خندق کے اس مقام پر پہنچے جہاں سے انہوں نے گھوڑے کدائے تھے، اس مقام کو اپنے قبضہ میں لے کر ان کی واپسی کا راستہ بند کر دیا۔ اس پر عمرو بن عبدود نے جو جنگ بدر میں زخم کھا کر گر گیا تھا، سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق تھا، مقابلہ کے لیے آواز دی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس کے مقابلہ کے لیے آگے بڑھے اور ایک ایسا فقرہ چست کیا کہ وہ طیش میں آ کر گھوڑے سے کود پڑا، اس کی کوچیں کاٹیں اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دو بدو مقابلہ میں آ گیا۔ یہ بڑا بہادر اور شہ زور تھا، عرب اس کی بہادری کی مثالیں دیا کرتے تھے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: "عمرو! میں تجھ کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلاتا ہوں اور اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔" عمرو نے کہا: مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اچھا تو پھر میں تم کو لڑائی کی دعوت دیتا ہوں۔ عمرو بن عبدود نے کہا: "برخوردار! تم ابھی کمسن ہو اپنے سے بڑے کو میرے مقابلہ کے لیے بھیجو، میں تمہارے قتل کو پسند نہیں کرتا۔" کیونکہ عمرو کی عمر اس وقت نوے سال سے متجاوز تھی۔ لیکن دم خم وہی جوانوں والا تھا (زرقانی) سیدنا علی رضی اللہ عنہ

Marfat.com

نے فرمایا: ''لیکن میں تمہارے قتل کو پسند کرتا ہوں۔'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے منہ سے یہ جملہ سن کر عمرو بن عبدود کو طیش آ گیا اور اس نے آگے بڑھ کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر وار کیا۔ دونوں میں زوردار ٹکر ہوئی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی پیشانی پر معمولی سا زخم بھی آ گیا۔ بالآخر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس پر ایسا بھرپور وار کیا کہ اس کا کام تمام ہو گیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ مسلمانوں نے سمجھ لیا کہ نصرت خداوندی آ گئی ہے۔ (روض الانف: ۲/۱۹۱)

بعض کتابوں میں ہے کہ جونہی عمرو بن عبدود سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی تلوار خاروا شگاف سے لقمۂ اجل بن کر فرش پر مچھلی کی طرح تڑپ رہا تھا تو اس وقت سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فی البدیہہ یہ اشعار پڑھے۔

نصر الحجارة من سفاهة رائه
ونصرت رب محمد بصواب

عمرو بن عبدود نے اپنی حماقت کے باعث پتھروں کی مدد کی اور میں نے عقل و ہوش سے کام لیتے ہوئے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پروردگار کی مدد کی۔

فصدرت حین ترکته عجدلاً
کالجذع بین دکادک و روابی

پس میں وہاں سے اس حالت میں نکلا کہ میں نے اسے نرم ریت کے ڈھیروں اور ٹیلوں میں درخت کے مُڈھ کی طرح مٹی میں لت پت چھوڑا۔

ولا تحسبن اللہ خاذل دینه
ونبیه یا معشر الاحزاب

اے مشرکوں کے گروہ! تم ہرگز یہ گمان نہ کرنا کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین اور اپنے نبی کو بے یار و مددگار چھوڑے گا۔

اس واقعہ کے بعد ایک ماہ تک کفار محاصرہ کیے رہے لیکن پھر کسی کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ اللہ کے شیروں کے کچھار کی طرف نظر اٹھا کر بھی دیکھ سکے۔

(الاکتفاء فی مغازی رسول اللہ وثلاثہ خلفاء: ۲/۱۲۹، سلیمان بن موسیٰ)

نوفل بن عبداللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کے ارادے سے آگے بڑھا۔ وہ گھوڑے پر سوار تھا۔ خندق کو پھلانگتے ہوئے خندق میں گر پڑا اور مر گیا۔ دشمن نے اس کی لاش لینے کے لیے دس ہزار درہم کی پیش کش کی۔ آپ نے فرمایا وہ بھی ناپاک تھا اس کی دیت بھی خبیث اور

Marfat.com

ناپاک ہے، ہمیں نہ دس ہزار کی ضرورت ہے اور نہ اس کی لاش کی۔ لہٰذا بلا معاوضہ اس کی لاش ان کو دے دی۔ (زرقانی: ۲/۱۱۴)

اس کے بعد مشرکین نے کئی بار اس خندق کو پار کرنے کی کوشش کی لیکن مسلمانوں نے ہر دفعہ انہیں اس کام سے دور رکھا اپنے تیروں سے ان کا اس طرح مقابلہ کیا کہ ان کی ہر کوشش ناکام ہو گئی۔ ان مقابلوں کے دوران سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بعض نمازیں قضا ہو گئیں۔ (بخاری: ۲/۵۹۰)

ان نمازوں کی قضا ہونے کا آپ کو اس قدر افسوس ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشرکین کے لیے بددعا کی۔ فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ان کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھر دے جس طرح انہوں نے ہم کو نماز وسطیٰ کی ادائیگی سے مشغول رکھا، یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔''

(بخاری: ۲/۵۹۰)

امام نووی کے مطابق محاصرہ کے دوران مختلف دنوں میں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں قضا ہوئیں۔ (نووی شرح مسلم: ۱/۲۲۷)

خندق نے مسلمانوں کا بہت بڑا دفاع کیا کیونکہ مشرکین کے لیے خندق کو پار کرنا مشکل تھا اس وجہ سے دونوں طرف سے کبھی کبھی تیراندازی ہوتی تھی۔ اس تیراندازی سے فریقین کے چند آدمی مارے گئے۔ ایک روز اسی تیراندازی میں ایک تیر سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے حلق میں آ کر لگا جس سے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ شدید زخمی ہو گئے۔ یہ تیر حبان بن عرقہ قریشی مشرک نے مارا تھا۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے زخمی ہونے کے بعد بارگاہ الوہیت میں یہ دعا کی:

> ''اے اللہ تو بخوبی جانتا ہے کہ جس قوم نے تیرے رسول کی تکذیب کی اور انہیں ان کے شہر سے نکال باہر کیا، ان سے تیری راہ میں جہاد کرنا مجھے اس قدر محبوب ہے، اتنا کسی اور قوم سے محبوب نہیں۔ اگر قریش کی لڑائی کچھ باقی رہ گئی ہے تو مجھے ان کے لیے باقی رکھ کہ میں تیری راہ میں جہاد کروں اور اگر تو نے اس جنگ کو ختم کر دیا ہے تو اس زخم کو میری موت کا ذریعہ بنا دے اور اس وقت تک مجھے موت نہ دے جب تک کہ بنو قریظہ کی ذلت و رسوائی سے میری آنکھیں ٹھنڈی نہ ہو جائیں۔''

(ابن ہشام: ۲/۲۲۷، بخاری: ۲/۵۹۱)

اب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی نصرت کے لیے مختلف اسباب فراہم کیے۔ نبی اکرم

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتحادی فوجوں میں اختلاف پیدا کر کے ان کی جمعیت کو توڑنا چاہتے تھے، جب سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے نخلستان کا تہائی نہ دینے کا اظہار کیا تو اب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے ایک نئی صورت یہ پیدا کر دی کہ بنو غطفان کے رئیس نعیم بن مسعود اشجعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: ''یا رسول اللہ! میں آپ پر ایمان لایا ہوں، لیکن میری قوم کو میرے ایمان لانے کا کوئی علم نہیں لہٰذا مجھے کوئی حکم فرمائیں جو اس وقت مسلمانوں کے لیے فائدہ مند ہو۔ آپ نے فرمایا تم کوئی ایسی تدبیر کرو جس سے یہ حصار ختم ہو۔ فرمایا: تم ایک تجربہ کار آدمی ہو، لہٰذا کوئی ایسی کوشش کرو کہ یہ متحدہ محاذ ختم ہو اور بنو قریظہ نے جو ان کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا ہے، اس میں دراڑ پیدا ہو اور وہ قریش کے متحدہ لشکر کی امداد سے دست کش ہو جائے۔ نعیم اسی وقت اٹھ کر بنو قریظہ کے پاس گئے۔ ان سے ان کے بڑے گہرے روابط تھے۔ انہوں نے بنو قریظہ سے کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ میں تم لوگوں کا ہمیشہ خیر خواہ رہا ہوں اور مجھے آپ لوگوں سے ایک خصوصی تعلق ہے۔ انہوں نے ان گہرے روابط کا اعتراف کیا۔ نعیم نے کہا، پھر غور سے سنئے کہ قریش کا معاملہ آپ لوگوں سے مختلف ہے، یہ علاقہ آپ کا اپنا ہے۔ آپ کا گھر بار، مال و دولت اور بال بچے ہیں، آپ ان سب کو چھوڑ کر کہیں اور نہیں جا سکتے، مگر قریش، غطفان اور ان کے حلیف اور اتحادی قبائل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگ کرنے کے لیے آئے تو آپ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف ان کا ساتھ دیا۔ ان کا یہاں کچھ نہیں اور نہ وہ یہاں کے رہنے والے ہیں، لہٰذا اگر مناسب ہوا تو وہ کوئی اہم قدم اٹھائیں گے ورنہ بوریا بستر باندھ کر چلے جائیں گے۔ پھر آپ لوگ ہوں گے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، لہٰذا پھر مسلمان جیسا چاہیں گے آپ لوگوں سے انتقام لیں گے۔ نعیم کی یہ بات سن کر بنو قریظہ چونکے اور کہا کہ اب کیا کیا جائے؟ ہم سے تو واقعی بہت بڑی غلطی ہوئی ہے۔ ہم نے بغیر سوچے سمجھے یہ فیصلہ کر دیا۔ اب اس کا کیا علاج ہے؟ نعیم نے کہا: دیکھئے، آپ اتحادی فوجوں سے کہیں کہ جب تک تم اپنے کچھ آدمی یرغمال اور ضمانت کے طور پر ہمیں نہیں دو گے ہم اس وقت تک تمہارے ساتھ جنگ میں شریک نہیں ہوں گے۔ بنو قریظہ نے نعیم کی اس رائے کو بہت پسند کیا۔

بنو قریظہ سے یہ بات کرنے کے بعد نعیم سیدھے قریش کے پاس پہنچے اور ان سے کہا جو خیر خواہی اور محبت مجھے آپ لوگوں سے ہے اس سے آپ بخوبی واقف ہیں۔ انہوں نے اعتراف کیا کہ یہ بات بالکل درست ہے۔ نعیم نے ان کو اپنے اعتماد میں لیتے ہوئے کہا کہ یہود نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے ساتھیوں سے پیمان شکنی کی ہے اس پر وہ سخت نادم ہیں۔ اب ان میں

Marfat.com

یہ فیصلہ ہوا ہے کہ وہ آپ کے کچھ آدمی بطور یرغمال لے کر محمد ﷺ کے حوالہ کر دیں۔ اس طرح سے وہ محمد ﷺ کے ساتھ اپنا معاملہ استوار کر لیں گے، لہٰذا اگر بنو قریظہ آپ سے کچھ آدمیوں کو یرغمال کے طور پر مانگیں تو آپ ان کی بات ہرگز ہرگز نہ مانیں۔ اس کے بعد انہوں نے بنو غطفان اور ان کے اتحادی قبائل کو اکٹھے کر کے یہی بات کہی۔ اس بات سے ان سب کے بھی کان کھڑے ہو گئے اور انہوں نے ٹھان لی کہ وہ بنو قریظہ کی یہ شرط نہیں مانیں گے۔

اب قریش اور اس کے اتحادی قبائل نے جمعہ اور ہفتہ کی درمیانی رات کو بنو قریظہ کو یہ پیغام بھیجا کہ محاصرہ کو کافی دن ہو گئے ہیں اور ہمارے فوجی تنگ آ گئے ہیں۔ دوسرے ہمارا قیام بھی کسی موزوں جگہ پر نہیں ہے۔ گھوڑے اور اونٹ سردی اور بھوک سے مر رہے ہیں، لہٰذا باہر سے ہم لوگ ادر اندر سے آپ لوگ محمد ﷺ کے لشکر پر حملہ کر دیں۔ ہمیں امید ہے کہ ہمارا یہ متحدہ حملہ نتیجہ خیز ہوگا۔

ان کی اس تجویز کے جواب میں بنو قریظہ نے انہیں کہلا بھیجا کہ آج سبت (ہفتہ) کا دن ہے، اس روز ہمارے لیے حملہ کرنا ممکن نہیں کیونکہ یہ شریعت موسوی کی خلاف ورزی ہے۔ علاوہ ازیں آپ لوگ جب تک ہمیں اپنے کچھ آدمی یرغمال کے طور پر نہیں دیں گے اس وقت تک ہم لڑائی میں شریک نہیں ہوں گے۔ بنو قریظہ کا جب یہ جواب قریش اور غطفان کے پاس پہنچا تو انہوں نے کہا: بخدا! نعیم نے سچ ہی کہا تھا۔ بنو قریظہ کی اندر سے نیت درست نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے بنو قریظہ کو کہلا بھیجا کہ ہم کسی صورت بھی اپنے آدمی آپ لوگوں کے پاس یرغمال کے طور پر رکھنے کے لیے تیار نہیں۔ یہ سن کر بنو قریظہ نے نعیم کی بات کی تصدیق کی کہ وہ واقعی بالکل صحیح کہتا تھا۔ اس طرح دونوں فریقوں کا اعتماد ایک دوسرے سے اٹھ گیا اور ان میں تشتت وافتراق پیدا ہو گیا اور بنو قریظہ قریش کی امداد سے دست کش ہو گئے۔

(زرقانی: ۲/ ۱۱۶، فتح الباری: ۷/ ۳۰۹، ابن ہشام: ۲/ ۲۲۹۔۲۳۰)

ادھر نعیم نے بنو قریظہ اور قریش اور اس کی اتحادی فوجوں کے درمیان بداعتمادی پیدا کر دی اور بنو قریظہ نے قریش کی امداد سے انکار کر دیا۔ اسی دوران مسلمانوں نے محاصرہ کی شدت اور سختی کا ذکر کر کے رسول اللہ ﷺ سے دعا کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے انہیں یہ دعا مانگنے کے لیے ارشاد فرمایا:

((اللھم استر عوراتنا وامن روعاتنا))

''اے اللہ ہمارے عیبوں کی پردہ پوشی فرما اور ہمیں خطرات سے محفوظ و

Marfat.com

مامون فرما۔'' (فتح الباری: ۷/۳۰۹، زرقانی: ۲/۱۲۱)

خود سرکارِ دو عالم ﷺ نے مسجد احزاب میں زوال کے بعد کھڑے ہو کر یہ دعا مانگی:

((اللھم منزل الکتاب، سریع الحساب، وھازم الاحزاب، اھزمھم وانصرنا علیھم))

''اے اللہ! کتاب کے نازل کرنے والے، جلد حساب لینے والے، ان لشکروں کو شکست دینے والے، انہیں شکست دے اور ہمیں ان پر فتح عطا فرما۔'' (بخاری: ۲/۵۹۰، زرقانی: ۲/۱۲۰)

آخر کار اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں اور رسول اللہ ﷺ کی دعائیں سن لیں اور قریش اور غطفان پر تند و تیز ہوا کا طوفان بھیج دیا۔ ان کے تمام خیمے اکھڑ گئے۔ رسیاں اور طنابیں ٹوٹ گئیں۔ ہانڈیاں الٹ گئیں۔ گویا سب کچھ الٹ گیا۔ صحرا کا گرد و غبار اڑ اڑ کر ان کی آنکھیں بھرنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی فرشتوں کا لشکر بھیج دیا جنہوں نے ان کی ہمتیں پست کر دیں۔ حوصلے توڑ دیئے اور ان کے دلوں میں رعب اور خوف کی ایک خاص کیفیت پیدا کر دی، جس کو قرآن حکیم نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

''اے ایمان والو! اللہ کے اس انعام کو یاد کرو جو تم پر اس وقت ہوا جب کافروں کے بہت سارے لشکر تمہارے سروں پر آ پہنچے تھے۔ پس اس وقت ہم نے تمہارے دشمنوں پر ایک آندھی بھیجی اور تمہاری مدد کے لیے آسمان سے ایسے لشکر اتارے جو تم کو دکھائی نہیں دیتے تھے۔ یعنی فرشتے اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب جاننے والا ہے۔'' (الاحزاب)

رات بھی نہایت سرد تھی اور ہوا بھی تند و تیز تھی، سیدنا حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ قریش کی خبر لے کر آؤ۔ میں نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! میں کہیں پکڑا نہ جاؤں۔ آپ نے فرمایا تو بالکل نہیں پکڑا جائے گا۔ پھر میرے لیے دعا فرمائی: ''اے اللہ! اس کی آگے سے، پیچھے سے، دائیں سے بائیں سے، اوپر سے اور نیچے سے حفاظت فرما۔'' سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کی اس دعا کا مجھ پر یہ اثر ہوا کہ میرا سارا خوف دور ہو گیا۔ اور میں نہایت شاداں و فرحاں اپنی مہم پر روانہ ہوا۔ جب میں جانے لگا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''حذیفہ: کوئی نئی بات نہ کرنا۔''

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اس لشکر میں پہنچا تو دیکھا کہ ہوا اس قدر تیز تھی

Marfat.com

کہ کوئی شے نہیں ٹھہرتی تھی اور تاریکی ایسی چھائی ہوئی تھی کہ کوئی شے دکھائی نہیں دیتی تھی۔ اتنے میں سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کو یہ کہتے سنا کہ ''اے گروہ قریش! یہ ٹھہرنے کا مقام نہیں، ہمارے جانور ہلاک ہو گئے، بنو قریظہ ہماری امداد سے دست کش ہو گئے اور تیز و تند ہوا نے ہمیں ایسا سراسیمہ اور خوفزدہ کر دیا ہے کہ چلنا پھرنا، اٹھنا بیٹھنا نہایت مشکل ہو گیا، میری مانو تو فوراً واپس لوٹ چلو۔'' اور یہ کہہ کر وہ خود اونٹ واپس لے جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے چاہا کہ ابوسفیان کو تیر سے مار ڈالوں کیونکہ وہ میرے نشانے پر تھا، لیکن مجھے حضور ﷺ کا یہ فرمان یاد آ گیا کہ ''ابو حذیفہ! کوئی نئی بات نہ کرنا۔'' اس لیے میں واپس آ گیا۔ اور آپ کو سب کچھ بتا دیا جو میں نے دیکھا تھا۔'' (زرقانی: ۲/ ۱۱۸)

رسول اللہ ﷺ جب صبح اٹھے تو دیکھا کہ میدان بالکل صاف ہے اور اللہ تعالیٰ نے دشمن کو اس کے غیظ و غضب سمیت بے نیل و مرام واپس لوٹا دیا اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کیا:

اعز جنده، نصر عبده، وهزم الاحزاب وحده.

''اپنے لشکر کو عزت بخشی، اپنے بندوں کی مدد کی اور اکیلے ہی سارے لشکروں کو شکست دے دی۔'' (بخاری: ۲/ ۵۹۰)

غزوہ خندق شوال سنہ 5ھ کو پیش آیا۔ ابن سعد اور بلاذری کے قول کے مطابق یہ محاصرہ پندرہ دن رہا۔ سعید بن المسیب کا قول ہے کہ چوبیس دن رہا۔ لیکن تمام ماخذوں پر مجموعی نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ محاصرے کا آغاز شوال میں ہوا اور خاتمہ ذی قعدہ میں۔ جس روز آپ خندق سے واپس ہوئے اس روز بدھ کا دن تھا اور ذی قعدہ کے مہینے کے ختم ہونے میں صرف سات روز باقی تھے۔

اس جنگ کے دو نام ہیں ایک جنگ احزاب اور دوسرا جنگ خندق۔ جنگ احزاب اس کو اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں تمام قبائل ایک متحدہ محاذ بنا کر مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے آئے تھے۔ اس لیے قرآن حکیم میں اس بارے میں جو سورت نازل ہوئی اس کا نام بھی ''سورۃ الاحزاب'' ہے اور جنگ خندق اس لیے کہتے ہیں کہ اس جنگ میں مسلمانوں نے خندق کھود کر اپنا دفاع کیا تھا۔

جنگ خندق جان اور مال کے نقصان کی جنگ نہ تھی بلکہ اعصاب کی جنگ تھی۔ اس میں اگرچہ زیادہ خونریزی نہیں ہوئی تھی لیکن مسلمان اور کافر دونوں ایک بہت بڑی اعصابی جنگ

Marfat.com

میں مبتلا رہے۔ یہ جنگ ایک فیصلہ کن جنگ تھی کیونکہ اس سے پہلے مشرکین نے اتنا بڑا لشکر کبھی اکٹھا نہیں کیا تھا لیکن پھر بھی وہ مسلمانوں کو تباہ اور نیست و نابود نہ کر سکے، لہٰذا اب ان کے حوصلے ٹوٹ گئے، ہمتیں پست ہو گئیں اور مسلمانوں کے بارے میں یاس اور ناامیدی کے بادل ان کے قلب ونظر پر چھا گئے۔ چنانچہ ان کے واپس جانے کے بعد ہادی برحق اور اسلامی لشکر کے قائد اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں سے فرمایا:

((الان یغزوھم ولا یغزوننا، نحن نسیر الیھم))

(بخاری:۲/۵۹۰)

''اب ہم ان پر حملہ آور ہوں گے اور یہ ہم پر حملہ نہیں ہو سکیں گے۔''

یعنی کفر اب اتنا کمزور ہو گیا ہے کہ اس میں اتنی ہمت اور طاقت نہیں رہی کہ وہ اسلام کے مقابلہ میں کوئی دوسرا اقدام کر سکے اور اسلام صرف دفاعی پوزیشن میں ہو۔ بلکہ اب اسلام کی حالت یہ ہو گئی ہے اور وہ اتنا قوی ہو گیا ہے کہ وہ کفر وشرک کے مقابلہ میں جارحانہ اقدام کرے گا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان حرف بحرف درست ثابت ہوا اور اس جنگ کے بعد قریش کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی بلکہ مسلمانوں ہی نے ان پر حملہ کیا۔ یہود پر بھی جنگ خیبر کی صورت میں مسلمانوں نے حملہ کیا اور انہیں وہاں سے نکالا۔ پھر 8ھ میں قریش پر حملہ کر کے مکہ مکرمہ کو فتح کیا۔ مکہ کا فتح ہونا تھا کہ مسلمانوں کی دھاک پورے جزیرہ عرب میں بیٹھ گئی اور لوگ جوق درجوق اسلام میں داخل ہونا شروع ہو گئے۔ (یدخلون فی دین اللہ افواجا)

اس جنگ میں کافروں کے تین آدمی قتل ہوئے، جن کے نام یہ ہیں:

① عمرو بن عبدود: اس کو سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی شمشیر خارا شگاف نے جہنم رسید کیا جس کا تذکرہ گذشتہ صفحات میں کیا گیا ہے۔

② نوفل بن عبداللہ بن مغیرہ: اس کو سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے واصل جہنم کیا۔

نوفل کے بارے میں ہے کہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار سے جب اس پر حملہ کیا تو تلوار کے ایک ہی وار سے اس کے دو ٹکڑے کر دیئے حتیٰ کہ اس کی زین کو بھی درمیان سے کاٹ دیا۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کی کاٹ کی داد دیتے ہوئے کسی نے کہا:

''اے زبیر! ہم نے تیری تلوار جیسی کوئی تلوار نہیں دیکھی۔''

آپ نے جواب میں فرمایا:

واللہ ماھو السیف ولکنھا الساعد. (سبل الہدیٰ:۴/۵۳۵)

Marfat.com

''خدا کی قسم! یہ تلوار کا کمال نہیں بلکہ اس بازو کا مال ہے جس سے تلوار چلائی۔''

کفار نے عمرو بن عبدود اور نوفل بن عبداللہ بن مغیرہ کی لاشوں کی واپسی کے لیے دس دس ہزار درہم معاوضہ پیش کیا لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

((لانا کل ثمن الموتی[1]))

''ہم مردوں کی قیمت نہیں کھایا کرتے۔'' (تاریخ الخمیس: ۱/۴۹۲)

چنانچہ آپ نے ان کی لاشوں کو بلا معاوضہ واپس کر دیا۔

③ دشمن کا تیسرا آدمی جو قتل ہوا وہ عثمان بن منبہ تھا۔

اور مسلمانوں کے چھ حضرات نے جام شہادت نوش فرمایا:

(1) سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ (2) سیدنا انس بن عوف رضی اللہ عنہ (3) سیدنا عبداللہ بن سہیل رضی اللہ عنہ (4) سیدنا طفیل بن نعمان رضی اللہ عنہ (5) سیدنا ثعلبہ بن عتمہ رضی اللہ عنہ (6) سیدنا کعب بن زید رضی اللہ عنہ۔

بعض اصحاب السیر نے دو نام اور دیئے ہیں:

(7) سیدنا قیس بن زید رضی اللہ عنہ (8) سیدنا عبداللہ بن خالد رضی اللہ عنہ۔

(عیون الاثر: ۲/۱۰۱، زرقانی: ۲/۱۲۶)

غزوہ بنو قریظہ:

سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم غزوہ خندق سے نماز صبح کے بعد واپس ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور تمام مسلمانوں نے جنگ سے فراغت کی وجہ سے اپنے ہتھیار کھول دیئے۔ اسی روز ظہر کے وقت جب آپ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر غسل فرما رہے تھے، سیدنا جبرئیل امین علیہ السلام ایک خچر پر سوار عمامہ باندھے ہوئے تشریف لائے۔ ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام اس جگہ آکر کھڑے ہو گئے جہاں مسجد سے علیحدہ جنازہ پڑھنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جگہ بنائی ہوئی تھی۔ (طبقات: ۲/۵۳)

جبریل علیہ السلام نے آپ سے کہا: ''کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہتھیار اتار دیئے جبکہ فرشتوں نے ابھی تک اپنے ہتھیار نہیں اتارے اور نہ ابھی تک واپس ہوئے ہیں، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے ساتھیوں کو لے کر بنو قریظہ جایئے میں خود بھی آپ کے آگے آگے وہیں جا رہا ہوں۔

Marfat.com

میں ان کے قلعوں میں زلزلہ برپا کروں گا اور ان کے دلوں میں رعب اور ہیبت ڈال دوں گا۔'' یہ کہہ کر جبرئیل فرشتوں کے ساتھ بنو قریظہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

(ابن ہشام: ۲/۲۳۳، عیون الاثر: ۲/۱۰۳، البدایہ والنہایہ: ۴/۱۱۶)

حافظ ابن حجر سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی روایت نقل فرماتے ہیں کہ بنو قریظہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان پہلے سے معاہدہ تھا۔ جب قریش دس ہزار کا لشکر لے کر مدینہ پر حملہ آور ہوئے تو بنو قریظہ عہد شکنی کر کے قریش سے جا ملے۔ جب اللہ تعالیٰ نے قریش کو شکست دے دی تو بنو قریظہ قلعوں میں جا گھسے۔ جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کی جماعت کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ بنو قریظہ کی طرف جائیں۔ آپ نے فرمایا: میرے ساتھی تھکے ماندے ہیں۔ (یعنی محاصرہ کی اعصابی جنگ نے انہیں تھکا دیا ہے) جبرئیل نے کہا: آپ اس کا خیال نہ کریں میں ابھی جا کر ان کے قلعوں میں زلزلہ برپا کر دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر جبرئیل فرشتوں کی جماعت کے ساتھ بنو قریظہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

(فتح الباری: ۷/۳۱۳)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ نے مدینہ میں اسی وقت منادی کرا دی کہ جو شخص سمع و طاعت پر قائم ہے، وہ عصر کی نماز بنو قریظہ میں پڑھے۔ اس کے بعد آپ نے مدینہ کا انتظام سیدنا عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمایا اور سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو جنگ کا پرچم دے کر آگے روانہ فرما دیا۔ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے تو بنو قریظہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھلم کھلا گالیاں دینا شروع کر دیں۔

اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مہاجرین و انصار پر مشتمل تین ہزار کا لشکر لے کر جس میں تیس گھوڑے تھے، بنو قریظہ پہنچ گئے اور ان کے علاقہ میں ''انا'' نامی کنویں پر نزول فرمایا اور بنو قریظہ کا محاصرہ کر لیا۔ 25 روز تک محاصرہ رہا۔ جب محاصرہ سخت ہو گیا تو ان کے سردار کعب بن اسعد (جس نے معاہدہ توڑ کر قریش کا ساتھ دیا تھا) نے بنو قریظہ سے کہا: ''میں تمہارے سامنے تین باتیں پیش کرتا ہوں۔ ان میں سے جس ایک کو چاہو اختیار کر لو تاکہ تمہیں محاصرہ کی اس مصیبت سے نجات مل جائے۔

⊙ یا تو ہم اس شخص (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لے آئیں اور اس کے پیروکار بن جائیں کیونکہ خدا کی قسم تم پر یہ بات بالکل واضح ہو چکی ہے کہ وہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور یہ وہی نبی ہیں جن کو تم تورات میں لکھا ہوا پاتے ہو۔ اگر ان پر تم ایمان لے آؤ گے تو

Marfat.com

تمہاری جان و مال اور بال بچے محفوظ ہو جائیں گے۔ انہوں نے کہا "یہ منظور نہیں۔"

② یا پھر خود اپنے ہاتھوں سے اپنے بیوی بچوں کو قتل کر دیں اور پھر تلوار سونت کر پوری قوت کے ساتھ مسلمانوں کا مقابلہ کریں۔ اس کے بعد یا تو فتح پائیں گے یا سب کے سب مارے جائیں گے، اگر فتح پا گئے تو عورتیں بہت ہیں۔ ان سے بچے بھی ہو جائیں گے اور اگر شکست کھا گئے تو بچوں اور عورتوں کا غم نہ ہوگا۔ اس تجویز پر بنو قریظہ نے کہا کہ بیوی بچوں کو قتل کر کے زندگی کا کیا لطف رہ جاتا ہے۔ لہٰذا یہ تجویز بھی منظور نہیں۔

③ کعب نے کہا اگر یہ شرط بھی منظور نہیں تو آج ہفتہ کی رات ہے۔ عجب نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے ساتھی غافل اور بے خبر ہوں اور انہیں یہ خیال ہو کہ سبت کے روز یہود حملہ نہیں کر سکتے۔ ان کی اس غفلت سے فائدہ اٹھا کر ان پر شب خون مار دو۔

بنو قریظہ نے ان تینوں تجاویز کو رد کر دیا۔ اب ان کے سامنے صرف ایک ہی راستہ رہ جاتا تھا کہ وہ مسلمانوں کے آگے ہتھیار ڈال دیں اور اپنی قسمت کا فیصلہ ان پر چھوڑ دیں، لیکن انہوں نے چاہا کہ ہتھیار ڈالنے سے پہلے اپنے بعض مسلمان حلیفوں سے رابطہ قائم کریں۔ ہو سکتا ہے کہ ہمیں ہتھیار ڈالنے کے نتائج سے کچھ آگاہی ہو جائے۔

سیدنا ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بنو قریظہ کے حلیفانہ تعلقات تھے۔ اس لیے انہوں نے بارگاہ رسالت میں یہ درخواست کی کہ ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو ہمارے پاس بھیج دیں تاکہ ہم ان سے کچھ مشورہ کر لیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو ان کے ہاں جانے کی اجازت دے دی۔ جب یہ وہاں پہنچے تو مرد تو انہیں دیکھ کر ان کی طرف دوڑ پڑے اور عورتیں اور بچے ان کے سامنے دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ ان کی اس حالت کو دیکھ کر سیدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا دل بھر آیا۔ یہود نے پوچھا: "ابولبابہ! کیا آپ مناسب سمجھتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلے پر ہتھیار ڈال دیں؟" انہوں نے جواب دیا ہاں، لیکن اس کے ساتھ ہی اپنے حلق کی طرف اشارہ بھی کر دیا کہ ذبح کر دیے جاؤ گے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارادہ تمہارے قتل کا ہے۔ یہ اشارہ کر کے انہیں احساس ہوا کہ میں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خیانت کی ہے۔ چنانچہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس واپس آنے کے بجائے سیدھے مسجد نبوی پہنچے اور اپنے آپ کو مسجد کے ایک ستون سے باندھ لیا اور قسم کھائی کہ جب تک اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول نہ فرمائیں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے اپنے دست مبارک سے نہیں کھولیں گے، اس وقت تک اس جگہ سے نہیں ٹلوں گا اور وہ آئندہ بنو قریظہ کی سرزمین میں کبھی داخل نہیں ہوں گے۔ ادھر رسول اللہ

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی واپسی کا انتظار فرما رہے تھے لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سیدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے معاملہ کی تفصیلات کا علم ہوا تو فرمایا: ''اگر وہ میرے پاس آ جاتا تو میں اس کے لیے استغفار کرتا، لیکن جب وہ خود ایسا کام کر بیٹھا ہے تو اب میں بھی اسے نہیں کھول سکتا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالے۔'' (ابن ہشام: ۲/ ۲۳۶، عیون الاثر: ۲/ ۱۰۶، البدایہ والنہایہ: ۴/ ۱۱۹)

سیدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے اس اشارہ کے باوجود بنو قریظہ نے ہتھیار ڈالنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کے سوا اب ان کے پاس اور کوئی چارہ کار بھی نہیں تھا کیونکہ اپنے رئیس کی وہ تینوں تجاویز نامنظور کر چکے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ جو فیصلہ آپ مناسب سمجھیں کریں، ہمیں منظور ہے حالانکہ وہ ایک طویل عرصے تک محاصرہ برداشت کر سکتے تھے۔ کیونکہ ان کے پاس خورد ونوش کا سامان وافر مقدار میں موجود تھا۔ پانی کے چشمے اور کنویں تھے۔ مضبوط قلعے تھے اور دوسری طرف مسلمان کھلے میدان میں شدت کی سردی میں بھوک کی سختیاں جھیل رہے تھے اور جنگ خندق کی تھکن اور تکان سے چور تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب اور ہیبت ڈال دی تھی۔ محاصرہ کے دوران ان کے حوصلے دن بدن ٹوٹتے جا رہے تھے۔ ان کے حوصلوں کی شکستگی اس وقت انتہا کو پہنچ گئی جب سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، علم بردار لشکر اسلام اور سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے پیش قدمی فرمائی اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے گرجدار آواز میں یہ اعلان کیا کہ ''ایمان کے فوجیو! خدا کی قسم، اب میں بھی یا تو وہی مزہ چکھوں گا جو حمزہ رضی اللہ عنہ نے چکھا یا ان کا قلعہ فتح کر کے رہوں گا۔'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے عزم دار جملے سن کر بنو قریظہ اور بھی سہم گئے اور انہوں نے جلد ہی اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے کر دیا۔ (عیون الاثر: ۲/ ۱۰۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے محمد ابن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی زیر نگرانی ان سب کے ہاتھ باندھ دیئے گئے اور عورتوں اور بچوں کو مردوں سے الگ کر دیا گیا۔ قبیلہ اوس کے بعض حضرات نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو قینقاع کے ساتھ جو سلوک فرمایا تھا، ان پر احسان فرما کر ان کے ساتھ بھی وہی سلوک کریں۔ بنو قینقاع ہمارے بھائی خزرج کے حلیف تھے اور یہ لوگ ہمارے حلیف ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''کیا آپ لوگ اس پر راضی نہیں کہ ان کے متعلق آپ ہی کا ایک آدمی فیصلہ کرے؟'' انہوں نے کہا کیوں نہیں؟ آپ نے فرمایا: ''یہ معاملہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا جاتا ہے۔'' اوس کے لوگوں نے کہا ہم اس پر راضی ہیں کہ جو وہ فیصلہ کر دیں وہ ہمیں منظور ہے۔ (زرقانی: ۲/ ۱۳۳)

Marfat.com

اس کے بعد آپ ﷺ نے سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا۔ وہ زخمی ہونے کے باعث اس لشکر میں تشریف نہیں لائے تھے۔ چنانچہ انہیں مدینہ طیبہ سے ایک گدھے پر سوار کر کے سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں لایا گیا۔ جب وہ قریب پہنچے تو ان کے قبیلے کے لوگوں نے انہیں دونوں طرف سے گھیر لیا اور کہنے لگے! ''سعد اپنے حلیفوں کے بارے میں احسان سے کام لیجیے گا۔ نبی اکرم ﷺ نے آپ کو اسی لیے حکم بنایا ہے کہ آپ ان سے حسن سلوک کریں، لیکن سیدنا سعد رضی اللہ عنہ ان کی باتیں سن کر بالکل خاموش تھے، انہیں کوئی جواب نہیں دے رہے تھے۔ جب لوگوں نے مطالبہ کی بھرمار کر دی تو بولے: ''اب وقت آ گیا ہے کہ سعد کو اللہ کے بارے میں کسی ملامت گر کی پروانہ ہو۔'' سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کے منہ سے یہ بات سن کر بعض لوگ اسی وقت مدینہ طیبہ آ گئے اور انہوں نے بنو قریظہ کی موت کی خبر پھیلا دی۔

(ابن ہشام: ۲/ ۲۳۹، عیون الاثر: ۲/ ۱۰۸)

سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جب رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے تو آپ نے فرمایا اپنے سردار کی تعظیم کے لیے اٹھو۔ چنانچہ لوگوں نے اٹھ کر انہیں سواری سے اتارا۔ آپ نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ''یہ لوگ تمہارے فیصلہ پر رضا مند ہوئے ہیں۔'' سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: ''کیا میرا فیصلہ ان پر نافذ ہوگا؟'' لوگوں نے کہا: ''جی ہاں۔'' انہوں نے کہا مسلمانوں پر بھی؟ لوگوں نے کہا ان پر بھی نافذ ہوگا۔ پھر فرمایا: اور جو یہاں بیٹھے ہیں، ان پر بھی؟ ان کا اشارہ سرکار دو عالم ﷺ کی طرف تھا۔ لیکن تعظیم اور ادب کے سبب چہرہ دوسری طرف کر رکھا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں مجھ پر بھی۔'' اس کے بعد سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرا فیصلہ ان کے بارے میں یہ ہے کہ ''ان کے لڑنے والے مرد قتل کر دیئے جائیں، عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا جائے اور ان کا تمام مال و اسباب مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے۔'' آپ ﷺ نے یہ فیصلہ سن کر ارشاد فرمایا: ''تم نے ان کے بارے میں وہی فیصلہ کیا جو سات آسمانوں کے اوپر سے اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا فیصلہ بالکل صحیح فیصلہ تھا اور تورات کے فیصلہ کے مطابق تھا۔ (استثناء، باب ۲۰)

کیونکہ بنو قریظہ نے مسلمانوں کے ساتھ اس وقت عہد شکنی کی جب وہ نازک ترین لمحات میں سے گزر رہے تھے۔ علاوہ ازیں انہوں نے مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے ڈیڑھ ہزار تلواریں، دو ہزار نیزے، تین سو زرہیں اور پانچ سو ڈھالیں مہیا کر رکھی تھیں۔ جن پر مسلمانوں نے فتح کے بعد قبضہ کیا۔ پھر جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ اسلامی علم لے کر بنو قریظہ گئے تو بجائے اس کے کہ بنو

Marfat.com

قریظہ کو اپنے پیمان شکنی کے جرم کا احساس ہوتا، انہوں نے سرکار دو عالم ﷺ کو کھلم کھلا دشنام طرازی شروع کر دی جو بذاتِ خود ایک ناقابل عفو جرم تھا۔

سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے فیصلہ سنا دیا۔ اس فیصلہ کے بعد رسول اللہ ﷺ کے حکم پر بنو قریظہ کو مدینہ لا کر بنو نجار کی ایک عورت، جو حارث کی بیٹی تھیں، کے مکان میں قید کر دیا گیا اور مدینہ کے بازار میں خندقیں کھودی گئیں۔ بعد ازاں دو دو چار چار کو مکان سے نکالا جاتا اور خندقوں میں لا کر ان کی گردنیں ماردی جاتیں۔

کارروائی شروع ہونے کے تھوڑی دیر بعد باقی ماندہ قیدیوں نے اپنے سردار کعب بن اسد سے دریافت کیا کہ آپ کا کیا اندازہ ہے کہ ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ اس نے جواب دیا: ''تم لوگ اتنے ہی بیوقوف ہو۔ تمہیں کوئی سمجھ بوجھ نہیں؟ دیکھتے نہیں کہ پکارنے والا رک نہیں رہا اور جانے والا واپس نہیں آ رہا۔ واللہ! یہ ہمیں قتل کیا جا رہا ہے۔'' بہرحال ان سب کی گردنیں مار دی گئیں۔ ان کی تعداد چھ سات سو کے درمیان تھی۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں ان کی تعداد چار سو بتائی گئی ہے۔ (زرقانی: ۲/ ۱۳۷، عیون الاثر: جلد۲)

اس کارروائی کے بعد ان آستین کے سانپوں کا مکمل خاتمہ ہو گیا جو ہر آڑے وقت میں مسلمانوں اور اسلام کو نقصان پہنچانے کے درپے رہتے تھے۔

بنو قریظہ کی اس تباہی میں سب سے زیادہ ہاتھ بنو نضیر کے رئیس حیی ابن اخطب کا تھا۔ اسی نے کعب بن اسد کو معاہدہ توڑنے کے لیے زور دیا تھا۔ کعب بن اسد بھی مارا گیا اور حیی بن اخطب بھی اپنے کیفر کردار کو پہنچا۔ یہ شخص سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا ام المومنین کا والد تھا۔ قریش اور غطفان کی واپسی کے بعد جب رسول اللہ ﷺ نے بنو قریظہ کا محاصرہ کیا تو یہ بھی بنو قریظہ کے ساتھ قلعہ بند ہو گیا۔ کیونکہ جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بتایا گیا ہے کہ غزوہ خندق کے موقع پر جب یہ شخص کعب بن اسد کو عہد شکنی پر آمادہ کرنے کے لیے آیا تھا اس نے وعدہ کیا تھا کہ اگر قریش اور بنو غطفان مسلمانوں کا مکمل استیصال کیے بغیر واپس چلے گئے تو میں اپنے آپ کو آپ لوگوں کے سپرد کر دوں گا۔ اب وہ اپنے اسی وعدہ و پیمان کو نباہ رہا تھا۔ اسے جس وقت قتل کرنے کے لیے خدمت نبوی میں پیش کیا گیا تو وہ ایک جوڑا زیب تن کیے ہوئے تھا جسے اس نے خود ہی ہر جانب سے ایک ایک انگلی پھاڑ رکھا تھا تاکہ اسے مال غنیمت میں نہ رکھوا لیا جائے۔ اس کے دونوں ہاتھ گردن کے پیچھے رسی سے بندھے ہوئے تھے۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے کہا: ''واللہ! میں اپنے نفس کو آپ کی دشمنی کی بارے میں ملامت نہیں کرتا، لیکن حق یہ ہے کہ

Marfat.com

خدا جس کی مدد نہ کرے اس کا کوئی مددگار نہیں ہوتا۔" پھر اس نے لوگوں کی طرف دیکھ اور کہا "لوگو! اللہ تعالیٰ کے فیصلے میں کوئی حرج نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لیے جو سزا مقرر کی تھی اور جو مصیبت ان کے لیے لکھ دی تھی، وہ پوری ہوئی۔" اس کے بعد وہ بیٹھ گیا اور اس کی گردن بھی مار دی گئی۔"

عورتوں میں سوائے ایک عورت کے اور کسی کو قتل نہیں کیا گیا۔ اس نے سیدنا خلاد بن سوید رضی اللہ عنہ پر چھت سے چکی کا پاٹ گرا کر انہیں شہید کیا تھا۔ اس کے قصاص میں اسے قتل کیا گیا۔ مورخین نے اس عورت کا نام "بنانہ" لکھا ہے اور جو صحابی سیدنا خلاد بن سوید رضی اللہ عنہ شہید ہوئے ان کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ان کو دو شہیدوں کا ثواب ملا۔"

(عیون الاثر: ۲ : ۱۰۱، ابن ہشام: ۲ : ۲۴۰۔۲۴۲)

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تھا کہ جس کے زیر ناف بال آچکے ہوں، اسے قتل کر دیا جائے۔ ان میں ایک نوجوان عطیہ بھی تھے۔ ان کو ابھی بال نہ آئے تھے، لہٰذا انہیں زندہ چھوڑ دیا گیا۔ چنانچہ وہ مسلمان ہو گئے۔ (عیون الاثر: ۲ : ۱۱۱)

چند اور حضرات نے بھی اسی رات ہتھیار ڈالنے کی کارروائی سے قبل اسلام قبول کر لیا تھا لہٰذا وہ بھی اپنے مال و اسباب کے ساتھ محفوظ رہے۔

سیدنا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت میں گزارش کی کہ زبیر بن باطا اور اس کے اہل و عیال کو میرے لیے ہبہ کر دیا جائے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ زبیر نے سیدنا ثابت رضی اللہ عنہ پر کچھ احسانات کیے ہوئے تھے اور وہ اس طرح ان کے احسانات کا بدلہ چکانا چاہتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی گزارش منظور فرمالی اور زبیر اور اس کے اہل و عیال انہیں دے دیئے گئے۔ سیدنا ثابت رضی اللہ عنہ نے زبیر سے کہا کہ اب میں تمہیں اور تمہارے اہل و عیال کو آزاد کرتا ہوں۔ لیکن جب زبیر کو معلوم ہوا کہ اس کی قوم قتل کر دی گئی ہے تو اس نے کہا: "ثابت! میں تمہیں اپنے احسانات کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ مجھے بھی میرے دوستوں کے پاس پہنچا دو۔" چنانچہ اس کی گردن بھی مار کر اس کی قوم کے پاس پہنچا دیا گیا۔ البتہ سیدنا ثابت رضی اللہ عنہ نے زبیر بن باطا کے ایک لڑکے عبدالرحمن کو زندہ رکھا جو اسلام لا کر صحابیت کے شرف سے مشرف ہوئے۔

(عیون الاثر: ۲ : ۱۱۱)

بنو قریظہ کے اموال کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خمس نکال کر لشکر اسلامی میں تقسیم فرما دیا۔ شہسوار کو تین حصے دیئے۔ ایک حصہ اس کا اور دو گھوڑے کے اور پیادہ کو ایک حصہ دیا۔ قیدیوں

Marfat.com

اور بچوں کو سیدنا سعد بن زید انصاری رضی اللہ عنہ کی زیرِ نگرانی نجد بھیج کر ان کے عوض گھوڑے اور ہتھیار خریدے۔ (زرقانی: ۲/ ۱۳۷، عیون الاثر: ص ۱۱۲)

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان کیا گیا ہے کہ سیدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہ ستون سے بندھے ہوئے تھے۔ صرف نماز اور قضائے حاجت کے لیے کھول دیے جاتے تھے، نہ کھاتے تھے، نہ پیتے تھے۔ صرف یہی بات وردِ زبان تھی کہ میں اسی طرح رہوں گا یہاں تک کہ مر جاؤں یا اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول فرمائیں۔ چھ رات دن سے مسلسل ستون سے بندھے ہوئے تھے۔ چھ روز کے بعد سحر کے وقت ان کی توبہ قبول ہوئی۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں تشریف فرما تھے۔ خود سیدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے حجرے کے دروازہ پر کھڑے ہو کر مجھ سے کہا: ''ابولبابہ! مبارک ہو، اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول فرما لی۔'' یہ سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انہیں کھولنے کے لیے دوڑے لیکن ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میں قسم کھا چکا ہوں کہ جب تک ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اپنے دستِ مبارک سے مجھے نہیں کھولیں گے، اس وقت تک نہ کھولوں گا۔'' چنانچہ جب آپ نمازِ صبح کے لیے تشریف لائے تو خود اپنے دستِ مبارک سے ان کو کھولا۔ (زرقانی: ۲/ ۱۳۶)

سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی شہادت:

جب بنو قریظہ کا کام تمام ہو چکا تو سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ رئیس اوس کی اس دعا کی قبولیت کے ظہور کا وقت آ گیا جس کا ذکر ہم نے غزوہ خندق میں کیا ہے۔ انہوں نے اللہ سے دعا کی تھی کہ

''اے اللہ! اس وقت تک مجھے موت نہ دینا جب تک کہ بنو قریظہ کی ذلت و رسوائی سے میری آنکھیں ٹھنڈی نہ ہو جائیں۔''

حبان بن عبد مناف نے انہیں ایک تیر مارا تھا جس سے ان کی ہفت اندام کٹ گئی اور اس نے نہایت جوش میں کہا ''میں عرقہ کا بیٹا ہوں۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنا تو فرمایا: ''خدا اس کا چہرہ دوزخ میں غرق کرے۔''

اس کے بعد مسجدِ نبوی میں ایک خیمہ لگایا گیا اور رفیدہ اسلمیہ کو ان کی خدمت پر مامور کیا گیا۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ اس خیمہ میں رہتے تھے اور سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزانہ ان کی عیادت کو تشریف لاتے۔

Marfat.com

بنو قریظہ کے بارے میں جو فیصلہ سنایا گیا اس کے بعد کچھ دنوں تک زندہ رہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود زخم کو داغا۔ عارضی طور پر خون بند ہو گیا لیکن ایک روز اچانک ان کا زخم پھٹ اور اس زور سے خون جاری ہوا کہ مسجد نبوی سے گزر کر بنی غفار کے خیموں تک پہنچا۔ لوگوں کو یہ خون دیکھ کر بڑی تشویش ہوئی۔ انہوں نے پوچھا یہ کیا بہہ کر آ رہا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ سعد رضی اللہ عنہ کا زخم پھٹ گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو سخت گھبرائے ہوئے مسجد میں تشریف لائے۔ دیکھا تو سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ نعش کو آغوش مبارک میں لے کر بیٹھے۔ خون برابر بہہ رہا تھا۔ لوگ جمع ہونا شروع ہو گئے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نعش کو دیکھ کر چیخ ماری۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے روک کر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔

جنازہ روانہ ہوا تو سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ تھے۔ فرمایا ان کے جنازہ میں ستر ہزار فرشتے شریک ہیں جو اس سے قبل کبھی آسمان سے نازل نہ ہوئے تھے۔

(روض الانف ۲ ۲۳۹، عیون الاثر ۲ ۷۲)

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی موت سے اللہ کا عرش ہل گیا ہے۔ (بخاری ۱: ۵۳۶، مسلم ۲: ۲۹۴، ترمذی ۲: ۲۲۵)

ایک اور روایت میں ہے کہ آسمان کے تمام دروازے ان کے لیے کھول دیے گئے اور آسمانوں کے فرشتے ان کی روح کے چڑھنے سے مسرور ہوئے۔ (فتح الباری ۷: ۹۳)

ایک انصاری کا یہ فخریہ شعر ہے ۔

وما اهتز عرش الله من موت هالك

سمعنا به الا لسعد ابی عمرو

”یعنی کسی مرنے والے کی موت پر اللہ کا عرش نہیں ہلا مگر سعد بن ابی عمرو کی موت پر۔“ (عیون الاثر: جلد۲)

امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ دفن کے بعد ان کی قبر سے مشک کی خوشبو آتی تھی۔

(روض الانف ۲ ۲۳۹)

امام ترمذی نے روایت کیا ہے کہ جب سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا جنازہ اٹھایا گیا تو منافقین نے کہا کہ ان کا جنازہ کس قدر ہلکا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اسے فرشتے اٹھائے ہوئے تھے۔“ (ترمذی ۲: ۲۲۵، عیون الاثر ۲ ۱۱۲، ابن ہشام ۲ ۲۵)

یہ غزوہ ذی قعدہ میں پیش آیا۔ بنو قریظہ کا قریباً 25 روز تک محاصرہ قائم رہا۔ جنگ

Marfat.com

خندق اور اس غزوہ بنو قریظہ کا چونکہ چولی دامن کا ساتھ ہے یعنی غزوہ بنو قریظہ، غزوہ خندق کا تتمہ ہے۔ اس لیے سورہ احزاب میں بہت سی آیات اس بارے میں بھی نازل ہوئیں، جن میں ان دونوں غزوات کی اہم جزئیات اور کیفیات پر تبصرہ فرمایا گیا۔

مدینہ سے کفار کی ناکام واپسی اور بنو قریظہ کے اس انجام سے مسلمانوں کو ایک گونہ تسکین ہو گئی۔ منافقین مرعوب ہو گئے اور عرب کے گھر گھر میں مسلمانوں کی شوکت وعظمت کے چرچے ہونے لگے۔ اب قریش یہ سوچنے لگے کہ رسول اکرم ﷺ اور ہم آخر ایک دوسرے کے قرابت دار ہیں، اگر ان سے تنازع ختم کر دیا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ جبکہ ان کے رفقاء جو مہاجرین ہیں، وہ بھی انہی کے اکابر اور تعلق دار ہیں، گویا اب انہوں نے نئی لائنوں پر غور و فکر شروع کیا۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ:

بعض حضرات بنو قریظہ کے مردوں کے قتل کے بارے میں جو فیصلہ کیا گیا تھا اس پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ آپ ﷺ کا بزاخت فیصلہ تھا۔ اس کا آسان ترین جواب یہ ہے کہ وہ چونکہ یہودی تھے تو آپ نے ان کی شریعت موسویہ کے مطابق فیصلہ کیا تھا۔ اور اعتراض کرنے والوں کو پتہ ہونا چاہیے کہ شریعت موسوی میں ایسے لوگوں کے بارے میں یہی فیصلہ ہے۔ چنانچہ تورات میں مرقوم ہے:

''جب تو کسی شہر سے جنگ کرنے کو اس کے نزدیک پہنچے تو پہلے اسے صلح کا پیغام دینا اور اگر وہ تجھ کو صلح کا جواب دے اور اپنے پھاٹک تیرے لیے کھول دے تو وہاں کے سب باشندے تیرے باجگذار بن کر تیری خدمت کریں۔ اور اگر وہ تجھ سے صلح نہ کرے بلکہ تجھ سے لڑنا چاہیں تو تو ان کا محاصرہ کرنا اور جب خداوند تیرا خدا اسے تیرے قبضہ میں کر دے تو وہاں کے ہر مرد کو تلوار سے قتل کر ڈالنا لیکن عورتوں اور بال بچوں اور چوپایوں اور اس شہر کے سب مال اور لوٹ کو اپنے لیے رکھ لینا اور تو اپنے دشمنوں کی اس لوٹ کو جو خداوند تیرے خدا نے تجھے دی ہو، کھانا۔''

(کتاب استثناء: باب ۲۰، آیت: ۱۰-۱۴)

اور خود موسیٰ علیہ السلام نے بھی مدیانیوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا تھا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو کتاب گنتی: باب ۳۱، آیت ۷ تا ۱۰)

Marfat.com

واقعاتِ متفرقہ:

① اسی سال سیدنا بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ اپنی قوم بنو مزنیہ کے چار سو افراد کا وفد لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے، ان میں نعمان بن مقرن بن عائذ مزنی اور خزاعی بن عبد نہم بن عفیف مزنی کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ سب حضرات سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک پر مشرف با سلام ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنے علاقہ میں واپس جانے کی اجازت مرحمت فرمائی اور فرمایا: ''تم کہیں بھی رہو تمہیں مہاجرین ہی میں داخل سمجھا جائے گا۔'' چنانچہ یہ حضرات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت سے اپنے گھروں کو واپس لوٹ گئے۔

سیدنا بلال بن حارث رضی اللہ عنہ قبیلہ مزنیہ کے سب سے پہلے مسلمان ہیں۔ فتح مکہ کے روز بنو مزنیہ کا جھنڈا انہی کے ہاتھ میں تھا اور انہی کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وادی عقیق کی جاگیر عطا فرمائی تھی۔ سیدنا بلال بن حارث رضی اللہ عنہ کی دوبارہ حاضری سیدنا ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی حاضری کے ساتھ ہوئی۔

② سیدہ زینب بن جحش رضی اللہ عنہا کا نکاح بھی اسی سال سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہوا۔ اس سے قبل سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا تھا۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متبنیٰ تھے اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ ان کی والدہ کا نام امیمہ بنت عبدالمطلب تھا۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ چونکہ غلام رہ چکے تھے اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا قریش کے اعلیٰ گھرانے کی بیٹی تھی، اس وجہ سے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو یہ نسبت ناپسند تھی، لیکن تعمیل ارشاد کے لیے راضی ہوگئیں۔ یہ قریباً ایک سال تک سیدنا زید رضی اللہ عنہ کے نکاح میں رہیں لیکن دونوں میاں بیوی میں شروع ہی سے تعلقات میں کھچاؤ تھا۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت میں اس شکر رنجی کی شکایت کی اور عرض کیا کہ میں زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دینا چاہتا ہوں، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زید رضی اللہ عنہ کو بار بار طلاق دینے سے منع فرماتے۔ قرآن حکیم نے بھی سورہ احزاب میں اس کا ذکر کیا ہے۔ آخر کار سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے انہیں طلاق دے دی۔

جب وہ مطلقہ ہوگئیں تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی دل جوئی کے لیے خود ان سے نکاح کر لینا چاہا، لیکن اس زمانہ میں عرب میں دستور یہ تھا کہ متبنیٰ اصلی بیٹے کے برابر سمجھا جاتا تھا، اس لیے اس کی مطلقہ سے نکاح جائز نہیں سمجھتے تھے۔ اس وجہ سے آپ ... بارے

Marfat.com

میں تامل فرماتے تھے۔ لیکن چونکہ یہ رسم جاہلیت کی رسم تھی اور نگاہ شریعت میں اس کا مٹانا ضروری تھا، اس لیے قرآن نے سورۂ احزاب میں کہا:

''اور تم لوگ اپنے دل میں وہ بات چھپاتے ہو جس کو خدا ظاہر کر دینے والا ہے اور تم لوگوں سے ڈرتے ہو حالانکہ صرف خدا سے ڈرنا چاہیے۔''

خلاصہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیا اور جاہلیت کی ایک قدیم رسم کو ختم کر دیا۔ منافقین نے آپ کے خلاف اس بارے میں بہت پراپیگنڈہ کیا، لیکن انہیں خائب و خاسر ہونا پڑا۔ اسی نکاح کے بارے میں سورۃ احزاب کی مشہور آیت ''خاتم النبیین'' نازل ہوئی۔

⑦ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا ہی کے ولیمہ میں آیت حجاب نازل ہوئی کہ ''کوئی عورت ایسے شخص کے سامنے نہ آئے جس سے اس کا نکاح جائز ہو۔''

اب تک مسلمان عورتیں عام جاہلانہ طریقہ سے چلتی پھرتی تھیں اور اسی قسم کے لباس اور زیور پہنتی تھیں جن سے جاہلیت اولیٰ ٹپکتی تھی۔ حکم ہوا کہ شریف عورتیں گھر سے نکلیں تو ایک بڑی چادر اوڑھ کر گھونگھٹ نکال لیا کریں۔ آنچل سینہ پر ڈال کر چلیں۔ پردہ کی اوٹ سے کلام کیا کریں۔ کلام میں تکلف اور تصنع نہ ہو۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے لیے غیر مردوں کے سامنے آنا ممنوع قرار دے دیا گیا۔ مردوں کو بھی کہا گیا:

﴿واذا سالتموھن فاسئلوھن من وراء الحجاب﴾

''جب تم ان سے کوئی سوال کرو تو پردے کے پیچھے سے کرو۔''

اس آیت کو آیت حجاب کہتے ہیں۔

Marfat.com

سنہ 6ھ

سریہ محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ:

غزوہ احزاب اور غزوہ بنو قریظہ کے بعد یہ پہلا سریہ ہے جس کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھیجا۔ 10 محرم الحرام سنہ 6ھ کو سرور کائنات نے تیس سواروں کے ایک مختصر دستہ کو محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کی قیادت میں نجد کے اندر بکرات کے علاقہ میں ضریہ کے آس پاس قرطاء نامی بستی میں بھیجا۔ زرقانی نے لکھا ہے کہ ضریہ اور مدینہ کے مابین سات دن کا راستہ ہے۔ (زرقانی: ۲/۱۴۴) اور اس دستہ کا ہدف بنو بکر بن کلاب کی ایک شاخ تھی۔ مسلمانوں نے جا کر ان پر چھاپہ مارا تو دشمن کے تمام لوگ بھاگ گئے، لیکن پھر بھی دس آدمی قتل ہوئے۔ ڈیڑھ سو اونٹ اور تین ہزار بکریاں مال غنیمت میں ہاتھ آئیں۔ ان سب کو ہانک کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ 19 روز کے بعد یعنی 29 محرم سنہ 6ھ کو یہ لوگ مدینہ طیبہ پہنچے۔ خمس نکال کر باقی تمام مال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجاہدین میں تقسیم فرما دیا۔ غنیمت کی تقسیم میں ایک اونٹ کو دس بکریوں کے برابر قرار دیا گیا۔ (طبقات: ۲/۵۶)

یہ لوگ بنو حنیفہ کے سردار ثمامہ بن اثال کو بھی گرفتار کر کے لے آئے۔ وہ مسیمہ کذاب کے حکم سے بھیس بدل کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کی نیت سے نکلا تھا۔ (سیرۃ حلبیہ ۲/۲۹۷) لیکن مسلمانوں نے اسے راستہ میں گرفتار کر لیا اور مسجد نبوی کے ایک ستون سے باندھ دیا۔ مسجد کے ستون کے ساتھ اس لیے باندھا تھا تاکہ پانچ وقت بارگاہ خداوندی میں مسمانوں کے عجز و نیاز کا نظارہ کریں اور مسلمانوں کے اس عمل کو دیکھ کر آخرت کی طرف راغب ہوں۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ثمامہ کے پاس سے گزرے تو فرمایا: ''ثمامہ میری نسبت تمہار

Marfat.com

کیا گمان ہے؟ ثمامہ نے کہا: ''میرا گمان آپ ﷺ کی نسبت اچھا ہی ہے۔ اگر آپ مجھے قتل کریں تو آپ ایک خونی کو قتل کریں گے، اگر آپ احسان فرمائیں تو ایک شکر گزار اور قدر دان پر احسان فرمائیں گے۔ اگر مال کی خواہش ہے تو جتنا چاہیں حاضر ہے۔''

سرکار دو عالم ﷺ یہ سن کر خاموش گزر گئے۔ دوسرے روز پھر آپ گزرے تو ثمامہ نے پہلا اور تیسرا جملہ حذف کر دیا اور صرف اتنا جواب دیا: ''اگر احسان فرمائیں تو ایک قدر دان اور شکر گزار پر احسان ہوگا؟'' حضور ﷺ پھر خاموش گزر گئے۔ تیسرے روز پھر گزرے تو وہی سوال فرمایا۔ ثمامہ نے اب کی بار دوسرے جملہ کو بھی حذف کر دیا اور اپنا معاملہ آپ کے خلق عظیم اور عفو جمیل پر چھوڑ دیا۔ رحمت عالم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ''ثمامہ کو آزاد کر دو۔'' محمد ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ خود آپ ﷺ نے ثمامہ سے فرمایا:

''ثمامہ میں نے تجھ کو معاف کیا اور آزاد کیا۔''

ثمامہ جونہی رہا ہوا، مسجد نبوی کے قریب ایک نخلستان میں گیا، غسل کیا اور پھر مسجد میں آیا اور مشرف با سلام ہو گیا۔ پھر اس نے آپ ﷺ سے کہا: ''محمد ﷺ! اس سے قبل روئے زمین پر کوئی چہرہ آپ کے چہرے سے زیادہ مبغوض نہ تھا، لیکن اب روئے زمین کے سب چہروں سے زیادہ محبوب ہے اور خدا کی قسم! روئے زمین پر کوئی دین آپ کے دین سے زیادہ مبغوض نہ تھا لیکن اب آپ کا دین دوسرے تمام ادیان سے زیادہ محبوب ہو گیا ہے اور آپ کے شہر سے زیادہ کوئی شہر مجھے مبغوض نہ تھا اور آج آپ کا شہر تمام شہروں سے زیادہ محبوب ہو گیا ہے۔ آپ کے سواروں نے مجھے اس حالت میں گرفتار کیا کہ میں عمرہ کا ارادہ کر رہا تھا، اب جو ارشاد ہوگا۔'' آپ نے فرمایا کہ عمرہ کریں۔

جب ثمامہ رضی اللہ عنہ مکہ آئے تو کسی کافر نے کہا: ''ثمامہ تو بے دین ہو گیا۔'' ثمامہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''بالکل غلط، میں تو محمد ﷺ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا ہوں۔ اس لیے کہ کفر و شرک کوئی دین نہیں بلکہ ایک لغو اور بے ہودہ خیال ہے اور خدا کی قسم، میں کبھی بھی تمہارے مذہب کی طرف رجوع نہیں کروں گا۔'' پھر فرمایا: ''سنو! خدا کی قسم، یمامہ سے جو غلہ تمہارے پاس آتا ہے، اب ایک دانہ بھی تمہارے پاس نہ آئے گا جب تک کہ رسول اللہ ﷺ اجازت نہ فرمائیں۔'' چنانچہ ثمامہ رضی اللہ عنہ نے وطن پہنچ کر غلہ کا آنا بالکل بند کر دیا۔ یمامہ مکہ کے لیے کھیت کی حیثیت رکھتا تھا۔ غلہ کے بند ہونے سے قریش سخت پریشان ہوئے، مجبور ہو کر انہوں نے آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں ایک عریضہ لکھا کہ آپ تو صلہ رحمی کا سبق دیتے ہیں اور ہم آپ کے رشتہ دار ہیں، ہم پر رحم فرمائیں

Marfat.com

اور ثمامہ رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجیں کہ غلہ کی روانگی بند نہ کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ثمامہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ غلہ نہ روکیں۔

(فتح الباری: ۸/ ۶۸، زادالمعاد: ۲/ ۱۱۹، عیون الاثر: ۲/ ۱۱۸، دلائل النبوۃ بیہقی: ۴/ ۷۸، مسلم حدیث: ۱۷۶۴)

سیدنا ثمامہ رضی اللہ عنہ نہایت جلیل القدر صحابہ میں سے ہوئے ہیں۔ ان کی وجہ سے تین ہزار آدمی مسیلمہ کذاب کا ساتھ چھوڑ کر اسلام کے حلقہ میں آ گئے۔ (زرقانی: ۲/۱۴۴) مسیلمہ کذاب نے جب نبوت کا دعویٰ کیا تو آپ نے ان لوگوں کو بہت سمجھایا جو اسلام چھوڑ کر مسیلمہ کے ساتھ مل گئے تھے، لیکن جب انہوں نے ان کی بات نہ مانی تو سیدنا ثمامہ رضی اللہ عنہ نے اس شہر کو چھوڑ دیا۔

غزوہ بنولحیان:

بنولحیان وہی قبیلہ ہے جس نے رجیع کے مقام پر دس رضی اللہ عنہم جن میں سیدنا خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ بھی تھے، گھیر کر شہید کر دیا تھا اور دو کو قریش مکہ کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا، جہاں انہیں بے دردی اور سفاکی سے قتل کر دیا گیا۔ بنولحیان کا علاقہ حدود مکہ سے قریب اور مدینہ سے بہت دور تھا۔ اس لیے اتنی دور جا کر دشمن پر حملہ کرنا جنگی نقطہ نگاہ سے مناسب نہیں تھا۔ پھر اس قبیلہ کے قریش کے ساتھ بھی گہرے روابط تھے، لیکن جب جنگ احزاب میں قریش کی کمر ہمت ٹوٹ گئی اور مختلف قبائل میں پھوٹ پڑ گئی اور مسلمانوں کا رعب قبائل کے دلوں میں بیٹھ گیا تو اب آپ خود ربیع الاول یا جمادی الاولیٰ سنہ 6ھ میں دو سو صحابہ رضی اللہ عنہم کی جمعیت کے ہمراہ اپنے مقتول صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بدلہ لینے کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ نے مدینہ کا انتظام سیدنا عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمایا اور خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جمعیت کے ساتھ امج اور عسفان کے درمیان بطن غران نامی ایک وادی میں، جہاں آپ کے ان آٹھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شہید کیا گیا تھا پہنچے، ان کے لیے رحمت کی دعائیں فرمائیں۔

بنولحیان کو جب آپ کی آمد کی اطلاع ملی تو وہ پہاڑوں میں جا کر چھپ گئے اور کوئی آدمی بھی مسلمانوں کے ہاتھ نہ لگا۔ آپ نے دو روز یہاں قیام فرمایا اور اس کے اردگرد کے علاقوں میں اپنے آدمیوں کو بھیجا جن میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی تھے، ان کو بھی دس سواروں کے ساتھ دشمن کا پتہ لگانے کے لیے بھیجا، لیکن دشمن ہاتھ نہ آیا۔ آخر کار آپ چودہ روز بعد واپس

Marfat.com

مدینہ تشریف لے آئے۔

(زرقانی: ۲/ ۱۴۷، عیون الاثر: ۲/ ۱۲۴، سیرۃ ابن ہشام: ۲/ ۲۷۹۔۲۸۰، طبقات ابن سعد: ۲/ ۷۸۔۷۹)

غزوہ ذی قرد:

ذی قرد ایک چشمہ کا نام ہے جو بلاد غطفان کے قریب ہے۔ یہ مقام سرکار دو عالم ﷺ کے اونٹوں کی چراگاہ تھا۔ ایک روز عینیہ بن حصن فزار نے چالیس سواروں کے ساتھ اس چراگاہ پر حملہ کر دیا اور آپ ﷺ کے اونٹوں کو پکڑ کر لے گیا۔ سیدنا ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کے بیٹے کو جو اونٹوں کی حفاظت پر متعین تھا، قتل کر دیا اور سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ کو پکڑ کر لے گیا۔

یہ ایک بہت بڑا حادثہ تھا۔ سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ ایک نہایت جانباز اور تیر انداز صحابی تھے۔ انہیں جونہی اس بات کی خبر ملی فوراً ان کے تعاقب میں روانہ ہو گئے اور ایک ٹیلے کی چوٹی پر کھڑے ہو کر اتنے زور سے آواز لگائی کہ تمام مدینہ گونج اٹھا۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی یہ آواز سنی۔ آپ ﷺ نے فوری طور پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع ہونے کا حکم فرمایا۔

سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بڑے تیر انداز تھے۔ انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا انتظار کیے بغیر خود ہی ان کا تعاقب کیا اور ان حملہ آوروں کو پانی کے ایک چشمہ پر جا پکڑا۔ یہ ان پر تیر برساتے جاتے اور شعر پڑھتے جاتے:

انـــا ابـــن الاكـــوع والـيـــوم يـــوم الـــرضـــع

"میں ابن اکوع ہوں اور آج کے دن معلوم ہو جائے گا کہ کون کمینہ ہے اور کون شریف۔"

انہوں نے اپنی بہادری سے ان سے اپنے اونٹ چھڑا لیے اور تیس ... چادریں بھی ان سے چھین لیں۔

یہ جب دشمن کے پیچھے بھاگ رہے تھے تو بعد میں سرکار دو عالم ﷺ بھی پانچ یا سات سو مجاہدین کو ساتھ لے کر روانہ ہو گئے اور نہایت تیزی سے مسافت طے کر کے وہاں پہنچے۔ آپ اپنے روانہ ہونے سے پہلے بھی مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ، عباد بن بشر، سعد بن زید رضی اللہ عنہ، اسید بن ظہیر رضی اللہ عنہ، عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ، محرز بن نضلہ رضی اللہ عنہ، ابو قتادہ رضی اللہ عنہ اور کئی ایک اور صحابہ کو روانہ فرما چکے تھے۔ اس دستہ پر آپ نے سعد بن زید رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمایا۔ (عیون الاثر: ۲/ ۱۲۶)

Marfat.com

ان حضرات نے پہلے پہنچ کر ان کا مقابلہ کیا۔ مشرکین کے دو افراد مارے گئے اور مسلمانوں میں سے سیدنا محرز بن نضلہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ (اصابہ: ۳/ ۳۶۸، طبقات: ۲/ ۶۰)

جب آپ مجاہدین کے ساتھ پہنچے تو سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت میں عرض کی: ''میں ان کو فلاں جگہ پیاسا چھوڑ کر آیا ہوں، اگر مجھے سو آدمی مل جائیں تو سب کو پابجولاں آپ کی خدمت میں پیش کر دوں۔ آپ نے فرمایا: ''ابن اکوع! جب تو ان پر قابو پائے تو نرمی کرنا۔''

مشرکین شکست کھا کر بھاگ گئے، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن رات وہاں قیام فرما کر پانچ روز کے بعد مدینہ منورہ واپس چلے آئے۔ اس غزوہ کو ''غزوۃ الغابہ'' بھی کہتے ہیں۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ابن ہشام: ۲/ ۲۸۱۔۲۸۴، عیون الاثر: ۲/ ۱۲۵۔۱۳۰، زرقانی: ۲/ ۱۴۸۔۱۵۲، فتح الباری: ۷/ ۳۵۳۔۳۵۵ وغیرہ)

اس غزوہ کے دوران سیدنا عبداللہ بن ام مکتوم مدینہ کے عامل تھے۔

Marfat.com

معاہدۂ حدیبیہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو مکہ سے گئے ہوئے چھ سال گزر گئے۔ ان چھ سالوں میں وہ دشمن سے مدافعت کی وجہ سے مسلسل جنگوں میں مصروف رہے۔ کبھی قریش کے حملوں سے خود کو محفوظ رکھنے میں منہمک اور کبھی یہود کی دسیسہ کاریوں اور ریشہ دوانیوں سے نجات حاصل کرنے کی فکر۔ یہ سارا زمانہ ان کا مختلف پریشانیوں میں گزرا لیکن ان پریشانیوں کے باوجود اسلام کی دعوت ہر طرف پھیلتی گئی اور اس کے حامیوں میں قوت و استقلال بڑھتا گیا اور اس کی دعوت کے سیلاب کے سامنے مشرکین اور کافروں کا ہر بند مسمار ہو گیا۔

ہجرت کے پہلے سال نمازوں میں بیت المقدس کے بجائے مسجد الحرام کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا، یعنی مسلمانوں کے لیے اس کو قبلہ نما بنایا گیا۔ پھر یہ کعبہ جو مکہ میں تھا اس کی تعمیر میں آپ نے لڑکپن اور جوانی میں حصہ لیا۔ اس کے حجر اسود کو اپنے ہاتھ سے رکھا۔ مکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مہاجر ساتھیوں کا آبائی وطن بھی تھا۔ یہیں یہ حضرات پیدا ہوئے تھے، یہیں ان کا بچپن اور جوانی گزری اور بعض حضرات نے تو اپنے بڑھاپے کی بھی کچھ منازل یہیں طے کیں۔ یہ شہر ان کے ساتھ ایک روحانی تعلق بھی رکھتا تھا۔ یہ ان کا مرکز ایمان تھا، اطمینان گاہِ روح و جان تھا۔ یہ خدا کی وہ تجلی گاہ تھا جس کی زیارت کے لیے کئی ہزار سال قبل سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے تمام انسانی سعید روحوں کو دعوت عام دی تھی۔ یہ وہ شہر تھا جہاں خدا کی سعید روحیں ہر سال حاضر ہو کر بیت عتیق کا طواف اور اس کی زیارت کر کے سعادت ابدی کی دستاویز حاصل کرتی تھیں۔ اس قرار گاہ روح میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تیرہ سال تک وحی آتی رہی اس لحاظ سے یہ مہبط ایمان بھی تھا اور اس کی زیارت کا شوق فطرۃ ایمانی کا جزو لاینفک تھا۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ باوجود اس بات کے کہ یہ ان کا آبائی وطن نہیں تھا بلکہ وہ ایک غلام کی حیثیت سے مکہ مکرمہ آئے تھے، ایمان لائے تو مکہ کا ایک ایک گھرانہ ان کا جانی دشمن ہو گیا۔ انہیں اتنی تکلیفیں

Marfat.com

دی گئیں کہ ان کو لکھتے ہوئے قلم کا سینہ شق ہو جاتا ہے، لیکن مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے بعد ایک عرصہ تک ان کی یہ حالت رہی کہ جب کبھی مکہ کا خیال آتا تو موسلا دھار بارش کی طرح آنسو گرنے شروع ہو جاتے۔ یہ ایمانی تعلق کی وجہ سے تھا جو ہر مومن کو اللہ کے اس گھر اور پیغمبر اسلام کے اس پیدائشی شہر سے ہے۔ سیرت کی کتابوں میں ہے کہ ایک مرتبہ بیمار ہوئے تو لوگوں نے سنا کہ یہ شعر گنگنا رہے ہیں، جس کا مطلب یہ ہے:

''کاش میں جان لیتا کہ پھر کبھی ایسا ہو گا کہ میں اس وادی میں رات گزاروں اور میرے اردگرد اذخر اور جلیل ہو۔ (یہ گھاس کے نام ہیں جو مکہ مکرمہ میں ہوتی ہیں)
اور کیا پھر کبھی ایسا ہو گا کہ میں مجنہ کے چشمہ پر فروکش ہوں اور کوہ شامہ مجھے دکھائی دے اور کوہ طفیل کو میں اپنی ان آنکھوں سے دیکھ سکوں۔'' (بخاری: ۱/۲۵۳)

جب ایک ایسے شخص کے مکہ کے بارے میں یہ جذبات واحساسات ہیں تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے مہاجر رفقاء کے جذبات کا کیا حال ہو گا کیونکہ وہ تو وہیں پیدا ہوئے بلکہ کچھ تو ماں کے پیٹ سے چاندی کا چمچہ لے کر پیدا ہوئے۔ اسی شہر میں انہوں نے اپنی جوانی تک کے لمحات گزار دیئے اور ان کے آباؤ اجداد کی ہڈیاں بھی اسی شہر میں دفن تھیں (اگرچہ وہ کافر ہی تھے) اب چھ سال ہو گئے تھے کہ اس شہر کی ہوا بھی انہیں نہیں لگی تھی حالانکہ ایک لمحہ کی جدائی بھی اس شہر کی انہیں گوارا نہ تھی، پھر ان کی یہ بندش بھی جبری تھی کیونکہ جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں نے ہجرت کی تھی، اہل مکہ نے ان کے بیت اللہ میں داخل نہ ہونے پر قسم کھا لی تھی۔ قریش اس بات پر تُل گئے تھے کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے ساتھی جو ہبل، لات، عزیٰ اور نائلہ اور دوسرے بتانِ کعبہ کی خداوندی کے منکر ہیں، ان کے اور اپنے اسلاف کے خداؤں کو نہ مانیں، ان کے ساتھ جنگ کرنا فرض اور انہیں کعبہ میں آنے سے روکنا واجب ہے۔

مسلمان ان چھ سالوں میں کعبہ کی زیارت اور حج وغیرہ کے دینی فریضہ کی ادائیگی سے قاصر تھے، خصوصاً مہاجرین بیت اللہ کے فراق کا صدمہ زیادہ محسوس کرتے تھے، انہیں اور غموں کے علاوہ مکہ کی جدائی کا الم بھی گھن کی طرح کھائے جا رہا تھا۔ اس کے ساتھ انہیں وطن اور اپنے اہل وعیال کی جدائی کا غم بھی چین نہ لینے دیتا تھا، لیکن اس کے ساتھ انہیں یہ بھی امید تھی کہ ایک نہ ایک دن اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کے تابع داروں کو ضرور کامیاب کرے گا اور اسلام کو ہر ایک دین پر غلبہ عطا فرمائے گا۔ انہیں اس گھڑی کے بہت جلد آنے کا یقین تھا، جس میں خداوند دو جہاں ان پر مکہ کے دروازے کھول دے گا اور وہ بھی بیت اللہ کا

Marfat.com

طواف کریں گے، جسے اللہ نے تمام عالم کے لیے ضروری اور فرض قرار دیا ہے۔

کئی سال گزر گئے جن میں مسلمانوں کو مختلف لڑائیوں نے گھیرے رکھا۔ بدر کا معرکہ ختم ہوا تو احد کی ہولناک جنگ مسلط ہو گئی، اس کے بعد خندق کی جنگ مسلط کر دی گئی۔ اسی طرح یہود اور دوسرے مختلف قبائل کی جنگوں نے انہیں چین نہ لینے دیا، لیکن طواف کعبہ کا جو یقین تھا اس اشتیاق میں وہ ہمہ وقت چشم براہ تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک روز یہ خواب دکھلایا گیا کہ آپ اور آپ کے ساتھی مسجد حرام میں امن کے ساتھ داخل ہوئے۔ آپ نے خانہ کعبہ کی چابی لی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بیت اللہ کا طواف اور عمرہ کیا۔ پھر بعض لوگوں نے سر کے بال منڈوائے بعض نے کتروائے۔ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس خواب سے مطلع فرمایا تو انہوں نے اس پر بڑی خوشی اور مسرت کا اظہار کیا۔ انہیں چونکہ زیارت کعبہ کے شوق نے دیوانہ بنایا ہوا تھا، اس لیے وہ سمجھے کہ اس سال ہی مکہ میں داخلہ نصیب ہوگا۔ محبت وشوق کی جو چنگاری صحابہ رضی اللہ عنہم کے دلوں میں دبی ہوئی تھی وہ بھڑک اٹھی لہٰذا انہوں نے سفر مکہ کی تیاری شروع کر دی۔

یکم ذی قعدہ سنہ 6ھ کو اتوار کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرہ کے ارادہ سے مکہ مکرمہ کا قصد فرمایا۔ قریباً پندرہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے ہمراہ تھے۔ مدینہ پر سیدنا عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ یا سیدنا نمیلہ لیثی کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ جانے سے قبل آپ نے مدینہ اور گردو پیش کی آبادیوں میں اعلان فرمادیا کہ جو لوگ ان کے ہمراہ جانا چاہیں، وہ آجائیں لیکن بہت سے اعراب نے تاخیر کی۔ چنانچہ آپ یکم ذی قعدہ کو مدینہ سے اپنی قصواء نامی اونٹنی پر روانہ ہوئے، آپ کے ہمراہ آپ کی زوجہ محترمہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ بند تلواروں (میان کے اندر تلوار) کے سوا اور کسی قسم کا کوئی ہتھیار آپ کے پاس نہ تھا۔

(زرقانی: ۲/۱۸۰، فتح الباری: ۲۴۲/۵، طبقات ابن سعد: ۲/۶۹، عیون الاثر: ۲/۱۶۰-۱۶۱)

ذوالحلیفہ پہنچ کر ہدی (وہ جانور جسے حج وعمرہ میں منیٰ میں ذبح کرتے ہیں) کو قلاوہ پہنایا اور عمرہ کا احرام باندھا تا کہ لوگوں کو یہ پتہ چل جائے کہ آپ صرف عمرہ کے لیے جارہے ہیں، جنگ کا ارادہ نہیں ہے۔ جب آپ غدیر اشطاط پہنچے تو بنو خزاعہ کا ایک جاسوس آگے بھیج دیا تا کہ وہ قریش کے عزائم کی خبر لائے۔ جاسوس کا نام بسر بن سفیان تھا، لیکن جب آپ عسفان کے قریب پہنچے تو اس جاسوس نے آکر خبر دی کہ میں کعب بن لوی (قبیلہ) کو اس حالت میں چھوڑ کر آرہا ہوں کہ انہوں نے آپ سے مقابلہ کرنے کے لیے حلیف قبائل کو جمع کر رکھا ہے۔

Marfat.com

ان کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی اکٹھے کر رکھے ہیں اور وہ آپ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ یہ بھی پتہ چلا ہے کہ خالد بن ولید بطور مقدمۃ الجیش (ہراول دستہ) کے دو سو سواروں کو لے کر غمیم کے مقام پر پہنچ گئے ہیں۔ (یہ مقام رسول اللہ ﷺ کے پڑاؤ سے آٹھ میل کی مسافت پر تھا۔) یہ اطلاع ملنے پر سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا:

''قریش پر افسوس، وہ جنگوں میں تباہ ہو گئے مگر پھر بھی عقل ٹھکانے نہیں آئی، اگر آج وہ مسلمانوں اور تمام عرب زائرین کو طواف اور زیارت کعبہ سے نہ روکتے تو ان کا کیا بگڑتا! اس صورت حال کے پیش نظر اگر وہ مجھ پر غالب آ گئے تو انہیں انتہائی مسرت ہو گی اور اگر مجھے اللہ تعالیٰ نے ان پر غالب کر دیا تو وہ جوق در جوق اسلام قبول کر لیں گے، اگر انہوں نے جنگ شروع کر دی جس کی ان میں قوت ہے ہی کہ وہ گھروں سے اسی نیت سے نکلے ہیں اور مسلمان صرف طواف و زیارت کے لیے، مگر میرے متعلق وہ کسی مغالطہ میں ہیں۔ خدا کی قسم، میں اسلام کو قائم رکھنے کے لیے ہمیشہ جہاد کرتا رہوں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسلام کو غالب کر دے یا دستِ اجل مجھ پر اپنا قبضہ کر لے۔''

آپ اس بارے میں کچھ فکر مند تھے کیونکہ آپ جنگ کے لیے نہیں بلکہ عمرہ کے لیے آئے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا اور فرمایا: ''کیا آپ لوگوں کی یہ رائے ہے کہ جو لوگ قریش کی اعانت پر کمر بستہ ہیں ہم ان کے اہل و عیال پر دھاوا بول دیں۔ اس کے بعد اگر وہ خاموش بیٹھتے ہیں تو اس حالت میں خاموش بیٹھتے ہیں کہ جنگ کی مار اور غم والم سے دو چار ہو چکے ہیں اور آتے ہیں تو وہ بھی اس حالت میں کہ اللہ تعالیٰ ان کی گردن توڑ چکا ہو گا۔ یا پھر آپ لوگوں کی یہ رائے ہے کہ ہم بیت اللہ کا رخ کریں اور جو جو بھی ہماری راہ میں حائل ہو، اس سے جنگ کریں؟

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ ''اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں، لیکن ہم تو صرف عمرہ ادا کرنے کے لیے آئے ہیں، کسی سے جنگ کرنے اور لڑنے نہیں آئے، البتہ جو ہمیں بیت اللہ جانے سے روکے گا اس سے ضرور جنگ کریں گے۔'' آپ نے یہ سن کر فرمایا: تب چلو اور آپ نے سفر جاری رکھا، لیکن اپنا راستہ بدل دیا اور کراع الغمیم کی شاہراہ چھوڑ کر ایک پرپیچ راستہ اختیار کیا جو پہاڑی راستوں سے ہو کر گزرتا تھا۔

Marfat.com

اس راستہ کو اختیار کرنے کا یہ فائدہ ہوا کہ وادی غم کا وہ مرکزی راستہ جو تنعیم سے گزر کر حرم تک جاتا تھا اور جس پر خالد بن ولید اپنا دستہ لیے بیٹھے تھے، بائیں جانب رہ گیا۔ خالد کو جب مسلمانوں کے اس راستہ کی تبدیلی کا علم ہوا تو انہوں نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور فوری طور پر مکہ جا کر قریش کو اس نئی صورت حال سے آگاہ کیا اور ان سے نئی ہدایات لینی چاہیں۔

ادھر سرکار دو عالم ﷺ نے اپنا سفر جاری رکھا۔ جب آپ ثنیۃ المرار پہنچے تو آپ کی اونٹنی قصواء بیٹھ گئی۔ لوگوں نے اس کو اٹھانے کی غرض سے ''حل حل'' کہا لیکن وہ نہ اٹھی۔ لوگوں نے کہا: ''یا رسول اللہ! قصواء اڑ گئی۔'' آپ نے فرمایا: ''قصوا کی اڑنے کی عادت نہیں بلکہ اس کو اس ہستی نے روک دیا ہے جس نے ہاتھی کو روکا تھا۔'' بعد ازاں آپ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، قریش مجھ سے کسی بھی ایسی بات کا مطالبہ نہیں کریں گے جس میں شعائر اللہ کی تعظیم کر رہے ہوں لیکن میں ضرور اس کو تسلیم کروں گا۔'' اس کے بعد آپ ﷺ نے اونٹنی کو اٹھنے کے لیے کہا تو وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ پھر وہاں سے تھوڑا سا ہٹ کر قصائے حدیبیہ میں ایک چشمہ پر قیام فرمایا۔

گرمی کا موسم تھا۔ پیاس کی شدت اور پانی کی قلت تھی۔ اس وجہ سے تھوڑا سا پانی کھنچنے سے پانی ختم ہو گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بارگاہ رسالت میں پانی نہ ہونے کی شکایت کی۔ آپ نے ترکش میں سے ایک تیر نکالا اور حکم دیا کہ چشمہ میں گاڑ دیں۔ لوگوں نے آپ کے حکم کی تعمیل کی۔ اسی وقت اس چشمے کے پانی نے اس قدر جوش مارا کہ سارا لشکر سیراب ہو گیا۔

(فتح الباری: ۲۴۳/۵)

حدیبیہ میں قیام کے بعد آپ ﷺ نے خراش بن امیہ خزاعی رضی اللہ عنہ کو ایک اونٹ پر سوار کر کے قریش کے پاس مکہ بھیجا کہ انہیں بتا دیں کہ ہم جنگ کے لیے نہیں آئے بلکہ صرف بیت اللہ کی زیارت کے لیے آئے ہیں۔ اہل مکہ نے ان کے اونٹ کو ذبح کر ڈالا اور ارادہ کیا کہ انہیں بھی قتل کر ڈالیں لیکن کچھ لوگوں نے منع کر دیا، چنانچہ سیدنا خراش رضی اللہ عنہ بمشکل جان بچا کر واپس آئے اور بارگاہ رسالت میں سارا واقعہ بیان کر دیا۔

قریش ایک عجیب تشویش میں مبتلا تھے وہ اس مخمصہ میں پڑ گئے کہ اگر مسلمانوں نے مکہ میں داخل ہونے کا ارادہ کیا تو انہیں جان پر کھیل جانے کے بغیر اور کوئی چارۂ کار نہیں رہے گا، لیکن پھر ان کے ذہنوں میں بدر و احد اور جنگ خندق کے تصورات بھی موجزن ہوتے کہ ہم ان جنگوں میں اتنی بھاری اکثریت کے باوجود مسلمانوں کو نیست و نابود نہیں کر سکے بلکہ حالت یہ

Marfat.com

ہو گئی ہے کہ اب یہ ہمارے شہر کے دروازے تک پہنچ گئے ہیں۔ اگر مسلمان اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے تو وہ پورے جزیرہ نما عرب میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔ چنانچہ کافی سوچ اور فکر کے بعد انہوں نے یہی بات مناسب سمجھی کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایسے دانشور اور غور و فکر رکھنے والے آدمیوں کو بھیجا جائے جو ایک طرف تو ان کی قوت کا جائزہ لیں اور دوسری طرف انہیں عمرہ کیے بغیر واپس جانے پر آمادہ کریں۔ چنانچہ انہوں نے بدیل بن ورقہ خزاعی کو چند آدمیوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں بات چیت کرنے کے لیے بھیجا۔

قبیلہ خزاعہ اگرچہ ابھی تک مشرف باسلام نہ ہوا تھا لیکن شروع ہی سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیف اور خیر خواہ چلا آ رہا تھا۔ مشرکین مکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف جو سازشیں کرتے، اس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مطلع کیا کرتا تھا۔ اس لحاظ سے یہ قبیلہ آپ کا رازدار بھی تھا۔ اس قبیلہ کا رئیس بدیل بن ورقاء اپنے قبیلہ بنوخزاعہ کے چند افراد کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بدیل نے کہا میں کعب بن لوی (قبیلہ قریش) کو دیکھ کر آ رہا ہوں کہ وہ حدیبیہ کے نواح میں پانی کے بڑے چشموں پر آپ کے مقابلہ کے لیے ایک بہت بڑا لشکر تیار کر رہے ہیں تاکہ آپ کو کسی صورت مکہ میں داخل نہ ہونے دیں اور دودھ والی اونٹنیاں اور بچے ان کے ساتھ ہیں یعنی طویل قیام کا ارادہ ہے، کھاتے پیتے رہیں اور آپ کے مقابلہ میں ڈٹے رہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا مقصد بیان فرمایا کہ ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے بلکہ ہمارا مقصد صرف عمرہ کرنا ہے۔ قریش کو جنگوں نے نہایت کمزور کر دیا ہے اور انہیں تھکا کر رکھ دیا ہے، لہٰذا اگر وہ چاہیں تو ان کے لیے ایک مدت صلح کی مقرر کر دوں کہ اس مدت میں کوئی ایک دوسرے سے تعرض نہ کرے اور مجھ کو اور عرب کو چھوڑ دیں، اگر اللہ کے فضل سے میں غالب ہو گیا تو وہ چاہیں تو اس دین میں داخل ہو جائیں اور فی الحال وہ آرام کر لیں اور اگر بالفرض عرب غالب آ گئے تو تمہاری تمنا پوری ہو جائے گی، لیکن میں تم سے کہے دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ضرور اپنے اس دین کو غالب کر کے رہے گا اور اس دن کے غلبہ اور نصرت کا جو وعدہ اس نے کیا ہے وہ ضرور پورا ہو کر رہے گا اور اگر انہیں لڑائی کے سوا کچھ منظور نہیں تو قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، میں ضرور ان سے جنگ کروں گا یہاں تک کہ میری گردن الگ ہو جائے یا جب تک اللہ تعالیٰ اپنے امر نافذ نہ کر دے۔

بدیل آپ کی یہ تمام باتیں سن کر قریش کے پاس گئے اور کہا: میں ان صاحب کے پاس سے آ رہا ہوں۔ میں نے ان سے ایک بات سنی ہے اگر چاہو تو پیش کر دوں۔ اس پر ان

Marfat.com

کے احمقوں نے کہا کہ ہم ان کی کوئی بات سننا نہیں چاہتے، لیکن جو لوگ نشیب و فراز سے آشنا اور جہاں دیدہ تھے انہوں نے کہا: سنایئے! آپ نے کیا سنا ہے؟ بدیل نے حضور ﷺ کی پوری بات انہیں سنا دی۔ قریش نے بدیل کی بات کو کوئی اہمیت نہ دی۔

اب قریش نے مکرز بن حفص کو بھیجا، اسے دیکھ کر سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا: ''یہ بدعہد آدمی ہے۔'' جب اس نے آپ ﷺ سے گفتگو کی تو آپ نے اس کو بھی وہی بات کہی جو اس سے قبل بدیل بن ورقاء سے فرما چکے تھے۔ اس نے بھی واپس جا کر قریش کو پوری بات سے باخبر کر دیا۔

اب بنو کنانہ کے ایک شخص حلیس بن علقمہ نے کہا کہ مجھے ان کے پاس جانے دیں۔ میں ان سے بات کرتا ہوں۔ جب وہ آپ کے پاس آ رہا تھا تو آپ ﷺ نے اسے پہچان کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا یہ شخص فلاں ہے اور یہ ایسی قوم سے تعلق رکھتا ہے جو ہدی کے جانوروں کا بہت احترام کرتی ہے، اس لیے تم لوگ ہدی کے جانوروں کو اس کے سامنے کھڑا کر دو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جانوروں کو کھڑا کر دیا اور خود بھی لبیک پکارتے ہوئے اس کا استقبال کیا۔ اس شخص نے یہ کیفیت دیکھی تو آپ سے ملاقات کیے بغیر واپس چلا گیا اور کہنے لگا: ''میں نے ہدی کے جانور دیکھے ہیں جن کے گلوں میں قلاوے ہیں اور جن کے کوہان چیرے ہوئے ہیں، لہٰذا انہیں روکنا مناسب نہیں۔ پہلے دو وفود کی طرح اس کی باتوں نے بھی قریش کو چراغ پا کر دیا اور انہوں نے غصہ میں کہا: ''آخر تم بدو ہی نکلے۔ تم ان باتوں کو کیا سمجھو۔'' یہ سن کر حلیس کے تن بدن میں آگ لگ گئی، اس نے قریش سے کہا: ''میں ان لوگوں کو کعبہ کی زیارت سے روکنے کے لیے تمہارا حلیف نہیں ہو سکتا۔'' اس نے یہ بھی کہا ''میرے قبیلے میں سے کوئی شخص محمد ﷺ کو طواف سے روکنے کے لیے حائل نہیں ہوگا۔'' حلیس کی اس دھمکی سے قریش کے بدن پر رعشہ طاری ہو گیا۔ اب انہوں نے منتیں کرنی شروع کر دیں کہ ہمیں آپ ﷺ کی اس بات پر غور و فکر کر لینے دیجیے۔

اب قریش نے ایسا آدمی تجویز کرنے کا منصوبہ بنایا جو نہایت دانشور اور ذہین ہو۔ اس کے لیے ان کی نگاہ عروہ بن مسعود ثقفی پر پڑی۔ پہلے وفد کی ذلت عروہ کے سامنے ہی ہوئی تھی، اس لیے اس نے جانے سے انکار کر دیا، لیکن قریش کے اطمینان دلانے پر وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حدیبیہ چلا گیا اور آپ سے گفتگو شروع کی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے بھی وہی بات کہی جو اس سے قبل بدیل اور دوسرے دو حضرات سے کر چکے تھے۔ اس پر عروہ نے کہا:

Marfat.com

''اے محمد ﷺ! فرمایئے، اگر آپ نے اپنی قوم کا صفایا کر دیا تو آپ نے اس سے پہلے کسی عرب کے متعلق سنا کہ اس نے اپنی قوم کا صفایا کر دیا ہو اور اگر دوسری صورت حال پیش آئی (یعنی قریش کو غلبہ ہوا) تو میں دیکھتا ہوں کہ یہ جو مختلف قوموں میں ملے جلے لوگ آپ کے ساتھ ہیں، وہ اس وقت آپ کو چھوڑ کر فرار ہو جائیں گے۔''

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سرکار دو عالم ﷺ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے غصہ میں آ کر کہا: ''جا، لات کی شرمگاہ چوس، ہم حضور ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟'' عروہ نے کہا: یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا: ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس نے کہا: ''خدا کی قسم، اگر ان کا مجھ پر احسان نہ ہوتا جس کا میں بدلہ نہیں دے سکا تو ان کی اس بات کا ضرور جواب دیتا۔''

اس کے بعد عروہ نے حضور ﷺ سے پھر گفتگو شروع کی۔ دوران گفتگو آپ کی ریش مبارک کو ہاتھ لگا لگا کر بات کر رہا تھا۔ سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ہاتھ میں تلوار لیے اور سر پر خود پہنے آپ کے پاس ہی کھڑے تھے۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ عروہ بن مسعود ثقفی کے بھتیجے تھے۔ انہیں بارگاہ نبوی میں اپنے چچا کی یہ جرأت گوارا نہ ہوئی۔ وہ ہر مرتبہ تلوار کا دستہ اس کے ہاتھ پر مارتے اور کہتے کہ اپنا ہاتھ حضور ﷺ کی داڑھی سے پرے رکھ۔ آخر عروہ نے سر اٹھایا اور بولا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا: مغیرہ بن شعبہ ہیں۔ (انہوں نے خود پہنا ہوا تھا اس لیے عروہ نہ پہچان سکا) اس پر عروہ نے کہا: او بدعہد! کیا میں تیری بدعہدی اور پیمان شکنی کے سلسلہ میں دوڑ دھوپ نہیں کر رہا ہوں۔ یہ اس واقعہ کی طرف اشارہ تھا کہ جاہلیت میں سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ کچھ لوگوں کے ساتھ مقوقس شاہ مصر کے پاس تھے۔ مقوقس نے مغیرہ کی بہ نسبت ان کے دوسرے ساتھیوں کو زیادہ انعامات دیئے، جس کا مغیرہ کو بہت رنج تھا۔ راستہ میں جب ایک مقام پر ٹھہرے تو انہوں نے ان کو سوتے میں قتل کر دیا اور ان کا مال لے کر بھاگ آئے اور آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہو گئے۔ عروہ نے ان تیرہ مقتولوں کی دیت ادا کر کے قصہ کو رفع دفع کیا۔

عروہ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عقیدت اور صدق و اخلاص کا ایسا منظر دیکھا جو اس سے قبل اس نے کہیں نہیں دیکھا تھا۔ چنانچہ جب وہ واپس آیا تو اس نے اشارہ کر دیا کہ اگر جنگ ہوئی تو نتیجہ قریش کے حق میں نہ ہوگا۔ اس نے قریش سے کہا:

''اے قوم! میں نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے دربار دیکھے ہیں، لیکن وہ عقیدت اور

Marfat.com

وارفتگی کہیں نہیں دیکھی جو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھیوں کو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ ہے۔ جب وہ بات کرتے ہیں تو سناٹا چھا جاتا ہے۔ کوئی شخص ان کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔ وضو کرنے میں جو پانی گرتا ہے اس پر ان کے ساتھی ٹوٹ پڑتے ہیں۔ بلغم یا لعاب دہن گرتا ہے تو عقیدت کیش ہاتھوں میں لیتے ہیں اور چہروں اور ہاتھوں پر مل لیتے ہیں۔ جب وہ کوئی حکم دیتے ہیں تو اس کی بجا آوری کے لیے سب دوڑ پڑتے ہیں اور انہوں نے تمہیں ایک اچھی تجویز پیش کی ہے لہٰذا اسے قبول کرلو۔"

ایک روایت میں ہے کہ عروہ نے یہ کہا: "اے میری قوم! میں نے بہت سے بادشاہوں کو دیکھا مگر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جیسا کسی کو نہیں دیکھا۔ وہ مجھے بادشاہ معلوم نہیں ہوتے۔" گویا یہ اشارہ تھا کہ آپ نبی ہیں۔ (زرقانی: ۲/۱۹۲)

جب قریش کے جنگ باز نوجوانوں نے دیکھا کہ ان کے سربرآوردہ حضرات صلح کے حامی ہیں تو انہوں نے صلح میں رخنہ اندازی کا ایک پروگرام بنایا۔ وہ یہ کہ رات کو چپکے سے مسلمانوں کے کیمپ میں گھس کر ایک ایسا ہنگامہ برپا کردیں کہ جنگ کی آگ بھڑ اٹھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے اس منصوبے پر عمل کرنے کی کوشش بھی کی اور رات کی تاریکی میں ستر یا اسی نوجوانوں نے جبل تنعیم سے اتر کے مسلمانوں کے کیمپ میں چپکے سے گھسنے کی کوشش لیکن مسلمان پہرہ داروں کے کمانڈر سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے ان سب کو گرفتار کرلیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سب کو معاف کرتے ہوئے رہا کردیا۔ انہی کے بارے میں قرآن نے یہ فرمایا:

"وہی ہے جس نے بطن مکہ میں ان کے ہاتھ تم سے روکے اور تمہارے ہاتھ ان سے روکے اس کے بعد کہ تم کو ان پر قابو دے چکا تھا۔"

(۴۸:۲۴)

قریش کی اس بدخلقی، جہالت اور اقدام جنگ کے باوجود رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جذبۂ مصالحت غالب رہا اور جوابی کارروائی کے بجائے آپ نے ایک مرتبہ پھر صلح کی پیشکش فرمائی اور اس مقدس سفارت کے لیے پہلے سیدنا عمر بن الخطاب کو کہا گیا لیکن انہوں نے یہ کہتے ہوئے معذرت کردی کہ یارسول اللہ! آپ کو پتہ ہے کہ اہل مکہ مجھ سے کس قدر برہم اور کس درجہ میرے دشمن ہیں۔ اگر مجھے اذیت دی گئی تو مکہ میں بنی کعب کا ایک شخص بھی ایسا نہیں جو میری حمایت میں بگڑ سکتا ہو۔ اس لیے اگر آپ میری بجائے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو بھیجیں تو بہتر ہوگا کیونکہ ان کا قبیلہ اور کنبہ مکہ میں ہے۔ وہ آپ کی سفارت صحیح طریقہ سے ادا کرسکیں گے۔ آپ

Marfat.com

ﷺ کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی یہ رائے پسند آئی چنانچہ آپ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بلا کر انہیں مکہ اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ ہم لڑنے نہیں آئے ہیں، صرف عمرہ کرنے آئے ہیں۔ انہیں اسلام کی دعوت بھی دیں۔ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ مکہ میں مسلمان مردوں اور عورتوں کے پاس جا کر انہیں فتح و نصرت کی خوشخبری بھی سنا دیں اور انہیں بتلا دیں کہ اللہ تعالیٰ اب اپنے اس دین برحق کو مکہ میں ظاہر و غالب کرنے والا ہے اور پھر کسی اہل ایمان کو یہاں روپوش ہونے کی کوئی ضرورت نہ ہوگی۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا تعلق بنو امیہ سے تھا۔ ان کے قبیلہ کے بڑے بڑے لوگ وہاں موجود تھے۔ خود ابوسفیان کا تعلق بھی بنو امیہ سے تھا۔ چنانچہ وہ حضور ﷺ کے سفیر کی حیثیت سے قریش مکہ کے پاس تشریف لے گئے۔ جب مقام بلدح میں قریش کے کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے تو انہوں نے پوچھا کہ کہاں کا ارادہ ہے؟ کہا میں رسول اللہ ﷺ کا یہ پیغام لے کر مکہ جا رہا ہوں۔ قریش کے ان لوگوں نے کہا۔ آپ جائیے۔ ادھر سعید بن العاص نے اٹھ کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو خوش آمدید کہا اور اپنے گھوڑے پر زین کس کر آپ کو اپنے ساتھ بٹھا کر اور اپنی پناہ میں لے کر سربراہان قریش کے پاس مکہ لے گیا۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ اپنے ایک عزیز ابان بن سعید کی پناہ میں مکہ میں داخل ہوئے۔ آپ نے مکہ کے سرداروں کو حضور ﷺ کا پیغام پہنچایا۔ جب آپ بات چیت سے فارغ ہو چکے تو قریش نے بیت اللہ کے طواف کی آپ کو پیشکش کی۔ مدینہ سے مکہ کا اتنا طویل سفر صرف وطواف بیت اللہ کے لیے ہی کیا گیا تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو مقصود سفر حاصل ہو رہا تھا۔ لیکن آپ نے قریش کی وہ پیشکش فوراً ٹھکرا دی اور یہ بات ہرگز گوارا نہ کی کہ رسول اللہ ﷺ کے بغیر طواف کعبہ کر لیں، چنانچہ قریش خاموش ہو گئے اور انہیں روک لیا گیا۔ روکنے سے ان کا مقصد شاید کچھ غور و فکر اور صلاح و مشورہ کر کے اس پیش آمدہ صورت حال اور آپ کی صلح کی پیشکش کا کوئی مثبت جواب دے کر واپس کرنا تھا، لیکن ادھر حدیبیہ میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو قریش نے طواف کعبہ کی پیشکش کی تو آپ نے جواب میں فرمایا:

((ما کنت لافعل حتی یطوف به رسول الله))

"میں اس وقت تک طواف کعبہ نہیں کروں گا جب تک اللہ کا رسول ﷺ طواف نہیں کرے گا۔"

Marfat.com

روایات میں یہ بھی ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جب سفارت کے لیے مکہ جا رہے تھے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں یہ خیال انگڑائیاں لینے لگا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کتنا خوش نصیب ہے کہ اسے مکہ جانے کا موقع مل گیا۔ رب کے بیت اللہ کا طواف کر کے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا اور دل کی حسرت کو پورا کرے گا۔ معلوم نہیں ہمیں یہ سعادت نصیب ہو یا نہ ہو۔ ان کے یہ جذبات بارگاہ نبوت میں بھی پہنچ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میرا خیال ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کعبہ کا طواف ہرگز نہیں کرے گا جب کہ ہم محصور ہیں۔ چنانچہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جب واپس تشریف لائے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھ ہی لیا کہ آپ نے بیت اللہ کا طواف کیا ہوگا؟ اس پر آپ نے جو جواب دیا تاریخ کے اوراق میں وہ ان الفاظ میں محفوظ ہے:

''اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے اگر احرام کی حالت میں کئی سال بھی مکہ میں رہتا تو میں ہرگز طواف نہ کرتا جب کہ اللہ کا رسول حدیبیہ میں مقیم ہو (اور وہ طواف نہ کریں)''

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کا جواب ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

''تم لوگوں نے میرے بارے میں بہت برا گمان کیا ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر میں مکہ میں ایک سال بھی رہتا اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیبیہ میں تشریف فرما رہتے تو میں ہرگز طواف کعبہ نہ کرتا جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طواف کعبہ نہ کرتے۔'' (زاد المعاد: ۳/۲۹۱)

بیعت رضوان:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دیر تک مکہ میں رکے رہنے کی وجہ سے جب یہ افواہ پھیل گئی کہ قریش نے انہیں شہید کر دیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت صدمہ ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک میں قریش سے اس قتل کا بدلہ نہیں لے لوں گا یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ پھر آپ نے وہاں ایک کیکر کے درخت کے نیچے اس بات پر بیعت لی کہ جب تک اس قتل کا بدلہ نہ لے لیں، میدان چھوڑ کر نہیں بھاگیں گے۔ سب سے پہلے سیدنا ابوسنان اسدی رضی اللہ عنہ نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے جو مشہور بہادر اور ماہر تیر انداز تھے، تین مرتبہ بیعت کی۔ یعنی ابتداء میں بھی، درمیان میں بھی اور آخر میں بھی۔ جب سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیعت کر چکے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اپنے بائیں ہاتھ کو دائیں پر رکھا اور فرمایا یہ بیعت

Marfat.com

عثمان رضی اللہ عنہ کی جانب سے ہے۔ یعنی بایاں ہاتھ عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے تھا اور دایاں ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا۔ اس واقعہ کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اس واقعہ کا ذکر کر کے فرمایا کرتے تھے کہ میری جانب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بایاں ہاتھ میرے دائیں ہاتھ سے کہیں بہتر تھا۔

(زرقانی: ۲/۲۰۶، ۲۰۸)

اس بیعت کو قرآن حکیم نے بیعت رضوان کا نام دیا ہے کیونکہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ان تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنی رضا کی سند عطا فرما دی۔ جنہوں نے اس موقع پر آپ کے ہاتھ پر بیعت کی جس کا ذکر سورۃ الفتح میں فرمایا گیا ہے:

﴿لقد رضی اللہ عنہ المومنین اذیبایعونک تحت الشجرہ﴾ (۱۸:۴۸)

''بے شک اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا ایمان والوں سے جبکہ وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے۔''

قریش کو جب اس بیعت کا علم ہوا تو وہ خوفزدہ ہو گئے اور حالات کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے انہوں نے فوری طور پر صلح کے لیے خود تگ و دو شروع کر دی۔ (فتح الباری: ۷/۳۴۵)

چنانچہ اب کی بار انہوں نے سہیل بن عمرو کو صلح کرنے کے لیے بھیجا۔ سہیل بن عمرو ذاتی طور پر ایک اچھے اور شریف آدمی تھے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں آتے دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

قد سھل لکم من امر کم

''یعنی اب تمہارا کام تھوڑا سا سہل اور آسان ہو گیا ہے۔''

چونکہ قریش کے سفیر کا نام سہیل تھا جو سہل کا اسم تصغیر ہے اور ''من'' بھی تبعیض کے لیے آتا ہے، لہٰذا اس کا مطلب یہ ہے کہ پورا آسان تو نہیں البتہ تھوڑا سا آسان ہو گیا ہے۔

(ملاحظہ ہو زرقانی: ۲/۱۹۴)

آپ سہیل کی شخصیت سے آشنا تھے اور اس کی ذاتی شرافت اور دانشمندی سے بھی واقف تھے، اس سے بھی آپ نے اندازہ لگا لیا کہ قریش اب صلح چاہتے ہیں تبھی انہوں نے اس شخص کو بھیجا ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ سہیل کو بھیجتے وقت قریش نے انہیں تاکید کی تھی کہ صلح میں یہ بات ضرور طے کی جائے کہ آپ اس سال واپس چلے جائیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ عرب ہمیں یہ کہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے شہر میں جبراً داخل ہو گئے ہیں۔ اس سے ہماری پورے

Marfat.com

عرب میں رہی سہی عزت و آبرو بھی چلی جائے گی۔ سہیل بن عمرو نے قریش کی دی گئی ہدایات کے مطابق دیر تک آپ سے گفتگو کی۔ بالآخر فریقین میں صلح کی مندرجہ ذیل شرائط طے ہوئیں:

1- رسول اللہ ﷺ اس سال عمرہ نہ کریں بلکہ واپس چلے جائیں۔ اگلے سال یہ مکہ آئیں گے اور تین روز قیام کریں گے۔ ان کے پاس میانوں میں بند تلواریں ہوں گی اور قریش ان سے کسی قسم کا تعرض نہیں کریں گے۔

2- فریقین دس سال تک جنگ نہیں کریں گے۔ اس عرصہ میں لوگ بالکل مامون رہیں گے۔

3- جو محمد ﷺ کے معاہدہ میں داخل ہونا چاہے داخل ہونے کی پوری پوری اجازت ہو گی اور جو قریش کے عہد و پیمان میں داخل ہونا چاہے، داخل ہو سکے گا۔ جو قبیلہ جس فریق کا حلیف ہونا چاہے گا وہ اس فریق کا ایک جزو سمجھا جائے گا لہٰذا ایسے کسی قبیلہ پر زیادتی خود اس فریق پر زیادتی ہو گی۔

4- قریش کا جو شخص اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر محمد ﷺ کے پاس جائے گا، محمد ﷺ اسے واپس کر دیں گے، لیکن مسلمانوں میں سے جو شخص بھاگ کر پناہ کی خاطر قریش کے پاس آئے گا اسے واپس کرنے کے وہ پابند نہیں ہوں گے۔

یہ معاہدہ جو طے ہوا وہ اس بیعت رضوان کی وجہ سے ہوا ورنہ اس سے قبل تو قریش کسی بھی صورت میں محمد ﷺ سے مصالحت کرنے کے لیے تیار نہ تھے بلکہ قریش کے جس سفیر نے بھی صلح کی بات کی انہوں نے اس کا مذاق بھی اڑایا اور اس کی توہین بھی کی۔ بیعت رضوان نے قریش کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ سمجھ رہے تھے اور انہوں نے بدر و احد اور جنگ خندق میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا کہ مسلمان وہ لوگ ہیں جو قتل فی سبیل اللہ کو ابدی حیات، جان حزیں کی قربانی کو معراجِ ایمان اور سید الانبیاء ﷺ کے قدموں میں مرگ ناگہاں کو سعادتِ عظمیٰ یقین کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر زخمی ہو کر گرتے ہیں تو آہ و فغان کے بجائے ان کی زبان بے ساختہ پکار اٹھتی ہے:

فزت ورب الكعبة.

''رب کعبہ کی قسم، میں کامیاب ہو گیا۔''

پھر یہ بیعت بھی آپ نے اپنی مرضی سے نہیں لی بلکہ اللہ کے حکم سے لی۔ چنانچہ سیدنا سلمہ ابن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دوپہر کا وقت تھا۔ ہم آرام کرنے کے لیے لیٹ گئے تھے کہ

Marfat.com

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منادی نے اعلان کیا: "ایھا الناس البیعة، نزل روح القدس" (لوگو! آؤ بیعت کرو۔ روح القدس نازل ہوئے ہیں) چنانچہ ہم جلدی سے اٹھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ آپ اس وقت ایک درخت کے سایہ میں تشریف فرما تھے۔

معاہدہ کی شرائط جب طے ہو گئیں تو آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور معاہدہ املا کرایا۔ آپ نے سب سے پہلے "بسم اللہ الرحمن الرحیم" لکھنے کا حکم فرمایا۔ عرب کے قدیم دستور کے مطابق سرنامہ پر "باسمک اللھم" لکھا کرتے تھے۔ سہیل نے کہا: ہم نہیں جانتے رحمٰن کیا ہے؟ آپ پرانے دستور کے مطابق "باسمک اللھم" لکھیں۔ آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ یہی لکھو۔ اس کے بعد آپ نے یہ لکھوایا: "یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد رسول اللہ نے صلح کی۔ سہیل نے اس پر بھی نقطہ اعتراض اٹھایا کہ اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول جانتے تو پھر ہم نہ تو آپ کو بیت اللہ سے روکتے اور نہ جنگ کرتے، لہٰذا آپ "محمد ابن عبداللہ" املا کرائیے۔ آپ نے فرمایا: "خدا کی قسم میں اللہ کا رسول ہوں اگرچہ تم لوگ میری تکذیب کرو۔" چنانچہ آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ "رسول اللہ" کا لفظ کاٹ کر "ابن عبداللہ" لکھ دیں لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس کا مٹانا گوارا نہ کیا۔ آپ نے خود اس کو اپنے ہاتھ سے مٹا دیا۔ اس کے بعد جب پوری دستاویز کی تکمیل ہو چکی تو بنو خزاعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد و پیمان میں داخل ہو گئے یہ لوگ دراصل خواجہ عبدالمطلب کے زمانہ سے بنو ہاشم کے حلیف تھے۔ دوسری طرف بنو بکر قریش کے عہد و پیمان میں داخل ہو گئے۔

دستاویز ابھی لکھی جا رہی تھی کہ سہیل کے بیٹے ابو جندل رضی اللہ عنہ اپنی بیڑیاں گھسیٹتے مکہ کی قید سے نکل کر یہاں آ پہنچے۔ یہ پہلے سے مسلمان ہو چکے تھے اور کفارِ مکہ ان کو پابجولاں کر کے اور قید و بند کی صعوبتیں دے کر طرح طرح کی ایذائیں پہنچا رہے تھے، انہوں نے یہاں پہنچ کر اپنے آپ کو مسلمانوں کے درمیان ڈال دیا۔ سہیل نے کہا یہ پہلا شخص ہے جو عہد نامہ کے مطابق واپس ہونا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ابھی تو نوشتہ صلح پورا لکھا بھی نہیں گیا یعنی لکھے جانے اور پھر فریقین کے اس پر دستخط ہو جانے کے بعد اس پر عمل شروع ہونا چاہیے، لیکن سہیل کا ایک ہی جواب تھا کہ پھر میں کسی بات پر صلح کا کوئی معاملہ ہی نہ کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سہیل سے کہا کہ اچھا تو تم اس کو میری خاطر یہاں چھوڑ دو، لیکن وہ نہ مانا۔ پھر سہیل نے ابو جندل رضی اللہ عنہ کے چہرے پر ایک زوردار تھپڑ مارا اور اس کے کرتے کا گلا پکڑ کر اپنی طرف

Marfat.com

گھسیٹا۔ ابو جندل رضی اللہ عنہ زور زور سے چلا کر کہنے لگا، کیا میں مشرکین کی طرف واپس کیا جاؤں گا کہ وہ میرے دین کے متعلق مجھے فتنے میں ڈالیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے صبر کی تلقین فرمائی اور فرمایا کہ بہت جلد اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اور تمہارے جیسے دوسرے کمزور مسلمانوں کے لیے کشادگی اور پناہ کی جگہ بنائے گا۔ ہم نے قریش کے ساتھ ایک عہد نامہ کر لیا ہے اس لیے بدعہدی نہیں کر سکتے اس کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اچھل کر ابو جندل رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے۔ وہ ان کے ساتھ چلتے جا رہے تھے اور کہتے جا رہے تھے: ابو جندل رضی اللہ عنہ! صبر کرو یہ لوگ مشرک ہیں۔ ان کا خون تو بس کتے کا خون ہے اور ساتھ ہی ساتھ اپنی تلوار کا دستہ ان کے قریب کرتے جا رہے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں یہ اس لیے کر رہا تھا کہ مجھے امید تھی کہ ابو جندل رضی اللہ عنہ تلوار لے کر اپنے باپ سہیل کا سر اڑا دیں گے لیکن انہوں نے اپنے باپ کے بارے میں بخل سے کام لیا۔ آخر کار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو جندل رضی اللہ عنہ کو سہیل کے حوالے کر دیا۔

الغرض یہ معاہدہ مکمل ہو گیا اور گواہان اور فریقین کے دستخط ہو گئے۔ مسلمانوں کی طرف سے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کاتب عہد نامہ، سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، سیدنا سعد ابی وقاص رضی اللہ عنہ، سیدنا ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ اور سیدنا محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ نے بطور گواہان دستخط کیے جبکہ مشرکین کی طرف سے بھی کئی لوگوں نے دستخط کیے جن میں حویطب بن عبدالعزیٰ اور مکرز بن حفص کے نام کتابوں میں درج ہیں۔ صلح نامہ کی ایک کاپی آپ کے پاس رہی اور دوسری کاپی سہیل بن عمرو کے پاس رہی۔ (طبقات: ۲/۷۱)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ابو جندل رضی اللہ عنہ کی واپسی بہت شاق گزری۔ انہیں معاہدہ کی شرائط کے تحت واپس کیا گیا تھا، لہٰذا اس معاہدہ کی شرائط بھی وہ اپنے لیے باعث ننگ و عار سمجھتے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ضبط نہ ہو سکا۔ بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر کہا: ''یا رسول اللہ! کیا آپ اللہ کے سچے نبی نہیں ہیں؟'' آپ نے فرمایا: ''کیوں نہیں؟'' پھر عرض کیا: ''کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''پھر ہم یہ ذلت کیوں گوارا کریں؟'' آپ نے فرمایا: ''میں اللہ کا برحق نبی ہوں۔ اس کے حکم کے خلاف نہیں کر سکتا اور وہ میرا معین و مددگار ہے۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''یا رسول اللہ! کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ کا طواف کریں گے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا: ''میں نے کب کہا تھا کہ اسی سال طواف کریں گے۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی پریشانی دور نہ ہوئی۔ وہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے ان

Marfat.com

سے بھی یہی گفتگو کی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی وہی جوابات دیئے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیئے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں بعد میں اپنی اس گستاخی پر سخت نادم ہوا اور اس کے کفارے میں بہت نمازیں پڑھیں، روزے رکھے، بہت سے غلام آزاد کیے اور بہت سا صدقہ و خیرات کیا۔

مقام صدیقیت:

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ جواب اس لیے دیا کہ انہیں مقام صدیقیت حاصل تھا اور صدیقیت یہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قبل جتنے نبی اس دنیا میں تشریف لائے ہر نبی کے بعد آنے والے نبی نے پہلے نبی کی تصدیق کی اور اس کا مصدق بنا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد چونکہ کسی اور نبی نے نہیں آنا تھا، اس لیے اب ''مصدق'' کے بجائے ''صدیق'' کا منصب تجویز ہوا۔ گویا حضور علیہ السلام کی تصدیق اب مصدق نہیں صدیق کرے گا۔

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

''صدیق اپنے قلب کو سراً، ظاہراً اور باطناً اپنے آپ کو ہر پہلو سے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سپرد کر چکا ہوتا ہے۔ علم، عقیدہ، حال، آداب و اخلاق، محبت اور تعلقات، اپنی پسند اور ناپسند غرضیکہ ہر بات میں وہ رسول کے تابع ہوتا ہے، اس کو نہ تحدیث کی ضرورت ہے کہ باہر سے کچھ ملے اور نہ کشف والہام کا انتظار کہ اندر سے کچھ کھلے۔''

(مدارج السالکین: ۱/۴۰)

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے متعدد مکتوبات میں مقام صدیقیت پر بحث کرتے ہوئے فرمایا کہ معرفت وسلوک میں سب سے اونچا اور اعلیٰ مقام ''صدیقیت'' کا ہے اور اس مقام اور نبوت میں کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ چنانچہ مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

"وفوق آں (صدیقیت) مقامے نیست الا النبوۃ علی اھلھا الصلوات والتسلیمات ونشاید کہ میان صدیقیت ونبوت مقالے بودہ باشد بلکہ محال است، وایں حکم بہ محالیت او بکشف صریح صحیح معلوم گشتہ" (مکتوبات حصہ اول، مکتوب نمبر ۴ جد ہم)

''صدیقیت کے اوپر سوائے نبوت کے اور کوئی مقام نہیں ہے اور

Marfat.com

صدیقیت اور نبوت کے درمیان کوئی اور مقام ہونا بھی نہیں چاہیے بلکہ یہ محال ہے کہ کوئی اور مقام ہو اور محالیت کا یہ حکم کشف صریح صحیح سے معلوم ہوا ہے۔"

گویا کہ رسول اور نبی کو وحی کے ذریعہ جن حقائق کا علم ہوتا ہے وہ دوسروں تک پہنچاتا ہے، ایک صدیق اس کی بے چون و چرا تصدیق کرتا ہے۔ نبی کی بیان کی ہوئی حقیقت کیسی ہی بالائے فہم اور مابعد الطبیعی ہو، صدیق کے لیے وہ بدیہی ہوتی ہے اور جوں ہی صدیق کے کان میں نبی کی آواز پہنچتی ہے وہ بے چون و چرا اسے قبول کر لیتا ہے۔

حکیم الامت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"یہ بات اس لیے ہے کہ انوارِ وحی نبی کی ذات سے صدیق کی ذات پر پے در پے پڑتے ہیں اور پھر جس قدر تاثیر (اثر ڈالنے) و تاثر (اثر قبول کرنے) کا تکرار ہوتا رہتا ہے، صدیق میں نبی کی ذات میں فنا ہونے اور اس پر فدا ہونے کے جذبات ابھرتے ہیں۔ اور صدیق کی یہ علامت ہے کہ اسے خواب کی تعبیر کا علم سب سے زیادہ ہوتا ہے اور اس کی جبلت اور فطرت ہوتی ہے کہ معمولی سے سبب سے اس پر امور غیبی کھلنے لگیں۔" (حجۃ اللہ)

ایک اور مقام پر حضرت شاہ صاحب قدس سرہ یہ بحث کرتے ہوئے ذکر کرتے ہیں کہ سلوک و معرفت سے انسان میں یقین پیدا ہوتا اور پھر اس یقین سے مختلف یقین پیدا ہوتے ہیں۔ اس کے بعد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"یقین کی تیسری نوع صدیقیت اور محدثیت ہے اور ان دونوں کی حقیقت یہ ہے کہ امت میں بعض حضرات ایسے ہوتے ہیں جو اپنی جبلت سے فطرت کے لحاظ سے انبیاء سے مشابہ ہوتے ہیں۔ اب اگر یہ مشابہت قوائے عقلیہ میں ہو تو اس شخص کو صدیق اور محدث کہتے ہیں اور اگر قوائے عملیہ میں مشابہت ہو تو اس کو شہید یا حواری کہتے ہیں۔"

پھر صدیق اور محدث میں کیا فرق ہے؟ ان دونوں میں یہ فرق ہے کہ صدیقیت پیغمبر کا اثر بڑی جلدی قبول کرتی ہے جیسے گندھک آگ سے بہت جلد اثر پذیر ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صدیق جب پیغمبر کی زبان سے کوئی بات سنتا ہے تو وہ فوراً اس کے دل میں اتر جاتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس شے کا علم اس کو خود بخود حاصل ہو گیا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

Marfat.com

نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جب فرمایا کہ میں اللہ کا نبی ہوں تو دوسرے ہی لمحے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آئے اور یہ بھی روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تھی تو ابوبکر رضی اللہ عنہ جبرئیل کی آواز کی گنگناہٹ سنتے تھے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے صدیق کے کچھ خصائص اور علامات بھی بیان فرمائی ہیں مثال کے طور پر وہ اس حق کے لیے جو نبی پر نازل ہوتا ہے اپنی جان و مال تک قربان کر دیتا ہے۔ حق سے محبت کی وجہ سے وہ کسی بات میں اس کی مخالفت نہیں کرتا۔ وحی کے انوار و تجلیات نبی کی روح سے چھن چھن کر صدیق کی روح پر عکس فگن ہوتے رہتے ہیں۔ صدیق کی جس قدر علامات حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمائی ہیں وہ سب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں بکمال و تمام پائی جاتی تھیں۔ اس وجہ سے پیغمبر کے بعد نہ تو کوئی افضلیت کا مستحق ہے اور نہ ہی خلافت نبوت کا۔

(حجۃ اللہ: ۲/۶۸۔۷۰)

نبوت اور صدیقیت کے مابین کوئی فصل اور کوئی اور مقام نہیں ہے اس کی تائید قرآن حکیم سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے:

﴿ومن یطع اللہ والرسول، فاولئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھدا والصالحین، وحسن اولئک رفیقا﴾ (النساء)

''اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرتے ہیں، وہ نبیوں، صدیقوں، شہداء اور صالحین کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے اور کیا خوب ہوں گے یہ سب لوگ ایک دوسرے کے ساتھی اور رفیق۔''

قرآن حکیم کی اس آیت کے علاوہ بخاری کی ایک حدیث میں بھی اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ نبوت کے بعد صدیقیت کا مقام اور درجہ ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ ایک دفعہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ساتھ جبل احد پر چڑھے تو پہاڑ ہلنے لگا۔ پہاڑ کو ہلتا دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((اسکن احد فلیس علیک الا نبی وصدیق و شھیدان))

''اے احد! ٹھہر جا، کیونکہ تیرے اوپر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔'' (بخاری: ۱/۵۲۳)

Marfat.com

اس حدیث میں بھی نبی کے بعد صدیق کا ذکر آیا ہے اور اس کے بعد شہید کا۔ گویا قرآنی ترتیب کے ساتھ اس کو بیان کیا گیا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نبی کے بعد صرف صدیق کا مرتبہ اور ان دونوں کے درمیان اور کوئی فاصل نہیں۔

اس بات کو حضرت مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا:

''آئینے اور بھی ہزاروں ہوتے ہیں اور بوجہ آئینہ ہونے کے اصلاً انعکاس کے لیے مستعد، لیکن کثافت اور زنگ کی وجہ سے فوراً عکس قبول نہیں کر سکتے اور کچھ عرصہ کی صفائی وتزکیہ کے محتاج ہوتے ہیں۔ پھر زنگ وکثافت کی بھی مختلف حالتیں اور مختلف مراتب ہیں۔ کوئی آئینہ جلد صاف ہو جاتا ہے کوئی بہت دیر میں اور کسی کا زنگ اس درجہ تک پہنچ چکا ہوتا ہے کہ صاف ہونے کی کوئی امید باقی نہیں رہتی۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آئینہ مجلیٰ ومصفیٰ نے کس طرح اول نظر ہی میں عکس قبول کر لیا تھا؟ یہ صدیقیت تھی جو جمالِ نبوت دیکھتے ہی پکار اٹھی ''واللہ ما هذا بوجه کذاب''

(تذکرہ: ص ۱۱۱)

مولانا مزید فرماتے ہیں:

''نبوت کی قوت فاعلہ کے لیے ''صدیقیت'' کو ایک خاص قسم کا انفعال سمجھنا چاہیے۔ اسی لیے ہر نبی کے ساتھ سب سے پہلی جماعت ''صدیقین'' ہی کی ہوتی ہے اور اسی طرح ہر داعیِ حق اور ہر کشف وظہور حقیقت کے لیے ہمیشہ ایک گروہ ایسے اصحاب استعداد وصلاحیت کا ہوتا ہے جو اول نظر میں حق کو پہچان لینے والا اور سب سے پہلے حقائق وغوامضِ حقیقت مستورہ کو پا لینے والا ہوتا ہے۔ اس کی فطرت جو یا وطلب کو حق وحقیقت سے وہ مناسبت ہوتی ہے جو لوہے کی مقناطیس سے ہے۔ صدیقیت کی مثال اس نہایت قوی بصارت کی سی ہے جو سب سے پہلے دور کی چیز دیکھ لیتی ہے اور باریک سے باریک ذرہ کو ڈھونڈھ نکالتی ہے، حالانکہ دوسری کمزور آنکھیں اس وقت دیکھتی ہیں جب وہ چیز بالکل سامنے آ جاتی ہے یا اجالا بہت زیادہ ہو چکتا ہے۔'' (تذکرہ: ص ۱۱۰)

یہی وجہ تھی کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اخلاق حسنہ نبوت کے اخلاق حسنہ کے عکس تھے۔ اس بات کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ جب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہجرت حبشہ کا ارادہ فرمایا تو راستہ میں آپ کو ابن الدغنہ ملا۔ اس نے پوچھا: ''ابوبکر! کہاں کا ارادہ

Marfat.com

ہے؟'' فرمایا: ''میری قوم نے مجھ کو نکال دیا ہے اب چاہتا ہوں کہ سیاحت کروں اور اپنے رب کی عبادت کروں۔'' ابن الدغنہ نے کہا کہ تمہارے جیسے شخص کو شہر بدر کیسے کیا جا سکتا ہے۔

انک تکسب المعدوم وتصل الرحم وتحمل الکل وتقرئی انضیف وتعین علیٰ نوائب الحق. (بخاری:۱/۵۵۳)

''تم غریبوں کی مالی مدد کرتے ہو، صلہ رحمی کرتے ہو، اپاہجوں کا سہارا ہو اور حق کی طرف سے حوادث کا مقابلہ کرتے ہو۔''

بالکل یہی الفاظ سیدہ خدیجہ سلام اللہ علیہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کہے تھے جب آپ غار حرا سے واپس گھر تشریف لائے اور سیدہ خدیجہ سے فرمایا کہ ''مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے'' تو سیدہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا کیوں کہ

انک لتصل الرحم وتحمل الکل وتکسب المعدوم وتقرئی الضیف وتعین علیٰ نوائب الحق. (بخاری:۱/۳)

''بے شک آپ صلہ رحمی کرتے ہیں اور ناتوانوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں اور اپنی کمائی میں مفلسوں اور ناداروں کو شریک کرتے ہیں اور آپ مہمان نوازی کرتے ہیں اور راہِ حق میں مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔''

اسی طرح سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے صلح حدیبیہ کے بارے میں فرمایا کہ اسلام میں کوئی فتح حدیبیہ کی فتح سے بڑی نہیں لیکن لوگوں کی عقلیں اس راز کو سمجھنے سے قاصر تھیں جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے رب کے درمیان تھا۔ بندے جلد بازی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بندوں کی طرح جلد بازی نہیں کرتا یہاں تک کہ سارے امور اپنے انجام تک پہنچ جائیں۔ آپ نے مزید فرمایا کہ میں نے حجۃ الوداع کے موقع پر سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قربانی کے جانور ذبح کر رہے تھے تو وہ ان جانوروں کو پکڑ پکڑ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب لے آتا تھا۔ اور جب حجام نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلق کیا تو میں نے دیکھا کہ وہی سہیل بن عمرو ان موہائے مبارک کو چن رہا تھا اور میں دیکھتا تھا کہ وہ انہیں اپنی آنکھوں پر رکھتا تھا۔ اس وقت مجھے سہیل کا وہ انکار یاد آ گیا جو حدیبیہ کے روز اس نے کیا تھا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنے سے بھی اس نے انکار کیا۔ میں نے اللہ تعالیٰ کی اس بات پر حمد وثنا کی جس نے اس کو اسلام قبول کرنے کی توفیق بخشی۔ (امتاع الاسماع:۱/۲۲۷)

Marfat.com

معاہدہ کی تکمیل کے بعد آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قربانی کرنے اور سر منڈانے کے لیے فرمایا، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان شرائط صلح سے قدرے شکستہ خاطر تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے تین بار فرمانے کے بعد بھی کوئی مسلمان نہ اٹھا۔ آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہ کی اس کیفیت کو دیکھا تو ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس پیش آمدہ طرزِ عمل کا ذکر کیا۔ ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''یا رسول اللہ! یہ صلح مسلمانوں پر بہت شاق گزری ہے جس کی وجہ سے وہ افسردہ اور شکستہ خاطر ہیں، اس لیے تعمیل ارشاد نہیں کر سکے۔ آپ باہر ان کے پاس تشریف لے جائیں اور کسی کو کچھ کہے بغیر چپ چاپ اپنا جانور ذبح فرما دیجیے اور اپنے حجام کو بلا کر سر منڈا لیجیے۔ یہ خود بخود آپ کی اتباع کریں گے۔''

چنانچہ رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے اور کسی سے کچھ کہے بغیر اپنی قربانی کا جانور ذبح کر دیا اور حجام کو بلا کر سر منڈا لیا۔ جب لوگوں نے حضور ﷺ کو ایسے کرتے دیکھا تو فوراً اٹھ کر اپنے اپنے جانور ذبح کر دیئے اور اس کے بعد باہم ایک دوسرے کا سر مونڈنے لگے۔ روایت میں ہے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فرطِ غم کے باعث ایک دوسرے کو قتل کر دیں گے۔ اس موقع پر اونٹ اور گائے سات سات آدمیوں کی طرف سے ذبح کیے گئے۔ آپ نے وہ اونٹ ذبح کیا جو کسی زمانے میں ابوجہل کے پاس تھا۔ اس کی ناک میں چاندی کا ایک حلقہ تھا۔ شاید اس سے مشرکین کو جلانا مقصود تھا۔ پھر آپ ﷺ نے سر منڈانے والوں کے لیے تین بار مغفرت کی دعا کی اور قصر کرانے والوں کے لیے ایک بار۔ اس روز آپ کا حجام خراش بن امیہ بن فضل خزاعی رضی اللہ عنہ تھا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیبیہ کا کچھ حصہ حل میں ہے اور کچھ حرم میں۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ آپ ﷺ کا قیام تو حل میں تھا لیکن نمازیں آپ حدود حرم میں آ کر پڑھتے تھے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ ایک لاکھ نمازوں کا ثواب مسجد حرام کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ حدود حرم میں جہاں بھی نماز ادا کی جائے ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ملے گا۔

(زاد المعاد: ۲/ ۱۲۸)

حدیبیہ میں دو ہفتے قیام کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ واپس مدینہ تشریف لے گئے۔ جب مدینہ اور مکہ کے درمیان پہنچے تو سورہ فتح نازل ہوئی۔ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اکٹھا کر کے سورہ فتح ''انا فتحنالک فتحامبینا'' سنائی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اس صلح کو اپنی شکست سمجھے ہوئے تھے اس لیے افسردہ دل اور شکستہ خاطر تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو فتح مبین فرمایا۔ صحابہ

Marfat.com

کرام رضی اللہ عنہم نے ازراہ تعجب آپ سے دریافت کیا، کیا یہ فتح مبین ہے؟ آپ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ بے شک یہ عظیم الشان فتح ہے۔

(فتح الباری: ۵/۲۴۵۔ ۲۵۶، زرقانی: ۲/۲۱۰، طبقات ابن سعد: ۲/۷۰، عیون الاثر: ۲/۱۶۰۔۱۷۳، بخاری: ۱/۳۷۸۔۳۸۱، ۲/۵۹۸۔۶۰۰، مسلم: ۲/۱۰۳، ۱۰۵، ۱۰۶، زادالمعاد: ۲/۱۲۲۔۱۲۷، ابن ہشام: ۲/۳۰۸۔۳۲۲)

معاہدہ حدیبیہ کے اثرات:

اس معاہدے کے اثرات اور نتائج بڑے خوشگوار ثابت ہوئے۔ بظاہر یہ معاہدہ دشمن کے سامنے جھک جانا تھا جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سمجھا اور اسی وجہ سے وہ شکستہ خاطر اور مغموم تھے، لیکن فراست نبوی جو کچھ سمجھ رہی تھی اور رسالت کی دور رس نگاہیں جو کچھ دیکھ رہی تھیں وہ سوائے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، مزاج شناس نبوت کے اور کوئی نہیں سمجھ رہا تھا۔ اسی وجہ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو انہوں نے وہی جواب دیا تھا جو خود نبوت نے دیا تھا۔ اس سے مقام صدیقیت کا بھی پتہ چلتا ہے۔ یہ معاہدہ دراصل اپنے آپ کو مضبوط و مستحکم بنانے کے لیے وقفہ حاصل کرنا تھا۔ اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کے تمام مطالبات تسلیم کر کے ان سے صرف ایک یقین دہانی لے لی وہ یہ کہ قریش اور مسلمانوں کے درمیان دس سال تک کوئی لڑائی نہ ہوگی۔ اب تک یہ تھا کہ مسلسل حالت جنگ کی وجہ سے دعوت و تبلیغ کا کام مکمل طور پر رکا ہوا تھا، جونہی آپ حدیبیہ سے لوٹے فوراً دعوت و تبلیغ کا کام عرب اور اطراف عرب میں تیزی سے شروع کر دیا۔ ابتدائی زمین پہلے ہی تیار ہو چکی تھی۔ اب صرف تخم ریزی کی ضرورت تھی۔ پرامن حالات نے جو موقع دیا اس میں دعوت کا کام تیزی سے پھیلنے لگا۔ ہزاروں کی تعداد میں لوگ اسلام کے حلقہ میں آنے شروع ہو گئے۔ عرب قبائل ایک کے بعد ایک اسلام میں داخل ہونے لگے۔ عرب کے باہر دوسرے ملکوں میں اسلام کی دعوت پھیلائی جانے لگی۔ کفار مکہ کی طرف سے مامون ہو کر آپ نے مختلف ملکوں کے بادشاہوں کو خطوط کے ذریعے اسلام کی دعوت دی۔ خیبر کے یہودیوں کے خلاف کارروائی کی اور ان کا خاتمہ کر دیا۔ قرآن حکیم نے بھی یہ واضح کیا ہے کہ "عصمت من الناس" کا راز دعوت میں چھپا ہوا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک، وان لم تفعل فما بلغت رسالتک، واللہ یعصمک من الناس.

Marfat.com

''اے رسول! جو کچھ بھی آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے
اس کو لوگوں تک پہنچا دو۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اپنا حق
رسالت ادا نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ و مامون رکھے گا۔''

اسلام کی تاریخ بھی بتاتی ہے کہ جب بھی اہل ایمان کے لیے دوسروں سے عدم تحفظ کا خطرہ ہو یا مغلوبیت کا سوال پیدا ہو تو ان کو دعوت الی اللہ کے کام کی طرف دوڑنا چاہیے۔ اس کام میں لگنے سے خدا کا قانون ان کے حق میں متحرک ہوگا اور وہ غیر معمولی اسباب پیدا ہوں گے جو بالآخران کے لیے نجات اور کامیابی کا زینہ بن جائیں گے۔ یہی وجہ تھی کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر ممکن قیمت دے کر جنگ وجدال کا ماحول ختم کیا اور پر امن حالات میں دعوتی عمل جاری کیا اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دو سال کی قلیل مدت میں مسلمانوں کی تعداد چار گنا سے بھی زیادہ ہو گئی۔ دعوتی سرگرمیوں کے ساتھ داخلی استحکام اور تیاری کا کام بہت بڑے پیمانے پر ہونے لگا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صلح کے صرف دو سال بعد اسلام اتنا طاقتور ہو گیا کہ قریش نے لڑے بھڑے بغیر ہتھیار ڈال دیئے۔ جس مکہ سے توہین آمیز پالیسی پر اپنے کو راضی کر لیا گیا تھا اسی مکہ میں اس واپسی سے فاتحانہ داخلہ کا راستہ نکل آیا۔

اس معاہدہ کی وجہ سے فریقین کی آمد و رفت شروع ہو گئی۔ خاندانی اور تجارتی تعلقات اور روابط کی وجہ سے مشرکین مدینہ آتے اور کئی کئی روز تک قیام کرتے، مسلمانوں سے ملتے جلتے اور مسلمانوں کے اخلاق، اخلاص اور نیکوکاری سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے اور اس وجہ سے ان کے دل اسلام کی طرف کھنچے آتے تھے۔ چنانچہ اس عرصہ میں کئی صنادید قریش اسلام میں داخل ہوئے جو اس سے قبل لڑائیوں سے داخل نہ ہو سکے تھے۔

مختصر یہ کہ اس صلح نے مشرکین مکہ اور دوسرے قبائل پر گہرے اثرات چھوڑے اور وہ نہایت تیزی کے ساتھ اسلام میں داخل ہونا شروع ہو گئے۔ اس وجہ سے معاہدہ صلح کا واقعہ ایک فتح مبین تھی۔

اس صلح کی ایک دفعہ جو مسلمانوں پر بہت شاق گزری تھی کہ قریش کا جو آدمی بھاگ کر مسلمانوں کے پاس آئے گا مسلمان اسے واپس کر دیں گے، لیکن مسلمانوں میں سے جو شخص پناہ کی غرض سے بھاگ کر قریش کے پاس آئے گا، قریش اسے واپس نہ کریں گے۔ یہ شق بھی مسلمانوں کے لیے نقصان دہ نہ ہوئی بلکہ بہت مفید ثابت ہوئی۔ کیونکہ کوئی مسلمان مدینہ منورہ سے مسلمان رہتے ہوئے بھاگ نہیں سکتا کیونکہ مدینہ تو اس کا مرکز ایمان ہے اور مومن ہوتے

Marfat.com

ہوئے کوئی شخص بھی مرکز ایمان سے بھاگنے کی کبھی سوچے گا بھی نہیں، وہ صرف مرتد ہو کر بھاگے گا اور اگر وہ مرتد ہو جائے تو مسلمان معاشرہ کو اس کی قطعاً ضرورت نہیں۔ چنانچہ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

انه من ذهب منا اليهم فابعده الله

"بے شک جو ہمیں چھوڑ کر مشرکین کی طرف بھاگا اللہ نے اسے دور کر دیا یعنی تباہ و برباد کر دیا۔" (مسلم: ۲/۱۰۵)

چنانچہ ہوا بھی یہی کہ سرکار دو عالم ﷺ جب واپس مدینہ تشریف لے گئے تو ایک شخص ابو بصیر رضی اللہ عنہ مشرکین مکہ کی قید سے بھاگ کر مدینہ پناہ حاصل کرنے کے لیے پہنچے۔ قریش کے دو آدمی ان کے پیچھے فوراً مدینہ پہنچے اور حضور ﷺ سے ان کی واپسی کا مطالبہ کر دیا۔ معاہدہ کی رو سے آپ ﷺ نے ابو بصیر کو ان دونوں آدمیوں کے حوالہ کر دیا اور ابو بصیر سے فرمایا کہ میں معاہدہ کے خلاف نہیں کر سکتا، لہٰذا بہتر ہے کہ تم ان کے ساتھ چلے جاؤ۔ ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے ابو جندل رضی اللہ عنہ کی طرح آپ کے حضور سے واپس جانے پر آہ وزاری کی کہ آپ مجھے ان مشرکین کی طرف واپس کر رہے ہیں جو مجھ کو میرے دین اسلام سے پھیرنا چاہتے ہیں اور طرح طرح سے مجھ کو ایذائیں دیتے ہیں۔ آپ نے ابو بصیر رضی اللہ عنہ کو تسلی دی اور صبر کی تلقین فرمائی اور یہ بھی فرمایا:

"امید رکھو عنقریب اللہ تعالیٰ تمہاری کشادگی اور نجات کی صورت پیدا فرما دے گا۔"

ابو بصیر رضی اللہ عنہ بادل نخواستہ ان دونوں آدمیوں کے ساتھ واپس ہو لیے۔ جب ذوالحلیفہ پہنچے اور جو کھجوریں ان کے پاس تھیں وہ کھانے لگے تو ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے ان میں سے ایک شخص سے کہا کہ اے فلاں! میں دیکھتا ہوں کہ تمہاری یہ تلوار کیسی عمدہ ہے؟ اس نے تلوار کو نیام سے نکال کر کہا: ہاں ہاں، واللہ! واقعی بہت عمدہ ہے میں نے بارہا اس کو آزمایا ہے۔ ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے کہا: ذرا مجھے دکھلاؤ تو، میں بھی تو دیکھوں کیسی ہے؟ اس احمق نے ابو بصیر رضی اللہ عنہ کو تلوار دے دی۔ جونہی ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے تلوار پکڑی فوراً ایک ایسا بھرپور وار کیا کہ وہ ڈھیر ہو گیا۔ دوسرا شخص بھاگ کر فوراً مدینہ آیا اور دوڑتا ہوا مسجد نبوی میں گھس گیا اور ہانپتا کانپتا حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: خدا کی قسم! میرا ساتھی قتل کر دیا گیا اور میں بھی قتل کر دیا جانے والا ہوں۔

اتنے میں ابو بصیر رضی اللہ عنہ بھی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! اللہ نے آپ کا عہد پورا کر دیا۔ آپ نے بھی مجھے ان کی طرف لوٹا دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے نجات دے دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کی ماں کی بربادی ہو،

Marfat.com

اسے اگر کوئی ساتھی مل جائے تو یہ تو جنگ کی آگ بھڑکا دے گا۔ آپ کے اس ارشاد سے ابو بصیر رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ اگر میں یہاں رہا تو آپ پھر مجھے مشرکین کے حوالہ کر دیں گے، اس لیے وہ مدینہ طیبہ سے نکل کر ساحل سمندر پر آ کر قیام پذیر ہو گئے اور اس شاہراہ پر مقیم ہوئے جہاں سے قریش کے کاروان تجارت شام کو آتے جاتے تھے۔ مکہ کے بے بس مسلمانوں کو جب ابو بصیر رضی اللہ عنہ کے یہاں قیام کا پتہ چلا تو وہ بھی راتوں کی تاریکی میں چھپ چھپ کر ابو بصیر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گئے۔ ابو جندل رضی اللہ عنہ بن سہیل بن عمرو بھی کسی طریقہ سے مکہ سے چھوٹ کر ہاں آ گئے۔ چنانچہ ایک روایت کے مطابق ستر آدمیوں کی ایک جماعت (اور امام سہیلی کے مطابق تین سو آدمی۔ ملاحظہ ہو زرقانی: جلد ۲ ص ۲۰۳) یہاں جمع ہو گئے۔ اب ان لوگوں نے قریش کے شام آنے جانے والے ہر قافلہ کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنی شروع کر دی۔ قافلہ والوں کو مار کر ان کا مال ضبط کر لیتے۔ یہاں تک کہ قریش کے تجارتی قافلوں کا وہاں سے گزرنا مشکل ہو گیا۔ قریش نے تنگ آ کر کچھ آدمی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں بھیجے کہ ہم آپ کو اللہ اور قرابت کا واسطہ دیتے ہوئے التماس کرتے ہیں کہ آپ ان لوگوں کو اپنے پاس مدینہ بلا لیں۔ اب جو بھی آپ کے پاس جائے گا ہم اس کو ہرگز واپس نہیں لیں گے۔ گویا معاہدہ کی اس شق کو خود انہوں نے منسوخ کر دیا۔ چنانچہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک والا نامہ ابو بصیر رضی اللہ عنہ کے نام ارسال فرمایا اور اسے اپنے ساتھیوں سمیت مدینہ چلے آنے کو کہا۔ یہ والا نامہ ابو بصیر رضی اللہ عنہ کے پاس اس وقت پہنچا جب وہ اس دنیا سے آخرت کو انتقال فرما رہے تھے۔ امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا والا نامہ ابو بصیر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا تو وہ پڑھتے جاتے تھے اور خوش ہوتے جاتے تھے یہاں تک کہ روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی اور والا نامہ ان کے سینہ پر تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ ہاتھ میں تھا۔

(روض الانف: ۲/ ۲۳۳، عیون الاثر: ۲/ ۱۷۸۔۱۸۰، سیرۃ ابن ہشام: ۲/ ۳۲۳۔۳۲۴)

سیدنا ابو جندل رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو بصیر رضی اللہ عنہ کی تجہیز و تکفین کی اور انہیں اس جگہ دفن کر دیا اور اس کے قریب ایک مسجد تعمیر کر دی۔ پھر وہ سب آدمیوں کو ساتھ لے کر مدینہ طیبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس طریقہ سے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لیے کشادگی پیدا فرما دی جو مکہ سے قریش کی سزاؤں کی وجہ سے بھاگ کر مدینہ آنا چاہتے تھے۔ لیکن معاہدہ کی رو سے مدینہ میں انہیں پناہ نہیں مل سکتی تھی۔

معاہدہ کے بعد کچھ مسلمان عورتیں بھی بھاگ کر مدینہ پناہ لینے کے لیے آئیں۔

Marfat.com

قریش نے معاہدہ کی رو سے انہیں بھی واپس مانگا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے اس مطالبہ کو اس دلیل کے ساتھ مسترد کر دیا کہ اس دفعہ میں لفظ ''رجل'' لکھا ہوا ہے جس کے معنی ''مرد'' ہے۔ یہ لفظ عورتوں کو شامل نہیں کرتا ہے لہٰذا یہ واپس نہیں جا سکتیں۔ اس دلیل پر قریش کو خاموشی اختیار کرنا پڑی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بھی اس بارے میں آیات نازل فرما دیں جن میں ان کی واپسی کرنے پر منع کر دیا گیا۔ (۶۰: ۱۰،۱۲)

معاہدۂ حدیبیہ کے بعد:

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ معاہدہ حدیبیہ کے بعد دعوت وتبلیغ کا دور شروع ہوا۔ آج تک جتنی بڑی بڑی لڑائیاں مسلمانوں نے لڑیں وہ قریش کے ساتھ تھیں۔ جیسے بدر، احد اور خندق کی جنگیں۔ قریش کے ساتھ اب دس سال کے لیے امن کا سمجھوتہ ہو گیا۔ جس سے یہود اور بنو غطفان دونوں کو سخت نقصان ہوا کہ انہیں اپنی شر انگیزیوں اور دسیسہ کاریوں اور فتنہ کی آگ بھڑکانے میں مشکل پیش آنے لگی اور ان کا ایک مضبوط بازوان سے الگ ہو گیا۔ اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زیادہ تر توجہ اسلام کی دعوت پھیلانے میں صرف کی، چنانچہ معاہدہ حدیبیہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں اور امراء کو خطوط لکھے جن میں انہیں اللہ کی توحید اور اپنی نبوت پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ اس دعوت کے بھی بڑے اچھے اثرات مرتب ہوئے اور اسلام کا پیغام مختلف ملکوں میں پھیل گیا۔ کچھ لوگوں نے اس دعوت کو قبول کیا لیکن جنہوں نے قبول نہ کیا وہ بھی اس دعوت کے پیغام سے آشنا اور باخبر ہو گئے کہ اسلام کہتا کیا ہے۔

Marfat.com

بادشاہانِ عالم اور امراء کے نام خط

اسلام کی دعوت اس سے پہلے ہی جزیرہ نماز عرب میں پھیل چکی تھی اور لوگوں کی ایک اچھی خاصی تعداد اس سے آشنا ہو چکی تھی اور اس پر لبیک کہہ چکی تھی۔ اب سنہ 6ھ کے اخیر میں آپ نے حدیبیہ سے واپسی پر مختلف بادشاہوں اور امراء کے نام خطوط لکھوا کر انہیں اسلام کی دعوت دی۔ جب آپ نے انہیں خطوط بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو آپ کو کہا گیا کہ سربراہانِ مملکت بغیر مہر کے کسی خط کو قبول نہیں کرتے۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے آپ ﷺ نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی جس پر ''محمد رسول اللہ'' اس طرح لکھوا ہوا تھا کہ محمد ایک سطر میں، رسول دوسری سطر میں اور اللہ تیسری سطر میں۔ جس کی شکل یہ تھی:

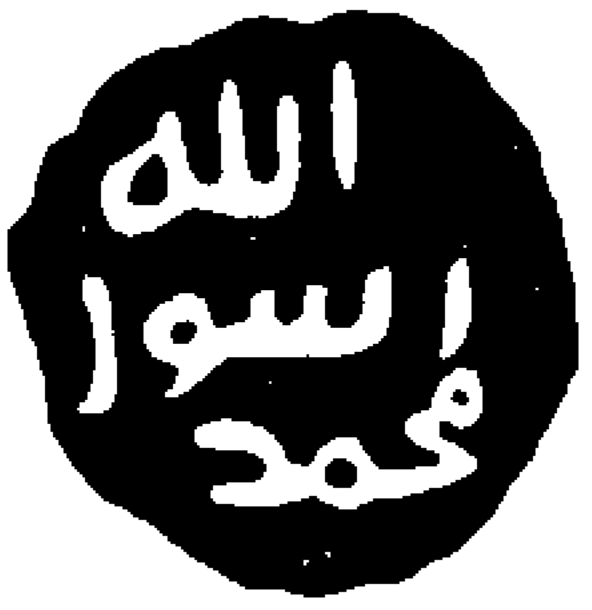

(بخاری:۲/۲/۸۷۲)

عرب کی ایک چھوٹی سی ریاست مدینہ کی طرف سے دنیا کی سپر طاقتوں اور بادشاہوں کو دعوتِ اسلامی کے خطوط لکھنا جہاں ایک جرأت مندانہ اقدام ہے وہاں ایک حیرت افزا معاملہ بھی ہے۔ کیونکہ ان خطوط سے اس بات کا اندیشہ بھی تھا کہ مبادا ایسی دعوت کی پاداش میں آپ کے ساتھ تمام عرب کو ان بادشاہوں اور سپر طاقتوں میں سے کسی کی رعایا ہو کر رہنا پڑے۔ مطلب یہ کہ ان بادشاہوں کی شوکت اور دبدبہ کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے انہیں دین حق کی دعوت دینے میں کوئی تامل نہ فرمایا۔ ایک روز آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا:

''اے صحابہ! اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام عالم کے لیے باعث رحمت بنا کر

Marfat.com

بھیجا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم لوگ بھی عیسیٰ ابن مریم کے حواریوں کی طرح میری نافرمانی پر اتر آؤ۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے رسالت پناہ! سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے حواری کن معنوں میں ان کے خلاف ہو گئے؟ آپ نے فرمایا:

"ابن مریم نے اپنے حواریوں کے ذریعہ یہی پیغام بادشاہوں کو پہنچانا چاہا۔ ان میں سے جس کو کسی نزدیک کے بادشاہ کے پاس بھیجا اس نے تو خوشی سے تعمیل کر لی لیکن دور بھیجے جانے والوں میں سے بعض کی پیشانیوں پر بل پڑ گئے اس طرح یہ لوگ اپنے فرائض کی بجا آوری میں پورا نہ اتر سکے۔"

پھر فرمایا: "میں تم لوگوں کو اسلام کی دعوت پہنچانے کے لیے بادشاہوں اور امراء کے پاس بھیجنا چاہتا ہوں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نہایت خندہ پیشانی سے اس مقصد کے لیے اپنی خدمات پیش کیں۔

جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آپ نے مختلف سربراہان مملکت کی طرف بھیجا، ان کے نام حسب ذیل ہیں:

①	سیدنا دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ	ہرقل شاہ روم
②	سیدنا عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ	کسریٰ ایران (خسرو پرویز)
③	سیدنا عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ	نجاشی شاہ حبشہ (اصحمہ)
④	سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ	مقوقس شاہ مصر و اسکندریہ
⑤	سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ	شاہان عمان
⑥	سیدنا سلیط بن عمرو رضی اللہ عنہ	رئیس یمامہ (ھوزہ)
⑦	سیدنا علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ	رئیس بحرین (منذر بن ساوی)
⑧	سیدنا شجاع بن وہب اسدی رضی اللہ عنہ	رئیس غسان (حارث بن ابی شمر)
⑨	سیدنا مہاجر بن اُمیہ مخزومی رضی اللہ عنہ	رئیس یمن (حارث حمیری)

ان سفیران رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں روانگی کے متعلق دو روایات ہیں۔ ایک یہ کہ سب بیک وقت مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے اور دوسری روایت یہ ہے کہ مختلف اوقات میں خط لے کر روانہ ہوئے۔

Marfat.com

ان تمام خطوط کا مضمون قریباً ایک جیسا ہی تھا۔ الفاظ کا معمولی فرق تھا۔ توحید خداوندی اور رسالت محمدی کی دعوت ان تمام خطوط کا مشترکہ مضمون تھا۔ ان میں سے ایک خط نمونہ کے طور پر یہ ہے جو آپ نے ہرقل قیصر روم کی جانب روانہ فرمایا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد ﷺ کی جانب سے ہرقل عظیم روم کی طرف۔

اس شخص پر سلام ہو جو ہدایت کی پیروی کرتا ہے۔ تم اسلام لاؤ، سلامتی پا جاؤ گے۔ اسلام لاؤ اللہ تعالیٰ تمہیں دوہرا اجر دے گا۔ اگر تم نے روگردانی کی تو تم پر تمہاری رعایا کا بھی گناہ ہو گا۔ اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور اللہ کے سوا ہمارا بعض، بعض کو اپنا رب نہ بنائے۔ پس اگر لوگ اعتراض برتیں تو کہہ دو کہ تم لوگ گواہ رہو ہم مسلمان ہیں۔ (بخاری مع فتح الباری:۱/۳۱،۳۵ وغیرہ)

کیا رسول اللہ ﷺ کا اپنے ہم عصر سربراہان مملکت اور رئیسان سلطنت کی طرف اسلام کی دعوت تعجب انگیز اور حیرت زا امر نہیں اور اس سے بھی زیادہ یہ امر حیرت افزا نہیں ہے کہ اس دعوت کے بعد صرف تیس سال کی مدت کے اندر یہ تمام ممالک بھی اسلام کے زیر نگیں ہو گئے اور ان مملکتوں کے اکثر و بیشتر لوگ شروع ہی میں مسلمان ہو گئے۔

اسلام کا جس وقت ظہور ہوا اس وقت ایران میں مجوسیت اور روم میں مسیحیت مذاہب کے طور پر لوگوں کے ذہنوں پر مستوی تھے۔ لیکن یہ دونوں مذاہب اپنی اصلیت کھو چکے تھے۔ مادی طور پر ایران اور روم کی دونوں سلطنتیں عظمت و اقتدار میں اپنا حریف نہ رکھتی تھیں لیکن تجدید اور فکر نو کی سخت دشمن اور قدامت و رسوم پرستی کی دلدادہ تھیں۔ دونوں نے روحانی ترقی کے لیے اپنے ذہن کے دروازے بند کر رکھے تھے۔ چنانچہ روحانی لحاظ سے رسول اللہ ﷺ کے عہد کی پس ماندہ اقوام میں یہی ایران اور روم دنیا کی دو سب سے بڑی سلطنتیں تھیں جن کی نشاۃ ثانیہ کے لیے حضور ﷺ نے انہیں خط لکھے کیونکہ اب آپ کی دعوت اس کمال تک آ پہنچی تھی کہ اپنے ساتھ ان قوموں کو بھی ترقی کی شاہراہ پر آگے بڑھا سکیں جو دین کے غلط تصورات اور رسوم پرستی کی وجہ سے سرِ منزل تھک کر بیٹھ چکی تھیں۔ جن بادشاہوں کو آپ نے دعوت اسلام کے خطوط ارسال فرمائے انہوں نے ان پر کافی ردعمل کا اظہار کیا۔

① فارس کے بادشاہ خسرو پرویز جس کا لقب کسریٰ تھا، اس کے پاس آپ کا خط سیدنا

Marfat.com

عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کو سفیر کے طور پر لے جانے کے لیے منتخب کیا گیا۔ جب یہ خط کسریٰ ایران نے پڑھا تو اس نے غصہ میں آ کر اس کو پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اس کی اس حرکت کا پتہ چلا تو آپ نے فرمایا: ''اس نے میرا خط نہیں پھاڑا بلکہ اپنی سلطنت کو پارہ پارہ کیا ہے۔'' پھر وہی ہوا جو پیغمبر اسلام کی زبان سے نکلا تھا۔ خط اس نے تکبر کی وجہ سے پھاڑا کیونکہ حکومت اور تکبر دونوں لازم وملزوم ہیں۔ اس نے متکبرانہ انداز میں کہا کہ میری رعایا میں سے ایک حقیر غلام اپنا نام مجھ سے پہلے لکھتا ہے اور مجھے ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے۔

(یکتب الی بھذا وھو عبدی)

آپ کو اپنا غلام کہنے کی وجہ یہ تھی کہ جس زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ہوئی، اس زمانہ میں جزیرہ نما عرب سامراجی طاقتوں کی شکارگاہ بنا ہوا تھا۔ جزیرہ عرب کے شمال میں شام کا علاقہ مکمل طور پر رومی سلطنت کے زیر اقتدار تھا۔ اس کے اوپر روم کے ماتحت امرائے عرب کی حکومت قائم تھی۔ اسی طرح جنوب میں یمن کا علاقہ ایران کے زیر اقتدار تھا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں یہاں جو ایرانی گورنر مقیم تھا، اس کا نام باذان تھا۔ عربوں کے ہاتھ میں صرف حجاز، تہامہ اور نجد کے علاقے تھے۔ ان کے علاوہ کچھ چٹیل اور بے آب وگیاہ بیابان تھے۔ جن میں کہیں کہیں کچھ زرخیز ٹکڑے نظر آتے تھے۔ کسریٰ نے جب آپ کا مکتوب پھاڑا تو اس کا یہی سیاسی پس منظر تھا۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط پھاڑنے کے بعد کسریٰ نے اپنے یمن کے گورنر باذان کو لکھا کہ یہ شخص جو حجاز میں نبوت کا مدعی ہے، اس کے یہاں دو مضبوط اور توانا آدمی بھیجو تا کہ وہ اسے گرفتار کر کے میرے پاس حاضر کریں۔ باذان نے کسریٰ کے حکم کی تعمیل میں دو آدمیوں کو خط دے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس روانہ کیا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان دونوں آدمیوں کے ساتھ کسریٰ کے پاس حاضر ہو جائیں، لیکن جب وہ مدینہ پہنچے اور آپ کے سامنے حاضر ہوئے تو انہوں نے اپنے آنے کی غرض وغایت بیان کی اور آپ کو کسریٰ کے حضور حاضر ہونے کے لیے کہا۔ آپ نے ان دونوں کو حکم دیا کہ کل ملاقات کریں۔

ادھر یہ ہو رہا تھا اور دوسری طرف خسرو پرویز کے خاندان کے اندر ایک زبردست بغاوت کا شعلہ بھڑک رہا تھا جس کے نتیجے میں قیصر کی فوج کے ہاتھوں ایرانی افواج کی پے در پے شکستوں کے بعد اب خسرو کا بیٹا شیرویہ اپنے باپ کو قتل کر کے بادشاہ بن بیٹھا تھا۔ یہ منگل کی رات 10 جمادی الاولیٰ کا واقعہ ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کا علم بذریعہ وحی ہوا۔

Marfat.com

چنانچہ صبح کے وقت جب باذان کے وہ دونوں ادمی حاضر ہوئے تو آپ نے انہیں اس واقعہ کے بارے میں اطلاع دی۔ ان دونوں نے اس بات کو غلط کہا اور کہا کہ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ انہوں نے کہا: ''کیا آپ کی یہ بات ہم بادشاہ کو لکھ دیں؟'' آپ نے فرمایا: ''ہاں لکھ دو اور اسے یہ بھی لکھ دو کہ میرا دین اور میری حکومت وہاں تک پہنچ کر رہے گی۔ جہاں تک کسریٰ پہنچ چکا ہے بلکہ اس سے بھی آگے بڑھتے ہوئے اس جگہ جا کر رکے گی۔ جس سے آگے اونٹ اور گھوڑے کے قدم جا ہی نہیں سکتے۔'' آپ نے مزید فرمایا کہ ''اپنے بادشاہ کو یہ بھی کہہ دینا کہ اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو جو کچھ تمہارے زیر اقتدار اور زیر حکومت ہے وہ سب میں تمہیں دے دوں گا۔'' اس کے بعد باذان کے یہ دونوں آدمی باذان کے پاس چلے گئے اور اسے تمام تفصیلات سے آگاہ کیا۔ تھوڑے عرصہ بعد باذان کے پاس ایک خط پہنچا کہ شیرویہ نے اپنے باپ کو قتل کر دیا ہے۔ شیرویہ نے اپنے خط میں یہ بھی ہدایت کی کہ جس شخص کے بارے میں میرے والد خسرو پرویز نے تمہیں لکھا تھا کہ اس کو میرے پاس حاضر کرو، اسے تاحکم ثانی برانگیختہ نہ کرنا۔

اس واقعہ نے باذان اور اس کے ساتھیوں پر بہت اثر کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ سب مشرف باسلام ہو گئے اور اپنے اسلام کے بارے میں سرکار دو عالم ﷺ کو اطلاع بھی دی۔

(ملاحظہ ہو زرقانی: ۳/۳۴۲، البدایہ والنہایہ: ۴/۲۶۸۔۲۷۲، محاضرات خضری: ۱/۱۴۷، فتح الباری: ۸/۲۱۷، طبری: ۳/۹۰)

② اس زمانہ کی دوسری سپر پاور اور سب سے مضبوط حکومت قیصر روم کی تھی۔ سرکار دو عالم ﷺ نے سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو سفیر بنا کر اس کی طرف اپنا خط دے کر بھیجا۔ قیصر روم اس زمانہ میں فارس پر اپنی فتح یابی کا شکر بجالانے کے لیے حمص سے ایلیا (بیت المقدس) پیدل آیا ہوا تھا کیونکہ فارسیوں نے خسرو پرویز کو قتل کرنے کے بعد رومیوں سے ان کے مقبوضہ علاقوں کی واپسی کی شرط پر صلح کر لی اور وہ صلیب بھی انہیں واپس کر دی جس کے متعلق عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ اس پر سیدنا مسیح علیہ السلام کو پھانسی دی گئی تھی۔ قیصر روم نے اس صلیب کو اس کی اصل جگہ پر نصب کرنے اور اللہ تعالیٰ کا اس فتح پر شکر بجالانے کی غرض سے سنہ 7ھ مطابق 629ء میں بیت المقدس کا سفر کیا۔

اس پیدل سفر کی وجہ مؤرخین نے یہ لکھی ہے کہ جس وقت رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں قیام پذیر تھے اس وقت دنیا کی دو سپر پاورز روم اور ایران کے درمیان ایک شدید جنگ

Marfat.com

جاری تھی۔ اس جنگ میں ایرانی فوجیں مسلسل رومیوں پر ہر محاذ پر غالب آتی جارہی تھیں اور ایرانی لشکر شام کے بڑے بڑے شہروں کو تاخت وتاراج کر کے طوفانی رفتار سے بڑھ رہا تھا، اور رومی حکومت پے در پے شکستوں اور مسلسل ناکامیوں کے باعث اس قدر نڈھال اور مضمحل ہو چکی تھی کہ اس کے لیے قدم جمانا مشکل ہو گیا تھا۔ 616ء تک بقول ایڈورڈ گبن رومی دارالسلطنت سے باہر اپنی حکومت کا مشرقی اور جنوبی حصہ کھو چکے تھے۔ عراق، شام، فلسطین، مصر اور ایشیاء کوچک میں ہر جگہ صلیبی علم کے بجائے درفشِ کاویانی لہرا رہا تھا۔ رومی سلطنت قسطنطنیہ کی چاردیواری میں محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ مختصر یہ کہ رومی سلطنت کے عظیم درخت کا صرف تنہ باقی رہ گیا تھا اور باقی درخت خشک ہو رہا تھا۔ خود دارالسلطنت قسطنطنیہ کے اندر دشمن کے گھس آنے کا خوف تمام آبادی پر اس قدر چھایا ہوا تھا کہ تمام کاروبار بند تھے اور تمام پبلک مقامات سنسان پڑے تھے۔ صلیب مقدس کی اصل لکڑی جس کے بارے میں عیسائیوں کا عقیدہ تھا کہ اس پر مسیح نے جان دی تھی، وہ مدائن پہنچا دی گئی تھی۔

ایرانی فاتح اس وقت اپنے کو کتنا بڑا سمجھتا تھا اس کا اندازہ کسریٰ ایران خسرو پرویز کے اس خط سے ہوتا ہے جو اس نے بیت المقدس سے رومی بادشاہ ہرقل کو لکھا تھا:

''سب خداؤں سے بڑا خدا، تمام روئے زمین کے مالک خسرو کی طرف سے اس کے کمینہ، ذلیل اور بے شعور بندے ہرقل کے نام
تو کہتا ہے کہ تجھے اپنے خدا پر بھروسہ ہے، کیوں نہ تیرے خدا نے یروشلم کو میرے ہاتھ سے بچالیا۔''

ان حالات نے رومی بادشاہ ہرقل کو بالکل مایوس کر دیا اور اس نے پختہ ارادہ کر لیا کہ وہ اب قسطنطنیہ چھوڑ کر بحری راستہ سے شمالی افریقہ کی ساحلی بندرگاہ چلا جائے جو قرطاجنہ (Carthage) موجودہ ٹیونس میں واقع ہے۔ اب اس کے لیے ملک بچانے کے بجائے اپنی جان کو بچانے کا مسئلہ تھا۔ شاہی کشتیاں محل کے خزانوں سے لدی جا چکی تھیں لیکن عین وقت پر کلیسا کے بڑے پادری نے اس کو مذہب کا واسطہ دیا اور وہ اس کو روکنے میں کامیاب ہو گیا۔ ہرقل نے ایک صلح کا قاصد شہنشاہ ایران کی خدمت میں روانہ کیا۔ اس کا جو جواب خسرو پرویز نے دیا تاریخ آج بھی اس کو اپنے سینہ میں چھپائے ہوئے ہے۔ خسرو نے جواب میں کہا:

''مجھ کو یہ نہیں بلکہ خود ہرقل زنجیروں میں بندھا ہوا میرے تخت کے نیچے چاہیے۔
میں رومی حکمران سے اس وقت تک صلح نہیں کروں گا جب تک وہ اپنے صلیبی خدا کو

Marfat.com

چھوڑ کر ہمارے سورج دیوتا کی پرستش نہ کرے۔''

اب ہرقل قیصر روم کے حالات میں ایک انقلاب آنا شروع ہوگیا۔ گبن لکھتا ہے:

''تاریخ کے نمایاں کرداروں میں سے ایک غیر معمولی کردار وہ ہے جو ہرقل کے اندر ہم دیکھتے ہیں۔ اپنے طویل دور حکومت کے ابتدائی اور آخری سالوں میں یہ بادشاہ سستی، عیاشی اور اوہام کا بندہ دکھائی دیتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی رعایا کے مصائب کا ایک بے حس اور نامرد تماشائی ہے لیکن صبح و شام کا بے رونق کہر دوپہر کے سورج سے کچھ دیر کے لیے چھٹ جاتا ہے۔ یہی حال ہرقل کا ہوا۔ محل کا آرکے ڈیس (Arcadius) (رومی سلطنت کا ایک بادشاہ) یکا یک میدان جنگ کا سیزر (Caesar) (جولیس سیزر عظیم رومی کمانڈر اور سیاست دان) بن گیا اور روم کی عزت چھ جرأت مندانہ مہموں کے ذریعہ دوبارہ حاصل کر لی گئی۔ قیاس یہ ہے کہ اس کے پیچھے کوئی سیاسی اسباب نہیں تھے بلکہ یہ زیادہ تر اس کے شخصی جذبے کا نتیجہ تھا۔ اسی کے تحت اس نے اپنی بھانجی مارٹینا (Martina) کو بھی چھوڑ دیا جس سے اس کو اس قدر تعلق تھا کہ محرم ہونے کے باوجود اس کے ساتھ اس نے شادی کر لی تھی۔''

(E. Gibbon: The History of the Decline and Fall of the Roman Empire, Vol, P.74-77)

آخر 622ء سے 625ء تک رومیوں نے پے در پے حملے کر کے ایران کی افواج کا کچومر نکال دیا اور خسرو پرویز کی ساری شیخی اور نخوت و تکبر کو خاک میں ملا کر رکھ دیا، اور رومی افواج نے نہ صرف اپنا علاقہ واپس لے لیا بلکہ ایرانی قلمرو میں بھی گھس گئیں اور میسوپوٹامیہ تک پہنچ گئیں، اور حالت یہ ہوگئی کہ رومی شہنشاہ اب خود ایرانی شہنشاہیت کے قلب پر حملہ کرنے کی پوزیشن میں تھا۔ تاہم آخری فیصلہ کن جنگ دجلہ کے کنارے نینوا کے مقام پر دسمبر 627ء میں ہوئی۔

ہرقل کے ان پے در پے حملوں نے خسرو کی کمر ہمت توڑ کر رکھ دی اور اب وہ اپنے محبوب محل ''دست گرد'' سے بھاگنے کی تیاریاں کرنے لگا۔ اس دوران اس کے محل میں بغاوت ہو گئی اور اس کے لڑکے شیرویہ نے اس کو گرفتار کر کے ایک تہہ خانے میں قید کر دیا جہاں وہ پانچویں روز نہایت بے کسی اور بے بسی کی حالت میں مر گیا۔ اس کے اٹھارہ لڑکوں کو اس کی آنکھوں کے سامنے قتل کر دیا گیا۔ آخر خسرو پرویز کے لڑکے قباد ثانی نے رومی مقبوضات سے دست بردار ہو کر

Marfat.com

صلح کر لی اور مقدس صلیب کی لکڑی واپس کر دی۔

اس فتح کی خوشی میں اس نے یہ سفر کیا تھا۔ اس پیدل سفر کی اس نے نذر مانی تھی۔ اپنی اس نذر کو پورا کرنے کے لیے وہ قسطنطنیہ سے پیدل روانہ ہوا تھا۔ اس کی رعایا اس کے راستہ میں قیمتی قالین بچھاتی اور اس پر گل وریحان کی پتیاں نچھاور کرتی۔ یہ طویل سفر اس طرح طے کر کے وہ بیت المقدس پہنچ گیا۔ ابن ناطور جو ایلیا کا گورنر اور ہرقل کا گہرا دوست تھا اور شام کے نصاریٰ کا مذہبی پیشوا تھا، وہ بیان کرتا ہے کہ قیصر روم علم نجوم کا ماہر تھا۔ بیت المقدس کے قیام کے دوران اس نے ایک رات ستاروں میں غور کیا تو اسے وہ ستارہ نظر آیا جو اس بات کی غمازی کر رہا تھا کہ اب اس قوم کا بادشاہ ظاہر ہو گیا ہے جو ختنہ کرایا کرتی تھی۔ یہ معلوم کر کے اس کی طبیعت مکدر ہو گئی۔ اس کو اپنی عظیم سلطنت کے انحطاط اور زوال کے اندیشوں نے مغموم اور افسردہ کر دیا۔ اس کے چہرے کی شگفتگی پژمردگی میں تبدیل ہو گئی۔ صبح جب اس کے امراء و اعیان حکومت اس کے پاس آئے تو اس کے چہرے کی بدلی ہوئی رنگت کو دیکھ کر پوچھنے لگے کہ ''جہاں پناہ! آپ یوں افسردہ اور پریشان خاطر کیوں ہیں؟'' اس نے اس کی وجہ بتائی کہ عنقریب وہ قوم جس کے مرد ختنہ کرایا کرتے ہیں، ان ممالک پر قابض ہو جائے گی۔ پھر اس نے پوچھا کہ اس علاقہ میں کون لوگ ہیں جو ختنہ کرایا کرتے ہیں۔ اسے بتایا گیا کہ یہاں تو صرف یہودیوں کے ہاں ختنہ کا رواج ہے لیکن ان کی تعداد بہت قلیل ہے۔ یہ لوگ کسی طرح آپ کے لیے خطرہ کا باعث نہیں بن سکتے۔ اگر آپ چاہیں تو ان کے جو چند ہزار افراد آپ کے ملک میں آباد ہیں، ان کو قتل کرنے کا حکم صادر فرما کر ان کا اس تختۂ زمین سے صفایا بھی کر سکتے ہیں۔ اس طریقہ سے آپ کو کسی قسم کے خطرہ کا امکان تک بھی نہیں رہے گا۔

ابھی تو یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ کسی شخص نے آ کر قیصر کو بتایا کہ عرب سے ایک شخص آیا ہے اور وہ وہاں کے کچھ عجیب وغریب حالات بیان کرتا ہے۔ اس نے بتایا کہ وہاں ایک پیغمبر مبعوث ہوا ہے اور اس کے آنے سے وہاں عجیب وغریب واقعات رونما ہوئے ہیں۔ ہرقل نے حکم دیا کہ اس شخص کا معائنہ کر کے بتاؤ کہ یہ ختنہ شدہ ہے یا نہیں؟ جب انہوں نے معائنہ کیا تو بتایا کہ یہ مختون ہے۔ قیصر نے کہا یہی وہ لوگ ہیں جن کے غلبہ کے بارے میں رات کو وہ ستارہ نمودار ہوا ہے۔

چند لمحوں کے بعد عدی بن حاتم سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ لے کر قیصر کے پاس آئے اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گرامی پیش کیا جس میں قیصر کو ایمان لانے کا لکھا ہوا تھا۔

(الوثائق السیاسیہ: ص ۱۰۹، تاریخ الخمیس، دیار بکری: ۲/۳۳)

Marfat.com

ہرقل نے جب اس خط کو پڑھا تو جلال نبوت کے خوف کے باعث وہ پسینہ پسینہ ہو گیا اور اس کی پیشانی سے پسینے کے قطرے اس طرح گرنے لگے جس طرح درختوں سے شبنم کے قطرے ٹپ ٹپ کر کے گرتے ہیں۔ قیصر کی یہ حالت دیکھ کر حاضرین نے آہ وفغان شروع کر دی۔ اس نے اپنے اعیان حکومت اور عمائدین سلطنت کو حکم دیا کہ اگر اس علاقہ کے لوگ ہمارے ملک میں آئے ہوئے ہوں تو انہیں تلاش کر کے میرے پاس لایا جائے تاکہ ان لوگوں سے حقیقت حال معلوم کی جائے چنانچہ وہ ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کو لے آئے جس کا ذکر بخاری میں کئی مقامات پر ہے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو حدیث، رقم: ۷، ۵۱، ۲۶۸۱، ۲۸۰۴، ۲۹۴۰، ۲۹۷۸، ۳۱۷۴، ۴۵۵۳، ۵۹۸۰، ۶۲۶۰، ۷۱۹۶، ۷۵۴۱ وغیرہ)

بعض روایات میں ہے کہ ہرقل سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو خلوت میں لے گیا اور انہیں کہا: ''بخدا! میں بخوبی جانتا ہوں کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے سچے رسول ہیں۔ ہماری کتابوں میں ان کی ساری صفات اور علامات مذکور ہیں، لیکن مجھے ڈر ہے کہ اگر میں ان پر ایمان لانے کا اعلان کر دوں گا تو رومی مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ قیصر نے اپنا ایک خط دے کر سیدنا دحیہ رضی اللہ عنہ کو اپنی مملکت کے ایک عظیم دینی پیشوا کے پاس بھیجا اس کا نام ''صغاطر'' تھا۔ وہ روم میں رہائش پذیر تھا۔ ساری رومی مملکت میں اس کے پایہ کا کوئی عالم نہیں تھا، گویا وہ وہاں کا مفتی اعظم تھا۔ سب لوگ اس کی دل کی گہرائیوں عزت کرتے تھے۔ سیدنا دحیہ رضی اللہ عنہ کئی روز کی سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے اس کے پاس روم گئے اور اسے قیصر کا خط دیا۔ اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے دین کے بارے میں اس سے تفصیل سے گفتگو کی اور جو جو کچھ اس نے پوچھا اس کے تفصیلی جوابات دیئے۔ جونہی اس نے تفصیل سنی وہ بول اٹھا: ''خدائے بزرگ و برتر کی قسم! محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ ان کی جن صفات کا آپ نے ذکر کیا وہ سب ہماری کتابوں میں پائی جاتی ہیں۔ مجھے ان کی نبوت کے بارے میں کوئی شبہ نہیں رہا۔ وہ وہاں سے اٹھ کر کلیسا میں گیا اور سارے عیسائیوں کو بلا کر ان سے یوں مخاطب ہوا:

> ''اے میرے رومی بھائیو! کان کھول کر سن لو، میرے پاس احمد عربی کے بارے میں خط آیا ہے۔ اس خط میں انہوں نے ہمیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی ہے ان کی نبوت و رسالت آفتاب سے زیادہ روشن ہے۔ لہٰذا اٹھو اور سب کہو اللہ ایک ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں۔''

Marfat.com

جب روم کے عیسائیوں نے اپنے اس بڑے پادری کے منہ سے توحید الٰہی اور نبوت محمدی کی یہ دعوت سنی تو فوری طور پر بپھر گئے اور انہوں نے اس کے دینی مقام کا کوئی لحاظ نہ رکھتے ہوئے اس پر حملہ کر دیا اور اس پر اتنے تیر چلائے کہ وہ جاں بحق ہو گیا۔ سیدنا دحیہ رضی اللہ عنہ وہاں سے بڑی مشکل سے بچ کر ہرقل کے پاس پہنچے، اور صغاطر کے ساتھ اس کے پیروکاروں نے جو سلوک کیا اس کی تفصیل ہرقل کو سنائی۔ قیصر نے کہا کہ یہ شخص ان کے نزدیک مجھ سے کہیں زیادہ محترم اور معزز ہے۔ اس کے ساتھ جب انہوں نے یہ سلوک کیا ہے تو اس سے تم اندازہ لگا لو کہ اگر میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دین کو قبول کر لوں تو یہ لوگ اور یہ اساطین کلیسا میرے ساتھ کیا سلوک کریں گے؟ (مدارج النبوۃ: ۲/ ۲۹۷)

اس کے بعد قیصر بیت المقدس سے حمص آیا۔ حمص اس کا پایہ تخت تھا۔ وہاں اس نے دربار شاہی منعقد کیا اور تمام اعیان مملکت اور امرائے سلطنت کو اس میں شرکت کی دعوت دی۔ یہ دربار شاہی اس نے اپنے محل کے وسیع صحن میں منعقد کیا جس کے اردگرد چاروں طرف کمرے بنے ہوئے تھے۔ جب سب مہمان آ گئے تو قیصر نے تمام بیرونی دروازوں کو بند کرنے کا حکم دیا۔ خود محل کے شاہ نشین سے نمودار ہوا اور قوم کو یوں مخاطب کیا:

''اے مملکت روم کے شہریو! اگر تمہاری یہ خواہش ہے کہ تمہیں فلاح اور کامیابی نصیب ہو اور ہمیشہ صراط مستقیم پر چلتے رہو، اور تمہارا ملک اور حکومت ہمیشہ قائم و دائم رہے تو اٹھو اور اس نبی کا دامن پکڑ لو جو تمہارے درمیان ظاہر ہوا ہے۔''

جونہی یہ سننا تھا تو وہ وحشی گدھوں کی طرح دروازوں کی طرف بھاگے ان میں ایک بھگدڑ مچ گئی۔ وہ چاہتے تھے کہ محل کے صحن سے باہر نکل جائیں لیکن دیکھا کہ تمام دروازے مقفل ہیں۔ باہر نکلنے کی کوئی صورت نہیں۔ اب قیصر نے اپنے خدام کو حکم دیا کہ ان بھاگنے والوں کو واپس لائیں۔ جب وہ واپس آئے تو قیصر نے اس کے غصہ کو فرو کرنے کے لیے کہا کہ تم ایسے ہی بدک گئے۔ میں نے تو یہ بات تمہیں آزمانے کے لیے کہی تھی تاکہ مجھے پتہ چل جائے کہ تم اپنے عقیدہ پر کہاں تک پختہ ہو اور اپنے مذہب کے ساتھ تمہاری کس قدر دل بستگی ہے۔ تمہاری یہ پختگی اور دل بستگی دیکھ کر مجھے بڑی مسرت ہوئی ہرقل کی یہ بات سن کر ان کا غصہ فرو ہو گیا اور وہ خوش ہو کر اس کے سامنے سجدہ میں گر گئے۔ (فسجدوا له ورضوا عنه)

یہ واقعہ بیان کر کے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فكان ذالک آخر شان هرقل

Marfat.com

''یہ تھا ہرقل کے قصہ کا آخری معاملہ۔''

اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کے بعد ہرقل فوراً مر گیا بلکہ اس کو جو اسلام کی دعوت دی گئی تھی اس سلسلہ میں جو قصہ پیش آیا وہ یہیں تک ختم ہو گیا یعنی ہرقل کا معاملہ مشتبہ رہا۔ اس کے نزدیک سرکار دو عالم ﷺ کی حقانیت ثابت ہو گئی لیکن پھر بھی اس نے اپنی حکومت اور دین کو ترجیح دی اور حضور ﷺ پر ایمان نہ لایا۔ ہرقل اس کے بعد کافی عرصہ زندہ رہا۔ اس نے جنگ موتہ میں مسلمانوں کے خلاف لشکر کشی کی۔ جنگ تبوک میں لشکر کشی کی۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس نے سونا بھیجا جو آپ نے تقسیم کرا دیا۔ (ملاحظہ ہو فتح الباری: ۱/۴۳)

مسند امام احمد وغیرہ میں رسول اللہ ﷺ کے ایک اور خط کا ذکر بھی ہے اور ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم نے بھی اس خط کا ذکر کیا ہے۔ یہ مکتوب گرامی آپ ﷺ نے قیصر کی طرف اس وقت ارسال فرمایا تھا جب آپ میدان تبوک میں خیمہ زن تھے۔ یہ مکتوب گرامی لے جانے کے لیے بھی رسول اللہ ﷺ نے سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ ہی کو منتخب فرمایا تھا۔ اس مکتوب میں آپ نے لکھا تھا:

> محمد رسول اللہ (ﷺ) کی طرف سے ہرقل شاہ روم کے نام
>
> میں تمہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ اگر تم اسلام قبول کر لو تو تم پہلے مسلمانوں کی طرح ہو جاؤ گے۔ جو حقوق ان کے ہیں وہی تمہارے ہوں گے اور جو ذمہ داریاں ان پر عائد ہوتی ہیں وہ تم پر بھی عائد ہوں گی۔ اگر تم اسلام قبول نہیں کرتے تو پھر ہمیں جزیہ دینا قبول کر لو کیونکہ ارشاد خداوندی ہے: ''جنگ کرو ان لوگوں سے جو نہیں ایمان لاتے اللہ پر اور روز قیامت پر اور نہیں حرام سمجھتے جسے حرام کیا ہے اللہ نے اور اس کے رسول نے اور نہ قبول کرتے ہیں سچے دین کو ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی ہے یہاں تک کہ وہ جزیہ دیں اپنے ہاتھ سے اس حال میں کہ وہ مغلوب ہوں۔'' اگر تمہیں یہ بھی منظور نہیں تو پھر اپنی رعایا کو آزاد چھوڑ دو چاہے وہ مسلمان ہو جائیں اور چاہے وہ جزیہ دینا قبول کر لیں۔''

سعید بن راشد کہتے ہیں کہ جب میں شام گیا تو مجھے بتایا گیا کہ سامنے والے گرجا میں وہ شخص رہتا ہے جسے قیصر نے اپنا قاصد بنا کر بارگاہ رسالت میں بھیجا تھا۔ چنانچہ ہم اس گرجا میں گئے۔ وہاں ہماری ملاقات ایک پیر فرتوت سے ہوئی۔ میں نے اس سے پوچھا: ''کیا تم ہی قیصر روم کے قاصد بن کر سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں گئے تھے؟'' اس نے کہا:

Marfat.com

''ہاں۔'' پھر میں نے اس سے واقعہ سنانے کی فرمائش کی۔ اس نے کہا کہ سرکار دوعالم ﷺ جب تبوک کے مقام پر خیمہ زن تھے تو آپ نے دحیہ کلبی کو اپنا مکتوب گرامی دے کر قیصر روم کے پاس بھیجا۔ جب قیصر کو آپ کا گرامی نامہ ملا اس نے اپنے سارے پادریوں اور مذہبی پیشواؤں کو اپنے پاس طلب کیا اور سارے دروازے بند کرنے کا حکم دیا۔ پھر اس نے تمام حاضرین کو مخاطب کر کے کہا یہ شخص جس جگہ آ کر خیمہ زن ہوا ہے اسے تم جانتے ہو کہ اس نے میری طرف لکھا ہے کہ میں ان باتوں میں سے کوئی ایک بات تسلیم کرلوں:

① یا تو ہم اسلام قبول کرلیں

② یا انہیں جزیہ دینا قبول کرلیں

③ یا پھر جنگ کے لیے تیار ہوں جائیں۔

قیصر نے کہا: ''اے عیسائیت کے عالمو اور دانشورو! تم نے اپنی کتابوں میں پڑھا ہے کہ وہ اس زمین پر ضرور قابض ہو جائے گا جہاں میں اب قدم رکھے ہوئے ہوں۔ پس آؤ ہم اس کا دین قبول کرلیں یا پھر اس کو جزیہ دینا قبول کرلیں۔ یہ الفاظ سنتے ہی وہ سب بطریق اور قسیس بیک آواز غرانے لگے۔ انہوں نے اپنی کلاہیں اتار کر پھینک دیں اور قیصر سے کہنے لگے کہ کیا تم ہمیں اس بات کی دعوت دیتے ہو کہ ہم عیسائیت کو چھوڑ کر حجاز سے آنے والے ایک عرب کے غلام بن جائیں؟ جب قیصر نے ان لوگوں کی یہ حالت اور ان کا یہ غیظ وغضب دیکھا تو اس نے جان لیا کہ یہ لوگ کسی صورت بھی اسلام کی دعوت کو قبول نہیں کریں گے اور اگر اسی حالت میں وہ یہاں سے باہر نکل گئے تو یہ لوگوں کو میرے خلاف بھڑکا کر ایک قیامت برپا کر دیں گے۔ اب اس نے اپنی بات کا رخ بدل دیا اور حاضرین سے کہنے لگا کہ میں نے تو یہ سب کچھ تمہارے امتحان کے لیے کہا تھا تاکہ مجھے تمہارے عقیدے کی پختگی اور مضبوطی کا پتہ چل جائے۔ پھر اس نے حاضرین سے کہا کہ مجھے ایک ایسا شخص درکار ہے جو عربی زبان میں ماہر ہو اور عربی میں بے تکلف گفتگو کر سکے۔ چنانچہ مجھے اس کام کے لیے منتخب کیا گیا۔ قیصر نے مجھے کہا کہ تم اس شخص کے پاس جاؤ، اور چاہو تو سب کچھ بھول جانا لیکن تین باتیں یاد رکھنا: ایک یہ کہ وہ اپنے خط کا ذکر کرتے ہیں یا نہیں۔ دوسرے یہ کہ وہ میرا خط پڑھ کر ''رات'' کا ذکر کرتے ہیں یا نہیں، اور تیسرے ان کے مونڈھوں کے درمیان کوئی چیز ہے یا نہیں؟

تنوخی کہتا ہے کہ قیصر کا خط لے کر میں تبوک آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ اس وقت اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حلقہ میں تشریف فرما تھے۔ میں نے ایک شخص سے پوچھا: ''آپ

Marfat.com

کے نبی کہاں ہیں؟'' اس نے بتایا کہ وہ سامنے تشریف فرما ہیں۔ میں آپ ﷺ کی خدمت میں جا کر بیٹھ گیا اور ہرقل کا خط نکال کر پیش کر دیا۔ حضور ﷺ نے اسے پکڑا اور اپنے پاس رکھ لیا اور مجھ سے پوچھا: ''تم کون ہو؟'' میں نے بتایا کہ میں قبیلہ تنوخ کا ایک فرد ہوں۔'' فرمایا: ''کیا اسلام کو قبول کرنا پسند کرو گے کیونکہ یہ دین تو تمہارے باپ ابراہیم کا دین ہے؟'' میں نے عرض کی: ''میں تو قیصر روم کی طرف سے سفیر بن کر آپ کے پاس آیا ہوں۔ میرا دین وہی ہے جو میری قوم کا ہے۔ جب تک میں واپس اپنی قوم کے پاس نہ چلا جاؤں میں اپنا مذہب تبدیل نہیں کروں گا۔ میرا یہ جواب سن کر آپ مسکرائے اور فرمایا:

﴿انک لاتهدی من احببت ولکن الله یهدی من یشاء، وهوا علم بالمهتدین﴾ (قصص:٥٦)

''بے شک آپ ہدایت نہیں دے سکتے جس کو آپ پسند کریں البتہ اللہ ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور وہ ہدایت یافتہ لوگوں کو خوب جانتا ہے۔''

پھر فرمایا: ''اے تنوخی بھائی! میں نے ایک دعوت نامہ کسریٰ ایران کی طرف بھیجا تھا اس نے اس کو پھاڑ کر پارہ پارہ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اور اس کی مملکت کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ میں نے تیرے بادشاہ کی طرف دعوت نامہ ارسال کیا۔ اس نے اسے عزت واحترام سے وصول کیا۔ لوگ اس کی قوت سے خائف رہیں گے جب تک اس کی زندگی میں خیر ہو گی۔

تنوخی کہتا ہے کہ میں نے یہ جملہ سنا تو مجھے یاد آ گیا کہ قیصر نے جن تین باتوں کے یاد رکھنے کا مجھے تاکیدی حکم دیا تھا، ان میں سے ایک یہ ہے۔ میں نے اپنے تیر کی نوک سے اپنی تلوار کی میان پر اس کو لکھ لیا۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے وہ خط اپنی بائیں جانب بیٹھے ہوئے شخص کو پڑھنے کے لیے دیا۔ میں نے ایک شخص سے پوچھا: ''یہ صاحب کون ہیں؟'' انہوں نے کہا: ''ان کا نام ''معاویہ'' ہے۔ قیصر کے خط میں ایک اعتراض تھا کہ قرآن حکیم میں ہے: ''عرضها السماوات والارض'' کہ سارے آسمانوں اور زمینوں کو ملایا جائے تو جنت کا عرض اس کے برابر ہو گا۔ اس نے پوچھا: ''دوزخ کہاں ہو گا؟'' حضور ﷺ نے جواب میں فرمایا: ''سبحان الله! این الليل اذا جاء النهار'' جب دن آ جاتا ہے تو رات کہاں ہوتی ہے۔ تنوخی کہتا ہے: ''یہ دوسری بات تھی جس کو میں نے یادداشت کے طور پر لکھ لیا۔

جب رسول اللہ ﷺ قیصر کا خط پڑھنے سے فارغ ہوئے تو مجھے مخاطب کر کے

Marfat.com

فرمایا: ''تو ہمارے پاس قیصر کا سفیر بن کر آیا ہے۔ تیری خاطر و مدارات اور تیری تکریم ہم پر ضروری ہے لیکن ہم اس وقت حالت سفر میں ہیں اور ہمارا زادِ راہ بھی قریب الاختتام ہے ورنہ ہم ضرور تجھے انعام و اکرام سے نوازتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک شخص نے عرض کی: ''میں اسے انعام پیش کرتا ہوں۔'' اس نے اپنا سامان کھولا اور صفوریہ کی بنی ہوئی ایک خلعت اٹھائی اور میری سامنے رکھ دی۔ میں نے پوچھا: ''یہ شخص کون ہے؟'' مجھے بتایا گیا کہ اس کا نام عثمان ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کون اس کا میزبان بنے گا۔ ایک انصاری نوجوان نے عرض کی: ''میں یا رسول اللہ!'' جب وہ انصاری مجھے اپنی قیام گاہ پر لے کر گیا اور میں حضور کی محفل سے باہر نکلا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تنوخی! ادھر آؤ۔'' میں حاضر خدمت ہوا تو آپ نے فرمایا: ''ھٰھنا امض لما امرت لہ'' یہاں سے گزرو جیسے تمہیں حکم دیا گیا تھا۔'' مجھے قیصر کی بات یاد آ گئی۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت کی طرف آیا وہاں کندھوں کے درمیان مجھے مہر نبوت نظر آئی جو نمایاں ہو رہی تھی۔ اس طرح قیصر کی باتوں سے تیسری بات بھی تنوخی نے دیکھ لی۔

(مسند احمد بن حنبل: ۲/۴۴۱۔۴۴۲، الوثائق السیاسیۃ: ص ۱۱۰۔۱۴، الصبح الاعشیٰ: ۶/۳۶۳، احمد بن علی القلشقندی)

سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ محرم سنہ 7ھ کو بیت المقدس پہنچے اور بصریٰ کے رئیس کے توسط سے قیصر روم کے دربار میں پہنچ کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا والا نامہ اس کو پیش کیا۔ (بخاری: ۱/۴)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا والا نامہ قیصر روم کو پیش کرنے سے قبل آپ نے ایک مختصری تقریر فرمائی۔

''اے قیصر! جس ہستی نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے وہ سب سے بلند و بالا اور اعلیٰ و ارفع ہے، لہٰذا میں جو کچھ آپ کے سامنے عرض کروں اس کو نہایت متواضع ہو کر سنیں اور نہایت غور و فکر اور اخلاص سے اس کا جواب دیں۔ اگر آپ اس کو متواضع ہو کر نہ سنیں گے تو اس کو بخوبی سمجھ نہ سکیں گے اور اگر جواب میں اخلاص نہ ہوگا تو وہ جواب درست اور عادلانہ نہ ہوگا۔''

''یہ تو آپ بخوبی جانتے ہیں کہ سیدنا مسیح علیہ السلام نماز پڑھا کرتے تھے۔ جس کے لیے سیدنا مسیح علیہ السلام نماز پڑھا کرتے تھے اور جس کے سامنے وہ اپنی جبین نیاز جھکاتے تھے اور جس نے انہیں بطن مادر میں بنایا اور جس ذات نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا، میں اس ذاتِ ستودہ صفات کی طرف آپ کو بلاتا ہوں۔ پھر

Marfat.com

اس نبی اُمی ﷺ کی نبوت کی دعوت دیتا ہوں جس کی سیدنا موسیٰ اور سیدنا عیسیٰ علیہما السلام نے بشارت دی ہے اور آپ کو اس کی بخوبی خبر ہے۔ اگر آپ اس دعوت کو قبول کریں گے تو یہ آپ کے لیے دنیا اور آخرت دونوں کے لیے بہتر ہوگی اور اگر قبول نہ کریں گے تو آپ کے لیے دنیا وآخرت دونوں میں خسارہ ہوگا ورنہ آخرت تو تمہارے ہاتھ سے جاتی ہی رہے گی اور دنیا میں دوسرے لوگ آپ کے شریک ہوں گے اور اس بات کو بھی بخوبی جان لیجیے کہ اللہ تعالیٰ جو منکرین کو پامال کر دیتا ہے، اپنی نعمتوں کو بدلتا رہتا ہے۔"

قیصر روم سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی اس تقریر سے بہت متاثر ہوا اور اس نے ان کے ہاتھ سے رسول اللہ ﷺ کا والا نامہ لے کر سر اور آنکھوں پر رکھا اور اسے چوما۔ پھر اسے کھول کر پڑھا اور کہا: میں سوچ کر اس کا جواب دوں گا۔" (روض الانف: ۲/۳۵۵)

اس نے اپنے ملازمین کو حکم دیا کہ عرب کے جو لوگ میرے ملک میں آئے ہوئے ہیں ان کو میرے دربار میں حاضر کرو۔ میں اس نبی کے حالات ان سے معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ اتفاق سے ابوسفیان بن حرب قریش کی ایک جماعت کے ساتھ معاہدہ حدیبیہ کے تحت عرصہ امن میں تجارت کے لیے ملک شام گئے ہوئے تھے۔ یہ لوگ بیت المقدس (ایلیا) میں قیصر روم کے پاس حاضر ہوئے۔ (بخاری: ۱/۴)

ہرقل نے انہیں اپنے دربار میں بلایا۔ یہ حضرات اس وقت غزہ میں مقیم تھے ان کو ہرقل کے آدمی غزہ سے لے کر آئے۔ دربار میں اساطین سلطنت، بڑے بڑے پادری اور راہبان موجود تھے۔ ان سب کی موجودگی میں اس نے ان لوگوں سے اپنے ترجمان کے ذریعے پوچھا کہ تم میں سے اس مدعی نبوت کا حسب ونسب کے لحاظ سے سب سے زیادہ قریبی شخص کون ہے؟ ابوسفیان نے کہا: میں ہوں۔ ہرقل نے کہا: تم میرے قریب آ جاؤ۔ دوسرے ساتھیوں کو ان کے پیچھے بیٹھنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد ان پیچھے بیٹھنے والوں سے کہا کہ میں اس شخص سے اس مدعی نبوت کے بارے میں کچھ سوالات کروں گا۔ اگر یہ جھوٹ بولے تو تم لوگ اس کی تکذیب کر دینا۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ خدا کی قسم اگر مجھ کو جھوٹ بولنے کی بدنامی کا خوف نہ ہوتا تو میں آپ ﷺ کے بارے میں یقیناً جھوٹ بولتا۔ بعد ازاں اس نے ان سے مختلف سوالات کیے جن کو بخاری نے متعدد ابواب میں نقل کیا ہے۔ وہ سوالات پوچھنے کے بعد ہرقل نے اپنے ترجمان سے کہا کہ تم اس شخص (ابوسفیان) سے کہو کہ میں نے تم سے اس شخص کا نسب پوچھا تو تم نے بتایا کہ

Marfat.com

وہ اونچے نسب کا ہے اور دستور یہی ہے کہ نبی اپنی قوم میں اونچے حسب ونسب والا ہوتا ہے۔

پھر میں نے یہ پوچھا کہ یہ بات اس سے پہلے بھی تم میں سے کسی نے کہی تھی؟ تم نے بتلایا کہ نہیں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر یہ بات اس سے قبل کسی اور نے کہی ہوتی تو میں یہ کہتا کہ یہ شخص ایک ایسی بات کی نقالی کر رہا ہے جو اس سے قبل کہی جا چکی ہے۔

پھر میں نے دریافت کیا کہ اس کے آباؤ اجداد میں کوئی بادشاہ تو نہیں گزرا؟ تم نے کہا کہ نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر اس کے آباؤ اجداد میں کوئی بادشاہ گزرا ہوتا تو میں سمجھتا کہ یہ شخص اپنے باپ دادا کی گئی ہوئی سلطنت حاصل کرنا چاہتا ہے۔

پھر میں نے تم سے پوچھا کہ جو بات اس نے کہی ہے اسے کہنے سے پہلے تم نے اسے کسی معاملہ میں جھوٹا تو نہیں پایا۔ تم نے جواب دیا کہ نہیں اور میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کہ وہ لوگوں پر تو جھوٹ نہ باندھے اور اللہ پر جھوٹ باندھے۔

پھر میں نے یہ دریافت کیا کہ اس کی پیروی اور اتباع بڑے بڑے لوگ کر رہے ہیں یا کمزور اور ضعیف لوگ؟ تو تم نے بتایا کہ اس کی پیروی کرنے والے اکثر کمزور اور ضعفاء ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ پیغمبروں کی اتباع کرنے والے ضعفاء اور غرباء ہی ہوتے ہیں۔

پھر میں نے پوچھا کہ اس کے دین میں داخل ہونے کے بعد کوئی شخص ناراض اور برگشتہ ہوکر مرتد بھی ہو جاتا ہے تو تم نے بتایا کہ نہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ایمان کی بشاشت اور حلاوت جب دلوں میں سرایت کر جاتی ہے تو ایسا ہی ہوتا ہے کہ وہ نکلتی نہیں۔

پھر میں نے پوچھا کہ کیا وہ بدعہدی بھی کرتا ہے؟ تو تمہارا جواب یہ تھا کہ نہیں اور بے شک نبی اور رسول ایسے ہی ہوتے ہیں وہ کسی سے بدعہدی اور پیمان شکنی نہیں کرتے۔ پھر میں نے دریافت کیا کہ کبھی تم نے اس سے جنگ بھی کی ہے اور جنگ کا نتیجہ کیا نکلا۔ تو تمہارا جواب یہ تھا کہ کبھی وہ غالب ہوا اور کبھی ہم۔ بے شک انبیاء کے ساتھ ابتداءً اللہ تعالیٰ کا یہی معاملہ رہتا ہے لیکن انجام کار غلبہ اور فتح انہی کو حاصل ہوتی ہے۔

پھر میں نے یہ دریافت کیا کہ وہ کن کن باتوں کا حکم دیتا ہے تو تم نے بتلایا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے اور کسی کو اس کی ذات وصفات میں شریک نہ ٹھہرانے کا حکم دیتا ہے۔ بت پرستی سے روکتا ہے، نماز اور زکوٰۃ، سچائی اور پرہیزگاری اور عفت اور پاک دامنی وغیرہ کا حکم دیتا ہے۔

جو کچھ تم نے بتایا اگر وہ سب صحیح ہے تو یہ شخص بہت جلد میرے ان دونوں قدموں کی جگہ کا مالک ہوگا۔ میں جانتا تھا کہ ایک نبی آنے والا ہے لیکن میرا یہ گمان نہ تھا کہ وہ تم لوگوں

Marfat.com

میں سے ہوگا۔ اگر مجھے یقین ہوتا کہ اس کے حضور پہنچ سکوں گا تو اس سے ضرور ملاقات کرتا اور اگر اس کے پاس ہوتا تو اس کے دونوں پاؤں دھوتا۔

پھر ہرقل نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا والا نامہ منگا کر پڑھا۔ جب خط پڑھ چکا تو ہر طرف سے آوازیں بلند ہونے لگیں۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ اس وقت ہم سب کو باہر نکال دیا گیا۔ باہر آنے کے بعد میں نے کہا کہ نہایت تعجب کی بات ہے کہ ابوکبشہ (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بیٹے کا معاملہ بڑا زور پکڑ گیا۔ اب تو اس سے بنواصفر (رومیوں) کا بادشاہ بھی ڈرتا ہے۔ اس کے بعد مجھے پورا یقین ہوگیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین تمام ادیان پر غالب آکر رہے گا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام کی توفیق عطا فرمادی۔ (بخاری: ۱/۳۰۔۳۸)

سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والا نامہ کا ہرقل پر یہ اثر ہوا جس کا مشاہدہ ابوسفیان نے کیا۔ چنانچہ اسی اثر کے تحت اس نے سفیر نبوت سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی مال اور پارچہ جات سے تواضع کی، لیکن سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ جب وہ تمام تحائف لے کر واپس ہوئے تو قبیلہ جذام کے کچھ لوگوں نے ان پر ڈاکہ ڈال کر سب کچھ لوٹ لیا۔ سیدنا دحیہ رضی اللہ عنہ مدینہ پہنچنے کے بعد سیدھے بارگاہ رسالت میں پہنچے اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں پانچ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مشتمل ایک دستہ حسمی روانہ فرمایا۔ انہوں نے قبیلہ جذام پر شب خون مار کر ان کی خاصی تعداد کو قتل کر دیا اور ان کے چوپایوں اور عورتوں کو ہانک لائے۔ چوپایوں میں ایک ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں تھیں اور قیدیوں میں ایک سو عورتیں اور بچے تھے۔ بعد میں آپ نے اس قبیلہ کے سردار زید بن رفاعہ کے احتجاج اور فریاد پر ان کا احتجاج قبول فرماتے ہوئے تمام مال غنیمت اور قیدی واپس کر دیئے۔ (زاد المعاد: ۲/۱۲۲)

قیصر روم ہرقل اپنے پادریوں اور رؤسا سے ڈر کر مسلمان نہ ہوا کیونکہ اسے خطرہ پیدا ہوگیا تھا کہ اگر میں مسلمان ہوگیا تو کہیں میری حکومت نہ چھین لی جائے، لیکن اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والا نامہ اور آپ کے ایلچی سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کا بڑا اعزاز واحترام کیا۔

حافظ ابن حجر نے معجم طبرانی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ہرقل نے سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں خوب جانتا ہوں کہ آپ نبی ہیں، لیکن میں اگر ایسا کروں تو میری سلطنت جاتی رہے گی اور رومی مجھے قتل کر دیں گے۔ (فتح الباری: ۱/۳۴)

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ: ۴/۲۶۲۔۲۶۸، الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح: ۱/۹۴، فتح الباری: ۱/۳۴۔۴۰)

Marfat.com

حضور ﷺ کا یہ خط قیصر روم نے سونے کے ایک قلمدان میں نہایت عزت و احترام سے رکھا اور پھر اس کی نسل میں یہ خط نسلاً بعد نسل چلتا آیا۔ وہ اس خط کی بہت حفاظت کرتے تھے کیونکہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ جب تک یہ خط ہمارے پاس محفوظ رہے گا ہماری سلطنت باقی رہے گی۔

حافظ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ہرقل نے سرکار دو عالم ﷺ کے مکتوب گرامی کو سونے کی ایک نلکی میں بڑے اہتمام سے محفوظ کر دیا۔ اور قیصر کے بعد آنے والے سارے رومی بادشاہ اس مکتوب گرامی کی بڑی تعظیم و تکریم کرتے تھے اور اسے ہمیشہ بڑے محترم اور معزز مقام پر رکھتے۔ ایک قیصر روم جس کا نام ازفرنش تھا، جس نے اسپین کے مشہور شہر طلیطلہ اور دیگر علاقوں پر قبضہ کیا، بعض روایات میں ہے کہ سلطان منصور قلادون نے سیف الدین طلح المعصوری کو مغرب کے بادشاہ کے پاس ایک معاملہ میں سفارشی بنا کر بھیجا۔ اس افرنگی بادشاہ نے وہ سفارش قبول کر لی اور سیف الدین سے درخواست کی کہ وہ اس کے پاس ہی ہمیشہ کے لیے رہائش اختیار کرے، لیکن انہوں نے ایسا کرنے سے معذوری ظاہر کی۔ بادشاہ نے کہا: ''اگر آپ میری یہ عرض داشت مان لیں تو میں آپ کو ایک بیش قیمت تحفہ دوں گا۔'' چنانچہ اس نے ایک صندوق نکالا جو سونے کے پتروں سے منڈھا ہوا تھا۔ اس میں سے ایک زریں قلم دان نکالا۔ پھر اسے کھول کر ایک خط نکالا اور کہا کہ یہ آپ کے پیغمبر ﷺ کا مکتوب گرامی ہے جو آپ ﷺ نے میرے دادا قیصر کو لکھا تھا۔ ہم اسے نسلاً بعد نسل محفوظ رکھے ہوئے ہیں۔ ہمارے آباؤ اجداد نے ہمیں یہ وصیت کی ہوئی ہے کہ

مادام هذا الكتاب عندنا لايزال الملک فينا

''جب تک یہ مکتوب گرامی ہمارے پاس رہے گا حکومت ہم میں باقی رہے گی۔''

اس لیے ہم اسے بڑی حفاظت سے اپنے پاس رکھتے ہیں اور اس کی بڑی عزت و تکریم کرتے ہیں اور کسی عیسائی کو اس کے بارے میں کچھ نہیں بتاتے۔ (عمدۃ القاری: 1/111)

نجاشی شاہ حبشہ کے نام بھی آپ نے ایک خط سیدنا عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ روانہ فرمایا، سیدنا عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ نے نجاشی کو یہ خط دے کر فرمایا: ''اصحمہ رضی اللہ عنہ! (نجاشی شاہ حبشہ کا نام) مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔ امید ہے کہ آپ میری اس بات کو غور و خوض سے سنیں گے۔ ہمیں آپ پر حسن ظن بھی ہے اور اعتماد بھی۔ ہم نے جب بھی آپ سے کسی خیر کی امید کی

Marfat.com

ہمیں وہ خیر آپ سے حاصل ہوئی۔ آپ کے سایہ امن و عاطفت میں ہمیں کبھی کوئی خوف نہیں ہوا۔ انجیل ہمارے اور آپ کے مابین شاہد عادل ہے۔ جس کی شہادت کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ اگر آپ نے اس دعوت کو قبول نہ کیا تو آپ اس نبی کے حق میں ایسے ہی ثابت ہوں گے جیسا یہود سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے سفیر دوسرے سرداروں کے پاس بھی بھیجے ہیں لیکن دوسروں کی نسبت آپ سے زیادہ امید ہے۔

سیدنا عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نامہ مبارک جب نجاشی کے حوالے کیا تو نجاشی نے اسے اپنی آنکھوں سے لگایا اور تخت سے اتر کر زمین پر بیٹھ گیا اور سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ جو اس وقت حبشہ میں موجود تھے، کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والا نامہ کا جواب لکھوایا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم O

محمد رسول اللہ کی خدمت میں نجاشی اصحمہ کی طرف سے

اللہ کے نبی! آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام اور اس کی رحمتیں او ر برکتیں ہوں، اس ایک اللہ کی تعریف کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور جس نے مجھے اسلام کی ہدایت اور توفیق مرحمت فرمائی۔

اے اللہ کے رسول! مجھے آپ کا والا نامہ موصول ہوا۔ جس میں آپ نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ذکر فرمایا۔ سیدنا عیسیٰ اس سے ایک ذرہ برابر بڑھ کر نہ تھے۔ مجھے قسم ہے آسمانوں اور زمین کے پروردگار کی، وہ ویسے ہی ہیں جیسے آپ نے ان کا ذکر فرمایا۔ پھر آپ نے جو کچھ ہماری طرف بھیجا ہے ہم نے اسے جانا اور آپ کے چچازاد بھائی (سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ) اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی مہمان نوازی کی اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اور میں نے آپ سے بیعت کی اور آپ کے چچازاد بھائی سے بیعت کی اور ان کے ہاتھ پر اللہ رب العالمین کے لیے اسلام قبول کیا۔

میں آپ کی خدمت میں اپنے بیٹے ارھا بن اصحمہ ابجر کو بھیج رہا ہوں۔ میں صرف اپنی ذات کا مالک ہوں۔ اگر ارشاد ہو تو خود حاضر خدمت ہونے کو تیار ہوں۔ یا رسول اللہ! میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ

Marfat.com

آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ بالکل درست اور حق ہے۔ سلام ہو آپ پر اے اللہ کے رسول!

نجاشی نے اپنے بیٹے ارحا کو ساٹھ آدمیوں کے ساتھ ایک کشتی میں سوار کر کے آپ کی خدمت اقدس میں روانہ کیا لیکن وہ کشتی راستہ میں غرق ہو گئی۔

یہ وہی نجاشی ہے جس کے پاس سنہ 5 نبوی میں مسلمان ہجرت کر کے گئے تھے اور اس نے ان کا بڑا اعزاز و احترام کیا تھا۔ اس کا نام اصحمہ تھا۔ یہ سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوا اور رجب سنہ 9ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ جس روز اس کی وفات ہوئی، جبریل امین علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع دی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنازہ گاہ میں اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجاشی کو یہ بھی لکھا تھا کہ وہ سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ اور دوسرے مہاجرین حبشہ کو مدینہ روانہ کر دے۔ چنانچہ اس نے آپ کے ارشاد کی تعمیل میں سیدنا عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کے ساتھ دو کشتیوں میں ان کی روانگی کا بندوبست کیا۔ ایک کشتی کے سوار جس میں سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور کچھ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے، خیبر پہنچ کر براہِ راست خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور دوسرے کشتی کے سوار جن میں زیادہ تر عورتیں اور بچے تھے، سیدھے مدینہ پہنچے۔ (ابن ہشام: ۲/ ۳۵۹)

اس کی وفات کے بعد دوسرا شخص اس کا جانشین ہو کر تخت پر بیٹھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بھی ایک خط ارسال فرمایا لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس نے اسلام قبول کیا یا نہیں۔ (زرقانی. ۳/ ۳۴۶)

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو طبری: ۳/ ۸۹، زرقانی: ۳/ ۳۴۳۔ ۳۴۵، زاد المعاد: ۳/ ۶۰، ہدایہ الحیاری لابن قیم: ص ۳۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجاشی کو دو خط لکھے تھے۔ ایک خط میں سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح کا حکم تھا، نجاشی نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان دونوں گرامی ناموں کو ہاتھی دانت کی ایک ڈبیا میں بڑے احترام و اعزاز کے ساتھ رکھا اور کہا:

لن تزال الحبشة بخير ماكان هذان الكتابان بين اظهرها

"حبشہ کی ہمیشہ خیریت رہے گی جب تک یہ دو مکتوب اس کے پاس رہیں گے۔"

Marfat.com

نجاشی کے نام سرکار دو عالم ﷺ کے والا نامہ کے بارے میں ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم لکھتے ہیں:

''ابھی حال ہی میں حبشی اطالوی جنگ کی ابتداء میں اخباروں نے (ہمدم نے مصر کے اخبار ''البلاغ'' سے اور اس نے عدیس ابابا کے اخبار ''برہان اسلام'' سے نقل کر کے) یہ خبر شائع کی تھی کہ نجاشی نے اپنے خزانے سے آنحضرت ﷺ کا یہ خط جو اب تک محفوظ ہے، نکال کر مسلمانوں کے ایک وفد کو دکھایا۔''

(رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی: ص ۱۱۴۔۱۱۵)

نبی اکرم ﷺ نے ایک خط مقوقش شاہ مصر و اسکندریہ کے نام بھی روانہ فرمایا جس میں اسے اسلام کی دعوت دی۔ خط سر بمہر کر کے سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو دیا کہ اسے شاہ مصر کے پاس پہنچائیں۔ وہ پہلے مصر پہنچے تو معلوم ہوا کہ بادشاہ اسکندریہ میں ہے۔ جب اسکندریہ پہنچے تو دیکھا کہ وہ ایک جھروکے میں بیٹھا ہوا ہے جو دریا کے کنارے پر ہے۔ بادشاہ کو اطلاع دی گئی۔ اس نے سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ کو جھروکے کے اندر بلایا۔ انہوں نے اندر پہنچ کر آپ ﷺ کا والا نامہ دیا۔ بادشاہ نے نہایت عظمت و توقیر کے ساتھ اس والا نامہ کو پڑھا۔ (زرقانی: ۳/ ۳۴۷)

بادشاہ کو خط دینے کے بعد سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے مقوقش کے بھرے دربار میں فرمایا:

''اس سرزمین میں (یعنی مصر میں) تم سے پہلے ایک شخص گزرا ہے جو اپنے کو ''رب اعلیٰ'' سمجھتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اول و آخر کے لیے عبرت بنا دیا۔ پہلے تو اس کے ذریعہ لوگوں سے انتقام لیا۔ پھر خود اس کو انتقام کا نشانہ بنایا، لہٰذا اس سے عبرت پکڑو۔ ایسا نہ ہو کہ دوسرے تم سے عبرت پکڑیں۔''

سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ کا اپنا بیان ہے کہ اس کے بعد شاہ اسکندریہ مقوقش نے مجھے شاہی مہمان کے طور پر شاہی مہمان خانے میں ٹھہرایا۔ ایک روز اس نے تمام عمائدین سلطنت اور زعماء حکومت کو اکٹھا کر کے مجھے بلایا اور کہا کہ میں تم سے کچھ اہم سوالات پوچھنا چاہتا ہوں ذرا غور و فکر سے جواب دینا۔ پھر مقوقش نے کہا! اگر وہ واقعی اللہ کے رسول ہیں تو جس وقت ان کی قوم نے انہیں مکہ سے نکالا تو انہوں نے ان کے حق میں بددعا کیوں نہ کی کہ وہ تباہ و برباد ہو جاتے۔ سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے رسول نہ تھے؟ اس

Marfat.com

نے جواب دیا: بے شک وہ اللہ کے رسول تھے۔ حاطب رضی اللہ عنہ نے کہا: جب وہ اللہ تعالیٰ کے رسول تھے، تو جب ان کے دشمنوں نے انہیں صلیب دینے کا ارادہ کیا تو سیدنا مسیح علیہ السلام نے اس وقت ان کی ہلاکت کے لیے بددعا کیوں نہ کی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی طرف اٹھالیا؟ مقوقس ان کے اس جواب سے لاجواب ہو گیا اور بولا: ''بے شک تو حکیم ہے اور ایک حکیم کے پاس سے آیا ہے۔'' (زرقانی: ۳/ ۳۴۸، خصائص کبریٰ، بیہقی: ۲/۱۲)

پھر مقوقس نے انہیں کچھ اور سوالات کیے جن کے انہوں نے نہایت تسلی بخش جوابات دیئے۔ ان کے جوابات سے مطمئن ہو کر مقوقس نے کہا: میں نے اس نبی کے بارے میں بہت غور وفکر کیا تو پایا کہ وہ پسندیدہ باتوں کا حکم دیتے ہیں اور ناپسندیدہ باتوں سے روکتے ہیں۔ قابل نفرت چیزوں کا حکم نہیں دیتے اور قابل رغبت باتوں سے روکتے نہیں۔ وہ نہ گمراہ اور جادوگر ہیں اور نہ ہی جھوٹے کاہن بلکہ ان میں نبوت کی علامات پائی جاتی ہیں۔ مثلاً غیب کی خبریں دینا۔ اس بارے میں مزید غور کروں گا۔ پھر اس نے آپ کے والا نامہ کو ہاتھی دانت کے ڈبہ میں بند کر کے اور اسے سربمہر کر کے اپنے خازن کو حکم دیا کہ اسے حفاظت سے رکھیں اور ایک کاتب کو بلا کر آپ کے والا نامہ کا جواب ان الفاظ میں دیا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم O

محمد بن عبداللہ کے نام مقوقس عظیم قبط کی طرف سے

آپ پر سلام ہو۔ میں نے آپ کا والا نامہ پڑھا اور اس میں ذکر کی گئی تمام باتوں کو سمجھا، مجھے معلوم ہے کہ ابھی تک ایک نبی کی آمد باقی ہے۔ میرا خیال تھا کہ وہ شام سے مبعوث ہوگا۔ میں نے آپ کے قاصد کا اعزاز واکرام کیا۔ آپ کی خدمت اقدس میں دو لونڈیاں بھیج رہا ہوں اور سواری کے لیے ایک خچر بھی ارسال خدمت کر رہا ہوں۔ والسلام

مقوقس نے اس پر کوئی اضافہ نہیں کیا اور اسلام نہیں لایا۔ دونوں لونڈیاں ماریہ قبطیہ اور سیرین قبطیہ تھیں۔ ماریہ آپ کے حرم میں داخل ہوئیں۔ سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ بن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی ماریہ قبطیہ کے بطن سے تھے۔ دوسری سیرین سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو عطا ہوئیں۔ اس خچر کا نام دلدل تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجا گیا۔ سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ جب واپس مدینہ طیبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو تمام واقعہ بیان کیا۔ ارشاد فرمایا کہ وہ اپنی سلطنت کے چھن جانے کے خوف سے مسلمان نہیں ہوا، لیکن اس کا ملک اور سلطنت باقی

Marfat.com

نہیں رہ سکتی۔ چنانچہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مصر اور اسکندریہ کو فتح کر لیا۔

(زرقانی: ۳/ ۳۴۸، روض الانف: ۲/ ۳۵۵، الجواب الصحیح: ۱/ ۹۹، ہدایہ الحیاریٰ: جلد ۳۳، زاد المعاد لابن قیم: ۳/ ۶۰)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اپنی کتاب الجواب الصحیح جلد: ۱ ص ۱۰۱-۱۰۳ پر لکھا ہے کہ اس والا نامہ سے قبل بھی مقوقس سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے آپ کے حالات معلوم کر چکا تھا۔ وہ مسلمان ہونے سے قبل چند ساتھیوں کے ساتھ اس کے ملک میں گئے تھے۔ چنانچہ سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ مقوقس کی باتوں ہی سے متاثر ہو کر واپس مدینہ آ کر مسلمان ہو گئے لیکن خود مقوقس کے مقدر میں اسلام نہیں تھا، لہٰذا اسلام کو قبول نہ کیا۔

شاہ بحرین منذر بن ساویٰ کے نام بھی آپ نے ایک خط لکھا جس میں اسے اسلام کی دعوت دی۔ اس خط کو سیدنا علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ شاہ بحرین کے پاس بھیجا۔ منذر بن ساویٰ نے اس خط کے جواب میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لکھا: ''اے اللہ کے رسول! میں نے آپ کا خط بحرین کے باشندوں کو پڑھ کر سنایا۔ ان میں سے بعض نے اسلام کو محبت اور پاکیزگی کی نگاہ سے دیکھا اور اس کو قبول کر لیا اور بعض نے پسند نہیں کیا۔ اور میری اس سرزمین میں یہود اور مجوس بھی ہیں، لہٰذا آپ اس بارے میں اپنا حکم صادر فرمائیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو اس کا جواب دیا اس کو علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے زاد المعاد: ۲/ ۶۱-۶۲ پر نقل کیا ہے اور زرقانی نے بھی اپنی کتاب کی جلد ۳ ص ۳۵۱ پر وہی خط نقل فرمایا ہے۔ یہ خط ماضی قریب میں دستیاب ہوا۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب مرحوم (فرانس) نے اس کا فوٹو بھی شائع کیا ہے۔

امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے منذر کا جو جواب نقل کیا ہے وہ یہ ہے: ''کہ میں جس دین پر ہوں میں نے اس میں بہت غور و خوض کیا تو اس کو صرف دنیا کے لیے پایا نہ کہ آخرت کے لیے اور جب آپ کے پیش کردہ دین پر غور و خوض کیا تو اسے دین و دنیا دونوں کے لیے مفید پایا، لہٰذا اس دین کو قبول کرنے میں مجھے کیا چیز مانع ہے کہ جس کے قبول کرنے میں زندگی کی تمنائیں اور امنگیں اور موت کی راحت اور سکون ہے؟ اب تک میں اس شخص کی حالت پر نہایت تعجب کرتا تھا جو اس دین اسلام کو قبول کرے لیکن اب حالت یہ ہو گئی ہے کہ اس شخص پر تعجب ہوتا ہے جو اس دین برحق کو رد کرتا ہے۔ (روض الانف: ۲/ ۳۵۶، الجواب الصحیح: ۱/ ۱۱۳)

یمامہ کے رئیس ہوذہ بن علی کے نام بھی آپ نے ایک خط سیدنا سلیط بن عمرو

Marfat.com

عامری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ روانہ کیا۔ آپ جب یہ خط ہوذہ کے پاس لے کر گئے تو اس نے ان کا بہت احترام کیا۔ ان کو شاہی مہمان بنایا۔ سیدنا سلیط رضی اللہ عنہ نے ہوذہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

''ہوذہ رضی اللہ عنہ! تجھ کو بوسیدہ ہڈیوں نے حکمران بنا دیا ہے اور حقیقت میں سردار اور حکمران وہ ہے جو ایمان سے متمتع ہوا اور تقویٰ و پرہیزگاری کو زادِ راہ بنالیا۔ میں تجھے ایک بہترین شے کا حکم کرتا ہوں اور ایک بدترین شے سے تجھے منع کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم کرتا ہوں اور شیطان کی عبادت سے منع کرتا ہوں۔ اگر تو اس کو قبول کرے گا تو تیری امیدیں اور تمنائیں بر آئیں گی اور اگر تو انکار کرے گا تو یاد رکھ قیامت کا ہولناک منظر ہمارے اور تمہارے درمیان سے اس حائل پردہ کو اٹھا دے گا۔''

ہوذہ نے سیدنا سلیط رضی اللہ عنہ سے کہا کہ مجھے کچھ روز مہلت دیں میں اس دعوت پر غور و فکر کرلوں۔ چنانچہ چند روز کے بعد اس نے آپ کے خط کا یہ جواب دیا:

''جس شے کی طرف آپ بلاتے ہیں وہ بہت اچھی اور خوب ہے۔ عرب میرے دبدبہ اور مرتبہ سے خوفزدہ ہیں۔ آپ مجھے کچھ اختیار عنایت فرمائیں میں آپ کا اتباع کروں گا۔''

ہوذہ نے چلتے وقت سفیر رسول سیدنا سلیط رضی اللہ عنہ کو کچھ ہدیے اور تحفے دیئے اور کچھ ہجر کے بنے ہوئے کپڑے بھی دیئے۔ سیدنا سلیط رضی اللہ عنہ نے واپس جا کر وہ تمام تحائف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیے اور تمام تفصیلات بھی گوش گزار کیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا خط پڑھ کر فرمایا: ''خدا کی قسم، اگر وہ زمین کا ایک ٹکڑا بھی مجھ سے طلب کرے تو میں اسے نہ دوں گا۔ وہ خود بھی تباہ ہوگا اور جو کچھ اس کے ہاتھ میں ہے وہ بھی تباہ ہوگا۔''

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح مکہ سے واپس تشریف لائے تو جبریل امین علیہ السلام نے آپ کو ہوذہ کے مرنے کی خبر دی۔ آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا: ''سنو یمامہ میں ایک کذاب ظاہر ہونے والا ہے جو نبوت کا دعویٰ کرے گا اور میرے بعد قتل ہوگا۔''

(زاد المعاد: ۳/۶۳، زرقانی: ۳/۳۵۵)

اسی طرح کا ایک خط آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حارث غسانی حاکم دمشق کے پاس بھیجا۔ لیکن وہ اپنی بدقسمتی سے اسلام نہ لایا۔ (زرقانی: ۳/۳۵۶، طبقات: ۱/۱۷)

اور ایک اور خط آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے ہاتھ شاہ عمان جیفر

Marfat.com

اور اس کے بھائی عبد کے نام روانہ کیا۔ انہوں نے اس خط کو پڑھا اور سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے بہت سے سوال و جواب کے بعد اسلام کی دعوت کو قبول کر لیا۔

(زاد المعاد: ۶۲/۳، زرقانی: ۳۵۳/۳، طبقات ابن سعد: ۱۸/۱، ہدایہ الحیاری: ۳۴، روض الانف: ۳۵۶/۲، اصابہ: ۲۶۲/۱)

آپ نے ان سربراہان مملکت کے نام جو خطوط ارسال فرمائے اور انہیں اسلام کی دعوت دی، اس سے پتہ چلا کہ اسلام صرف ایک خاص قوم یا خاص خطہ زمین کے لیے نہیں بلکہ پوری دنیا کے لیے ہے اور ہر رنگ و نسل اور ہر دین و ملت کا آدمی آپ پر ایمان لانے کا مکلف ہے۔

آپ کے خطوط کے جواب میں کچھ بادشاہ ایمان لائے اور کچھ نے اسلام کی دعوت کو رد کر دیا۔ جنہوں نے رد کیا وہ تباہ و برباد ہو گئے اور جنہوں نے قبول کیا وہ تاریخ عالم میں زندہ جاوید ہو گئے، دوسرے یہ کہ خواہ کسی نے آپ کی دعوت کو قبول کیا یا رد، لیکن یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ان خطوط کے بعد اسلام تمام دنیا میں ایک جانی پہچانی دعوت و قوت بن گیا اور ہر شخص اسلام کے بارے میں سوچنے لگا اور اسلام کی دعوت جزیرہ عرب سے نکل کر تمام دنیا میں پھیلنی شروع ہو گئی۔

Marfat.com

غزوۂ خیبر

اگرچہ یہود کے تمام قبائل کو آپ نے مدینہ سے جلاوطن کر دیا اور ان کی اکثریت خیبر میں جا کر آباد ہو گئی لیکن یہ لوگ وہاں جا کر بھی بدعہدی اور پیمان شکنی کے لیے ادھار کھائے بیٹھے تھے۔ چنانچہ جنگ خندق میں خیبر کے یہودی ہی تھے جو مشرکین اور دوسرے قبائل عرب کا ایک متحدہ محاذ قائم کر کے انہیں مدینہ پر چڑھا لائے تھے۔ پھر بنو قریظہ کی عہد شکنی میں بھی خیبر کے انہی یہودیوں کا ہاتھ تھا۔

اس بات میں بھی کوئی شک و شبہ نہیں کہ حدیبیہ کے معاہدہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ صرف قریش بلکہ پوری جنوبی سمت سے مطمئن کر دیا تھا لیکن مدینہ کے شمال میں بسنے والے خیبر کے یہود سے ہر وقت آپ کو خطرہ لاحق رہتا تھا کہ ہرقل شاہ روم یا کسریٰ شاہ فارس، خیبر کے ان یہودیوں کو مسلمانوں کے خلاف نہ بھڑکا دیں اور یہود کا وہ پرانا سور پھر رسنے لگے جو ان کے دینی بھائیوں، بنو قینقاع اور بنو نضیر کے مدینہ سے جلاوطنی اور بنو قریظہ کے قتل عام کی صورت میں رونما ہوا تھا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہودیوں کی سرشت اور طینت کا بخوبی علم تھا کہ وہ کینہ توزی میں نہ صرف قریش بلکہ دنیا کی ہر قوم سے بڑھے ہوئے ہیں اور دینی حیثیت میں بھی قریش اور دوسری تمام اقوام عالم سے زیادہ متعصب اور جامد ہیں۔ خطرہ تھا کہ اگر انہیں ہرقل یا کسریٰ کی طرف سے مدد مل جائے تو مسلمانوں سے انتقام لینے میں انہیں کوئی تامل نہیں ہوگا۔

چنانچہ معاہدہ حدیبیہ کے بعد جب قریش مکہ کے ساتھ محاذ آرائی کا خاتمہ ہوا اور ان مجرم یہودیوں کے محاسبہ کے لیے فضا صاف ہو گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فیصلہ کر لیا کہ یہود کے فتنہ کو جڑ سے اکھیڑ کر عرب سے باہر دھکیل دیا جائے تاکہ مسلمانوں کے خلاف یہ خلش کا کانٹا ہمیشہ کے لیے نکل جائے۔ چنانچہ آپ نے ان کے متعلق مناسب کارروائی عمل میں لانے کا تہیہ کر لیا اور اس مہم میں اور بھی عجلت سے کام لیا تاکہ بنو غطفان یا مسلمانوں کا کوئی اور دشمن ان کی مدد کے لیے نہ پہنچ سکے۔

Marfat.com

خیبر کو روانگی:

خیبر ایک وسیع و عریض زرخیز قطعۂ زمین کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے شام کی طرف آٹھ برید یعنی 96 میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہاں سارے کے سارے باشندے یہودی تھے۔ اس علاقہ میں متعدد قلعے، بے شمار کھیت اور کثیر التعداد نخلستان تھے۔ یہاں کے باشندے کئی وادیوں میں بکھرے ہوئے تھے۔ وہ وادیاں باہم قریب قریب تھیں۔ انہوں نے اپنے کھیتوں کے درمیان قلعے تعمیر کیے ہوئے تھے۔ (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ص ۲۷۵، محمد رضا، بیروت)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محمد ابن اسحاق کے بیان کے مطابق، حدیبیہ سے واپسی پر ذی الحجہ کا پورا مہینہ اور محرم کے چند دن مدینہ طیبہ میں قیام فرمایا۔ پھر محرم کے باقی ماندہ دنوں میں آپ خیبر کی اس مہم پر روانہ ہو گئے۔ (عیون الاثر: ۲/۱۸۱)

لشکر کو روانگی کا حکم دیتے ہوئے صرف انہی مسلمانوں کو لشکر میں شریک ہونے کی اجازت مرحمت فرمائی جو حدیبیہ کی مہم میں شریک تھے اور ان کے سوا دوسرے مسلمانوں کی شمولیت سے انکار تو نہ فرمایا لیکن انہیں غنیمت سے مستثنیٰ فرما دیا۔ حدیبیہ میں شریک ہونے والوں کی تعداد صرف چودہ سو تھی مزید دو سو حضرات نے شرکت فرمائی۔ چنانچہ آپ اخیر محرم الحرام 7ھ میں چودہ سو پیادوں اور دو سو سواروں کے ساتھ خیبر کی طرف روانہ ہوئے۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے صرف ام سلمہ رضی اللہ عنہا آپ کے ساتھ تھیں۔ صلح حدیبیہ میں بھی یہی آپ کے ہم رکاب تھیں۔ (زرقانی: ۲/ ۲۱۷، فتح الباری: ۷/ ۳۵۶، زاد المعاد: ۲/ ۱۳۳)

ہر ایک مسلمان کے دل میں نصرت خداوندی کا یقین موجزن تھا اور حدیبیہ سے واپسی پر سورۂ فتح کی بشارت کی وجہ سے پر امید۔ چونکہ منافقین حدیبیہ کے سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جانے کے بجائے اپنے گھروں میں بیٹھ رہے تھے، اس لیے اللہ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے بارے میں بتا دیا کہ فتح خیبر کی بشارت سن کر منافقین بھی آپ سے استدعا کریں گے کہ ہم بھی اس سفر میں آپ کے رفیق ہوں گے۔ اللہ کا حکم یہ ہے کہ یہ لوگ ہرگز آپ کے ساتھ اس سفر میں نہ جائیں۔ (ملاحظہ ہو سورۂ فتح: ۱۵)

اس غزوہ کے دوران مدینہ طیبہ کا انتظام سیدنا سباع بن عرفطہ انصاری رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا گیا اور محمد ابن اسحاق کی روایت کے مطابق سیدنا نمیلہ بن عبداللہ لیثی رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا گیا۔

(عیون الاثر: ۲/ ۱۸۱، ابن ہشام: ۲/ ۳۲۸)

Marfat.com

اور لشکر کا علم بردار سیدنا علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔

اسی موقع پر سیدنا سباع بن عرفطہ انصاری رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے۔ نماز سے فراغت کے بعد سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان سے ملے اور کھانا وغیرہ تناول کرنے کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے لیے خیبر کی جانب روانہ ہو گئے۔ جب خدمت نبوی میں پہنچے تو خیبر فتح ہو چکا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو بھی مال غنیمت میں شریک فرمالیا۔

سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ رات کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت میں خیبر کے لیے روانہ ہوئے۔ دوران سفر ایک شخص نے عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ جو ایک مشہور شاعر تھے، سے کہا کہ ہمیں اپنے کچھ رجزیہ اشعار سناؤ۔ چنانچہ وہ سواری سے اتر کر حدی خوانی کرنے لگے۔ یہ لشکر کے آگے آگے تھے اور یہ رجزیہ اشعار پڑھ رہے تھے:

اللھم لولا انت ما اھتدینا ولا تصدقنا ولا صلینا
فاغفر فداء لک ما اتقینا والقین سکینہ علینا
وثبت الاقدام ان لاقینا انا اذا صیح بنا اتینا
وبالصیاح عولوا علینا

''اے اللہ! اگر تو ہدایت نہ فرماتا تو ہم ہدایت نہ پاتے، نہ صدقہ کرتے اور نہ نماز پڑھتے۔ ہم تجھ پر قربان تو ہمیں بخش دے جب تک ہم تقویٰ اختیار کریں اور ہم پر سکینت نازل فرما۔ اگر ہم ٹکرائیں تو ہمیں ثابت قدم رکھ۔ ہم کو جب جہاد کے لیے پکارا جاتا ہے تو دوڑ کر پہنچتے ہیں اور للکار میں لوگوں نے ہم پر اعتماد کیا ہے۔''

مسند احمد میں یہ کلمات بھی ہیں:

ان الذین قد بغوا علینا اذا ارادوا فتنہ ابینا
ونحن عن فضلک ما استغنینا

''جن لوگوں نے ہم پر تعدی کی، جب وہ کسی فتنہ میں ہمیں مبتلا کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو ہم انکار کرتے ہیں اور اے اللہ! ہم تیرے فضل سے مستغنی نہیں ہو سکتے۔''

یہ اشعار سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا یہ حدی خوان کون ہے؟ لوگوں نے کہا عامر

Marfat.com

بن اکوع رضی اللہ عنہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ اس پر رحم فرمائے۔ ایک روایت میں ہے کہ فرمایا اللہ تیری مغفرت فرمائے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے لیے تو جنت واجب ہو گئی۔ کاش آپ عامر رضی اللہ عنہ کے وجود سے ہمیں چند روز اور بہرہ ور ہونے دیتے۔(بخاری:۲/۶۰۳، فتح الباری:۷/۳۵۷، مسلم:۲/۱۱۵)

کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پتہ تھا کہ جب آپ جنگ کے موقع پر کسی شخص کے لیے خصوصیت سے دعائے مغفرت فرماتے تو وہ ضرور شہید ہو جاتا۔ چنانچہ سیدنا عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ اس جنگ میں شہید ہو گئے۔

ادھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ سے روانہ ہوئے۔ ادھر منافقین نے یہود کی حمایت میں اپنی تگ و دو شروع کر دی۔ چنانچہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے خیبر کے یہود کو پیغام بھجوایا کہ اب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہاری طرف رخ کیا ہے۔ اس لیے خوب تیاری کر کے ان کا مقابلہ کرو۔ ڈٹ جاؤ کیونکہ تم تعداد اور اسلحہ میں ان سے برتر ہو۔ تمہارے مقابلہ میں مسلمان بالکل تہی دست ہیں۔ جب اہل خیبر کو معلوم ہوا کہ مسلمان اب ہماری طرف آ رہے ہیں تو انہوں نے کنانہ بن ابی الحقیق اور ہوذہ بن قیس کو مدد کے لیے بنوغطفان کے پاس روانہ کیا کیونکہ وہ یہود کے حلیف تھے۔ یہود نے انہیں یہ پیشکش بھی کی کہ اگر وہ مسلمانوں کے خلاف فتح یاب ہوئے تو خیبر کی پیداوار کا نصف انہیں دیا جائے گا۔ بنوغطفان یہود کی مدد کے لیے تیار بھی ہو گئے۔ لیکن جب اپنی آبادی سے باہر نکلے تو انہیں اپنے پیچھے کچھ شوروغل سنائی دیا۔ وہ سمجھے کہ مسلمانوں نے ان کے بال بچوں پر حملہ کر دیا ہے، اس لیے وہ واپس پلٹ گئے اور خیبر کے یہودیوں کی کوئی مدد نہ کی۔

راستہ میں آپ جبل عصر (عین کے زیر اور ص ساکن کے ساتھ اور بعض کے نزدیک دونوں پر زبر ہے) کو عبور کر کے وادی صہبا سے گزرے۔ پھر وادی رجیع میں پہنچے۔ پھر آپ نے ان دونوں ماہرین کو بلایا جو لشکر کو راستہ بتانے پر مامور تھے اور ان دونوں نے ایسا مناسب ترین راستہ معلوم کرنا چاہا، جسے اختیار کر کے خیبر میں شمال کی جانب سے یعنی مدینہ کے بجائے شام کی جانب سے داخل ہو سکیں تاکہ اس طریقہ سے ایک طرف تو یہود کے شام بھاگنے کا راستہ بند کر دیں اور دوسری طرف بنوغطفان اور یہود کے درمیان حائل ہو کر ان کی طرف سے مدد و نصرت کے ہر امکان کو ختم کر دیا جائے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے بتائے ہوئے راستہ مرحب کو اختیار کیا۔

راستہ میں ایک بلند مقام پر پہنچے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ آپؐ نے

Marfat.com

فرمایا اپنے اوپر رحم کرو۔ تم کسی بہرے اور غائب خدا کو نہیں پکار رہے ہو۔ تم تو اس خدا کو پکار رہے ہو جو سننے والا اور قریب ہے۔ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں آپ کی سواری کے بالکل قریب تھا۔ آپ نے مجھے "لا حول ولا قوۃ الا باللہ" پڑھتے ہوئے سنا تو "عبداللہ بن قیس" کہہ کر مجھے آواز دی (یہ سیدنا ابو موسیٰ کا نام تھا) میں نے کہا: میں حاضر ہوں، میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ فرمایا: میں تجھ کو جنت کا خزانہ بتاؤں؟ میں نے عرض کی کیوں نہیں ضرور بتلائیں۔ آپ نے فرمایا: لا حول ولا قوۃ الا باللہ یعنی یہ جنت کا خزانہ ہے۔

مسلمان مدینہ سے چل کر تیسرے روز نماز مغرب کے بعد رات کو خیبر پہنچے اور رات بھر قلعہ خیبر کے نیچے پڑے رہے اور یہود کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ آپ کا دستور یہ تھا کہ جب رات کے وقت کسی قوم کے پاس پہنچتے تو رات میں کسی پر حملہ نہ فرماتے، بلکہ صبح کا انتظار فرماتے۔ اگر اذان کی آواز سنتے تو حملہ نہ فرماتے اور اگر اذان کی آواز نہ سنتے تو حملہ فرما دیتے۔ اسی سنت کے مطابق خیبر میں بھی صبح کی اذان کا انتظار فرمایا۔ جب صبح کی اذان نہ سنی تو حملہ کی تیاری فرمانی شروع کی۔ ادھر اہل خیبر، جنہیں بالکل علم نہیں تھا کہ مسلمانوں کا لشکر باہر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے، صبح کے وقت جب وہ پھاوڑے اور کھانچی وغیرہ لے کر کھیتی باڑی کے لیے نکلے تو باہر لشکر کو پڑاؤ ڈالے دیکھا۔ لشکر کو دیکھ کر وہ چیختے ہوئے واپس بھاگے کہ محمد والخمیس (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے لشکر کے ساتھ آ گئے ہیں۔ (لشکر کو خمیس اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے پانچ حصے ہوتے ہیں۔ مقدمہ، میمنہ، میسرہ، قلب اور ساقہ) سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آوازہ سنا تو فرمایا:

((اللہ اکبر خرجت خیبر، انا اذا انزلنا بساحۃ قوم فساء صباح المنذرین))

"اللہ اکبر خیبر کی تباہی کا وقت آ پہنچا۔ جب ہم کسی قوم کے میدان میں اتر پڑتے ہیں تو ان ڈرائے ہوئے لوگوں کی صبح بری ہو جاتی ہے۔"

(جامع الاصول، لابن اثیر: ۳/۲۱۳)

بعض روایات میں ہے کہ آپ نے رجیع کے مقام پر قیام فرمایا۔ علامہ یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ "رجیع" نام کے دو مقام ہیں۔ ایک وہ مقام جہاں عضل اور قارہ کے اوباشوں نے دھوکا کے ساتھ سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ اور ان کے چھ ساتھیوں کو شہید کیا تھا۔ یہ مقام مکہ اور طائف کے درمیان ہے۔ دوسرا مقام وہ ہے جہاں خیبر پر حملہ کرتے وقت لشکر اسلام نے قیام فرمایا تھا۔ لشکر

Marfat.com

اسلام کے یہاں قیام کرنے سے بنو غطفان کے لیے ناممکن ہو گیا کہ خیبر کے یہودیوں کی امداد کے لیے اپنا لشکر لے کر وہاں پہنچیں۔ (معجم البلدان: ۲۹/۳)

ویسے بھی بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ بنو غطفان کی امداد کو یہودیوں کے لیے ناممکن بنانے کی ایک تدبیر کر رکھی تھی۔ وہ یہ کہ جب بنو غطفان کو اطلاع ملی کہ محمد ﷺ خیبر پر حملہ کرنے کے لیے روانہ ہو گئے ہیں تو بنو غطفان نے اپنے تمام جنگ جو جوانوں کو اکٹھا کر کے اہل خیبر کی امداد کے لیے روانہ کیا۔ جب وہ خیبر کی طرف ایک منزل طے کر چکے تو انہیں پیچھے سے شور سنائی دیا۔ انہیں اندیشہ ہوا کہ کہیں مسلمانوں نے ان کے اہل وعیال کو اکیلا دیکھ کر حملہ نہ کر دیا ہو۔ چنانچہ وہ اپنے اہل وعیال کی حفاظت کے لیے واپس آ گئے۔ بات دراصل یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو غطفان کی خیبر کی طرف پیش قدمی روکنے کے لیے اسلامی لشکر کا ایک دستہ بنو غطفان کی آبادی کو ہراساں کرنے کے لیے اس علاقہ کی طرف روانہ کیا۔ اس دستہ کو دیکھ کر عورتوں اور بچوں نے شور مچایا کہ مسلمان فوج حملہ کے لیے آ گئی۔ اس طریقہ سے بنو غطفان یہودیوں کی امداد کرنے سے یک قلم رک گئے اور اپنے بال بچوں کی حفاظت میں مصروف ہو گئے۔ (الحرکات العسکریہ للرسول الاعظم: ۳۸۱/۲، سیف الدین سعید)

خیبر کے یہودی بھی پہلے سے یہ خطرہ محسوس کر رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ان کے دشمنوں کو پناہ دینے کی وجہ سے جنگ کرنے پر تلے بیٹھے ہیں۔ وہ ایسے وقت سے غافل نہ تھے۔ ان میں سے بعض لوگ جو قبائل میں سے کسی سے مدد نہ چاہتے تھے، حفظ ماتقدم کی بنا پر وادی القریٰ اور تیماء کے یہودیوں سے ساز باز بھی کر چکے تھے تاکہ مسلمانوں کے دلوں میں جو کینہ حیی ابن اخطب کی طرف سے مدینہ پر بلوہ کی صورت میں رونما ہو چکا ہے، اس کی تلافی ہو جائے۔ چنانچہ انہوں نے سرکار دو عالم ﷺ کی تیاری کی سن گن پائی تو فوراً بنو غطفان کو اطلاع دی تاکہ وہ وقت پر ان کی مدد کر سکیں لیکن جیسا کہ بتایا جا چکا ہے وہ وقت پر ان کی مدد کے لیے نہ پہنچ سکے۔

سرکار دو عالم ﷺ نے لشکر کے پڑاؤ کے لیے ایک جگہ کا انتخاب فرمایا۔ اس پر سیدنا حباب بن المنذر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول! یہاں آپ اللہ کے حکم کے تحت پڑاؤ ڈال رہے ہیں یا اپنی مرضی اور جنگی تدبیر کی وجہ سے؟ آپ ﷺ نے فرمایا میں اپنی رائے سے اس جگہ پڑاؤ ڈال رہا ہوں۔ عرض کی ''یا رسول اللہ! یہ جگہ قلعہ نطاۃ سے بہت ہی قریب ہے اور خیبر کے سارے جنگجو افراد اسی قلعہ میں ہیں۔ انہیں ہمارے حالات کا پورا علم رہے گا، جب کہ

Marfat.com

ہمیں ان کے حالات کی کوئی خبر نہ ہوگی۔ ان کے تیر ہم تک پہنچ جائیں گے جبکہ ہمارے تیر ان تک ہرگز نہیں پہنچ سکیں گے۔ وہ جب چاہیں ہم پر شبخون بھی مار سکتے ہیں۔ پھر یہ مقام پستی میں واقعہ ہے اور کھجوروں کے باغات کے درمیان واقع ہے۔ اس لیے کسی اور جگہ پڑاؤ ڈالنا میری رائے میں بہتر ہوگا۔ آپ ﷺ نے سیدنا حباب بن المنذر رضی اللہ عنہ کی رائے کی تحسین فرمائی اور دوسری مناسب جگہ پڑاؤ ڈالنے کا حکم ارشاد فرمایا۔

بعض کتابوں میں ہے کہ خیبر کے یہودیوں نے یہ سن رکھا تھا کہ رسول اللہ ﷺ ان پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہے، لیکن ان کے ذہن اس بات کو تسلیم نہیں کرتے تھے کہ مسلمان ان پر حملہ کرنے کی جرأت کریں گے۔ انہیں اپنی عسکری قوت پر بڑا ناز تھا بلکہ پورا عرب سمجھتا تھا کہ یہ لوگ فوجی، اقتصادی اور معاشی طور پر بہت مضبوط ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ ہمارا لشکر دس ہزار جنگ جو اور نہایت بہادر افراد پر مشتمل ہے۔ ہمارے پاس ڈھیروں اسلحہ ہے، ہمارے قلعے نہایت مضبوط اور مستحکم ہیں۔ لہٰذا ہماری اس عسکری قوت کی وجہ سے یہ ممکن ہی نہیں کہ مسلمان ہم پر چڑھائی کر سکیں۔ لیکن پھر بھی انہوں نے بہت سی احتیاطی تدابیر کر رکھی تھیں۔ صبح سویرے ہر روز ان کا لشکر فوجی پریڈ کے لیے اکٹھا ہوتا۔ اس لشکر کو وہ یوں چاق و چوبند اور فوجی ٹریننگ میں ماہر دیکھ کر کہتے:

محمد یغزونا، هیهات، هیهات

محمد (ﷺ) ہم پر حملہ کریں یہ ناممکن ہے ناممکن ہے۔

لیکن جس رات مجاہدین اسلام کا لشکر لے کر محمد ﷺ اس علاقہ میں پہنچے اس رات ان پر ایسی نیند مسلط ہوئی کہ طلوع آفتاب تک ان کی آنکھ نہ کھلی۔ نیند کے خمار میں وہ قریباً بے ہوش اور بے سدھ پڑے رہے یہاں تک کہ اس سحر میں ان کے مرغوں نے اذان تک نہ دی۔

(لم یتحر کو تلک اللیلة ولم یصیح لهم دیک حتی طلعت الشمس)

(تاریخ الخمیس: ۲/ ۴۵، سبل الہدیٰ: ۵/ ۱۸۵)

خیبر پر مسلمانوں کے حملہ کی خبر جنگل کی آگ کی طرح تمام جزیرہ نما عرب میں پھیل گئی۔ عرب کا ہر شخص نتیجے کے لیے گوش بر آواز تھا، خصوصاً قریش مکہ نہایت بیتابی کے ساتھ نتیجہ کے منتظر تھے۔ انہیں پوری پوری امید تھی کہ خیبر کے یہودی اپنی بہادری، اپنے قلعوں کی بلندی، اسلحہ کی بہتات اور پہاڑوں کی بلند ترین چوٹیوں کی وجہ سے مسلمانوں کا نہ صرف حملہ ناکام کر دیں گے بلکہ ان کی وہ درگت بنائیں گے کہ انہیں چھٹی کا دودھ یاد آ جائے گا۔ چنانچہ ان میں

Marfat.com

سے اکثر نے تو شرط بھی لگا رکھی تھی۔

خیبر کی آبادی دو منطقوں میں منقسم تھی۔ ایک منطقے میں حسب ذیل پانچ قلعے تھے:

(1) حصن ناعم (2) حصن صعب بن معاذ (3) حصن زبیر (4) حصن ابی (5) حصن نزار

ان میں سے مشہور تین قلعوں پر مشتمل علاقہ نطاۃ کہلاتا تھا اور بقیہ دو قلعوں پر مشتمل علاقہ شق کے نام سے مشہور تھا۔

دوسرا منطقہ کتیبہ کہلاتا تھا۔ اس میں صرف تین قلعے تھے۔

① حصن قموص: یہ قلعہ بنونضیر کے خاندان ابوالحقیق کا قلعہ تھا۔

② حصن وطیح

③ حصن سلالم

ان آٹھ قلعوں کے علاوہ خیبر میں مزید قلعے اور گڑھیاں تھیں مگر وہ چھوٹی تھیں او رمضبوطی اور حفاظت کے نقطہ نظر سے ان قلعوں کے ہم پلہ نہ تھیں۔

جنگ صرف پہلے منطقے میں ہوئی۔ دوسرے منطقے کے تینوں قلعے لڑنے والوں کی کثرت کے باوجود جنگ کے بغیر ہی مسلمانوں کے حوالے کر دیے گئے۔

مسلمانوں نے خیبر میں داخل ہو کر صف بندی کی اور خیبر کے قلعوں کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا۔ یہود نے اپنے سرغنہ سلام بن مشکم کے مشورہ سے یہ انتظام کیا کہ مال و اسباب، مستورات اور بچوں کو قلعہ وطیح اور قلعہ سلالم میں پہنچا دیا۔ اجناس اور رسد قلعہ ناعم میں منتقل کر دی گئیں اور سپاہی اپنے جنگ آزمودہ اور تجربہ کار سپہ سالاروں کی قیادت میں غنیم کے حملہ سے عہدہ برآ ہونے کے لیے سب کے سب قلعہ علاۃ میں جمع ہو گئے۔

قلعہ ناعم کی فتح:

مسلمان فوج نے سب سے پہلے قلعہ ناعم پر حملہ کیا کیونکہ یہ قلعہ جنگی محل وقوع کے لحاظ سے یہود کی پہلی دفاعی لائن کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس کا سب سے پہلے فتح کرنا ضروری تھا۔ اس لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا محمود بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت ایک دستہ اس کو فتح کرنے کے لیے بھیجا۔ انہوں نے نہایت بہادری اور جوانمردی سے اس قلعہ کو فتح کرنے کے لیے حملہ کیا اور کافی دیر تک یہودیوں سے مقابلہ کیا۔ گرمی بہت سخت تھی، اس لیے تھک کر دم لینے کے لیے وہ

Marfat.com

قلعہ کی دیوار کے سایہ میں جا کر بیٹھ گئے۔ کنانہ بن ربیع نے قلعہ کی فصیل کے اوپر سے چکی کا ایک بہت بھاری پاٹ گرایا جس سے وہ شہید ہو گئے لیکن قلعہ بہت جلد فتح ہو گیا۔

(فتح الباری: ۷/ ۳۵۸، عیون الاثر: ۲/ ۱۸۴)

ناعم کی فتح کے بعد چند چھوٹی چھوٹی گڑھیاں اور قلعے تھے۔ وہ آسانی کے ساتھ فتح ہو گئے۔ اس کے بعد قلعہ قموص کا محاصرہ کیا گیا۔ یہ اس شہ زور اور بہادر یہودی کا قلعہ تھا، جس کو مرحب کہتے تھے اور جس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ ایک ہزار مردوں کے برابر ہے۔

محاصرہ کو کئی روز گزر گئے اور قلعہ فتح نہ ہوا۔ روایات میں ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم درد شقیقہ کی وجہ سے میدان میں تشریف نہ لا سکے۔ اس لیے علم دے کر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ انہوں نے جی توڑ کر مقابلہ کیا لیکن قلعہ فتح نہ ہوا۔ دوسرے روز سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو علم دے کر بھیجا، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی پوری جوانمردی سے مقابلہ و مقاتلہ کیا لیکن بغیر فتح کے رات کو واپس ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں کل علم اس شخص کو دوں گا، جو اللہ اور اس کے رسول کو محبوب رکھتا ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ سے اس قلعہ کو فتح فرما دے گا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ رات نہایت اضطراب سے گزاری۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جو قناعت پسندی میں اپنی مثال آپ تھے اور آپ نے کبھی حکومت اور سرداری کی تمنا نہیں کی تھی، وہ خود اعتراف کرتے ہیں کہ اس موقع کی تمنا میں ان کی خودداری بھی قائم نہ رہ سکی۔

(مسلم: ۲/ ۲۷۸)

صبح کے وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سنا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا ''علی رضی اللہ عنہ کہاں ہیں؟'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس وقت آشوب چشم میں مبتلا تھے اور جنگ کرنے کے قابل نہ تھے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنے پاس بلایا اور ان کی آنکھوں میں اپنا لعابِ دہن لگایا اور دعا فرمائی۔ روایات میں ہے کہ آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: **خذ هذه الراية، فامض بها حتى يفتح الله عليك** اے علی رضی اللہ عنہ یہ جھنڈا لو اور غنیم پر حملہ کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ہاتھ سے اسے فتح فرمائے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! کیا لڑ کر یہود کو مسلمان بنا لیں؟'' فرمایا نرمی کے ساتھ ان پر اسلام پیش کرو۔ اگر ایک شخص بھی تمہاری ہدایت سے حلقہ بگوش اسلام ہو گیا تو یہ بات تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔

(بخاری: ۲/ ۶۰۵، ۱/ ۵۲۵، مسلم: ۲/ ۲۷۹)

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فوج لے کر اس قلعہ کے سامنے پہنچے اور یہود کو اسلام کی

Marfat.com

دعوت دی۔ انہوں نے اس دعوت کو مسترد کر دیا۔ اس وقت قلعہ میں بیس ہزار سپاہی تھے۔ وہ اپنے رئیس قلعہ مرحب کی کمان میں اسلامی فوج کے مد مقابل آ کھڑے ہوئے۔ مرحب نے میدان جنگ میں اتر کر دعوت مبارزت دی۔ جس کی کیفیت سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے یہ بیان کی ہے کہ مرحب اپنی تلوار لے کر ناز و تکبر کے ساتھ اٹھلاتا ہوا اور یہ کہتا ہوا نمودار ہوا

قد علمت خیبر انی مرحب   شاکی السلاح بطل مجرب

اذا الحروب اقبلت تلهب

''یعنی خیبر کے تمام لوگ اس سے آشنا ہیں کہ میں مرحب ہوں، ہتھیار پوش اور بہادر تجربہ کار جب جنگ کا شعلہ بھڑکتا ہے۔''

سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کا یہ رجز سن کر میرے چچا عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ اس کے مقابلہ کے لیے میدان جنگ میں آئے۔ چونکہ یہ بھی شاعر تھے، انہوں نے یہ رجز پڑھا:

قد علمت خیبر انی عامر

شاکی السلاح بطل مغامر

''یعنی خیبر جانتا ہے کہ میں عامر بن اکوع ہوں۔ ہتھیار پوش، جنگجو اور شہ زور۔''

پھر دونوں ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئے۔ مرحب کی تلوار عامر کی ڈھال پر لگی اور عامر نے اسے نیچے سے مارنا چاہا لیکن ان کی تلوار چھوٹی تھی۔ انہوں نے مرحب کی پنڈلی پر وار کیا لیکن تلوار کا سرا پلٹ کر ان کے گھٹنے پر لگا جس سے گہرا زخم ہو گیا۔ آخر کار اسی زخم کی وجہ سے ان کی موت واقع ہو گئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دو انگلیاں اکٹھی کر کے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ان کے لیے دوہرا اجر ہے۔ وہ بڑے جانباز اور جان نثار مجاہد تھے۔ ان جیسا عرب کم ہی پیدا ہوگا۔ (بخاری: ۶۰۳/۲، مسلم، باب غزوہ خیبر: ۱۲۲/۳، ۱۱۵)

سیدنا عامر رضی اللہ عنہ کے زخمی ہونے کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ مرحب کے مقابلہ میں تشریف لائے۔ سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اس وقت سیدنا علی رضی اللہ عنہ یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

انا الذی سمتنی امی حیدره   کلیث غابات کریه المنظره

اوفیهم بالصاع کیل السندره

''میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر (شیر) رکھا ہے۔ جنگ

Marfat.com

کے شیر کی طرح خوفناک ہوں۔ میں انہیں صاع کے بدلے نیزے کی
ناپ پوری کروں گا۔''

بعد ازاں مرحب کے سر پر اس زور سے تلوار ماری کہ اس کے سر کے دو ٹکڑے ہو گئے۔(فتح الباری: ۷/ ۳۶۷)

یہ روایت تو عام روایت ہے جس کو ہمارے اردو کے اکثر مؤرخین نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک صحیح روایت یہ ہے کہ جب مرحب نے دعوت مبارزت دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون اس کے مقابلہ میں جائے گا؟ سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی انا لہ یا رسول اللہ اے اللہ کے رسول! میں اس کے مقابلہ میں جاؤں گا۔ کل میرا بھائی مارا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اٹھو اور جاؤ۔ اور ساتھ یہ بھی فرمایا ''اے اللہ! اس کی مدد فرمانا۔(اللھم اعنه علیه)

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اسے ایسی تلوار ماری کہ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔

(ابن ہشام: ۲/ ۳۳۳، عیون الاثر: ۲/ ۱۸۶)

طبری نے بھی یہ لکھا ہے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے مرحب کو قتل کیا تھا۔

حافظ ابن کثیر نے بھی واقدی، زہری اور محمد بن اسحاق سے مختلف سندوں کے ساتھ نقل کیا ہے کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے مرحب کو قتل کیا تھا۔ چنانچہ آپ نے مرحب کی تلوار، اس کا نیزہ اور اس کا خود محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔(البدایہ والنہایہ: ۴/ ۱۸۹، ابن اثیر: ۲/ ۲۱۹)

علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ

''ابن اسحاق، موسیٰ بن عقبہ اور واقدی کا بیان ہے کہ مرحب کو محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے مارا تھا۔ مسند احمد بن حنبل اور نووی شرح مسلم میں بھی ایک روایت ہے۔ لیکن صحیح مسلم اور حاکم: ۲/ ۳۹ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہی کو مرحب کا قاتل اور فاتح خیبر لکھا ہے اور یہی اصح الروایات ہے۔'' (سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ۱/ ۴۸۹)

علامہ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے قاتل مرحب ہونے کی روایت مشہور بھی ہے اور صحیح بھی۔(ابن اثیر: ۲/ ۲۱۹)

اس بارے میں ہم نے تفصیل اپنی کتاب سیدنا علی رضی اللہ عنہ ''شخصیت اور کردار'' میں بیان کر دی ہے۔ بہرحال مرحب کو قتل سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کیا یا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے۔ جونہی مرحب قتل ہوا، اس کا بھائی یاسر میدان میں کود پڑا۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر اس کا کام

Marfat.com

تمام کر دیا۔

یہ قلعہ بیس روز کے محاصرہ کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے زیر پرچم فتح ہوا اور بہت سے مال غنیمت کے علاوہ بہت سے قیدی بھی ہاتھ آئے جن میں صفیہ بھی تھیں جو حیی بن اخطب رئیس بنی نضیر کی بیٹی اور کنانہ بن ربیع کی بیوی تھیں۔ (فتح الباری: ۷/ ۳۶۷)

اس قلعہ کی فتح میں بہت سے سربرآوردہ یہودی کام آئے۔ اس قلعہ کا محاصرہ کئی روز تک رہا۔ جب یہود نے دیکھا کہ ہم مسلمانوں کو زیر نہیں کر سکے تو وہ پوشیدہ طور پر اس قلعہ سے قلعہ صعب بن معاذ میں منتقل ہو گئے۔

قلعہ صعب بن معاذ کی فتح:

قلعہ قموص کی فتح کے بعد مسلمانوں نے قلعہ صعب بن معاذ کا محاصرہ کر لیا۔ کیونکہ یہ قوت وحفاظت کے لحاظ سے دوسرا سب سے بڑا مضبوط قلعہ تھا۔ مسلمانوں نے سیدنا حباب بن منذر انصاری رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت اس قلعہ پر حملہ کیا۔ تین روز کے محاصرے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی فتح کے لیے خصوصی دعا فرمائی۔ دعا کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو اس قلعے پر حملہ کی دعوت دی۔ یہاں بھی قلعہ کے سامنے مبارزت اور مار کاٹ ہوئی۔ پھر اسی دن سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے یہ قلعہ فتح ہو گیا۔ خیبر میں کوئی قلعہ ایسا نہ تھا جہاں اس قلعہ سے زیادہ خوراک اور چربی اور خورد ونوش کا دیگر سامان مسلمانوں کو ملا ہو۔

قلعہ قموص کا محاصرہ چونکہ بیس روز تک رہا۔ دوران محاصرہ مسلمان فوج کی رسد ختم ہو گئی۔ آپ کی خدمت میں رسد کے ختم ہونے کی بابت عرض کیا گیا لیکن کوئی مداوا نہ بن آیا۔ ناچار فوج کی سواری کے گھوڑے ذبح کرنے کی اجازت مرحمت فرما دی۔ اسی اثناء میں یہود کے ایک قلعہ سے بکریوں کا ریوڑ اتر رہا تھا جس میں سے دو بکریاں بچھڑ گئیں اور مسلمانوں نے اس کے گوشت پر اکتفا کیا۔ اب قلعہ صعب بن معاذ فتح ہوا تو یہاں سے اس قدر رسد حاصل ہوئی کہ مسلمانوں نے خورد ونوش سے بے فکر ہو کر محصورین کو فتح کرنا شروع کر دیا۔ لیکن یہودی اپنی سرزمین کا ایک ایک چپہ آسانی سے چھوڑنے پر آمادہ نہ تھے۔ وہ اپنے ہر قلعہ کی حفاظت میں جان کی بازی لگا دیتے اور جب تک پوری طرح بے بس نہ ہو جاتے، قبضہ نہ چھوڑتے۔

روایت ہے کہ ایک روز آپ نے دیکھا کہ ہر طرف آگ جل رہی ہے۔ آپ نے پوچھا کیا پک رہا ہے؟ عرض کی گوشت پکا رہے ہیں۔ پوچھا کس چیز کا گوشت ہے۔ عرض کیا

Marfat.com

اہلی گدھوں کا۔ آپ نے فرمایا وہ نجس ہے۔ سب پھینک دو اور برتنوں کو توڑ دو۔ کسی صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگر گوشت پھینک کر برتنوں کو دھولیں تو کیا اس کی اجازت ہے۔ فرمایا ہاں برتنوں کو دھولو۔

قلعہ زبیر کی فتح:

اس قلعہ کے فتح ہونے کے بعد یہود نے حصن قلہ (اس کو قلعہ زبیر بھی کہتے ہیں) میں جا کر پناہ لی۔ یہ بھی بہت محفوظ اور مستحکم قلعہ تھا اور پہاڑ کی چوٹی پر واقع تھا، اسی لیے اس کو حصن قلہ کہتے تھے کیونکہ قلہ کے معنی پہاڑ کی چوٹی کے ہیں۔ راستہ اتنا پر پیچ تھا کہ سواروں کی رسائی مشکل تھی اور پیادوں کا بھی وہاں پہنچنا دشوار تھا۔ آپ نے اس قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔ محاصرہ کو ابھی تین روز ہوئے تھے کہ حسن اتفاق سے ایک یہودی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: ''ابوالقاسم! اگر آپ مہینہ بھر بھی اس کا محاصرہ جاری رکھیں تو بھی ان لوگوں کو کوئی پروانہیں۔ ان کے پاس زمین کے نیچے پانی کے چشمے ہیں۔ یہ رات کو نکلتے ہیں اور پانی پی کر اور کچھ ساتھ لے کر واپس قلعہ میں چلے جاتے ہیں۔ اگر آپ ان کا پانی بند کردیں تو یہ گھٹنے ٹیک دیں گے۔'' آپ نے ان کا پانی بند کر دیا۔ مجبور ہو کر یہ باہر نکلے اور مسلمانوں سے زبردست جنگ کی، جس میں کئی مسلمان شہید ہوئے اور قریباً دس یہودی بھی مارے گئے، لیکن قلعہ فتح ہو گیا۔

(زادالمعاد:۲/۱۳۶)

اس قلعہ کی فتح کے بعد نطاۃ کے علاقہ کے تمام قلعے فتح ہو گئے۔ اب آپ دوسرے منطقے کی طرف بڑھے اور ان کے قلعوں کو فتح کرنا شروع کیا۔ (البدایہ والنہایہ:۴/۱۹۸)

قلعہ ابی کی فتح:

قلعہ زبیر کی فتح کے بعد اب یہودی حصن ابی میں قلعہ بند ہو گئے۔ یہودی حوصلہ ہار چکے تھے۔ مسلمانوں نے آگے بڑھ کر اس قلعہ کا بھی محاصرہ کرلیا۔ اب دو یہودی شہ زور یکے بعد دیگرے دعوت مبارزت دیتے ہوئے میدان میں نکلے۔ لیکن دونوں ہی مسلمان جانبازوں کے ہاتھوں مارے گئے۔

دوسرے یہودی کے قاتل میدان احد کے جانباز مجاہد سیدنا ابودجانہ سماک بن خرشہ انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ دوسرے یہودی شہ زور جانباز کو قتل کر کے نہایت تیزی کے ساتھ قلعہ میں

Marfat.com

جا گھسے اور ان کے ساتھ ہی اسلامی لشکر بھی جا گھسا۔ قلعہ کے اندر کچھ دیر تک زور دار رن پڑا لیکن یہودیوں کے پاؤں کھسک گئے اور وہ سب کے سب بھاگ کر قلعہ نزار میں چلے گئے۔

قلعہ نزار کی فتح:

یہ قلعہ اس علاقے کا نہایت مضبوط اور محفوظ قلعہ تھا اور یہود کو پورا پورا یقین تھا کہ مسلمان اپنی انتہائی کوشش کے باوجود اس قلعہ کو سر نہیں کر سکتے۔ اس لیے اس قلعہ میں وہ اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی ساتھ لے گئے۔ جبکہ پہلے چار قلعوں میں عورتیں اور بچے ان کے ساتھ نہ تھے۔

جتنا یہودی اس قلعہ کو مضبوط سمجھتے تھے، مسلمانوں نے اتنا ہی سختی کے ساتھ اس قلعہ کا محاصرہ کیا اور یہود پر سخت دباؤ ڈالا۔ لیکن قلعہ کے بلندی پر واقع ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے لیے اس میں داخل ہونا مشکل تھا۔ اور یہودی باہر آ کر مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کی جرأت نہ کر رہے تھے۔ البتہ تیروں اور پتھروں کو پھینک کر مسلمانوں کا مقابلہ کر رہے تھے لیکن یہ مقابلہ نہایت کمزور تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اس قلعہ کی فتح میں دشواری محسوس کی تو حکم فرمایا کہ منجنیق لگا کر گولہ باری کی جائے۔ تاریخ کے اوراق سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چند گولے پھینکے گئے اور قلعہ کی دیواروں میں ان گولوں سے شگاف بھی پڑ گئے اور مسلمان قلعہ کے اندر گھس گئے اور وہاں زور کا رن پڑا۔ یہودی پہلے ہی حوصلہ ہارے ہوئے تھے۔ لہٰذا مقابلہ کی تاب نہ لا کر فاش اور بدترین شکست کھائی اور اس طرح بے محابا بھاگے کہ اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی ساتھ نہ لے جا سکے اور انہیں اہل اسلام کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔

اس قلعہ کی فتح سے خیبر کا نصف اول پورے کا پورا مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔ اب وہ شہر کے دوسرے حصے یعنی منطقہ کتیبہ کی طرف بھاگ گئے۔

وطیح اور سلالم کی فتح:

جب تمام قلعوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تو آخر میں آپ وطیح اور سلالم کی طرف بڑھے۔ بعض روایات میں الکتیبہ کا ذکر بھی آیا ہے۔ سلالم، بنو نضیر کے ایک مشہور یہودی ابو الحقیق کا قلعہ تھا۔ یہ شخص مدینہ سے جلا وطن ہو کر یہاں آیا تھا۔ یہود اب ہر طرف سے سمٹ سمٹ

Marfat.com

کرانہی قلعوں میں جمع تھے۔

آپ نے ان قلعوں کا محاصرہ کرلیا۔ چودہ دن کے محاصرہ کے بعد مجبور ہو کر یہود نے صلح کی درخواست کی۔ آپ نے ان کی درخواست منظور فرمالی۔ چنانچہ انہوں نے ابن ابی الحقیق کو صلح کی گفتگو کرنے کے لیے بھیجا۔ اس نے اس شرط پر صلح کرلی کہ قلعہ میں موجود تمام فوج کی جان بخشی کر دی جائے گی اور ان کے بال بچوں کو لونڈی اور غلام نہیں بنایا جائے گا بلکہ یہ انہی کے پاس رہیں گے۔ اور وہ اپنے بال بچوں کو ساتھ لے کر وطیح کی سرزمین یک لخت خالی کر دیں گے۔ اپنے اموال، زمینیں، باغات اور سونا چاندی، گھوڑے اور تمام اسلحہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالہ کر دیں گے۔ اپنے ساتھ صرف اتنا کپڑا لے جائیں گے، جتنا ایک انسان کی پشت اٹھا سکتی ہے۔ (ابوداؤد:۲/۷۶)

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم لوگ کوئی چیز چھپا کر لے گئے تو پھر اللہ اور اس کا رسول بری الذمہ ہیں۔ یہود نے ان تمام شرائط کو منظور کرلیا اور صلح ہوگئی اور خیبر کی فتح مکمل ہوگئی، لیکن یہودیوں کی سرشت میں ہے کہ وہ کسی معاہدہ کا احترام نہیں کرتے۔ اس سے قبل بھی انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کیے گئے ہر عہد و پیمان کو توڑا تھا۔ اب بھی وہ اپنی پیمان شکنی سے باز نہ آئے اور ابوالحقیق کے دونوں بیٹوں نے بہت سا مال غائب کر دیا۔ کیونکہ یہودی ذہن مال کے معاملہ میں بہت حریص واقع ہوا ہے۔ حیی ابن اخطب کا ایک چمڑے کا بہت بڑا تھیلا تھا جس میں بہت سامان اور زیورات تھے، اس کو غائب کر دیا۔

محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کنانہ بن ابی الحقیق کو لایا گیا۔ اس کے پاس بنونضیر کا خزانہ تھا جو ایک چرمی تھیلے میں بند تھا۔ اس سے پوچھا کہ وہ تھیلا کہاں ہے؟ کنانہ نے کہا کہ وہ سارا مال جنگوں میں خرچ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا کہ مال تو بہت زیادہ تھا، اس مختصر عرصہ میں کیسے خرچ ہو گیا۔ یہ روایت ابن سعد کی ہے۔ سنن ابی داؤد میں ہے کہ سعیہ سے دریافت فرمایا اور بیہقی وغیرہ کی روایت میں ہے کہ کنانہ اور اس کے بھائی وغیرہ سے بھی دریافت کیا گیا لیکن ان سب نے یہی کہا کہ وہ سب مال خرچ ہو گیا ہے۔

آپ نے فرمایا کہ اگر یہ خزانے کا تھیلا ہم نے تمہارے پاس سے برآمد کر لیا تو ہم تمہیں قتل کر دیں گے۔ اس نے کہا مجھے منظور ہے۔ چنانچہ آپ نے ایک انصاری صحابی کو حکم دیا کہ جاؤ فلاں جگہ ایک درخت کی جڑ میں وہ مال دبایا ہوا ہے۔ اسے کھود کر لے آؤ۔ وہ صحابی گئے اور زمین کھود کر وہ تھیلا برآمد کر کے لے آئے۔ جو مال اس تھیلے سے برآمد ہوا، اس کی قیمت دس ہزار دینار تھی۔ بعض روایات میں ہے کہ اس سے صرف آدھا مال برآمد ہوا۔ دوسرے آدھے

Marfat.com

مال کی برآمدگی کے لیے آپ نے اسے سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے حوالہ کر دیا اور فرمایا کہ اسے سزا دو یہاں تک کہ اس کے پاس جو کچھ ہے، وہ سب بھی یہ شخص اگل دے۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے اس پر بہت سختی کی۔ پھر اسے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے حوالے اس لیے بھی کیا کہ اس کنانہ نے ان کے بھائی محمود بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو قلعہ کی فصیل سے چکی کا پاٹ گرا کر شہید کیا تھا۔ یہ بھی اس کا بہت بڑا جرم تھا۔ چنانچہ سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے بھائی کے قتل کی پاداش میں قتل کر دیا۔ (سیرۃ ابن ہشام: ۲/۳۳۶)

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو زرقانی: ۲/۱۲۹، سنن ابی داؤد مع عون المعبود: ۳/۱۲۰، سیرۃ حلبیہ: ۲/۱۶۴۔۱۶۶، البدایہ والنہایہ: جلد۴، زاد المعاد: ۲/۱۳۶)

حافظ ابن قیم نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوالحقیق کے دونوں بیٹوں کو بھی قتل کرا دیا تھا اور ان دونوں کے خلاف یہ مال چھپانے کی گواہی ان کے چچیرے بھائی نے دی تھی۔

یہ کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق، صفیہ کا شوہر تھا۔ اس کے بعد سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح فرمایا اور وہ قیامت تک کے لیے پوری امت مسلمہ کے لیے محترمہ ہو گئیں۔ حیی بن اخطب کی یہ بیٹی اور کنانہ بن ربیع کی بیوی جس کا چند روز قبل نکاح ہوا اور ابھی دلہن ہی تھی، قیدی بن کر بارگاہ رسالت میں آئیں اور آپ نے انہیں اپنے لیے مختص کیا اور ان کو اپنے حبالہ عقد میں لائے۔

خیبر یہود کے نزدیک ایک ناقابل تسخیر محاذ تھا۔ کیونکہ اسلحہ، فوج اور دوسرے جنگی ذرائع ان کے پاس فراوانی سے تھے۔ اس کے علاوہ یہ پوری سرزمین قلعوں اور گڑھیوں کی تھی۔ یہود نے اپنی مدافعت کے لیے یہاں بہت سے قلعے بنائے ہوئے تھے بلکہ بڑے بڑے سرداروں کے مکانات بھی قلعہ نما تھے۔ اس وجہ سے مسلمانوں کی فوج کو یہاں بہت تگ و دو کرنا پڑی، جس کی وجہ سے آخر کار میدان مسلمانوں کے ہاتھ میں رہا۔ اس وجہ سے یہاں مسلمان شہداء کی تعداد ایک روایت کے مطابق سولہ ہے اور دوسری روایت اٹھارہ کی ہے اور مسلمانوں کے مقابلہ میں یہود کے مقتولین کی تعداد 93 بتائی گئی ہے۔

غنائم کی تقسیم:

خیبر کی غنیمت میں سونا اور چاندی تو بہت کم تھا۔ گائے، بیل اور اونٹ اور کچھ دیگر

Marfat.com

سامان تھا۔ سب سے بڑی چیز وہاں کی زمینیں اور باغات تھے۔ زمینوں اور باغات کے علاوہ جو سامان تھا، وہ تو سرکار دو عالم ﷺ نے قرآنی حکم کے مطابق غانمین پر تقسیم فرما دیا اور زمینوں کو صرف اہل حدیبیہ پر تقسیم کیا۔ (روض الانف: ۲/۲۴۶)

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بتایا گیا ہے کہ اس غزوہ میں آپ نے ان مجاہدین کو شرکت کے لیے کہا جو صلح حدیبیہ میں شریک تھے۔ کیونکہ اس سفر میں جب ان حضرات کا اخلاص واضح ہو گیا تو بارگاہ رب العزت سے ان شکستہ دلوں اور شکستہ حالوں کی شکستگی دور کرنے کے لیے فتح خیبر کی بشارت نازل ہوئی تو یہ حکم دیا کہ خیبر کی غنائم حاضرین حدیبیہ کے لیے مخصوص ہوں گی۔ کوئی دوسرا اس میں شریک نہ ہوگا۔ اس وجہ سے آپ نے غنائم خیبر کو ان حضرات ہی میں تقسیم کیا۔ خیبر کے اموال کی کثرت کی وجہ سے ان سب حضرات کی مالی درماندگی دور ہو گئی۔ چنانچہ بخاری میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ''ہم لوگ اس وقت تک آسودہ حال نہ ہوئے جب تک کہ خیبر کو فتح نہ کیا۔'' اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''جب خیبر فتح ہوا تو ہم نے کہا کہ اب ہمیں پیٹ بھر کر کھجور ملے گی۔'' (بخاری: ۲/۶۰۹)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خیبر میں کھجوروں کے بڑے بڑے باغات تھے جو فتح کے بعد مسلمانوں کے قبضہ میں آئے۔ مسلمانوں کی فتح خیبر سے آسودہ حالی کا پتہ اس روایت سے بھی چلتا ہے کہ جب سرکار دو عالم ﷺ خیبر سے مدینہ واپس تشریف لائے تو مہاجرین نے انصار مدینہ کے کھجوروں کے وہ سب درخت واپس کر دیئے جو انصار نے ان کی نصرت اور امداد کے طور پر انہیں دے رکھے تھے۔ کیونکہ اب خیبر سے انہیں مال اور کھجور کے درخت مل گئے تھے۔

(زاد المعاد: ۲/۱۴۸، مسلم: ۲/۹۶)

خیبر کی زمینوں اور باغات کو آپ نے کس طرح تقسیم فرمایا، اس کے بارے میں سنن ابی داؤد میں مرقوم ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے خمس نکالنے کے بعد خیبر کی زمینوں کو 36 حصوں میں بانٹ دیا۔ ان میں سے اٹھارہ حصے مسلمانوں کی ضروریات کے لیے مخصوص فرما لیے یعنی ان سے مسلمانوں کی اجتماعی ضروریات وحوادث کی تکمیل مقصود تھی۔ باقی اٹھارہ حصے مجاہدین پر تقسیم فرما دیئے اور ہر حصہ میں سو سو کا حصہ مقرر فرمایا۔ یہ اہل حدیبیہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عطیہ تھا۔ خیبر کی اس فوج میں دو سو گھوڑے بھی تھے۔ چونکہ سوار کے علاوہ خود گھوڑے کو بھی حصہ ملتا ہے، اور گھوڑے کا حصہ ڈبل ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے دو سو گھڑ سواروں کو چھ سو سپاہیوں کے برابر حصہ ملا۔ خیبر کی اراضی کا وہ حصہ جس کو آپ نے تقسیم نہیں فرمایا، اس میں

Marfat.com

الکتیبہ اور وطیح وسلالم اور اس کی ملحقہ اراضی تھی۔ (سنن ابی داؤد: ۲/۴۲۵)

اس لشکر کی تعداد میں اختلاف ہے۔ ایک روایت میں چودہ سو ہے کیونکہ حدیبیہ میں چودہ سو حضرات تشریف لے گئے تھے۔ ایک روایت پندرہ اور سولہ سو کی بھی ہے۔

(سنن ابی داؤد: ۲/۴۲۶، بذل المجہود: ۴/۱۴۶)

امام طحاوی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کی تمام زمینوں کو تقسیم نہیں فرمایا بلکہ صرف نطاۃ اور شق اور ان کی ملحقہ زمینوں کو مجاہدین پر تقسیم فرمایا اور باقی تمام اراضی کو مسلمانوں کی اجتماعی ضروریات وحوادث اور ان کے مصالح کے لیے محفوظ فرما دیا۔

(شرح معانی الآثار: ۲/۱۴۴)

اصحاب سیر نے لکھا ہے کہ خیبر کی اراضی کی دو قسمیں ہیں:

① جنگ کے نتیجہ میں حاصل شدہ اراضی۔ اس اراضی کو آپ نے مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔

② بغیر جنگ کے حاصل شدہ اراضی۔ یہ اراضی ریاست کی ملکیت تھی۔

اس کو سرکار دو عالم ﷺ نے یہود کو بٹائی پر دے دیا اور اس کی آمدن مسلمانوں کی اجتماعی ضروریات کے لیے استعمال ہوتی تھی۔ روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہود کو خیبر سے جلا وطن کرنے کا ارادہ فرمایا اور ان سے جو معاہدہ ہوا تھا، اس میں طے بھی یہی ہوا تھا کہ وہ خیبر کو چھوڑ کر باہر چلے جائیں گے۔ لیکن یہود نے کہا ''اے محمد ﷺ! ہمیں اسی سرزمین میں رہنے دیجیے۔ ہم اس علاقہ کی اراضی کی دیکھ بھال کریں گے کیونکہ ہمیں آپ لوگوں سے زیادہ اس کی معلومات ہیں۔'' ادھر رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس اس قدر غلام اور نوکر نہ تھے جو ان زمینوں کی دیکھ بھال اور اس میں کاشتکاری کرتے۔ دوسرے اس وقت مدینہ کے اردگرد دشمنوں کے خطرات ہر وقت منڈلا رہے تھے اور مسلمانوں کے پاس اتنی فرصت نہیں تھی کہ اس اراضی کی دیکھ بھال کر سکیں۔ اس وجہ سے آپ ﷺ نے خیبر کی اراضی اس شرط پر یہود کے حوالہ کر دی کہ ساری کھیتی اور تمام پھلوں کی پیداوار کا آدھا یہود کو دیا جائے گا اور جب تک سرکار دو عالم ﷺ کی مرضی ہو گی، بٹائی کے اس معاہدہ کو برقرار رکھیں گے اور جب چاہیں گے اراضی چھین کر انہیں جلا وطن کر دیں گے۔

رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ہر سال سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ پیداوار کی بٹائی کے لیے خیبر تشریف لاتے۔ اجناس کی تمام اقسام دو حصوں میں تقسیم فرما کر مزارعین سے فرماتے کہ ''دونوں میں سے جو ڈھیر پسند ہو، اٹھا لو۔'' اس پر ایک مرتبہ اہل خیبر نے کہا ''اسی عدل پر

Marfat.com

زمین و آسمان قائم ہیں۔'' (فتوح البلدان، ابوداؤد: ۲/ ۱۲۸، باب الخرص)

ایک روایت میں ہے کہ سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ انہیں یہ فرماتے:

''اے گروہ یہود! تمام مخلوقِ خدا میں تم میرے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض ہو۔ تم ہی نے اللہ کے انبیاء کو قتل کیا، تم ہی نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا، لیکن تمہارا یہ بغض اور تمہاری یہ عداوت مجھ کو کبھی اس بات پر آمادہ نہیں کر سکتے کہ تم پر کسی قسم کا ظلم کروں۔'' (شرح معانی الآثار: ۱/ ۳۱۶، باب الخرص)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہود خیبر کے لیے تو ان کی اراضی پر کاشتکاری کا حق قائم رہنے دیا جبکہ اس سے قبل مدینہ کے یہود بنو قینقاع اور بنو نضیر کو ان کی اراضی سے بالکل بے دخل کر دیا حتیٰ کہ دونوں قبائل کو جلاوطن کر دیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خیبر کے یہود کا معاملہ یہود مدینہ سے مختلف ہے۔

① فتح خیبر کے بعد یہاں کے یہودیوں کے سر اٹھانے کا خطرہ ختم ہو گیا۔

② خیبر میں باغات و نخلستان اور اراضی اس قدر زیادہ تھی کہ اس کی پیداوار صحیح طور پر حاصل کرنے کے لیے بہت کدوکاوش کی ضرورت تھی۔

③ مدینہ کے مسلمان اگرچہ خود زراعت پیشہ تھے، لیکن ان کی ذاتی اراضی بھی ان کی توجہ اور کاوش کے بغیر آباد نہیں رہ سکتی تھی۔ اس وجہ سے وہ خیبر جا کر ان زمینوں کی دیکھ بھال نہیں کر سکتے تھے۔

④ جنگوں میں مصروف ہونے کی وجہ سے خود ان کی ذاتی اراضی بھی اتنی پیداوار نہیں دے رہی تھی، جتنی اسے دینی چاہیے تھی۔ اس وجہ سے خیبر کی زمینیں یہود ہی کی نگرانی اور کاشتکاری میں رہنے دیں۔

⑤ خیبر میں یہود کی بساط سیاست الٹنے سے اب ان کے لیے کاشتکاری پر اکتفا بھی بہت غنیمت تھا اور اب ان کی طرف سے کسی بغاوت کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ لیکن تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ یہود اپنی بدطینتی کی وجہ سے ان زمینوں کو وہ توجہ نہ دیتے جس کی وہ مستحق تھیں۔ چنانچہ رفتہ رفتہ وہاں کی اراضی بنجر ہوتی چلی گئی۔

اسی غزوہ کی فتح کے بعد سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی جن کی تعداد سو سے زیادہ تھی، حبشہ سے واپس تشریف لائے۔ ان لوگوں کو بلوانے کے لیے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو نجاشی کے پاس بھیجا تھا

Marfat.com

تاکہ وہ ان لوگوں کو آپ کے پاس روانہ کر دے۔ چنانچہ نجاشی نے آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل میں انہیں دو کشتیوں پر سوار کر کے مدینہ بھیج دیا۔ یہ لوگ سیدھے خیبر آئے لیکن ان کے خیبر پہنچنے سے قبل خیبر فتح ہو چکا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں بھی مال غنیمت میں سے حصہ عطا فرمایا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آپ ﷺ نے ان حضرات کو اصل غنیمت میں سے حصہ دیا یا خمس میں سے دیا یا اموال منقولہ میں سے قبل از تقسیم غنیمت بطور امانت کچھ عطا فرمایا۔ یہ بھی معلوم نہیں کہ آپ ﷺ نے ان لوگوں کو حصہ محض اپنی رائے اور اختیار سے دیا یا مسلمانوں کی اجازت سے دیا۔

(عمدۃ القاری: ۷/ ۱۴۷، قسطلانی: ۵/ ۲۰۰)

غزوہ خیبر میں کچھ غلام اور کچھ عورتیں بھی مجاہدین کی خدمت کے لیے شریک ہوئی تھیں۔ آپ نے بطور اعانت ان کو بھی خیبر سے حاصل شدہ مال سے کچھ دیا۔ اراضی سے انہیں کوئی حصہ نہیں ملا۔ (البدایہ والنہایہ: ۴/ ۲۰۴)

سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ جب خدمت نبوی میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کا پرتپاک استقبال کیا اور ان کا سر منہ چوم کر فرمایا: ''میں نہیں جانتا کہ مجھے خیبر کی فتح کی خوشی زیادہ ہے یا جعفر کی آمد کی۔'' (بخاری: ۱/ ۴۴۳، فتح الباری: ۷/ ۴۸۴-۴۸۷)

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے شادی:

خیبر کی قیدی عورتوں میں سے ایک سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ یہ یہود کے رئیس حیی بن اخطب کی بیٹی اور کنانہ بن ابی الحقیق کی بیوی تھیں۔ ان کا شوہر بدعہدی اور پیمان شکنی کے باعث قتل کر دیا گیا۔

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا قیدی ہو کر خدمت نبوی میں پیش ہوئیں۔ سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا: ''یا رسول اللہ! مجھے قیدی عورتوں میں سے ایک لونڈی عنایت فرما دیجیے۔ آپ نے انہیں فرمایا کہ جاؤ ایک لونڈی لے لو۔ سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نے انہیں منتخب کیا۔ اس پر ایک شخص نے بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کیا اے اللہ کے رسول! آپ نے بنو قریظہ اور بنو نضیر کی رئیس زادی صفیہ کو دحیہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ کر دیا حالانکہ وہ آپ کی شایان شان ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ دحیہ اور صفیہ دونوں کو بلاؤ۔ چنانچہ یہ دونوں بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے انہیں دیکھ کر فرمایا کہ قیدی عورتوں میں سے کوئی دوسری لونڈی لے لو۔

Marfat.com

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا پر اسلام پیش کیا۔ وہ مسلمان ہو گئیں۔ آپ نے انہیں آزاد کر کے ان سے شادی کر لی۔ ان کی آزادی ہی ان کا حق مہر تھا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب ''امہات المومنین'' ص ۲۷۷۔۲۸۶)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زہر دینے کا واقعہ:

فتح خیبر کے بعد آپ نے چند روز خیبر ہی میں قیام فرمایا۔ ایک دن سلام بن مشکم کی بیوی زینب بنت حارث نے ایک بھنی بکری ہدیہ کے طور پر آپ کی خدمت اقدس میں بھیجی۔ آپ نے گوشت چکھتے ہی ہاتھ روک لیا اور بشر بن براء معرور رضی اللہ عنہ جو کھانے میں آپ کے ساتھ شریک تھے، انہوں نے کچھ گوشت کھا لیا۔ آپ نے فرمایا ہاتھ روک لو۔ کوئی اس کا گوشت نہ کھائے۔ کیونکہ اس بکری کے گوشت میں زہر ملا ہوا ہے۔

آپ نے زینب کو بلا کر کہا کہ اس گوشت میں زہر ملا ہوا ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں۔ آپ نے پوچھا تم نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے ایسا اس لیے کیا کہ اگر آپ نبی برحق ہیں تو آپ کو پتہ چل جائے گا کہ اس گوشت میں زہر ہے اور اگر نبی کاذب ہیں تو لوگ آپ سے نجات پا جائیں گے۔ چونکہ آپ نے اپنی ذات کے لیے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا، لہٰذا آپ نے کوئی تعرض نہ فرمایا لیکن جب بعد میں سیدنا بشر بن براء رضی اللہ عنہ اس زہر کھانے کی وجہ سے انتقال فرما گئے تو آپ نے زینب کو ان کے وارثان کے حوالہ کر دیا، جنہوں نے اسے قصاص میں قتل کر دیا۔

ایک روایت میں ہے کہ ابتداء میں اسے اس لیے قتل نہ کیا گیا کہ وہ اسلام لے آئی تھی۔ (فتح الباری: ۷/۳۸۰)

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ابن ہشام: ۲/۳۳۷، بخاری: ۱/۴۴۹، ۲/۶۱۰، ۸۶۰، فتح الباری: ۷/۳۸۰، زاد المعاد: ۲/۱۳۹)

یہود کے باقی تین مراکز:

1 ___ **فدک:** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قلعہ وطیح اور سلالم کے محاصرہ کے دوران میں پیغام بھجوا دیا تھا کہ ''تم لوگ مسلمان ہو جاؤ تو ٹھیک ورنہ تمہیں اپنے اموال ہمارے سپرد کرنا پڑیں گے۔ آپ کا یہ پیغام محیصہ بن مسعود رضی اللہ عنہ لے کر گئے تھے۔ بعض روایات میں ہے کہ خیبر پہنچتے ہی

Marfat.com

آپ نے اہل فدک کو یہ پیغام بھجوایا تھا لیکن پہلے تو انہوں نے اس پیغام کی طرف کوئی توجہ نہ کی، لیکن جب خیبر فتح ہو گیا تو ان کے دلوں پر مسلمانوں کی سطوت وعظمت کا رعب بیٹھ گیا۔ اب ان لوگوں نے خود رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیام بھیجا کہ ہماری جانوں کو امان دی جائے۔ ہم بھی اہل خیبر کی شرائط کے مطابق نصف پیداوار دینے کے لیے تیار ہیں۔ آپ نے ان کی اس پیشکش کو قبول فرما لیا اور اس طرح سے فدک کی سرزمین خالص رسول اللہ ﷺ کے لیے ہو گئی کیونکہ یہ علاقہ بغیر کسی حملہ اور فوج کشی کے فتح ہوا اور اس پر نہ اونٹ اور گھوڑے دوڑائے گئے اور نہ پیادہ فوجیوں نے اس کو فتح کیا۔ لہٰذا خیبر کی طرح مجاہدین میں تقسیم نہ ہوا۔

2___ فتح وادی القریٰ: یہ بستیاں خیبر اور مدینہ کی گزرگاہ پر واقع تھیں۔ یہاں بھی یہود کی ایک جماعت قیام پذیر تھی۔ اس کے ساتھ عرب کی ایک جماعت بھی شامل ہو گئی تھی۔ خیبر سے واپسی پر مسلمان وادی القریٰ سے ذرا دور ہی تھے کہ یہود نے تیر برسانا شروع کر دیئے۔ وہ پہلے سے صف بندی کیے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کا ایک غلام مدعم آپ ﷺ کا کجاوہ اتار رہا تھا تو ایک ناگہانی تیر اس کو آ کر لگا جس سے وہ شہید ہو گیا۔ لوگوں نے کہا اس کے لیے جنت مبارک ہو۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہرگز نہیں، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اس نے جنگ خیبر میں مال غنیمت کی تقسیم سے قبل جو چادر چرائی تھی، وہ آگ بن کر اس پر بھڑک رہی ہے۔ ایک شخص نے جب آپ کی زبان سے یہ جملہ سنا تو وہ جوتی کا تسمہ لے کر آیا۔ آپ نے فرمایا یہ ایک تسمہ بھی خیانت کیا ہوا جہنم سے ہے۔ (بخاری: ۲/ ۶۰۸)

اب سرکار دو عالم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو صف بندی کا حکم فرمایا۔ پورے لشکر کا علم بردار سیدنا سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ کو بنایا۔ ایک پرچم سیدنا حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کو دیا اور تیسرا پرچم سیدنا عبادہ بن بشر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ نبرد آزمائی سے پہلے آپ ﷺ نے یہود کو اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے دعوت اسلامی کو قبول کرنے سے انکار کیا۔

دعوت اسلام کے انکار کے بعد ان کا ایک ایک جانباز میدان میں نکلنا شروع ہوا۔ مگر ان کی قسمت میں واپس لوٹنا نہ تھا۔ جب پہلا آدمی نکلا تو سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اس کے مقابلہ کے لیے میدان میں نکلے اور ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا۔ پھر ان کا دوسرا آدمی نکلا۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے اسے بھی جہنم رسید کر دیا۔ اس کے بعد ایک اور آدمی آیا۔ اس کے مقابلہ کے لیے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ میدان میں نکلے اور اسے ڈھیر کر دیا۔ اس طرح ان کے گیارہ

Marfat.com

آدمی مسلمان مجاہدین کے ہاتھوں فرش خاک پر گرے۔ جب ایک آدمی مارا جاتا تو آپ باقی یہودیوں کو اسلام کی دعوت دیتے۔

اسی طرح لڑتے لڑتے رات ہوگئی اور جنگ بند کر دی گئی۔ دوسرے روز صبح کے وقت سورج ابھی ایک نیزہ برابر بھی بلند نہ ہوا ہوگا کہ انہوں نے از خود اطاعت کا پیغام بھجوا دیا۔ چنانچہ ان کے اموال مجاہدین میں تقسیم کر دیئے گئے اور انہیں بٹائی پر اراضی اور نخلستان سونپ دیئے گئے۔ (زاد المعاد: ۲/۱۴۶)

وادی القریٰ میں آپ ﷺ نے چار روز قیام فرمایا۔

3۔ تیما: اس راہ پر وادی تیماء بھی واقع ہے۔ یہ بھی ایک یہودی بستی تھی۔ انہیں جب خیبر، فدک اور وادی القریٰ کے باشندوں کی شکست فاش اور سپر انداز ہونے کی اطلاع ملی تو انہوں نے محاذ آرائی کے بجائے صلح میں اپنی خیریت سمجھی۔ چنانچہ انہوں نے از خود آدمی بھیج کر صلح کی پیشکش کر دی جس کو آپ نے قبول فرمالیا۔ انہوں نے آپ سے جزیہ پر صلح کر لی اور یہ یہود اپنے مال و متاع کے ساتھ وہاں مقیم رہے۔ (زاد المعاد: ۲/ ۱۴۷، زرقانی: ۲/ ۲۴۷، فتح الباری: ۵/ ۱۷)

اس صلح کے بارے میں آپ نے انہیں ایک تحریر بھی دی جو حسب ذیل ہے:

''یہ تحریر محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے بنو عادیا کے لیے ہے۔ ان کے لیے ذمہ ہے اور ان پر جزیہ ہے۔ نہ انہیں جلا وطن کیا جائے گا اور نہ ان پر کوئی زیادتی ہوگی۔ یہ معاہدہ دائمی ہوگا۔''

یہ تحریر سیدنا خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے لکھی۔ (طبقات ابن سعد: ۱/ ۲۷۹)

یہود کا انجام:

یہودیوں کی ان بستیوں (خیبر، فدک اور وادی القریٰ وغیرہ) کے فتح ہو جانے سے صدیوں کی آباد قوم یہود کا تمام رعب اور دبدبہ جزیرہ نما عرب سے ختم ہوگیا اور وہ مسلمانوں کی ماتحتی پر مجبور ہو گئے اور جس طرح قریش مکہ کی جانب سے صلح حدیبیہ کے بعد تمام خطرات کا انسداد ہوگیا، اسی طرح ان یہودی بستیوں کی فتح سے شمال کی طرف سے بھی تمام دسیسہ کاریوں اور فتنوں کا دروازہ بند ہوگیا۔ یہود کے سرنگوں ہو جانے سے ان کے متعلق مسلمانوں خصوصی طور پر انصار مدینہ، کا غصہ ٹھنڈا ہوگیا۔ کیونکہ یہ لوگ ان کے بڑے ستم رسیدہ تھے۔ ان میں سے بعض کی مدینہ میں

Marfat.com

آبادکاری پر بھی مسلمانوں نے چشم پوشی سے کام لیا۔ اسی دوران رسول اللہ ﷺ نے بحرین کے یہود بنو عریض اور بنو غازیہ کے ساتھ بھی اطاعت، جزیہ اور اپنے دین پر قائم رہنے کی صورت میں معاہدہ کرلیا۔ اب پورے عرب میں ان کے مراکز ٹوٹ گئے۔ چنانچہ احساس ذلت کی وجہ سے انہیں اس سرزمین کو خیر باد کہنا پڑا جہاں صدیوں سے ان کی سطوت وعظمت کا ڈنکا بج رہا تھا، لیکن یہ لوگ دفعتاً سرزمین عرب کو خیرباد کہہ کر نہیں گئے بلکہ کچھ مدت تک یہاں آباد رہے، مگر جب تک یہاں عرب میں رہے، مسلمانوں پر غصے سے دانت پیستے رہے اور جو کچھ ان کے خلاف بن آیا، کرتے رہے۔ کیونکہ ان کی فطرت اور طینت ہی میں شرانگیزی اور فتنہ پروری تھی۔

مدینہ کو واپسی:

یہود کی ان تمام بستیوں سے فارغ ہو کر رسول اللہ ﷺ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مدینہ کے قریب پہنچ کر آپ نے اخیر شب میں آرام کی خاطر ایک وادی میں پڑاؤ ڈالا اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو یہ تاکید کی کہ تمام لشکر سو رہا ہمیں صبح ہوتے ہی نماز کے لیے بیدار کر دینا۔ اتفاق سے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی آنکھ بھی لگ گئی۔ وہ مشرق کی طرف منہ کر کے اپنی سواری کے ساتھ ٹیک لگا کر سو گئے۔ اتفاق سے کسی کی آنکھ نہ کھلی۔ یہاں تک کہ سورج نکل آیا۔ سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ گھبرا کر اٹھے۔ پھر آپ نے لوگوں کو بیدار کیا اور اس وادی سے کوچ کرنے کا حکم دیا کہ یہاں شیطان ہے۔ اس وادی سے نکل کر آپ نے آگے نزول فرمایا اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کا حکم دیا۔ وضو کر کے پہلے صبح کی دو رکعت سنتیں پڑھیں، پھر بلال رضی اللہ عنہ کو اقامت کے لیے فرمایا اور جماعت کے ساتھ صبح کی نماز قضا کی گئی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ واقعہ کسی دوسرے سفر میں پیش آیا تھا۔ (زادالمعاد: ۲/۱۴۷، ابن ہشام: ۲/۳۴۰) نبی اکرم ﷺ کی واپسی یا تو صفر ۷ھ میں ہوئی یا پھر ربیع الاول میں۔

غزوۂ خیبر میں شرعی احکام کا نفاذ:

غزوہ خیبر میں کئی احکام کا نفاذ کیا گیا جن میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں:

غنیمت میں خیانت کی ممانعت:

جنگ خیبر میں رسول اللہ ﷺ نے مال غنیمت میں خیانت کرنے کی سخت ممانعت

Marfat.com

فرمادی۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

((اڈوا الخیاط والمخیط، فان الغلول عار وشنار ونار یوم القیامۃ)) (امتاع الاسماع: ۲/۲۴۴)

''مال غنیمت کا سوئی دھاگہ بھی واپس کردو کیونکہ مال غنیمت میں خیانت اور بددیانتی باعث ننگ وعار ہے اور قیامت کے روز جہنم کا وہ حق دار ہے۔''

اسی جنگ بدر میں قبیلہ بنی اشجع کا ایک شخص یہودیوں سے جنگ کرتے ہوئے مارا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا جنازہ صرف اس وجہ سے پڑھنے سے انکار کردیا کہ اس نے مال غنیمت میں خیانت کی ہے۔ چنانچہ جب اس کے مال کی تلاشی لی گئی تو صرف کانچ کے دو منکے نکلے جن کی قیمت دو درہم سے بھی کم تھی۔

گدھوں کی حرمت:

جنگ خیبر میں مسلمانوں کے پاس خوردونوش کا سامان بہت کم تھا یہاں تک کہ فاقہ کشی کی نوبت آ گئی۔ ایک روز مسلمانوں نے یہودیوں کے گدھے پکڑے، انہیں ذبح کر کے دیگوں میں ان کا گوشت پکانا شروع کردیا۔ جب وہ گوشت پکنے کے قریب ہوا تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے۔ پوچھا: ''کیا پک رہا ہے؟'' عرض کی پالتو گدھوں کا گوشت پکا رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ اور اس کا رسول تمہیں اس بات سے منع فرمارہے ہیں کہ تم گدھوں کا گوشت کھاؤ کیونکہ یہ پلید ہے۔'' (السیرۃ النبویہ، لابن کثیر: ۳/۳۴۹، امتاع الاسماع: ۲/۲۴۸)

یہ بھی فرمایا: کھجور کا پھل جب تک قابل استعمال نہ ہو جائے اس کو فروخت کرنا جائز نہیں۔

کچھ احکام عورتوں کے بارے میں بھی ارشاد فرمائے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

((لعن اللہ الواصلۃ والموصولۃ والوشمۃ والموشومۃ وانحامشۃ وجھھا والشاقۃ جیبھا))

(السیرۃ النبویہ، حافظ ابن کثیر: ۳/۳۴۹)

Marfat.com

یعنی نبی اکرم ﷺ نے مندرجہ ذیل عورتوں پر لعنت فرمائی:

① الواصلہ: یعنی وہ عورت جو دوسری عورتوں کے بال لے کر کسی عورت کے بالوں میں پیوست کر دیتی ہے۔

② الموصولۃ: یعنی وہ عورت جس کے بالوں کے ساتھ دوسری عورت کے بال پیوست کیے جائیں۔ آج کل جو وگیں لگائی جاتی ہیں ان کا حکم بھی یہی ہے۔

③ الواشمتہ: یعنی وہ عورت جو سوئی کی نوک سے دوسری عورت کے چہرے اور ہاتھوں وغیرہ پر نیلے یا کسی اور رنگ کے نقش و نگار بنائے۔

④ الموشومۃ: یعنی وہ عورت جس کے جسم پر ایسے نقش و نگار بنائے جاتے ہیں۔

⑤ الخامشۃ وجھھا: یعنی وہ عورت جو اپنے کسی عزیز کی موت یا کسی اور صدمہ سے چہرے کو نوچتی ہے۔

6۔ الشاقۃ جیبھا: یعنی وہ عورت جو اپنے کسی عزیز کی موت کے صدمہ پر اپنا گریبان پھاڑتی ہے۔

متعہ کی حرمت کا اعلان:

ابتدائے اسلام میں حلال و حرام کے بہت سے احکام رفتہ رفتہ نازل ہوئے۔ کیونکہ کسی حلال شی کو حرام کرنے کے لیے پہلے لوگوں میں ذہنی انقلاب لانا پڑتا ہے۔ چنانچہ شراب اور سود کی حرمت پندرہ بیس سال کے بعد نازل ہوئی۔ اسی طرح دور جاہلیت کے لوگ اپنے رسم و رواج کے مطابق متعہ کیا کرتے تھے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے ساتویں سال خیبر کی جنگ کے موقع پر حرام قرار دے دیا۔ جنگ خیبر کے موقع پر اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ کو حرام قرار دے دیا لیکن اکثر لوگوں کو اس کا علم نہ ہو سکا کیونکہ اس زمانہ میں ذرائع مواصلات اس قدر تیز نہ تھے، لہٰذا جنگ اوطاس کے موقع پر بعض لوگوں سے یہ فعل سرزد ہو گیا۔ آپ ﷺ نے ان کی لاعلمی کی وجہ سے ان سے مواخذہ نہیں فرمایا، لیکن اس کے بعد جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لائے تو بیت اللہ کے دروازہ پر کھڑے ہو کر یہ فرمایا: ''لوگو! متعہ قیامت تک کے لیے حرام کیا گیا ہے۔'' پھر غزوہ تبوک میں آپ ﷺ نے کچھ عورتوں کو مسلمانوں کے خیموں کے نزدیک منڈلاتے دیکھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ان عورتوں سے کچھ لوگوں نے متعہ کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ

Marfat.com

سن کر سخت ناراض ہوئے یہاں تک کہ غصہ سے آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا اور متعہ سے منع فرمایا۔ اس موقع پر اکثر صحابہ کو پتہ چل گیا کہ متعہ اسلام میں حرام ہے چنانچہ انہوں نے یہ ارادہ کر لیا کہ کبھی متعہ نہیں کریں گے۔

بعض حضرات کو تحریم متعہ کے بار بار اعلان سے یہ گمان ہوا کہ متعہ دو تین مرتبہ حلال کیا گیا اور دو تین مرتبہ حرام کیا گیا، حالانکہ معاملہ ایسا نہیں ہے بلکہ متعہ جنگ خیبر ہی میں ہمیشہ کے لیے حرام کر دیا گیا تھا۔ اس کے بعد یہ حلال نہیں ہوا بلکہ جن لوگوں کو اس کی تحریم کا علم نہیں تھ ان کے علم لانے کے لیے دو تین بار اس کی تحریم کا اعلان کیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بعض لوگ عدم واقفیت کی بنا پر اس فعل کا ارتکاب کر بیٹھے تو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو جب اس بات کی خبر پہنچی تو سخت ناراض ہوئے اور آپ نے منبر پر چڑھ کر حرمت متعہ کا اعلان فرمایا تا کہ لوگوں کو اس کی حرمت میں کوئی شبہ نہ رہے، اور یہ بھی فرمایا کہ میرے اس اعلان کے بعد اب اگر کوئی متعہ کرے گا تو میں اس پر زنا کی حد جاری کروں گا۔ اس وقت سے متعہ بالکل ختم ہو گیا اور اس بات پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہو گیا۔ اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کو متعہ کی حرمت کا علم نہیں تھا اور وہ اس کی اباحت کے قائل تھے، انہوں نے اپنے موقف سے رجوع کر لیا۔ اب پوری امت نکاح متعہ کی حرمت کی قائل ہے سوائے حضرات شیعہ کے۔ ان کے ہاں یہ نہ صرف جائز ہے بلکہ متعہ کرنے پر وہ ثواب مرتب ہوتا ہے جو نکاح پر بھی مرتب نہیں ہوتا۔ پھر جس متعہ کے وہ قائل ہیں وہ متعہ اسلام میں کبھی بھی جائز نہیں رہا۔

متعہ کیا تھا؟

متعہ متاع سے مشتق ہے اور متاع کے معنی نفع قلیل کے ہیں۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے:

﴿انما هذه الحياة الدنيا متاع﴾ (المؤمن ۳۹)

''یہ دنیاوی زندگانی چند روزہ ہے۔''

متعہ کا اطلاق دو معنی پر ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ متعہ سے مراد نکاح مؤقت ہو یعنی ایک مدت معینہ کے لیے گواہوں کے سامنے کسی عورت سے ازدواجی تعلق قائم کیا جائے۔ پھر وہ مدت معینہ گذارنے کے بعد طلاق کے بغیر مفارقت واقع ہو جائے، لیکن مفارقت کے بعد استبراء رحم کے لیے

Marfat.com

ایک حیض کا انتظار کرے تاکہ دوسرے کے نطفہ کے اختلاط سے محفوظ رہے۔ آغاز اسلام میں یہ صورت جائز تھی جو بعد میں قیامت تک کے لیے حرام ہوگئی۔

متعہ کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص کسی عورت سے یہ کہے کہ میں تجھ سے ایک روز کے لیے متمتع ہوں گا یعنی متعہ کروں گا اور اس ایک روز کی تجھ کو یہ اجرت دوں گا۔ یہ عین زنا ہے۔ متعہ کی یہ صورت کبھی بھی اسلام میں جائز نہیں رہی۔ البتہ پہلی صورت یعنی نکاح مؤقت گواہوں کی موجودگی میں، ولی کی اجازت سے ازدواجی تعلق قائم کرنا اور مدت معینہ گزرنے کے بعد ایک حیض عدت گزارنا، یہ صورت اسلام میں فتح خیبر تک جائز تھی اور اس کے بعد ہمیشہ کے لیے حرام قرار دے دی گئی۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر قرطبی: ۵، ۱۳۲)

شیعہ مسلک میں جو متعہ ہے اس میں ایک عورت کو مقررہ اجرت کے عوض مباشرت کے لیے ٹھیکہ پر لینے کا نام ہے۔ چنانچہ کافی میں ہے:

انما ھی مستاجرۃ (کافی: ۲/۲۰۱)

''متعوعہ عورت کچھ نہیں مگر ایک ٹھیکہ کی چیز ہے۔''

اسی متعہ کو معاشرہ میں عام کرنے کے لیے روز نامہ جنگ لندن 7 ستمبر 1990ء کی اشاعت میں صفحہ اول پر ایران کے صدر علی اکبر ہاشمی رفسنجانی نے یہ بیان دیا:

''ایرانی معاشرہ کو بچانے کے لیے متعہ عام کرنا ہوگا۔''

اس سے تین روز قبل اسی اخبار نے جناب رفسنجانی کے نام سے یہ خبر بھی شائع کی تھی

''ایران میں غیر شادی شدہ افراد کو متعہ کی اجازت دے دی گئی۔''

''اسلام متعہ کی اجازت دیتا ہے۔'' (رفسنجانی)

ایران کے صدر علی اکبر ہاشمی رفسنجانی نے غیر شادی شدہ مردوں اور عورتوں کو متعہ کے ذریعہ اپنی جنسی ضروریات کو پورا کرنے کی ہدایت کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ انسانی فطرت کو کچلنا غلط ہے، اس لیے کنوارے افراد، رنڈوے اور بیوہ عورتیں مختصر مدت کے لیے غیر رسمی شادیاں کر سکتے ہیں۔ (جنگ، لندن، ۴ دسمبر ۱۹۹۰ء)

پھر یہ خبر بھی چند روز کے بعد آئی:

''ایران میں اسلامی انقلاب کے گیارہ برس بعد صدر علی اکبر ہاشمی رفسنجانی نے جنسی اور سماجی میل جول کی طرف زیادہ لبرل رویہ اپنانے کی مہم شروع کی ہے۔ انہوں نے

Marfat.com

متعہ کی ضرورت پر دوبارہ زور دیتے ہوئے کہا کہ اگر ایران نے بڑی تعداد میں اپنے لوگوں کی جنسی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے غیر رسمی قلیل المیعاد شادیوں کو تسلیم نہ کیا تو اسے شکست کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ایرانی T.V پر انٹرویو دیتے ہوئے صدر رفسنجانی نے کہا کہ وہ متعہ کے متعلق سنجیدہ نکتہ اٹھا رہے ہیں اور اس پر اصرار کرتے رہیں گے۔ انہوں نے کہا کہ اگر متعہ کو عام نہ کیا گیا اور اس کے ساتھ منسلک بدنامی کو ختم نہ کیا گیا تو ہمارا معاشرہ شکست وریخت کا شکار ہو جائے گا کیونکہ ہم بہت سے مسلمانوں اور خصوصاً نوجوانوں کی جنسی ضروریات کو پورا نہیں کر سکیں گے۔

(جنگ لندن ۷ دسمبر ۱۹۹۰ء)

یہ تو صدر ایران کا نظریہ تھا لیکن ایک اور شیعہ مفکر ڈاکٹر موسیٰ الموسوی کا متعہ کے بارے میں نظریہ ہے، وہ فرماتے ہیں:

''میں ان فقہاء شیعہ سے سوال کرتا ہوں جو متعہ کے جواز اور اس پر عمل کے مستحب ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں، کیا وہ اپنی بیٹیوں، بہنوں اور رشتہ دار لڑکیوں کے ساتھ اس قسم کی حرکت کی اجازت دینا پسند کریں گے یا ان کے بارے میں ایسی بات سن کر ان کے چہرے سیاہ پڑ جائیں گے، رگیں پھول جائیں گی اور غصے پر قابو نہیں رکھ سکیں گے؟'' (اصلاح شیعہ: ص ۱۹۹، ڈاکٹر موسیٰ الموسوی)

فضائل متعہ:

بات متعہ کے حلال یا حرام ہونے کی نہیں۔ درست ہے اگر یہ شیعہ حضرات کے نزدیک جائز ہے تو جائز ہو، کسی کو اس میں کیا اعتراض ہو سکتا ہے، لیکن شیعہ حضرات کی کتابوں میں اس نکاح کے جو فضائل ذکر کیے گئے ہیں، انہوں نے اسلام کے پورے نظام معاشرت کو تہ و بالا کر دیا ہے۔ کیونکہ ان کی کتابوں میں نکاح کے وہ فضائل درج نہیں ہیں جو متعہ کے ہیں۔ جب متعہ کے فضائل یہ ہیں جو ان کی کتابوں میں درج ہیں تو پھر ایک آدمی ان فضائل کے حصول کے لیے متعہ کرے گا نکاح نہیں کرے گا۔ اور اگر نکاح کرے گا بھی تو نکاحی عورتیں گھروں میں مردوں کو ترستی رہیں گی اور مرد باہر متعہ کرنے میں مشغول ہوں گے اور گھریلو عورتوں کی طرف کوئی التفات نہیں کریں گے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ پورا معاشرتی نظام تہ و بالا (upset) ہو جائے گا۔ اب وہ فضائل سنیئے جو متعہ کے بارے میں کتابوں میں آتے ہیں:

Marfat.com

① پہلی فضیلت تو یہ بتائی گئی ہے کہ متعہ نہ کرنے والا ناقص الایمان ہوگا چنانچہ فقیہ ابو جعفر محمد بن بابویہ القمی نے لکھا ہے:

ان المؤمن لایکمل حتی یتمتع

(وسائل الشیعہ: ۷/۴۴۲، من لا یحضرہ الفقیہ: ۲/۱۵۱)

''مومن کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک وہ متعہ نہ کرلے۔''

② مشہور مفسر ملا فتح اللہ کاشانی لکھتا ہے:

من خرج من الدنیا ولم یتمتع جاء یوم القیامۃ وھو اجدع

(تفسیر منہج الصادقین: ۵/۲۵۶)

''جو شخص متعہ نہ کرے وہ قیامت کے روز منہ ناک کٹے ہوئے آئے گا۔''

③ اسی تفسیر میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ہر کہ یک بار متعہ کند ہمہ اواز آتش ایمن شود، ہر کہ دو بار متعہ کند محشور شود با نیکو کاراں، و ہر کہ سہ بار متعہ کند ہم نشینی و مقاربت کند با من در روضۂ جناں۔'' (تفسیر منہج الصادقین: پ۵ ص ۳۶۵)

ایک بار متعہ کرنے والا آتش دوزخ سے بے خوف ہو جاتا ہے۔ دو دفعہ کرنے والا نیک لوگوں کے ساتھ اٹھایا جائے گا اور تین دفعہ متعہ کرنے والا میرے ساتھ (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ) جنت کے باغوں میں رہے گا۔

④ ایک فضیلت متعہ کی یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ متعہ کرنے سے جسم کے بالوں کے برابر نیکیاں ملتی ہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ سے متعہ کے ثواب کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا:

''جب صرف اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے اور منکرین متعہ کی مخالفت کرنے کے لیے خالصاً لوجہ اللہ متعہ کرے تو متعہ کرنے والا جس قدر باتیں عورت سے خلوت میں کرے گا اتنی نیکیاں لکھی جائیں گی۔ اور جب اس کی طرف دست شہوت دراز کرے گا تو اس کے لیے نیکی لکھی جائے گی۔ اور جب اس کے ساتھ (فعل مخصوص)

Marfat.com

کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو بخش دے گا۔ اور جب یہ دونوں (مرد اور عورت) غسل کریں گے تو جتنے بال ان کے بدن پر ہیں اتنی رحمتیں اور نیکیاں انہیں عطا کرے گا۔ میں نے کہا: ''جتنے بال ہیں ان سب کے برابر؟'' فرمایا: ''جتنے بال غسل میں خشک رہ جائیں گے اتنی نیکیاں کم ہوں گی۔''

⑤ پھر متعہ کرنے والوں کو ایک نہایت بلند مرتبہ اور مقام عطا کیا جاتا ہے۔ وہ کون سا مقام ہے اور کون سا درجہ ہے۔ وہ بھی ملاحظہ فرمائیں:

من تمتع مرة كان درجته كدرجة الحسين عليه السلام، ومن تمتع مرتين فدرجته كدرجة الحسن عليه السلام، ومن تمتع ثلاث مرات كان درجته كدرجته علي بن ابى طالب عليه السلام ومن تمتع اربع مرات فدرجته كدرجتي

(تفسیر منہج الصادقین: ۳۵۶)

''یعنی جس شخص نے ایک مرتبہ متعہ کیا اس کا درجہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے درجہ کے برابر ہے، اور جس نے دو مرتبہ متعہ کیا وہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا مرتبہ حاصل کرے گا اور جس نے تین مرتبہ متعہ کیا اس کو سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا درجہ حاصل ہوگا اور جس نے چار مرتبہ متعہ کیا اس کا مرتبہ میرے (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) درجہ کے برابر ہوگا۔''

شیعہ حضرات کے ایک مشہور مجتہد سید ابوالقاسم والد علامہ علی حائری کا کہنا ہے:

﴿قال ابو عبدالله عليه السلام مامن رجل تمتع ثم اغتسل الا خلق الله من كل قطرة تقطر منه سبعين ملكا ليستغفرون له الىٰ يوم القيامة﴾ (برہان المتعہ: ص ۲۶)

''امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو شخص متعہ کرے اور پھر اس کے بعد غسل کرے تو اللہ تعالیٰ اس پانی کے ہر قطرہ سے جو اس کے بدن سے مس ہو کر نیچے گرتا ہے ستر ہزار فرشتے پیدا کرتا ہے جو اس متعہ کرنے والے شخص کے لیے قیامت تک مغفرت کی دعا کرتے رہتے ہیں۔''

اس بارے میں بے شمار روایات کتب شیعہ میں موجود ہیں جن میں متعہ کرنے والی عورت اور مرد کے لیے ڈھیروں ثواب درج ہے۔ اتنا ثواب کہ اس قدر ثواب نکاح پر بھی نہیں

Marfat.com

جس پر پوری دنیا کا توالد و تناسل قائم ہے، لیکن اس کے برخلاف متعہ کے حرام ہونے پر شیعہ حضرات کی صحاح اربعہ میں روایت موجود ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

حرّم رسول الله صلى الله عليه وسلم لحوم الحمر الاهلية ونكاح المتعة.

(الاستبصار: ۱۴۲/۳، تہذیب الاحکام: ۱۸۶/۲، فروع کافی: ۱۹۲/۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گھریلو گدھوں کے گوشت اور متعہ کو حرام قرار دیا۔

ایک اور محقق شیعہ شیخ محمد بن حسن الحر العاملی نے بھی اپنی کتاب وسائل الشیعہ الی تحصیل مسائل الشریعہ جلد ۷ ص ۴۴۱ میں اس روایت کو درج کیا ہے۔

لیکن جن روایات میں متعہ کی ممانعت آئی ہے ان کو تقیہ پر محمول کر دیا گیا۔ چنانچہ لکھا ہے:

اقول حمله الشيخ وغيره على التقية يعنى فى الرواية لان اباحة المتعة من ضروريات مذهب الامامية.

''یعنی جن روایات میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے متعہ کی ممانعت آئی ہے اس کو ہم تقیہ پر محمول کریں گے کیوں امامیہ کی دوسری مستند روایات سے متعہ کا حلال اور جائز ہونا واضح ہے۔ اور متعہ کی اباحت مذہب امامیہ کی ضروریات دین میں سے ہے۔''

صاحب استبصار نے بھی اس روایت کے بارے میں لکھا ہے کہ:

فالوجه فى هذه الرواية ان تحملها على التقية لانها موافقة لمذاهب العامه (الاستبصار: ۱۴۲/۳)

''یہ روایت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے تقیہ پر محمول ہے۔ (مطلب یہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے عوام سے ڈر کر یہ روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ لگا دی۔) کیوں کہ یہ اہل سنت کے مذہب کے مطابق ہے۔''

مفضل کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا:

يقول فى المتعة دعوها، امايستحى احدكم ان يرىٰ فى موضع العورة فيحمل ذالك علىٰ صالحى اخوانه واصحابه

(فروع کافی: ۴۵۳/۵)

Marfat.com

''آپ متعہ کے بارے میں فرماتے تھے کہ اس کو چھوڑ دو۔ کیا تم کو شرم نہیں آتی کہ کوئی شخص عورت کی شرم گاہ دیکھے اور اسے اپنے بھائیوں اور دوست یاروں سے بیان کرے۔''

اس روایت سے معلوم ہوا کہ امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی متعہ بہت بری چیز تھی، لہٰذا آپ نے اسے چھوڑنے کا حکم فرمایا کیونکہ متعہ کے ذریعہ بدکاری اور فحاشی کی راہ کھلتی ہے۔

علامہ طوسی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت نقل کی ہے کہ عبداللہ بن عمیر نے ایک مرتبہ امام باقر رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ کیا آپ کی بیویاں، بیٹیاں، بہنیں اور چچا زاد بہنیں متعہ کرتی ہیں؟ روایت میں ہے

فاعرض ابو جعفر حین ذکر نساءہ و بنات عمہ.

''امام باقر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سن کر اپنا چہرہ پھیر لیا۔ جب اپنی عورتوں اور چچا کی بیٹیوں (کے متعہ) کا ذکر ہوا۔''

معلوم ہوتا ہے کہ امام باقر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک متعہ جائز نہیں تھا لہٰذا جب ان کی اپنی عورتوں کا ذکر کیا گیا تو امام نے سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا کیونکہ آپ کے نزدیک یہ ایک انتہائی شرمناک فعل ہے۔

معلوم ہوا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے ائمہ کے نزدیک متعہ ایک فحش اور انتہائی شرمناک فعل تھا اور ان کے نزدیک یہ حرام تھا۔ چنانچہ مشہور شیعی عالم ڈاکٹر موسیٰ الموسوی نے لکھا ہے:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں اس حرمت کو برقرار رکھا اور جواز متعہ کا حکم صادر نہیں فرمایا۔ شیعی عرف اور ہمارے فقہاء شیعہ کی رائے کے مطابق امام کا عمل حجت ہوتا ہے خصوصاً جب کہ امام با اختیار ہو۔ اظہار رائے کی آزادی رکھتا ہو اور احکام الٰہی کے اوامر و نواہی بیان کر سکتا ہو۔ اس صورت میں امام علی رضی اللہ عنہ کی حرمت متعہ کو برقرار رکھنے کا مطلب یہ ہوا کہ وہ عہد نبوی میں حرام تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ضروری تھا کہ وہ اس حکم تحریم کی مخالفت کرتے اور اس کے متعلق صحیح حکم الٰہی بیان کرتے، اور عمل امام شیعہ پر حجت ہے۔ میں نہیں سمجھ پایا کہ ہمارے فقہاء شیعہ کو یہ جرأت کیسے ہوئی کہ وہ اس کو دیوار پر مار دیتے ہیں۔''

(اصلاح شیعہ اردو ترجمہ: ص ۱۹۱-۱۹۲)

Marfat.com

متعہ..........ایران کی سنجیدہ سوسائٹی کی نظر میں:

ایک سنجیدہ ایرانی مفکر کا متعہ کے بارے نظریہ تو آپ نے سن لیا۔ اس قسم کے اور بھی کئی مرد اور خواتین ایران میں موجود ہیں جو اس غلط نظریہ کے سخت مخالف ہیں اور ائمہ کی صحیح تعلیم پر کاربند ہیں۔ ایران کے بڑے بڑے آیۃ اللہ یہاں تک کہ صدر ایران علی رفسنجانی وغیرہ صرف اس لیے متعہ کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں کہ ضرورت مند خواتین بوقت ضرورت انہی کی طرف رجوع کرتی ہیں۔ اور کسی آیۃ اللہ سے جنسی تعلق قائم کرنا اپنے لیے بہت باعث برکت سمجھتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں نے اس متعہ کو بداخلاقی اور بے حیائی جانا انہیں ایک ایک آیت اللہ نے لادین اور ملحد کہا۔ علامہ خمینی کے انقلاب سے قبل ایران کی سنجیدہ اور باوقار سوسائٹی نے متعہ کی اس رسم بد کو مسترد کر دیا تھا مگر سب آیت اللہ اس کے خلاف تھے۔

علامہ حائری کی شخصیت سے کون واقف نہیں ان کی نواسی شہلا حائری جو 1988ء میں امریکہ کی ہارورڈ یونیورسٹی میں ریسرچ ایسوی ایٹ ہیں، انہوں نے Law of Desire کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ اس میں اس نے اس متعہ کا پوسٹ مارٹم کیا تھا۔ پہلے اس کی کتاب کا اردو ترجمہ 'ہفت روزہ تکبیر کراچی' نے شائع کیا تھا۔ پھر ماہنامہ ''قومی ڈائجسٹ'' نے 1993ء میں اپنے ایک نمبر میں اس کو محفوظ کر لیا۔ اس کتاب میں شہلا حائری لکھتی ہیں:

''1979ء کے انقلاب ایران سے قبل ایران کے سیکولر درمیانی طبقوں نے عارضی شادی (متعہ) کو طوائفیت کی ایک شکل سمجھتے ہوئے مسترد کر دیا تھا جسے مذہبی اداروں نے جائز قرار دیا تھا۔ ایران میں یہ عوامی اظہار بہت مقبول ہے۔ طوائفیت کے سر پر ایک مذہبی ٹوپی رکھ دی گئی ہے.......... مذہبی گروہ عارضی شادی کی وکالت یہ کہہ کر کرتا رہا ہے کہ یہ انسانیت پر خدا کا فضل ہے۔ انفرادی صحت کے لیے اس کی ضرورت ہے بلکہ یہ سماجی نظم و نسق کو برقرار رکھنے کے لیے بھی ناگزیر ہے۔''

(مندرجہ قومی ڈائجسٹ مارچ: ۱۹۹۳ء)

اس سے معلوم ہوا کہ ایران میں سنجیدہ قسم کے لوگ ابھی کچھ موجود ہیں جن کو وہاں کے مذہبی آیت اللہ سیکولر قرار دیتے ہیں۔ یہ سب اختلاف ان مذہبی راہ نماؤں کے قوم کی بچیوں میں جنسی دلچسپی لینے کے باعث ہے۔ تاہم اس بات سے انکار نہیں کہ علامہ خمینی کے مذہبی

Marfat.com

انقلاب کے بعد متعہ کے شجر خشک کی پھر سے آبیاری کی گئی ہے اور متعہ کے دروازے پھر سے قوم پر کھول دیئے گئے ہیں تاکہ نوجوان نسل اس بارے میں مغربی ممالک سے دو ہاتھ بڑھ جائے۔ ایران کے صدر علی اکبر ہاشمی رفسنجانی کی نوجوان نسل سے متعہ کرنے کی موجودہ اپیل اسی انقلاب کا ایک مقصد ہے۔

شہلا حائری کی کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عارضی شادی اکثر و بیشتر مذہبی بزرگوں کے مزارات اور درگاہوں پر ہوتی ہے۔" (ص ۲۰) ایران میں ہر کوئی جانتا ہے کہ اگر کسی نے متعہ کرنا ہے تو اسے قم یا مشہد جانا چاہیے۔" (ص ۲۸) برصغیر پاک و ہند میں بزرگوں کے مزارات مرجع خواص وعوام بنے ہوئے ہیں اور لوگ یہاں ان کی زیارت کے لیے آتے ہیں، لیکن ایران میں زیارت صرف مرحومین کی نہیں ہوتی، حاضرین و حاضرات کا آپس میں نظریں ملانا بھی ایک طرح کی زیارت سمجھا جاتا ہے۔ شہلا حائری کرزن کے حوالہ سے 1891ء کے مشہد پر (جہاں امام رضا رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے) لکھتی ہیں:

"غالباً مشہد کی زندگی میں جو انتہائی غیر معمولی نقش دکھائی دیتا ہے، وہ یہ ہے کہ زیارتوں کے لیے آئے ہوئے لوگوں کو ان کے قیام کے دوران اس شہر میں متاہلانہ تسکین فراہم کی جاتی ہے۔" (قومی ڈائجسٹ: ص ۳۷)

یہ مشہد کا سو سال پہلے کا حال ہے۔ موجودہ صورت حال کیا ہے، اس بارے میں شہلا لکھتی ہیں:

"مشہد کا شہر اب بھی اسی شہرت کا مالک ہے جو اسے ایک صدی قبل حاصل تھی۔ تاہم چند اعلیٰ مرتبت مذہبی راہ نماؤں کی ناپسندیدگی کی وجہ سے اب سب کچھ قدرے رازداری میں ہوتا ہے 1981ء میں ایک مذہبی مبلغ امین آقا نے بتایا:

"پرانے زمانے میں مشہد میں ایک بوڑھا شیخ ہوتا تھا جس کے پاس ایک پرانی پھٹی نوٹ بک ہوتی تھی جس میں وہ ان تمام عورتوں کے نام اور پتے درج کرتا رہتا تھا جو صیغہ بننے (یعنی متعہ کے طور پر استعمال ہونے، کیوں کہ متعہ کو موجود ایران میں نکاح صیغہ کہا جاتا ہے۔) میں دلچسپی رکھتیں تھیں۔ مرد زائر اور حتیٰ کہ اس شہر کے رہنے والے اس بوڑھے شیخ کے پاس اس امید سے جاتے کہ وہ ان کے لیے اس شہر میں قیام کے دوران کوئی عارضی ساتھی تلاش کر دے گا، کیونکہ ایسا کرنے سے نہ صرف اسے کچھ ثواب ملتا بلکہ زائروں کے لیے بھی باعث ثواب ہوتا ہے۔" امین

Marfat.com

آقا نے مجھے بتایا کہ وہ شیخ اب اسے دھندلا سا یاد ہے کیونکہ اس وقت وہ ایک چھوٹا سا لڑکا تھا۔" (قومی ڈائجسٹ مارچ ۱۹۹۴ء: ص ۸۰، لاہور)

رضائے خداوندی کے لیے متعہ کی نذر ماننا:

ایران میں بعض حضرات اور خواتین متعہ کی نذر بھی مانتی ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہو کیونکہ جیسا کہ گذشتہ سطور میں بتایا گیا ہے کہ متعہ ایک بہت بڑا کار ثواب ہے خواہ یہ کیا جائے یا کروایا جائے۔ ایران میں اس متعہ کو "صیغہ نذری" کہتے ہیں۔ محترمہ شہلا حائری لکھتی ہیں:

"صیغہ نذری عام طور پر بزرگوں کی درگاہوں کے آس پاس کیا جاتا ہے یہ عقیدہ رکھتے ہوئے کہ صیغہ (متعہ) کا مذہبی ثواب ملتا ہے۔ ایک عورت اپنی طرف سے منت مانتی ہے کہ اگر اس کی آرزو پوری ہوگئی تو وہ (کسی بڑے آیۃ اللہ سے) صیغہ کرے گی۔ یہ صیغہ اکثر سیدوں سے کیا جاتا ہے۔ ملاؤں کی اکثریت سید ہوتی ہے جن کا بے حد احترام کیا جاتا ہے۔ عام طور پر عورت خود براہِ راست ملا کے پاس پہنچتی ہے.......... مشہد کے مذہبی راہ نما ہاشم نے دعویٰ کیا کہ ایک زائرہ عورت نے اسے صیغہ نذری کی پیش کش کرتے ہوئے ایک سو تومان ادا کیے۔ ملا ہاشم نے بتایا کہ میں نے انکار کر دیا کیونکہ وہ عورت میری پسند کی نہیں تھی، بوڑھی تھی۔" (قومی ڈائجسٹ: ص ۸۲)

اس قسم کے واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ ایرانی ملا گو وہ خود کسی عمر کے ہوں، ایران کی صرف جوان بچیوں میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ بوڑھی عورتوں سے متعہ نہیں کرتے۔

سفر میں متعہ:

یہ غلط ہے کہ ان حضرات کے ہاں صرف گھر سے دوری کے وقت ہی متعہ کیا جاتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ان کے ہاں گھر سے اس قسم کی لڑکیوں کو لے کر جانے کا رواج نہ ہوتا۔ ایران قدیم میں ایسی بیویاں بھی ہوتی تھیں جنہیں میزبان ضیافت کے طور پر مہمان کے حوالے کرتا۔ اسلامی دور میں قاچاریوں نے ملاؤں کے فتویٰ سے قوم کو اس راہ پر ڈالا۔ چنانچہ شہلا حائری لکھتی ہیں:

Marfat.com

''ایک سیاح اپنے سفر میں صیغہ کو اپنے ساتھ لے جا سکتا ہے۔ قاچاریوں نے اپنی رعایا کے لیے یہ رجحان منظم کیا تھا جب ناصر الدین (1831-96ء) اور اس کے درباری کسی مختصر سفر پر جاتے تو وہ اپنی بیویوں کو اپنے پیچھے حرم میں چھوڑ کر ایک یا دو صیغہ بیویاں اپنے ساتھ لے جاتے۔ آقا علی حضور (بادشاہ کا وزیر رابطہ) اعتماد السلطنت لکھتا ہے ''آج میں نے بادشاہ کو بتایا کہ یہ ان کے والد اور دادا کی رسم تھی کہ وہ اپنے خادموں کو بھی اپنی بیویوں سے نوازے تھے۔ اب اس میں آپ کا کیا نقصان ہوگا اگر آپ اپنی پرانی بیویوں میں سے ہی ایک مجھے عنایت کر دیں جو آپ کے ساتھ دن میں سفر کرتی رہے گی اور رات کو میرے خیمے میں آ جائے گی۔''

''فتح علی قاچار میں عورتوں کی رفاقت کی ہوس اتنی شدید تھی کہ وہ انہیں اغوا بھی کر لیتا تھا۔ بختیاری لکھتا ہے: ''ایک رات بادشاہ نے محمد خان دوالو کے گھر میں چوری چھپے گھس کر اس کی بیٹی کو اپنی عبا میں چھپا لیا۔ (یہ وہ بڑا چغہ ہے جو ان کے آیت اللہ پہنے ہوئے ہوتے ہیں) اور اس نے اس کے ساتھ فوری طور پر متعہ کر لیا اور پھر اس کے بعد اس کے باپ کو پیغام بھجوایا کہ ہم نے اپنے رواج کے مطابق تمہاری بیٹی چوری کر لی ہے۔ تم بھی اسی طرح ہماری بیٹیوں میں سے کسی ایک کو اپنے لیے یا اپنے بیٹوں کے لیے کیوں سرقہ نہیں کر لیتے؟'' (قومی ڈائجسٹ: ص ۸۳)

سطور بالا سینے پر ہاتھ رکھ کر پڑھنے کے قابل ہے۔ آپ نے اغوا کے واقعات کئی سنے ہوں گے اور اخبارات میں بھی ہر روز پڑھتے ہوں گے کہ کسی شخص نے کسی کی بیٹی کو اغوا کر لیا۔ لیکن آپ نے یہ مثال اور کہیں نہ دیکھی ہوگی کہ کوئی شخص خود نوجوانوں کو اپنی بیٹیوں کے اغوا کی نہ صرف دعوت دے بلکہ کھلی چھٹی دے دے۔ یہ.......... کی انتہاء ہے اور اس متعہ ہی نے انسانیت کے گراف کو اس قدر گرایا ہے۔ یہاں کے انہی ملاؤں کا اثر ہے کہ متعہ کرنے پر بڑا ثواب ملتا ہے اور درجات میں ترقی ہوتی ہے یہاں تک کہ چار دفعہ متعہ کرنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ ملتا ہے۔ (منہج الصادقین: ص ۳۵۶) اور تین دفعہ متعہ کرنے سے جہنم سے خلاصی ہو جاتی ہے (ایضاً) اور پھر متعہ سے فراغت کے بعد جو غسل کیا جاتا ہے اس کے ایک ایک قطرے سے فرشتے پیدا ہوتے ہیں جو تا قیامت عبادت خداوندی میں معروف رہیں گے اور اس کا ثواب اس متعہ کرنے والے نوجوان جوڑے کو ملتا رہے گا جو ساری رات متعہ میں مشغول رہا۔
یہ وہ مقام ہے جہاں انسانیت سر پیٹ کر رہ جاتی ہے اور پھر ایسا گھناؤنا کاروبار جب اللہ کی رضا

Marfat.com

کے حصول کے لیے کیا جائے تو ایمان، اخلاق اور شرافت کی ساری چولیں ہل جاتی ہیں اور مذہب راجہ اِندر کا کھیل بن کر رہ جاتا ہے۔

کاروبار متعہ کی ایجنسیاں:

متعہ کے اس کاروبار کے فروغ کے لیے اور متعہ کرنے والوں کو لڑکیاں سپلائی کرنے کے لیے ایران میں ایجنسیاں قائم کی گئی ہیں جن سے بوقت ضرورت مدد حاصل کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ اس بارے میں محترمہ شہلا حائری لکھتی ہیں:

''پہلوی دور حکومت کے آخری برسوں میں کئی سروس ایجنسیاں قائم ہوئی تھیں، ان میں ایک ایجنسی جو گھریلو خادماؤں کی ایجنسی کے نام سے مشہور ہے، اب بھی (خمینی دور میں) موجود ہے جو اب اسلامی حکومت کے زمانہ میں بھی اپنا کام کر رہی ہے۔
ان دنوں اسی ایجنسی کو ایک حاجی صاحب چلاتے ہیں جو گھروں میں کام کاج کے لیے ہر طرح کی خادمائیں روزینے سے ماہانہ اور رہائش کی بنیادوں پر فراہم کرتے ہیں........ وہ تمام صیغے (متعے) جو خادماؤں اور آقاؤں کے درمیان ہوتے ہیں وہ بیوی اور خادمہ کے رشتہ داروں کی اجازت سے نہیں ہوتے۔ (قومی ڈائجسٹ: ص ۸۶)

نکاح متعہ کا عنوان کچھ زیادہ طویل ہو گیا کیونکہ ؏

لذید بود حکایت دراز تر گفتم

وگرنہ محترمہ شہلا حائری نے نکاح متعہ کی مختلف اقسام بیان کی ہیں جن میں ایک گروپ صیغہ (جس میں چند مرد مل کر کسی لڑکی سے متعہ کریں) وغیرہ شامل ہیں۔ پھر اس کتاب میں آٹھ ایرانی خواتین کی آپ بیتی کا ذکر بھی ہے جن پر متعہ کی عملی مشقیں ہوتی رہیں ۔

ہر ایک بات زبان پر نہ آسکی باقی
کہیں کہیں سے سنائے ہیں ہم نے افسانے

یہاں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ جب نکاح متعہ کو ثواب و جزا سے اتنا بار آور کر دیا گیا کہ اس کے کرنے پر نکاح سے بھی زیادہ ثواب اور جزاء ہے تو گھروں میں بیٹھی ہوئی نکاحی عورتیں نکاح ہونے کے باوجود بے شوہر ہو جائیں گی اور ان کے شوہر گھر کے بجائے زنان ممتوعہ سے لطف اندوز ہوتے رہیں گے اور پورا معاشرہ زیر و زبر اور تہ و بالا ہو جائے گا۔ پھر جب آپ دوسروں کی بہنوں اور بیٹیوں کے ساتھ متعہ کریں گے تو دوسرے بھی آپ کی بہنوں

Marfat.com

اور بیٹیوں کو بیکار نہیں چھوڑیں گے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ مغربی دنیا کی طرح آدمی حسب ونسب کے یقین سے یک قلم محروم ہو جائے گا اور اسکولوں اور دفاتر میں باپوں کے بجائے ماؤں کے نام لکھے جائیں گے۔

شراب نوشی کی ممانعت:

شراب نوشی اسلام میں ایک بہت بڑا گناہ ہے کیونکہ یہ انسان کی عقل مار دیتی ہے اور انسان انسان سے حیوان بن جاتا ہے۔ اسی وجہ سے اس کو رسول اللہ ﷺ نے چودہ سو سال قبل ام الخبائث (تمام برائیوں کی جڑ) کہا تھا۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

((اجتنبوا الخمر فانها ام الخبائث))

''شراب سے بچو یہ تمام خرابیوں کی جڑ ہے۔''

(رواہ ابن حبان، رقم: ۵۳۴۸، والبیہقی فی شعب الایمان، رقم: ۵۱۹۷، نسائی: ۵۶۶۶)

شراب ہر زمانہ ہی میں پی جاتی رہی ہے لیکن موجودہ زمانہ میں اس کا چلن بہت ہے، اور یورپ اور امریکہ میں تو یہ پانی کی طرح بلکہ پانی کے بجائے پی جاتی ہے۔ طبی اور اجتماعی لحاظ سے یہ ایک مسلم امر ہے کہ شراب ایک بے فائدہ بلکہ نہایت مضر شی ہے اور اس کے نقصانات بہت زیادہ ہیں۔ اس سے عقل میں نقصان پیدا ہوتا ہے بلکہ بعض کی تو عقل ہی ماری جاتی ہے۔ صحت خراب ہوتی ہے اور بانجھ پن اور ضعف نسل پیدا ہوتا ہے۔ شرافت اور مال ضائع ہوتا ہے۔ اسلام نے اسی وجہ سے چودہ سو سال قبل شراب کو نہ صرف حرام قرار دیا بلکہ اس کے پینے پر سزا جاری کر دی تھی۔ اب بیسویں صدی میں دنیا نے یہ گواہی دی ہے کہ اسلام نے جو کچھ کہا تھا وہ حق ہے بلکہ اب تو سائنس نے بھی یہ بتا دیا کہ شراب ام الخبائث ہے، اس وجہ سے ہر سمجھ دار شخص شراب کے ترک کی دعوت دیتا ہے۔

قرآن حکیم میں ہے:

﴿یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیهما اثم کبیر ومنافع للناس، واثمهما اکبر من نفعهما﴾ (بقرہ: ۲۱۹)

''(اے پیغمبر!) آپ سے پوچھتے ہیں شراب اور جوئے کے بارے میں، آپ کہہ دیجیے کہ ان دونوں چیزوں میں بڑا گناہ ہے اگرچہ ان میں لوگوں کے لیے کچھ فائدہ بھی ہے، مگر ان دونوں کا گناہ ان کے فائدہ

Marfat.com

سے بہت زیادہ ہے۔"

دنیا میں صحت کے مشہور ماہر پروفیسر ہرش (Hirsch) نے اس موضوع پر لکھی گئی اپنی ایک کتاب میں کہا ہے:

"شراب پر پابندی جو مہذب دنیا کا سب سے بڑا ملک امریکہ پندرہ سال تک لاگو نہ کر سکا وہ اسلام نے گذشتہ چودہ صدیوں میں لاگو کر رکھی ہے، اور اس طریقہ سے اس نے تہذیب وتمدن اور انسانیت کو بہت پہلے سے بچا رکھا ہے۔"

قرآن حکیم میں شراب پر پابندی تین سورتوں میں آتی ہے۔ ان میں سے ایک سورۃ بقرہ ہے جس میں سے اوپر آیت نقل کی گئی ہے۔ بعض مفسرین نے شراب پر پابندی بتدریج ذکر کی ہے جب کہ بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ سورتیں بنیادی طور پر ایک دوسرے سے مختلف نہیں ہیں اگرچہ بظاہر ان کے بیانات الگ الگ محسوس ہوتے ہیں، لیکن درحقیقت اصل معانی کے نقطۂ نظر سے ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اکثر حضرات اس نظریہ کے قائل ہیں، اس لیے کہ شراب کی اجازت ان تینوں سورتوں میں کہیں نہیں پائی جاتی اور نہ ہی قرآن حکیم میں کسی اور جگہ اس قسم کی کوئی اجازت دی گئی ہے۔ ان تینوں سورتوں میں اپنے اپنے انداز اور طریقوں میں بیان کیا گیا ہے۔ موجودہ زیر نظر آیت (بقرہ: ۲۱۹) بطور خاص شراب کی خرابیاں مادی پہلو سے بھی بیان کرتی ہے، لہٰذا اس قرآنی آیت کا سائنسی علم کے تناظر میں جائزہ آئندہ سطور میں بیان کیا جا رہا ہے۔

اس سے قبل کہ شراب کے انسانی صحت پر زہریلے اثرات کا پوری طرح سے جائزہ لیا جائے، اس کے کیمیائی اجزاء کے بارے میں تھوڑا سا ادراک حاصل کرنا ضروری ہے۔ علم کیمیا کی رو سے ہمیں یہ معلوم ہے کہ الکحل گلانے یا حل کرنے کے لیے ایک طاقتور محلول ہے، خاص طور پر چربی کے لیے۔ غذائی اصطلاحات میں یہ حل کرنے والی چیز نہیں بلکہ توڑ پھوڑ کے عمل پر منتج ہے۔ دوسرے لفظوں میں بنیادی خوراک یعنی بکٹیریا جراثیم کے ذریعہ ہضم کرنے کے سلسلہ میں پیدا ہونے والی یہ کیمیاوی ذیلی خوراک (Biproduct) ہے۔ ان وجوہات کی بنا پر شراب کو انسانی جسم کے لیے ایک نقصان دہ کیمیکل تسلیم کیا گیا ہے اور انسانی جگر اس کو فوراً توڑ دیتا ہے یعنی اس کی زہر آلودگی کو ختم کرنے میں لگ جاتا ہے۔ اس عمل کو (Deoxification) کہتے ہیں۔ چنانچہ شراب یا الکوحل کی یقیناً کوئی غذائی اہمیت نہیں ہے جس کا دعویٰ اس کے رسیا اکثر و بیشتر کرتے رہتے ہیں۔ جب یہ جسم کے اندر پہنچتی ہے تو دوسری

Marfat.com

ہر قسم کی خوراک کے برعکس کنٹرول سے باہر خامروں کی تبدیلی (Metabolized) یا ہضم ہو جاتی ہے۔صرف یہی ایک ظاہری فائدہ اس آیت کریمہ میں بتایا گیا ہے۔

شراب یا الکحل جسم انسانی پر کیا اثرات ڈالتی ہے، اس کی تفصیل کچھ یوں ہے:

شراب کا نظامِ ہضم پر اثر:

شراب کا سب سے پہلا برا اثر منہ سے شروع ہوتا ہے۔عام طور پر منہ کے اندر ایک خاص قسم کا زندہ ماحول (Flora) ہوتا ہے جو ایک لعاب کی صورت میں ہے۔نقصان دہ جراثیم کے لیے اس ماحول میں زندہ رہ جانا بہت مشکل ہوتا ہے، مگر چونکہ شراب کی وجہ سے اس ماحول کی شدت اور قوت بتدریج کم ہو جاتی ہے، اس لیے اس کے نتیجہ میں مسوڑھوں میں زخم (Infection) اور سوجن کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔چنانچہ شراب کے عادی لوگوں کے دانت نہایت تیزی سے خراب اور فرسودہ ہو جاتے ہیں۔منہ کے بعد گلے اور خوراک کی نالی کی باری آتی ہے۔یہ دونوں ایک دوسرے سے ملحقہ ہوتے ہیں۔یہ نہایت مشکل کام سرانجام دیتے ہیں اور ان پر نہایت حساس استر (MembraneMucous) کی تہہ ہوتی ہے۔شراب کے اثر سے اس حساس تہہ پر نہایت برا اثر پڑتا ہے اور جلن کا باعث بنتی ہے۔اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان دونوں اعضاء کے اندر ضعف اور کمزوری پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے اور اکثر اوقات یہ اعضاء کینسر کا شکار ہو جاتے ہیں۔دراصل وہ ادارے جو سرطان جیسے موذی مرض کے خلاف جنگ میں مصروف ہیں، 1980ء کے بعد سے شراب کے خلاف دوررس اقدام کرتے رہے ہیں۔

یہ بات تو ہر شخص کے علم میں ہے کہ شراب کی وجہ سے دورے کی خطرناک بیماریاں، جیسے Gastritis پیدا ہوتی ہیں۔یہ اس لیے ہوتا ہے کہ یہ خون میں موجود لائپڈ (Lipid) جو ایک خاص قسم کی چربی ہوتی ہے، اس کے استعمال سے تحلیل ہو جاتی ہے۔یہ لائپڈ ایک طرح کی حفاظتی تہہ مہیا کرتے ہیں جس پر تیزابیت یعنی ہائیڈروکلورک ایسڈ کا نقصان دہ اثر نہیں ہوتا۔اسی تہہ کی وجہ سے معدہ خود اپنے آپ ہضم نہیں کرسکتا اگرچہ فی الحال یہ پوری طرح ثابت نہیں ہوا کہ جس طرح شراب گلے اور خوراک کی نالی میں سرطان کا باعث بنتی ہے، معدے کے معاملہ میں بھی ایسا ہی ہے۔لیکن اس خیال کو تقویت حاصل ہوتی جا رہی ہے کہ معدے کے سرطان (کینسر) میں بھی شراب کی اچھی خاصی کارفرمائی ہوتی ہے۔

شراب کا سب سے زیادہ نقصان دہ اثر بارہ انگشتی آنت (Duodenum) پر ہوتا

Marfat.com

ہے۔ اس جگہ نہایت نازک کیمیائی اثرات وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ شراب اس کی اس خاصیت کو متاثر کرتی ہے جو مخصوص ہاضم لعاب خارج کرنے کی صلاحیت سے تعلق رکھتی ہے اور اس کی کیمیائی حساسیت پر اثر انداز ہوتی ہے۔ ہاضمہ کے لیے اس اہم راستہ کی تباہی کے بعد شراب جگر سے پیدا ہونے والے ہاضم لعاب (Bile) کے اخراج پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ تمام شرابیوں کی بارہ انگشتی آنت اور پتہ کی جھلی ہمیشہ بیماری کا شکار ہوتی ہیں یا ان کا کام اکثر و بیشتر صحیح نہیں ہوتا۔ یہ حالت ہر شرابی کو گیس اور بدہضمی کے ذریعہ مصیبت میں ڈالے رکھتی ہے۔ معدے کی یہ تکالیف آنتوں پر بھی اثر انداز ہوتی ہیں، چنانچہ نظام ہضم کی کمپیوٹر کی طرح کام کرنے والے نظام کی حسن ترتیب اور ہم آہنگی بھی تباہ اور برباد ہو جاتی ہے، اگرچہ ایک صحت مند انسانی جسم ہر اس شے کو ہضم کر لیتا ہے جس کی اسے ضرورت ہوتی ہے۔ یہ نظام ہضم کو خاص قسم کی ہدایات جاری کرنے سے ہوتا ہے۔ مگر زیادہ اور مستقل طور پر شراب پینے والوں کے معاملہ میں یہ کنٹرول یک قلم ختم ہو جاتا ہے اور ہضم کرنے کا عمل بلا روک ٹوک اور بغیر کسی تمیز کے جاری رہتا ہے۔ اس کا نتیجہ موٹاپے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، اس لیے کہ یہ بے تحاشا ہضم اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کر سکتا کہ خلیوں کی درمیانی جگہ (Interstices) میں چربی کا ذخیرہ کرنا شروع کرے۔ درحقیقت چربی کی یہ کثیر مقدار پٹھوں کے نظام مایوکارڈک ٹشو (Myocardial Tissue) پر چھا جاتی ہے، اور اس طرح دل کی خطرناک قسم کی بیماریاں ہو جاتی ہیں۔

شراب کا جگر پر اثر:

شراب کا سب سے زیادہ خراب اثر جگر (Liver) پر ہوتا ہے۔ انسانی جگر وہ حساس لیبارٹری ہے جو شراب کے ہر ایک چھوٹے سے چھوٹے سالے کو زہر کی طرح محسوس کرتی ہے۔
جگر پر شراب کا اثر دو طرح سے ہوتا ہے:

1. شراب خوری کی صورت میں جگر کے خلیے (Cells) الکحل ختم کرنے کی ذمہ داری میں پوری طرح مصروف ہو جاتے ہیں۔ اس طرح وہ اپنے دوسرے کاموں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔
2. جگر کے کیمیاوی عمل جو ایک سے ایک بڑھ کر حساس ہوتے ہیں، شراب کے بلا روک ٹوک اثر کے تحت درہم برہم ہو جاتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جگر کو ایک ہی عمل بار بار دہرانا پڑتا ہے، اور اس طرح بے پناہ مسلسل اور بلا ضرورت محنت و

Marfat.com

مشقت سے جگر کو کمزوری اور ضعف لاحق ہو جاتا ہے۔

یہ اثرات جگر کے لیے خطرناک نتائج پیدا کرتے ہیں۔ ان اثرات سے زیادہ مشہور جگر کا سکڑنا (Cyrhosis) ہوتا ہے جو اس کا زندہ ثبوت ہوتا ہے کہ جگر کی بربادی مکمل ہو چکی ہے۔ زیادہ خطرناک ممکنات میں سے یہ بھی ہے کہ شراب کا استعمال ایک ایک کر کے جگر کے تمام افعال کو تباہ کر دے۔ ان افعال میں پہلا فعل وہ ہے جس میں جگر ان افعال کو پیدا کرتا ہے جن سے خون کا عمل ظہور پذیر ہوتا ہے۔ چونکہ جگر ان اجزاء کو پیدا نہیں کر سکتا یا اس کی پیداوار بہت زیادہ کم ہو جاتی ہے، اس وجہ سے تمام شرابی اندر سے کمزور (Anaemic) ہوتے ہیں یعنی ان میں خون کی کمی ہوتی ہے، اگرچہ ان کے چہرے خون کی نالیوں کے بڑھنے یا کھلنے کی وجہ سے تندرست اور تنومند نظر آتے ہیں، لیکن ان کی ہڈیوں کے گودے (Bone Marrow) تباہ ہو چکے ہوتے ہیں یعنی درحقیقت خون کی پیداوار کا عمل ختم یا بے حد کم ہو چکا ہوتا ہے۔

مزید برآں جگر کی وہ طاقت جس کی وجہ سے جسمانی تحفظ کے اعضاء جیسے مختلف قسم کے گلوبلین بالخصوص (Immunoglobuline) بنتے ہیں، شرابیوں میں خطرناک حد تک کم ہو جاتی ہے۔ (یہ بات ذہن میں رہے کہ گلوبلین (Globuline) لحمیات کے وہ گروہ ہوتے ہیں جو معدنی نمکیات کے ہلکے محلولوں میں حل پذیر ہوتے ہیں۔ یہ خون کے سرخ خلیوں میں پائے جاتے ہیں اور حدت کو جذب کرتے ہیں۔)

شراب بعض اوقات جگر کے فعل کے اچانک رک جانے کی وجہ بھی بن جاتی ہے۔ اس صورت میں ایک شرابی بے ہوشی کے عالم میں ہی مر جاتا ہے۔ اسے جگر کا دیوالیہ پن (Liver Bankruptcy) کہتے ہیں۔ جگر کے سلسلہ میں ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی جس میں اس پر شراب کے نقصان دہ اثرات کا ثبوت نہ ملتا ہو۔ اس نکتہ کو یہاں اس سے زیادہ وضاحت سے بیان نہیں کیا جا سکتا۔

شراب کے دورانِ خون پر اثرات:

دورانِ خون پر شراب کے اثرات دو طرح کے ہیں۔ ایک تو جگر پر اثر کے ذریعہ بالواسطہ ہوتا ہے، دوسرا دل کی بافتوں جنہیں میوکارڈک ٹشو (Myocardial Tissue) کہتے ہیں، پر بلاواسطہ اثر کے ذریعہ۔ جگر جو خون میں چربی کی مقدار کو تحلیل کرنے میں سب سے اہم رول ادا کرتا ہے، اس میں ضعف اور خرابی پیدا ہو جاتی ہے جس کے نتیجہ میں خون لے جانے والی

Marfat.com

نسیں سخت ہو جاتی ہیں جسے (Arteriosclerosis) کہتے ہیں، اس سے فشار الدم یعنی بلڈ پریشر (Hypertension) کا عارضہ لاحق ہو جاتا ہے۔ دوسری طرف الکحل (شراب) کے تیزی سے جل جانے کے عمل سے خون کے بہاؤ کے مخصوص طریق جسے ہم خون کے بہاؤ کی رفتار کہتے ہیں، میں گڑبڑ پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کی وجہ سے دل کی تھکان واقع ہو جاتی ہے۔ مزید برآں شراب کی وجہ سے دل میں چربی کے ذرات جمع ہو جاتے ہیں اور اعصابی نظام پر نقصان دہ اثرات کے ذریعہ دل کے عمل میں خلل اندازی واقع ہو جاتی ہے۔ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ عادی شرابی بالآخر یا تو جگر کے فعل میں خلل (Cyrrosis) کی وجہ سے یا پھر ہارٹ فیل ہونے کی وجہ سے اپنے خاتمے کو پہنچتے ہیں۔

وہ شخص جو دل کے عارضہ میں مبتلا ہو اس کے لیے شراب کا ایک قطرہ لینا بھی ایسا ہے جیسے اسے اپنی زندگی کی کوئی پروا نہیں، اور نہ ہی اسے اپنے جسم کے کسی عضو کے نقصان کی پروا ہے۔ شراب کے رسیا کچھ لوگوں کے یہ بھی خیالات ہیں کہ مناسب مقدار میں شراب پینے سے دل کے تشنج یا دورے میں افاقہ ہوتا ہے، یہ بادی النظر میں شراب کے فوائد میں سے ایک فائدہ نظر آتا ہے، لیکن سائنسی طور پر اس خیال اور نظریہ کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ اگرچہ طبی تحریروں اور کتابوں میں اس قسم کی کوئی تجویز موجود نہیں ہے لیکن بدقسمتی سے بہت سے ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو اس کے برعکس سوچتے یا محسوس کرتے ہیں۔

انسانی گردے جنہیں دوران خون کے نظام کا آخری مقام سمجھا جاتا ہے، ان کو بھی شراب کے استعمال سے سخت نقصان پہنچتا ہے، اس لیے کہ گردے انتہائی حساس کیمیاوی جوہر کے (Valence) کے مقام پر چھلنی کا کام دیتے ہیں، لیکن شراب (الکحل) اس نازک عمل کو بھی تہ و بالا کر دیتی ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ وہ شرابیں جن میں الکحل کی مقدار کم ہوتی ہے، گردوں کے لیے زیادہ نقصان دہ ہوتی ہیں۔ چنانچہ زیادہ مقدار میں بیر (Beer) پینے والوں کے گردے اکثر خراب ہوتے ہیں۔

لمف والے (Lymphtic) نظام کی انسانی جسم میں بے حد اہمیت ہے۔ اس نظام کی خون والی نالیاں شراب کے ہاتھوں ناقابل علاج نقصان اٹھاتی ہیں، اس لیے کہ چربی والے نامیاتی مرکب لائپڈ (Lipid) کا اس نظام میں ایک اہم رول ہوتا ہے۔ شراب کا نقصان دہ اثر اس حیران کن حد تک حفاظت بہم پہنچانے والے نظام کو برباد کر دیتا ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ نے جیسا کہ مختلف قرآنی آیات میں فرمایا گیا ہے، اپنی خصوصی عنایات

Marfat.com

کے ذریعے انسانی زندگی کو حفاظت کے دیگر طریقوں سے گھیرا ہوا نہ ہوتا تو ہمیں مزید صراحت سے نظر آتا کہ شراب کس قدر نقصان دہ ہو سکتی ہے۔

شراب کا اعصابی نظام پر اثر:

شراب عصبی خلیوں کی اس باریک جھلی میں داخل ہو جاتی ہے جو نامیاتی چربی جیسے مرکب یعنی لائپیڈ (Lipid) کی حفاظت میں ہوتی ہے۔ اس طرح اس نظام کے برقی رابطے (Electrical Communications) میں خلل اندازی کرتی ہے۔ یہ خراب اثر دو مختلف ذریعوں سے حاصل ہوتا ہے۔ اس کا پہلا اثر نشے کے اچانک حملہ کی صورت میں ہوتا ہے، لیکن اس کا دیرپا اثر بہت ہی خطرناک ہوتا ہے۔ شراب اعصابی نظام کو روز بروز نقصان پہنچاتی ہے جس سے کئی اقسام کی بیماریاں لگنا شروع ہو جاتی ہیں۔ مزید برآں اگرچہ شروع شروع میں شراب کا خراب اثر غیر معمولی یا غیر واضح بھی ہو تب بھی اس کے دیرپا یا خراب اثرات شروع سے مرتب ہوتے رہتے ہیں۔ چنانچہ کچھ لوگوں کا یہ دعویٰ کہ ''مجھے تو شراب سے نشہ ہی نہیں چڑھتا ہے، مجھ پر شراب کا اثر نہیں ہوتا'' محض طفل تسلی اور خود فریبی ہے۔

شراب جس میں چربی پگھلانے کی صلاحیت ہوتی ہے، تخلیقی خلیوں (Reproductive Cells) میں داخل ہو کر ان کو بے حد نقصان پہنچاتی ہے۔ اس کی عام فہم مثالوں میں نئی نسل کی ذہانت کی کمی اور ناقص بالیدگی (Dystrophy) شامل ہیں۔ بہت سے مطالعہ جات اور سروے یہ حقیقت منکشف کرتے جا رہے ہیں کہ ذہنی طور پر غبی بچوں کے والدین اکثر و بیشتر شدید قسم کی شراب نوشی کرتے تھے۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ شراب عورت کے تخم (Ovum) اور بیضۂ حیات (Egg- Cell) کے خلیے کو بہت آسانی سے نقصان پہنچاتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شرابی ماؤں کے بچے اکثر موروثی طور پر دماغی اور قلبی صدمے (Shock) یا جھٹکے کا شکار ہو جاتے ہیں۔ شرابی باپ کی طرف سے ایسے واقعات کی تعداد 30 فیصد سے زیادہ تک ہوتی ہے۔

شراب کے معاشرے پر اثرات:

یہ حقیقت بار بار ثابت ہو چکی ہے کہ شراب کس طرح معاشرتی تعلقات اور استحکام پر اثر انداز ہوتی ہے۔ شراب سے معاشرہ پر جو اثرات مرتب ہوتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

Marfat.com

① شرابیوں میں زود رنجی یا غصے کے فوری حملے ان کو معاشرہ میں لاتعداد تنازعات میں الجھائے رکھتے ہیں۔

② لاتعداد متواتر طلاقیں معاشرے کے بنیادی ڈھانچے کو ہلا کر رکھ دیتی ہیں اور نتیجتاً مجرمانہ ذہنیت کے حامل بچوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کی وجہ سے تمام معاشرہ خطرناک حد تک متاثر ہوتا ہے۔

③ مختلف قسم کے کام کرنے والے مزدوروں اور کاریگروں پر شراب کی وجہ سے بے دلی اور کاہلی کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ اس طرح ان کی کارکردگی اور مہارت پر برا اثر پڑتا ہے جس کا آخر نقصان معاشرہ کو پہنچتا ہے۔

④ شراب کی وجہ سے انسانوں میں ایک دوسرے کی طرف غیر ہمدردی کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قومی تفکر، معاشرتی اتحاد اور معاشرتی مسائل کے خلاف جہاد کا جذبہ مکمل طور پر ختم ہو جاتا ہے۔

اوپر بیان کیے گئے چار قسم کے مسائل نے مغربی معاشرت والوں کو اس قدر فکرمند کر رکھا ہے کہ انہوں نے بارہا اپنی اپنی حکومتوں کی توجہ اس طرف مبذول کرائی ہے کہ اگر شراب کا استعمال اسی طرح بڑھتا رہا تو ان ملکوں میں قومی جذبہ بالکل ختم ہو جائے گا۔

قرآن حکیم نے اس مسئلہ کی بیخ کنی کر دی ہے جس کے لیے کسی معاشرہ اور کسی دانشور میں اتنی ہمت نہ تھی کہ اس مسئلہ کو اس طرح دوٹوک طریقہ سے حل کرتا یعنی شراب نوشی کا یہ مسئلہ ان معاشروں کی بنیادوں کو آہستہ آہستہ گھن کی طرح چاٹ رہا ہے جبکہ اللہ کے حکم نے ہمارے معاشرہ کو صدیوں سے اس مصیبت اور معصیت سے دور رکھا ہے۔

شراب کے ان نقصانات اور خرابیوں کے پیش نظر اب دنیا کے ہر ملک میں اس کے خلاف مختلف تحریکیں چلنی شروع ہوگئیں ہیں اور رائے عامہ کو اس بارے میں ہموار کیا جا رہا ہے۔ جن ممالک میں شراب پینا ممنوع قرار دیا گیا ہے، وہاں شراب نوشی ختم کرنے میں اس لیے کامیابی نہیں ہوسکتی کہ انہوں نے اس کی سزائیں ایسی مقرر نہیں کیں جو اس جرم سے باز رکھنے والی ہوں۔

اسلام میں شراب نوشی کی حرمت:

اسلام نے شراب کو قطعی اور کلی طور پر حرام قرار دیا ہے، اس لیے کہ یہ تمام بدکاریوں اور برائیوں کی جڑ اور بنیاد ہے۔ اس سے نہ صرف انسانی جان و مال کا ضیاع ہوتا ہے بلکہ یہ صحت

Marfat.com

اور عقل کے پامال اور منہدم ہونے کا باعث بھی بنتی ہے۔ اگر کچھ لوگ شراب کے فوائد بتاتے بھی ہیں تو وہ اس کے نقصانات کے مقابلہ میں اس قدر حقیر اور کم ہیں کہ ان کا شراب کے عظیم نقصانات اور گناہوں کے مقابلہ میں موازانہ نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

''(یہ لوگ) پوچھتے ہیں آپ سے کہ شراب اور جوئے کا کیا حکم ہے؟
آپ کہہ دیں کہ ان دونوں چیزوں میں بہت خرابی ہے اگر چہ ان میں
لوگوں کے لیے کچھ فوائد بھی ہیں، لیکن ان کا گناہ ان کے فائدہ سے
بہت زیادہ ہے۔'' (بقرہ:۲۱۹)

مغرب کی اتباع میں دنیائے اسلام میں شراب نوشی کی اجازت دے دی گئی ہے حالانکہ اسلام نے اسے حرام قطعی قرار دیا ہے، لیکن اس کے برعکس تمام غیر اسلامی دنیا میں ''امتناع شراب'' کی تحریکیں چل رہی ہیں۔ ان تحریکوں کے کارکن اور لیڈر شراب کے نقصانات کی وضاحت کر رہے ہیں اور بتا رہے ہیں کہ شراب کے کس قدر برے اثرات انسانوں اور معاشرے پر پڑ رہے ہیں۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اسلامی ممالک شراب کی حرمت کے قانون کے نافذ کرنے میں پہل کرتے لیکن ان ممالک کے سربراہ چونکہ تقلید مغرب میں خود شراب کے رسیا ہیں، (الا ماشاء اللہ) اس لیے انہیں اس نیک کام کی توفیق نہ مل سکی۔ عوام بے چارے اپنے ہی خواب پریشان میں غلطاں ہیں۔ معیشت کی خرابی اور غربت و افلاس کے غلبے نے انہیں ان باتوں پر غور وفکر کرنے سے معذور رکھا ہوا ہے کہ ان کے گردو پیش کیا ہو رہا ہے اور دنیا کن انقلابات اور نشیب و فراز سے گزر رہی ہے، لیکن حالات کا اتار چڑھاؤ اور وقت کا دھارا یہ بتا رہا ہے کہ عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب تمام دنیا میں حرمت شراب کا قانون نافذ ہوگا، اس کی عظمت و برتری پوری دنیا میں ثابت ہوگی اور شراب کے رسیا سربراہان مملکت یا تو شراب چھوڑ جائیں گے یا پھر انہیں کہیں منہ چھپانے کے لیے بھی ٹھکانہ نہیں ملے گا۔

شراب کی تعریف:

شراب کو عربی زبان میں ''خمر'' کہتے ہیں۔ خمر لغت میں خامر سے ماخوذ ہے جس کے معنی ملا دینے کے ہیں۔ اسے یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کہ یہ عقل کو بانجھ اور مختل کر دیتی ہے۔ یا یہ خمر سے ماخوذ ہے جس کے معنی پختگی تک چھوڑ دینے کے ہیں یعنی مطلوبہ درجہ تک پہنچ جانے

Marfat.com

کے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ خمر سے ماخوذ ہو جس کے معنی ڈھانپ لینے کے ہیں کیونکہ یہ عقل کو ڈھانپ لیتی ہے، اور ایک عقل منداور صاحب دانش شخص بے عقل اور غیر دانش مند ہو جاتا ہے۔

تحریم شراب کے بارے میں قرآنی نصوص:

قرآن و حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام میں حرمت شراب کا قانون ایک دم نافذ نہیں ہوا بلکہ بتدریج نافذ ہوا ہے۔ قرآن حکیم نے حرمت شراب سے قبل لوگوں کے ذہنوں میں اس سے نفرت کا انقلاب پیدا کیا۔ جب لوگوں کے ذہنوں میں مکمل طور پر اس سے نفرت پیدا ہوگئی تو پھر اس کو یک دم حرام کر دیا گیا۔ چنانچہ قرآن حکیم میں اس سے نفرت کے بارے میں پہلے یہ آیت نازل ہوئی:

﴿یاایھا الذین آمنوا لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاری حتیٰ تعلموا ماتقولون﴾ (النساء:۴۳)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم نشے کی حالت میں ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ یہاں تک کہ تم یہ جان لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔''

اس فرمان الٰہی کے بعد پھر شراب کے گناہ ہونے کے بارے میں درج ذیل آیت نازل ہوئی:

﴿یسئلونک عن الخمر والمیسر، قال فیھا اثمٌ کبیرٌ ومنافع للناس والمھما اکبر من نفعھما﴾ (بقرہ:۲۱۹)

''(یہ لوگ) آپ سے پوچھتے ہیں کہ شرب اور جواء کا کیا حکم ہے؟ آپ کہہ دیجیے کہ ان دونوں میں بڑی خرابی ہے، اگر چہ ان میں لوگوں کے لیے کچھ فوائد بھی ہیں، لیکن ان کا گناہ ان کے فوائد سے بہت زیادہ ہے۔''

ان دونوں آیتوں کے نزول کے بعد لوگوں کو پتہ چل گیا کہ شراب کوئی اچھی چیز نہیں ہے۔ اسی برائی کی وجہ سے تو شراب پی کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے سے منع فرما دیا گیا پھر اسے گناہ کا باعث بھی بتایا گیا، لہٰذا اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شراب پینا ترک کر دی۔ آخر میں قران حکیم میں اس کی قطعی تحریم کا حکم نازل ہوا:

﴿یاایھا الذین آمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والا زلام رجس من عمل الشیطان، فاجتنبوہ﴾ (المائدہ:۹۰)

Marfat.com

''اے ایمان والو! یہ شراب اور جواء اور یہ آستانے اور پانسے، یہ سب گندے شیطانی کام ہیں، ان سے اجتناب کرو۔''

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''اس آیت سے پہلے بھی بعض آیات خمر (شراب) کے بارے میں نازل ہو چکی تھیں۔ اول یہ آیت نازل ہوئی:

﴿یسئلونک عن الخمر والمیسر الآیۃ﴾ (بقرہ:۲۱۹)

گو اس میں نہایت واضح اشارہ تحریم خمر کی جانب کیا جا رہا تھا مگر چونکہ صاف طور پر اس کے چھوڑنے کا حکم نہ تھا، اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سن کر کہا:

''اللھم بین لنا بیانا شافیاً''

اس کے بعد دوسری آیت آئی:

﴿یا ایھا الذین آمنوا لا تقربوا الصلوٰۃ الآیۃ﴾ (نساء:۴۳)

اس میں بھی تحریم خمر کی تصریح نہ تھی گو نشہ کی حالت میں نماز کی ممانعت ہوئی۔ اور یہ قرینہ اسی کا تھا کہ غالباً یہ چیز عنقریب کلیتاً حرام ہونے والی ہے، مگر چونکہ عرب میں شراب کا رواج انتہاء کو پہنچ چکا تھا اور اس کا دفعتاً چھڑا دینا مخاطبین کے لحاظ سے سہل نہ تھا، اس لیے نہایت حکیمانہ تدریج سے اولاً قلوب میں اس کی انتہائی نفرت بٹھائی گئی اور آہستہ آہستہ حکم تحریم سے مانوس کیا گیا۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس دوسری آیت کو سن کر پھر وہی لفظ کہے:

''اللھم بین لنا بیانا شافیاً''

آخرکار ''مائدہ'' کی یہ آیات یا ایھا الذین سے فھل انتم منتھون تک نازل کی گئیں جس میں صاف صاف بت پرستی کی طرح اس گندی چیز سے بھی اجتناب کرنے کی ہدایت تھی۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ''ھل انتم منتھون'' کے سنتے ہی چلا اٹھے ''انتھینا، انتھینا'' لوگوں نے شراب کے مٹکے توڑ ڈالے، خم خانے برباد کر دیئے، مدینہ کے گلی کوچوں میں شراب پانی کی طرح بہتی پھرتی تھی۔ سارا عرب اس گندی شراب کو چھوڑ کر مغفرتِ ربانی اور محبت و اطاعت نبوی کی شراب طہور سے مخمور ہو گیا اور ام الخبائث کے مقابلہ پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ جہاد ایسا کامیاب ہوا جس کی نظیر تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ خدا کی قدرت دیکھو کہ جس چیز کو قرآن حکیم نے اتنا

Marfat.com

پہلے شدت سے روکا تھا، آج سب سے بڑے شراب خور ملک امریکہ وغیرہ اس کی خرابیوں اور نقصانات کو محسوس کر کے اس کے مٹا دینے پر تلے ہوئے ہیں۔ فللہ الحمد والمنہ" (فوائد عثمانی:ص ۱۶۵)

علماء نے لکھا ہے کہ اس آیت میں شراب کی حرمت پر دس دلائل ہیں:

1. شراب کا ذکر جوئے، بتوں کے چڑھاؤوں کی جگہ اور پانسوں کے تیروں کے ساتھ کیا گیا ہے اور یہ سب حرام ہیں، لہٰذا شراب بھی حرام ہے۔
2. شراب کو رجس (نجس) کہا گیا اور ہر نجس چیز حرام ہے۔
3. شراب کو شیطانی عمل فرمایا گیا اور ہر شیطانی عمل حرام ہے۔
4. شراب پینے سے اجتناب کا حکم دیا گیا لہٰذا اس سے اجتناب کرنا فرض ہوا، اور جس سے اجتناب فرض ہو اس کا ارتکاب حرام ہوتا ہے۔
5. حصول فلاح کو شراب سے اجتناب پر معلق کیا گیا، اس لیے اس سے اجتناب فرض ہے اور اس کا ارتکاب حرام ہے۔
6. شراب کی وجہ سے شیطان عداوت پیدا کرتا ہے اور عداوت حرام ہے اور حرام کا سبب بھی حرام ہوتا ہے، لہٰذا شراب حرام ہے۔
7. شراب کی وجہ سے شیطان لوگوں کے دلوں میں بغض کے جذبات پیدا کرتا ہے، اور بغض اسلام میں حرام ہے، اس وجہ سے شراب بھی حرام ہے کیونکہ یہ حرام کا سبب ہے۔
8. شراب پینے کی وجہ سے شیطان اللہ کے ذکر سے روکتا ہے، اور جو چیز اللہ کے ذکر سے روکتی ہے، وہ حرام ہے۔
9. شراب کی وجہ سے شیطان نماز سے روکتا ہے اور نماز سے روکنا حرام ہے۔
10. آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے استفہاماً انتہائی بلیغ ممانعت فرمائی ہے یعنی فرمایا: "کیا تم (شراب نوشی سے) باز آنے والے ہو؟"

شراب کی اسی تحریم اور خرابی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ہر اس شخص پر لعنت فرمائی ہے جس کا شراب میں تھوڑا سا عمل دخل ہو۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے خمر پر لعنت فرمائی ہے، اور خمر پینے والے پر، پلانے والے پر، بیچنے والے پر، خریدنے والے پر، خمر کو (انگوروں سے) نچوڑنے والے پر، اس کو بنانے والے پر، خمر کو لادنے والے پر، اور جس کے پاس لدوا کر لائی جائے۔" (سنن ابی داود: ۳/۱۶۱)

Marfat.com

سرکار دو عالم ﷺ سے جب حجۃ الوداع کے موقع پر شراب کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: ''شراب بذات خود حرام ہے اور وہ تمام چیزیں جن کے پینے سے نشہ ہو وہ بھی حرام ہیں۔''

اسی طرح امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہر نشہ آور چیز خمر ہے اور ہر خمر حرام ہے۔''

(نیل الاوطار: ۸/ ۱۹۵، بدایۃ المجتہد: ۱/ ۳۸۲، احکام القرآن، جصاص: ۱/ ۳۲۴)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے دنیا میں خمر (شراب) پی وہ آخرت میں اس سے محروم رہے گا۔'' (بخاری: ۲/ ۸۳۶)

امام بخاری ہی نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ''زنا کرتے وقت زانی میں ایمان (کامل) نہیں ہوتا اور خمر پیتے وقت شرابی میں ایمان (کامل) نہیں ہوتا، اور چوری کرتے وقت چور میں ایمان (کامل) نہیں ہوتا۔'' (بخاری: ۲/ ۸۳۶)

ایک اور روایت میں ہے کہ جو شخص زنا کرتا ہے، شراب پیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے ایمان کو نکال دیتا ہے جس طرح انسان اپنے سر سے قمیض کو نکالتا ہے۔

(الترغیب والترہیب: ۳/ ۲۵۲، الطبرانی فی الصغیر: ۱/ ۲۵۰، من حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ)

سیدنا ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ عنقریب میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو زنا، ریشم، خمر اور آلات موسیقی کو حلال کہیں گے، اور عنقریب کچھ لوگ پہاڑ کے دامن میں رہیں گے، جب شام کو وہ اپنے جانوروں کا ریوڑ لے کر لوٹیں گے اور ان کے پاس کوئی فقیر اور حاجت مند اپنی حاجت لے کر آئے گا، تو وہ کہیں گے: ''کل آنا۔'' اللہ تعالیٰ پہاڑ کو گرا کر ان کو ہلاک کر دے گا اور دوسرے لوگوں (یعنی، زنا، شراب اور موسیقی کے آلات کو حلال کرنے والوں) کو مسخ کر کے قیامت کے روز بندر اور خنزیر بنا دے گا۔'' (بخاری: ۲/ ۸۳۷)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ، سیدنا ابو طلحہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو ادھ پکی کھجوروں اور چھواروں کی شراب پلا رہا تھا کہ ایک آنے والے نے کہا کہ ''خمر کو حرام کر دیا گیا ہے۔'' تو سیدنا ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اے انس! اٹھو اور اس تمام شراب کو انڈیل دو۔'' (بخاری: ۲/ ۸۳۷)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب تحریم خمر کا حکم نازل ہوا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک دوسرے کے پاس تشریف لے گئے ... کہ شراب حرام کر دی گئی اور ...

Marfat.com

شرک کے برابر قرار دیا گیا ہے۔

(اخرجہ الحاکم فی المستدرک: ۱۴۴/۴، مجمع الزوائد: ۵۲/۵، وقال رواہ الطبرانی ورجالہ رجال الصحیح، الترغیب والترہیب: ۲۶۰/۳)

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے نزدیک شراب نوشی سب سے بڑا کبیرہ گناہ ہے اور یہ بلا شک وشبہ تمام خباثتوں کی جڑ ہے، اور اس کے پینے والے پر متعدد احادیث میں لعنت کی گئی ہے۔" (الترغیب والترہیب: ۲۴۹/۳)

اور سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ ہی سے ایک اور روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ہر نشہ لانے والی چیز حرام ہے اور ہر شراب حرام ہے۔ جو شخص دنیا میں شراب پیئے اور توبہ کے بغیر مر جائے جب کہ وہ عادی شرابی ہو تو آخرت میں وہ شراب نہیں پیے گا۔

(مسلم، رقم: ۲۰۰۳، ابوداؤد: ۳۶۷۹، ترمذی: ۱۸۶۱، عن ابن عمر)

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ یہ عہد لیا ہے کہ نشہ آور مشروب پینے والے کو "طینة الخبال" سے پلائے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: "یا رسول اللہ! طینة الخبال کیا ہے؟" فرمایا: جہنمیوں کا پسینہ یا فرمایا کہ "جہنمیوں سے نکلنے والی پیپ۔" (مسلم، رقم: ۲۰۰۲، نسائی: ۸/ ۳۲۸، مسند احمد: ۳۶۱/۳)

ایک روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص شراب پیے اور اسے نشہ نہ ہو اللہ تعالیٰ چالیس راتیں اس کی طرف توجہ نہیں فرماتے، اور جو شخص شراب پیے اور اسے نشہ ہو، اللہ تعالیٰ چالیس دن تک اس کی فرض اور نفل نماز قبول نہیں کرتا، اور اگر وہ اسی حالت میں مر جائے تو بت پرست کی طرح مرے گا اور اللہ تعالیٰ کو حق ہے کہ اسے طینة الخبال سے پلائے۔ عرض کیا گیا: "اے اللہ کے رسول! طینة الخبال کیا ہے؟" فرمایا: دوزخیوں کے جسم سے نکلنے والی پیپ اور خون۔"

(النسائی: ۸/ ۳۱۷، ابن ماجہ: ۳۳۷۷، ابن حبان: ۵۳۳۳، مسند احمد: ۱۸۹/۲، الترغیب والترہیب: ۳/ ۲۶۵)

سیدنا عبداللہ بن ابی اوفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو شخص عادی شرابی ہونے کی صورت میں مر جائے تو وہ لات اور عزیٰ کے پجاری کی طرح مرتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا "یا رسول اللہ! ہمیشہ شراب پینے والا وہ ہے جو شراب سے کبھی افاقہ حاصل نہیں کرتا؟" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "نہیں، بلکہ یہ وہ شخص ہے کہ اسے جب بھی مل جائے پیتا ہے خواہ کئی سالوں کے بعد ملے۔

Marfat.com

اور بخاری اور مسلم میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص دنیا میں شراب پیتا ہے وہ آخرت میں اس سے محروم رہے گا۔''

(بخاری، رقم: ۵۵۷۵، مسلم ۲۰۰۳)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مد من خمر کعابد وثن))

''عادی شرابی بت پرست کی طرح ہے۔''

(مسند احمد: ۱/۲۷۲، طبرانی فی الکبیر: ۱۲۴۲۸، بزار: ۲۹۳۴)

حدیث میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''ماں باپ کا نافرمان اور عادی شرابی جنت میں نہیں جائیں گے۔''

(مسند احمد: ۲/۲۰۱، نسائی: ۸/۲۱۸، مشکل الآثار طحاوی: ۱/۳۹۵)

اور ایک اور روایت میں ہے کہ ''تین آدمیوں پر اللہ تعالیٰ نے جنت حرام کر دی ہے۔ عادی شرابی، ماں باپ کا نافرمان اور دیوث یعنی بے غیرت جو اپنے گھر والوں میں برائی دیکھ کر سکوت اختیار کرتا ہے۔

(رواہ احمد: ۲/۶۹، ۱۲۸، مستدرک حاکم: ۴/۱۴۷، سنن کبریٰ بیہقی: ۸/۲۸۸، مجمع الزوائد ہیثمی: ۴/۳۶۷)

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تین قسم کے آدمی ایسے ہیں جن کی نماز قبول نہیں ہوتی اور نہ ہی ان کی کوئی نیکی آسمان کی طرف جاتی ہے (یعنی قبول نہیں ہوتی) بھاگا ہوا غلام یہاں تک کہ اپنے مالکوں کی طرف واپس آ کر اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دے۔ دوسری وہ عورت جس سے اس کا خاوند ناراض ہو یہاں تک کہ وہ راضی ہو جائے اور تیسرا نشہ کرنے والا یہاں تک کہ اس کا نشہ اتر جائے۔

(رواہ ابن خزیمہ، رقم: ۹۴۰، ابن حبان: ۵۳۵۵، سنن کبریٰ بیہقی: ۱/۳۸۹، الترغیب والترہیب: ۳/۲۸)

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ شراب پینے والے کی نماز قبول نہیں کرتا جب تک کہ اس کے جسم میں اس میں سے کچھ ہو۔

(کنز العمال: ۵/۳۶۵)

Marfat.com

جو شخص شراب پیتا ہے حق تعالیٰ شانہ اس کا کوئی عمل قبول نہیں فرماتا، اور جس کو اس شراب سے نشہ ہو جائے اس کی چالیس (40) صبح کی نمازیں قبول نہیں ہوتیں۔ اور اگر وہ توبہ کر لے اور پھر پینا شروع کر دے تو اللہ تعالیٰ کو حق ہے کہ وہ اسے جہنم کی پیپ پلائے۔

(اخرجه احمد: ۲/ ۱۷۸، والحاکم فی المستدرک: ۴/ ۱۴۶، واسناد حسن، کنز العمال: ۵/ ۳۵۴، الترغیب والترهیب: ۳/ ۲۶۵)

اور اسی میں ہے کہ جو شخص شام کے وقت شراب پیتا ہے وہ صبح کے وقت مشرک ہو جاتا ہے اور جو صبح کے وقت شراب پیتا ہے کہ وہ شام کے وقت مشرک ہو جاتا ہے (یعنی ایسے شخص کے ایمان کے جانے کا ہر وقت خطرہ رہتا ہے، اور اگر وہ شراب وغیرہ کو حلال سمجھ کر پیئے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔)'' (الترغیب والترهیب: ۳/ ۲۵۲)

ایک اور روایت میں سرور کائنات علیہ افضل الصلوات والتحیات نے ارشاد فرمایا کہ بے شک جنت کی خوشبو پانچ سو سال کی مسافت سے آتی ہے، لیکن ماں باپ کا نافرمان، احسان جتانے والا اور عادی شرابی اور بت پرست جنت کی خوشبو نہیں سونگھ سکے گا۔

(قال المنذر رواه الطبرانی فی الصغیر: ۱/ ۲۰، الترغیب والترهیب: ۳/ ۲۵۷)

ایک اور روایت میں سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''عادی شرابی، جادو پر اعتقاد رکھنے والا، قطع رحمی اور رشتہ داری کے تعلقات توڑنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ اور جو شخص اس حالت میں مر جائے کہ وہ شراب پیتا ہو، اللہ تعالیٰ اسے نہر غوطہ سے پلائے گا، اور یہ وہ پانی ہے جو ان زانیہ عورتوں کی شرم گاہوں سے نکلتا ہے جن کی شرم گاہوں سے جہنم والے بھی اذیت اور تکلیف محسوس کرتے ہیں۔

(رواه احمد فی مسنده: ۴/ ۳۹۹، والحاکم فی المستدرک: ۴/ ۱۴۶، الترغیب والترهیب: ۳/ ۲۵۴)

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام جہان والوں کے لیے رحمت اور ہدایت بنا کر بھیجا ہے۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے اس لیے مبعوث فرمایا کہ میں گانے بجانے کے آلات اور جاہلیت کے کاموں کو مٹا دوں۔ میرے رب نے اپنی عزت کی قسم کھائی ہے کہ میرا جو بندہ شراب کا ایک گھونٹ بھی پیئے گا، میں اسے اس کی مثل جہنم کا کھولتا ہوا پانی پلاؤں گا اور میرا جو بندہ میرے خوف سے شراب نوشی چھوڑ دے گا، میں اسے جنت میں اچھے ساتھیوں کے ہمراہ پلاؤں گا۔'' (رواه احمد: ۵/ ۲۵۷، ۲۶۸، الطبرانی فی المعجم الکبیر: ۸/ ۲۳۲)

Marfat.com

شرابی پر لعنت:

شرابی پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے لعنت بھیجی ہے، اور لعنت کا مطلب ہے اللہ کی رحمت سے دوری۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "شراب پینے والے پر، شراب پلانے والے پر، شراب فروخت کرنے والے اور شراب خریدنے والے پر، شراب بنانے والے اور شراب لے جانے والے پر، جس کے لیے لے جائی گئی ہو، اس پر اور اس کی آمدنی اور قیمت کھانے والے پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے سب پر لعنت بھیجی ہے۔

(رواہ احمد فی مسندہ: ۲/۲۵، ۷۱، ابوداؤد: ۳۶۷۴، ابن ماجہ: ۳۳۸۰، المشکاۃ: ۲۷۷۷، والروض النضیر: ۵۴۶ وصححہ الشیخ الالبانی فی الارواء: ۱۵۲۹)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سرکار دو عالم ﷺ سے سنا: "آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس جبرئیل آئے اور انہوں نے کہا: "محمد ﷺ! بے شک اللہ تعالیٰ نے شراب اس کے بنانے والے، اس کے فروخت کرنے والے، اس کے خریدنے والے، اس کے پینے والے اور اس کی قیمت کھانے والے، اسے لے جانے والے، اور جس کے لیے لے جائی گئی، اس کے پلانے اور طلب کرنے والے، ان سب پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے۔ (رواہ احمد فی مسندہ: ۱/۳۱۶، معجم کبیر طبرانی: ۲۱۹۳۶، مستدرک حاکم: ۴/۱۴۵)

بعض روایات میں رسول اللہ ﷺ نے شراب پینے والے سے اس قدر بیزاری کا اظہار فرمایا ہے کہ لوگوں کو شراب پینے والے کی عیادت سے منع فرمادیا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

((لاتعودوا شراب الخمر اذا مرضوا))

"شرابی کی بیمار پرسی نہ کرو جب وہ بیمار ہو جائیں۔"

(رواہ البخاری فی الادب المفرد)

ایک اور روایت میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لا تسلموا علی شربۃ الخمر.

"شراب پینے والوں کو سلام نہ کرو۔"

(ذکرہ البخاری معلقاً، بخاری مع فتح الباری: ۱۱/۱۴)

پھر یہاں تک سختی کی گئی کہ ان کی مجلس میں بیٹھنے سے بھی روک دیا گیا۔ چنانچہ رسول

Marfat.com

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

''شراب پینے والوں کی مجلس میں بھی نہ بیٹھو، نہ ان کے بیماروں کی عیادت کرو اور نہ ان کے جنازوں میں شرکت کرو۔ اور قیامت کے روز شرابی کو یوں لایا جائے گا کہ اس کا چہرہ سیاہ ہوگا اور اس کی زبان اس کے سینے تک لٹک رہی ہوگی اور ان کے منہ سے لعاب بہہ رہا ہوگا، اور جو اسے دیکھے گا اسے اس سے گھن آئے گی اور نفرت پیدا ہوگی اور وہ جان لے گا کہ یہ شرابی ہے۔ (تبھی تو اس کی حالت یہ ہے۔)''

(رواہ ابن عدی فی الکامل: ۲/۲۱۴، ذکرہ السیوطی فی اللآلی: ۲/۲۰۵)

بعض علماء کا یہ قول ہے کہ شرابی کی عیادت سے اس لیے منع فرمایا گیا کہ شرابی فاسق اور ملعون ہوا ہے کیونکہ حدیث میں اللہ تعالیٰ نے شرابی پر لعنت کی ہے۔ پھر اگر وہ خریدتا ہے یا نکالتا ہے تو اس پر دوہری لعنت ہے اور اگر گلاس میں ڈال کر کسی دوسرے کو پلاتا ہے تو اس پر تیسری لعنت ہے۔ اسی وجہ سے اس کی عیادت کرنے اور اس کو سلام کہنے سے منع کیا گیا مگر یہ کہ وہ اللہ کے حضور توبہ کرے۔

شراب سے علاج کرنا بھی جائز نہیں:

جن چیزوں کو شریعت نے حرام قرار دیا ہے ان کو دوا کے طور پر استعمال کرنا بھی جائز نہیں ہے مگر یہ کہ نہایت اضطراری حالت ہو تب جائز ہے۔ چنانچہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میری ایک بیٹی بیمار ہوگئی تو میں نے اس کے لیے ایک برتن میں انگور کا رس نکالا۔ اتنے میں سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو وہ انگور کا رس جوش مار رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو دیکھ کر فرمایا: ''ام سلمہ! یہ کیا ہے؟'' میں نے عرض کیا کہ میں اس سے اپنی بیٹی کا علاج کرنا چاہتی ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((ان اللہ تعالیٰ لم یجعل شفاء امتی فیما حرم علیھا))

''اللہ نے حرام چیزوں میں میری امت کے لیے شفا نہیں رکھی۔''

(رواہ الطبرانی فی الکبیر: ۲۳/۷۴۹، سنن کبریٰ بیہقی: ۱۰/۵، الجامع لاحکام القرآن قرطبی: ۲/۲۳۱، ولہ شواہد من حدیث ابن مسعود ولہ شاہد عند مسلم والحدیث علقہ البخاری موقوفا علی ابن مسعود)

Marfat.com

غزوہ ذات الرقاع:

جنگ خندق میں تین فریقوں نے متحدہ محاذ بنا کر مدینہ پر حملہ کیا تھا۔ اس وجہ سے اس جنگ کو ''جنگ احزاب'' بھی کہتے ہیں۔ احزاب کے دو بازوؤں کو جو سب سے زیادہ مضبوط تھے، نبی اکرم ﷺ نے اپنی فراست سے شل کر دیا۔ اب ان کی طرف سے کسی قسم کا کوئی خطرہ نہ تھا۔ قریش مکہ سے تو دس سالہ امن معاہدہ ہو گیا۔ یہود کو جنگ کے ذریعہ نیست و نابود کر دیا۔ اب تیسرا بازو وہ بدو تھے، جو نجد کے صحرا میں خیمہ زن ہو کر لوٹ مار کرتے رہتے تھے۔ ان کا تعلق بنو غطفان وغیرہ سے تھا۔

اس غزوہ کے بارے میں بہت اختلاف ہے کہ یہ کب وقوع پذیر ہوا۔ عام مؤرخین نے اس کا تذکرہ 4ھ کے واقعات میں کیا ہے۔ ایک روایت پانچ ہجری کی بھی ہے۔ لیکن امام بخاری نے اس کے وقوع کا زمانہ 7ھ بتایا ہے۔ چونکہ اس غزوہ میں سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی شرکت کی تھی اور یہ دونوں حضرات 7ھ میں مدینہ آئے۔ اس وجہ سے ہمارے نزدیک امام بخاری کا موقف زیادہ صحیح ہے۔ یہ دونوں حضرات فتح خیبر کے بعد حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچے۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ غزوہ خیبر کے بعد پیش آیا۔

اس غزوہ کا نام ''ذات الرقاع'' اس لیے پڑ گیا کہ اس سفر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاؤں چل چل کر زخمی ہو گئے تھے۔ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میرے پاؤں بھی زخمی ہو گئے اور ناخن جھڑ گئے۔ اس لیے ہم نے اپنے پاؤں پر چیتھڑے اور پٹیاں لپیٹ رکھی تھیں۔ اس وجہ سے اس غزوہ کو ''ذات الرقاع'' یعنی چیتھڑوں والا غزوہ کہا جانے لگا۔ (بخاری: ۲/۵۹۲)

اہل سیر نے اس غزوہ کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ ﷺ کو پتہ چلا کہ قبیلہ انمار یا بنو غطفان کی دو شاخیں بنو ثعلبہ اور بنو محارب مسلمانوں کے مقابلہ میں لشکر جمع کر رہی ہیں۔ (بنو ثعلبہ اور بن محارب بنو غطفان کی دو شاخیں ہیں)۔ (زرقانی: ۲/۹۱)

یہ خبر سنتے ہی آپ نے مدینہ منورہ کا انتظام سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا اور خود چار سو یا سات سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی معیت میں ان کی سرکوبی کے لیے بلادِ نجد کا رخ کیا۔ آپ مدینہ سے دو دن کے فاصلہ پر جب پہنچے تو بنو غطفان کی ایک جماعت سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ لیکن جنگ نہ ہوئی۔ اس موقع پر آپ نے صلوٰۃ الخوف پڑھائی۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ یہ پہلی صلوٰۃ الخوف تھی۔ (طبقات ابن سعد: ۲/۶۱، عیون الاثر: ۲/۹۷)

Marfat.com

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دستور یہ تھا کہ جب بھی حضور ﷺ کے ساتھ سفر میں جاتے تو پڑاؤ کے وقت سایہ دار درخت آپ ﷺ کے لیے چھوڑ دیتے تاکہ آپ اس کے سایہ میں آرام فرمائیں۔ چنانچہ اس غزوہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کو ایک سایہ دار درخت کے نیچے آرام کرنے کے لیے عرض کیا اور خود درخت کا سایہ حاصل کرنے کے لیے ادھر ادھر کانٹے دار درختوں کے درمیان بکھر گئے۔ جس درخت کے نیچے حضور ﷺ آرام فرما رہے تھے، آپ اسی درخت کے ساتھ اپنی تلوار لٹکا کر سو گئے۔ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہمیں بس ذرا سی نیند آئی تھی کہ ایک مشرک جس کا نام غورث بن حارث۔ (بخاری) یا بقول واقدی دعثور تھا، نے آ کر سرکار دو عالم ﷺ کی تلوار سونت لی اور بولا ''تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟'' آپ نے بلا جھجک جواب دیا ''اللہ۔'' ابوعوانہ کی روایت میں ہے کہ جب آپ نے اللہ کہا تو تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ پھر وہ تلوار حضور ﷺ نے اٹھالی اور فرمایا ''اب تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟'' (من یمنعک منی) اس نے عرض کیا آپ اچھے پکڑنے والے ہو۔ یعنی مجھ پر احسان فرمائیے۔ آپ نے فرمایا کیا تم شہادت دیتے ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس نے کہا کہ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آپ سے لڑائی نہیں کروں گا اور نہ ہی آپ سے لڑائی کرنے والوں کا ساتھ دوں گا۔ آپ ﷺ نے اسے چھوڑ دیا۔ اس نے اپنی قوم میں جا کر کہا کہ میں سب سے اچھے انسان کے پاس سے ہو کر آ رہا ہوں۔

(مسند ابی عوانہ: ۲/ ۳۶۵، فتح الباری: ۷/ ۴۱۶، عیون الاثر: ۲/ ۱۸۰)

محمد ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ جبریل امین نے اس کے سینہ پر ایک گھونسا مارا جس سے فوراً تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور آپ نے اٹھالی اور فرمایا کہ بتلاؤ تجھے میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟ اس نے جواب دیا کوئی نہیں۔ آپ نے فرمایا جاؤ میں نے تمہیں معاف کیا۔ (عیون الاثر: ۲/ ۸۰)

اس غزوہ سے واپسی پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک مشرکہ عورت کو گرفتار کر لیا۔ اس پر اس کے شوہر نے یہ نذر مانی کہ وہ آپ ﷺ کے ایک صحابی کو ضرور قتل کرے گا۔ چنانچہ وہ رات کے وقت آیا۔ مسلمان ایک گھاٹی پر ٹھہرے ہوئے تھے اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہ اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ درہ کی حفاظت کے لیے مامور کیے گئے تھے۔ ان دونوں نے آپس میں یہ طے کیا کہ اول نصف شب میں عباد بن بشر رضی اللہ عنہ جاگیں گے اور آخر نصف شب میں عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نگہبانی کریں گے۔ چنانچہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سو گئے اور عباد نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ اس

Marfat.com

مشرک نے تاک کر سیدنا عباد رضی اللہ عنہ بن بشر کو ایک تیر مارا۔ انہوں نے نماز توڑے بغیر تیر نکال کر پھینک دیا۔ پھر اس نے دوسرا اور تیسرا تیر مارا لیکن یہ اللہ کے بندے نماز میں برابر مشغول رہے۔ نماز ختم ہوئی تو سیدنا عمار کو جگایا۔ کیونکہ اب یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں دشمن حملہ نہ کر دے اور وہ غرض ہی فوت نہ ہو جائے جس کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہاں متعین فرمایا ہے۔ دشمن انہیں جاگتے دیکھ کر فرار ہو گیا۔ سیدنا عمار رضی اللہ عنہ اٹھے تو دیکھا کہ عباد کا پورا بدن خون سے لت پت ہے۔ انہوں نے کہا تم نے مجھے پہلے ہی تیر پر کیوں نہ جگا دیا؟ کہا میں ایک سورت پڑھ رہا تھا اس کو قطع کرنا اچھا نہ لگا۔ (ابن ہشام: ۲: ۲۰۸)

اس غزوہ کا بڑا اثر ہوا اور غطفان کے ان قبائل نے اس کے بعد پھر کبھی سر اٹھانے کی جرأت نہ کی بلکہ بعد میں وہ مسلمان ہو گئے اور ان کے کئی قبائل فتح مکہ اور غزوہ حنین میں مسلمانوں کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ اس طریقہ سے وہ تینوں بازو مسلمانوں کی قوت بازو سے ٹوٹ گئے جو متحدہ محاذ بنا کر جنگ خندق میں حملہ آور ہوئے تھے۔ اس طریقہ سے پورے علاقہ میں شورش ختم اور امن وسلامتی کا دور دورہ ہو گیا۔

(تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو زرقانی: ۲/۹۱، فتح الباری: ۷/۳۳۰، ابن ہشام: ۲/۲۰۳)

عمرۃ القضاء:

عمرۃ القضاء کا نام اس لیے عمرۂ قضا رکھا گیا ہے کہ یہ عمرہ حدیبیہ کی قضا کے طور پر تھا۔ یا پھر اس لیے کہ یہ حدیبیہ کے معاہدہ کے مطابق کیا گیا تھا کیونکہ اس طرح کی مصالحت کو عربی زبان میں قضا اور مقاضاۃ کہتے ہیں۔ اس دوسری وجہ کو علماء محققین نے دوبارہ راجح قرار دیا ہے۔ (فتح الباری: ۷/۵۰۰، زاد المعاد: ۱/۱۷۲)

حدیبیہ کے معاہدہ کے مطابق ایک سال گزر جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کا مکہ جانے کا وقت آ گیا۔ جونہی ذی قعدہ کا چاند نظر آیا، آپ نے مسلمانوں کو عمرۃ القضاۃ کی تیاری کا حکم دیا۔ جس سے گزشتہ سال مسلمانوں کو حدیبیہ کے مقام پر روک دیا گیا تھا۔ اس بات کا اندازہ کرنا مشکل نہیں کہ اس اعلان سے مسلمانوں کے دل خوشی سے کس قدر اچھل رہے تھے۔ ان میں مکہ کے وہ مہاجرین بھی تھے، جو کئی سال سے وطن کی صورت دیکھنے کے لیے ترس رہے تھے۔ آپ نے یہ بھی اعلان فرمایا کہ کوئی بھی شخص جو گذشتہ سال حدیبیہ میں موجود تھا، پیچھے نہ رہے۔ چنانچہ ان میں سے اس مدت میں جو لوگ جام شہادت نوش

Marfat.com

کر چکے تھے، ان کو چھوڑ کر باقی سب لوگ روانہ ہوئے۔ ان کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی عمرہ کے لیے رفیق سفر ہو گئے۔ گذشتہ سال حدیبیہ میں چودہ سو افراد تھے، لیکن اس سال ان مسلمانوں کی تعداد دو ہزار تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ پا بہ رکاب تھے۔ عورتیں اور بچے اس کے علاوہ تھے۔

(فتح الباری: ۷/۵۰۰)

آپ نے اپنی غیر حاضری میں مدینہ کا منتظم سیدنا ابورہم انصاری رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ ساٹھ اونٹ ساتھ لیے اور ناجیہ بن جندب اسلمی رضی اللہ عنہ کو ان کی دیکھ بھال کا کام سپرد کیا۔ ذوالحلیفہ کے میقات سے عمرہ کا احرام باندھا اور لبیک کی صدا لگائی۔

پابندیٔ شرائط کے احترام کی وجہ سے کسی مسلمان نے تلوار کے ساتھ اور کوئی ہتھیار اپنے ساتھ نہیں لیا۔ اگر چہ اللہ کے پیغمبر قریش کی بے وفائی سے خائف بھی تھے اس لیے احتیاط کی بنا پر ایک سو مسلمانوں کا دستہ سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی زیر کمان پہلے سے روانہ کر دیا لیکن انہیں تاکید فرما دی کہ حرم مکہ میں داخل نہ ہوں بلکہ مرالظہر ان میں پڑاؤ کریں۔

مدینہ سے روانگی کے وقت مسلمانوں کے ہمراہ ساٹھ قربانی کے جانور تھے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی اونٹنی قصواء پر سوار آگے آگے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قلب میں مکہ مکرمہ اور بیت اللہ کے طواف کرنے کی خوشی اور مسرت اٹھکیلیاں لے رہی تھی۔ مہاجرین اور بھی بے تاب تھے کہ جس بستی میں انہوں نے آنکھیں کھولیں، اسے دیکھنا نصیب ہوگا۔ جس شہر کی دیواروں کے سایہ میں پل کر جوان ہوئے، ان دیواروں کو مس کرتے ہوئے اس شہر کے گلی کوچوں میں گشت کریں گے۔ جن دوستوں کے ساتھ زندگی کا طویل عرصہ گزارا، انہیں دیکھ کر آنکھوں کو طراوت نصیب ہوگی۔ وطن کی خوشگوار ہوا سے مشامِ جان معطر ہوگا۔ اس مبارک بستی کی خاک سرمۂ چشم بنے گی جہاں فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے، ان کا بچپن گزرا، ان کا لڑکپن گزرا اور انہوں نے اپنی جوانی کو بڑھاپے میں تبدیل کیا اور جس سرزمین میں سید الملائکہ جبریل امین خدا کی پہلی وحی لے کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے۔

اس طرح دو ہزار آدمیوں کی جمعیت اس جوش و خروش کے ساتھ مکہ مکرمہ کی طرف گامزن تھی۔ ان کے دل فرطِ مسرت سے بلیوں اچھل رہے تھے۔ تصورات میں تھا کہ جونہی اپنی اپنی سواریوں سے اتر کر شہر میں داخل ہوں گے، دوستوں اور اعزاء و اقارب سے مل کر زندگی کے اس دور کی یاد تازہ کریں گے جس کی آخری گھڑیوں میں قضا و قدر نے انہیں گھر سے بے گھر کر کے نکال دیا تھا۔ ان احباب کا تذکرہ ہوگا جنہیں مکہ میں جلاوطن ہوتے وقت زندہ چھوڑ گئے

Marfat.com

تھے اور اس کے بعد وہ آسودۂ لحد ہو گئے۔ اعزاء و اقارب کے ساتھ بیٹھ کر اپنے ان مال و اسباب کی لوٹ کی داستان بھی دریافت کی جائے گی، جس سے خدا کی راہ میں ہجرت کے موقع پر ہاتھ دھو کر روانہ ہو گئے۔ اور یہ تصور بھی ان کے دماغ میں کروٹیں لے رہا تھا کہ جس ایمان نے ان کی زندگی میں یہ انقلاب پیدا کر دیا ہے، وہ انہیں کس انداز سے خدا کے گھر کی طرف لے آیا ہے۔ ابھی تک وہ منظر بھی ان کی نگاہوں سے اوجھل نہ ہوا تھا جب انہیں گزشتہ سال اس مقدس فریضہ سے زبردستی روکا گیا تھا۔ آج وہ کس قدر خوش تھے کہ چند دنوں بعد اس مقدس سرزمین میں وہ امن وسلامتی کے ساتھ داخل ہوں گے۔

چونکہ صلح حدیبیہ میں یہ شرط تھی کہ ہتھیار ساتھ نہ لائیں، اس لیے جب یاجج پہنچے تو سارے ہتھیار سیدنا اوس بن خولی انصاری رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت دوسو آدمیوں کا ایک دستہ وہیں چھوڑ دیا جوان کے ہتھیاروں کی حفاظت کے لیے تھا۔ صرف میان میں رکھی ہوئی تلواریں لے کر مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ (فتح الباری: ۷/۵۰۰، زادالمعاد: ۲/۱۵۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ میں اس گھاٹی کے راستہ سے داخل ہوئے جو حجون پر نکلتی ہے۔ روایات میں ہے کہ مشرکین نے آپ کے چہرۂ انور کو ایک نظر دیکھنے کے لیے لائن لگا رکھی تھی۔ آپ داخلہ کے وقت مسلسل لبیک کہہ رہے تھے۔ یہاں تک کہ حرم میں جا کر اپنی چھڑی سے حجر اسود کو چھوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی اونٹنی قصواء پر سوار تھے۔ سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ تلوار حمائل کیے آپ کی اونٹنی کی مہار پکڑے ہوئے آگے آگے چل رہے تھے اور رجز کے یہ اشعار آپ کی زبان پر تھے:

خلوا بني الكفار عن سبيله قد انزل الرحمن في تنزيله
بان خير القتل في سبيله نحن قتلناكم على تاويله
كما قتلناكم على تنزيله

''اے کافر کے بچو! آپ کا راستہ چھوڑ دو۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہ حکم نازل فرمایا ہے کہ بہترین قتل وہ ہے جو خدا تعالیٰ کے راستہ میں ہو۔ ہم نے تمہارے ساتھ جہاد وقتال کیا اس کا حکم نہ ماننے کی وجہ سے جیسے قرآن کے منزل من اللہ ہونے کو نہ ماننے کی وجہ سے تم سے قتال کیا۔''

ایک اور روایت میں یہ دو اشعار بھی مرقوم ہیں:

اليوم نضربكم على تنزيله ضربا يزيل الهام عن مقيله

Marfat.com

ویذھل الخلیل عن خلیلہ یا رب انی مومن بقیلہ

''آج ہم اللہ کے حکم سے تمہیں ایسا ماریں گے کہ تمہاری کھوپڑی سر سے
الگ ہو جائے گی اور دوست کو دوست سے بے خبر کر دے گی۔ اے اللہ!
میں اس کے قول پر ایمان رکھتا ہوں۔''

یہ اشعار سن کر سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ابن رواحہ! تم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اور اللہ کے حرم میں اشعار پڑھ رہے ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے عمر! انہیں رہنے دو۔ ان کے یہ شعر کافروں کے حق میں تیر کی مار سے زیادہ سخت ہیں۔

(ترمذی: ۲/ ۱۰۷، فتح الباری: ۷/ ۵۰۱)

ایک اور روایت میں ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اے عمر! میں سن رہا ہوں اور ابن رواحہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے ابن رواحہ! ان اشعار کے بجائے یہ پڑھو:

لا الہ الا اللہ وحدہ، نصر عبدہ، واعز جندہ، وھزم الاحزاب وحدہ

''یعنی ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی نے اپنے بندے کی
نصرت فرمائی اور اس کے لشکر کو عزت بخشی اور تمام گروہوں کو اکیلے
نے شکست دی۔''

سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے ان کلمات کو پڑھنا شروع کر دیا۔ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی یہ کلمات دہراتے۔ ان کی آواز سے دشت وجبل گونج اٹھے اور پہاڑ میں دبکے ہوئے مشرکین کے دل ہیبت سے کانپ اٹھے۔ (طبقات ابن سعد: ۲/ ۸۸)

مشرکین مسلمانوں کا مکہ مکرمہ میں داخلہ دیکھنے کے لیے گھروں سے نکل کر کعبہ کے شمال میں واقع جبل قعیقان پر جا بیٹھے تھے۔ انہوں نے آپس میں کہا کہ تمہارے پاس ایک ایسی جماعت آ رہی ہے جسے یثرب کے بخار نے توڑ ڈالا ہے۔ اس لیے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم فرمایا کہ وہ پہلے تین چکر دوڑ کر لگائیں۔ البتہ رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان صرف چلتے ہوئے گزریں۔ اس حکم کا منشاء یہ تھا کہ مشرکین ان کی قوت کا مشاہدہ کر لیں۔

(بخاری: ۱/ ۲۱۸، ۲/ ۶۱۰۔ ۶۱۱، مسلم: ۱/ ۴۱۲)

اس کے علاوہ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اضطباع کا حکم بھی دیا۔ اضطباع کا مطلب ہے کہ طواف کے وقت دایاں کندھا کھلا رکھیں اور احرام کی چادر داہنی بغل کے نیچے سے

Marfat.com

نکال کر اس کا دوسرا کنارہ بائیں کندھے پر ڈال لیں۔طواف کے پہلے تین چکروں میں مونڈھے مار مار کر اور دوڑ کر چکر لگانا رمل کہلاتا ہے۔

مطاف میں پہنچ کر آپ نے حجر اسود کو اپنی چھڑی سے چھوا، پھر طواف کیا۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی طواف کیا۔پھر سعی بین الصفاء والمروہ کر کے ہدی کو قربان کیا اور حلال ہو گئے۔اس کے بعد کچھ لوگوں کو حکم دیا کہ وہ بطن یاجج جو کہ مکہ سے صرف آٹھ میل کے فاصلہ پر تھا، چلے جائیں اور ان لوگوں کو طواف اور سعی کے لیے یہاں بھیج دیں جن کو ہم اسلحہ کی حفاظت کے لیے وہاں چھوڑ آئے ہیں۔یہ فرما کر بیت اللہ کے اندر تشریف لے گئے۔ظہر تک اندر ہی رہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے بیت اللہ کی چھت پر ظہر کی اذان دی۔

(طبقات:ص ۸۸۲)

قریش نے آپ کو عمرہ کی اجازت تو دے دی تھی، لیکن وہ اپنی آنکھوں سے مسلمانوں کو وہ سب کچھ کرتا دیکھ رہے تھے جن کے نہ کرنے کے لیے انہوں نے مسلمانوں سے اتنی لڑائیاں لڑیں اور اپنے بڑے بڑے رؤساء اور بہادروں کو مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل کروایا۔وہ شدت غیظ وغضب اور حسد وکینہ کی وجہ سے آپ کو اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھ نہ سکے۔کیونکہ انہی لوگوں نے بدر واحد اور احزاب میں ان کے بڑوں کو خاک وخون میں لٹایا تھا۔اس لیے سرداران قریش اور ان کے اشراف مکہ مکرمہ کو خالی کر کے پہاڑوں پر چلے گئے۔

(زرقانی:۲/۲۵۵)

قرارداد حدیبیہ کے مطابق تین روز تک آپ نے مکہ مکرمہ میں قیام فرمایا۔اس عرصہ میں قریش پہاڑوں میں روپوش ہو کر دبکے ہوئے تھے۔مسلمان شہر کے ہر گلی کوچے میں چلتے پھرتے اور کوئی شخص ان پر اعتراض نہ کرتا۔مہاجرین اپنے چھوڑے ہوئے گھروں کو دیکھنے کے لیے انصار کو بھی اپنے ساتھ لے جاتے جو ان کے ساتھ مکہ میں ایسے ہی گھومتے جیسے وہ بھی یہیں کے رہنے والے ہوں۔مسلمانوں میں سے ہر ایک کا چلن اسلامی سیرت کا نمونہ تھا۔بیت اللہ میں نماز ادا کر رہے ہیں، تنومند اپنے کمزور اور ضعیف بھائی کو سہارا دے کر اٹھا رہا ہے، مال دار محتاج کی مدد کر رہا ہے اور اللہ کے رسول ایک شفیق اور مہربان باپ کی طرح ان کے درمیان آجا رہے ہیں۔کسی سے تبسم فرما رہے ہیں، کسی کے ساتھ مسکرا کر بات ہو رہی ہے۔کسی کے ساتھ مزاح فرمایا جا رہا ہے۔قریش یہ سب باتیں پہاڑوں کی چوٹیوں سے جھانک جھانک کر دیکھ رہے تھے۔ان لوگوں نے شاید زندگی میں پہلی بار یہ حیرت ناک منظر دیکھا تھا کہ مسلمان نہ

Marfat.com

شراب پی رہے ہیں، نہ کسی برائی کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ نہ خدا کے کسی حکم کی نافرمانی کر رہے ہیں۔ جن مناظر میں مخالفین کی جذب وکشش کا یہ سامان ہو، ایسے مناظر تکمیل انسانیت کا حسین مرقع ہونے کی وجہ سے دیکھنے والوں کے قلوب پر اثر ضرور کرتے ہیں۔

مکہ کے اس تین روزہ قیام میں آپ نے سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔ سیدہ میمونہ بنت حارث عامریہ رضی اللہ عنہا نے مسلمانوں کے حسن کردار سے متاثر ہو کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عقد کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ یہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ عم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہلیہ سیدہ ام الفضل رضی اللہ عنہا کی ہمشیرہ اور سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی خالہ تھیں۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ ان کے وکیل مقرر ہوئے اور انہوں نے ہی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کی شادی کی۔ حق مہر چار سو درہم مقرر ہوا۔ جب مکہ میں قیام کے تین دن گزر گئے تو قریش نے چند آدمی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجے کہ مدت گزر گئی ہے، لہٰذا آپ تشریف لے جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر مہلت دو تو میں مکہ میں میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا کی عروسی اور دعوت ولیمہ کر لوں، لیکن قریش نے نہایت ترش روئی سے یہ جواب دیا کہ ہم آپ کی عروسی اور دعوت ولیمہ کو نہیں جانتے۔ آپ اب تشریف لے جائیں۔ یہ جواب سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کوچ کا حکم دیا اور اپنے غلام ابو رافع رضی اللہ عنہ کو سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس چھوڑ گئے۔ سیدنا ابو رافع رضی اللہ عنہ انہیں مقام سرف پر آپ کے پاس لائے اور یہاں آپ نے عروسی فرمائی۔

آپ مکہ مکرمہ میں جس انداز سے داخل ہوئے تھے، اسی شان سے رخصت ہوئے۔ آگے آگے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی اونٹنی قصواء پر سوار تھے اور آپ کے ساتھ ایسے دو ہزار نفوس قدسی کا جم غفیر تھا جن کے تقدس کی فرشتے بھی قسم کھاتے ہیں۔ پہلی رات آپ نے مقام سرف پر گزاری جو مکہ مکرمہ سے چند میل کے فاصلہ پر ہے۔ ازواج مطہرات میں سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا آخری زوجہ محترمہ ہیں جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے پچاس سال بعد تک زندہ رہیں اور وفات سے قبل اسی مقام سرف میں اپنی تدفین کی وصیت فرمائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے واپسی پر ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی دو بہنوں کو بھی اپنے ساتھ مدینہ منورہ لائے۔ ان میں ایک سید الشہداء سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی بیوہ سیدہ سلمٰی رضی اللہ عنہا تھیں اور دوسری عمارہ رضی اللہ عنہا جو ابھی نا کتخدا تھیں۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتح الباری: ۷/۵۰۰، مسلم: ۱/۴۱۲، زاد المعاد: ۲/۱۵۲، ترمذی: ۲/۱۰۷، طبقات ابن سعد: ۲/۸۷، زرقانی: ۲/۲۵۴-۲۵۵، بخاری: ۱/۲۱۸، ص ۶۱۰-۶۱۱ وغیرہ)

Marfat.com

سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام:

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمرة القضاء کی ادائیگی کے بعد مدینہ طیبہ واپس لوٹ آئے لیکن مکہ کے تین روزہ قیام میں جو اثرات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اہل مکہ کے دلوں پر چھوڑے، ان کے نتائج جلد برآمد ہونے لگے۔ چنانچہ قریش کے جانباز خالد بن ولید نے، جنہوں نے غزوہ احد میں لڑائی کا نقشہ بدل دیا تھا، قریش کے عام اجتماع میں یہ اعلان کر دیا:

ان محمدا ليس لساحر ولا شاعر وان كلامه كلام رب العالمين، فحق على كل ذي لب ان يتبعه.

''سنو! ہر ذی عقل شخص پر یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ تو جادوگر ہیں اور نہ ہی شاعر۔'' ان کا کلام رب العالمین کا کلام ہے۔ لہٰذا ہر ذی شعور شخص کا یہ فرض ہے کہ وہ آپ کی اتباع کرے۔''

جس اجتماع میں خالد بن ولید نے یہ بات کہی تھی اس میں ابوجہل کا بیٹا عکرمہ بھی موجود تھا۔ وہ خالد کا جانی دوست تھا لیکن معاملہ عقیدہ کا تھا لہٰذا اس نے فوراً اٹھ کر خالد کی مخالفت کی اور کہا کہ ہم کبھی یہ تصور نہیں کر سکتے کہ تم اسلام کے گرویدہ ہو جاؤ گے۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہارے والد، تمہارے چچا اور دوسرے کئی اعزاء واقرباء کو قتل کروا دیا، اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو ایسے خیالات کا کبھی بھی اظہار نہ کرتا، لیکن خالد کا ایک ہی جواب تھا کہ عکرمہ تمہاری بات صرف جاہلیت کی پرستاری ہے۔ مجھ پر حقیقت منکشف ہو چکی ہے لہٰذا میں مسلمان ہو گیا ہوں اور اسلام کو دل سے قبول کر لیا ہے۔

خالد کے اس بیان نے تمام مکہ میں ہلچل مچا دی۔ خالد کوئی معمولی شخص نہیں تھے، ایک رئیس کے بیٹے اور خود ایک بہترین سپہ سالار تھے۔ ان کی یہ ساری خوبیاں قریش کے ذہن میں تھیں۔ چنانچہ جب ابوسفیان کو خالد کے خیالات کا پتہ چلا تو انہوں نے خالد کو اپنے ہاں بلا کر پوچھا کہ کیا تم واقعی مسلمان ہو گئے ہو؟ خالد نے کہا کہ میں واقعی اسلام کا گرویدہ ہو گیا ہوں۔ یہ سننا تھا کہ ابوسفیان اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ ان پر پل پڑا، لیکن اتفاق سے عکرمہ بن ابی جہل بھی وہاں موجود تھا، اس نے ابوسفیان کا دامن کھینچتے ہوئے کہا:

''ابوسفیان! خدا کی قسم جس خطرہ کا تمہیں ڈر ہے اس سے میں بھی خائف ہوں،

Marfat.com

ورنہ خالد کی طرح میں بھی وہی کہتا اور اس کے دین کو دل و جان سے قبول کر لیتا۔
مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں ایک سال کے اندر اندر مکہ کے سب لوگ دین محمد ﷺ کو
قبول نہ کر لیں۔"

ابوسفیان یہ بات سن کر خاموش ہو گیا اور اس نے خالد سے کوئی تعرض نہ کیا۔

خالد بن ولید خود بیان کرتے ہیں کہ میں اسلام کا گرویدہ کیسے ہوا حالانکہ میرے دل میں اسلام کے خلاف نفرت اور دشمنی کے جذبات موجزن تھے۔ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے میری بھلائی کا ارادہ فرمایا تو اس نے میرے دل میں اسلام کی محبت اور شیفتگی ڈال دی۔ ایک روز اچانک میرے دل میں یہ خیال آیا کہ جس جنگ میں بھی رسول اللہ ﷺ کے خلاف قریش مکہ کے ساتھ جاتا ہوں اور پھر واپس آتا ہوں، تو واپسی پر میرے دل کی ایک عجیب کیفیت ہوتی ہے۔ میرا دل مجھے ملامت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ خالد! تیری یہ تمام کوششیں اور یہ تمام تگ و دو بالکل بے سود اور لا حاصل ہے۔ بلاشک وشبہ محمد ﷺ ضرور غالب ہوں گے۔ چنانچہ حدیبیہ کے موقع پر میں قریش کے سواروں میں سے تھا۔ میں نے مقام عسفان میں آپ کو دیکھا کہ آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ صلاۃ الخوف پڑھا رہے ہیں۔ میں نے ارادہ کر لیا کہ نماز کی حالت میں آپ پر حملہ کروں، لیکن آپ میرے اس ارادہ سے آشنا ہو گئے اور میں آپ پر حملہ نہ کر سکا۔ اس وقت میرے قلب و ذہن نے مجھے بتایا کہ یہ شخص من جانب اللہ ہے۔ چنانچہ میں نامراد واپس لوٹا۔

جب آپ حدیبیہ میں قریش سے صلح کا معاہدہ کر کے واپس ہوئے تو میں نے کہا کہ قریش کی تمام سطوت وشوکت خاک میں مل گئی اور شاہ حبشہ تک آپ کا مطیع اور منقاد ہو چکا ہے اور آپ کے ساتھی نجاشی کے پاس نہایت امن و امان کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ میں بہت پریشان تھا کہ کیا کیا جائے۔ ایک خیال آیا کہ ہرقل شاہ روم کے پاس جا کر نصرانی ہو جاؤں اور شاہان عجم کے تابع ہو کر اپنی زندگی کے دن گزاروں، پھر یہ خیال آیا کہ چند روز اپنے وطن ہی میں رہ کر دیکھوں کہ پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔ اسی خیال میں تھا کہ سرکار دو عالم ﷺ عمرۃ القضاء سے فارغ ہوئے تو میرا بھائی ولید بن ولید جو آپ ﷺ کے ہمراہ تھا، مجھے تلاش کرنے لگا، مگر میں تلاش کے باوجود اسے نہ ملا کیونکہ میں روپوش تھا۔ بعد ازاں میرے بھائی نے مجھے اس مضمون کا ایک خط لکھا کہ

"میں نے اس سے زیادہ حیرت زا اور تعجب خیز بات نہیں دیکھی کہ تیری رائے اسلام

Marfat.com

جیسے پاکیزہ اور عمدہ دین کے قبول کرنے سے ابھی تک ابا کر رہی ہے حالانکہ تیری عقل تیری عقل ہے، (یعنی تو نہایت عقل مند آدمی سمجھا جاتا ہے) اور رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے تیرا حال دریافت فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ خالد کہاں ہے؟ میں نے بارگاہِ نبوت میں عرض کیا: ''یارسول اللہ! عنقریب اللہ تعالیٰ اسے آپ کے پاس لے کر آئے گا۔'' آپ نے بھی مجھے فرمایا کہ تعجب ہے کہ اس جیسا عقل مند اور دانش مند انسان ابھی تک اسلام سے ناآشنا ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر خالد اہل اسلام کے ساتھ مل کر دین حق کی مدد کرتا، اہل شرک و باطل کا خاتمہ کرتا تو یہ اس کے لیے کہیں بہتر ہوتا، اور ہم اس کو دوسروں پر مقدم رکھتے۔ پس اے میرے بھائی! تجھ سے یہ بہترین مواقع ضائع ہو گئے تو ان کی تلافی کر۔ ابھی تلافی اور تدراک کا وقت ہے۔''

خالد بن ولید کا بیان ہے کہ جب میرے بھائی کا یہ خط میرے پاس پہنچا تو میں نے اسلام کے بارے میں اب اور انداز سے سوچنا شروع کیا اور اسلام سے میری رغبت و محبت میں اضافہ ہوا اور سفر ہجرت کا ایک خاص سرور اور نشاط دل میں پیدا ہو گیا اور خط میں رسول اللہ ﷺ کے میرے بارے میں جو ریمارکس تھے، انہوں نے مجھے ایک خاص خوشی اور مسرت عطا کی، چنانچہ میں نے اسباب سفر مہیا کر کے مدینہ جانے کا ارادہ کیا۔ میں نے یہ چاہا کہ کوئی اور بھی میرا رفیق سفر ہو جائے، میں نے صفوان بن امیہ سے ملاقات کی اور اسے کہا تم دیکھتے ہو کہ محمد ﷺ نے عرب و عجم پر غلبہ حاصل کر لیا ہے، اگر ہم محمد ﷺ کے پاس جا کر ان کا اتباع کر لیں تو یہ ہمارے لیے بہت بہتر ہو گا اور محمد ﷺ کا شرف ہمارا شرف ہو گا۔ صفوان نے میری بات سن کر نہایت سختی سے انکار کر دیا اور یہ کہا کہ اگر تمام روئے زمین پر میرے سوا کوئی بھی محمد ﷺ کے اتباع سے باقی نہ رہے تو میں پھر بھی اس کے دین کو قبول نہیں کروں گا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اس کے یہ جذبات صرف اس وجہ سے ہیں کہ اس کا باپ اور بھائی جنگ میں مارے گئے ہیں۔ بعد ازاں میں عکرمہ بن ابی جہل سے ملا اور اس سے بھی وہی کہا جو میں نے صفوان بن امیہ سے کہا تھا لیکن اس نے بھی اتنی ہی درشتی سے جواب دیا جو صفوان نے دیا تھا۔ میں ان دونوں سے ناامید ہو کر سیدھا اپنے گھر گیا۔ اونٹنی کو تیار کیا اور زادِ راہ ساتھ لیا اور خیال کیا کہ چلو عثمان بن طلحہ سے ملاقات کر لوں۔ وہ میرا بڑا اچھا دوست ہے لیکن مجھے یاد آیا کہ اس کا باپ دادا بھی قتل ہوئے ہیں، لہٰذا متردد ہو گیا کہ عثمان سے اپنے خیالات کا ذکر کروں یا نہ کروں۔ پھر خیال آیا کہ ذکر کرنے میں کیا حرج ہے۔ میں تو اب جانے کا عزم کر چکا ہوں۔ چنانچہ میں عثمان

Marfat.com

بن طلحہ کے پاس گیا اور اس سے بھی وہی کچھ کہا جو میں صفوان اور عکرمہ سے کہہ چکا تھا۔ عثمان بن طلحہ نے میری بات کو قبول کر لیا اور کہا کہ میں بھی آپ کے ساتھ مدینہ چلتا ہوں۔ تم چلو اور مقام یاجج میں تم سے آملوں گا، اگر وہاں پہلے پہنچ جاؤ تو وہاں میرا انتظار کرنا۔

خالد بن ولید کہتے ہیں کہ مقام یاجج پر عثمان بن طلحہ مجھے مل گئے۔ صبح سویرے ہم وہاں سے مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوئے۔ جب مقام ھدہ پر پہنچے تو عمرو بن العاص سے ملاقات ہوئی وہ بھی اسلام کے ارادہ سے مدینہ جا رہے تھے۔ عمرو بن العاص نے ہمیں دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا اور ہم نے انہیں پوچھا کہ کہاں کا ارادہ ہے؟ وہ بولے اسلام میں داخل ہونے کے لیے مدینہ جا رہا ہوں۔ ہم نے کہا کہ ہم بھی اسی لیے مدینہ جا رہے ہیں۔ (البدایہ والنہایہ: ۴/ ۲۳۸۔۲۳۹)

اب عمرو بن العاص کی بات سنئے۔ فرماتے ہیں کہ میں اسلام میں داخل ہونے کے لیے جب ھدہ کے مقام پر پہنچا تو وہاں دو آدمیوں سے میری ملاقات ہوئی۔ ان میں سے ایک خالد بن ولید تھے۔ میں نے پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟ خالد نے جواب دیا:

دخل الناس فی الاسلام فلم یبق احدبه طعم.

(بیہقی من طریق الواقدی)

''لوگ اسلام میں داخل ہو گئے اور کوئی صاحب ذوق شخص باقی نہیں رہا جو اسلام میں داخل نہ ہوا ہو۔''

چنانچہ یہ تینوں جو قریش میں نہایت اہم شخصیتیں سمجھی جاتی تھیں، سفر کی منزلیں طے کرتے کرتے مدینہ میں داخل ہوئے اور اپنی سواری کے اونٹ مقام حرہ پر بٹھلائے۔ خالد کہتے ہیں کہ کسی شخص نے ہماری خبر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچائی۔ آپ ہماری آمد سے بہت خوش ہوئے۔ میں نے عمدہ کپڑے پہنے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے چلا۔ مجھے میرا بھائی ولید مل گیا اور کہا جلدی چلو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمہارے آنے کی خبر مل گئی ہے اور وہ تمہارے منتظر ہیں۔ ہم تیزی کے ساتھ چلے۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جونہی مجھے دیکھا تو تبسم فرمایا، میں نے کہا: السلام علیک یا رسول اللہ! آپ نے نہایت خندہ پیشانی سے میرے اس سلام کا جواب دیا، میں نے کلمہ شہادت پڑھا۔ آپ نے فرمایا قریب ہو جاؤ۔ پھر فرمایا:

''حمد ہے ذات کی کہ جس نے تجھے اسلام کی توفیق بخشی۔ میں دیکھتا تھا کہ تو صاحب فہم و دانش ہے اور مجھے پوری امید تھی کہ وہ عقل تجھ کو بھلائی کی طرف ضرور لائے گی۔''

Marfat.com

خالد بن ولید کہتے ہیں کہ میں نے بارگاہ نبوت میں عرض کی کہ آپ دیکھتے تھے کہ میں جنگوں میں آپ کے اور حق کے مقابلہ میں آپ کے سامنے آتا تھا جس سے میں بہت شرمندہ اور نادم ہوں۔ اس لیے آپ سے دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ میری تمام خطاؤں کو معاف فرمادے۔ آپ نے مجھے تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ

''اسلام ان تمام خطاؤں اور گناہوں کو ختم کر دیتا ہے جو اس سے پہلے ہو چکے ہیں۔''

((اللھم اغفر لخالد بن ولید ما اوضع فیہ من صد عن سبیل اللہ))

''خداوند! خالد بن ولید کی ان تمام خطاؤں کو معاف فرمادے جو اس نے اللہ کے راستہ سے روکنے کے لیے کی ہیں۔''

میرے بعد عثمان بن طلحہ (کلید بردار کعبہ) اور ان کے بعد عمرو بن العاص نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک ہاتھ پر بیعت کی۔ (البدایہ والنھایہ: ۴/۲۴۰)

سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہونے کے بعد سب سے پہلے خالد بن ولید نے بیعت کی پھر عثمان بن طلحہ نے اور پھر میں بیعت کے لیے آگے بڑھا تو اس وقت میری یہ حالت تھی کہ

''خدا کی قسم، میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بیٹھ تو گیا لیکن شرم وندامت سے پانی پانی تھا۔ پیشانی پر ندامت کا پسینہ تھا، آنکھیں ندامت کے بوجھ سے جھکی ہوئی تھیں۔ بالآخر میں نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی اور عرض کیا کہ بیعت اس شرط پر کرتا ہوں کہ میری تمام گذشتہ خطائیں اور قصور معاف کر دیئے جائیں۔ آپ کی شانِ کریمی نے میرے عرقِ انفعال کو موتی سمجھ کر چن لیا اور فرمایا: ''عمرو! اسلام ان تمام گناہوں کو ختم کر دیتا ہے جو اسلام سے پہلے کفر کی حالت میں کیے گئے ہوں۔ اسی طرح ہجرت بھی گناہوں کو ختم کر دیتی ہے۔ (اور تم تینوں نے تو دونوں کام ہی کیے ہیں یعنی اسلام بھی لائے اور ہجرت بھی کی۔''

سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ لایزال کی قسم، جس روز سے ہم دائرہ اسلام میں داخل ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس روز سے ہر مہم میں میرے اور خالد رضی اللہ عنہ کے برابر اپنے اصحاب میں سے کسی کو نہیں سمجھا: ماو اللہ، ماعدل بی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

وبخالد بن الولید احدا من اصحابه فی امر جربه منذ اسلمنا. (البدایہ والنہایہ: ۴/ ۲۳۸)

عمرو بن العاص کا بیان ہے کہ میں اور خالد رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ صفر سنہ 8ھ میں مشرف باسلام ہوئے۔ جب یہ تینوں حضرات اسلام میں داخل ہو گئے تو آپ نے اپنے صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

''مکہ نے اپنے جگر گوشوں کو ہمارے حوالے کر دیا ہے۔''

معرکہ موتہ:

موتہ (میم پر پیش اور واؤ ساکن) شام میں بلقاء کے قریب ایک آبادی کا نام ہے۔ اس جگہ سے بیعت المقدس دو مرحلے پر واقع ہے۔

یہ معرکہ سب سے زیادہ خونریز ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں مسلمانوں کو پیش آیا اور یہی معرکہ بازنطینی سلطنت کی فتوحات کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ (روض الانف وغیرہ) یہ معرکہ جمادی الاولیٰ سنہ 8ھ میں وقوع پذیر ہوا۔

اس جنگ کا سبب یہ ہوا کہ سنہ 6ھ میں صلح حدیبیہ کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرب کے اطراف میں واقع سلطنتوں کو دعوتی خطوط بھیجنے شروع کیے، اس سلسلہ میں ایک مراسلہ حارث بن ابی شمر غسانی کے نام تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفیر شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ آپ کا مراسلہ لے کر اس کے پاس گئے۔ اس مراسلہ میں یہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ تمہاری حکومت باقی رہے گی۔ اس نے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکتوب میں یہ جملہ پڑھا تو غصے سے رنگ سرخ ہو گیا۔ اس نے خط کو زمین پر پٹک دیا اور کہا: میری حکومت مجھ سے کون چھین سکتا ہے؟ (من ینزع ملکی منی)

حاکم بصریٰ شرحبیل بن عمرو غسانی نے اس سے بھی بیہودہ سلوک کیا۔ اس رومی گورنر کے پاس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفیر سیدنا حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ آپ کا خط لے کر گئے۔ وہ سرحد شام پر موتہ کے مقام پر پہنچے تھے کہ حاکم بصریٰ کے اشارہ پر ایک اعرابی نے آپ کے سفیر کو قتل کر دیا۔ بین الاقوامی روایات کے مطابق یہ واقعہ ایک ملک پر دوسرے ملک کی جارحیت کے مترادف تھا۔ اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اس واقع کی اطلاع دی گئی تو آپ پر یہ بات سخت گراں گزری۔

علاوہ ازیں مختلف قرائن یہ بھی ظاہر کر رہے تھے کہ شام کی فوجیں پیش قدمی کر کے

Marfat.com

مدینہ میں داخل ہو جانا چاہتی ہیں۔ رومی شہنشاہیت اس کو برداشت نہیں کر سکتی تھی کہ عرب میں کوئی آزاد حکومت قائم ہو اور وہ ترقی کرے۔

حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ کے قتل کی خبر مدینہ پہنچی تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا فوجی جواب دینا ضروری سمجھا۔ آپ نے حکم فرمایا کہ مسلمان اپنے اپنے ہتھیار لے کر موضع حرق میں اکٹھے ہو جائیں۔ چنانچہ تین ہزار کی تعداد میں اسلامی لشکر اکٹھا ہو گیا۔

(زرقانی: ۲/ ۲۶۸، زاد المعاد: ۲/ ۱۵۵)

یہ سب سے بڑا اسلامی لشکر تھا جو اس سے قبل جنگ خندق کے علاوہ کسی اور جنگ میں فراہم نہ ہو سکا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لشکر پر سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمایا اور فرمایا کہ اگر زید رضی اللہ عنہ قتل ہو جائیں تو سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ امیر لشکر ہوں گے اگر جعفر رضی اللہ عنہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ لشکر کے سپہ سالار ہوں اور اگر عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بھی قتل ہو جائیں تو پھر مسلمان جس کو چاہیں اپنا امیر مقرر کر لیں۔ اسی وجہ سے اس معرکہ کو معرکہ جیش الامراء بھی کہتے ہیں۔

(فتح الباری: ۷/ ۵۱۱، زرقانی: ۲/ ۲۶۸، طبقات ابن سعد: ۲/ ۹۲، بخاری: ۲/ ۶۱۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ایک سفید جھنڈا عطا فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ پہلے اس مقام پر جانا جہاں حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تھے وہاں کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دینا۔ اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو بہتر ورنہ اللہ رب العزت سے اعانت اور امداد طلب کر کے ان سے جنگ کرنا۔ پھر آپ امراء جیش اور لشکر دونوں کو ہدایات فرماتے ہوئے شہر سے باہر ثنیۃ الوداع تک تشریف لے آئے۔ یہاں ٹھہر کر لشکر کو کچھ ہدایات دیں کہ ہر حال میں تقویٰ اور پرہیزگاری کو ملحوظ رکھنا۔ اپنے ساتھیوں کی خیر خواہی کرنا، پھر فرمایا کہ اللہ کے نام سے، اللہ کی راہ میں، اللہ کے ساتھ کفر کرنے والوں سے جہاد و قتال کرنا اور دیکھو، بدعہدی نہ کرنا، خیانت نہ کرنا، کسی بچے اور عورت اور عمر رسیدہ بڈھے (شیخ فانی) کو اور گرجا میں رہنے والے تارک الدنیا کو قتل نہ کرنا، کھجور اور کوئی اور درخت نہ کاٹنا اور کسی عمارت کو منہدم نہ کرنا: (اغزوا بسم اللہ فی سبیل اللہ، لاتغزوا ولا تخلوا ولا تقتلوا ولیدا ولاامراۃ ولا کبیرا فانیا ولا منعزلا بصومعہ ولا تقربوا نخلا ولا شجرۃ ولا تھدوا مربناء) روانگی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں نے مل کر دعا کی۔ آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ان الفاظ سے وداع کیا:

Marfat.com

((صبحکم الله و دفع عنکم و ردکم الینا المسلمین))

''اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے اور تم سے ہر قسم کے ضرر کو دور فرمائے اور صحیح سالم واپس لائے۔''

جب لوگ ان امراء لشکر کو رخصت کرنے لگے تو سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ لوگوں نے رونے کا سبب پوچھا تو فرمایا: ''خدا کی قسم مجھے نہ تو دنیا سے محبت ہے اور نہ تم سے کوئی تعلق خاطر، لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن حکیم کی یہ آیت پڑھتے سنا ہے کہ تم میں سے ہر شخص جہنم پر وارد ہونے والا ہے اور یہ تمہارے رب کی فیصلہ کی ہوئی بات ہے۔ (۱۹:۷۱) میں نہیں جانتا کہ جہنم پر ورود کے بعد واپسی کیسے ہو گی۔'' اس لیے روتا ہوں۔ مسلمانوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تم سب کا حامی و ناصر ہو۔ اس کے بعد آپ نے چند اشعار پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے:

''میں واپسی نہیں چاہتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور اس کی راہ میں ایسے گہرے زخموں کا متمنی ہوں جو استخوان شکن اور مغز پاش ہوں۔ یا کسی نیزہ باز کے ہاتھوں آنتوں اور جگر کے پار اتر جانے والے نیزے کی ضرب کا خواہش مند ہوں تا کہ جب لوگ میری قبر پر سے گزریں تو کہیں کہ یہ وہ غازی ہے جسے اللہ نے ہدایت دی اور وہ ہدایت یافتہ رہا۔'' (ابن ہشام: ۲/۳۷۲)

یہ لشکر شمال کی طرف معان پہنچا۔ یہ مقام شمالی حجاز سے متصل شامی علاقے میں واقع ہے۔ یہاں پڑاؤ ڈالا تو جاسوسوں نے خبر دی کہ ہرقل بلقاء کے علاقہ میں مآب کے مقام پر ایک لاکھ رومیوں کے لشکر جرار کے ساتھ خیمہ زن ہے اور اس کے جھنڈے تلے لخم، جذام، بلقین، بہرا اور ربلی قبائل کے مزید ایک لاکھ افراد بھی جمع ہو گئے ہیں۔ مسلمان اس بات کا تصور ہی نہیں کر سکتے تھے کہ انہیں اتنے بڑے لشکر سے سابقہ پیش آئے گا۔ معان میں اسلامی لشکر دو رات ٹھہرا اور ان دو راتوں میں یہی مشورہ ہوتا رہا کہ کیا کرنا چاہیے؟ کون سی حکمت عملی اختیار کی جائے؟ کچھ حضرات نے یہ رائے دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صورت حال سے مطلع کیا جائے اور آپ کے حکم کا انتظار کیا جائے کیونکہ دو لاکھ فوج سے تین ہزار مجاہدین کا ٹکرانا کچھ عجیب سا معلوم ہوتا تھا۔ سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے، جو بہادری میں یکتا اور فصاحت میں فردِ روزگار تھے، لوگوں سے کہا:

Marfat.com

''صاحبو! جس شے سے تم کترا رہے ہو یہ تو وہی شہادت ہے جس کی تمنا دل میں لے کر ہم گھروں سے نکلے ہیں۔ ہم کافروں سے قوت اور کثرت کے بل پر نہیں بلکہ صرف ان سے دین کے بل پر لڑتے ہیں، جس سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں مشرف و معزز کیا، اس لیے اٹھو اور آگے بڑھو۔ ہمیں دو بھلائیوں میں سے ایک بھلائی ضرور حاصل ہو کر رہے گی، یا تو ہم دشمن پر غالب آئیں گے یا پھر اس کے ہاتھوں شہادت سے سرفراز ہوں گے۔'' (عیون الاثر: ۲/۲۰۹، ابن ہشام: ۲/۳۷۳)

لوگ سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی بات سے متفق ہو گئے اور جانبازوں کی یہ تین ہزار کی جماعت دشمن کے دو لاکھ کے لشکر جرار کے ساتھ ٹکرانے کے لیے موتہ کی طرف روانہ ہو گئی۔ چنانچہ بلقاء کی ایک بستی مشارف میں ہرقل کی فوجوں سے ان کا سامنا ہو گیا کیونکہ وہ وہاں ڈیرے ڈالے پڑی تھیں۔ اس کے بعد دشمن مزید قریب آ گیا اور مسلمان ''موتہ'' کی جانب سمٹ کر خیمہ زن ہو گئے۔ سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے لشکر کی صف بندی کی۔ میمنہ پر قطبہ بن قتادہ عذری رضی اللہ عنہ اور میسرہ پر عبادہ بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا اور پھر دنیا کی نگاہوں نے دیکھا کہ ایمان اور قوت کا مقابلہ ہوا اور تین ہزار کے معمولی لشکر نے دو لاکھ ٹڈی دل کا کس دلیری اور بہادری سے مقابلہ کیا کہ لوگوں کی آنکھیں پھٹی رہ گئیں۔

سب سے پہلے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ امیر لشکر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عطا کردہ سفید جھنڈا لیے ہوئے دشمن کی صفوں میں پیرنے لگے۔ انہیں پورا یقین تھا کہ موت سے مفر نہیں اور مومن کی نگاہ میں موت کا درجہ فتح و کامرانی سے کم نہیں ہے

شہادت ہے مقصود و مطلوب مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

وہ ایسی بے جگری سے لڑے کہ موت سے کھیلتے ہوئے دشمن کے تیروں کی آماجگاہ بن گئے اور جام شہادت نوش فرما کر زمین پر آ رہے۔ ان کے شہید ہوتے ہی علم اسلام سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آیا۔ ان کی عمر 37 سال تھی، قومی ہیکل، شباب اور ہیبت دونوں ایک سے بڑھ کر ایک۔ دشمن کی فوج میں دھاڑتے ہوئے گھس گئے۔ دشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی اس لیے کچھ دیر کے بعد اس نے نرغے میں لے لیا۔ یہ دیکھ کر سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ اپنے سرخ و سفید گھوڑے کی پیٹھ سے کود پڑے اور اس کی کونچیں کاٹ دیں۔ اب انہوں نے دشمن سے چوکھی لڑائی شروع کر دی۔ وار پر وار کرتے اور روکتے رہے۔ دشمن کے سر گاجر مولی کی طرح

Marfat.com

اڑانے لگے۔علم دائیں ہاتھ میں تھا۔ایک دشمن نے ایسی ضرب لگائی کہ دایاں ہاتھ کٹ گیا۔اور جھنڈا نیچے گرنے لگا۔سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ نے فوری طور پر علم اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑ لیا، یہاں تک کہ بایاں ہاتھ بھی کاٹ دیا گیا پھر انہوں نے جھنڈے کو اپنی گود میں لے لیا۔آخر انہوں نے جام شہادت نوش فرمایا۔ایک دشمن نے ایسی تلوار ماری کہ جسم کے دو ٹکڑے کر دیئے۔بخاری میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں بھی اس غزوہ میں شریک تھا۔ہم نے سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کی لاش کو تلاش کیا تو دیکھا کہ ان کے جسم پر تلوار اور نیزے کے نوے زخم تھے اور وہ سب سامنے تھے، پشت کی طرف کوئی زخم نہ تھا۔(بخاری:۲/۶۱۱)

سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کے بعد سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے پرچم ہاتھ میں لے لیا، وہ گھوڑے پر سوار تھے اور دشمن کی صفوں کی طرف بڑھے اور اپنے آپ کو مقابلہ کے لیے آمادہ کرنے لگے یعنی طبیعت میں کچھ تردد اور ہچکچاہٹ پیدا ہوئی۔پھر فوری طور پر اپنے نفس کو مخاطب کر کے فرمایا:

"اے نفس! قسم ہے تو ضرور گھوڑے سے اتر کر اللہ کے دشمنوں سے جنگ کر، خواہ ناگواری کے ساتھ خواہ خوشی خوشی۔اگر لوگوں نے جنگ برپا کر رکھی ہے اور نیزے تان رکھے ہیں تو میں تجھے جنت سے کیوں گریزاں دیکھ رہا ہوں۔"

یہ کہہ کر گھوڑے سے اتر پڑے۔اتنے میں ان کے چچا زاد بھائی نے آگے بڑھ کر انہیں ایک گوشت لگی ہوئی ہڈی دی اور بولا کہ اس کو چوس لو تا کہ اس کی قوت سے کچھ لڑ سکو کیونکہ کئی روز سے تم فاقہ سے ہو۔انہوں نے اس کے ہاتھ سے ہڈی کو لے کر ایک بار چوسا لیکن فوراً ہی پھینک دیا اور اپنے نفس کو مخاطب کر کے فرمایا کہ "اے نفس! تو عجیب ہے، لوگ جہاد کر رہے ہیں اور تو دنیا میں مشغول ہے۔اب تلوار لے کر آگے بڑھے اور دشمن سے لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔"

تینوں سپہ سالار سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے۔اس واقعہ کی اطلاع سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے سیدنا زید رضی اللہ عنہ اور سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کی وفات پر اظہار تعزیت کرتے ہوئے فرمایا:
"مجھے تینوں کے بارے میں خواب میں دکھایا گیا کہ وہ سونے کے تختوں پر استراحت فرما رہے ہیں۔البتہ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا تخت ذرا سا جھکا ہوا دیکھا گیا۔پوچھا گیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ کیوں؟ فرمایا زید رضی اللہ عنہ اور جعفر رضی اللہ عنہ بغیر ہچکچاہٹ کے میدان جنگ میں کودے اور ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کچھ دیر سوچنے کے بعد آگے قدم بڑھایا۔جونہی سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ

Marfat.com

شہید ہوئے بنو عجلان کے ایک شخص ثابت بن ارقم رضی اللہ عنہ نے لپک کر جھنڈا اٹھا لیا اور بولے! ''مسلمانو! اپنے میں سے کسی کو امیر بنانے پر متفق ہو جاؤ۔ لوگوں نے کہا: آپ ہی ہمارے امیر ہیں۔ ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں یہ کام نہیں کر سکتا۔ یہ کہہ کر جھنڈا سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو پکڑا دیا اور کہا: آپ جنگ کے نشیب و فراز سے بخوبی واقف ہیں، انہیں اپنا امیر مقرر کر لو۔ مسلمانوں نے ان کی اس تجویز سے اتفاق کیا۔ خالد رضی اللہ عنہ سے مسلمانوں کی قلت تعداد اور ضعف قوت پوشیدہ نہ تھی، لیکن وہ فوج کو لڑانے کے ماہر اور رزم گاہ کے نشیب و فراز سمجھنے میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔ اگرچہ ابھی نئے نئے مسلمان ہوئے تھے، لیکن انہوں نے جھنڈا لیتے ہی، از سرِ نو فوج کو مرتب کیا اور غروب آفتاب تک اسے دشمن سے پر زور طریقے سے لڑاتے رہے۔

رات کے وقت سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے ایک جنگی چال چلی کہ فوج کی بھاری تعداد کو رزم گاہ سے دور چھپا دیا اور صبح جب جنگ جاری تھی تو یہ دستہ نعرے لگاتا ہوا میدان جنگ میں آ کر مسلمانوں سے مل گیا۔ دشمن یہ سمجھا کہ یہ مسلمانوں کی نئی کمک آئی ہے، لہٰذا ان کے دل دہل گئے۔ دل جب دہل جائیں تو پھر پاؤں ہلنے میں دیر نہیں لگتی۔ وہ سوچنے لگے کہ کل اس تھوڑی سی فوج نے ہماری ٹڈی دل کا کس ثابت قدمی سے مقابلہ کیا ہے اور کتنے آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ اب تو انہیں اور کمک پہنچ گئی ہے کہیں انہیں شکست سے دو چار نہ ہونا پڑے۔ بہر حال خالد رضی اللہ عنہ نے نہایت جوانمردی سے دشمن کا مقابلہ کیا۔ بخاری میں خود ان کا اپنا بیان نقل کیا گیا ہے کہ جنگ موتہ کے دن میرے ہاتھ سے نو تلواریں ٹوٹیں۔ صرف ایک یمنی تلوار ہاتھ میں چپک کر رہ گئی۔ (بخاری: ۲/۱۱۶)

موتہ میں جنگ زوروں پر تھی، ادھر مدینہ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ زید رضی اللہ عنہ نے جھنڈا اپنے ہاتھ میں لیا اور کافروں سے خوب قتال کیا، یہاں تک کہ شہید ہوا اور جنت میں داخل ہوا۔ زید رضی اللہ عنہ کے بعد جعفر رضی اللہ عنہ نے اسلامی علم سنبھالا اور اللہ کے دشمنوں سے خوب جنگ لڑی یہاں تک کہ وہ بھی شہید کر دیا گیا اور جنت میں داخل ہوا اور فرشتوں کے ساتھ جنت میں دو بازوؤں کے ساتھ اڑتا پھرتا ہے۔ پھر عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے علم سنبھالا ہے اور کافروں سے خوب قتال کیا اور شہید کر دیئے گئے۔ اس دوران آپ کی آنکھیں اشکبار تھیں۔ پھر فرمایا کہ ان کے بعد ''سیف من سیوف اللہ'' اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے یعنی خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اسلام کا علم سنبھالا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا کی۔

(بخاری: ۲/۶۱۱ وغیرہ)

Marfat.com

رومی فوجیں خالد رضی اللہ عنہ کے جنگی داؤ پیچ سے گھبرا گئیں۔ انہیں حملہ کرنے کی جرأت نہ رہی۔ وہ جہاں کھڑے تھے وہی کھڑے رہے۔ مسلمانوں نے دیکھا کہ دشمن آگے نہیں بڑھتا تو خالد رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کا نظام محفوظ رکھتے ہوئے مسلمانوں کو تھوڑا تھوڑا پیچھے ہٹانا شروع کیا، لیکن رومیوں نے اس خوف سے ان کا تعاقب نہ کیا کہ مسلمان دھوکہ دے رہے ہیں۔ کوئی چال چل کر انہیں صحرا کی پہنائیوں میں پھینک دینا چاہتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن اپنے علاقے میں واپس چلا گیا اور مسلمان کامیابی اور سلامتی کے ساتھ پیچھے ہٹے اور پھر واپس مدینہ آ گئے۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ اس جنگ میں کسی فریق کو فتح نہیں ہوئی، ہمارے نزدیک یہ بات صحیح نہیں۔ فتح مسلمانوں کو ہوئی۔ اگر فتح نہ ہوتی تو رومی مسلمانوں کو زندہ واپس آنے نہ دیتے، بلکہ سب کو ختم کر دیتے، لیکن مسلمانوں کے صرف بارہ آدمی جنگ میں کام آئے۔ دوسری بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کو فتح اور رومیوں کو شکست ہوئی۔ چنانچہ ابن سعد ابو عامر سے روایت کرتے ہیں کہ جب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے رومیوں پر حملہ کیا تو انہیں ایسی شکست فاش دی کہ میں نے ایسی شکست کبھی نہیں دیکھی۔ مسلمان جہاں چاہتے تھے وہیں اپنی تلواریں رکھتے تھے اور بخاری میں ہے کہ

حتی فتح الله عليهم.

''حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔'' (بخاری: ۲/۶۱۱)

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے۔ فرماتے ہیں:

ثم اخذ الراية سيف من سيوف الله ففتح الله علىٰ يديه

(السیرۃ النبویہ لابن کثیر: ۳/۴۶۸)

''پھر اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے اسلام کا پرچم اٹھا لیا اور ان کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے فتح ارزانی فرمائی۔''

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی رائے بھی یہی نقل کی ہے۔ فرماتے ہیں:

فلما حمل عليهم خالد هزموهم باذن الله والله اعلم.

(ایضاً)

''جب خالد رضی اللہ عنہ نے رومی لشکر پر حملہ کیا تو اللہ تعالیٰ کی تائید سے انہیں شکست فاش دی۔''

یہ جنگ اسلام کے تین ہزار مجاہدین اور دو لاکھ سے زائد رومیوں کے درمیان سات

Marfat.com

روز تک جاری رہی، اور اسی جنگ میں سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں میں نو تلواریں ٹوٹیں، اور مسلمانوں کے صرف بارہ مجاہد درجۂ شہادت سے سرفراز ہوئے اور بقیہ مجاہدین بخیر و عافیت مدینہ طیبہ پہنچ گئے اور دشمن کے دلوں پر اپنی جرأت و بہادری کی دھاک بٹھا کر آئے جس نے آئندہ جنگوں میں بہت فائدہ پہنچایا۔ مسلمانوں کی یہ ایک بے مثال فتح یابی تھی۔

حاکم کی روایت میں ہے کہ غنیمت میں کچھ سامان بھی مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ رومیوں کی شکست کے بعد سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ان کا تعاقب جنگی مصلحت کے پیش نظر مناسب نہ سمجھا اور وہ مسلمانوں کے لشکر کو لے کر واپس مدینہ آ گئے۔

اس جنگ میں بارہ مسلمان شہید ہوئے ان میں تین تو سپہ سالار لشکر تھے۔ ان بارہ کے نام یہ ہیں:

① سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ
② سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ
③ سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ
④ سیدنا مسعود بن اوس رضی اللہ عنہ
⑤ سیدنا وہب بن سعد رضی اللہ عنہ
⑥ سیدنا عباد بن قیس رضی اللہ عنہ
⑦ سیدنا حارث بن نعمان رضی اللہ عنہ
⑧ سیدنا سراقہ بن عمر رضی اللہ عنہ
⑨ سیدنا ابوکلیب بن عمرو بن زید رضی اللہ عنہ
⑩ سیدنا جابر بن عمرو بن زید رضی اللہ عنہ
⑪ سیدنا عمرو بن سعد بن حارث رضی اللہ عنہ
⑫ سیدنا عامر بن سعد بن حارث رضی اللہ عنہ

(عیون الاثر: ۲/۲۱۱، ابن ہشام: ۲/ ۳۸۸_۳۸۹، البدایہ والنہایہ: ۴/ ۲۴۵، زرقانی: ۲/ ۲۶۸، فتح الباری: ۷/ ۵۱۳_۵۱۴، زاد المعاد: ۲/ ۱۵۶)

اس معرکہ کے نہایت اچھے اثرات مرتب ہوئے۔ اس سے مسلمانوں کی شہرت میں بہت اضافہ ہوا کیونکہ ہرقل کی حکومت اس زمانہ میں سپر پاور تھی۔ اتنی بڑی حکومت سے ٹکر لینا اتنی ہی بڑی حکومت کا کام تھا نہ کہ عرب کی چھوٹی سی نوزائیدہ اسلامی مملکت کا۔ ہرقل سے تو اس

Marfat.com

وقت کسریٰ ایران بھی شکست کھا چکا تھا، لہٰذا ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ اتنی بڑی حکومت سے ٹکر لینا خود کشی کے مترادف ہے۔ پھر اس حکومت کی بھی اتنی بڑی فوج جس کی تعداد دو لاکھ تھی اور اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کی فوج صرف تین ہزار نفوس پر مشتمل تھی۔ اتنے بڑے ٹڈی دل سے مقابلہ کر کے اور صرف 12 نفوس قدسیہ شہید کروا کر واپس آ جانا ایک عجوبہ روزگار سے کم نہ تھا۔ چنانچہ اس کے اہم اثرات یہ مرتب ہوئے کہ اس معرکہ کے فوراً بعد کئی ایسے قبائل جیسے غطفان، ذبیان، بنوسلیم، فزارہ اور اشجع وغیرہ، جو مسلمانوں سے مسلسل برسرِ پیکار رہتے تھے، حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔

علاوہ ازیں یہ معرکہ آئندہ چل کر بازنطینی سلطنت کی فتوحات اور مسلمانوں کے اقتدار کا پیش خیمہ ثابت ہوا اور آخر وہ وقت بھی مسلمانوں کی آنکھوں نے دیکھا کہ یہ اتنی بڑی حکومت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے رحم و کرم پر ہو گئی۔

مجاہدین جب اس معرکہ سے واپس ہوئے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں نے مدینہ سے باہر جا کر ان کا استقبال کیا۔ یہ ان مجاہدین کے لیے ایک بہت بڑا اعزاز تھا۔

اسی جنگ میں سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ''سیف اللہ'' کا خطاب ملا۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ جب معرکہ کے شباب میں سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے لشکر اسلام کی کمان سنبھالی تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں بیٹھے ہوئے یہ دعا فرمائی:

اللهم انه سيف من سيوفك فانت تنصره فمن يومئذ سمي سيف الله.

''خداوند! خالد تیری تلواروں میں سے ایک تلوار ہے۔ پس تو اس کی مدد فرما۔ پس اسی روز سے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا لقب سیف اللہ ہو گیا۔''

سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جس روز جنگ موتہ میں سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لائے اور فرمایا ''جعفر رضی اللہ عنہ کے بیٹوں کو میرے پاس لے کر آؤ۔ میں انہیں لے کر آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بہت پیار کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرات ٹپکنے لگے یہاں تک کہ ریش مبارک بھیگ گئی۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رونے کی وجہ دریافت کی۔ کیا آپ کو جعفر اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں کوئی اطلاع ملی

Marfat.com

ہے؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں وہ شہید ہو گئے ہیں۔'' یہ سن کر میری چیخ نکل گئی۔ آپ نے فرمایا: ''اے اسماء! کوئی بیہودہ بات زبان پر نہ لانا اور اپنے رخساروں پر طمانچے نہ مارنا۔'' پھر آپ نے جعفر رضی اللہ عنہ کے لیے دعا فرمائی۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر تشریف لے گئے اور گھر والوں سے فرمایا کہ جعفر کے گھر والوں کے لیے کھانا تیار کرنے میں غفلت سے کام نہ لینا۔ آج انہیں کھانا پکانے کا ہوش نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ بھوکے رہیں۔ سیدنا جعفر کے صاحبزادے عبداللہ فرماتے ہیں کہ آپ کے گھر سے کھانا آیا۔ سالن میں زیتون کا تیل تھا۔ میں نے وہ کھانا کھایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے تین روز اپنے ہاں رکھا۔ سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے لیے دعا فرمائی:

((اللھم بارک له فی صفقة یمینه))

''اے اللہ! جو یہ سودا کرے اس میں برکت عطا فرما۔''

فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس دعا کی ایسی برکت ہوئی کہ جب بھی میں نے کوئی چیز خریدی یا فروخت کی تو مجھے نفع ہی ہوا۔ سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے بڑے حزن و ملال سے یہ عرض کی: ''یا رسول اللہ! اب یہ بچے یتیم ہو گئے ہیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((ابا العیلة! تخافین علیھم وانا ولیھم فی الدنیا والآخرة))

''اے اسماء! تمہیں اس بات کا اندیشہ ہے کہ اب یہ مفلس اور محتاج ہو جائیں گے میں دنیا اور آخرت دونوں میں ان کا ولی ہوں۔''

(السیرة النبویہ زینی دحلان: ۲/۲۴۱)

سریہ ذات السلاسل:

جمادی الآخرة سنہ 8ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ملی کہ مشارف شام کے اندر رہنے والے عرب قبائل مسلمانوں سے لڑنے کے لیے رومیوں کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے تھے۔ یہ مسلمانوں کے لیے کوئی اچھی بات نہ تھی۔ آپ کی فراست نے ان کے درمیان تشتت و افتراق پیدا کرنے کے لیے اور مسلمانوں سے ان قبائل کی دوستی پیدا کرنے کے لیے ایک مہم کا انتظام فرمایا تاکہ پھر اس علاقہ میں رومیوں اور ان کے گٹھ جوڑ سے اتنی بڑی جمعیت فراہم نہ ہو سکے اور ان قبائل پر مسلمانوں کی از سر نو دھاک بیٹھ جائے۔ اس مقصد کے لیے آپ نے سیدنا

Marfat.com

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو منتخب فرمایا کیونکہ ان کی والدہ کے میکے قبیلہ بلی میں تھے جو ان قبائل میں سے ایک اہم قبیلہ تھا۔ آپ نے فرمایا سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی والدہ کے میکے انہی نواح میں تھے، اس رشتہ کی وجہ سے اس خطہ کے لوگ مسلمانوں کی اعانت پر آمادہ ہو سکتے تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایک اطلاع یہ بھی ملی تھی کہ بنو قضاعہ نے اطراف مدینہ پر ہلہ بولنے کے ارادہ سے ایک جماعت فراہم کر رکھی ہے، اس وجہ سے آپ نے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی زیر کمان ایک دستہ ان کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ ممکن ہے کہ اس جنگ کے دونوں سبب ہوں۔

بہر حال سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو ایک سفید جھنڈا عطا فرمایا اور اس کے ساتھ کچھ کالی جھنڈیاں بھی دیں اور ان کی زیر کمان بڑے بڑے مہاجرین و انصار پر مشتمل تین سو افراد کی ایک جماعت، جس کے پاس تیس گھوڑے بھی تھے، دے کر فرمایا کہ بلی، عذرہ اور بقلین کے جن لوگوں کے پاس سے گزریں ان سے مدد کے خواہاں ہوں۔ اس دستہ کو آپ نے ''ذات السلاسل'' کی طرف روانہ فرمایا۔ یہ حضرات رات کو سفر کرتے اور دن کو چھپے رہتے۔ جب یہ دشمن کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے، اس لیے توقف کیا اور رافع بن مکیث جہنی کو سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں یہاں کے حالات سے باخبر کرنے کے لیے بھیجا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کی زیر کمان دو سو افراد پر مشتمل ایک دستہ ان کی کمک کے لیے روانہ فرمایا، ان میں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے اور اسی طرح انصار کے بھی کئی سردار تھے۔ سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ جلد از جلد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے جا ملیں۔ دونوں مل کر کام کرنا، آپس میں متفق رہنا اور آپس میں اختلاف نہ کرنا۔ جب ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے تو نماز کے وقت سیدنا ابو عبیدہ نے امامت کرانا چاہی۔ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ امیر لشکر تو میں ہوں اور تم میری مدد کے لیے آئے ہو۔ سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم اپنی جماعت کے امیر ہو اور میں اپنی جماعت کا امیر ہوں۔ اس کے بعد سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چلتے وقت مجھے آخری حکم یہ فرمایا کہ باہم متفق رہنا اور آپس میں اختلاف نہ کرنا، لہٰذا میں تمہاری اطاعت کروں گا۔ چنانچہ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ہی نماز پڑھاتے رہے اور ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ ان کی اقتداء میں نماز پڑھتے رہے۔ (طبقات:۲/۱۳۱)

اب یہ دونوں لشکر سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت بنو قضاعہ کے علاقہ میں داخل ہوئے اور ان پر زوردار حملہ کیا۔ بنو قضاعہ مرعوب ہو کر بھاگ اٹھے۔ چنانچہ سیدنا عوف بن

Marfat.com

مالک اشجعی رضی اللہ عنہ کو اس فتح کی خبر دے کر سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے غلبہ حاصل کرنے کے بعد چند روز یہاں قیام فرمایا اور مختلف اطراف میں اپنے سواروں کو بھیجتے رہے۔ وہ اونٹ اور بکریاں پکڑ کر لاتے اور مسلمان پکا کر کھاتے۔ چنانچہ چند روزہ قیام کے بعد مجاہدین کا یہ لشکر واپس مدینہ پہنچا اور اس معرکہ کی تفصیل خدمت نبوی میں پیش کی۔

ذات السلاسل (پہلی سین کی پیش اور زبر دونوں سے درست ہیں۔ امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے روض الانف جلد ۴ ص ۲۵۲ میں لکھا ہے کہ پہلی سین پر پیش اور دوسری سین کے نیچے زیر کے ساتھ اس کا تلفظ ہے) وادی القریٰ سے آگے ایک مقام کا نام ہے۔ یہاں سے مدینہ کا فاصلہ دس روز ہے۔ محمد ابن اسحاق کا بیان ہے کہ مسلمان قبیلہ جذام کی سرزمین میں واقعہ ''سلسل'' نامی ایک چشمہ پر اترے تھے، اس وجہ سے اس معرکہ کا نام ''ذات السلاسل'' ہے۔

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ دونوں ایک ساتھ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ ان دونوں کو اسلام میں داخل ہوئے ابھی ایک دو مہینہ ہی ہوا تھا کہ غزوہ موتہ پیش آیا۔ جس میں سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ امیر بن گئے اور ''سیف اللہ'' کا خطاب بارگاہ رسالت میں حاصل کیا۔ غزوہ موتہ کے چند ہفتے بعد ''غزوہ ذات السلاسل'' پیش آیا تو اس میں سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ امیر ہوئے اور سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور بڑے سرداران انصاران کے زیر کمان تھے۔ پیغمبر اسلام نے سچ فرمایا:

((الناس معادن کمعادن الذهب والفضة، خيارهم في الجاهلية خيارهم في الاسلام اذا فقهوا))

یعنی ''لوگ سونے چاندی کی کانوں کی طرح ہیں جو لوگ جاہلیت میں بہتر تھے، اسلام لانے کے بعد بھی وہ بہتر رہیں گے اگر انہیں دین اسلام کی صحیح سمجھ آجائے۔''

Marfat.com

غزوہ الفتح الاعظم

غزوہ موتہ سے مسلمانوں کا لشکر کامیابی سے واپس لوٹ آیا اور مسلمانوں نے اس واپسی کو اپنے حق میں بھلائی سے تعبیر کیا لیکن سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی شہادتوں نے مختلف طبقات پر مختلف اثرات مرتب کیے۔

(1) رومیوں پر اس کے اثرات یہ مرتب ہوئے کہ انہوں نے باوجود اپنی کثرت تعداد کے مٹھی بھر مسلمانوں کی جنگ سے دست برداری کو اپنے حق میں غنیمت سمجھا کیونکہ ان کے دل مسلمانوں کی شجاعت سے دہل گئے تھے۔ انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ آخری سپہ سالار سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اس ثابت قدمی اور جوانمردی سے لڑے کہ ان کے ہاتھ سے اس روز نو تلواریں ٹوٹیں۔ وہ مسلمانوں کی اسٹریجی (Strategy) سے بھی بڑے متاثر تھے کہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے دو لاکھ کے ٹڈی دل کے ساتھ اپنے تین ہزار سپاہیوں کو اس مہارت سے لڑایا کہ دشمن کے چھکے چھوٹ گئے اور شام کے نواحی قبائل مسلمانوں کی اس شجاعت اور بہادری کو دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئے کہ تین ہزار کے لشکر نے دو لاکھ کے لشکر جرار کا جس ثابت قدمی سے مقابلہ کیا اس کی مثال انہیں اس سے قبل دیکھنا تو کجا، سنی بھی نہیں تھی۔ مسلمانوں کی اسی بہادری سے متاثر ہو کر قیصر روم ہرقل کے ماتحت لڑنے والی عرب فوجوں کے سپہ سالار فزوہ بن عمرو الجذامی نے اسلام قبول کر لیا۔ قیصر ان کے مسلمان ہونے سے بہت پریشان ہوا۔ چنانچہ انہیں خیانت کے الزام میں گرفتار کر لیا۔ ہرقل نے انہیں یہ پیش کش کی کہ اگر وہ دوبارہ عیسائی مذہب قبول کر لے تو اسے دوبارہ اس منصب پر فائز کر دیا جائے گا، لیکن جناب فزوہ رحمۃ اللہ علیہ نے ہرقل کی اس پیش کش کو یک قلم ٹھکرا دیا۔ چنانچہ ہرقل نے انہیں قتل کروا دیا۔ لیکن نجد میں جو عراق وشام کی سرحد پر واقع تھ ، ملام کا اثر ونفوذ شروع ہو گیا۔

علاوہ ازیں وہ عرب جو ہرقل کے ماتحت مشرقی روم میں آباد تھے، ان کے اسلام کی

Marfat.com

طرف مائل ہونے کا دوسرا سبب یہ ہوا کہ رومی فوج میں جو عرب رضا کارانہ طور پر مسلمانوں سے لڑنے کے لیے اکٹھے ہو گئے تھے، ایک موقع پر رسد تقسیم کرنے والے اہلکار نے اعلان کیا کہ ''یہ رضا کار فوج سے نکل جائیں۔ بادشاہ کی طرف سے صرف سرکاری فوج کے لیے راشن اور رسد ہے۔ سرکار کے ان پالتو کتوں کے لیے کچھ بھی مہیا نہیں کیا جا سکتا۔'' اس اعلان نے ان رضا کاروں کے جذبات کو سخت مجروح کیا اور انہوں نے رومیوں سے بدگمان ہو کر رومی لشکر سے علیحدگی اختیار کر لی۔ چنانچہ اس علیحدگی نے انہیں اسلام کی روشنی کی طرف راہنمائی کی اور حقیقت نے ان کی دستگیری کر کے انہیں صراطِ مستقیم کا راستہ دکھایا۔ ان میں سے کئی قبائل اپنے رئیسوں اور سرداروں کے ساتھ مسلمان ہو گئے۔

① قبیلہ بنوسلیم اپنے سردار عباس بن مرداس کی ہدایت پر حلقۂ اسلام میں داخل ہو گیا۔

② قبیلہ اشجع نے اسلام کو قبول کر لیا۔

③ یہود کے حلیف بنوغطفان نے اسلام کو قبول کر لیا۔ یہ قبیلہ یہود خیبر کا بڑا قوی اور مضبوط بازو تھا، اس لیے ان کے مسلمان ہونے سے یہودیوں پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا اور ان کے گھروں میں صف ماتم بچھ گئی۔

④ قبیلہ بنوعبس بھی مسلمان ہو گیا۔

⑤ قبیلہ ذبیان اور قبیلہ بنوفزارہ بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو غزوہ موتہ عرب کے شمال میں شام تک مسلمانوں کے اثر و نفوذ کا سبب ثابت ہوا جس سے اسلام کی شوکت اور سطوت میں بہت اضافہ ہوا۔

⑥ اہل مدینہ پر اس کے اثرات یہ مرتب ہوئے کہ چونکہ کوئی علاقہ فتح نہیں ہوا تھا، نہ کوئی کثیر تعداد میں مال غنیمت حاصل ہوا، لہٰذا انہوں نے جنگ سے واپس لوٹنے والوں کو مفرور کہنا شروع کر دیا۔ چنانچہ وہ برملا ان لشکریوں کو کہتے۔ ''یا فرار! فررتم فی سبیل اللہ'' (اے مفرورین! تم جہاد فی سبیل اللہ سے بھاگ کر آئے ہو) نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ بہادر نوجوان بھی ندامت کی وجہ سے گھروں میں چھپ گئے تاکہ یہ طعنہ نہ سنیں۔ چنانچہ سیدنا سلمہ بن ہشام رضی اللہ عنہ نے اسی طعن سے ڈر کر مسجد میں آنا ترک کر دیا۔

⑦ قریش مکہ پر اس غزوہ موتہ کے نتائج کا یہ اثر ہوا کہ انہوں نے اس کو مسلمانوں کی شکست اور ذلت سے تعبیر کیا۔ اب ان کو اس معاہدہ کا کوئی پاس نہ رہا تھا جو چند ماہ

Marfat.com

قبل انہوں نے حدیبیہ کے مقام پر مسلمانوں سے کیا تھا، چنانچہ ان کا قریباً ہر شخص عمرۃ القضاء سے پہلے والی فضا قائم کرنے پر آمادہ ہو گیا اور معاہدہ حدیبیہ کو پس پشت ڈال کر قصاص کی آواز لگانے لگا۔ معاہدہ حدیبیہ کی یہ شکست فتح مکہ کا سبب بنی۔

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ وہ فتح اعظم ہے کہ جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو، اپنے رسول کو، اپنے لشکر کو اور اپنے امانت دار گروہ کو ایک خاص عزت بخشی اور اپنے شہر مکہ کو اور اپنے گھر (کعبۃ اللہ) کو جسے دنیا والوں کے لیے ہدایت کا ذریعہ بنایا اور کفار و مشرکین کے ہاتھوں سے چھٹکارا دیا۔ اس فتح سے آسمان والوں میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اس کی عزت کی طنابیں جوزاء کے شانوں پر تن گئیں اور لوگ اللہ تعالیٰ کے دین میں فوج در فوج داخل ہونے شروع ہو گئے، اور روئے زمین کا چہرہ روشنی سے جگمگا اٹھا۔ (زاد المعاد: ۲/۱۶۰)

قرارداد حدیبیہ کی خلاف ورزی:

حدیبیہ میں قریش اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مابین جو معاہدہ ہوا تھا اس میں ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ قبائل جس کے عہد و پیمان میں چاہیں داخل ہو جائیں اور جو قبیلہ جس فریق کے ساتھ شامل ہو گا وہ اس فریق کا ایک حصہ سمجھا جائے گا۔ لہٰذا ایسا کوئی قبیلہ اگر کسی سے زیادتی یا حملے کا شکار ہو گا تو یہ خود اس فریق پر حملہ اور زیادتی سمجھی جائے گی جس فریق کے عہد و پیمان میں وہ داخل ہو گا۔ چنانچہ بنو بکر قریش کے عہد و پیمان میں داخل ہو گئے اور بنو خزاعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد و پیمان میں۔ ان دونوں قبائل میں عہد جاہلیت سے ہی عداوت اور کشاکش چلی آ رہی تھی، کیونکہ مالک بن عباد حضرمی ایک دفعہ مال تجارت لے کر بنو خزاعہ کے علاقہ کے اندر داخل ہوا۔ خزاعہ کے لوگوں نے اس کا تمام مال لوٹ کر اس کو قتل کر دیا۔ بنو بکر نے موقع پا کر حضرمی کے بدلہ میں بنو خزاعہ کے ایک شخص کو قتل کر ڈالا۔ اس کے جواب میں بنو خزاعہ نے اپنے ایک آدمی کے بدلہ میں بنو بکر کے تین سرداروں ذویب، سلمی اور کلثوم کو میدان عرفات میں حدود حرم کے قریب موت کے گھاٹ اتار دیا۔

حدیبیہ میں جب قریش اور مسلمانوں کے درمیان دس سال کے لیے صلح کا معاہدہ ہو گیا اور فریقین ایک دوسرے سے مطمئن ہو گئے تو بنو بکر نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر پرانا بدلہ چکانے کا عزم کر لیا۔ چنانچہ بنو بکر میں نوفل بن معاویہ دیلی نے ایک جماعت کے ساتھ شعبان

Marfat.com

سنہ 8 ھ میں بنوخزاعہ پر رات کی تاریکی میں حملہ کر دیا۔ اس وقت بنوخزاعہ کے لوگ وتر نامی ایک چشمہ پر سو رہے تھے۔ اس حملہ میں بنوخزاعہ کے متعدد آدمی مارے گئے۔ قریش میں سے صفوان بن امیہ، شیبہ بن عثمان، سہیل بن عمرو، حویطب بن عبدالعزیٰ اور مکرز بن حفص پوشیدہ طور پر ہتھیاروں سے بنوبکر کی مدد کی بلکہ رات کی تاریکی کا فائدہ اٹھا کر قریش کے کچھ آدمی بھی اس حملہ میں شریک ہو گئے۔ بنوخزاعہ نے بھاگ کر حرم میں پناہ لی مگر ان کو وہاں بھی قتل سے پناہ نہ ملی۔

بنوخزاعہ کے آدمی مکہ میں بدیل بن ورقاء خزاعی کے مکان میں گھس گئے لیکن بنوبکر اور قریش کے رؤسا نے گھروں میں گھس کر انہیں مارا اور ان کا مال واسباب لوٹ لیا۔ وہ لوگ یہ سمجھتے رہے کہ یہ مکہ کا اور حرم کا معاملہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ یہاں سے کافی دور ہیں، ان کو اس واقعہ کی اطلاع نہ ہو گی، لیکن جب صبح ہوئی تو قریش کو اس جرم پر ندامت ہوئی وہ سمجھ گئے کہ ہم نے عہد شکنی کی ہے جو معاہدہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیا تھا، اس کو ہم نے توڑ ڈالا ہے۔

ادھر قبیلہ بنوخزاعہ کے سردار عمرو بن سالم چالیس آدمیوں کے ایک وفد کے ساتھ فوراً مدینہ منورہ پہنچا۔ سرکار دو عالم ﷺ اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حلقہ میں تشریف فرما تھے۔ عمرو بن سالم نے سرکار دو عالم ﷺ کے سامنے کھڑے ہو کر اشعار میں بنوبکر کی پیمان شکنی، اور وتیر پر ان کے حملہ کو بیان کیا۔ ان اشعار میں سے ایک شعر یہ تھا

هم بيتونا بالوتير هجدا   وقتلونا ركعا وسجدا

"یعنی ان لوگوں نے چشمہ وتیر پر سوتے ہوئے ہم پر رات کو حملہ کیا اور ہمیں رکوع وسجود کی حالت میں قتل کیا۔" (ان میں سے بعض مسلمان بھی تھے ورنہ وہ خود مسلمان نہ تھے)

اس فریاد کے بعد وہ آپ ﷺ سے امداد کا طلب گار ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اے عمرو بن سالم! تیری مدد کی گئی۔ اس کے بعد آسمان میں بادل کا ایک ٹکڑا دکھائی دیا۔ آپ نے فرمایا یہ بادل بنوکعب کی مدد کی بشارت سے دمک رہا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے عمرو بن سالم سے فرمایا کہ "نہ مدد کیا جاؤں میں اگر تیری مدد نہ کروں۔" پھر آپ نے اس سے پوچھا کہ کیا سارے بنوبکر اس حملہ میں شریک تھے۔ عمرو نے کہا: سب نے بلکہ بنونفاثہ اور ان کا سردار نوفل بھی اس میں شریک تھا۔ آپ نے عمرو بن سالم سے ان کی امداد کا وعدہ فرمایا۔ اس کے بعد بدیل بن ورقاء خزاع کی زیر قیادت بنوخزاعہ کی ایک جماعت مدینہ طیبہ حاضر ہوئی اور رسول اللہ ﷺ کو بتایا کہ حملہ میں کون سے لوگ

Marfat.com

مارے گئے اور کس طرح سے قریش مکہ نے بنوبکر کی پشت پناہی کی۔ اس کے بعد یہ لوگ واپس چلے گئے۔

آپ نے ایک قاصد قریش مکہ کے پاس روانہ فرمایا کہ ان کو میرا پیغام پہنچا دے کہ تین باتوں میں سے ایک اختیار کر لیں۔

① مقتولین خزاعہ کی دیت دے دی جائے۔

② یا بنونفاثہ کے عہدو پیمان سے علیحدہ ہو جائیں۔

③ یا پھر معاہدہ حدیبیہ کے فسخ کا اعلان کر دیں۔

قاصد نے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ پیغام پہنچایا تو قریش کی طرف سے قرطۃ بن عمرو نے یہ جواب دیا کہ ہم نہ مقتولین خزاعہ کی دیت دیں گے اور نہ بنونفاثہ کے عہدو پیمان سے علیحدگی اختیار کریں گے۔ ہاں معاہدہ حدیبیہ کے فسخ پر راضی ہیں۔ لیکن قاصد کے روانہ ہونے کے بعد انہیں ندامت ہوئی کہ ہم نے جو کچھ کہا ہے یہ درست نہیں۔ چنانچہ انہوں نے انجام کی سنگینی کو مدنظر رکھتے ہوئے باہمی مشورے سے یہ طے کیا کہ ابوسفیان کو اپنا نمائندہ بنا کر تجدید صلح اور مدت صلح کو بڑھانے کے لیے مدینہ روانہ کیا جائے۔ (زرقانی: ۲/۲۹۲، فتح الباری: ۴/۸)

دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بتایا کہ قریش اپنی اس پیمان شکنی کے بعد کیا کرنے والے ہیں۔ آپ نے یہاں تک فرمایا: ''گویا میں ابوسفیان کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ اس معاہدہ کو پھر سے پختہ کرنے اور مدت صلح کو بڑھانے کے لیے آ گیا ہے۔''

ابوسفیان باہمی مشورہ سے طے شدہ قرارداد کے مطابق مکہ کے لیے روانہ ہوا۔ جب وہ عسفان پہنچا تو اس کی ملاقات بدیل بن ورقاء خزاعی سے ہوئی۔ بدیل مدینہ سے واپس جا رہا تھا۔ ابوسفیان ایک ذہین آدمی تھا۔ سمجھ گیا کہ بدیل محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے مل کر آ رہا ہے۔ پوچھا: بدیل! کہاں سے آ رہے ہو؟ بدیل نے جواب دیا: ''میں خزاعہ کے ان آدمیوں کے ہمراہ اس ساحل اور وادی سے آ رہا ہوں۔'' پوچھا: ''کیا تم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس نہیں گئے تھے؟'' بدیل نے کہا: ''نہیں۔'' مگر بدیل جب مکہ کی جانب روانہ ہوا تو ابوسفیان نے کہا کہ اگر وہ مدینہ گیا تو جو وہاں اپنے اونٹ کو چارہ ضرور کھلایا ہوگا، لہٰذا ابوسفیان اس جگہ گیا جہاں بدیل نے اپنے اونٹ کو بٹھایا تھا۔ اس نے وہاں اونٹ کی ایک مینگنی لے کر توڑی تو اس میں سے کھجور کی گٹھلی برآمد ہوئی۔ ابوسفیان نے کہا: ''میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ بدیل ضرور مدینہ سے آ رہا ہے اور یہ گٹھلی مدینہ ہی کی کھجور کی ہے۔'' ابوسفیان نے کہا یہ تو غضب ہو گیا۔ بدیل نے مکہ کا تمام

Marfat.com

ماجرا آپ ﷺ کو سنا دیا ہوگا۔

بہر حال ابوسفیان منزلیں طے کرتا ہوا مدینہ پہنچا اور سیدھا رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کرنے کے بجائے ادھر ادھر کی گن سن لینے کا منصوبہ بنا کر اپنی صاحبزادی ام المومنین سیدہ ام حبیبہ سلام اللہ علیہا کے گھر گیا۔ قریش کے معاملہ میں رسول اللہ ﷺ کے رجحانات کا اندازہ ام المومنین کو بھی تھا، لیکن آپ ﷺ کے ارادہ کے بارے میں کوئی اطلاع نہ تھی۔ ابوسفیان نے جب آپ ﷺ کے بستر پر بیٹھنا چاہا تو سیدہ رضی اللہ عنہا نے فوری طور پر بستر لپیٹ لیا۔ ابوسفیان یہ دیکھ کر کچھ پریشان ہو گیا اور کہنے لگا: ''بیٹی! تو نے بستر کو لپیٹ دیا، کیا اس بستر کو میرے قابل نہ سمجھا یا مجھے بستر کے قابل نہ سمجھا؟'' سیدہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: ''یہ حضور ﷺ کا بستر ہے، اس پر ایک ایسا شخص جو شرک وکفر کی نجاست سے ملوث ہو، ہرگز نہیں بیٹھ سکتا۔'' ابوسفیان نے جھلا کر کہا: ''بیٹی خدا کی قسم، تو میرے بعد شر میں مبتلا ہو گئی ہے۔'' سیدہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: ''شر میں نہیں بلکہ کفر کی ظلمت سے نکل کر اسلام کے نور میں داخل ہو گئی ہوں اور مجھے آپ پر تعجب ہے کہ آپ قریش کے سردار ہو کر پتھروں کو پوجتے ہیں جو نہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں۔''

ابوسفیان بیٹی کی اس بات سے غضبناک ہو کر مسجد نبوی میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور تجدید معاہدہ اور صلح بڑھانے کے لیے عرض کیا، لیکن آپ ﷺ نے ابوسفیان کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ پھر وہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان سے اس بارہ میں بارگاہِ نبوت میں سفارش کی درخواست کی۔ انہوں نے کہا میں اس بارہ میں کچھ نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد وہ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان سے اس بارہ میں سفارش کی درخواست کی۔ انہوں نے جواب دیا: ''بھلا میں تم لوگوں کے لیے سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں سفارش کروں گا؟ خدا کی قسم، اگر مجھے لکڑی کے ٹکڑے کے سوا کچھ بھی دستیاب نہ ہو تو میں اسی کے ساتھ تم لوگوں سے جہاد کروں گا۔''

اس کے بعد ابوسفیان سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ اس وقت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ ابوسفیان نے کہا: ''علی! میرے ساتھ تمہارا سب سے گہرا نسبی تعلق ہے۔ میں ایک شدید ضرورت سے آیا ہوں، ایسا نہ ہو کہ جس طرح نامراد آیا ہوں اسی طرح نامراد واپس جاؤں۔ تم میرے لیے محمد ﷺ سے اس بارے میں سفارش کر دو۔'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ابوسفیان! تجھ پر افسوس، رسول اللہ ﷺ نے ایک بات کا عزم کر لیا ہے لہٰذا

Marfat.com

ہم اس بارے میں آپ سے کوئی بات نہیں کر سکتے۔'' اس کے بعد ابوسفیان سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف متوجہ ہوا اور کہا: کیا آپ اپنے اس بیٹے کو حکم دے سکتی ہیں کہ وہ لوگوں کے درمیان پناہ دینے کا اعلان کر کے ہمیشہ کے لیے عرب کا سردار ہو جائے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: واللہ! میرا یہ بیٹا ابھی اس درجہ کو نہیں پہنچا کہ لوگوں کو پناہ دینے کا اعلان کر سکے اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہوتے ہوئے کون پناہ دے سکتا ہے؟ اب ابوسفیان نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ معاملہ نہایت سنگین ہو گیا ہے لہٰذا کوئی طریقہ بتلائیے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا۔ البتہ تم بنو کنانہ کے سردار ہو، لہٰذا کھڑے ہو کر لوگوں کے درمیان امان کا اعلان کر دو۔ اس کے بعد تم اپنے شہر واپس چلے جاؤ۔ ابوسفیان نے کہا: ''علی! کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ بات میرے لیے کچھ کارآمد ہو گی۔'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں، خدا کی قسم، میں اسے کارآمد تو نہیں سمجھتا لیکن اس کے علاوہ کوئی اور صورت بھی سمجھ میں نہیں آتی۔ چنانچہ ابوسفیان یہاں سے اٹھ کر سیدھا مسجد گیا اور کھڑے ہو کر بآواز بلند یہ اعلان کیا کہ لوگو! میں معاہدہ کی تجدید اور صلح کی مدت بڑھانے کا اعلان کرتا ہوں۔ یہ اعلان کرنے کے بعد وہ اونٹ پر سوار ہو کر مکہ واپس چلا گیا۔ جب وہ مکہ پہنچا تو قریش نے پوچھا: پیچھے کا کیا حال ہے؟ اس نے وہ مدینہ کی ساری سرگزشت سنا دی، لیکن جب مسجد نبوی میں کھڑے ہو کر اپنی طرف سے تجدید عہد اور توسیع صلح کے اعلان کا ذکر کیا تو قریش نے کہا: ''کیا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اسے نافذ کر دیا؟'' ابوسفیان نے کہا: ''نہیں۔'' قریش نے کہا: تیری تباہی ہو، علی رضی اللہ عنہ نے تیرے ساتھ مذاق کیا ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رضامندی اور اجازت کے بغیر تم کیسے مطمئن ہو گئے۔ تم لغو اور بیکار چیز لے کر آئے جس کا توڑنا ان پر کچھ مشکل نہیں۔ تم نہ صلح کی خبر لے کر آئے جس سے اطمینان ہوتا اور نہ جنگ کی خبر لائے کہ ہم تیار کرتے۔ ابوسفیان نے کہا: ''خدا کی قسم، اس کے علاوہ اور کوئی صورت نہ بن سکی۔'' اس کے بعد قریش کے مدبرین مستقبل کے لیے لائحہ عمل سوچنے کے لیے بیٹھ گئے۔'' (زرقانی: ۲/۲۹۳)

جنگ کے بارے میں رازداری:

احترام معاہدہ اور مظلوموں اور حلیفوں کی فریاد رسی کے علاوہ ایک اہم مسئلہ یہ بھی تھا کہ اگر اب اس معاملہ میں چشم پوشی سے کام لیا جائے گا تو قریش اور اس کے حلیفوں کی دست درازی سے دوسرے قبائل بھی محفوظ و مامون نہیں رہ سکتے جو اہل اسلام کے حلیف ہیں۔ چنانچہ معاہدہ کی پابندی، مظلوم فریق کی فریاد رسی اور اپنے حلیف قبائل کی آئندہ حفاظت کی غرض سے

Marfat.com

سرکار دو عالم ﷺ نے مکہ کا عزم فرمالیا لیکن اس کی تشہیر کو مناسب نہ سمجھا بلکہ پوری رازداری کے ساتھ تیاری کی گئی اور ہر ممکن کوشش کی گئی کہ اہل مکہ کو اس بارے میں کوئی خبر پہنچنے نہ پائے۔ آس پاس کے قبائل کو بھی تیاری کے لیے کہلا بھیجا۔

طبرانی کی ایک روایت میں ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے پیمان شکنی کی خبر آنے سے تین دن پہلے ہی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو حکم دے دیا تھا کہ آپ کا سازوسامان تیار کر دیں لیکن کسی کو پتہ نہ چلے۔ اس کے بعد سیدہ رضی اللہ عنہا کے پاس ان کے والد ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے، پوچھا: بیٹی! یہ کیسی تیاری ہے؟ سیدہ نے کہا مجھے کچھ معلوم نہیں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ بنو اصفر یعنی رومیوں سے جنگ کا وقت نہیں، پھر آپ کا ارادہ کس طرف کا ہے؟ سیدہ رضی اللہ عنہا نے کہا: واللہ مجھے علم نہیں۔ تیسرے روز علی الصبح عمرو بن سالم خزاعی ایک جماعت کے ساتھ آیا، آپ سے اس بارے میں مدد کی درخواست کی: (یا رب انی ناشد محمدا) تب لوگوں کو پتہ چلا کہ قریش نے عہد شکنی کی ہے۔ پھر بدیل آیا۔ پھر ابوسفیان آیا۔ تو لوگوں کو حالات کے تیور کا پتہ چلا۔ اس کے بعد سرکار دو عالم ﷺ نے تیاری کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ مکہ چلنا ہے اور ساتھ ہی یہ دعا بھی فرمائی کہ اے اللہ! جاسوسوں اور اس بارے میں خبروں کو قریش تک پہنچنے سے روک اور پکڑ لے تاکہ ہم ان کے علاقے میں ان کے سر پر یک دم جا پہنچیں۔

ایک طرف اس معاملہ کو نہایت رازداری میں رکھا گیا، دوسری طرف اصحاب بدر میں سے ایک شخص سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے ایک رقعہ لکھ کر ایک عورت کو دیا اور اسے کچھ معاوضہ دے کر یہ کہا کہ اس واقعہ کو قریش تک پہنچا دو۔ چنانچہ وہ سر کی چوٹی میں رقعہ چھپا کر مدینہ سے مکہ کے لیے روانہ ہوئی۔

لسانِ نبوت سے حکم صادر ہوا کہ علی رضی اللہ عنہ، زبیر رضی اللہ عنہ، مقداد رضی اللہ عنہ خاخ کے باغ میں فوری پہنچیں۔ (ایک روایت میں ابومرثد غنوی رضی اللہ عنہ کا نام بھی ہے) وہاں ایک شتر سوار عورت ملے گی۔ اس کے پاس ایک خط ہوگا۔ وہ خط چھین لائیں۔ آپ کا ارشادِ گرامی ہو اور صحابہ تعمیل نہ کریں، یہ تو سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ چنانچہ ارشادِ گرامی کی فوری تعمیل ہوئی۔ خاخ کا باغ مدینہ طیبہ سے قریباً بارہ میل تھا۔ یہ تینوں حضرات خدمت گرامی میں پیش ہوئے۔ پیغمبر ﷺ کا حکم سنتے ہی تینوں گھوڑے دوڑاتے ہوئے خاخ کے باغ میں پہنچے۔ وہاں آپ کی نشاندہی کے مطابق ایک عورت ملی۔ اونٹ بٹھلا کر اس کی تلاشی لی گئی لیکن کہیں خط نہ ملا۔ یہ تینوں صحابی پریشان ہو گئے لیکن پھر کہا: خدا کی قسم اللہ کا رسول کبھی غلط نہیں کہہ سکتا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس

Marfat.com

عورت سے کہا: میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ نہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی جھوٹ بولا اور نہ ہم جھوٹ کہہ رہے ہیں۔ خط تمہارے پاس موجود ہے۔ یا تو تم خود وہ خط نکال کر ہمیں دے دو ورنہ اگر تمہیں ننگا کر کے بھی تمہاری تلاشی لینا پڑی تو ہم اس سے نہیں چوکیں گے۔ جب اس عورت نے ان کی پختگی دیکھی تو کہا کہ اچھا تم لوگ منہ پھیرو۔ انہوں نے منہ پھیرا تو اس نے اپنی چوٹی میں سے یہ خط نکالا اور ان کے حوالے کر دیا۔

یہ حضرات خط لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے، خط پڑھا گیا۔ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی تھے۔ غزوہ بدر میں شرکت کا شرف بھی حاصل کر چکے تھے اور بھی کئی مہموں میں گئے تھے۔ یہ خط انہی سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ کی طرف سے مکہ مکرمہ کے چند رؤسا کے نام تھا۔ اس میں یہاں کے حالات کے بارے میں لکھا ہوا تھا کہ ”اے گروہ قریش! رسول اللہ ﷺ تم پر ایک لشکر لے کر پہنچ رہے ہیں بلکہ یوں سمجھئے کہ پہنچ چکے ہیں۔ لشکر جیسے ہلاکت و بربادی کی شب تاریک، سیلاب کی طرح رواں دواں، خدا کی قسم، اگر رسول اللہ ﷺ تم پر تنہا ٹوٹ پڑیں تو اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرے اور فتح و کامرانی کے وعدہ کو پورا فرمائے۔ اب تم خود اپنا انجام سوچ لو۔ والسلام!“

واقدی کی ایک روایت میں ہے کہ سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے سہیل بن عمرو، صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابی جہل کو یہ خط لکھا تھا کہ ”رسول اللہ ﷺ نے غزوہ کا اعلان کر دیا ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ حضور ﷺ کا ارادہ آپ لوگوں کے سوا کسی اور طرف کا ہو اور میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگوں پر میرا ایک احسان رہے۔ (فتح الباری: ۷/۵۲۱، زرقانی: ۲/۲۹۸)

خط میں صرف ایک اطلاع کہ اے اہل مکہ تم پر عنقریب حملہ ہونے والا ہے اور کوئی خاص اطلاع نہ تھی لیکن جب میر کارواں ﷺ اس حملہ کو مخفی رکھنا چاہتے تھے تو حاطب رضی اللہ عنہ کا انہیں خبر دینا عسکری اصولوں کے بالکل خلاف تھا۔ حالانکہ اس خط میں انہیں ڈرایا دھمکایا ہی گیا تھا۔ خط سامنے آیا تو سب حضرات کو حیرانگی ہوئی۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تو بے تاب ہو گئے۔ عرض کیا: ”یا رسول اللہ! اجازت ہو تو اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ یہ سب کچھ تھا لیکن جبین رحمت پر کوئی شکن نہیں تھی۔ نہایت تحمل اور بردباری کے ساتھ ارشاد فرمایا:

حاطب! ما ھذا؟ یہ کیا ہے؟

سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے نہایت عاجزانہ طور پر عرض کی: یا رسول اللہ! مجھے صفائی پیش کرنے کا موقع عطا فرمایئے۔ خدا کی قسم، اللہ اور اس کے رسول پر میرا ایمان ہے۔

Marfat.com

میں نہ تو مرتد ہوا ہوں اور نہ مجھ میں کوئی تبدیلی آئی ہے۔ آپ ﷺ نے نہایت شفقت سے فرمایا: بولو! کیا کہنا چاہتے ہو؟ عرض کیا:

"یہ درست ہے، بہت سے مہاجر بھائیوں کے اعزا واقربا مکہ میں مقیم ہیں۔ یہ قریشی ہیں، قریش سے ان کی رشتہ داری اور قریبی تعلقات ہیں اور ان کے اعزاء واقارب کی بھی رشتہ داری ہے جو مکہ میں مقیم ہیں۔ کوئی نازک وقت ہو تو یہ خطرہ نہیں کہ قریش ان پر ٹوٹ پڑیں گے۔ لیکن میرا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ میں قریشی نہیں ہوں۔ میں ایک حلیف کی حیثیت سے قریش کے ساتھ رہتا تھا۔ میرے اعزاء واقارب جو مکہ میں مقیم ہیں وہ بے یار ومددگار ہیں۔ ان کا کوئی رشتہ دار مکہ میں نہیں ہے۔ قریش سے ان کی کوئی رشتہ داری نہیں۔ مجھے خیال آیا کہ میں قریش پر کوئی احسان کروں تاکہ مشکل وقت میں وہ میرے رشتہ داروں اور اہل وعیال کو کوئی گزند نہ پہنچائیں۔ خدا جانتا ہے کہ مجھ میں نہ کفر ہے، نہ نفاق، نہ عظمت اسلام کے اعتراف میں انحراف ہے۔ صرف اتنی سی بات تھی جس کے لیے یہ حرکت کر بیٹھا۔"

یہ بات سن کر لسان نبوت سے نکلا: **انہ قد صدقکم** (بے شک حاطب نے تم لوگوں سے سچی بات کہہ دی)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ برہنہ تلوار لیے کھڑے تھے اور حاطب رضی اللہ عنہ کا سر قلم کرنے کی اجازت کے طلب گار تھے، آپ ﷺ نے انہیں مخاطب کر کے ارشاد فرمایا: دیکھو، یہ بدری ہیں، اور عمر، تمہیں کیا معلوم، ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کو خطاب کر کے فرما دیا ہو:

اعملوا ماشئتم فقد غفرت لکم.

"جو چاہو کرو، میں نے تمہیں بخش دیا۔"

سرور عالم ﷺ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ سن کر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اہل بدر کے مرتبہ کا پتہ چلا تو ان پر رقت طاری ہوگئی، آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے اور زبان سے نکلا: **اللہ و رسولہ اعلم** (اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔) (بخاری: ۱/۴۲۲، ۲/۲۱۶)

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو زرقانی: ۲/۲۹۸، البدایہ والنہایہ: ۴/۲۸۴، فتح الباری: ۷/۵۲۱)

غرض رسول اللہ ﷺ کی ان جنگی تیاریوں کی کوئی خبر قریش تک نہ پہنچ سکی۔

Marfat.com

مکہ کی راہ میں:

10 رمضان المبارک سنہ 8 ھ مطابق 22 دسمبر 629ء کو دس ہزار خدا پرست اور خدا شناس مجاہدین کا پُر وقار لشکر سید المرسلین ﷺ کی زیر قیادت اور زیر کمان مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوا۔ اسلامی لشکر کی یہ روانگی بعد نماز عصر ہوئی۔ (فتح الباری: ۴/۸) ازواج مطہرات میں سے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا آپ کے ہمراہ تھیں۔ جب آپ مقام ذوالحلیفہ یا جحفہ پہنچے تو آپ ﷺ کے عم محترم سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اپنے اہل وعیال کے ہمراہ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ جاتے ہوئے ملے۔ آپ ﷺ کے ارشاد کے مطابق سامان اور اہل وعیال تو مدینہ بھیج دیئے اور آپ ﷺ کے ساتھ لشکر اسلام میں شریک ہو کر جہاد کے لیے مکہ مکرمہ چل پڑے۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ ایمان تو پہلے لا ہی چکے تھے، لیکن قریش سے اپنا ایمان مخفی رکھا تھا۔ حضور ﷺ نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو فرمایا: ''عباس! آپ کی یہ ہجرت آخری ہجرت ہے جیسے میری نبوت آخری نبوت ہے۔'' سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اگرچہ مسلمان ہو چکے تھے لیکن مکہ میں قیام صرف حضور ﷺ کے حکم سے تھا تاکہ ان کی وساطت سے قریش کی کارگزاریوں کا پتہ چلتا رہے۔ (زرقانی: ۲/۳۰۰)

مقام ابواء پر (جو کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک بستی کا نام ہے اور آپ کی والدہ ماجدہ کی قبر بھی یہیں ہے) پہنچے تو آپ کے چچازاد بھائی ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب (جو آپ کے رضاعی بھائی بھی تھے، اعلان نبوت سے قبل آپ ﷺ کے نہایت گہرے دوست بھی تھے۔ کسی وقت آپ سے جدا نہ ہوتے تھے، اور جب آپ نے اعلانِ نبوت فرمایا تو آپ ﷺ کی ہجو میں شعر کہنے شروع کر دیئے) اور آپ ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی عبداللہ بن امیہ آپ سے ملے۔ (عبداللہ بن امیہ آپ کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے تھے۔ یہ بھی آپ ﷺ کے مکہ میں شدید مخالفین میں سے تھے) ان دونوں حضرات نے آپ ﷺ سے ملنا چاہا، لیکن آپ ﷺ نے شرف باریابی نہ بخشا، کیونکہ آپ ﷺ نے ان دونوں سے بہت تکلیفیں اٹھائی تھیں۔ سیدہ ام سلمہ سلام اللہ علیہا نے ان دونوں کی سفارش کی اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ایک آپ کا چچازاد بھائی اور دوسرا پھوپھی زاد بھائی، لہٰذا آپ انہیں مل لیں۔ آپ نے فرمایا: مجھے ان سے ملنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ چچیرے بھائی نے میری آبروریزی کی اور پھپھیر۔بھائی نے مکہ میں مجھے یہ کہا تھا کہ خدا کی قسم! میں تجھ پر ہرگز ایمان نہ لاؤں گا اگرچہ تو

Marfat.com

سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھ جائے اور میں اپنی آنکھوں سے تمہیں دیکھ رہا ہوں اور ایک دستاویز لے کر آسمان سے اترے اور چار فرشتے تیرے ساتھ ہوں جو اس بات کی تصدیق کریں کہ اللہ نے تجھے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ پھر بھی میں تجھ پر ایمان نہ لاؤں گا۔

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ! جب ان سے بھی بڑے دشمن آپ کے مکارم اخلاق سے بہرہ یاب ہوئے تو آپ کے چچا زاد اور پھوپھی زاد بھائی اس سے کیوں محروم رہیں؟ ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب کو جب پتہ چلا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملنے سے اعراض فرما رہے ہیں تو اس نے کہلا بھیجا کہ اگر آپ اپنی بارگاہ میں حاضری کی اجازت نہ دیں گے تو میں اپنے بیٹے جعفر (اس کا بیٹا جعفر بھی اس کے سات تھا) کو ساتھ لے کر صحرا میں نکل جاؤں گا اور وہاں بھوکا پیاسا اپنی جان دے دوں گا۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی ندامت اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی سفارش کے پیش نظر ان دونوں کو اپنی بارگاہ میں حاضری کی اجازت مرحمت فرما دی۔ حاضر ہوتے ہی یہ دونوں مشرف باسلام ہو گئے۔

ایک روایت میں ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سفیان بن حارث کو یہ کہا کہ آپ کے چہرہ انور کے سامنے کھڑے ہو کر وہ کہیں جو یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ان سے کہا تھا:

تاللہ لقد اثرک اللہ علینا وان کنا لخاطئین۔ (۱۲:۹۱)

''اللہ کی قسم، بے شک اللہ نے آپ کو ہم پر فضیلت بخشی اور یقیناً ہم خطا کار تھے۔''

ابوسفیان بن حارث نے یہی کہا اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں یہی فرمایا:

لاتثریب علیکم الیوم، یغفراللہ لکم وھوارحم الراحمین۔ (۱۲:۹۲)

''آج تم پر کوئی الزام نہیں، اللہ تعالیٰ تمہارا قصور معاف فرمائے، وہ سب سے بڑا مہربان ہے۔''

یہ دونوں بھی جانبازی اور سرفروشی کے لیے آپ کے ہمرکاب ہو گئے۔

(زرقانی: ۲/۳۰۲)

ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ نے پھر چند اشعار بھی کہے جن کا ترجمہ یہ ہے:

''تیری عمر کی قسم، جس وقت میں نے اس مقصد کے لیے جھنڈا اٹھایا تھا کہ لات کے شہسوار محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شہسواروں پر غالب آجائیں، اس

Marfat.com

وقت میری یہ کیفیت تھی کہ جیسے ایک مسافر تیرہ و تار رات میں حیران و سرگرداں ہو، لیکن الحمدللہ! اب یہ وہ وقت ہے کہ مجھے ہدایت دی جا رہی ہے اور میں ہدایت پا رہا ہوں۔ مجھے میرے نفس کے بجائے ایک ہادی نے ہدایت دی، اور اللہ کا راستہ اس شخص نے مجھے بتایا جسے میں نے ہر موقع پر دھتکار دیا تھا۔"

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے ان کے سینے پر ایک ضرب لگائی اور فرمایا تم نے مجھے ہر موقع پر دھتکارا تھا۔ (عیون الاثر: ۲/ ۲۲۸، ابن ہشام: ۲/۴۰۱)

حافظ ابن سید الناس نے لکھا ہے کہ بعد میں سیدنا ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ اسلام میں اس قدر پختہ ہو گئے کہ قبول اسلام کے بعد احیاء کے سبب سے رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ انور کی طرف کبھی سر اٹھا کر نہ دیکھا۔ رسول اللہ ﷺ بھی ان سے بڑی محبت فرماتے تھے۔ آپ نے ان کے لیے جنت کی بشارت دی اور فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ یہ سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا بدل ثابت ہوں گے۔ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو فرمانے لگے: مجھ پر ہرگز نہ رونا کیونکہ اسلام لانے کے بعد میں نے کبھی کوئی گناہ کی بات نہیں کہی۔"

(عیون الاثر: ۲/ ۲۲۸، زادالمعاد: ۲/۱۶۳)

رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ ان قدسی صفات مردانِ کار کا دس ہزار کا لشکر اور ان کے قائد ﷺ روزے سے تھے۔ عسفان اور قدید کے درمیان کدید نامی چشمے پر پہنچ کر پہلے آپ نے روزہ افطار فرمایا۔ پھر آپ کی اتباع میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے روزہ توڑا۔ (بخاری: ۲/۶۱۳) اس کے بعد آپ نے سفر جاری رکھا یہاں تک کہ آپ عشاء کے وقت مرالظہران (وادی فاطمہ) پہنچ گئے اور وہاں نزول فرمایا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو پہرے پر مقرر کیا گیا۔

(طبقات ابن سعد: ۲/ ۱۳۵)

مرالظہران میں پڑاؤ:

رات کا پہلا پہر تھا۔ جب آپ نے دس ہزار قدسیوں کے ساتھ مکہ کے قریب نزول فرمایا۔ یہ مقام مکہ سے قریبًا ایک منزل پر ہے۔ دس ہزار مجاہدین اسلام کے خیمے پوری وادی میں پھیل گئے اور پھر آپ کے حکم سے رات کے وقت خیموں کے سامنے الاؤ جلائے گئے تو ایسا معلوم ہونے لگا کہ گویا ایک شہر آباد ہو گیا ہے۔

Marfat.com

جس راز داری کے ساتھ یہ سفر کیا گیا اس کی کامیابی یہ تھی کہ قریش کو اب تک مسلمانوں کے لشکر کی روانگی کا پتہ نہ چلا۔ قریش کو اپنی پیمان شکنی کی وجہ سے دغدغہ لگا ہوا تھا کہ خدا معلوم سرور عالم ﷺ کب ہم پر حملہ آور ہو جائیں، اور یہ بھی ہے کہ قریش کے کچھ سرداروں کے کانوں میں یہ بھنک پڑی ہوئی تھی کہ ایک بہت بڑا لشکر آ رہا ہے۔ اسی بھنک کی تفتیش کی غرض سے مخفی طور پر قریش کے چند رؤسا اور سردار ابوسفیان بن حرب، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء جو مکہ سے اسی چھان بین کے لیے نکلے ہوئے یہاں پہنچ گئے، اس وسیع وعریض میدان کو جو میلوں کی وسعت کو اپنی آغوش میں لیے ہوئے تھا، جگمگاتا دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئے۔ انہیں اس بات کا وہم وگمان بھی نہ ہوا کہ یہ شان وشوکت اور آگ کے الاؤ کا یہ بحر ناپیدا کنار محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کا ہے جن کو چند سال پہلے سب کچھ چھین کر نہایت کسمپرسی کی حالت میں مکہ سے نکالا گیا تھا۔ خزاعہ وغیرہ قبائل کی طرف ان کا توسنِ خیال دوڑنے لگا۔ سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ خدا کی قسم، میں رسول اللہ ﷺ کے سفید خچر پر سوار جا رہا تھا کہ مجھے ابوسفیان اور بدیل بن ورقاء کی گفتگو سنائی دی۔ وہ باہم تکرار اور رد وقدح کر رہے تھے۔ ابوسفیان کہہ رہا تھا کہ اللہ کی قسم، میں نے جیسی آگ اور جیسا لشکر آج رات دیکھا ہے اس سے پہلے اتنا بڑا لشکر کبھی نہیں دیکھا۔ بدیل بن ورقاء اس کے جواب میں کہہ رہا تھا ''خدا کی قسم، یہ بنوخزاعہ کا لشکر ہے۔ جنگ نے انہیں چھیل کر رکھ دیا ہے۔'' اس پر ابوسفیان کہہ رہا تھا: خزاعہ اس سے کہیں کم تر اور ذلیل ہیں کہ ان کی آگ اور ان کا لشکر ہو۔ (عیون الاثر: ۲/ ۲۲۸)

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کی یہ گفتگو اس وجہ سے سن لی کہ جونہی اس لشکر نے مرالظہران میں پڑاؤ ڈالا، سیدنا عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے سفید خچر پر سوار ہو کر نکلے تاکہ اگر کوئی لکڑہارا یا کوئی آدمی مل جائے تو اس کے ذریعہ قریش کو یہ خبر بھجوائی جائے تاکہ وہ آپ ﷺ کے مکہ میں داخلہ سے پہلے آپ کے پاس حاضر ہو کر امان طلب کر لیں۔ (عیون الاثر: ۲/ ۲۲۸)
اب لکڑہارے یا ایک آدمی کے بجائے انہیں مکہ کا سردار ابوسفیان مل گیا۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوسفیان کی آواز پہچان لی اور میں نے کہا: ''ابوحنظلہ!'' اس نے بھی اندھیرے میں میری آواز پہنچان لی اور بولا: ''ابوالفضل!'' میں نے کہا: ''ہاں۔'' اس نے کہا: ''کیا بات ہے؟'' میرے ماں باپ تجھ پر قربان۔ میں نے کہا: ''یہ رسول اللہ ﷺ ہیں، اپنے ساتھیوں کے ساتھ۔ واللہ! ہائے قریش کی تباہی۔

ابوسفیان نے کہا: اب کیا کیا جائے؟ میرے ماں باپ تجھ پر قربان۔ میں نے کہا: خدا

Marfat.com

کی قسم، اگر انہوں نے تمہیں پالیا تو تمہاری گردن ماردیں گے، لہٰذا اس خچر پر تم میرے پیچھے بیٹھ جاؤ، میں تمہارے لیے امان طلب کرتا ہوں۔ چنانچہ ابوسفیان میرے پیچھے بیٹھ گیا اور اس کے دونوں ساتھی (بدیل بن ورقاء اور حکیم بن حزام) واپس چلے گئے۔

اب اس کو وہ بارگاہِ نبوت میں پیش کرنے کے لیے لے جانے لگے تو سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے مناسب سمجھا کہ ابوسفیان کو پورے لشکر کا ایک چکر لگوا دیں تاکہ وہ اپنی آنکھوں سے لشکر اسلامی کی عظمت اور شوکت کو دیکھ لے اور یہ بھی ملاحظہ کرلے کہ اسلام کس طرح قبائل عرب کو فتح کر چکا ہے اور اب ان کے لیے بہتر کیا ہے؟ یہ خود غور وفکر کرلیں۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کو اپنے پیچھے خچر پر بٹھالیا اور قبائل کے خیموں کا گشت کرانے لگے۔ خود فرماتے ہیں کہ جب میں کسی الاؤ کے پاس سے گزرتا تو لوگ پوچھتے کون ہے؟ لیکن جب دیکھتے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خچر ہے اور میں اس پر سوار ہوں تو کوئی تعرض نہ کرتے۔ یہاں تک کہ میں سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے الاؤ کے پاس سے گزرا۔ انہوں نے پوچھا: کون ہے؟ اور اٹھ کر میری طرف آئے۔ جب انہوں نے میرے پیچھے ابوسفیان کو بیٹھے دیکھا تو کہنے لگے: ''ابوسفیان، اللہ اور اس کے رسول کا دشمن، الحمد للہ بغیر کسی عہد و پیمان کے ہاتھ آ گیا'' اور تلوار لے کر لپکے کہ دشمن اسلام ابوسفیان کو اس سے پہلے ختم کر دیں کہ وہ بارگاہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جا کر پروانہ امن حاصل کر سکے۔ لیکن سیدنا عباس رضی اللہ عنہ جہان دیدہ آدمی تھے، وہ اس بات سے غافل نہیں تھے کہ عمر رضی اللہ عنہ کا کیا ارادہ ہے؟ انہوں نے فوراً خچر کو ایڑ لگائی اور تیز کر دیا۔ فرماتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خیمہ میں پہنچ گیا۔ اتنے میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی خیمہ میں گھس آئے۔ اب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اصرار تھا کہ ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اجازت دیجیے کہ اس فتنہ مجسم کے بوجھ سے زمین کو ہلکا کر دوں۔'' سیدنا عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں نے ابوسفیان کو پناہ دی ہے۔ جب ابوسفیان کے بارے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بار بار قتل کے لیے کہا تو میں نے کہا: ''عمر! ٹھہرو، خدا کی قسم، اگر بنو عدی بن کعب (سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قبیلہ) کا آدمی ہوتا تو تم ایسی بات نہ کہتے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''عباس رضی اللہ عنہ! خدا کی قسم، تمہارا اسلام لانا میرے نزدیک خطاب کے اسلام لانے سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب ہے اور اس کی وجہ میرے نزدیک صرف اور صرف یہ ہے کہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک تمہارا اسلام لانا خطاب کے اسلام لانے سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب ہے۔''
بہرحال دونوں حضرات میں تیز تیز باتیں بھی ہوئیں لیکن جان بخشی اور امان کی جو دیوار پختہ ہو

Marfat.com

چکی تھی وہ منہدم نہ ہوئی۔

یہ بحث ختم ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ اس وقت ابو سفیان کو اپنے خیمہ میں لے جائیں اور صبح کو اپنے ساتھ لائیں۔ ایک روایت میں ہے کہ ابو سفیان کے دونوں ساتھی مکہ واپس جانے کے بجائے پہلے ہی رحمت عالم ﷺ کے حضور پہنچ کر اسلام سے مشرف ہو چکے تھے اور آپ نے ان دونوں (بدیل بن ورقاء اور حکیم بن حزام) سے حالات دریافت فرمائے۔ پھر یہ دونوں آپ سے اجازت لے کر رات ہی کو واپس مکہ چلے گئے تا کہ اہل مکہ کو صورت حال سے آگاہ اور انہیں پر امن رہنے کی ہدایت کر دیں اور بتا دیں کہ اب لڑنے کا کوئی فائدہ نہیں، اب تم لوگوں میں آپ ﷺ کی فوج کا مقابلہ کرنے کی طاقت ختم ہو گئی ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ ابو سفیان کو اپنے خیمہ میں لے گئے اور صبح کے وقت اس کو لے کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے۔ ابو سفیان کو اپنے تمام کارنامے یاد ہوں گے۔ اسلام کو نیست و نابود کرنے کی مسلسل کوشش، مدینہ طیبہ پر احد و احزاب کی شکل میں بار بار حملے، قبائل عرب کو آپ ﷺ کے خلاف مشتعل کرنا وغیرہ وغیرہ۔ ان میں سے ہر ایک جرم ابو سفیان کے خون کا مطالبہ کر رہا تھا، لیکن ابو سفیان اپنی جگہ پر مطمئن تھا کہ وہ اس صادق و امین کے حضور میں حاضر ہے جس کے کسی بھی ساتھی کی زبان کا لفظ ''امان'' وہ پختہ حصار ہے جس کو توڑا نہیں جا سکتا۔ لیکن لسانِ نبوت نے اس کے ان سنگین جرائم میں سے کسی جرم کا تذکرہ نہیں کیا بلکہ آپ نے ابو سفیان کو دیکھ کر فرمایا: ''ابو سفیان! تم پر افسوس، کیا تمہیں اب تک پتہ نہیں چلا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔'' ابو سفیان نے کہا: ''میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ کتنے بردبار، کتنے کریم، کتنے حلیم اور کتنے صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔ حسن سلوک اور آپ کی صداقت و عفت کا قائل ہوں۔ آپ کے مکارم اخلاق کو تسلیم کرتا ہوں، میں اچھی طرح سمجھ چکا ہوں کہ اللہ کے سوا اگر کوئی اور الٰہ ہوتا تو آج ہمارے کام آتا۔

آپ نے پھر فرمایا. ابو سفیان تم پر افسوس، کیا تمہارے لیے اب بھی وقت نہیں آیا کہ تم یہ جان سکو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ ابو سفیان نے پھر کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ کس قدر حلیم و کریم اور صلہ رحمی کرنے والے ہیں، لیکن آپ کی نبوت کے بارہ میں اب بھی دل میں کچھ نہ کچھ کھٹک رہا ہے۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے اشارہ کیا کہ اس وقت اس بحث کا موقع نہیں ہے۔ کلمہ شہادت پڑھ لو، ابو سفیان کو بھی احساس ہوا، چنانچہ انہوں نے کہا:

Marfat.com

اشهدان لا اله الا الله واشهدان محمدا رسول الله.

ابوسفیان کی طرح اور بھی کئی لوگ تھے کہ ان ہنگامی حالت میں ان کا ذہن صاف نہیں تھا، لیکن رعب یا ڈرانے دھمکانے سے کسی کا ذہن صاف نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ یہ طریقہ اختیار نہیں کیا گیا بلکہ تالیف قلب کا طریقہ اختیار کیا گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دو تین ہفتہ کی مدت میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ اور اطراف مکہ میں تشریف فرما رہے، ذہنوں کی تمام الجھنیں اور دلوں کی تمام کھٹک جاتی رہی اور یہ مولفتہ القلوب کامل الایمان ہو گئے۔ چنانچہ ابوسفیان کا اپنا اقرار ہے کہ اللہ نے میرے دل میں اسلام کو داخل کر دیا۔ (بخاری: ۱/۴۱۳) پھر یہی ابو سفیان رضی اللہ عنہ تھے کہ اپنی دونوں آنکھیں کفر کے خلاف جہاد میں قربان کر دیں۔

(ملاحظہ ہو احقر کی کتاب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ شخصیت اور کردار: جلد ۱)

ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کر لینے کے بعد سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا: ابوسفیان سرداران مکہ میں سے ہے، لہٰذا آپ اس کے لیے کوئی مناسب معاملہ کر دیں جو اس کے لیے باعث عزت و شرف اور موجب امتیاز ہو۔ ارشاد فرمایا: اعلان کر دو کہ جو ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو اس کے لیے امن ہے۔'' ابوسفیان نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرا گھر کوئی اتنا بڑا نہیں۔ اس میں سب آدمی کہاں سما سکتے ہیں؟ فرمایا: ''جو شخص مسجد حرام میں داخل ہو جائے اس کے لیے امان ہے۔'' ابوسفیان نے کہا: یا رسول اللہ! مسجد حرام میں اتنے آدمی کہاں آسکتے ہیں؟ فرمایا: ''اچھا جو شخص اپنا دروازہ اندر سے بند کر لیے وہ بھی مامون ہے۔''

(مسلم: ۲/۱۰۴، المصنف عبدالرزاق: ۵/۳۷۶، المصنف ابن ابی شیبہ: ۱۴/۴۹۶، زاد المعاد: ص۲، البدایہ والنہایہ: ۴۳/۲۹۰، عیون الاثر: ۲/۲۲۹، نسب قریش: ص۱۲۲، طبقات: ۲/۹۸)

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ دور جاہلیت میں بھی سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہ میں دوستی اور ہم نشینی تھی۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ بنو ہاشم اور بنو امیہ کے اکابر اور بزرگ آپس میں دوستی رکھتے تھے، چنانچہ انہی قدیم مراسم کے تحت ان دونوں کی بھی آپس میں دوستی اور ہم نشینی تھی۔ اسی دوستی کے تحت سیدنا عباس رضی اللہ عنہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس نرمی اور بردباری سے پیش آ رہے تھے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو الاستیعاب: ۴/۱۸۶، اسد الغابہ: ۵/۲۱۶، کتاب المحبر لابی جعفر محمد بن حبیب: ص ۱۷۵)

ابوسفیان جو کچھ بھی تھا ذاتی طور پر ایک شریف انسان تھا۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے اپنی

Marfat.com

کتاب ''محمد رسول اللہ ﷺ'' میں لکھا ہے کہ

''مکہ میں نیک دل اشراف کی بھی کمی نہ تھی۔ جب کچھ آوارہ لڑکے (بڑوں کے ایمان پر) مکہ کی گلیوں میں رسول اللہ ﷺ کا تعاقب کرتے اور ان پر پتھر وغیرہ پھینکتے، اس وقت اگر رسول اللہ ﷺ ابوسفیان کے گھر کے قریب ہوتے تو حضور ﷺ اس گھر میں پناہ حاصل کر سکتے تھے۔ ابوسفیان خود آوارہ چھوکروں کو ڈانٹ کر بھگا دیتے۔ جب یہ آوارہ منش لڑکے بھاگ جاتے تو سرکار دو عالم ﷺ اپنی راہ لیتے۔ ایک روز بزدل اور کمینے ابوجہل نے رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے منہ پر تھپڑ مارا اور وہ رونے لگیں۔ ابوسفیان ادھر سے گزر رہے تھے، انہوں نے سیدہ رضی اللہ عنہا سے رونے کا سبب پوچھا۔ جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے انہیں تمام ماجرا سنایا تو ابوسفیان نے سیدہ رضی اللہ عنہا کو بازو سے پکڑ لیا اور سیدھے ابوجہل کے پاس گئے اور اس کے دونوں ہاتھ قابو کر لیے۔ پھر انہوں نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ وہ ابوجہل کے منہ پر تھپڑ ماریں اور اپنا بدلہ چکائیں۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے ابوجہل کو تھپڑ مارا اور مسکراتی ہوئی چلی گئیں۔ فطری بات ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو وہ ابوسفیان کے لیے اظہار تشکر کے بغیر نہ رہ سکے۔''

اس واقعہ سے ابوسفیان کی ذاتی شرافت ضوفشاں ہے۔ آپ کی زندگی جو کفر میں گزری، اس کے کسی واقعہ سے یہ اجاگر نہیں ہوتا کہ انہوں نے کسی مسلمان پر یا خود حضور ﷺ پر کوئی سختی کی ہو۔

مرالظہران سے روانگی:

17 رمضان المبارک سنہ 8ھ کو صبح سرکار دو عالم ﷺ نے لشکر کو روانگی کا حکم فرمایا تو سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ابوسفیان کو پہاڑ کی چوٹی پر لے کر کھڑا کر دو تاکہ وہ لشکر اسلام کی شان و شوکت کو بخوبی اپنی آنکھوں سے دیکھ سکے۔ اسلامی لشکر میں الگ الگ قبیلوں کے دستے تھے، ان کے اپنے علم تھے، اپنے علم بردار تھے۔ ہر بٹالین یکے بعد دیگرے ابوسفیان کے سامنے سے گزرنے لگی۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ بدیل بن ورقاء اور حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بھی اہل مکہ کو اسلامی لشکر کے بارے میں آگاہ کرنے کے بعد واپس یہاں پہنچ گئے تھے۔ ابوسفیان نے سرزمین عرب میں ایسا نظام اس سے قبل کب دیکھا تھا۔ وہ خدا پرست اور خدا شناس مجاہدین کا یہ

Marfat.com

لشکر جرار دیکھ کر نہایت متاثر ہوا کہ کس شان وشوکت کے ساتھ وہ گزر رہے ہیں۔ آٹھ سال قبل تو حضور ﷺ کو ہم نے اس شہر سے نکالا تھا۔ ان کے قتل کا منصوبہ بنایا تھا لیکن آج وہی شخص بایں شکوہ ایک بھاری جمعیت کے ساتھ اسی شہر میں داخل ہو رہا ہے۔ چنانچہ ابوسفیان نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے کہا:

یا ابا الفضل القد اصبح ملک ابن اخیک الیوم عظیما.

"ابوالفضل! تمہارے بھائی کے بیٹے کی سلطنت بہت عظیم ہوگئی ہے۔"

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے فوراً ٹوکا۔ یہ سلطنت نہیں، نبوت ہے، یعنی سیاست، اقتدار اور جبر وقہر نے یہ نظام قائم نہیں کیا جو سلطنت کی خصوصیت ہے بلکہ پیغمبرانہ صداقت، دیانت وامانت اور اعلیٰ اخلاق نے دلوں کو رام کیا ہے۔ پھر دعوت الی اللہ کے نصب العین پر سب کو متحد کر کے ایثار وفدائیت کا یہ نظام بنایا ہے، جس کا مقصد ذاتی اور قومی اقتدار نہیں بلکہ خدا شناسی، خدا پرستی، خدمت خلق، اعلاء کلمۃ الحق اور اس پر اپنی جان قربان اور فداء کرنا۔

ابوسفیان پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے اسلامی لشکر کے دستوں کو دیکھ رہا تھا اور یہ خدائی فوج ایک نرالی شان کے ساتھ اس کے سامنے سے گزر رہی تھی۔ قبائل اپنے اپنے پرچم لیے گزر رہے تھے۔ جب کوئی قبیلہ اپنا جھنڈا لیے گزرتا تو ابوسفیان پوچھتا یہ کون لوگ ہیں؟ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ جواب میں فرماتے کہ یہ فلاں قبیلہ ہے۔ ابوسفیان کہتا مجھے اس قبیلہ سے کیا واسطہ؟ سب سے پہلے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ایک ہزار یا نوسو سپاہیوں پر مشتمل دستہ کو لے کر گزرے۔ پھر بعد میں مختلف قبائل کے دستے گزرتے رہے اور ابوسفیان ان کو دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔ پھر آخر میں کوکبہ نبوی ظاہری اور باطنی شکوہ وجلال کے ساتھ، مہاجرین وانصار کے مسلح اور زرہ پوش گروہ کے درمیان جلوہ افروز ہوا۔ مہاجرین کا علم سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا اور انصار کا علم سیدنا سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ یہاں انسانوں کے بجائے صرف لوہے کی باڑھ دکھائی دے رہی تھی۔ ابوسفیان نے پوچھا: ابوالفضل! یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا یہ انصار ومہاجرین کے جلو میں سرکار دو عالم ﷺ جلوہ فرما ہیں۔

سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ قبیلہ خزرج کے سردار ہاتھ میں انصار کا پرچم لیے ہوئے جب گزر رہے تھے تو ان کی نظر ابوسفیان پر پڑی۔ ابوسفیان کو دیکھ کر جوش آیا کیونکہ اسے ہر لڑائی کے میدان میں قریش کے لشکر کی کمان کرتے دیکھا تھا۔ اس لیے فرط جوش میں یہ کہہ اٹھے:

الیوم یوم الملحمہ   الیوم تستحل الکعبہ

Marfat.com

''آج گھمسان کا دن ہے۔ آج کعبہ میں قتل وقتال حلال ہوگا۔''

ابوسفیان نے گھبرا کر پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ مہاجرین وانصار کا دستہ ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلوہ فرما ہیں۔ ابوسفیان کی نظر جو چہرہ انور پر پڑی تو پکار اٹھے:

''حضور! آپ نے سنا، سعد بن عبادہ کیا کہتے ہوئے گئے۔'' پھر سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی بات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنائی۔ ارشاد فرمایا: ''سعد رضی اللہ عنہ نے غلط کہا ہے۔ آج تو خانہ کعبہ کی بے حرمتی نہیں ہوگی بلکہ آج کا دن وہ دن ہے کہ اللہ تعالیٰ کعبہ کی عظمت میں اور اضافہ کرے گا۔'' سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہمیں خطرہ ہے کہ کہیں سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ قریش کے اندر مار دھاڑ نہ مچا دیں، کیونکہ ان کے جذبات مچلے ہوئے ہیں۔ آپ نے اسی وقت ان کے پاس آدمی بھیجے اور سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے جھنڈا لے کر ان کے صاحبزادے قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔ (فتح الباری: ۸/ ۸)

اسلامی لشکر مکہ میں:

جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزر گئے تو سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان سے کہا: ''اب دوڑ کر اپنی قوم کے پاس جاؤ۔'' ابوسفیان نہایت تیزی سے مکہ پہنچا اور نہایت بلند آواز سے اعلان کیا: ''قریش کے لوگو! محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے پاس اتنا بڑا لشکر لے کر آئے ہیں کہ کسی کی طاقت نہیں کہ اس کا مقابلہ کر سکے۔ اسلام لے آؤ، سلامت رہو گے، لہٰذا جو ابوسفیان کے گھر میں گھس جائے، اسے امان ہے۔'' ابوسفیان کی بیوی ہند جو ابھی اسی ترنگ میں تھی، یہ سن کر بھڑک اٹھی اور ابوسفیان کی مونچھیں نوچ لیں اور چلا کر بولی: ''اے بنی کنانہ! یہ پیر فرتوت پاگل ہو گیا ہے۔ کوئی اس کی بات نہ مانے، معلوم نہیں کیا کیا بک رہا ہے'' اور بہت برا بھلا کہا۔'' لوگ جمع ہو گئے کہ ان دونوں کو کیا ہو گیا۔ ابوسفیان نے کہا: ''بی بی! خیریت اسی میں ہے جو میں کہہ رہا ہوں، ورنہ تباہ ہو جائے گی۔ گھر میں جا کر دروازہ بند کر کے بیٹھ جا۔'' پھر لوگوں سے کہا: ''تمہاری بربادی ہو، دیکھو، تمہاری جانوں کے بارے میں یہ عورت دھوکہ میں نہ ڈال دے، کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنا بڑا لشکر لے کر آئے ہیں کہ جس سے مقابلہ کی کسی میں طاقت نہیں۔ اس لیے جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اسے امان ہے۔'' لوگوں نے کہا: اللہ تجھے غارت کرے، تیرا گھر ہمارے کتنے ادمیوں کے کام آ سکتا ہے؟ ابوسفیان نے کہا جو شخص اپنا

Marfat.com

دروازہ بند کر لے اسے بھی امان ہے۔ میں تم سے سچی بات کہہ رہا ہوں۔ یہ سن کر لوگ اپنے اپنے گھروں اور مسجد حرام کی طرف بھاگے۔ البتہ اپنے کچھ اوباشوں کو لگا دیا اور کہا کہ انہیں ہم آگے کیے دیتے ہیں، اگر قریش کو کچھ کامیابی ہوئی تو ہم ان کے ساتھ رہیں گے اور اگر ان پر ضرب لگی تو ہم سے جو کچھ مطالبہ کیا جائے گا، منظور کر لیں گے۔

رسول اللہ ﷺ مرالظہران سے روانہ ہو کر ذی طویٰ پہنچے۔ اس اعزاز فتح پر فرط تواضع سے آپ نے اپنا سر جھکا رکھا تھا، یہاں تک کہ داڑھی کے بال کجاوے کی لکڑی سے لگ رہے تھے۔ ذی طویٰ میں آپ نے لشکر کی ترتیب و تقسیم یوں فرمائی: خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو دائیں پہلو پر رکھا اور ان کے دستہ میں اسلم، سلیم، غفار، مزینہ، جہینہ اور کچھ دیگر عرب قبائل تھے۔ اور خالد کو حکم فرمایا کہ وہ مکہ میں زیریں حصہ سے داخل ہوں اور اگر قریش میں سے کوئی آڑے آئے تو کاٹ کر رکھ دیں اور صفا پر آپ سے آملیں۔

سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ بائیں پہلو پر تھے۔ ان کے ہاتھ میں رسول اللہ ﷺ کا پرچم تھا۔ انہیں حکم ہوا کہ مکہ میں بالائی حصہ یعنی کداء سے داخل ہوں اور مقام حجون پر جھنڈا نصب کر کے آپ ﷺ کی آمد تک وہیں ٹھہرے رہیں۔ (فتح الباری: ۸/۸)

سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ پیادے پر مقرر تھے۔ انہیں حکم فرمایا کہ وہ بطن وادی سے مکہ میں داخل ہونے کا راستہ پکڑیں یہاں تک کہ مکہ میں حضور ﷺ کے آگے اتریں۔

ذی طویٰ سے پیغمبر اسلام ﷺ کی ہدایات کے مطابق اسلامی لشکر کے تمام دستے اپنے اپنے مقررہ راستوں سے چل پڑے۔ خود پیغمبر اسلام ﷺ نہایت تواضع کے ساتھ بادشاہوں کی شاہانہ شان سے نہیں، بلکہ سر جھکائے ہوئے، مکہ میں داخل ہوئے۔ بخاری کی روایت کے مطابق آپ ناقہ پر سوار نہایت خوش الحانی سے سورہ فتح پڑھ رہے تھے۔ ایک وقت تھا کہ آپ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے معیت میں نہایت بے بسی اور بے کسی کی حالت میں یہاں سے نکلے تھے اور آج وہ وقت ہے کہ آپ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ اللہ کی نصرت سے فاتحانہ طور پر اس شہر میں داخل ہو رہے ہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ سرور کائنات ﷺ کے داخلہ کی شان یہ تھی کہ آپ اپنی ناقہ پر سوار، اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ آپ کے ردیف، سر پر سیاہ عمامہ اور زبان مبارک پر سورہ فتح جو رقت انگیز انداز سے تلاوت فرما رہے تھے۔ خشوع و خضوع کا یہ عالم کہ سر مبارک جھکتے جھکتے ہودج کے کنارے سے لگ گیا تھا، جبین نبوت اسی ہودج کے کنارے پر سجدہ ریز تھی۔

Marfat.com

سرکار دو عالم ﷺ مکہ کی بالائی جانب سے مکہ میں داخل ہوئے۔ جبکہ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اسفل مکہ سے داخل ہونے کا حکم تھا اور یہ تاکید کی تھی کہ خود قتال کی ابتداء نہ کرنا۔ لیکن خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جب اسفل سے مکہ میں داخل ہوئے تو بنو بکر اور بنو حارث بن عبد مناۃ اور کچھ قبیلہ ہذیل اور کچھ اوباش قریش مقابلہ کے لیے جمع تھے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ جب خندمہ پہنچے تو ان لوگوں نے ہلہ بول دیا، لیکن خالد رضی اللہ عنہ تو خالد رضی اللہ عنہ تھے، اللہ کی تلوار کا مقابلہ کون کر سکتا تھا؟ جب انہوں نے ان کے اس ہلہ کا جواب دیا تو سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ بنو بکر کے قریباً بیس آدمی اور بنو ہذیل کے تین یا چار آدمی قتل ہوئے۔ باقی ماندہ مشرکین میں بھگدڑ مچ گئی۔ کوئی مکان میں جا کر چھپ گیا اور کوئی پہاڑ پر چڑھ گیا۔ حماس بن قیس جو مسلمانوں سے جنگ کے لیے ہتھیار ٹھیک کرتا رہتا تھا، بھاگ کر اپنے گھر میں جا گھسا اور اپنی بیوی سے کہنے لگا: دروازہ بند کرلو۔ اس نے کہا: وہ کہاں گیا جو تم کہا کرتے تھے۔ کہنے لگا:

''اگر تم نے خندمہ کے معرکہ کا حال اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوتا جب صفوان اور عکرمہ بھاگ کھڑے ہوئے اور سونتی ہوئی تلواروں نے ہمارا استقبال کیا جو کلائیوں اور کھوپڑیوں کو اس طرح کاٹتی جا رہی تھیں کہ سوائے شور و غوغا اور ہمہمہ کے اور کچھ سنائی نہ دیتا تھا تو تو ملامت کا ایک ادنیٰ کلمہ بھی زبان سے نہ نکالتی۔''

(عیون الاثر: ۲/۲۳۴)

ان حملہ آوروں میں صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو اور عکرمہ بن ابی جہل بھی تھے۔ جونہی سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا دستہ قریب پہنچا، انہوں نے تیروں کی باڑھ چھوڑ دی، لیکن خالد رضی اللہ عنہ کے جوابی حملہ سے لمحہ بھر میں اپنے مقتول چھوڑ کر بھاگ گئے۔ صفوان، سہیل اور عکرمہ، خالد رضی اللہ عنہ کی تلوار کی کاٹ اور اس کی جنگی مہارت سے بخوبی واقف تھے، لہٰذا خود کو خالد رضی اللہ عنہ کے نرغے میں دیکھا تو جان بچانے کے لیے ادھر ادھر بھاگ گئے۔

اس کے بعد سیدنا خالد رضی اللہ عنہ مکہ کے گلی کوچوں میں سے گزرتے ہوئے آپ ﷺ کی حسب ہدایت کوہ صفا پر آپ سے جا ملے۔ اس مڈبھیڑ میں ان کے دو ساتھی سیدنا کرز بن جابر فہری رضی اللہ عنہ اور سیدنا حنیس بن خالد بن ربیعہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ وجہ یہ ہوئی کہ دونوں حضرات خالد رضی اللہ عنہ کے دستہ سے بچھڑ کر ایک دوسرے راستہ پر چل پڑے اور ان اوباشوں نے انہیں اکیلا سمجھ کر شہید کر دیا۔ (زرقانی: ۲/۱۳۰، فتح الباری: ۹/۸)

سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ مکہ کی بالائی جانب سے داخل ہوئے اور آگے بڑھ کر حجون

Marfat.com

میں مسجد فتح کے پاس رسول اللہ ﷺ کا جھنڈا نصب کیا اور وہیں ٹھہر کر آپ کا انتظار کرنے لگے، یہاں تک کہ آپ وہاں تسریف لے آئے۔

جونہی اسلامی فوج مکہ میں داخل ہوئی، اعلان کر دیا گیا:

''جو شخص ہتھیار ڈال دے اس کو امان، جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے اس کو امان، جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اس کو امان، جو شخص حکیم بن حزام کے گھر میں پناہ لے لے اس کو امان اور جو حرم میں داخل ہو جائے اس کو امان ہے۔''

رمضان المبارک کی بیس تاریخ، پیر کا دن، امن، پناہ اور حفاظت جان و مال کے اعلان کے ساتھ تقدس مآب مجاہدین کا مکہ میں فاتحانہ داخل ہوا، یہ نبوت کا داخلہ تھا کسی بادشاہ کا داخلہ نہ تھا کہ خون کی ندیاں بہائی جاتیں۔ یہاں تو ہر طرف امن و امان کے پھول بکھیرے جا رہے تھے۔ ارشاد ہوا کہ شعب بنی ہاشم میں قیام کا انتظام کیا جائے۔ یہ وہی شعب بنی ہاشم تھی جہاں تین سال تک تمام بنو ہاشم کا سوشل بائیکاٹ کر کے انہیں محصور رکھا گیا تھا۔ آپ ﷺ کے لیے سرخ چمڑے کا خیمہ لگایا گیا۔ جس میں آپ رونق افروز ہوئے۔ پہلے غسل فرمایا: پھر آٹھ رکعت پڑھیں۔ (بخاری: ۱/۴۷۳، البدایہ والنہایہ: ۴/۳۰۰) یہ چاشت کا وقت تھا۔ اس سے نماز چاشت کا استحباب بھی ثابت ہوتا ہے اور نماز فتح کا بھی۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فاتح ایران نے بھی کسریٰ کے دارالسلطنت مدائن کو فتح کرنے کے بعد اس کے قصر ابیض (White House) میں آٹھ رکعت نماز پڑھی تھی۔

بعض روایات میں ہے کہ شہر میں داخل ہونے سے قبل عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! اپنے آبائی دولت کدہ پر استراحت فرمانے کا ارادہ ہو تو اس کا انتظام کیا جائے؟ ارشاد فرمایا: ''نہ میں آبائی گھر میں اترنا چاہتا ہوں اور نہ میرے قدر دانوں نے اسے میرے لیے باقی رہنے دیا ہے۔'' یہ فرمانے کے بعد اپنے مختصر خیمے میں تشریف لے گئے۔ لیکن قلب مبارک بے حد مسرور اور ہر بن مو شکر خداوندی میں رطب اللسان تھا کہ آج اس شہر میں ان مظلومین کی معیت میں فاتحانہ غلبہ حاصل ہوا ہے، جن پر یہاں تیرہ سال ظلم کے پہاڑ توڑے گئے۔

مسجد حرام میں داخلہ:

خیمہ میں زیادہ دیر تک قیام نہ فرمایا بلکہ جلدی باہر تشریف لائے اور اپنی ناقہ قصواء پر سوار ہوئے اور گرد و پیش میں موجود انصار و مہاجرین کے جلو میں مسجد حرام میں تشریف لائے اور

Marfat.com

اپنی اونٹنی پر بیٹھ کر خانہ کعبہ کا طواف کیا اور حالت احرام میں نہ ہونے کی وجہ سے صرف طواف ہی پر اکتفا کیا۔ طواف کے وقت آپ کے ہاتھ میں ایک کمان (بعض روایات میں چھڑی ہے) تھی اور بیت اللہ کے گرد اور اس کی چھت پر تین سو ساٹھ بت تھے۔ آپ اسی کمان سے ان بتوں کو ٹھوکر مارتے جاتے اور کہتے جاتے تھے:

جاء الحق وزهق الباطل، ان الباطل كان زهوقا. (۸۱:۱۷)

''حق آ گیا اور باطل چلا گیا، بے شک باطل جانے والی چیز ہے۔''

طواف سے فارغ ہونے کے بعد سیدنا عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر ان سے کعبہ کی کنجی لی۔ پھر آپ کے حکم سے دروازہ کھولا گیا۔ اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ ہر طرف تصویریں ہیں جن میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کی تصویریں بھی تھیں۔ ان کے ہاتھ میں فال گیری کے تیر تھے۔ یہ دیکھ کر فرمایا: اللہ ان مشرکین کو ہلاک کرے، خدا کی قسم، ان پیغمبروں نے کبھی بھی فال کے تیر استعمال نہیں کیے تھے۔ آپ نے بیت اللہ کے اندر لکڑی کی ایک کبوتری بھی دیکھی، جسے اپنے دست مبارک سے توڑ دیا اور تمام تصویروں کو آپ کے حکم سے مٹا دیا گیا اور آب زمزم سے دھویا گیا۔ اس وقت آپ بیت اللہ میں داخل ہوئے اور نماز ادا کی۔

(زرقانی: ۳۳۲/۲، فتح الباری: ۱۴/۸)

بیت اللہ کے اندر داخل ہو کر اندر سے دروازہ بند کر لیا۔ اس وقت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ اور سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے۔ بیت اللہ کے تمام گوشوں میں پھر خلیل اللہ کے اس وارث نے توحید و تکبیر کی آواز کو بلند کیا۔ فارغ ہو کر دروازہ کھولا۔ دیکھا کہ صحنِ مسجد لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا ہے۔ سب منتظر ہیں کہ زبان رسالت سے ان دشمنوں اور مجرموں کے متعلق سزا کے کیا احکام صادر ہوتے ہیں۔

نبی رحمت نے کعبہ کے دروازے کے دونوں بازو پکڑ لیے اور باب کعبہ پر کھڑے ہو کر قریش کے اجتماع کے سامنے چند بنیادی اصولوں کا اعلان فرمایا۔ یہ خطبہ فاتح پیغمبر کا خطبہ تھا جو انسان کو آداب انسانیت سکھانے کے لیے آیا تھا اور جس نے ماضی کی داستان کو گلدستۂ طاقِ نسیان بنا کر ان لوگوں کو مستقبل کی شاہراہوں کی طرف ان الفاظ میں راہنمائی فرمائی، فرمایا:

① اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک اور ساجھی نہیں، اس نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا، اور اپنے بندے کی مدد فرمائی اور تمام جتھوں کو تنہا شکست دی۔

② ہر ایک رسم و ریت، کسی بھی خون یا مال کا مطالبہ جو روایتی طور پر چلا آ رہا ہے، آج

Marfat.com

وہ سب میرے ان قدموں کے نیچے ہے یعنی سب ختم ہے، مگر بیت اللہ کی دربانی اور کلید برداری اور حاجیوں کو پانی پلانے کا انتظام یعنی پرانی رسم و رواج کے یہ دو منصب باقی رہیں گے۔

③ یہ بھی سن لو، کوئی شخص غلطی سے مارا جائے یا کوڑے یا لاٹھی کی ضرب سے کوئی مر جائے جس کو شبہ عمد کہا جاتا ہے، اس میں دیت مغلظہ ہوگی یعنی سو اونٹ جن میں چالیس حاملہ اونٹنیاں ہوں گی۔

④ اے قریش کے لوگو! جاہلیت کی نخوت اور باپ دادا کا غرور جو تمہارے اندر تھا کہ ہم سب اونچے ہیں، اور جاہلیت کی یہ نخوت کہ باپ دادا کی عظمت کی وجہ سے اپنے آپ کو بڑا سمجھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان تمام باتوں کا خاتمہ فرما دیا ہے۔ اب ایک ہی حقیقت تسلیم کی جائے گی کہ تمام انسان آدم علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے بنے۔

⑤ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے: ''اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، اور تمہیں قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، تم میں سے اللہ تعالیٰ کے ہاں باعزت اور ذی وقار شخص وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو یعنی جو سب سے زیادہ خداشناس اور خداترس ہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے۔ (البدایہ والنہایہ: ۴/۳۰۱)

خطبہ کے ختم ہونے کے بعد آپ نے مجمع پر نظر ڈالی۔ یہ مجمع انہیں مجرمین کا تھا جو قریباً گزشتہ بیس سال سے اسلام کو نیست و نابود کرنے اور پیغمبر اسلام کے قتل کے منصوبے بنا رہے تھے۔ یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے ذات اقدس رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر قسم کے ظلم و ستم کا تختۂ مشق بنایا۔ اپنی زبانوں سے آپ پر گالیوں کے کانٹے پھینکے۔ آپ کی شان اقدس میں گستاخیاں کیں، آپ کے ساتھیوں کو مختلف اذیتیں دے کر اسلام سے برگشتہ کرنے کی کوششیں کیں۔ پھر ہجرت کے بعد بھی ان خداشناس لوگوں کو آرام سے بیٹھنے نہ دیا۔ بدر و احد اور احزاب کی جنگیں انہی کو ختم کرنے کے لیے لڑی گئیں۔ اب یہ سارے مجرمین پابجولاں تھے، محصور تھے، ایک لشکر جرار کے شکنجہ میں کسے ہوئے تھے۔ اب یہ سارے نظریں جھکائے قیدیوں کی طرح آپ کے فیصلہ کے منتظر تھے، لیکن لب کشائی کی جرأت کسی میں نہ تھی حالانکہ اس سے قبل ان کی یہی زبانیں پیغمبر اسلام اور اس کے ساتھیوں پر آگ برسایا کرتی تھیں۔ آپ نے خود ہی جوش

Marfat.com

رحمت میں ارشاد فرمایا:

یا معشر قریش! ماترون انی فاعل بکم.

''اے گروہ قریش! تم کیا سمجھتے ہو کہ میرا فیصلہ تمہارے متعلق کیا ہوگا؟''

آج رسول اللہ ﷺ کے ان ازلی دشمنوں کی جان آپ کی مٹھی میں تھی۔ جلو میں دس ہزار مسلح جانثاروں کا لشکر، آپ کے ایک اشارے سے سب کے سرتن سے جدا ہو سکتے تھے، لیکن یہ مقدس وجود انسان کا دشمن نہیں، یہ قابل صد مدحت محمد ﷺ تھے۔ اللہ کے نبی، پروردگار عالم کے رسول، آپ ان لوگوں میں سے نہیں تھے جن کے دل میں ایک لمحہ کے لیے بھی بنی نوع انسان کے ساتھ دشمنی یا انتقام کا جذبہ ابھرے۔ نہ سخت گیر تھے اور نہ متکبر۔ اور جن لوگوں سے پوچھا کہ میں آج تم سے کیا سلوک کرنے والا ہوں؟ وہ اگرچہ سب ظالم تھے، جفاکار تھے، مشرک و کافر تھے، لیکن مزاج شناس بھی تھے اور سخن شناس بھی۔ انہوں نے وہی جواب دیا جو آپ ﷺ کی شان کے مطابق تھا:

خیرا اخ کریم و ابن اخ کریم.

''ہم آپ سے بھلائی اور خیر کی توقع رکھتے ہیں کیونکہ آپ خود شریف ہیں اور شریف بھائی کے چشم و چراغ ہیں۔''

حافظ ابن حجر نے ''الاصابہ'' میں لکھا ہے کہ یہ جواب دینے والے سہیل بن عمرو تھے جنہوں نے حدیبیہ میں آپ سے شرائط طے کی تھیں، ابو جندل رضی اللہ عنہ کے والد۔ ان کا جواب سنتے ہی رحمت کے بحر بے کراں میں جوش آیا تو جواب میں فرمایا: میں تم سے وہی بات کہتا ہوں جو سیدنا یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی:

اذهبوا انتم الطلقاء لا تثریب علیکم الیوم.

ایک ہی کلمہ سے ان کے بیس سال کے جرموں کو معاف کر دیا اور وہ سب آزاد ہو گئے۔ (البدایہ والنہایہ: ۴/۳۰۱)

خطبہ سے فراغت کے بعد آپ مسجد حرام میں بیٹھ گئے۔ بیت اللہ کی کنجی آپ کے ہاتھ میں تھی۔ یہ چابی قیام مکہ کے زمانہ میں آپ نے ایک روز عثمان بن طلحہ سے مانگی تھی اور اس نے یہ چابی آپ کو دینے سے انکار کر دیا تھا۔ آپ ﷺ نے عثمان سے فرمایا تھا کہ ایک روز یہ چابی میرے ہاتھ میں ہوگی اور میں جس کو چاہوں گا دوں گا۔ اب وہ وقت آ گیا تھا۔ چابی آپ کے ہاتھ میں تھی۔ عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ بھی دولت ایمان سے بہرہ ور ہو چکے تھے۔ اب اس چابی کو

Marfat.com

حاصل کرنے کی کئی دلوں میں خواہش پیدا ہوئی کیونکہ کعبہ کی کلید برداری ایک بہت بڑا اعزاز تھا۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے بھی اس چابی کو حاصل کرنے کی خواہش کی۔ (زادالمعاد: ج ۲) سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا کہ یارسول اللہ! حجاج کو پانی پلانے کا اعزاز تو ہمارے پاس ہے ہی اگر حجابت اور کلید برداری کا یہ شرف بھی ہمیں حاصل ہو جائے تو ہماری خوش قسمتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی:

''اے پیغمبر! اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں امانت والوں کو پہنچاؤ۔''

ارشاد فرمایا: ''عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کہاں ہیں؟''

عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے۔ ارشاد ہوا: ''یہ اپنی چابی لیجیے، یہ حسن سلوک اور عہد وفا کا دن ہے۔'' (البدایہ والنہایہ: ۴/ ۳۰۱)

ابن سعد کی روایت ہے کہ آپ نے عثمان سے فرمایا: یہ چابی ہمیشہ کے لیے لے لو یعنی یہ قیامت تک تمہارے ہی خاندان میں رہے گی۔ میں نے یہ چابی خود نہیں دی بلکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں دلوائی ہے۔ سوائے ظالم اور غاصب کے اور کوئی تم سے یہ چابی نہ چھینے گا۔ اے عثمان! اللہ نے تم لوگوں کو اپنے گھر کا امین بنایا ہے لہٰذا اس بیت اللہ سے تمہیں جو کچھ ملے اس سے دستور اور معروف کے مطابق کھانا۔ (زرقانی: ۲/ ۳۴۰، فتح الباری: ۸/ ۱۵، طبقات ابن سعد: ص ۲)

اب نماز ظہر کا وقت ہوا تو سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ بامِ کعبہ پر چڑھ کر اذان دیں۔ قریش مکہ کے لیے یہ ایک بالکل نئی چیز تھی جس میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسالت محمد یہ کا پکار پکار کر اعلان ہو رہا تھا اور وہ بھی کعبہ کی چھت سے جو مکہ میں سب سے اونچی چھت تھی۔ یہ اس توحید و رسالت کا اعلان تھا جس کی اہل مکہ گزشتہ بیس سال سے مخالفت کر رہے تھے۔ آج اس کا اعلان انہی کے شہر میں ان کی آنکھوں کے سامنے ان کے ایک غلام کے ہاتھوں ہو رہا تھا۔ چنانچہ کچھ لوگوں کی رگ حمیت پھڑکی۔ اس وقت ابوسفیان بن حرب، عتاب بن اسید، خالد بن اسید اور حارث بن ہشام اور دیگر سرداران قریش صحن کعبہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ عتاب اور خالد نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے باپ اسید کی عزت رکھ لی کہ اس آواز کے سننے سے پہلے ہی وہ اس دنیا سے چلا گیا، اگر وہ اس دنیا سے نہ اٹھا لیا گیا ہوتا تو اسے یہ ناگوار آواز سننی پڑتی۔ اس پر حارث بن ہشام بولا: سنو! خدا کی قسم اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ آپ حق پر ہیں تو میں ضرور آپ کی اتباع کرتا۔ ابوسفیان نے کہا: دیکھو خدا کی قسم، میں کچھ نہیں کہتا کیونکہ اگر میں نے کوئی لفظ اپنی زبان سے نکالا تو یہ کنکریاں بھی میرے متعلق خبر دے دیں گی۔ تھوڑی دیر بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

Marfat.com

ادھر سے گزرے اور ان تینوں کو اکٹھا بیٹھے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ ابھی تم لوگوں نے جو باتیں کی ہیں وہ مجھے معلوم ہو چکی ہیں۔ پھر آپ نے ان کی تمام گفتگو دہرا دی۔ یہ سن کر حارث بن ہشام اور عتاب بن اسید بول اٹھے کہ ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں۔ خدا کی قسم، کوئی اور شخص ہمارے ساتھ نہ تھا جو اس گفتگو سے باخبر ہوتا اور ہم سمجھتے کہ اس نے آپ کو یہ خبر دی ہوگی۔ (زرقانی: ۲/ ۳۴۶، البدایہ والنہایہ: ۴/۳۰۳)

مسلمان ہو جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ کا گورنر مقرر فرما دیا۔ عتاب کی عمر اس وقت 21 سال تھی اور ایک درہم روزانہ ان کا وظیفہ مقرر فرمایا۔

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ جب بامِ کعبہ پر اذان دے رہے تھے تو قریش کے کچھ نوجوان جن میں سولہ سالہ ابو محذورہ بھی تھے، اذان کی نقلیں اتارنے لگے۔ ابو محذورہ بلند آواز اور خوش الحان تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو نقل اتارتے دیکھ کر فرمایا کہ پکڑو ان کو۔ چنانچہ کچھ تو بھاگ گئے اور کچھ پکڑے گئے۔ ان میں ابو محذورہ بھی تھے۔ آپ نے ابو محذورہ کی خوش الحانی کے پیش نظر ان کو روک لیا اور باقی بچوں کو چھوڑ دیا۔

ابو محذورہ سمجھنے لگے کہ شاید میں قتل کر دیا جاؤں گا۔ آپ نے ابو محذورہ سے فرمایا: اذان دو، انہوں نے بادلِ نخواستہ اذان دی۔ اذان کے بعد انہیں ایک تھیلی عطا فرمائی جس میں کچھ درہم تھے اور سر اور پیشانی پر دست مبارک پھیرا اور پھر سینہ اور شکم پر ہاتھ پھیرا اور یہ دعا دی:

"بارک اللہ فیک و بارک اللہ علیک."

آپ کا ان کے سر منہ اور سینہ پر ہاتھ پھیرنا تھا کہ اسلام کے بارے میں ساری نفرت کافور ہو گئی اور قلب آپ کی محبت سے لبریز ہو گیا۔ پھر خود ہی عرض کی کہ اے اللہ کے رسول! مجھ کو مکہ کا مؤذن مقرر فرما دیجیے۔ آپ نے ان کی درخواست قبول فرماتے ہوئے انہیں مکہ کا مؤذن مقرر فرما دیا۔ (بعض روایات میں ہے کہ حنین کی واپسی پر انہیں مؤذن مقرر کیا گیا) اب گورنر 21 سالہ اور مؤذن مکہ 16 سالہ۔ سیدنا عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ اپنی وفات تک مکہ کے گورنر رہے اور جس روز سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا اسی روز ان کا بھی انتقال ہوا۔ (استیعاب: ۱۵۳/۳) اور سیدنا ابو محذورہ رضی اللہ عنہ بھی مدت العمر مکہ کے مؤذن رہے اور سنہ 59 ھ میں مکہ ہی میں وفات پائی۔ (الاستیعاب ترجمہ ابو محذورہ) سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی طرح یہ بھی اسلام کے ایک نامور مؤذن تھے۔

Marfat.com

قریش کو تشویش:

بیت اللہ سے فراغت کے بعد آپ کوہ صفا پر تشریف لے گئے اور دیر تک قبلہ رو ہو کر دعا مانگتے رہے۔ انصار مدینہ ہر موقع پر شریک اور ہر منظر کو دیکھ رہے تھے۔ حضرات انصار میں سے بعض کو یہ خیال آیا کہ اب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی سرزمین، جو آپ کی جائے پیدائش اور آپ کا اصلی وطن تھا، فتح کرا دیا ہے تو آپ مدینہ کیوں جانے لگے۔ آپ اب یہیں قیام فرمائیں گے اور ہم شرف قربت سے محروم ہو جائیں گے۔ یہ نبوت سے کمال محبت کی دلیل تھی۔ چند ایک حضرات نے آپس میں ایسی گفتگو بھی کی۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب دعا سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ تم لوگوں نے آپس میں کیا کھسر پھسر کی ہے؟ انہوں نے کہا: کچھ نہیں۔ مگر جب آپ نے اصرار کیا تو انہوں نے اپنا اندیشہ بتلایا۔ آپ نے فرمایا:

> ''ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ میں اللہ کا بندہ اور رسول ہوں۔ میں نے اللہ کے حکم سے ہجرت کی ہے۔ اطمینان رکھو میرا تمہارا ساتھ چھوٹنے والا نہیں ہے۔ جینا مرنا اب تمہارے ساتھ ہے۔''

آپ کا یہ جواب سن کر انصار کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

(زرقانی: ۲/۳۳۳، البدایہ والنہایہ: ۴/۳۰۷، عیون الاثر: ۲/۲۳۶، مسلم باب فتح مکہ، ابوداؤد، باب ماجاء فی خبر مکہ، مسند احمد: ۲/۵۳۸)

ناقابل معافی جرم:

فتح مکہ کے روز اگرچہ آپ نے عفو عام کا اعلان کر دیا لیکن پندرہ آدمیوں کے بارے میں اعلان کیا کہ وہ جہاں ملیں انہیں قتل کر دیا جائے اگرچہ ان میں سے کوئی شخص غلاف کعبہ کے نیچے چھپا ہوا ملے تب بھی اسے قتل کر دیا جائے۔ جن لوگوں کے بارے میں یہ فرمان جاری ہوا تھا ان میں سے بعض لوگ ادھر ادھر روپوش ہو گئے۔ بعض بھاگ کر مکہ سے دور چلے گئے۔ لیکن ان اشتہاری مجرموں کے بارے میں یہ سختی کسی کینہ یا برہمی کی وجہ سے نہ تھی۔ اللہ کا رسول ان باتوں سے مبرا تھا، بلکہ ان لوگوں نے خود ہی اپنے اعمال شنیعہ کی وجہ سے یہ روز بد دیکھا۔ یہ مندرجہ ذیل مجرم تھے:

- عبداللہ بن خطل: فتح مکہ کے دن یہ شخص خانہ کعبہ کے پردوں سے جا کر لپٹ گیا۔

Marfat.com

چنانچہ سیدنا ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعد بن حریث رضی اللہ عنہ نے وہیں جا کر حجر اسود اور مقام ابراہیم کے پاس اس کو قتل کر دیا۔

③, ② فرتنی اور قریبہ: یہ دونوں ابن خطل کی لونڈیاں تھیں اور روز و شب آپ کی ہجو کیا کرتی تھیں ان میں سے ایک ماری گئی اور دوسری نے امان طلب کی۔ چنانچہ وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئی۔

④ سارہ: یہ بنو المطلب میں کسی کی لونڈی تھی۔ بعض کے نزدیک قتل کی گئی لیکن مشہور روایت یہ ہے کہ اس نے اسلام قبول کر لیا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت تک زندہ رہی۔ یہی وہ عورت تھی جو حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا خط لے کر مدینہ آ رہی تھی اور خاخ کے باغ کے قریب یہ خط پکڑا گیا تھا۔

⑤ حویرث بن نقید: یہ اشعار میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہجو کیا کرتا تھا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کیا۔

⑥ مقیس بن صبابہ: اس کو غلہ بن عبداللہ لیثی نے قتل کیا۔

⑦ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح: یہ مرتد ہو کر کفار سے جا ملے تھے۔ یہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے رضاعی بھائی تھے۔ فتح مکہ کے روز روپوش ہو گئے۔ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی درخواست پر آپ نے اس سے بیعت لے لی اور وہ مسلمان ہو گئے۔ اب ایسے مسلمان ہوئے کہ اسلام رگ و پے میں بس گیا۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافتوں کے زمانہ میں مصر وغیرہ کے گورنر رہے اور اسلام کی نمایاں خدمات سرانجام دیں۔ صبح کی نماز میں انتقال فرمایا۔ رضی اللہ تعالیٰ وارضاہ۔

⑧ عکرمہ بن ابی جہل: یہ اسلام کے مشہور دشمن ابوجہل کے بیٹے تھے۔ اسلام کی دشمنی باپ سے وراثت میں ملی تھی۔ فتح مکہ کے روز بھاگ کر یمن کی طرف چلے گئے۔ ان کی اہلیہ ام حکیم بنت حارث فتح مکہ کے روز مسلمان ہوئیں اور اپنے خاوند عکرمہ کے لیے امان طلب کی جو منظور کر لی گئی اور وہ مسلمان ہو گئے اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جنگ اجنادین میں شہید ہوئے۔ شہادت کے وقت آپ کے جسم پر تیر اور تلوار کے ستر سے زیادہ زخم تھے۔ رضی اللہ عنہ وارضاء۔

⑨ ہبار بن الاسود: یہ وہ شخص ہے جس نے آپ کی سب سے بڑی صاحبزادی سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کو مکہ سے مدینہ ہجرت کرتے ہوئے راستہ میں نیزہ مارا تھا۔ جس

Marfat.com

سے وہ ایک پتھر پر گر پڑیں اور اسی زخم سے انتقال فرمایا۔ یہ بھی مسلمان ہو گئے اور آپ نے انہیں معاف فرما دیا۔

(10) وحشی بن حرب: یہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل تھے۔ یہ بھاگ کر طائف چلے گئے۔ پھر وہاں سے مدینہ طیبہ میں حاضر خدمت ہو کر مسلمان ہو گئے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مشہور روایت کے مطابق مسیلمہ کذاب کو انہوں نے قتل کیا تھا اور اسی حربہ سے قتلکیا جس سے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔

(11) کعب بن زہیر: یہ بھی فتح مکہ کے روز بھاگ گئے۔ بعد میں مدینہ منورہ حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ اور آپ کی تعریف میں ایک قصیدہ کہا جو ''بانت سعاد'' کے نام سے مشہور ہوا۔ آپ اس قصیدہ کو سن کر بہت خوس ہوئے اور انہیں اپنی چادر عنایت فرمائی۔

(12) حارث بن طلاطل: یہ شخص آپ کی ہجو کیا کرتا تھا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کیا۔

(13) عبداللہ بن زبعریٰ: یہ بھی آپ کی ہجو کیا کرتے تھے، فتح مکہ کے روز ڈر سے بھاگ کر نجران چلے گئے۔ پھر مدینہ منورہ حاضر خدمت ہو کر مشرف باسلام ہو گئے۔

(14) ہبیرہ بن ابی وہب مخزومی: یہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا بہنوئی تھا اور آپ کی بہن ام ہانی بنت ابی طالب کا شوہر۔ اسلام کا بہت بڑا دشمن۔ فتح مکہ کے روز بھاگ کر نجران چلا گیا اور وہیں حالت کفر میں مرا۔

(15) ہند بنت عتبہ زوجہ ابی سفیان: اس نے بھی حاضر خدمت ہو کر اسلام قبول کر لیا اور گھر جا کر بتوں کو یہ کہہ کر توڑ ڈالا کہ خدا کی قسم، ہم تمہاری ہی وجہ سے دھوکہ میں رہے۔

اسلامِ ابی قحانہ:

ابی قحانہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے والد ماجد تھے۔ یہ مکہ میں رہتے تھے اور ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنے بوڑھے باپ کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی عمر کو دیکھ کر فرمایا: ''ابوبکر! تم نے بڑے میاں کو گھر پر ہی کیوں نہ رہنے دیا۔ میں خود ان کے پاس آ جاتا۔'' لیکن جانثار نبوت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ میرے باپ کے پاس خود چل کر جائیں اس سے بہتر ہے کہ میرا باپ خود اپنے پاؤں پر چل کر آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو۔''

Marfat.com

آپ نے سیدنا ابو قحافہ کے سینہ پر دست مبارک پھیرا اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔

رسول اللہ ﷺ نے ابو قحافہ کے مسلمان ہونے پر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مبارکباد دی، لیکن سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے، ابو طالب اگر اسلام لے آتے تو مجھے زیادہ خوشی ہوتی۔'' (سیرۃ حلبیہ: ۲/۲۱۲)

اسلامِ سہیل بن عمرو:

سہیل بن عمرو مکہ کے رؤسا اور اشراف میں سے تھے۔ یہ ابو جندل رضی اللہ عنہ کے والد تھے۔ جن کا ذکر صلح حدیبیہ میں گزر چکا ہے۔ نہایت زیرک اور عقل مند انسان تھے اور خطیب قریش کے نام سے مکہ میں مشہور تھے۔ حدیبیہ میں حضور ﷺ سے شرائط صلح انہوں نے ہی طے کر کے معاہدہ لکھوایا تھا۔ فتح مکہ کے روز اپنے بیٹے عبداللہ کی معرفت بارگاہ رسالت میں امان طلب کی جو کہ دے دی گئی۔ حضور ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مخاطب ہو کر فرمایا:

> ''جو شخص سہیل سے ملے وہ اس کی طرف تیز نظروں سے نہ دیکھے۔ قسم ہے مجھے اپنی زندگانی کی بے شک سہیل بڑا عاقل اور شریف ہے۔ سہیل جیسا شخص اسلام سے نا آشنا نہیں رہ سکتا۔''

سہیل نے غزوہ حنین سے واپسی پر جعرانہ میں اسلام قبول کیا۔ فتح مکہ کے بعد غزوہ حنین میں آپ کے ساتھ رہے۔ جنگ یرموک میں جام شہادت نوش فرمایا۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔ (سیرۃ حلبیہ: ۲/۲۲۶، الاستیعاب، ترجمہ سہیل بن عمرو)

اسلامِ صفوان بن امیہ:

صفوان بن امیہ سرداران قریش میں سے تھا۔ اس کا باپ، امیہ بن خلف جنگ بدر میں مارا گیا تھا، جس کی وجہ سے یہ بھی اسلام اور مسلمانوں کے سخت خلاف تھا اور آخر تک خلاف رہا۔ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جب مدینہ قبول اسلام کے لیے جا رہے تھے تو انہیں بھی اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی۔ اس نے کہا کہ اگر سارا مکہ بھی مسلمان ہو جائے۔ میں پھر بھی مسلمان نہیں ہوں گا۔ چنانچہ فتح مکہ کے روز یہ بھی اپنی جان کے خطرہ کی وجہ سے مکہ سے بھاگ گیا۔ اس کا چچا زاد بھائی عمیر بن وہب جمحی نے خدمت نبوی میں حاضر ہو کر اس کے لیے امان طلب کی۔ آپ

Marfat.com

نے امان دے دی اور علامت کے طور پر عمیر بن وہب کو اپنی وہ پگڑی بھی عنایت فرما دی جو آپ نے مکہ میں داخلہ کے وقت سر پر باندھ رکھی تھی۔ عمیر صفوان کے پاس پہنچے۔ جو اس وقت یمن جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ عمیر اسے لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے صفوان نے آپ ﷺ سے دو ماہ کی مہلت مانگی تا کہ میں اس معاملہ پر بخوبی غور و فکر کر لوں۔ آپ نے فرمایا: تمہیں چار ماہ کی مہلت ہے۔ اس کے بعد آپ نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کی بیوی پہلے ہی مسلمان ہو چکی تھی اس لیے آپ نے دونوں کا پہلا نکاح ہی برقرار رکھا۔

مستورات سے بیعت:

یہ تو صرف چند لوگوں کے قبول اسلام کا ذکر کیا گیا ہے۔ وگرنہ حقیقت یہ ہے کہ پورا مکہ ہی بیعت کے لیے امنڈ آیا تھا۔ ہبیرہ بن وہب داماد ابو طالب جیسا کوئی بد بخت نہ ہوگا جس نے اسلام کی دعوت کو قبول نہ کیا ہو۔ عکرمہ بن ابی جہل اور ابوسفیان، ان کی اہلیہ ہند، اس کا بیٹا جزید بن ابی سفیان (سیدنا معاویہ بن سفیان عمرۃ القضا میں مسلمان ہو گئے لیکن اپنے باپ سے اسلام کو چھپائے رکھا۔ اس کے لیے ملاحظہ فرمائیں: احقر کی کتاب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ...... شخصیت اور کردار حصہ اول) اور دوسرے اشراف اور رؤساء قریش مسلمان ہو گئے۔ کیونکہ اب انہیں بخوبی پتہ چل گیا تھا کہ اسلام کے سوا کامیابی کی اور کوئی راہ نہیں۔ بلکہ اب تو وہ بھی گزشتہ زندگی پر کف افسوس ملنے لگے تھے جو اسلام کی مخالفت میں گزری۔ چنانچہ آپ کوہ صفا پر بیٹھ گئے اور لوگ جوق در جوق آپ کی خدمت میں آ کر خدا اور اس کے رسول کی اطاعت پر بیعت کرنے لگے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ آپ سے نیچے تھے اور لوگوں سے عہد و پیمان لے رہے تھے۔

جب مردوں کی بیعت سے فراغت ہوئی تو وہیں عورتوں سے بیعت لینی شروع کر دی۔ جو عورتیں اس وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، ان میں مشہور عورتیں حسب ذیل ہیں:

① ام ہانی بنت ابی طالب، سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بہن۔

② ام حبیبہ بنت عاص بن امیہ، زوجہ عمرو بن عبدود

③ عاتکہ بنت ابی العیص، عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کی پھوپھی۔

④ اروی بنت ابی العیص، عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کی پھوپھی۔

⑤ ہند بنت عتبہ زوجہ ابوسفیان بن حرب۔

ان عورتوں میں سے ہند بنت عتبہ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ قریش کی سردار عورتوں

Marfat.com

میں سے تھیں اور نہایت زیرک، ہوش مند، خوددار اور بڑی عقل مند تھیں اور اپنی قوم اپنی صنف کے لیے رئیس سمجھی جاتی تھیں۔ (ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ: ۵۱/۷، اسد الغابہ: ۵۶۲/۵)

چنانچہ یہ نقاب پہن کر حاضر خدمت ہوئیں۔ وہ اپنی جگہ پر نہایت خائف تھیں کیونکہ سابقہ احوال اس کی نظر کے سامنے تھے۔ لیکن طبقات ابن سعد کی روایت میں ہے کہ جب وہ بیعت کے لیے حاضر ہوئیں تو پہلے کچھ گفتگو کی اور اپنا نام لے کر عرض کیا کہ میں ہند بنت عتبہ ہوں۔ سرکار مدینہ ﷺ نے پہچان لیا اور فرمایا "مرحبا لک" خوش آمدید۔ بارگاہ رسالت سے یہ الفاظ ہند کی کتاب زندگی کا ایک اہم باب ہے۔ (طبقات ابن سعد: ۱۷۱/۸)

علامہ ابن حیان نے اپنی تفسیر البحر المحیط: ۲۵۸/۸ پر لکھا ہے کہ ہند نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ ہمیں گزشتہ واقعات کی معافی فرمائی جائے۔

ہند زوجہ ابوسفیان نے اپنی بیعت کے دوران سرکار دو عالم ﷺ سے کئی سوالات بھی کیے۔ اسلام لانے کے بعد ہند نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! اسلام لانے سے قبل آپ کے چہرہ سے زیادہ کوئی چہرہ مجھے مبغوض نہ تھا اور آپ سے زیادہ میں کسی کو اپنا دشمن نہ سمجھتی تھی۔ اور اب اسلام لانے کے بعد آپ کے چہرہ انور سے محبوب اور کوئی چہرہ نہیں اور آپ سے زیادہ کوئی اور مجھے محبوب نہیں۔" آپ نے یہ سن کر ارشاد فرمایا: "ابھی میری محبت میں اور زیادتی ہوگی۔"

اس کے بعد وہ گھر گئیں اور گھر میں رکھے ہوئے بتوں کو اپنے ہاتھوں سے توڑتی جا رہی تھیں اور یہ کہتی جا رہی تھیں کہ تمہی نے ہمیں اب تک دھوکے میں ڈالے رکھا۔

دوسرے دن کا خطبہ:

فتح مکہ کے دوسرے روز محمد ابن اسحاق کی روایت کے مطابق ایک خزاعی نے ایک ہذلی مشرک کو قتل کر دیا۔ آپ ﷺ کو جب اس بات کا پتہ چلا تو آپ نے کوہ صفا پر کھڑے ہو کر یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

"اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے جس دن آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا، اسی دن سے مکہ کو حرمت والا شہر ٹھہرایا، اس لیے وہ اللہ تعالیٰ کی حرمت کی وجہ سے قیامت تک کے لیے محترم ہے کوئی آدمی جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کے لیے حلال نہیں کہ وہ اس شہر میں خون بہائے یا یہاں کا کوئی درخت کاٹے۔ اگر کوئی شخص اس وجہ سے رخصت اختیار کرے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہاں قتال کیا تو اس سے کہہ

Marfat.com

دو کہ اللہ نے اپنے رسول کو اجازت دی تھی، لیکن تمہیں اجازت نہیں دی ہے اور میرے لیے بھی اسے صرف دن کی ایک ساعت کے لیے حلال کیا گیا۔ اہل مکہ کی نافرمانی پر اور ناراضی کی وجہ سے، اور آگاہ ہو جاؤ کہ اس کی رحمت پھر ویسی ہی ہوگئی جس طرح کل اس کی حرمت تھی۔ پس تم سے جو حاضر ہے وہ میرا یہ پیام ان لوگوں کو پہنچا دے کہ جو غائب ہیں۔ اے گروہ خزاعہ! قتل سے اپنے ہاتھ کو اٹھاؤ۔ تم نے ایک شخص کو مار ڈالا۔ جس کی دیت (خون بہا) میں دوں گا جو شخص آج کے بعد کسی کو قتل کرے گا تو مقتول کے گھر والوں کو دو باتوں میں سے ایک بات کا اختیار ہوگا۔ یا تو خون کے بدلے قاتل کا خون لے لیں یا مقتول کی دیت لے لیں۔''

بعد ازاں سرکار دو عالم ﷺ نے اپنے پاس سے اس شخص کی دیت سو اونٹ ادا فرمائی جس کو خزاعہ نے قتل کیا تھا۔ (ابن ہشام: ۲/ ۴۱۵۔۴۱۶)

ایک روایت میں ہے کہ اس کے بعد یمن کے ایک آدمی نے جس کا نام ابو شاہ تھا، اٹھ کر عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے لیے یہ لکھوا دیجیے۔ ارشاد فرمایا:

اکتبوا لابی شاہ.

''یعنی ابوشاہ کے لیے یہ لکھ دو۔'' (سنن ابی داؤد: ۱/ ۲۷۶)

جب آپ خطبہ سے فارغ ہوئے تو ابو احمد بن جحش اٹھے اور اپنے مکان کی واپسی کے بارے میں عرض کرنا چاہا جس کو ابوسفیان نے ان کی ہجرت کے بعد چار سو دینار میں فروخت کر دیا تھا۔ آپ نے ابو احمد بن جحش رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ اگر تو صبر کرے تو تیرے لیے بہتر ہوگا۔ اس کے بدلہ میں تمہیں جنت میں ایک مکان مل جائے گا۔ ابو احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! میں ضرور صبر کروں گا۔''

اور بھی کئی مہاجرین نے اپنے آبائی مکانات کو قابضین سے واپس لینا چاہا لیکن آپ نے فرمایا کہ تمہارا جو مال اللہ کی راہ میں جا چکا ہے میں اس کی واپسی پسند نہیں کرتا۔ آپ کی یہ بات سنتے ہی تمام مہاجرین خاموش ہو گئے۔ آپ نے خود اپنے پیدائش مکان اور وہ مکان جس میں سیدہ خدیجہ سلام اللہ علیہا سے شادی ہوئی اور پھر باقی زندگی کے دن گزارے، اس کے متعلق کوئی تذکرہ نہیں فرمایا۔

آپ نے بنوخزاعہ سے فرمایا کہ حرم کے سنگ میل (حدود حرم کے ستون) میں سے جو بھی کچھ مرمت کے قابل ہو، اس کی تعمیر کرا دیں۔ جس سے اہل مکہ کے دلوں پر نقش ہو گیا کہ

Marfat.com

محمد رسول اللہ ﷺ کے نزدیک حرم بیت اللہ کی تقدیس ومحبت کس حد تک واضح ہے۔

اس وقت اہل مکہ سے فرمایا: ''آپ لوگ تمام دنیا کی بہتر جماعت میں سے ہیں، مجھے تم سے بے حد محبت ہے، میں تمہیں چھوڑ کر مدینہ نہ جاتا اور کسی کو تمہارے ہم پلہ نہ ٹھہراتا مگر کیا کروں تمہی نے تو مجھے جلاوطن کیا تھا۔'' سرکار دو عالم ﷺ کی زبان سے اپنے متعلق یہ کلمات سن کر اہل مکہ آپ پر اور بھی فریفتہ ہو گئے۔

سرکار دو عالم ﷺ نے پندرہ روز اور دوسری روایت کے مطابق انیس روز مکہ مکرمہ میں قیام فرمایا۔ اس دوران میں مکہ کے اسلامی ریاست میں داخل ہونے کی وجہ سے وہاں کے نظم ونسق کی ترتیب، گورنر کا تقرر، اسلام میں داخل ہونے والوں کی تعلیم وتربیت میں ان کی راہ نمائی فرماتے رہے۔ آپ نے یہ منادی کرادی:

من کان یومن باللہ والیوم الاخر فلا یدع فی بیتہ صنما.

''جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے گھر میں ہر بت کو منہدم کردے۔''

جب شہر مکہ تمام بتوں سے پاک ہو گیا تو آس پاس کے بتوں کو توڑنے کے لیے متعدد سرایا اور چھوٹی چھوٹی جماعتیں روانہ فرمائیں اور اس طرح آس پاس کے بھی وہ سارے بت منہدم کردیے گئے جو لوگوں کے مرجع تھے اور دور دور سے آ کر لوگ ان کی پوجا کرتے تھے۔

وفود وسرایا:

فتح مکہ سے فراغت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مکہ کے قریب وجوار میں مختلف وفود بصورت دعوت اسلام روانہ فرمائے اور انہیں یہ بھی حکم دیا کہ جہاں کہیں کوئی بت دیکھیں، اسے منہدم کردیں۔ چنانچہ 25 رمضان المبارک سنہ 8 ھ کو سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو تیس سواروں کی جمعیت کے ساتھ عربوں کے مشہور بت عزیٰ کو گرانے کے لیے بھیجا۔ عزیٰ نخلہ میں تھا اور قریش اور بنو کنانہ اس کی پوجا کرتے تھے۔ بنو شیبان اس بت کے مجاور تھے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے نخلہ جا کر اس بت کو منہدم کردیا۔ واپسی پر سرکار دو عالم ﷺ نے پوچھا کہ خالد! اس بت کو منہدم کرتے ہوئے تم نے کچھ دیکھا بھی تھا۔ عرض کیا: نہیں۔ ارشاد فرمایا کہ پھر تم نے صحیح معنوں میں اسے منہدم نہیں کیا، پھر جاؤ اور اسے ڈھادو۔ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پھر واپس گئے اور اسے نیچے تک منہدم کردیا۔ اب کی بار ایک سیاہ رو، ننگی، پراگندہ بال عورت نکلی۔ مجاور

Marfat.com

اسے چیخ چیخ کر پکارنے لگے۔ سیدنا خالد نے اسے اس زور سے تلوار ماری کہ اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ اس کے بعد بارگاہ رسالت میں آ کر اس کی تفصیل بیان کی۔ آپ نے بیان فرمایا: ہاں وہی عزیٰ تھی۔ اب وہ مکمل طور پر مایوس ہو چکی ہے کہ تمہارے اس ملک میں کبھی بھی اس کی پوجا کی جائے گی۔ (عیون الاثر: ۲/ ۲۴۸، طبقات: ۲/ ۱۴۵)

اسی طرح سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو سواع نامی بت کو منہدم کرنے کے لیے بھیجا گیا۔ یہ بت مکہ مکرمہ سے تین میل کے فاصلہ پر رباط میں بنو ہذیل کا ایک بت تھا۔ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جب وہاں پہنچے تو مجاور نے ان کے آنے کا مقصد پوچھا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے تحت اس بت کو ڈھانے کے لیے آیا ہوں۔ مجاور نے کہا کہ تم اس بت کو ڈھا نہیں سکو گے۔ سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیوں؟ مجاور نے کہا: یہ بت تمہیں ڈھانے سے روک دے گا۔ سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا: افسوس ہے تم پر کہ تم ابھی تک اس باطل عقیدے پر قائم ہو۔ کیا یہ بت سنتا اور دیکھتا ہے؟ جو مجھے روک دے گا؟ پھر اس بت پر ایک ایسی کاری ضرب لگائی جس سے وہ پاش پاش ہو گیا اور مجاور سے کہا تو نے دیکھ لیا کہ تمہارا یہ خدا پاش پاش ہو گیا لیکن وہ مجھے روک نہیں سکا۔ سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ اس کے خزانہ والا مکان منہدم کر دیں۔ مکان ڈھا دیا گیا لیکن اس میں سے کچھ نہ ملا۔ مجاور یہ دیکھتے ہی فوراً مسلمان ہو گیا اور کہا:

اسلمت لله.

''میں اللہ کے لیے اسلام لایا۔'' (عیون الاثر: ۲/ ۲۴۹، طبقات: ۲/ ۱۴۵)

ایک اور بت عربوں میں بہت مشہور تھا اس کو مناۃ کہتے تھے۔ 26 رمضان المبارک کو سید سعد بن زید اشہلی رضی اللہ عنہ کو بیس سواروں کے ہمراہ اسے منہدم کرنے کے لیے روانہ کیا۔ یہ بت قدید کے قریب مشلل میں نصب تھا، اور اوس، خزرج اور غسان وغیرہ کا بت کہلاتا تھا۔ جب سیدنا سعد بن زید رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے تو مجاور نے آنے کی غرض پوچھی۔ انہوں نے فرمایا کہ اس بت کو ڈھانے کے لیے آیا ہوں۔ اس نے کوئی مداخلت نہ کی اور کہا کہ تم جانو اور تمہارا کام۔ جب سیدنا سعد بن زید رضی اللہ عنہ اس کو ڈھانے کے لیے آگے بڑھے تو ایک سیاہ رو، کالی کلوٹی، ننگی، پراگندہ بال عورت نکلی جو اپنا سینہ پیٹ رہی تھی۔ اس سے مجاور نے کہا کہ اپنے ان نافرمانوں کو جو تمہیں ڈھانے کے لیے آئے ہیں، پکڑ لے، لیکن مجاور ابھی یہ جملہ ختم بھی نہ کرنے پایا تھا کہ سیدنا سعد بن زید رضی اللہ عنہ نے تلوار مار کر اس کا کام تمام کر دیا۔ پھر لپک کر اس بت کو مکمل طور پر

Marfat.com

منہدم کر دیا۔ (عیون الاثر: ۲/۲۵۰)

غرض یہ کہ رمضان کا پورا مہینہ بت شکنی میں گزرا اور اللہ تعالیٰ کی اس سرزمین سے بتوں اور کفر و شرک کی نجاست کے دھلوانے میں صرف ہوا۔

سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جب عزیٰ کو ڈھانے کے بعد بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تو شوال کے شروع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بنو خزیمہ کے پاس ساڑھے تین سو مجاہدین کے ساتھ تبلیغ اسلام کے لیے روانہ فرمایا۔ یہ لوگ یلملم کے قریب غمیصا نامی ایک تالاب کے کنارے پر رہتے تھے۔ آپ نے انہیں جا کر اسلام کی دعوت دی اور وہ لوگ مسلمان ہو گئے۔ لیکن گھبراہٹ میں یا کسی اور وجہ سے انہوں نے ''اسلمنا'' کے بجائے ''صبانا صبانا'' یعنی ہم نے اپنا دین چھوڑ دیا، ہم نے اپنا دین چھوڑ دیا کہا۔ اس پر سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ انہیں گرفتار کر کے قتل کر دیا جائے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے خالد کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ ایک روایت میں ہے کہ 95 آدمی قتل ہو گئے۔ واپس آ کر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بات کا تذکرہ کیا تو آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر دو مرتبہ یہ فرمایا: اے اللہ! خالد نے جو کچھ کیا میں اس سے بالکل بری ہوں۔ (ایک روایت یہ ہے کہ صرف بنو سلیم نے ان لوگوں کو قتل کیا تھا۔ مہاجرین اور انصار نے قتل نہیں کیا تھا۔)

پھر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بہت سا مال دے کر ان مقتولین کی دیت ادا کرنے کے لیے بھیجا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو یہ بھی تاکید فرمائی کہ ضیاع نفوس اور اموال کے معاملہ میں جاہلیت کے ناپ تول کو اپنے قدموں تلے روند دیجیے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے نہایت فراخ دلی سے دیت اور ان کے نقصانات کا تاوان ادا کیا اور اس کے بعد جو رقم بچ گئی اس کو بھی احتیاطاً ان پر تقسیم کر دیا تاکہ اگر کوئی اور بھی ان کا نقصان ہوا، جس کا ابھی پتہ نہیں چلا تو اس کی بھی تلافی ہو جائے۔

اس معاملہ میں سیدنا خالد رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ میں کچھ سخت کلامی بھی ہو گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اس بات کا پتہ چلا تو آپ نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ خالد رضی اللہ عنہ! میرے رفقاء کو کچھ کہنے سے باز رہو۔ اللہ کی قسم، اگر احد پہاڑ سونا ہو جائے اور وہ سارے کا سارا تم اللہ کی راہ میں خرچ کر دو تب بھی تم میرے ان ساتھیوں میں سے کسی ایک آدمی کی ایک صبح کی عبادت یا ایک شام کی عبادت کو نہیں پہنچ سکتے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جب واپس آ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی کارکردگی سے آگاہ کیا تو

Marfat.com

آپ ﷺ بہت خوش ہوئے اور فرمایا: **اصبت واحسنت.**

(زرقانی: ۳/۳، البدایہ والنہایہ: ۴/۳۱۴، عیون الاثر: ۲/۲۵۰، طبقات: ۲/۱۴۷)

یہ تھی مختصر روئیداد غزوہ فتح مکہ کی۔ یہ ایک بہت بڑی فتح تھی۔ اس غزوہ نے لوگوں کو اسلام سے بہت قریب کر دیا اور اس فتح کے بعد پورے جزیرۃ العرب کے دینی اور سیاسی افق پر مسلمانوں کا آفتابِ عالم تاب چمکنے لگا اور اب ہر قسم کی دنیوی قیادت بھی مسلمانوں کے ہاتھ میں آ گئی اور حالت یہ ہو گئی کہ عرب اقوام اب وفود کی شکل میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرنے لگے اور اگلے دو سالوں میں اسلام اس تیزی سے پھیلا جو گزشتہ بیس سال میں نہ پھیل سکا، چنانچہ غزوہ فتح مکہ میں آپ کے لشکر کی تعداد 10 ہزار تھی۔ اب اس کے بعد ہر غزوہ میں یہ تعداد تیزی سے بڑھنے لگی یہاں تک کہ حجۃ الوداع میں آپ کے ساتھیوں کی تعداد ایک لاکھ سے زائد تھی۔

فتح مکہ کے بعد مکہ اور اس کا حرم از سر نو امن و سلامتی کا گہوارہ بن گئے جہاں سے توحید کے نور کی درخشندہ و تابندہ رو اٹھ کر آسمان سے ٹکرائی، وہ رو جس کی ضیاء نے چودہ سو سال سے تمام کرۂ اغبر کو منور کر رکھا ہے۔

Marfat.com

غزوۂ حنین

فتح مکہ کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ یہیں مقیم رہے۔ وہ اس بات پر نہایت شاداں و فرحاں تھے کہ اتنی بڑی فتح میں قتل عام سے ان کا دامن پاک رہا۔ بلال رضی اللہ عنہ اذان کہتے تو ٹھٹھ کے ٹھٹھ مسرت و شادمانی کے ساتھ بیت اللہ میں نماز کے لیے جمع ہو جاتے، اس بیت اللہ میں جس کو دیکھنے کے لیے گزشتہ آٹھ سال سے ان کی آنکھیں ترس گئی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہر اور نواح میں جہاں تشریف لے جاتے مہاجرین و انصار آپ کے آگے پیچھے پروانوں کی طرح ہوتے۔ اس خوشی میں فاتحہ اور مفتوح دونوں شریک تھے کہ البلد الامین (مکہ مکرمہ) میں اسلام کو نفوذ اور استقرار حاصل ہوا۔ اتنے میں آپ کو اطلاع ملی کہ قبیلہ ہوازن مکہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ اگرچہ مسلمانوں کی اس فتح سے ہمسایہ قبائل میں یہ طاقت اور سکت نہ تھی کہ وہ مسلمانوں کا مقابلہ کر سکیں لیکن کچھ اڑیل اور متکبر قبائل ایسے بھی تھے جنہوں نے سپر نہ ڈالی، ان میں ہوازن اور ثقیف سرفہرست تھے۔ مضر، جشم، سعد بن بکر اور بنو ہلال بھی اس معاملہ میں ہوازن اور ثقیف کے ساتھ مل گئے، ان سب قبیلوں کا تعلق عیلان سے تھا۔

ہوازن اور ثقیف نہایت جنگجو اور ماہر تیر انداز قبائل میں سے تھے۔ فتح مکہ سے انہیں یہ خدشہ لاحق ہو گیا کہ کہیں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان پر حملہ نہ کر دیں۔ لہٰذا سرداران قبائل نے سر جوڑ کر یہ مشورہ کیا کہ قبل اس کے کہ مسلمان ہم پر حملہ آور ہوں، ہمیں مسلمانوں پر حملہ کر دینا چاہیے۔ چنانچہ بیس ہزار کا لشکر مالک بن عوف نصری کی زیر قیادت جمع ہو گیا۔

طائف مکہ سے قریباً ساٹھ میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑی علاقہ ہے۔ نہایت صحت افزا اور سرسبز و شاداب، قبیلہ ثقیف یہاں آباد تھا۔ اور مکہ کے درمیان ایک درمیانی علاقہ کا نام حنین ہے، قبیلہ ہوازن یہاں آباد تھا۔ قریش مکہ کی طرح ان دونوں قبائل کو بھی اپنی عظمت اور

Marfat.com

شجاعت پر بڑا ناز تھا۔ تیر اندازی میں پورے عرب میں ان کا ایک منفرد مقام تھا۔ مکہ فتح ہونے کے بعد ان کے جذبات میں ایک تموج سا پیدا ہوا کہ مکہ فتح ہو گیا۔ ہمارے تیرتھ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ ہمارے سب سے بڑے صنم خانہ کو پھر اللہ کا گھر بنا دیا گیا۔ ۳۶۷ بتوں کو وہاں سے ہٹا کر توحید کی آواز سے اس کو پاک و مطہر کر دیا گیا۔ یہ سب کچھ اس محمد ﷺ اور اس کے ساتھیوں نے کیا جن کو ہم نے طائف میں گھسنے نہ دیا تھا اور جب وہ زبردستی آ گئے تو پھر اینٹوں اور پتھروں سے ان کی ہم نے وہ تواضع کی کہ پورا جسم لہولہان ہو گیا اور یہاں کے کسی شخص نے ان کا نہ تو ساتھ دیا اور نہ ہی سنبھالا۔ ان کی یہ ہمت کہ ہمارے ہوتے ہوئے وہ ہمارے سب سے بڑے تیرتھ مکہ کا فاتح بنے۔'' ان جذبات نے ان قبائل کو اس قدر مشتعل کیا کہ انہوں نے مسلمانوں کے خلاف ایک فیصلہ کن جنگ کی تیاری شروع کر دی۔

رسول اللہ ﷺ کو جب ان حالات وواقعات کی اطلاع ملی تو آپ نے عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی رضی اللہ عنہ کو تحقیق احوال کے لیے روانہ فرمایا۔ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ایک دو روز ان میں رہ کر تمام حالات معلوم کیے اور واپس آ کر سرکار دو عالم ﷺ کو ان کی جنگی تیاریوں کے بارے میں تفصیل سے بتایا۔ چنانچہ سرور کائنات ﷺ نے بھی جنگ کی تیاری شروع کی۔ سامان جنگ کا جائزہ لیا تو زرہیں کچھ کم تھیں، نقد رقم کی بھی ضرورت تھی۔ عبداللہ بن ربیعہ نہایت دولت مند تھے، چنانچہ ان سے تیس ہزار درہم قرض لیے۔ (مسند احمد: ۳۶/۴) صفوان بن امیہ جو مکہ کا رئیس تھا اور مہمان نوازی میں مشہور تھا لیکن ابھی تک مسلمان نہیں ہوا تھا اس سے آپ ﷺ نے سو زرہیں طلب فرمائیں۔ اس نے کہا کہ جبراً یا طوعاً یعنی جبراً مانگتے ہو تو میں نہیں دیتا۔ آپ نے فرمایا جبراً نہیں طوعاً۔ (ابوداؤد، باب الصحافتہ) ایک روایت میں ہے کہ غصب یا عاریۃ۔ آپ نے فرمایا: غصب نہیں بلکہ عاریۃ، یعنی جتنی لی جائیں گی اتنی ہی واپس کی جائیں گی اور اگر کچھ ضائع ہو گئیں تو اس کا معاوضہ دیا جائے گا۔ اتفاق سے جنگ کے دوران کچھ زرہیں ضائع ہو گئیں۔ جب واپس کرنے کا وقت آیا تو آپ نے اس کا معاوضہ پیش فرمایا۔ لیکن سیدنا صفوان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: وہ وقت اور تھا جب میں نے یہ کہا۔ اب تو اسلام رگ و پے میں بس گیا ہے۔ اب زرہیں کیا جان کی پونجی بھی حاضر ہے۔

تیاری مکمل ہونے کے بعد ۶ شوال سنہ ۸ھ کو مسلمانوں کی فوج حنین کی طرف بڑھی۔ دس ہزار تو وہ مجاہدین تھے جو مدینہ سے آئے ہوئے تھے۔ ان کے علاوہ دو ہزار سے زائد مکہ کے نوجوان تھے۔ ان میں وہ بھی تھے جو اب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ ان میں کچھ ایسے جوشیلے

Marfat.com

اور جذباتی بھی تھے، جنہوں نے پورے ہتھیار بھی نہیں لیے تھے۔ اس لشکر میں ابوسفیان بن حرب بھی تھے۔ مسلمان سپاہیوں کی زرہوں کی چمک دیکھنے والوں کی آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔ مقدمہ فوج میں گھڑسواروں کا دستہ تھا، جس کی نگرانی میں رسد کے باربردار اونٹ بھی تھے۔ عرب نے اتنا بڑا لشکر آج تک نہ دیکھا تھا۔ ہر ایک قبیلہ کا دستہ اپنا علم سنبھالے ہوئے اور ہر ایک سپاہی اپنی فوج کی کثرت پر اس قدر نازاں کہ ان میں سے چند ایک نے ایک دوسرے سے گفتگو میں یہاں تک کہہ دیا کہ ''اتنی بڑی فوج کو کون شکست دے سکتا ہے!''

یہ فوج شام کے وقت میدان کارزار کے قریب پہنچی۔ جیسے ہی پیشانیٔ مشرق پر صبح صادق کا جھومر نمودار ہوا، سب نے فریضہ نماز ادا کیا اور ابھی پوری طرح اجالا بھی نہیں ہوا تھا کہ میدان حنین کی طرف پیش قدمی ہونے لگی۔ یہ میدان نشیب میں تھا۔ سب طرف پہاڑ تھے اور پہاڑی راستے ایسے ڈھلوان تھے کہ پیر جمنے مشکل تھے۔ میدان جنگ کے بیشتر مقامات پر دشمن کی فوجیں قابض اور راستہ کے پہاڑوں پر غنیم کے تیرانداز دستے مسلمانوں کے انتظار میں تھے۔ ان کا منصوبہ یہ تھا کہ جونہی مسلمان میدان جنگ میں داخل ہو جائیں تو سامنے سے فوجیں تیغ وسنان سے ان کا قلع قمع کر دیں اور اوپر سے تیراندازوں کے تیران کے پرخچے اڑا دیں، اور ان میں سے ایک شخص کو بھی زندہ واپس نہ جانے دیا جائے۔

مسلمانوں کے لشکر کے سب سے آگے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی سفید رنگ ناقہ قصواء پر سوار تشریف لے جا رہے تھے۔ آپ کے عقب میں سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں بنو سلیم کا دستہ مقدمۃ الجیش میں تھا، ان کے ہاتھ میں علم تھا۔

ادھر مسلمان مکہ سے نکلے دوسری طرف سے غنیم بھی جنگ کے لیے روانہ ہوا۔ فوج کا سپریم کمانڈر مالک بن عوف تھا جو اپنے قبیلہ کے ہمراہ، بنو ثقیف، بنو نصر و، بنو جشم بھی اس کے ساتھ تھے۔ (صرف ہوازن کی دو شاخوں قبیلہ کعب اور قبیلہ کلاب نے شرکت سے انکار کیا) مالک بن عوف نے بیس ہزار آدمیوں کے ساتھ میدان جنگ کی طرف پیش قدمی کی۔ وہ لوگوں کے ساتھ مال مویشی اور بال بچے بھی کھینچ لایا اور آگے بڑھ کر وادی اوطاس میں خیمہ زن ہوا۔ اوطاس حنین کے قریب بنو ہوازن کے علاقہ میں ایک وادی ہے، لیکن یہ وادی حنین سے علیحدہ ہے۔ حنین ایک دوسری وادی ہے جو ذوالمجاز کے بازو میں واقع ہے۔ وہاں سے عرفات ہوتے ہوئے مکہ کا فاصلہ دس میل سے زیادہ ہے۔ (فتح الباری: ۸/۲۷) اوطاس کی وادی جنگ کے

Marfat.com

لیے نہایت موزوں تھی۔ اس کی زمین نہ سخت تھی نہ ایسی نرم اور ریتلی کہ پاؤں دھنسیں۔ اس کو ان لوگوں نے پڑاؤ کے لیے منتخب کیا۔ عورتوں اور بچوں کو اس خیال سے لائے کہ یہ ساتھ ہوں گے تو ان کی حفاظت کی حمیت وغیرت بھی فوج کو جمے رہنے پر مجبور کرے گی اور لڑنے والوں کے پیر نہیں اکھڑنے دے گی۔ وہ اپنے ساتھ سردار بنی جشم درید بن صمہ جس کی عمر اس وقت سو سال سے متجاوز تھی، لے آئے کیونکہ وہ جنگی فنون کا ماہر اور تجربہ کار مانا جاتا تھا وہ پیرانہ سالی کی وجہ سے حس وحرکت بھی نہیں کر سکتا تھا، لیکن اس کو ایک ہودہ میں بٹھا کر صرف اس لیے ساتھ لے آئے تا کہ اس کے جنگی تجربات سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔

جب یہ فوج وادی اوطاس میں پہنچی تو درید بن صمہ نے دریافت کیا: یہ کون سا مقام ہے؟ لوگوں نے کہا یہ وادی اوطاس ہے۔ اس نے کہا: یہ مقام جنگ کے لیے نہایت موزوں ہے۔ بولا: ''اونٹوں کا بلبلانا اور گدھوں کا ہنہنانہ اور بھیڑ بکریوں کا ممیانا اور بچوں کا رونا اور بلبلانا، یہ میں کیا سن رہا ہوں؟'' لوگوں نے کہا: یہ مالک بن عوف لوگوں کو اہل و عیال اور مال مویشی سمیت لے کر آیا ہے تا کہ لوگ ان کے خیال سے میدان سے بھاگ نہ سکیں۔'' درید نے کہا: تم نے بڑی سخت غلطی کی کیونکہ جب پیر اکھڑ جاتے ہیں تو نہ عورتیں اور بچے انہیں جما سکتے ہیں اور نہ مال مویشی۔ ایسے موقع پر صرف فوج، تلوار اور تیر کام آتے ہیں۔ اے مالک! واللہ! تم نرے بھیڑوں کے چرواہے ہو۔ دیکھو، اگر جنگ میں تم غالب رہتے ہو تو بھی شمشیر وسنان ہی تمہارے لیے مفید ہے اور اگر شکست کھا گئے تو پھر تمہیں اپنے اہل وعیال اور مال ومویشی کے بارے میں ذلیل ورسوا ہونا پڑے گا۔ اس نے کہا: مالک! بنو ہوازن کی عورتوں اور بچوں کو سواروں کے مدمقابل لا کر کوئی اچھا کام نہیں کیا۔ انہیں ان کے علاقہ میں محفوظ مقامات پر بھیج دو اور اس کے بعد گھوڑوں کی پیٹھ پر بیٹھ کر غنیم سے ٹکر لو، اگر تمہیں فتح ہوئی تو وہ تم سے آ ملیں گے اور اگر شکست ہوئی تو تمہارے اہل وعیال اور مال مویشی محفوظ رہیں گے۔

درید کی رائے بالکل درست تھی، چنانچہ مسلمانوں کا لشکر جب ادھر آ رہا تھا تو ایک سوار نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آ کر بتایا کہ میں نے فلاں پہاڑ پر چڑھ کر دیکھا ہے کہ بنو ہوازن سب کے سب ہی آ گئے ہیں۔ ان کی عورتیں، چوپائے، اونٹ، بکریاں سب ساتھ ہیں۔ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبسم فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: یہ سب ان شاء اللہ کل مسلمانوں کا مال غنیمت ہوگا۔''

(سنن ابی داؤد مع عون المعبود: ۲/ ۳۱۷)

Marfat.com

درید بن صمہ کا یہ مشورہ سپریم کمانڈر مالک بن عوف نے مسترد کر دیا اور لشکر سے یہ کہا کہ خدا کی قسم میں ایسا ہرگز نہیں کر سکتا۔ تم ایک پیر فرتوت ہو اور تمہاری عقل بھی بوڑھی ہو چکی ہے۔ بخدا! یا تو بنو ہوازن میری اطاعت کریں یا پھر میں اس تلوار پر ٹیک لگا دوں گا جو میری پیٹھ کے آر پار نکل جائے گی یا میں خودکشی کر لوں گا۔ دراصل مالک بن عوف کو یہ گوارا نہ ہوا کہ اس جنگ میں درید کا نام یا مشورہ شامل ہو کیونکہ اسے یقین تھا کہ ہمیں فتح ہو گی اور فتح کا سارا کریڈٹ وہ خود لینا چاہتا تھا۔ ہوازن نے کہا: ہم تمہاری اطاعت کریں گے۔ اس پر درید نے کہا کہ یہ ایسی جنگ ہے جس میں نہ شریک ہوں اور نہ الگ ہوں۔

مالک نے مسلمانوں کی فوج کا پتہ لگانے کے لیے جاسوس بھیجے ہوئے تھے۔ وہ جاسوس جب واپس آئے تو ان کی حالت غیر تھی۔ ان کا جوڑ جوڑ ٹوٹ پھوٹ گیا تھا۔ مالک نے حیرانگی سے پوچھا: ''تمہیں یہ کیا ہو گیا ہے؟'' انہوں نے جواب دیا: ''ہم نے کچھ چتکبرے گھوڑوں پر سفید انسان دیکھے ہیں اور انہیں دیکھ کر واللہ ہماری یہ حالت ہو گئی ہے۔ جسے تم دیکھ رہے ہو۔''

مالک بن عوف اس وادی میں اسلامی لشکر سے پہلے پہنچ چکا تھا اور رات کی تاریکی میں اس وادی کے اندر اتر کر وہ اپنی فوج کو راستوں، گزرگاہوں، گھاٹیوں، دروں وغیرہ میں پھیلا اور چھپا چکا تھا اور انہیں یہ سب کچھ بتلا چکا تھا کہ جونہی اسلامی لشکر تمہاری زد میں آئے اسے تیروں سے چھلنی کر دیا جائے اور پھر شمشیر زن یک بارگی حملہ کر کے ان کی تکا بوٹی کر دیں۔

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ اسلامی لشکر کے سپریم کمانڈر اپنی سفید رنگ کی ناقہ قصواء پر سوار سب کے آگے تشریف لے جا رہے تھے اور ان کے عقب میں سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں بنو سلیم کا دستہ مقدمۃ الجیش میں تھا اور ان کے ہاتھ میں علم بھی تھا، جونہی یہ دستہ تہامہ کا میدان طے کر کے حنین کی تنگ گھاٹی سے گزرا، غنیم کی فوجوں نے جو درہ کی چوٹی پر گھات لگائے بیٹھی تھیں، اپنے کمانڈر مالک بن عوف کی ہدایت کے مطابق پے در پے تیروں کی باڑھ چھوڑ دی۔ مسلمان صبح کے جھٹپٹے میں وادی حنین کی طرف آ رہے تھے۔ وہ دشمن کی موجودگی سے بے خبر تھے۔ انہیں بالکل علم نہیں تھا کہ وادی کے تنگ دروں کے اندر ہوازن اور ثقیف کے جیالے ان کی گھات میں بیٹھے ہیں۔ اس لیے وہ پورے اطمینان کے ساتھ بے خبری کے عالم میں اتر رہے تھے کہ اچانک ان پر تیروں کی بارش ہو گئی۔ اس اچانک حملہ سے قدرتی بات ہے کہ مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ وہ

Marfat.com

زیادہ بدحواس ہو گئے اور ان میں ایسی بھگدڑ مچی کہ کوئی کسی کا پرسان حال نہ تھا۔ جو اپنی بہادری کے زعم میں مکہ سے اسلامی فوج میں شریک ہو کر آئے تھے وہ ''لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں۔'' وہ مکہ سے اپنی تلوار بھی لائے تھے لہٰذا اس نازک موقع پر بھاگنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ کچھ وہ لوگ جو ابھی مسلمان تو نہیں ہوئے تھے لیکن مکہ سے اسلامی فوج میں شریک ہو کر آئے تھے، ان میں کچھ خوش بھی تھے کہ ہمارا بدلہ بنو ہوازن نے چکا دیا، کئی لوگوں نے یہ بھی کہا کہ اب ان کی بھگدڑ سمندر سے پہلے نہ رکے گی۔ یہ بیان تو محمد بن اسحاق کا ہے جو ایسے موقع پر اکثر صحیح بات کو چھپا جاتا ہے، براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ بنو ہوازن تیر انداز تھے۔ ہم نے حملہ کیا تو بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد ہم جو دشمن کے مال پر ٹوٹ پڑے تو تیروں سے ہمارا استقبال کیا گیا۔ (بخاری: ص ا)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے مکہ فتح کیا، پھر حنین پر چڑھائی کی۔ مشرکین نے اتنی اچھی صف بندی کی جو میں نے اس سے قبل کبھی نہیں دیکھی۔ سواروں کی صف، پھر پیادوں کی صف، پھر ان کے پیچھے عورتیں، پھر ان سب کے پیچھے مال و مویشی، ہم لوگ بڑی تعداد میں تھے۔ ہمارے میمنہ پر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھے مگر ہمارے سوار دشمن کی تیراندازی کی وجہ سے ہماری پیٹھ کے پیچھے پناہ لینے لگے اور ذرا سی دیر میں ہمارے سوار بھاگ کھڑے ہوئے، اعراب بھی بھاگے اور وہ لوگ بھی جنہیں تم جانتے ہو۔ (فتح الباری: ۲۹/۸) اس بھگدڑ سے مسلمانوں کی حالت وہ ہو گئی جس کا نقشہ قرآن نے ان الفاظ میں کھینچا ہے: ''**ضاقت علیکم الارض بما رحبت**'' (تنگ ہو گئی تم پر زمین باوجود اپنی وسعت کے)، لیکن فضل خداوندی مسلمانوں پر سایہ فگن تھا۔ یہ جو کچھ ہوا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک انتباہ تھا۔ اللہ کے فضل و کرم کا محور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیکر مقدس تھا جو اپنی جگہ استقلال و استقامت کا پہاڑ بن کر کھڑا رہا جس میں اگر جنبش ہوئی تو اتنی کہ وہ اپنے سفید خچر سے نیچے اترا، لیکن اکثر روایات میں ہے کہ آپ خچر پر سوار ہی رہے۔ بھگدڑ کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رخ کفار کی طرف تھا اور آپ بجائے پیچھے آنے کے پیش قدمی کے لیے اپنے خچر کو ایڑ لگا رہے تھے۔ تلوار ہاتھ میں تھی اور اونچی آواز کے ساتھ یہ رجزیہ کلمات کہہ رہے تھے:

ان النبی لا کذب　　　　انا ابن عبدالمطلب

''میں نبی ہوں اور اس میں کوئی جھوٹ نہیں اور میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔''

Marfat.com

پاؤں اکھڑنا اور انتشار اضطرار اً تھا[1]

[1] علامہ سید سلیمان ندوی قدس سرہ نے سیرۃ النبی: ۱/۵۳۴ کے حاشیہ میں اس بات کو تفصیل سے بیان کیا ہے کہ کن لوگوں کے پاؤں اکھڑے تھے اور انتشار کن لوگوں میں پیدا ہوا تھا۔ فرماتے ہیں کہ ''اول وہلہ مسلمانوں کی شکست کا جو ذکر کیا گیا ہے وہ محمد ابن اسحاق کی روایت ہے، لیکن بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ معاملہ وہی ہوا جو جنگ احد میں ہوا تھا۔ چنانچہ سیدنا براء رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ''ہم نے ان پر جب حملہ کیا تو وہ شکست کھا کر پیچھے ہٹ گئے۔ ہم لوگ مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے تو انہوں نے ہمیں تیروں پر دھر لیا۔ (بخاری غزوہ حنین) دوسرے شکست کے ظاہری اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی تھا کہ اس جنگ میں کچھ لوگ صرف اس غرض سے شریک ہوئے تھے کہ مسلمانوں کو عین جنگ میں دھوکا دیں۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ام سلیم نے جو اس جنگ میں شریک تھیں، حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ان طلقاء کو قتل کر دیجئے۔ انہی کی وجہ سے شکست ہوئی ہے۔ (مسلم، باب غزوۃ النساء مع الرجال) چنانچہ اس حدیث کی شرح میں امام نووی نے بتایا ہے کہ ''یہ سب لوگ نہیں بھاگے تھے بلکہ مکہ کے مؤلفۃ القلوب میں جو منافق تھے اور مکہ کے مشرکین (جو اس جنگ میں شریک ہو گئے تھے اور جو اب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) انہوں نے بھاگنا شروع کیا تھا اور یہ ناگہانی ہزیمت اس وجہ سے ہوئی کہ دشمنوں نے ایک ساتھ تیروں کی بارش شروع کر دی تھی اور فوج میں ایسے اہل مکہ بھی تھے جن کے دلوں میں ایمان واضح نہیں ہوا تھا اور مسلمانوں پر مصائب کے منتظر تھے۔ ان میں عورتیں اور بچے بھی تھے جو صرف غنیمت کے لیے آئے تھے۔'' (نووی غزوۂ حنین) امام ابو حیان اندلسی نے بھی تفسیر بحر المحیط: ۵/۲۴ پر یہی لکھا ہے کہ ''کہا جاتا ہے کہ مکہ کے طلقاء بھاگے تھے اور ان کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو شکست ہو جائے۔'' صاحب روح المعانی نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ (روح المعانی: ۱۰/۶۶)

اور یہ جو بخاری کی روایت میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''لوگ پیچھے ہٹ گئے یہاں تک کہ آپ تنہا رہ گئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس جگہ آپ تھے وہاں اور کوئی نہ تھا اور جب انصار کو آواز دی گئی تو ان کا جواب یہ تھا۔ یارسول اللہ! ہم حاضر ہیں۔ آپ خوش ہوں کہ ہم آپ کے پاس ہیں (یعنی بھاگے نہیں ہیں) اور سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی روایت جو بخاری نے نقل کی ہے اس میں ہے کہ انصار نے جواب دیا: ''یارسول اللہ! ہم حاضر ہیں، ==

Marfat.com

ایک نئے جانثار سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حارث بن عبدالمطلب جو خواجہ عبدالمطلب کے بڑے بیٹے حارث کے بیٹے تھے اور ایک ماہ قبل مشرف باسلام ہوئے تھے، پہلے سخت مخالف تھے، لیکن اسلام لانے کے بعد پھر اتنے ہی جانثار ہو گئے تھے، اس نازک موقع پر انہوں نے آگے بڑھ کر خچر کی لگام پکڑ لی۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب عم محترم نے رکاب تھام لی کہ خچر کہیں تیزی سے آگے نہ بڑھ جائے۔ دس بارہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بالکل قریب تھے، فوری طور پر آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ، سیدنا عباس رضی اللہ عنہ، سیدنا فضل بن عباس رضی اللہ عنہ اور سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ انہیں قریبی جانثاروں میں سے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو جن کی آواز خاصی بلند تھی، حکم فرمایا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آواز دیں! "**یا معشر الانصار! یا معشر اصحاب السمرہ!**" (اے گروہ انصار! اے بیعت رضوان والو!) یہ بیعت رضوان والے وہ تھے جنہوں نے حدیبیہ کے مقام پر ایک کیکر کے درخت کے نیچے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر اس بات کا عہد کیا تھا کہ جان دے دیں گے، لیکن میدان سے نہیں ہٹیں گے۔ مہاجرین کو بھی پکارا گیا۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جونہی میں نے یہ آواز دی، صحابہ رضی اللہ عنہم فوراً سنبھلے، خدا کی قسم، وہ میری آواز سن کر اس طرح پلٹے جیسے گائے اپنے بچوں پر پلٹتی ہے اور جواب دیا: لبیک، لبیک۔

اس آواز کا کانوں میں پڑنا تھا کہ تمام فوج ایک دم پلٹ پڑی۔ جن لوگوں کے گھوڑے یا اونٹ گھمسان کی وجہ سے مڑ نہ سکے وہ اپنی سواریوں سے کود پڑے اور زرہیں ان کی گردنوں میں ڈال دیں اور اونٹ اور گھوڑے کو چھوڑ کر شمشیر بکف میدان کی طرف دوڑے اور ایثار و فدائیت کے جوہر دکھانے شروع کر دیئے۔ مسلمانوں نے اس اچانک تیر اندازی کے

= ہم آپ کے سامنے ہیں۔" (بخاری، غزوۂ طائف)

حافظ ابن حجر نے ان سب روایات میں ان الفاظ میں تطبیق کی ہے کہ "اور اس قول میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تنہا رہ گئے اور ان واقعات میں جو اس پر دال ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صحابہ کی ایک جماعت تھی، تطبیق یہ ہے کہ حضور دشمن کے سامنے سب سے آگے مقام پر تھے اور جو آپ کے ساتھ ثابت قدم تھے وہ آپ کے پیچھے تھے۔ (فتح الباری: ۲۴/۸) بہر حال سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بحث پڑھنے کے قابل ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام صحابہ کے پاؤں نہیں اکھڑے تھے بلکہ صحابہ کی ایک اچھی خاصی تعداد آپ کے پیچھے موجود تھی۔ بھاگنے والوں میں زیادہ تر طلقاء اور مؤلفۃ القلوب تھے۔

Marfat.com

باعث جس رفتار سے میدان چھوڑا تھا اس سے زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ ایک کے پیچھے ایک آتے چلے گئے اور دیکھنے والوں نے دیکھا کہ فریقین میں دھواں دھار جنگ شروع ہوگئی۔ دفعتاً لڑائی کا رنگ بدل گیا۔ ثقیف و ہوازن کے سوار مسلمانوں کے اس زبردست حملہ کی تاب نہ لاکر میدان سے بھاگ نکلے۔ جو رہ گئے ان کی گردنوں میں غلامی کا طوق تھا یعنی وہ گرفتار کر لیے گئے۔

جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہوازن کی پسپائی سے کچھ ہی پہلے میں نے ایک سیاہ چادر آسمان سے اترتی دیکھی وہ چادر ہمارے اور غنیم کے درمیان آ کر گری۔ دفعتاً اس میں سے سیاہ چیونٹیاں نکلیں اور تمام وادی میں پھیل گئیں۔ مجھے ان کے فرشتے ہونے میں ذرہ برابر بھی شک نہیں۔ ان کا اترنا تھا کہ دشمن کو شکست ہوگئی۔ (**لم اشک انها الملائکه ولم یکن الاهزیمه القوم**) (عیون الاثر: ۲/ ۲۵۸، ابن ہشام: ۲/ ۴۴۴۔۴۴۵، مسلم: ۲/ ۱۰۰)

جب جنگ اپنے پورے زور پر تھی تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نظر اٹھا کر میدان جنگ کی طرف دیکھا تو فرمایا: اب چولہا گرم ہوگیا ہے۔ آپ نے مٹی کی ایک مٹھی اٹھا کر "شاهت الوجوه" (چہرے بگڑ جائیں گے) کہتے ہوئے دشمن کے لشکر کی طرف پھینکی۔ یہ مٹھی بھر مٹی کچھ اس طرح سے پھیلی کہ دشمن کے ہر شخص کی آنکھوں میں پڑی جس نے اسے راہ فرار پر مجبور کر دیا، کیونکہ اس سے ان کی ہمت ٹوٹتی چلی گئی۔ چنانچہ پورا لشکر چند لمحوں میں کائی کی طرح چھٹ گیا اور دشمن کو شکست فاش ہوئی۔ (مسلم، باب غزوہ حنین) ثقیف کی ایک شاخ (بنو مالک) کے جوان جم کر لڑے لیکن اپنے ستر آدمی بھینٹ چڑھا بیٹھے۔ جب ان کا علم بردار عثمان بن عبداللہ مارا گیا تو وہ بھی ثابت قدم نہ رہ سکے۔

بھاگے ایک طرف نہیں بلکہ جس طرف راہ ملی انہوں نے بھاگ کر اپنی جان بچائی۔ بھاگنے والوں کی کچھ بٹالین نخلہ کی طرف بھاگیں اور ایک گروہ نے طائف کا رخ کیا۔ درید بن صمہ کئی ہزار کی جمعیت کے ساتھ وادی اوطاس میں ٹھہرا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک جماعت کو ان کے تعاقب میں اوطاس کی طرف روانہ فرمایا۔ سیدنا ابو عامر رضی اللہ عنہ تو شہید ہو گئے لیکن ان کے چچا زاد بھائی سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر حملہ کیا اور دشمن کو قتل کر کے جھنڈا اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ جھنڈے کا زمین پر گرنا تھا کہ غنیم کی پوری جمعیت فرار ہوگئی۔ مالک بن عوف جو پوری فوج کا سپریم کمانڈر تھا، کئی ہزار سپاہیوں کے ساتھ طائف پہنچا اور وہاں قلعہ بند ہوگیا۔ مسلم شہ سواروں کی ایک اور جماعت نخلہ

Marfat.com

کی طرف فرار ہونے والے مشرکین کے تعاقب میں گئی اور وہاں انہیں مزید شکست دی۔ درید بن صمہ پکڑا گیا اور ربیعہ بن رفیع کے ہاتھوں قتل ہوا۔ رسول اللہ ﷺ کو جب ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ کی شہادت کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اللھم اغفر لابی عامر واجعله من اعلی امتی فی الجنه." آپ ﷺ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے لیے بھی دعا فرمائی۔ (عیون الاثر: ۲/ ۲۵۹، ابن ہشام: ۲/ ۴۴۹، فتح الباری: ۸/ ۳۴)

دشمن تو شکست کھا کر بھاگ گیا لیکن وہ مال مویشی جو اپنے ساتھ لائے، وہ آپ کی پیشین گوئی کے مطابق مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ جس کی تفصیل کچھ یوں ہے:

قیدی چھ ہزار، اونٹ چوبیس ہزار، بکریاں چالیس ہزار سے بھی زیادہ، چاندی چار ہزار اوقیہ (یعنی چھ کوئنٹل سے چند کلو کم۔) یہ سب مال اکٹھا کر کے سیدنا مسعود بن عمرہ غفاری رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں جعرانہ بھیج دیا اور تاکید کی کہ جب تک میں طائف سے فارغ ہو کر نہ آ جاؤں اس کو تقسیم نہ کیا جائے۔

قیدیوں میں آپ کی رضاعی بہن اور حلیمہ سعدیہ کی بیٹی شیماء بنت حارث سعدیہ بھی تھیں۔ جب انہیں سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں لایا گیا تو انہوں نے اپنا تعارف کرایا۔ آپ نے اسے ایک علامت سے پہچان لیا۔ آپ نے ان کی بڑی عزت افزائی کی، اپنی چادر مبارک بچھا کر اسے بٹھایا اور احسان فرماتے ہوئے انہیں ان کی قوم میں واپس کر دیا، وہ مسلمان ہو گئیں، آپ نے چلتے وقت انہیں کچھ اونٹ اور بکریاں اور تین غلام اور ایک لونڈی عطا فرمائی۔
(اصابہ: ۴/ ۳۴۴)

غزوہ طائف:

یہ غزوہ دراصل غزوہ حنین کی ایک فرع ہے، کیونکہ ثقیف اور ہوازن کے کئی ہزار شکست خوردہ افراد اپنے سپریم کمانڈر مالک بن عوف نصری کے ساتھ بھاگ کر طائف آئے تھے اور یہیں قلعہ بند ہو گئے تھے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے حنین سے فارغ ہو کر طائف کا ارادہ فرمایا، طائف روانہ ہونے سے پہلے آپ ﷺ نے ایک تو سیدنا طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ کو چند مہاجرین کے ساتھ ایک چوبی بت ذوالکفین کو جلانے کے لیے روانہ فرمایا جو اس کو جلا کر آپ کے طائف پہنچنے کے چار روز بعد آپ کی خدمت میں پہنچ گئے اور ایک دبابہ اور منجنیق ساتھ لائے۔ (زرقانی: ۳/ ۲۸) اور دوسرے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی کمان میں ایک ہزار افراد پر

Marfat.com

مشتمل ہراول دستہ طائف کی طرف روانہ فرمایا۔ پھر آپ ﷺ نے خود طائف کا رخ فرمایا۔ راستہ میں نخلہ یمانیہ، قرن منازل اور لیہ سے گزرتے ہوئے آپ طائف پہنچے۔ لیہ میں مالک بن عوف کے ایک قلعہ کو منہدم کروایا۔ طائف پہنچ کر آپ قلعہ کے قریب خیمہ زن ہو گئے اور قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔ (عیون الاثر: ۲/۲۰۷، طبقات ابن سعد: ۲/ ۱۵۸)

رسول اللہ ﷺ کے طائف پہنچنے سے پہلے بنو ہوازن کا سپریم کمانڈر مالک بن عوف نصری اپنی شکست خوردہ فوج کے ساتھ طائف کے قلعہ میں داخل ہوکر دروازہ بند کر چکا تھا۔ اس نے قلعہ بند ہونے سے پہلے کئی سال کا سامان خورد ونوش فراہم کر لیا تھا۔ یہ وہی طائف تھا جہاں ہجرت سے قبل سرکار دو عالم ﷺ جب تشریف لے گئے تھے تو یہاں کے مغرور اور متکبر رئیسوں نے آپ کی بات تک نہ سنی تھی۔ قبیلہ ثقیف یہاں آباد تھا جو نہ صرف مرفہ حال تھا بلکہ بہادری میں بھی اپنی مثال آپ تھا۔ یہ اپنے آپ کو قریش کا ہم پلہ اور پورے عرب کی ناک سمجھتا تھا۔ طائف کا مضبوط قلعہ پہاڑ پر ہونے کی وجہ سے ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا، اور ایک مضبوط فصیل بھی شہر کو اپنے گھیرے میں لے کر اس کی حفاظت ونگہبانی کے فرائض سرانجام دے رہی تھی۔ مالک بن عوف نصری حنین میں مسلمانوں کے ہاتھوں شکست فاش کھا کر اس قلعہ اور شہر پناہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہاں آ کر قلعہ بند ہو گیا تھا۔ طائف کا یہ علاقہ زرخیز ہونے کی وجہ سے بے پناہ سامان خورد ونوش اور غلہ وغیرہ اپنے دامن میں رکھتا تھا۔ چنانچہ کئی سال کا سامان خورد ونوش قلعہ بند فوجیوں نے قلعہ میں فراہم کر لیا ہوا تھا تاکہ اگر محاصرہ طول پکڑے تو اندرون قلعہ غلہ کی قلت محسوس نہ ہو اور محاصرین محاصرہ کی طوالت سے تنگ آ کر چلے جائیں۔

صحیح مسلم کی روایت کے مطابق محاصرہ چالیس دن تک جاری رہا۔ بعض روایات میں بیس دن، پندرہ دن، اٹھارہ دن، اور دس دن کی مدت بھی مذکور ہے۔ (فتح الباری: ۸/ ۴۵)

مسلمانوں نے جب قلعہ کا محاصرہ کیا تو ان پر اندر سے نہایت شدت کے ساتھ تیر اندازی کی گئی جس سے متعدد مسلمان زخمی اور بارہ کے قریب شہید ہوئے اور انہیں اپنا کیمپ اس جگہ سے دور لے جانا پڑا۔ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے انہیں دست بدست مقابلہ کے لیے بلایا لیکن انہوں نے کہا کہ ہمیں قلعہ سے نکلنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جب ہمارا سارا سامان رسد ختم ہو جائے گا تب ہم اترنے کے لیے سوچیں گے۔ اب صرف ایک ہی صورت تھی کہ منجنیق کے ذریعہ ان پر گولے پھینکے جائیں اور قلعہ کی دیواروں کو اس طرح سے توڑا جائے تاکہ وہ باہر نکلنے

Marfat.com

پر مجبور ہوں۔ چنانچہ منجنیق نصب کی گئی۔[1]

[1] سرکار دو عالم ﷺ کے منجنیق استعمال کرنے سے پتہ چلا کہ جنگ میں جدید آلات کا استعمال کرنا سنت نبوی ہے۔ اس سے قبل مسلمانوں نے کبھی جنگ میں منجنیق کا استعمال نہیں کیا تھا۔ کتانی نے لکھا ہے کہ

''سب سے پہلے منجنیق کو رسول اللہ ﷺ نے استعمال فرمایا طائف والوں پر۔ اس کی صورت یوں ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ کے چند صحابہ دبابے میں داخل ہو کر طائف کی فصیل تک پہنچے تا کہ اس کے دروازے کو آگ لگا دیں۔'' (الکتانی: ص ۳۷۵)

طبقات ابن سعد وغیرہ کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں جوش نامی شہر دبابات اور منجنیق وعرادات کی صنعت میں بہت مشہور تھا۔ سیدنا عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ اور محمود بن غیلان رضی اللہ عنہ نے جوش جا کر ان آلات کو بنانے کا طریقہ سیکھا تھا۔ (طبقات: ۲/۲۲۱) اور جوش کا شہر بعض کے نزدیک یمن میں تھا اور بعض کے نزدیک شرق اردن میں۔

اس نے گولے پھینک کر قلعہ کی دیواروں میں شگاف بھی ڈالے اور مسلمانوں کی ایک جماعت دبابہ میں بیٹھ کر آگ لگانے کے لیے دیوار قلعہ تک پہنچ گئی، لیکن دشمن نے ان پر لوہے کی گرم سلاخیں پھینکیں جس سے ان کو واپس آنا پڑا، کچھ مجاہدین اس مہم میں شہید بھی ہوئے۔
(سیرۃ حلبیہ: ۳/۱۳۳، عیون الاثر: ۲/۲۷۰، طبقات: ۲/۱۵۹)

اب ایک صورت ان کو شکست دینے یا گفتگو پر آمادہ کرنے کی یہ تھی کہ ان کو مالی نقصان پہنچایا جائے تا کہ وہ اپنے مال کی حفاظت کے لیے قلعہ سے نکلیں۔ چنانچہ سرور کائنات ﷺ نے حکم فرمایا کہ ان کے باغات کاٹ دیئے جائیں لیکن اہل طائف جیسے ہوشیار تھے ویسے ہی رسول اللہ ﷺ کے مزاج شناس بھی تھے۔ انہوں نے اللہ کا اور قریش سے اپنی قرابت اور رشتہ داری کا واسطہ دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس واسطہ کا احترام کرتے ہوئے یہ حکم واپس لے لیا۔
(عیون الاثر: ۲/۲۷۰، طبقات: ۲/۱۵۹)

اب ایک اور تدبیر اختیار کی گئی کہ دیوار قلعہ کے قریب یہ آوازہ لگوایا گیا کہ جو غلام قلعہ سے اتر کر ہمارے پاس آ جائے گا وہ آزاد ہے۔ اس اعلان پر تیس آدمی قلعہ سے نکل کر مسلمانوں کے لشکر میں آ شامل ہوئے۔ (بخاری: ص ۶۲۰) انہیں میں سے ایک حارث بن کلاہ بھی تھے جو ایک چرخی کے ذریعے لٹک کر نیچے اتر آئے اور اسلام سے مشرف ہوئے۔ (چرخی کو عربی زبان میں بکرہ کہتے ہیں۔ اس لیے سرکار دو عالم ﷺ نے ان کی کنیت ابوبکرہ رکھ دی۔

Marfat.com

اصل نام حارث تھا) رسول اللہ ﷺ نے ان سب غلاموں کو آزاد قرار دے دیا اور ہر ایک کو ایک ایک مسلمان کے حوالے کر دیا کہ اسے سامان بہم پہنچائیں۔ یہ حادثہ اہل قلعہ کے لیے بڑا جانکاہ تھا اور وہ پریشان ہو گئے۔

اسی اثناء میں آپ نے ایک خواب دیکھا کہ دودھ کا پیالہ آپ کے سامنے ہے اور مرغ نے اس میں چونچ ماردی جس سے وہ دودھ گر گیا۔ آپ نے یہ خواب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بیان فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا کہ غالباً یہ قلعہ ابھی فتح نہیں ہوگا۔

(البدایہ والنہایہ: ۴/۳۵۰)

جب محاصرہ طویل ہو گیا اور قلعہ قابو میں آتا نظر نہ آیا تو سرکار دو عالم ﷺ نے نوفل بن معاویہ دیلمی رضی اللہ عنہ کو بلا کر دریافت کیا کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ (نوفل بن معاویہ دیلمی ایک تجربہ کار صاحب الرائے شخص تھے۔ ساٹھ سال کی عمر میں مسلمان ہوئے اور بعد میں بھی ساٹھ سال کی عمر پائی اور یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایک سو بیس سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ رضی اللہ عنہ) سیدنا نوفل رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! لومڑی اپنے بھٹ میں ہے۔ اگر آپ ڈٹے رہے تو پکڑ لیں گے اور اگر چھوڑ کر چلے گئے تب بھی کوئی اندیشہ نہیں۔ (البدایہ والنہایہ: ۴/۳۵۰) لومڑی کو پکڑنے کی کوشش میں مدت صرف کرنا اور محاصرہ کو طول دینا کسی کشور کشا فاتح کا کام تو ہو سکتا ہے لیکن خاتم الانبیاء جو دلوں کو فتح کرنے کے لیے آئے تھے وہ اتنا وقت نہیں دے سکتے تھے۔ دوسرے ان پر حملہ کا مقصد حاصل ہو چکا تھا۔ اہل طائف کے حوصلے پست اور ہمتیں ٹوٹ چکیں تھیں، لہٰذا آپ نے محاصرہ اٹھا لینے کا حکم فرما دیا۔

(زرقانی: ۳/۳۳، عیون الاثر: ۲/۲۷۱)

روایت میں ہے کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر آپ کا یہ حکم گراں گزرا کہ انشاء اللہ ہم کل واپس ہوں گے۔ ان کا خیال تھا کہ بغیر طائف فتح کیے ہم واپس نہ ہوں۔ آپ کو جب ان جذبات کی اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا کہ اچھا کل صبح جنگ پر چلنا۔ چنانچہ دوسرے روز جب صحابہ جنگ پر گئے تو سوائے زخموں کے اور کچھ حاصل نہ ہوا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے پھر فرمایا کہ ان شاء اللہ ہم کل واپس ہوں گے، اب لوگوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، اور محاصرہ ختم کر کے وہ واپس چل دیئے ان کے واپس چل دینے سے رسول اللہ ﷺ مسکرائے۔

(عیون الاثر: ۲/۲۷۱)

ابن سعد کی روایت میں ہے کہ اس وقت بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بارگاہ نبوت میں

Marfat.com

عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ان کے لیے بددعا کر دیجئے، لیکن رحمت عالم ﷺ کے ہاں بددعا تو تھی ہی نہیں۔ انہوں نے تو اہل طائف کے لیے اس وقت بددعا نہ کی تھی جب انہوں نے آپ کو پتھر مار مار کر لہولہان کر دیا تھا۔ آپ نے اس وقت یہی فرمایا تھا۔

''الٰہی پھول برسا پتھروں والی زمینوں پر۔''

اب بھی آپ نے بددعا کے بجائے دعا فرمائی:

اللهم اهد ثقيفا وايت بهم. (طبقات:۲/۲۰۲)

''اے اللہ! ثقیف کو ہدایت دے اور انہیں لے آ۔''

آپ کی یہ دعا قبول ہوئی۔ چنانچہ طائف کے رئیس اعظم عروہ بن مسعود ثقفی لشکر اسلام کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ ابھی مدینہ طیبہ پہنچنے بھی نہ پائے تھے کہ حاضر ہو کر مشرف باسلام ہو گئے۔ اس کے بعد ثقیف کا ایک وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور چند روز قیام کر کے حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ مالک بن عوف نصری سپریم کمانڈر بنو ہوازن بھی ایک جماعت لے کر مدینہ حاضر ہوا اور حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔

مالِ غنیمت کی تقسیم:

طائف کے محاصرہ سے فارغ ہو کر آپ ۵ ذی قعدہ سنہ ۸ ھ میں جعرانہ تشریف لائے۔ یہاں تمام مال غنیمت محفوظ تھا۔ آپ یہاں دس بارہ روز ٹھہرے۔ اس تاخیر کا مقصد یہ تھا کہ شاید ہوازن کا وفد تائب ہو کر آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو جائے اور اس نے جو کھویا ہے سب لے جائے، لیکن جب وہ نہ آئے تو آپ نے مال کی تقسیم شروع کر دی۔ اس مال غنیمت میں سے خمس نکال کر قاعدہ کے مطابق بقیہ چار حصے مجاہدین اسلام میں تقسیم فرمائے۔ ہر ایک مجاہد کے حصہ میں چار اونٹ اور چالیس بکریاں آئیں۔ جن مجاہدین کے پاس گھوڑے تھے ان کو دو دو حصے مزید دیئے گئے۔ اس طرح ان کے حصہ میں بارہ اونٹ اور ایک سو بیس بکریاں آئیں۔ (سیرۃ حلبیہ:۳/۱۳۵) ایک خمس جو آپ کے پاس رہ گیا اور جس کی تقسیم آپ کی صوابدید پر تھی، اس میں سے آپ نے رؤسا قریش اور سرداران قبائل کو بڑی فراخ حوصلگی سے بڑے بڑے انعامات عطا فرمائے کیونکہ وہ بڑی حرص سے جھانک رہے تھے۔ رئیس اعظم قریش ابوسفیان بن حرب کو کچھ کم چھ کلو چاندی اور ایک سو اونٹ عطا فرمائے۔ اتنا ہی اس کے بیٹے یزید بن ابی سفیان کو اور معاویہ بن ابی سفیان کو دیا۔ گویا اس خاندان کو قریباً ۱۸ کلو چاندی اور

Marfat.com

تین سو اونٹ مرحمت فرمائے۔ حکیم بن حزام کو ایک سو اونٹ دیئے۔ اس نے مزید سوال کیا تو سو اونٹ اور دے دیئے۔ صفوان بن امیہ کو تین سو اونٹ دیئے۔ (الشفا قاضی عیاض: ۱/۸۶)

قیس بن عدی، سہیل بن عمرو، حویطب بن عبدالعزیٰ، اقرع بن حابس، عیینہ بن حصین، حارث بن کلاہ کو سو سو اونٹ دیئے۔ علاوہ ازیں کچھ اور قریشی اور غیر قریشی روسا کو سو سو اونٹ دیئے۔ کچھ لوگوں کو پچاس پچاس اور کچھ کو چالیس چالیس اونٹ مرحمت فرمائے۔ یہاں تک کہ لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قدر بے دریغ بخشتے ہیں کہ انہیں فقر کا اندیشہ ہی نہیں۔ جو اعرابی (بدو) موجود تھے، ان کو بھی عطیات دیئے، لیکن وہ مزید کا مطالبہ کرنے لگے۔ انہوں نے آپ کو سب طرف سے گھیر لیا یہاں تک آپ پیچھے ہٹتے ہٹتے ایک درخت کے تنہ سے جا لگے۔ ان بدوؤں نے آپ کی چادر بھی چھین لی۔ آپ نے فرمایا: لوگو! میری چادر دے دو۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر میرے پاس تہامہ کے درختوں کے برابر بھی اونٹ ہوں تو میں وہ بھی آپ لوگوں کو تقسیم کر دوں۔ آپ مجھے نہ بھی بخیل پائیں گے اور نہ سخت مزاج۔ مگر اس وقت جو کچھ موجود تھا، وہ تقسیم ہو چکا، اب میرے پاس کچھ باقی نہیں۔

(سیرۃ حلبیہ: ۳/۱۳۵، بخاری: ۲/۶۲۰، ۳عیون الاثر: ۲/۲۶۰، طبقات ابن سعد: ۲/۱۵۲۔۱۵۳، فتح الباری: ۸/۳۸، زرقانی: ۳/۳۶)

جب آپ یہ مال تقسیم کر چکے اور ان میں سے زیادہ مال آپ نے اہل مکہ کو دیا جو جدید الاسلام تھے اور چند روز پہلے تک مسلمانوں کے بدترین مخالفوں میں سے تھے تو کچھ انصاری نوجوانوں میں چہ مگوئیاں ہوئیں۔ کسی نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کو انعامات دیئے اور ہمیں محروم رکھا، حالانکہ ہماری تلواروں سے اب تک خونِ قریش کے قطرات ٹپک رہے ہیں۔ کسی نے کہا کہ مشکلات میں ہم اور انعام دوسروں کو۔ ایک کہنے والے نے یہ بھی کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قوم سے جا ملے ہیں۔ سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ رئیس انصار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ نے اس مال میں سے ہمیں جو کچھ دیا ہے اس پر انصار کے کچھ لوگ آپ پر پیچ و تاب کھا رہے ہیں کہ آپ نے اپنی قوم میں تقسیم فرمایا۔ قبائل عرب کو بڑے بڑے عطیے دیئے، لیکن انصار کو کچھ نہ دیا۔ آپ نے فرمایا سعد! اس بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ عرض کی یا رسول اللہ! میں بھی تو اپنی قوم ہی کا ایک آدمی ہوں۔ ایک چرمی خیمہ نصب کیا گیا جس میں صرف حضرات انصار ہی جمع تھے۔ کچھ مہاجرین بھی آ گئے تو انہیں بھی اس خیمہ میں داخل ہونے دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ پڑھا اور فرمایا:

Marfat.com

''اے گروہ انصار! آپ حضرات نے یہ کیا چہ میگوئی کی؟ دلوں میں کوئی گرہ تو نہیں پڑ گئی۔ کیا آپ لوگ بھول گئے کہ آپ راہ ہدایت سے نا آشنا تھے اور میری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو سیدھی راہ پر چلایا۔ میرے ہی صدقے میں تمہاری ناداری تونگری میں متبدل ہوئی۔ تم آپس میں ایک دوسرے کے لہو کے پیاسے تھے اور اللہ تعالیٰ نے میری برکت سے آپ لوگوں کو ایک دوسرے کا ہمدرد بنا دیا۔''

انصار نے اس کے جواب میں عرض کیا: بے شک اللہ اور اس کے رسول کے ہم پر بڑے احسانات ہیں۔ اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا:

''انصار کے لوگو! مجھے جواب کیوں نہیں دیتے؟'' انصار نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہمارا کیا منہ جو آپ پر اپنا کوئی احسان جتائیں جب کہ اللہ اور اس کے رسول کے احسانات کے بار دوش سے ہم سبکدوش نہیں ہو سکتے۔''

آپ نے فرمایا: تم بھی تو یہ کہہ سکتے ہو اور اس میں کوئی شبہ بھی نہیں کہ

''لوگ آپ کی تکذیب کرتے تھے اور آپ ہمارے ہاں تشریف لائے اور ہم نے آپ کی تصدیق کی۔ اوروں نے آپ کو ستایا ہم نے آپ کی حمایت کی۔ آپ کے ہم وطنوں نے آپ کو جلا وطن کیا اور ہم نے آپ کے لیے اپنے دروازے کھول دیے۔ آپ ہمارے ہاں بے یار و مددگار تشریف لائے اور ہم نے اپنی آنکھیں آپ کے قدموں تلے بچھا دیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم یہ جواب دیتے جاؤ اور میں کہتا جاؤں گا کہ تم سچ کہتے ہو لیکن:

''اے گروہ انصار! کیا یہ تمہیں پسند نہیں کہ لوگ بکریاں اور اونٹ لے جائیں اور تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے کر گھر لوٹو۔ اے انصار! اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار ہی کا ایک فرد ہوتا۔ لوگ کسی وادی میں جائیں میں انصار کی وادی ہی میں رہوں گا۔ انصار میرا پیرہن ہیں۔ (میرا پوست) دوسرے لوگ عبا ہیں (جو کرتے کے اوپر بدن سے الگ

Marfat.com

رہتا ہے) اے اللہ! انصار اور ان کی اولاد اور احفاد پر رحم فرمائیو۔"

رسول اللہ ﷺ نے یہ واردات جس رقت اور دل سوزی کے ساتھ بیان فرمائے اس کی تاثیر کا یہ عالم تھا کہ حضرات انصار بے اختیار چیخ اٹھے اور یک زبان بول اٹھے: ہم کو صرف محمد رسول اللہ ﷺ درکا ہیں۔ (رضینا برسول الله قسما و حظا) بہت سوں کا یہ حال ہوا کہ روتے روتے داڑھیاں تر ہو گئیں۔ پھر آپ نے حضرات انصار کو سمجھایا کہ مکہ کے لوگ جدید الاسلام ہیں میں نے انہیں جو کچھ دیا وہ حق کی بنا پر نہیں بلکہ تالیف قلب اور مانوس کرنے کی خاطر دیا۔ (بخاری: ۲/ ۶۲۰، عیون الاثر: ۲/ ۲۶۱، ابن ہشام: ۲/ ۴۹۹_۵۰۰)

بنو ہوازن کے وفد کی آمد:

تقسیم غنائم کے بعد ہوازن کا ایک وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس میں نو آدمی تھے۔ یہ اسلام سے مشرف ہوا۔ ان میں آپ کا رضاعی چچا ابو برقان بھی تھا۔ وفد نے مال و سامان اور قیدیوں کی واپسی کی درخواست کی۔ رسول اللہ ﷺ کی رضاعی والدہ حلیمہ سعدیہ اسی قبیلہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ انہوں نے اس انداز سے بات کی جو قلب کی اتھاہ گہرائیوں میں اتر جائے اور رقت پیدا کرے۔ اسی قبیلہ کے خطیب زہیر بن صرد کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ نے جنہیں قید فرمایا ہے، ان میں آپ کی مائیں اور بہنیں ہیں اور پھوپھیاں اور خالائیں ہیں، جنہوں نے آپ کو گود میں کھلایا تھا اور یہ ان کی کتنی بڑی خوش نصیبی ہے کہ انہوں نے آپ کو گود میں کھلایا۔ ایسے خوش نصیب آج کیسے محروم ہو سکتے ہیں۔" رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

> "سچی بات بہت پیاری ہوتی ہے اور مجھے سچی بات بہت محبوب ہے۔ میں آپ صاحبان کا انتظار کرتا رہا۔ آپ کی طرف سے مایوس ہو کر میں نے مال غنیمت تقسیم کر دیا اور قیدی بھی تقسیم کر دیئے۔ اب یہ نہ میرے پاس رہے ہیں اور نہ میرے اختیار میں کہ میں حکم کر کے سب کو واپس کرا دوں۔ اب آپ دو میں سے ایک بات منظور کر لیجیے۔ تم مال واپس لینا چاہتے ہو یا قیدی جو غلام بن چکے ہیں ان کو واپس لینا چاہتے ہو؟"

وفد کے ارکان نے جواب دیا کہ ہمارے نزدیک خاندانی شرف کے برابر کوئی چیز نہیں۔ ہم اپنے قیدیوں کو واپس لینا چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جب میں ظہر کی نماز پڑھ

Marfat.com

لوں تو تم لوگ اٹھ کر کہنا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کو مومنین کی جانب سفارشی بناتے ہیں کہ آپ ہمارے قیدی ہمیں واپس کر دیں۔ چنانچہ جب آپ نماز ظہر سے فارغ ہوئے تو ان لوگوں نے یہی کہا۔ جواب میں آپ نے مسلمانوں سے یوں فرمایا:

''تمہارے یہ بھائی اہل ہوازن تائب ہو کر آئے ہیں۔ میں نے ان سے طے کر لیا ہے کہ ان کو صرف ان کے قیدی واپس مل سکیں گے لہٰذا ان کو ان کے اہل و عیال واپس کرنے ہیں۔ (جو قیدی تھے اور تقسیم کے بعد آپ صاحبان کی ملکیت ہو چکے ہیں) اب جو صاحب خوشی سے واپس کر دیں تو بہت بہتر ہے، لیکن جو اس کا عوض لینا چاہیں تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ جیسے ہی آئندہ ایسا موقع ہوگا کہ ہمارے قبضہ میں غلام آئیں تو ان کا عوض چکا دیا جائے گا۔ چنانچہ میں اپنا اور بنو عبد المطلب کا حصہ تمہیں دیتا ہوں۔''

آپ کی اس اپیل پر مجمع سے آواز بلند ہوئی: ''قد طیبنا ذالک یا رسول اللہ'' ہم اس کے لیے بڑی خوشی سے تیار ہیں یعنی بلا شرط ان قیدیوں کو جو اب ہمارے غلام ہیں آزاد کر دیتے تاکہ وہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ چلے جائیں۔ (اس سے اسلام میں انفرادی ملکیت کا احترام بھی ثابت ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے کسی امیر یا خلیفہ کو اسلام میں یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کوئی ایسا آرڈیننس جاری کرے جس سے انفرادی ملکیت ختم ہوتی ہو۔ نیشنلائزیشن کا بھی اسلام میں کوئی جواز نہیں۔)

بعض روایات میں ہے کہ جب مہاجرین وانصار نے آپ کی اس اپیل پر اٹھ کر کہا کہ جو کچھ ہمارا ہے وہ سب رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے، اس کے بعد اقرع بن حابس نے کہا: لیکن جو کچھ میرا اور بنو تمیم کا ہے وہ آپ کے لیے نہیں۔ عینیہ بن حصن نے کہا جو کچھ میرا اور بنو فزارہ کا ہے وہ بھی آپ کے لیے نہیں۔ عباس بن مرداس نے کہا: جو کچھ میرا اور بنو سلیم کا ہے وہ بھی آپ کے لیے نہیں۔ اس پر بنو سلیم نے کہا: نہیں جو کچھ ہمارا ہے وہ بھی رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے۔ عباس بن مرداس نے کہا: ''تم لوگوں نے میری توہین کر دی۔''

(عیون الاثر: ۲/۲۶۲)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آپ لوگوں کے اس اجتماعی جواب سے ہر ایک کے دل کی بات معلوم نہیں ہوئی، کیا واقعی ہر ایک شخص بلا تکلف خوش دلی سے اور بلا شرط و

Marfat.com

معاوضہ غلاموں کو آزاد کر رہا ہے یا دل سے راضی نہیں ہے اور محض دوسرے لوگوں کے لحاظ سے یہ جواب دے رہا ہے، لہٰذا آپ لوگ جائیں۔ اب ہر ایک جماعت اور قبیلہ کے عریف (چوہدری، مکھیا) کا یہ کام ہے کہ وہ فرداً فرداً ہر شخص کی آزادانہ رائے معلوم کرے۔ پھر وہ میرے پاس آ کر رپورٹ پیش کرے کہ ہر شخص بخوشی تیار ہے اور بلاشرط اپنے غلام کو آزاد کر رہا ہے۔ اس تحقیق و تفتیش کے بعد آپ نے ان چھ ہزار قیدیوں کو آزاد کر کے واپس فرما دیا۔

(بخاری: ۱/ ۳۰۹، ۳۴۵)

ان سب لوگوں میں صرف عینیہ بن حصن رہ گیا جس کے حصہ میں ایک بڑھیا آئی تھی، اس نے اسے واپس کرنے سے انکار کر دیا، لیکن آخر میں اس نے بھی واپس کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سارے قیدیوں کو ایک ایک قبطی چادر مرحمت فرما کر واپس کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مال غنیمت کی تقسیم سے فارغ ہو کر ۱۸ ذی قعدہ کو رات کے وقت جعرانہ سے مکہ مکرمہ عمرہ کے ارادہ سے احرام باندھ کر روانہ ہوئے۔ وہاں عمرہ کی ادائیگی کے بعد سیدنا عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ کا گورنر مقرر فرمایا۔ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو تعلیم دین کے لیے ان کے پاس چھوڑ دیا اور دو ماہ سولہ روز کے بعد ۲۷ ذی قعدہ سنہ ۸ ھ کو آپ اپنے قدوسی نفوس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ واپس مدینہ طیبہ پہنچے۔ (زرقانی: ۳/ ۴۱)

فتح مکہ کے بعد لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے۔ کیونکہ قبائل عرب فتح مکہ کے منتظر تھے کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ اور اہل مکہ پر غالب آ گئے تو آپ سچے پیغمبر ہیں۔ چنانچہ سنہ ۸ ھ میں جونہی مکہ فتح ہوا، آپ کی نبوت کی صداقت لوگوں کے قلوب میں بیٹھ گئی تو لوگ جوق در جوق اور فوج در فوج حلقۂ اسلام میں داخل ہونے شروع ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جلد ہی تمام جزیرۃ العرب اسلامی قلمرو میں داخل ہو گیا۔ اب ضرورت تھی کہ وہاں کے نظم و نسق کی طرف توجہ کی جائے۔ چنانچہ آپ نے اس مقصد کے لیے مختلف علاقوں میں حاکم اور والی مقرر فرمائے۔

باذان جو کہ پہلے کسریٰ کی طرف سے یمن کا والی تھا، کسریٰ کے ہلاک ہونے کے بعد وہ مسلمان ہو گیا۔ چنانچہ آپ نے اس کو بدستور وہاں کا حاکم قائم رکھا۔ علاوہ ازیں حضرموت کے علاقہ میں سیدنا زیاد بن لبید انصاری رضی اللہ عنہ کو اور زبید اور عدن کے علاقہ میں سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو، نجران کے علاقہ میں سیدنا ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کو، تیماء کے علاقہ میں یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو والی مقرر فرمایا۔ سیدنا عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ میں والی بنایا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو یمن کے علاقہ میں قاضی بنا کر بھیجا۔

Marfat.com

واقعات متفرقہ:

① ذی الحجہ سنہ ۸ ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحبزادے سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے۔ آپ نے اپنے اس صاحبزادے کا نام اپنے جدامجد سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے نام پر ابراہیم رکھا۔ ساتویں روز عقیقہ کے دو مینڈھے ذبح کیے اور صاحبزادے کے سر کے بال اتارنے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ ابو ہند البیاضی رضی اللہ عنہ نے جو بنو بیاض کے موالی میں سے تھے، ان کا حلق کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بالوں کے وزن کے برابر چاندی مساکین میں صدقہ کرنے کا حکم فرمایا اور بال دفن کرا دیے۔ دایہ کے فرائض حضرت سلمٰی رضی اللہ عنہ نے انجام دیے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لونڈی اور آپ کے آزاد کردہ غلام ابو رافع رضی اللہ عنہ کی اہلیہ تھیں۔ سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ کو دودھ پلانے کے لیے ام بردہ بنت المنذر بن زید انصاری رضی اللہ عنہ کے حوالہ کیا گیا کہ وہ انہیں دودھ پلائیں۔ یہ ایک لوہار کی بیوی تھیں۔ ان کے چھوٹے سے گھر میں اکثر بھٹی کا دھواں رہتا۔ آپ اپنے اس صاحبزادے کو دیکھنے کے لیے اس لوہار کے گھر میں جاتے، وہاں دھواں آپ کی آنکھ اور ناک میں گھستا رہتا اور آپ انتہائی نازک مزاج ہونے کے باوجود اس کو برداشت کرتے۔

② اسی سال کے آغاز میں آپ کی سب سے بڑی صاحبزادی سیدنا زینب سلام اللہ علیہا کا انتقال ہوا۔ ان کا سن ولادت سنہ ۳۰ میلاد النبی ہے، یعنی نبوت سے دس سال قبل۔

Marfat.com

سنہ ۹ ھ

عمال کی روانگی:

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بتایا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ طائف سے فراغت کے بعد ذی قعدہ سنہ ۸ ھ میں مدینہ واپس تشریف لائے۔ ایک مہینہ آپ نے مدینہ میں آرام سے گزارا۔ اس دوران آپ نے مختلف علاقوں میں لوگوں کو دین کی دعوت کے لیے بھیجا۔ کچھ وفود کا استقبال فرمایا۔ جونہی سنہ ۹ ھ کا ہلال مطلع مغرب پر طلوع ہوا آپ نے مختلف قبائل کی طرف اپنے عمال کو صدقات وزکوۃ کی وصولی کے لیے روانہ فرمایا جس کی تفصیل کچھ یوں ہے:

نمبر شمار	عامل کا نام	قبیلہ جس کی طرف بھیجا گیا
①	عینیہ بن حصن فزاری رضی اللہ عنہ	بنو تمیم
②	بریدہ بن الحصیب رضی اللہ عنہ	اسلم وغفار
③	عباد بن بشر اشہلی رضی اللہ عنہ	سلیم ومزینہ
④	رافع بن مکیث رضی اللہ عنہ	جہینہ
⑤	عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ	بنو فزارہ
⑥	ضحاک بن سفیان کلابی رضی اللہ عنہ	بنو کلاب
⑦	بشر بن سفیان کعبی رضی اللہ عنہ	بنو کعب
⑧	ابن اللتبیہ ازدی رضی اللہ عنہ	بنو ذبیان
⑨	مہاجر بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ	صنعاء
⑩	زیاد بن لبید رضی اللہ عنہ	حضر موت
⑪	عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ	طی اور بنو اسد

Marfat.com

⑫	مالک بن نویرہ رضی اللہ عنہ	بنو حنظلہ
⑬	علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ	بحرین
⑭	علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ	نجران

(طبقات:۲/۱۱۵،زادالمعاد:۲/۲۰۱)

یہ سارے عمال محرم سنہ ۹ ھ میں روانہ نہیں کر دیئے گئے بلکہ بعض کو خاصی تاخیر کے بعد روانہ کیا گیا۔ اس عرصہ میں (محرم، صفر اور ربیع الاول میں) آپ نے چھوٹے سرایا روانہ فرمائے۔ جن کے قائدین اپنے اپنے مقصد میں کامیاب واپس لوٹے۔

سریہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ:

ربیع الاول سنہ ۹ ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو ڈیڑھ سو یا دو سو آدمیوں کی معیت میں قبیلہ طے کے ایک بت کو ڈھانے کے لیے روانہ فرمایا جس کا نام ''فلس'' (ف کی پیش اور لام ساکن) تھا۔ روایت میں یہ بھی ہے کہ اس سریہ میں ایک سو اونٹ اور پچاس گھوڑے بھی تھے۔ سریہ کا علم سفید رنگ کا تھا۔ اسلامی لشکر نے آخر شب میں حاتم طائی کے محلہ پر دھاوا بول کر بت فلس کو منہدم کر دیا اور قیدیوں اور بھیڑ بکریوں وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔ دو تلواریں بھی مسلمانوں کو فلس کے خزانہ سے ہاتھ لگیں جو حارث بن شمر نے چڑھائی تھیں۔ حاتم طائی کے لڑکے عدی بن حاتم تو ملک شام بھاگ گئے البتہ اس کی لڑکی سفانہ قیدی بنا کر مدینہ لائی گئی۔ مال غنیمت تو راستہ میں ہی تقسیم کر لیا گیا البتہ منتخب مال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے علیحدہ کر دیا۔ قیدیوں کو مسجد نبوی کے قریب حظیرہ میں اتار دیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ادھر سے گزرے تو حاتم کی بیٹی سفانہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! باپ (حاتم طائی) تو فوت ہو گیا۔ جو ہمارا خبر گیر (عدی بن حاتم) تھا، وہ فرار ہو گیا۔ میں سن رسیدہ ہوں۔ خدمت کرنے کی طاقت نہیں، لہٰذا احسان فرمایئے، اللہ آپ پر احسان کرے گا۔'' یہ ایک رحم کی اپیل تھی جو اس نے کی۔ آپ نے دریافت فرمایا: تیرا خبر گیر کون تھا؟ عرض کی: میرا بھائی عدی بن حاتم۔ ارشاد فرمایا: وہی جو اللہ اور اس کے رسول سے بھاگا ہے؟ پھر آگے بڑھ گئے۔ دوسرے روز جب آپ پھر وہاں سے گزرے تو سفانہ نے پھر وہی بات دہرائی۔ آپ نے اس کی بات کے جواب میں فرمایا: میں تجھ پر احسان کرتا ہوں، لیکن تم جانے میں جلدی مت کرو۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہاری قوم کا کوئی قابل اطمینان اور قابل اعتبار شخص مل جائے تو اس کے ساتھ

Marfat.com

تمہیں واپس بھیج دوں۔ چنانچہ دو تین روز کے بعد بنو طے کے کچھ آدمی شام جانے والے مل گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے آزاد کر کے ان کے حوالہ کر دیا۔ اس وقت آپ کے پاس ایک صحابی کھڑے تھے۔ انہوں نے کہا: آپ سے سواری کا بھی سوال کرو۔ اس نے سوای کا سوال کیا۔ آپ نے سواری اور کچھ جوڑے دے کر رخصت فرمایا۔ سفانہ آپ کے اس احسان سے بہت خوش ہوئیں، اسی وقت مشرف باسلام ہو گئیں اور ان الفاظ میں آپ کا شکریہ ادا کیا:

''خدا کرے وہ ہاتھ آپ کا ہمیشہ ممنون وشکر گزار رہے جو خوشحالی کے بعد فقیر ہوا ہو اور وہ ہاتھ آپ پر کبھی قابو نہ پائے جو فقیر کے بعد امیر ہوا ہو۔ خدا کرے کہ آپ کا احسان ہمیشہ برموقع ہو اور خدا کرے آپ کو کبھی کسی کمینہ سے کوئی ضرورت پیش نہ آئے اور خدا تعالیٰ کسی کریم اور عزت دار آدمی کی نعمت سلب نہ کرے مگر آپ کو اس کی واپسی کا ذریعہ بنائے۔''

سفانہ لوٹ کر اپنے بھائی عدی بن حاتم کے پاس ملک شام گئیں۔ جب ان سے ملاقات ہوئی تو انہیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تفصیل سے بتایا اور بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کارنامہ سرانجام دیا ہے کہ تمہارے باپ حاتم بھی اتنا سخی ہونے کے باوجود نہیں کر سکتے تھے۔ عدی جب یہ سب کچھ اپنی بہن کے منہ سے سن چکے تو کہا: تمہاری کیا رائے ہے؟ بہن نے جواب دیا:

''میری رائے تو یہ ہے کہ تم فوری جا کر ان سے ملو۔ اگر وہ نبی ہیں تو ان کی طرف سبقت کرنا باعث فضیلت ہے اور اگر بادشاہ ہیں تو ہمیشہ کے لیے باعث عزت ہے اور تو تو، تو ہی ہے۔ (وانت انت)''

عدی نے بہن کی یہ رائے سن کر کہا: خدا کی قسم، رائے تو یہ ہے۔

عدی بن حاتم کسی امان یا تحریر کے بغیر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا تعارف کرایا۔ آپ نے ان کی بڑی عزت افزائی کی۔ اپنے گھر لے گئے اور جب وہ سامنے بیٹھے تو آپ نے فرمایا: ''عدی! تم کس چیز سے بھاگ رہے ہو؟ کیا لا الہ الا اللہ کہنے سے بھاگ رہے ہو؟ اگر ایسا ہے تو بتاؤ، اللہ کے سوا کوئی معبود ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ پھر آپ نے کچھ دیر گفتگو فرمائی، اس کے بعد فرمایا: کیا تم اللہ اکبر کہنے سے گھبراتے ہو؟ کیا اللہ سے بڑی کوئی شے ہے؟ انہوں نے جواب دیا: نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا: سنو! یہود پر اللہ کے غضب کی مار ہے اور عیسائی گمراہ ہیں۔ انہوں نے کہا: میں یک رخا مسلمان ہوں۔ یہ سن کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ

Marfat.com

فرط انبساط سے کھل اٹھا۔ اس کے بعد وہ صبح و شام آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے رہے۔
(زرقانی: ۳/ ۵۳، زادالمعاد: ۲/ ۲۰۵، ابن ہشام: ۲/ ۵۷۸۔۵۸۱، الاصابہ ترجمہ عدی)

کعب بن زہیر کا قبولِ اسلام:

کعب بن زہیر ایک شاعر تھا اور آپ کی ہجو میں دوسرے شعراء کی طرح مکہ میں آپ کی ہجو کرتا تھا۔ اس زمانہ میں شعر پریس کا کام دیتے تھے۔ اگر یہ کسی کی ہجو یا مدح میں شعر کہتے تھے تو وہ اشعار اس پورے معاشرہ میں پھیل جاتے تھے اور زبان زد خاص و عام ہو جاتے۔ جب مکہ فتح ہوا تو کعب بن زہیر بھی ان اشتہاری مجرموں میں سے تھا جن کے قتل کا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم فرمایا تھا۔ چنانچہ کعب بن زہیر اور ان کا بھائی بجیر بن زہیر جان بچا کر مکہ سے بھاگ گئے اور ابراق الغراف (ایک مقام کا نام ہے) میں جا کر ٹھہرے۔ بجیر نے کعب سے کہا: ''تم یہاں ٹھہرو، میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کا کلام سنتا ہوں اور آپ کے دین کے بارے میں معلومات حاصل کرتا ہوں۔ اگر سچائی دیکھوں گا تو آپ کا اتباع کروں گا ورنہ واپس آ جاؤں گا۔'' چنانچہ کعب وہیں رہے اور بجیر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب آپ کا کلام سنا تو فوراً مشرف باسلام ہو گئے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے طائف تشریف لے گئے تو بجیر بن زہیر بھی ساتھ تھے۔ بجیر نے مکہ میں اور طائف و جعرانہ میں بھی دیکھا کہ قریش کے سرغنہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سرنگوں ہو گئے تو خالی الفاظ و حروف سے مقابلہ کرنے والوں کی پرسش کیا تھی؟ یہ سماں بجیر نے مکہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ چنانچہ جب بجیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مشایعت میں طائف سے مکہ واپس تشریف لائے تو انہوں نے اپنے بھائی کعب بن زہیر کی طرف خط لکھا کہ جو لوگ آپ کی ہجو میں اشعار کہتے تھے ان کی گردنیں ماری جا رہی ہیں اور جو لوگ گرفت سے بچ گئے ہیں وہ ادھر ادھر سر چھپاتے پھر رہے ہیں جیسے ابن الزبعری اور ہبیرہ بن ابی وہب۔ اگر تجھ کو اپنی جان عزیز ہے تو فوراً آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی نامہ پیش کر دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان لوگوں کو معاف کرنے میں ذرا تامل نہیں کرتے اور اگر تو یہ نہیں کر سکتا تو پھر کسی دور دراز ملک میں نکل جا، جہاں تیری جان بچ جائے۔

بجیر نے کوئی غلط نہیں لکھا تھا بلکہ بالکل صحیح لکھا تھا کہ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چار ایسے اشخاص کو قتل کرایا جن میں ایک شاعر بھی تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو کرنے میں

Marfat.com

پیش پیش رہتا تھا اور وہ شخص بھی تھا جس نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تذلیل کی جب وہ اپنے خاوند سیدنا ابوالعاص رضی اللہ عنہ کی اجازت سے مکہ سے ہجرت کے لیے جادہ پیما تھیں۔

بجیر کے اس خط کا کعب بن زہیر پر بھی ایک خاص اثر ہوا کیونکہ ''دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔'' اور اسی وقت ایک مدحیہ قصیدہ لکھا اور مدینہ روانہ ہو گیا۔ رات کو اپنے ایک دوست کے ہاں پناہ لی اور فجر کی نماز کے بعد آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اجنبی بن کر یہ سوال کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر کعب بن زہیر تائب ہو کر مسلمان ہو کر حاضر خدمت ہو تو کیا وہ امان کا حق دار ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: ''ہاں'' کعب فوراً بول اٹھا کہ ''اے اللہ کے رسول! وہ نابکار میں ہی ہوں، میں آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کرتا ہوں۔'' جب کعب یہ بات کہہ رہے تھے، اس وقت ایک انصاری بول اٹھے: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اجازت فرمایئے کہ اس کی گردن اس کے تن سے کاٹ کر رکھ دوں۔'' لیکن یہ گردن تو اب اسلام کے دروازے پر جھک گئی تھی اس کو کیسے کاٹا جا سکتا تھا لہٰذا بارگاہِ نبوت سے حکم ہوا: چھوڑ دو یہ تو تائب ہو کر آیا ہے۔ کعب فوری طور پر اٹھے اور آپ کی اعلیٰ وارفع شان میں وہ قصیدہ پڑھا جس کا مطلع ہے۔

بانت سعاد و قلبی الیوم متبول

متیم الرھا لم یفد مکبول

کعب جب اس شعر پر پہنچے:

ان الرسول سیف یستضاء بہ

مھند من سیوف اللہ مسلول

تو آپ نے اس وقت اپنی ایک یمنی چادر جو اوڑھے ہوئے تھے، اتار کر کعب کو مرحمت فرما دی۔ یہ چادر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کے وارثان سے بیس ہزار درہم میں خریدی۔ پھر ایک عرصہ تک مختلف خلفاء اسلام کے پاس رہی۔ وہ عیدین میں تبرک کے طور پر اس کو اوڑھا کرتے تھے۔ پھر تاتاریوں کے فتنہ میں یہ ایسی گم ہوئی کہ پتہ نہیں چلا۔

(زرقانی: ۳/۵۴، ابن ہشام: ۲/۵۰۱، ۵۱۵، عیون الاثر: ۲/۲۸۰)

Marfat.com

غزوۂ تبوک

فتح مکہ تک ہر سال قریش مکہ کوئی نہ کوئی ہنگامہ اہل اسلام کے خلاف کھڑا کر دیتے تھے، جس سے ان کی ساری توجہ انہی کی طرف منعطف رہتی، لیکن فتح مکہ کے بعد ان کی قوت بالکل ٹوٹ گئی بلکہ تمام صنادید قریش مسلمان ہو کر اسلام کے پشت پناہ بن گئے۔ ان کے مسلمان ہوتے ہی دور دور تک کے قبائل جوق در جوق دائرہ اسلام میں داخل ہونے شروع ہو گئے اور جزیرہ نما عرب میں دور دور تک اسلام کا طنطنہ اور دبدبہ لوگوں کے دلوں میں بیٹھ گیا اور اگر کوئی قبیلہ سر اٹھاتا تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھوڑی سے فوج اس کی سرکوبی کے لیے بھجوا دیتے۔ ان میں سے جو اپنے کسی سابق دین پر رہنا چاہتا اسے جزیہ اور خراج کا پابند کر کے چھوڑ دیا جاتا اور جو اسلام قبول کر لیتا، اسے ادائے زکوٰۃ کا مکلف ہونا پڑتا۔

مسلمانوں کی اس بڑھتی ہوئی طاقت سے عیسائی دنیا خائف ہونے لگی۔ ان کے ساتھ اس سے قبل جنگ موتہ میں مسلمانوں کی مڈبھیڑ ہو چکی تھی، اور اس میں قیصر روم کو یہ پتہ چل گیا تھا کہ مسلمانوں میں کتنا دم خم ہے، مسلمانوں کی تین ہزار فوج دو لاکھ رومیوں کے مقابلے میں اپنا لوہا منوا چکی تھی۔ مسلمانوں کی اس بہادری اور جوانمردی نے عرب قبائل کو جو قیصر روم کے زیر اثر تھے، بہت متاثر کیا۔ چنانچہ وہ مسلمانوں کی ہم نوائی اور قیصر روم سے آزادی کے ترانے گانے لگے۔ قیصر روم ان کے ان جذبات کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا، اس کے لیے اس مسلمان ریاست کی روز بروز وسعت اور عرب قبائل کی بیداری ایک بہت بڑا خطرہ تھی۔ قیصر روم نے سوچا کہ مسلمانوں کی قوت کو عظیم اور ناقابل شکست خطرے کی صورت اختیار کرنے سے پہلے ہی کچھ اس طرح کچل دیا جائے کہ پھر اس کو کبھی سر اٹھانے کا موقع نہ ملے۔ چنانچہ اس نے عیسائیوں اور رومی باشندوں پر مشتمل فوج کی فراہمی شروع کر دی اور ایک فیصلہ کن جنگ کی تیاری میں مصروف ہو گیا، لیکن عیسائی خاندان جو رومیوں کے زیر اثر حکومت کر رہا تھا، قیصر نے

Marfat.com

اسی کو اس مہم پر متعین کیا۔

مدینہ میں غسانیوں کی ان تیاریوں کی خبریں پہنچ رہی تھیں۔ اس وجہ سے مسلمانوں کو حملہ کا ہر وقت کھٹکا لگا رہتا تھا۔ اس بات کا اندازہ اس واقعہ سے بھی ہوتا ہے کہ سنہ ۹ ھ میں جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواج سے ناراض ہو کر ایک مہینہ کے لیے علیحدگی (ایلاء) اختیار کی تھی اور مدینہ میں یہ مشہور ہو گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو طلاق دے دی ہے۔ اس واقعہ کے بارے میں جب سیدنا عثمان بن مالک رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو دفعتاً آ کر یہ اطلاع دی کہ "غضب ہو گیا" تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیوں کیا خبر ہے؟ کیا غسانی آ گئے؟ (بخاری: ۲/۳۰ ۷) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس جملہ سے پتہ چلتا ہے کہ مدینہ میں غسانیوں کے حملہ کا ہر وقت کھٹکا لگا رہتا تھا۔

بعض روایات میں یہ بھی مذکور ہے کہ عرب کے عیسائیوں نے ہرقل شاہ روم کے پاس یہ لکھ کر بھیجا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا انتقال ہو گیا ہے اور عرب میں لوگ قحط اور فاقے سے بھوکے مر رہے ہیں، لہٰذا عرب پر حملہ کرنے کا یہ ایک نہایت مناسب موقع ہے۔ چنانچہ ہرقل نے عیسائیوں کی اس استدعا کے جواب میں جنگ کی تیاری شروع کر دی اور اس کے لیے چالیس ہزار رومیوں پر مشتمل لشکر تیار کیا۔ (فتح الباری: ۸/۸۵)

اسی زمانے میں اچانک شام کے نبطی سوداگر مدینہ میں روغن زیتون فروخت کرنے آئے۔ انہوں نے بھی آ کر بتایا کہ رومیوں نے شام میں ایک لشکر جرار جمع کیا ہے اور فوج کو سال بھر کی تنخواہیں تقسیم کر دی ہیں۔ اس فوج میں لخم، جذام، اور غسان کے تمام عرب قبائل بھی شامل ہیں اور اس کا ہراول دستہ بلقاء تک آ گیا ہے۔ (زرقانی: ۳/۲ ۷، طبقات ابن سعد: ۲/ ۱۱۹)

ان اعلانات نے مسلمانوں میں ایک ہلچل پیدا کر دی کیونکہ اس قسم کی خبریں تمام عرب میں پھیل گئی تھیں اور تواتر سے ان خبروں کا آنا اور قرائن کا اس قدر قوی ہونا اس بات کی غمازی کر رہا تھا کہ واقعی غسانی اسلامی مملکت پر جلد از جلد حملہ آور ہونے والے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی فوج کو تیاری کا حکم دیا اور اس بات کا تہیہ کر لیا کہ مسیحیت پر ایسی کاری ضرب لگائی جائے جس سے ان کے منہ پھر جائیں اور پھر کبھی انہیں مسلمانوں کے سامنے آنے کی ہمت اور جرأت نہ ہو۔

لیکن موسم کی وجہ سے صورت حال کی نزاکت میں مزید اضافہ ہو گیا کہ موسم کا یہ حال تھا کہ گویا دوزخ نے منہ کھول رکھا ہے۔ دشت وجبل کرۂ نار بنے ہوئے تھے۔ بلا کی حبس، قدم

Marfat.com

قدم پر جان کنی کا خطرہ، دوم یہ کہ لوگ تنگی اور قحط سالی کی ابتلاء سے دوچار تھے۔ فصلیں اور پھل پکے ہوئے تھے، گھروں میں غلہ نہیں تھا۔ ایک عجیب معاشی تنگی کا عالم تھا اور اس پر مستزاد یہ کہ مدینہ سے لے کر تبوک تک طویل مسافت جس کے لیے ہمت کے ساتھ زادِ راہ اور پانی کی اشد ضرورت تھی۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیش نظر یہ سب نزاکتیں تھیں کیونکہ ایک بہترین قائد وہی ہوتا ہے جو حالات کے نشیب و فراز کا پورا مطالعہ کر کے کوئی حکم صادر کرے، لہٰذا آپ نہایت ژرف نگاہی سے حالات کی کروٹوں اور زیر و بم کا مطالعہ فرما رہے تھے، لیکن آپ کی ماہرانہ دور اندیشی اور پیش بینی بتا رہی تھی کہ اگر ان فیصلہ کن حالات میں رومیوں سے جنگ کرنے میں سستی سے کام لیا اور رومیوں کو اسلام مملکت کے علاقوں پر حملہ کرنے کا موقع دیا گیا تو اسلامی دعوت پر اس کے نہایت برے اثرات مرتب ہوں گے اور آٹھ سال کی شبانہ روز جدوجہد اور پیہم تگ و دو سے اسلامی مملکت کی جو ساکھ بنی ہے وہ بالکل ختم ہو جائے گی اور جاہلیت کے بند سوتے پھر پھوٹ پڑیں گے اور غیر اسلامی قوتیں پھر بیدار ہو کر مسلمانوں کے خلاف اٹھ کھڑی ہوں گی۔ مدینہ کے منافقین جو آج تک ہمارے رعب سے دبے ہوئے ہیں، ہم پر چڑھ دوڑیں گے۔ کیونکہ ان کا موجودہ رئیس ابو عامر فاسق قیصر روم سے رابطہ قائم کیے ہوئے ہے اور وہ اس بات کے انتظار میں ہے کہ باہر سے یہ عیسائی قوت حملہ کرے تو اندر سے ہم بغاوت کر کے مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں۔ یہ ساری باتیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیش نظر تھیں، اسی وجہ سے دشمن کو بغیر کوئی مہلت دیے اس کے خلاف پیش قدمی کی پلاننگ کر لی اور حالات کی ظاہری اور باطنی دشواریوں کے باوجود دشمن کی حدود میں گھس کر فیصلہ کن جنگ کرنے کا فیصلہ کیا۔

دشمن کے بارے میں یہ فیصلہ کرنے کے بعد آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تیاری کا حکم دیا۔ اس دفعہ آپ نے ہمیشہ سے مختلف انداز میں اعلان فرمایا کہ یہ سفر کس مقام کا ہے ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے موقع پر منزلِ مقصود کا اخفاء فرماتے تھے تاکہ دشمن کو مسلمانوں کے آنے کی خبر نہ ہونے پائے، لیکن اس مرتبہ جو منزلِ مقصود کا اظہار فرما دیا اس سے مقصود یہ تھا کہ مسلمان منزل کی طوالت کو ذہن میں رکھ کر تیاری کریں۔ اس کے علاوہ ملک میں چاروں طرف قاصد دوڑا دیے تاکہ زیادہ سے زیادہ جمعیت اکٹھی ہو جائے اور عیسائیوں پر ایک بھرپور حملہ کیا جا سکے۔

اگرچہ موسم شدید گرم تھا، معاشی حالات نہایت تنگ دستی کے تھے، بے آب و گیاہ صحرا کی طویل مسافتیں طے کرنا تھیں، مسافت دشوار گزار تھی، دشمن ہر لحاظ سے نہایت قوی تھا،

Marfat.com

اس کی عددی قوت دوسرے تمام دشمنوں سے زیادہ تھی، لیکن مسلمانوں کا اللہ پر ایمان اور اس کے رسول کے ساتھ والہانہ محبت اور دین اسلام سے قلبی لگاؤ نے ان کے جذبۂ شوق و محبت میں ایسا تلاطم پیدا کر دیا کہ صحرا اپنی وسعت کے باوجود ان کی کثرت کے سامنے تنگ ہو گیا اور دنیا کی کسی شے کی کشش ان کے دامن دل کو نہ کھینچ سکی اور مسلمان مسلح ہو کر چمکتی ہوئی زرہیں پہنے اس انداز سے نکلے کی چشم آفتاب نے اتنے اللہ والے اس طرح اللہ کی راہ میں اس سے قبل نکلتے نہیں دیکھے تھے اور ان کے طمطراق کی خبر سن کر غنیم میں مقابلہ کی ہمت نہ رہی، اور دنیا نے دیکھا کہ ایسے بہادروں اور جانبازوں کے سامنے منازل کی صعوبت، گرمی کی شدت، بھوک اور پیاس کی دقت، حالات کی عسرت گرد راہ ہو کر رہ گئی۔ مسلمان پیغمبر اسلام ﷺ سے جنگ کی تیاری کا اعلان سن کر اس کی تعمیل کے لیے پروانہ وار مصروف ہو گئے اور پوری تیز رفتاری اور دوڑ دھوپ سے جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ چاروں طرف سے قبیلے اور برادریاں مدینہ میں اترنا شروع ہو گئیں، لوگوں کا ایک تانتا لگ گیا۔ مدینہ کا شہر اور اس کے میدان مجاہدین کی وجہ سے تنگ ہو گئے اور حالت یہ تھی کہ فاقہ مست لوگ آتے اور رسول اللہ ﷺ سے سواری فراہم کرنے کی درخواست کرتے، لیکن جب آپ ان سے سواری کے بارے میں معذرت کرتے تو وہ اس حالت میں واپس ہو جاتے کہ ان کی آنکھوں سے اس شرکت کی محرومی کی وجہ سے آنسو رواں ہو جاتے۔ چنانچہ قرآن حکیم نے ان کی اس کیفیت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

> ''میں تمہیں سوار کرنے کے لیے کوئی سواری نہیں پاتا تو وہ اس حالت میں واپس ہوتے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے کہ وہ خرچ کرنے کے لیے کچھ نہیں پا رہے ہیں۔'' (توبہ:۹۲)

مدینہ میں اس وقت ایک منافقین کا گروہ بھی تھا جو ففتھ کالمسٹ کا کردار ادا کر رہا تھا۔ اندرونی طور پر ان کا دشمن سے رابطہ تھا، لیکن مسلمانوں کو بھی وہ ناراض کرنا نہیں چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے نہ جانے کے جواز میں حیلے بہانے شروع کر دیے۔ یہ گروہ طامع اور حریص تھا۔ جہاد کے نام سے ان کے بدن پر رعشہ طاری ہو جاتا تھا۔ وہ حیلہ سازی پر اتر آیا۔ باہم سرگوشیاں کرنے لگے کہ اس گرمی میں اتنی طویل مسافت پر جہاد کے لیے جانا! یہ کیا مذاق ہے؟ وہ نہ صرف خود نہ جانے کے لیے بہانے تلاش کرنے لگے بلکہ مخلص مسلمانوں کو بھی بہکانے لگے تاکہ وہ بھی نہ جائیں۔ چنانچہ کہتے ''لاتنفروا فی الحر'' (توبہ:۸۱) ایسی گرمی میں گھر سے نہ نکلنا۔

Marfat.com

ان منافقوں ہی میں سے بنو سلمہ کا ایک شخص جد بن قیس تھا۔ اس سے جب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم بنو اصفر (رومیوں) کے ساتھ جہاد کرنے نہیں چلو گے؟ تو اس نے ایک نہایت بودا جواب دیا کہ یا رسول اللہ! مجھے اپنے ہمراہ نہ لے جایئے۔ میری قوم جانتی ہے کہ میں عورتوں کے بارے میں کس قدر حواس باختہ ہوں، رومیوں کی عورتیں حسن و جمال میں شہرۂ آفاق ہیں، اس لیے انہیں دیکھ کر میں اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکوں گا۔ یہ جواب سن کر پیغمبر اسلام نے اس سے منہ موڑ لیا۔

سویلم ایک یہودی تھا۔ یہ منافقین اس کے گھر میں جمع ہو کر مسلمانوں کو جنگ میں جانے سے روکنے کے لیے تدابیر سوچتے اور مختلف قسم کی مجلسیں (Meetings) کرتے۔ تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ ایک روز آپ کو اطلاع ملی کی سویلم یہودی کے گھر میں کچھ لوگ جمع ہو کر مسلمانوں کو جنگ سے روکنے کی میٹنگ کر رہے ہیں۔ آپ نے اسی وقت سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کی کمان میں چند مسلمانوں کو بھجوا کر سویلم کے گھر کو آگ لگوا دی۔ آگ کے شعلوں سے گھبرا کر ایک فتنہ جُو نے چھت سے چھلانگ لگا دی اور اس کی دونوں ٹانگیں ٹوٹ گئیں، باقی لوگ بھاگ گئے۔ اس واقعہ کے بعد پھر کسی منافق کو زبان سے ایسی بات نکالنے کی جرأت نہ ہوئی۔ آپ ﷺ کی ایک ہی گرفت نے تمام منافقوں کے حواس باختہ کر دیئے۔

چندہ کی اپیل:

لوگ تو جنگ میں جانے کے لیے اکٹھے ہو گئے کیونکہ ہر شخص کو آپ نے موقع کی اہمیت کا احساس دلایا لیکن اس جیش کے لیے مال و اسباب کی فراہمی بھی ایک بہت بڑا مسئلہ تھا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی تحریک پر سب سے پہلے سیدنا ابو بکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کل مال جس کی مقدار چار ہزار درہم تھی، آپ کی خدمت میں لا کر پیش کر دیا۔ آپ نے پوچھا: ''اہل و عیال کے لیے کیا چھوڑ کر آئے؟'' عرض کیا ''صرف اللہ اور اس کے رسول کو۔'' سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنا نصف مال پیش کیا۔ سیدنا عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے دو سو اوقیہ (ساڑھے ۲۹ کلو) چاندی لا کر حاضر کی۔ سیدنا عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ نے نوے وسق (ساڑھے تیرہ ہزار کلو) کھجور لا کر پیش کی۔ (زرقانی: ۳/۶۴)

اب نگاہِ نبوت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی طرف اٹھی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ملک شام کے لیے ایک قافلہ تیار کیا ہوا تھا جس میں پالان اور کجاوے سمیت دو سو اونٹ تھے اور

Marfat.com

ساڑھے انیس کلو چاندی تھی۔ آپ نے یہ سب پیش کر دیا۔ اس کے بعد پھر ایک سو اونٹ پالان اور کجاوے سمیت پیش کیے۔ اس کے بعد ایک ہزار دینار یعنی ساڑھے پانچ کلو سونا لے آئے اور انہیں آغوشِ نبوت میں ڈال دیا۔ آپ ﷺ خوشی سے ان دیناروں کو اچھالتے جاتے اور فرماتے جاتے تھے: آج کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ کو کوئی ضرر نہیں ہوگا اس کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے پھر دیا اور پھر اور پیش کیا یہاں تک کہ ان کے چندہ کی مقدار نقدی کے علاوہ نو سو اونٹ اور ایک سو گھوڑے تک جا پہنچی۔ (فتح الباری: ۷/۴۴)

سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بہت سارا مال لائے۔ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ، سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ، سیدنا محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ بھی اپنی اپنی طاقت کے مطابق بہت سارا مال لائے۔ بقیہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی جو کچھ ان سے بن پڑا، سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں لے آئے۔ عورتوں نے بھی اپنے زیورات آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں بھیجے۔ غرض کہ کسی صحابی مرد اور عورت نے اس بارے میں بخل سے کام نہ لیا اور اپنی استطاعت سے بڑھ چڑھ کر چندہ پیش کیا، لیکن پھر بھی اتنے بڑے لشکر کی سواری اور زادِ راہ کا پورا سامان نہ ہو سکا۔ چنانچہ نادار صحابہؓ سواری نہ ہونے کی وجہ سے روتے ہوئے واپس جاتے۔ سیدنا عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو لیلیٰ عبدالرحمٰن بن کعب رضی اللہ عنہ جب روتے ہوئے واپس گئے تو راستہ میں یامین بن عمرو نضری رضی اللہ عنہ مل گئے۔ انہوں نے ان دونوں سے رونے کا سبب پوچھا، انہوں نے کہا کہ نہ تو رسول اللہ ﷺ کے پاس سواری کا بندوبست ہے اور نہ ہم میں سفر کا سامان مہیا کرنے کی استطاعت ہے۔ اب رونا اس حسرت اور افسوس کا ہے کہ اس وجہ سے ہم اس غزوہ میں شرکت سے محروم رہے جاتے ہیں۔ ان کی یہ دردناک اور رقت آمیز کہانی سن کر یامین بن عمرو نضری رضی اللہ عنہ کا دل بھر آیا۔ فوراً جا کر ایک اونٹ خرید کر ان دونوں کو دیا اور زادِ راہ کا بھی انتظام کیا۔ (زرقانی: ۳/۶۶، عیون الاثر: ۲/۲۹۳، ابن ہشام: ۲/۵۱۸) جو لوگ جنگ میں سواری نہ ہونے کی وجہ سے نہ جا سکے اور حسرت میں رونے لگے ان کا لقب ہی ''البکاؤون'' پڑ گیا۔

(عیون الاثر: ۲/۲۹۳)

اسلامی لشکر مدینہ طیبہ سے باہر جمع ہوا۔ جب تک سرکارِ دو عالم ﷺ مدینہ کے انتظام و انصرام کی وجہ سے تشریف نہ لا سکے، نماز کی امامت کے فرائض سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ادا فرماتے رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کا انتظام سیدنا محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ اور ایک روایت کے مطابق سیدنا سباع بن عرفطہ رضی اللہ عنہ (لیکن زیادہ صحیح روایت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی ہے)

Marfat.com

کے سپرد کر کے اور اپنے اہل وعیال سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو تفویض فرما کر اور مناسب ہدایات دے کر لشکر گاہ میں تشریف لے آئے۔ یہاں پہنچ کر آپ نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول اور اس کے ساتھیوں کو لشکر سے نکال دیا۔

(عیون الاثر: ۲/۲۹۳)

جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل وعیال کی دیکھ بھال کے لیے مدینہ میں رہنے کا حکم دیا تو منافقین نے ان پر طعنہ زنی کی۔ آپ نے بارگاہِ نبوت میں عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ مجھ کو بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جا رہے ہیں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تو اس پر راضی نہیں کہ تجھ کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھی، لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

کوچ کا نقارہ بجنے کے ساتھ ہی لشکر میں حرکت پیدا ہوئی۔ ذرا دیر میں ہر طرف غبار اڑ رہا تھا۔ گھوڑوں کی ہنہناہٹ نے فضا میں ارتعاش پیدا کر دیا۔ شہر کی عورتیں اپنے گھروں کی چھتوں اس لشکر جرار کا نظارہ دیکھنے لگیں جو صحرا کو پامال کرتا ہوا شمال کی جانب بڑھا۔ یہ جمعرات کا دن تھا۔ اس کی منزل تبوک تھی اور اس میں تیس ہزار مردانِ جنگی تھے۔ اس سے بڑا لشکر اس سے پہلے کبھی دشمن کے مقابلہ میں نہ گیا تھا۔ جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ اتنا چندہ جمع ہونے کے باوجود بھی لشکر کے لیے سواری اور زادِ راہ کی سخت کمی تھی۔ چنانچہ اٹھارہ اٹھارہ آدمیوں کے لیے ایک ایک اونٹ تھا۔ جس پر وہ باری باری سوار ہوتے تھے۔ اسی طرح کھانے کی بھی سخت کمی تھی۔ بسا اوقات درختوں کی پتیاں استعمال کرنا پڑتیں جس سے ہونٹ متورم ہو گئے تھے۔ مجبوراً اونٹوں کو ذبح کرنا پڑا (حالانکہ وہ پہلے ہی بہت کم تھے۔) تاکہ ان کے معدے اور آنتوں کے اندر جمع شدہ پانی اور تری کو پیا جا سکے۔ البتہ یہ وہ پہلا لشکر ہے جس میں دس ہزار گھوڑے تھے۔

(عیون الاثر: ۲/۲۹۱)

مال و اسباب اور زادِ راہ کی اس تنگی کی وجہ سے اس کا نام ''جیش العسرۃ'' یعنی تنگی کا لشکر پڑ گیا۔ لیکن اتنی تنگی کے باوجود بھی جہاد و شہادت کے جذبے نے گرمی کا خوف اور بھوک اور پیاس کا خطرہ ان کے دلوں سے محو کر دیا اور وہ نہایت خوشی و مسرت کے ساتھ اس ہادی برحق کی معیت میں راستہ کی صعوبتیں اور تکلیفیں برداشت کرنے لگے۔

کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے سائے اور عیش و تنعم کو ایمان اور رضائے الٰہی پر ترجیح دی۔ وہ آپ کے ساتھ اس اہم اور عظیم سفر پر نہ گئے بلکہ وہ گھروں میں بیٹھے رہے۔

Marfat.com

قرآن حکیم نے ان کے لیے ''مخلفین'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ دس ہزار سواروں کا دستہ لشکر کے آگے آگے چل رہا تھا۔ مدینہ کی چھتوں پر عورتوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ جمع ہو کر اس لشکر کی قوت و جلال سے نہ صرف متاثر ہو رہی تھیں بلکہ ان کی کامیابی کے لیے بارگاہِ الوہیت میں دست بدعا بھی تھیں، لیکن دوسری طرف ان عورتوں کے نظارہ نے بھی بعض ایسے مسلمانوں کو اپنی طرف مائل کر لیا جو رسول اللہ ﷺ کی دعوت سے متاثر ہونے کے بجائے گھروں میں بیٹھے رہے۔ انہی میں ایک ابوخیثمہ بھی ہیں جو اس منظر کو دیکھنے کے بعد اپنے گھر واپس لوٹے تو ان کی دونوں بیویوں نے اپنے اپنے دالان اور آنگن سجائے، زمین پر چھڑکاؤ کیا اور شوہر کے لیے کھانا تیار کیے بیٹھی تھیں۔ ابوخیثمہ نے یہ اہتمام دیکھ کر فرمایا: ''رسول اللہ ﷺ تو دھوپ کی شدت و تمازت اور گرم لو کے تھپیڑوں سے دوچار ہوں اور ابوخیثمہ پُر بہار سایہ، خوش ذائقہ خوان اور حسین و جمیل بیویوں کے جھرمٹ میں دادِ عیش دے۔ بخدا! ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا! اسی وقت گھر والوں کو حکم دیا کہ میرے لیے زادِ راہ تیار کرو اور اسی وقت رسول اللہ ﷺ کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گئے اور تبوک میں لشکر میں جا ملے۔

حضور ﷺ نے دور سے اونٹ پر سوار آتا دیکھ کر فرمایا: ابوخیثمہ آ رہا ہے، فرماتے ہیں: میں نے حاضر خدمت ہو کر واقعہ بیان کیا کہ میرے دل میں یہ ہوک اٹھی جس نے مجھے اس طرح آنے پر مجبور کیا۔ آپ نے میرے لیے دعا خیر کی۔

(عیون الاثر: ۲/۲۹۴، زرقانی: ۳/۷۱، فتح الباری: ۸/۸۸)

اسی طرح سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ''السابقون الاولون'' میں سے تھے۔ ان کا اونٹ لاغر اور کمزور تھا۔ اس لیے یہ خیال ہوا کہ دو چار روز میں یہ اونٹ کھا پی کر چلنے کے قابل ہو جائے گا، اس وقت میں آپ سے جا ملوں گا، لیکن ہوا یہ کہ وہ اونٹ دو چار روز میں چلنے کے قابل نہ ہوا جب اس سے ناامید ہو گئے تو اپنا سامان پشت پر لادا اور پیادہ پا آپ کے پیچھے روانہ ہو گئے۔ اسی طرح تن تنہا تبوک پہنچے۔ آپ نے دور سے اکیلا آتے دیکھ کر فرمایا: ''اللہ ابوذر پر رحم فرمائے، اکیلا چلا آ رہا ہے، اکیلا ہی مرے گا اور اکیلا ہی اٹھایا جائے گا۔'' چنانچہ ایسا ہی ہوا، سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ربذہ میں تنہا وفات پائی۔ کوئی تجہیز و تکفین کرنے والا نہ تھا۔ اتفاق سے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کوفہ سے واپس آ رہے تھے، انہیں پتہ چلا کہ اس ویرانہ میں سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا ہے، انہوں نے تجہیز و تکفین کی۔ (زرقانی: ۳/۷۱)

ان کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی پیچھے رہ جانے والوں میں سے تھے۔ ان میں تین تو

Marfat.com

خالص مومن تھے اور باقی وہ لوگ تھے جن کے دلوں میں ایمان ابھی واضح نہیں ہوا تھا یا پھر نفاق کے دبیز پردے ان کے قلب کو گھیرے ہوئے تھے۔ ان خالص مومنین میں یہ تین حضرات تھے۔ سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ، سیدنا مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہ اور سیدنا ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ۔ ان کے بارے میں ہم آئندہ صفحات میں بیان کریں گے۔

تبوک روانگی:

راستہ میں کئی وادیوں سے آپ کا گزر ہوا۔ چنانچہ وادی حجر سے بھی اسلامی لشکر کو گزرنا پڑا۔ یہ وہ وادی ہے جہاں قوم ثمود پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا تھا۔ ثمود وہ قوم تھی جس نے وادی القریٰ کے اندر چٹانیں تراش تراش کر مکان بنائے تھے۔ جب آپ وہاں سے گزرے تو اس درجہ متاثر ہوئے کہ چہرہ مبارک پر کپڑا لٹکا لیا اور ناقہ کو تیز کر دیا۔ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تاکید فرمائی کہ کوئی شخص نہ تو اس وادی کا پانی پیئے اور نہ ہی وضو کرے۔ اگر کسی نے پکانے کے لیے آٹا گوندھ لیا ہے تو اونٹوں کو کھلا دیا جائے۔ کوئی شخص ایسے آٹے کی روٹی پکا کر نہ کھائے، نہ کوئی لشکر گاہ سے اکیلا باہر نکلے۔ آپ نے یہ بھی حکم دیا کہ لوگ اس کنوئیں سے پانی لیں جس سے صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پیا کرتی تھی۔ (زرقانی: ۳/ ۷۳، فتح الباری: ۶/ ۲۶۸)

بدقسمتی سے دو مسلمان رات کے وقت لشکر گاہ سے باہر چلے گئے۔ ایک کو ہوا جھپٹ کر لے گئی اور دوسرا ریت کے نیچے دب گیا۔ صبح ہوئی تو جس کنوئیں کے پانی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا تھا، منہ تک ریت سے اٹا ہوا تھا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ ایک شخص کا دم گھٹ گیا جو آپ کے دم کرنے سے اچھا ہوا اور دوسرے کو ہوا نے دور پھینک دیا۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا بخاری نے بیان نقل کیا ہے کہ جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیار ثمود یعنی حجر سے گزرے تو فرمایا کہ ان ظالموں کے مکانوں میں داخل نہ ہونا، کہیں تم پر بھی وہی مصیبت نہ آن پڑے جو ان لوگوں پر آئی تھی، ہاں مگر روتے ہوئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا سر ڈھکا اور تیزی سے چل کر وادی پار کر گئے۔ (بخاری: ۲/ ۶۳۷)

اس سے معلوم ہوا کہ وہ جگہیں جہاں اللہ کا عذاب اور صفت قہر کا ظہور ہوا یا ہوتا ہے، وہاں جانے سے نزول عذاب کا اندیشہ ہے، کیونکہ عذاب کی بادِ سموم کے اثرات اور وہاں کے زہریلے اثرات روح اور قلب کے لیے مضر اور نقصان دہ ہوتے ہیں۔

پانی نہ ملنے کی وجہ سے راستہ میں سخت دشواری ہو رہی تھی۔ مسلمان خوفزدہ تھے کہ اتنا

Marfat.com

طویل سفر پانی کے بغیر کیسے طے ہوگا۔ چنانچہ آپ کی خدمت میں پانی نہ ملنے کی شکایت کی گئی۔ آپ نے دعا فرمائی۔ دیکھتے ہی دیکھتے بادل کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا آسمان کی بلندیوں پر ظاہر ہوا اور چشم زدن میں جل تھل کرتا ہوا نظروں سے غائب ہو گیا۔ لشکر نے پیٹ بھر کر پانی پیا اور راستہ کے لیے چھاگلیں اور دوسرے برتن بھی بھر لیے۔ جس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

راستہ میں آپ کی ناقہ گم ہوگئی۔ ایک منافق نے کہا آپ آسمان کی خبریں دیتے ہیں مگر اپنے ناقہ کی خبر نہیں تو آپ نے فرمایا: مجھے کسی چیز کا علم نہیں مگر وہ جو اللہ نے مجھ کو بتلا دیا۔ پھر آپ کو بذریعہ وحی بتا دیا گیا کہ آپ کی وہ ناقہ فلاں وادی میں ہے اور اس کی مہار ایک درخت سے اٹک گئی ہے۔ جس سے وہ رکی ہوئی ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس اونٹنی کو جا کر لے آئے۔

تبوک پہنچنے سے ایک روز قبل آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فرمایا: کل چاشت کے وقت تم تبوک کے چشمہ پر پہنچ جاؤ گے، لہٰذا تم میں سے کوئی شخص میرے پہنچنے سے پہلے اس چشمہ سے پانی نہ لے۔ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہمارے پہنچنے سے قبل دو آدمی وہاں پہنچ چکے تھے۔ آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ کیا تم نے اس چشمہ کے پانی کو ہاتھ لگایا ہے، انہوں نے جواب دیا: ''جی ہاں۔'' آپ نے ان دونوں سے کچھ فرمایا۔ چشمہ میں سے تھوڑا تھوڑا پانی آ رہا تھا۔ پھر چشمہ سے کچھ پانی ایک برتن میں جمع کیا گیا۔ آپ نے اس میں اپنا منہ ہاتھ دھویا پھر وہ پانی اسی چشمہ میں ڈال دیا۔ پانی ڈالنا تھا کہ اس چشمہ سے نہایت تیزی سے پانی آنے لگا جس سے تمام لشکر سیراب ہو گیا۔ پھر آپ نے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا: ''اے معاذ! اگر تو زندہ رہا تو اس مقام کو باغات سے سرسبز و شاداب دیکھے گا۔

(مسلم: ۲/۲۴۶)

محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ آج تک وہ چشمہ فوارہ کی طرح جاری ہے اور دور سے اس کی آواز سنائی دیتی ہے۔ (خصائص کبریٰ: ۱/۲۷۳)

تبوک پہنچ کر آپ نے بیس روز قیام فرمایا۔ آپ نے ان بیس دنوں میں دشمن کا انتظار کیا کیونکہ آپ اس سے فیصلہ کن مقابلہ کرنا چاہتے تھے، لیکن آپ کے آنے سے دشمن کچھ اس طرح مرعوب ہو گیا کہ اس کو مقابلہ میں آنے کی سکت نہ رہی۔ آپ کی اس پیش قدمی کے اثرات بہت اچھے پڑے۔ اس سے ایک تو مسلمانوں کی فوجی ساکھ قائم ہو گئی۔ دوسرے اس سے بڑے اہم سیاسی فوائد حاصل ہوئے۔ جو شاید جنگ کی صورت میں حاصل نہ ہو سکتے۔ آپ کو اطلاع موصول ہوئی تھی کہ عیسائیوں کا جو لشکر سرحد پر پڑا ہوا تھا، اسے شام میں واپس لے جایا

Marfat.com

گیا ہے۔ دشمن کی اس گریز پائی سے آپ نے اس کے خوف و ہراس کا اندازہ لگا لیا، لیکن اس کا تعاقب غیر ضروری سمجھنے کے باوجود عرب اور شام کی سرحد پر پڑاؤ ڈال دیا۔ یہ گویا ایک قسم کی مبارزت تھی کہ دشمن کو اگر مقابلہ کرنا ہو تو ہم حاضر ہیں، لیکن بیس روز کے قیام میں دشمن کو مقابلہ کی جرأت نہ ہوئی۔

اس سرحد پر ایلہ کے حاکم یوحنا بن رؤیہ کی حکومت تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف اپنا سفیر بھیجا کہ "اگر ہماری اطاعت منظور ہے تو درست ورگرنہ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ یوحنا نے خود بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر جزیہ دینا منظور کر لیا۔ جب وہ حاضر ہوا تو اس کے سینے پر سونے کی صلیب لٹک رہی تھی اور نذر گزارنے کے لیے قسم قسم کے تحائف اس کے ساتھ تھے۔ اسی طرح جرباء اور اذرح کے حکمرانوں نے بھی آپ کی اطاعت میں سر جھکا دیے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان تینوں کے لیے ایک تحریر لکھوا کر ہر ایک کے حوالے کر دی۔ یوحنا کی تحریر کچھ یوں تھی:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: یہ پروانۂ امن ہے۔ اللہ تعالیٰ اور محمد ﷺ اس کے نبی اور رسول کی طرف سے یوحنا بن رؤیہ اور باشندگان کے لیے جو مراعات ذیل پر مشتمل ہے:

(الف) یوحنا کے کسی دشمن کی طرف سے اس کے بحری و بری (کشتیوں اور قافلوں) کی ذمہ داری اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر عائد ہو گی بشمول ان لوگوں کے جو یوحنا کے حلیف ہوں جو شام و یمن ساحل سمندر کے رہنے والے ہوں۔

(ب) اور اگر ان کا کوئی آدمی ہمارے ساتھ بدعہدی کرے گا تو اس کا تمام مال و اسباب ضبط کر لیا جائے گا اور ایسا مال محمد ﷺ کے لیے مباح ہو گا۔ البتہ مالی نقصانات کے عوض کسی کی جان سے تعرض نہ کیا جائے گا۔

(ج) یوحنا اور ان کے حلیفوں کو ان دریاؤں کا پانی بند کرنے کا اختیار نہ ہو گا جو اب تک ان کے علاقوں سے گزر کر مسلمانوں کی اراضی سیراب کر رہے ہیں۔

(د) یوحنا اور اس کے حلیفوں کو ہمارے ان راستوں کی ناکہ بندی کا اختیار نہ ہو گا جو خشکی اور سمندر میں ہماری گزرگاہیں ہیں۔"

رسول خدا ﷺ نے اس معاہدہ کی مزید توثیق کے لیے یوحنا بن رؤیہ حاکم ایلہ کو اپنی یمنی چادر مبارک عطا فرمائی اس کی ہر طرح مدارات کیں اور جزیہ تین سو دینار سالانہ قرار پایا۔

تبوک کے اسی قیام کے دوران آپ نے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو پانچ سو سواروں

Marfat.com

کا دستہ دے کر دومۃ الجندل کے حاکم اکیدر کے پاس بھیجا کیونکہ اس عیسائی حاکم سے اندیشہ تھا کہ اگر ہرقل شاہ روم پھر کسی وقت سر اٹھائے تو اکیدر بن عبدالملک بھی اس کی مدد کے لیے نہ نکل آئے۔ اس لیے اکیدر کی سرکوبی ضروری سمجھی گئی۔ آپ ﷺ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے روانگی کے وقت فرمایا کہ تم اسے نیل گائے کا شکار کھیلتا ہوا پاؤ گے۔ اس کو قتل نہ کرنا بلکہ گرفتار کر کے میرے پاس لے آنا۔ خالد رضی اللہ عنہ اپنے دستہ کے ساتھ کچھ اس انداز سے گئے کہ اکیدر کو ان کے آنے کی کوئی خبر نہ ہوئی۔ گرمی کا موسم تھا۔ اکیدر نے اس رات کی چاندنی کو غنیمت سمجھ کر اپنے بھائی حسان کو ساتھ لیا اور دونوں نیل گائے کے شکار کے لیے قلعہ سے باہر نکل کھڑے ہوئے۔ ایک روایت میں ہے کہ اکیدر اور اس کی بیوی قلعہ کی فصیل پر بیٹھے گانا سن رہے تھے۔ اچانک ایک نیل گائے نے نکل کر قلعہ کے پھاٹک کو ٹکر ماردی۔ اکیدر اپنے بھائی کے ساتھ شکار کے لیے اترا اور وہ دونوں گھوڑوں پر سوار ہو کر اس کے پیچھے دوڑ پڑے۔ تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور ان کے دستہ نے ان کو جالیا۔ اکیدر کے بھائی حسان نے مقابلہ کیا اور وہ مارا گیا اور اکیدر کی جان بخشی اس شرط پر کی گئی کہ وہ ہمارے ساتھ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو اور وہ مسلمانوں کے لیے شہر کے دروازے کھول دے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے مندرجہ ذیل مال غنیمت حاصل کیا:

اونٹ ۲ ہزار، بکری ۸۴۰۰، گھوڑے ۸ سو، زرہیں ۴ سو، گندم ۴ سو وسق۔ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اکیدر کو اپنے ساتھ لے کر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے۔ اکیدر حاضر خدمت ہوتے ہی مسلمان ہو گیا اور بدستور اپنے علاقہ کا حکمران رہا اور بعد میں وہ مرتد ہو گیا۔

(عیون الاثر: ۲/ ۲۹۸)

ان واقعات نے ان قبائل پر بہت اچھے اثرات مرتب کیے جو اب تک رومیوں کے آلۂ کار بنے ہوئے تھے۔ چنانچہ وہ ہرقل کو چھوڑ کر مسلمانوں کے حمایتی بن گئے۔ اس سے اسلامی حکومت کی یہاں تک وسعت ہوئی کہ اس کی سرحدیں رومی سرحدوں سے جا ملیں۔

واپسی:

تبوک میں بیس روز قیام کے بعد آپ مدینہ منورہ واپس ہوئے۔ دشمن سے کوئی تصادم نہ ہوا۔ جب آپ مقام ذی آوان پہنچے جو مدینہ سے ملحقہ ایک بستی تھی، یہاں سے مدینہ طیبہ ایک گھنٹہ کی مسافت پر رہ جاتا ہے، تو آپ نے مالک بن دخشم رضی اللہ عنہ اور معن بن

Marfat.com

عدی رضی اللہ عنہ کو مسجد ضرار جلانے اور منہدم کرنے کے لیے آگے بھیجا۔ یہ مسجد منافقین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف مشورے کرنے اور تفریق بین المومنین کے لیے بنائی تھی۔ جب آپ سفر تبوک پر تشریف لے جارہے تھے تو منافقین نے آکر آپ سے درخواست کی کہ ہم نے بیماروں اور معذوروں کے لیے ایک مسجد بنائی ہے، آپ اس میں پہلی نماز تبرک کے طور پر پڑھا کر اس کا افتتاح فرما دیجیے۔ آپ نے اس معاملہ کو واپسی پر ملتوی کر دیا۔ واپسی پر آپ نے ان دو حضرات کو اس کے جلانے کے لیے بھیجا۔ انہوں نے اس کو نذر آتش کر دیا۔ چنانچہ قرآن حکیم میں اس کے بارے میں آیات نازل ہوئیں جن میں اس کو ''مسجد ضرار'' کہا گیا اور اس کا مقصد تفریق بین المومنین اور مشرکین کا اڈہ بتایا گیا۔

جب آپ مدینہ کے قریب پہنچے اور مدینہ کے در و دیوار پر آپ کی نگاہ پڑی تو فرمایا۔ یہ طابہ ہے اور یہ پہاڑ احد ہمیں محبت کرتا ہے اور ہم اسے محبت کرتے ہیں۔ مدینہ میں آپ کی آمد پر آپ کا اور آپ کے اس مظفر و منصور لشکر کا زبردست استقبال کیا گیا اور مدینہ کی عورتیں اور بچے نغمہ گنگناتے ہوئے آپ کے استقبال کے لیے گھروں سے باہر نکل آئے۔

طلع البدر علینا — من ثنیات الوداع

وجب الشکر علینا — ما دعا للہ داع

''ہم پر ثنیۃ الوداع سے چودھویں کا چاند طلوع ہوا ہے۔ جب تک پکارنے والا اللہ تعالیٰ کو پکارے ہم پر اس کا شکر واجب ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رجب کے مہینہ میں تبوک کے لیے روانہ ہوئے۔ تیس روز آمد و رفت میں لگے اور بیس روز تبوک میں قیام فرمایا۔ چنانچہ جب مدینہ طیبہ میں واپس تشریف لائے تو رمضان المبارک سنہ ۹ ھ کا مہینہ تھا۔ مدینہ میں داخل ہوتے ہی آپ سیدھے مسجد نبوی تشریف لے گئے۔ وہاں دو رکعت ادا فرمائیں اور ذات واجب کا شکر ادا کیا۔ نماز سے فراغت کے بعد لوگوں سے ملاقات کے لیے کچھ دیر مسجد میں تشریف فرما رہے۔ پھر آرام کے لیے گھر تشریف لے گئے۔ یہ آپ کا آخری غزوہ ہے جس میں آپ نے شرکت فرمائی۔ اس کے بعد آپ انتقال تک مدینہ طیبہ ہی میں رہے۔

متخلفین:

اس غزوہ کا ذکر مکمل نہیں ہوتا جب تک ان لوگوں کا تھوڑا سا تذکرہ نہ کر دیا جائے

Marfat.com

جنہوں نے اس غزوہ میں شمولیت نہ کی۔ اس غزوہ میں مومنین اور منافقین کے لیے ایک سخت آزمائش تھی۔ اس سے اہل ایمان اور دوسرے لوگوں میں تمیز ہو گئی۔ کیونکہ اس غزوہ میں تمام مومنین مخلصین نے شرکت کی اور اس سے غیر حاضری نفاق کی علامت قرار پائی۔ اس غزوہ میں تین قسم کے لوگ پیچھے رہ گئے:

① ایک وہ لوگ جن کے دل نفاق کے زہر سے بھرے ہوئے تھے اور جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا جھوٹا دعویٰ کیا ہوا تھا۔

② وہ لوگ جو معذور تھے اور اس غزوہ میں اپنی مالی یا جسمانی کمزوریوں کی وجہ سے شرکت نہ کر سکے۔

③ تین مخلص مومن وہ بھی تھے جن کے پاس شرکت نہ کرنے کا کوئی عذر بھی نہ تھا لیکن پھر بھی شرکت نہ کی، اللہ تعالیٰ نے انہیں آزمائش میں ڈالا اور پھر ان کی توبہ قبول فرمائی۔

جب آپ مدینہ میں وارد ہوئے اور مسجد میں دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد مسجد میں لوگوں کی خاطر تشریف فرما رہے اس دوران منافقین جنہوں نے اس غزوہ میں شرکت نہ کی تھی، آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جھوٹے عذر پیش کرنے شروع کر دیے اور قسمیں کھا کھا کر آپ کو بتانا شروع کر دیا کہ ہم ان عذروں کی وجہ سے اس غزوہ میں شریک نہ ہو سکے۔ آپ نے ان کے عذروں کو قبول فرماتے ہوئے معاف کر دیا۔ لیکن تین مومنین مخلص ایسے تھے جنہوں نے سچائی اختیار کرتے ہوئے صاف بتا دیا کہ ہم نے کسی مجبوری یا عذر کے بغیر اس غزوہ میں شرکت نہیں کی تھی۔ یہ تین حضرات تھے:

① کعب بن مالک رضی اللہ عنہ

② مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہ

③ ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ

یہ تینوں حضرات بڑے جلیل القدر لوگوں میں سے تھے۔ سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ تو ان بہتر (۷۲) سابقین انصار میں سے تھے جنہوں نے بیعت عقبہ ثانیہ میں شرکت کی تھی اور آپ کو مدینہ طیبہ تشریف لانے کی دعوت دی تھی اور آپ کی ذات شریف کے لیے ہر جانی اور مالی قربانی کا وعدہ کیا تھا، سیدنا ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہ اس بیعت میں تو شریک نہیں تھے البتہ غزوہ بدر میں دونوں حضرات نے شرکت کر کے اپنی جاں نثاری اور اخلاص

Marfat.com

نیت کا ثبوت فراہم کر دیا ہوا تھا۔ سوائے سستی اور کاہلی کے ان کے پاس اس عظیم الشان غزوہ میں شرکت نہ کرنے کے لیے کوئی عذر نہ تھا، حالانکہ اس میں شرکت وقت اور اسلام کا اہم تقاضا تھا۔

بخاری میں سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ قریباً ہر غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہم رکابی کا شرف مجھے حاصل رہا۔ اس دفعہ بھی یہ خیال تھا کہ موکہ ہماریوں کے ساتھ چلوں گا، لیکن ایک کے بعد ایک دن گزرتا گیا اور میں اسی خیال میں رہا کہ یہ کام نپٹا لوں تو روانہ ہو جاؤں گا۔ اسی طرح آج کل ہوتے ہوتے کئی روز گزر گئے اور قافلہ دور نکل گیا، گویا

رفتم کہ خار از پا کشم محمل نہاں شد از نظر
یک لحہ غافل بودم و صد سالہ راہم دور شد

اور مدینہ طیبہ میں سوائے معذورین اور منافقین کے اور کوئی باقی نہ رہا۔ جب یہ منظر دیکھا تو سخت رنج ہوتا۔ اتنے میں یہ خبر اڑی کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس تشریف لا رہے ہیں۔ تب میری آنکھیں کھلیں۔ بہر حال آپ واپس مدینہ تشریف لے آئے۔ اب متخلفین (پیچھے رہ جانے والے) آ آ کر اپنی معذرتیں کرنے لگے اور قسمیں کھا کھا کر اپنے بیان کی سچائی بتانے لگے۔ یہ کچھ اوپر اسی آدمی تھے۔ آپ ان کے ظاہر بیانات کو تسلیم کرتے گئے اور ان کے باطن کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑتے رہے۔

مجھے بھی پہلے یہ خیال آیا کہ کوئی عذر بیان کر دوں گا۔ اس بارے میں کچھ عذرات میں نے سوچ بھی لیے تھے، لیکن پھر یہ سمجھا کہ بارگاہِ نبوت میں حیلے بہانے غلط ہیں جو صحیح بات ہے وہی کہنی چاہیے۔ مغازی ابن عائذ میں ہے کہ سیدنا کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ عزم کر لیا کہ ایسا ہرگز نہ کروں گا کہ غزوہ سے پیچھے بھی رہوں اور پھر اللہ کے رسول کے سامنے کذب بیانی بھی کروں۔ چنانچہ جب میری باری آئی۔ میں بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوں، سلام عرض کیا۔ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے دیکھ کر مسکرائے۔ یہ مسکراہٹ خوشی کی نہیں تھی بلکہ انداز خفگی کا تھا۔ آپ نے فرمایا: ''تم کیوں رہ گئے؟ تم سفر کے لیے اونٹنی بھی خرید چکے تھے؟'' میں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! باتیں بنانی تو مجھے بھی بہت آتی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قوت خطابت عطا فرمائی ہے، اگر معاملہ کسی دنیا دار سے ہوتا تو میں کچھ باتیں بنا سکتا تھا، لیکن یہاں معاملہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے۔ اگر کوئی ایسی ویسی بات کہہ کر آپ کو راضی کر لوں تب بھی خطرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو حقیقت حال سے مطلع فرما دے گا اور اگر صحیح بات کہوں تو یقیناً اس وقت آپ ناراض ہوں گے لیکن پھر معافی کی توقع بھی رہے گی۔ صحیح بات یہ ہے کہ میرے پاس کوئی

Marfat.com

عذر نہیں تھا۔ میں اچھا خاصا تندرست تھا۔ مالی سہولت بھی مجھے میسر تھی۔ یہ میری سستی اور کوتاہی تھی کہ نہیں گیا۔ سراپا قصوروار ہوں۔

آپ نے فرمایا: کعب! بے شک تم نے سچی بات کہی۔ اب جاؤ، انتظار کرو۔ دیکھو اللہ تعالیٰ کا کیا فیصلہ ہوتا ہے۔

میں جیسے ہی آپ کی مجلس مبارک سے باہر نکلا کچھ لوگ میرے پیچھے لگ گئے کہ تم نے غلطی کی۔ تم بھی دوسروں کی طرح کوئی بات بنا لیتے۔ کچھ لوگوں نے اس طرح ملامت شروع کی کہ مجھے خیال آیا کہ واپس جا کر کوئی بات بتا دوں تا کہ آپ ﷺ کی ناراضگی ختم ہو، لیکن میرے ضمیر نے اجازت نہیں دی کہ رسول خدا ﷺ کے سامنے کوئی بات بناؤں۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ میرے سوا کسی اور کو بھی ایسا حکم بارگاہِ نبوت سے ہوا ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ ہاں دو اور آدمیوں مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہ اور ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کو۔

اس کے بعد بارگاہِ رسالت سے جب یہ حکم صادر ہوا کہ ہم تینوں سے کوئی شخص بات چیت نہ کرے تو سب نے منہ پھیر لیا۔ گویا یہ ہمارا سوشل بائیکاٹ تھا۔ ہم نے دیکھا کہ اچانک دنیا کچھ سے کچھ ہو گئی۔ اس آزمائش میں جو دونوں میرے شریک تھے، وہ تو اپنے گھروں میں بند ہو کر بیٹھ گئے۔ لیکن میں سخت جان تھا۔ اس حالت میں بھی روزانہ گھر سے نکلتا، مسجد میں حاضر ہوتا، جماعت میں شریک ہوتا، پھر ایک گوشۂ مسجد میں سب سے الگ تھلگ بیٹھ جاتا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ نماز کے بعد سرکار دو عالم ﷺ کے قریب جا کر سلام عرض کرتا۔ پھر اپنے جی میں کہتا کہ دیکھوں سلام کے جواب میں آپ کے لبوں کو حرکت ہوتی ہے یا نہیں؟ آپ گوشۂ چشم سے کبھی کبھی مجھے دیکھ لیتے، لیکن جب میری نگاہ حسرت سے اٹھتی تو رخ مبارک پھر جاتا۔

ایک دن میں شہر سے نکلا، نہایت پریشان حال کہ میرے ساتھ کیا ہو گیا۔ چلتے چلتے ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے باغ تک پہنچ گیا۔ یہ میرے چچیرے بھائی تھے اور مجھے اپنے تمام عزیزوں میں سب سے زیادہ محبت انہی سے تھی۔ میں نے انہیں سلام کیا تو انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ میں نے کہا: ''ابو قتادہ رضی اللہ عنہ! تم نہیں جانتے میں مسلمان ہوں۔ اللہ اور اس کے رسول کی محبت میرے دل میں موجزن ہے؟'' اس پر بھی انہوں نے میری طرف کوئی توجہ نہ کی، لیکن جب یہی بات میں نے بار بار دہرائی تو اس نے اتنا کہا: **اللہ و رسولہ اعلم** (اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے) تب مجھ سے ضبط نہ ہو سکا۔ بے اختیار میری آنکھوں سے موسلادھار بارش کی طرح آنسو ٹپکنے لگے۔

Marfat.com

وہاں سے واپس آ رہا تھا کہ راستہ میں ایک قبطی مل گیا۔ وہ لوگوں سے میرا پتہ پوچھ رہا تھا۔ اتفاقاً میں وہاں آ گیا تو لوگوں نے میری طرف اشارہ کر کے بتایا۔ اس نے شاہ غسان کا خط نکال کر مجھے دیا۔ خط میں لکھا تھا:

''ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ کے آقا نے آپ پر بہت سختی کی ہے۔ تم ہمارے پاس چلے آؤ۔ ہم تمہاری شایان شان قدر و منزلت کریں گے۔''

خط پڑھ کر میرا خون کھول اٹھا کہ یہ ایک نئی مصیبت آن پڑی، اہل کفر کو میرے بارے میں اتنی جرأت ہو گئی کہ دشمنان دین مجھ سے یہ توقع رکھ رہے ہیں۔

جب چالیس روز ہو گئے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے ایک شخص آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم سنایا کہ تم اپنی بیوی سے الگ ہو جاؤ۔ میں نے کہا طلاق دے دوں، کہا نہیں صرف علیحدگی کا حکم ہے۔ ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ اور مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہ کو بھی ایسا ہی حکم ہوا ہے۔ یہ حکم سنتے ہی میں نے اپنی بیوی کو میکے بھیج دیا۔

جب دس روز اور گزر گئے اور کل پچاس روز ہو گئے تو صبح کے وقت میں اپنے مکان کی چھت پر نماز پڑھ کر بیٹھا ہوا تھا اور ٹھیک وہی حالت تھی جس کی تصویر اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں کھینچی ہے کہ زندگی سے تنگ آ گیا تھا اور خدا کی زمین اپنی ساری وسعتوں کے ساتھ مجھ پر تنگ کر دی گئی تھی۔ اچانک سنتا ہوں کہ کوئی شخص کوہ سلع سے پکار رہا ہے۔

''کعب بن مالک مبارک ہو (ایک اور روایت میں بشارت کا لفظ ہے) تمہاری توبہ قبول ہو گئی۔''

چہ مبارک سحرے بود وچہ فرخندہ شبے
آن شب قدر کہ ایں تازہ براتم دادند

اب لوگ جوق در جوق مجھے مبارک باد دینے کے لیے دوڑے۔ ایک آدمی گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا لیکن بشارت کی آواز اس سے بھی تیز ثابت ہوئی۔

میں مسجد نبوی میں حاضر ہوا، دیکھا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام کے حلقہ میں تشریف فرما تھے۔ آپ کا چہرہ مبارک خوشی سے تمتما رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے دیکھ کر فرمایا:

''کعب بشارت ہو۔ آج کا دن تمہار زندگی کا سب سے بہترین دن ہے۔''

مجھے بھی بڑی خوشی ہوئی تھی، لہٰذا میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں چاہتا ہوں کہ اپنا کل مال اللہ کی راہ میں دے دوں۔ فرمایا نہیں۔ میں نے عرض کیا: نصف مال، فرمایا

Marfat.com

نہیں: میں نے پھر عرض کیا: اچھا میرا حصہ جو خیبر میں ہے، وہ میں اللہ کے رستہ میں صدقہ کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے منظور فرما لیا۔ میں نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ! اللہ نے مجھے سچائی کی وجہ سے قبولیت توبہ بخشی ہے اب میں عہد کرتا ہوں کہ مرتے دم تک کبھی سوائے سچ کے کوئی بات نہیں کروں گا خواہ کتنے ہی مصائب سے کیوں نہ دوچار ہونا پڑے۔''

(بخاری: ۲/۶۳۳، فتح الباری: ۸/۸۶، عیون الاثر: ۲/۳۰۱۔۳۰۵)

وہ لوگ جو مریض یا معذور ہونے کی وجہ سے اس غزوہ میں شریک نہ ہو سکے، ان کے بارے میں بھی سرکار دو عالم ﷺ نے مدینہ کے قریب پہنچ کر فرمایا تھا:

''مدینہ میں کچھ ایسے لوگ ہیں کہ تم نے جس جگہ بھی سفر کیا اور جس وادی کو بھی تم نے طے کیا وہ تمہارے ساتھ رہے کیونکہ انہیں عذر نے روک رکھا تھا۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ مدینہ میں رہتے ہوئے بھی ہمارے ساتھ تھے؟ فرمایا: ''ہاں، مدینہ میں رہتے ہوئے بھی تمہارے ساتھ تھے۔''

(بخاری: ۲/۶۳۷، حدیث ۴۴۲۳، غزوہ تبوک، عیون الاثر: ۲/۲۹۹، زاد المعاد: ۳/۲۔۱۳، ابن ہشام: ۲/۵۱۵، ۵۵۷)

غزوہ تبوک کے بعد تمام عرب میں اسلام کا نفوذ بڑھ گیا۔ جو قبائل ابھی تک حلقۂ اسلام میں داخل نہ ہوئے تھے، اب اپنے قائدین اور رؤسا کی معرفت وفود کی شکل میں بارگاہِ نبوت میں آ کر اسلام قبول کرنے لگے اور رسول اللہ ﷺ سکون و طمانیت کے ساتھ مدینہ میں قیام پذیر رہے۔

ابو بکر رضی اللہ عنہ امیر الحج کی حیثیت سے:

ذی قعدہ سنہ ۹ ھ میں سرکار دو عالم ﷺ نے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر حج مقرر فرما کر مکہ مکرمہ روانہ فرمایا۔ مدینہ منورہ سے تین سو (۳۰۰) آدمی آپ کے ساتھ حج کے لیے اور بیس اونٹ قربانی کے لیے تھے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی روانگی کے بعد سورۃ توبہ کا ابتدائی حصہ نازل ہوا جس میں مشرکین سے کیے گئے عہد و پیمان کو برابری کی بنیاد پر ختم کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس حکم کے آنے کے بعد سرکار دو عالم ﷺ نے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے روانہ فرمایا تا کہ وہ آپ ﷺ کی جانب سے اس کا اعلان کر دیں۔ آپ کے نزدیک زیادہ مناسب یہ تھا کہ اس کا اعلان اس شخص کی زبانی ہونا چاہیے جو عہد کرنے والے کے

Marfat.com

خاندان سے ہو۔ کیونکہ عرب میں یہ دستور تھا کہ خون اور مال کے عہدو پیمان کے سلسلہ میں آدمی یا تو خود اعلان کرے یا اپنے خاندان کے کسی فرد سے اعلان کرائے۔ خاندان سے باہر کے کسی شخص کا کیا ہوا اعلان تسلیم نہیں کیا جاتا تھا۔ چنانچہ آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور اپنی ناقہ قصواء پر سوار کر کے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے روانہ کر دیا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرج یا وادی ضجنان میں ناقہ کی آواز سنی تو گمان ہوا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے ہیں۔ مڑ کر دیکھا تو ناقہ پر سوار سیدنا علی رضی اللہ عنہ تھے۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ: امیر او مامور یعنی آپ امیر ہو کر آئے ہیں یا مامور ہو کر۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا، مامور ہو کر آیا ہوں۔ میں تو صرف سورہ برات کی آیات سنانے کے لیے آیا ہوں۔ پھر یہ دونوں حضرات آگے بڑھے۔

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حج کرایا جب ۱۰ ذی الحجہ کو قربانی کا دن آیا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جمرہ عقبہ کے قریب کھڑے ہو کر لوگوں میں وہ اعلان کیا جس کے لیے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو بھیجا تھا۔ چنانچہ یوم النحر میں یہ اعلان کر دیا گیا کہ

① جنت میں کوئی کافر داخل نہیں ہو سکے گا۔

② آئندہ سال کوئی مشرک حج کرنے نہ آئے گا۔

③ اور نہ کوئی برہنہ شخص بیت اللہ کا طواف کر سکے گا۔

④ اور جس کا جو عہد سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہے وہ اس کی مدت تک پورا کر دیا جائے گا اور جس سے کوئی عہد نہیں یا عہد بلا میعاد کے ہے تو اس کے لیے چار ماہ کا امن ہے۔ اگر وہ اس مدت میں مسلمان نہ ہوا تو چار ماہ کے بعد جہاں پایا جائے گا، قتل کر دیا جائے گا۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کو بھیج کر ان باتوں کا اعلان عام کرایا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے یہ اعلان گویا جزیرہ نما عرب میں بت پرستی کے خاتمے کا اعلان تھا۔

(ملاحظہ ہو بخاری: ۱/۲۲۰_۴۵۱، ۲/۶۲۶، ۶۷۱، زرقانی: ۳/۸۹، فتح الباری: ۸/۶۵، زاد المعاد: ۲/۲۵، ابن ہشام: ۲/۵۴۳_۵۴۶)

قرآن حکیم نے اسے حج اکبر کہا ہے۔ پہلا موقع تھا کہ فریضہ حج اصلی سنت ابراہیمی کے مطابق ادا کیا گیا۔ اس میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یوم النحر میں امیر حج کی حیثیت سے خطبہ دیا جس میں حج کے مسائل بیان فرمائے۔

Marfat.com

واقعات متفرقہ:

① اس سال وفود کی لگاتار آمد ہوئی۔ اس لیے اس کا نام ''وفود کا سال'' رکھا گیا۔ وفود کی ابتداء اس وقت ہوئی جب رسول اللہ ﷺ غزوہ طائف سے لوٹ کر جعرانہ تشریف لائے اور طائف سے واپسی شوال سنہ ۸ ھ کے اواخر میں ہوئی اور ۵ ذی قعدہ کو آپ جعرانہ تشریف لائے تھے۔ حافظ مغلطائی نے اپنی سیرت میں ان تمام وفود کو شمار کیا ہے جو آپ کی جعرانہ واپسی سے لے کر یوم وصال تک بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے اور جن کی تعداد ساٹھ سے زائد ہے۔

② اسی سال سرکارِ دو عالم ﷺ گھوڑے سے گر پڑے جس کی وجہ سے دائیں پہلو اور پنڈلی پر خراش اور چوٹ آئی۔ اس چوٹ کی وجہ سے مسجد میں تشریف نہیں لا سکتے تھے اس لیے بالاخانے میں قیام فرمایا۔ نماز بھی اسی بالاخانے میں بیٹھ کر ادا ہوتی۔ یہ دونوں واقعات یعنی واقعہ ایلاء اور آپ کو چوٹ لگنے کا واقعہ ایک ہی وقت میں پیش آئے تھے۔ ان کے سن کی تعیین میں اختلاف ہے۔ بعض نے سنہ ۹ ھ بتایا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ دونوں واقعات سنہ ۵ ھ کے ہیں۔ البتہ اس میں اختلاف نہیں کہ یہ دونوں واقعات ایک ہی وقت میں پیش آئے۔

③ اسی سال شعبان میں سرکارِ دو عالم ﷺ کی صاحبزادی سیدہ ام کلثوم سلام اللہ علیہا زوجہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔

④ اسی سال جب آپ ﷺ تبوک میں تشریف فرما تھے، مدینہ طیبہ میں معاویہ بن معاویہ اللیثی المزنی رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔ ان کی وفات کے روز جبریل امین نے رسول اللہ ﷺ کو ان کی وفات کی خبر دی۔ حالانکہ مدینہ اور تبوک کے درمیان چودہ منزلوں کا فاصلہ تھا اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ کے لیے ستر ہزار فرشتے نازل کیے ہیں۔ آپ نے پوچھا وہ کیوں؟ عرض کیا: کیونکہ وہ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، سورۃ اخلاص پڑھا کرتے تھے۔ بعض روایات میں ہے کہ بعد ازاں جبریل نے زمین کو سمٹا دیا اور رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور فرشتوں نے بھی دو صفیں بنائیں جو پہاڑ اور ٹیلے درمیان میں حائل تھے انہیں ہاتھ کے اشارے سے ہٹا دیا۔ یہاں تک کہ نماز کے دوران جنازہ رسول

Marfat.com

اللہ ﷺ کو نظر آ رہا تھا۔

⑤ اسی سال ذی قعدہ میں رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول کا انتقال ہوا۔

⑥ اسی سال نجاشی شاہ حبشہ کا انتقال ہوا جس نے نہایت آڑے وقت میں مسلمانوں کو اپنے ملک میں پناہ دی تھی۔اس کا نام اصحمہ تھا۔

⑦ اسی سال سود کی حرمت نازل ہوئی اور پھر حجۃ الوداع میں یعنی ایک سال بعد اس کی حرمت کا اعلان فرمایا۔

⑧ اسی سال جزیہ کا حکم نازل ہوا۔

Marfat.com

عام الوفود

غزوہ فتح مکہ کفر اور اسلام کے درمیان ایک فیصلہ کن معرکہ تھا۔ قریش مکہ کے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہونے کی وجہ سے جزیرہ نما عرب کے تمام لوگ انہیں عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ دوسرے، بیت اللہ کے مجاور بھی تھے، اس وجہ سے بھی لوگوں کی نگاہ میں ان کا ایک خاص مقام تھا۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ وہ اپنے ہی شہر کے پیغمبر کی مخالفت اور عداوت پر کمربستہ تھے۔ تمام قبائل کی نظریں قریش مکہ پر لگی ہوئی تھیں کہ یہ خود اپنے اس پیغمبر کے بارے میں کیا رویہ اختیار کرتے ہیں۔ ان قبائل کا یہ خیال تھا کہ اگر قریش نے اسلام قبول کر لیا اور اس کی دعوت کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے تو پھر اس کے قبول کرنے میں ہمیں بھی کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ فتح مکہ کے بعد تمام عرب کو معلوم ہو گیا کہ دین اسلام واقعی اللہ کا دین ہے، وگرنہ قریش مکہ جیسا بڑا قبیلہ اپنی اس قدر مخالفت کے باوجود اس کے آگے ہتھیار نہ ڈالتا، چنانچہ فتح مکہ کے بعد ہر طرف سے وفود بارگاہِ رسالت پناہ میں حاضر ہونا شروع ہو گئے۔ ہر جانب سے سفارتیں آنے لگیں۔ وہ لوگ سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں آ کر بالمشافہ اسلام کی حقیقت معلوم کرتے اور خود بھی مشرف باسلام ہوتے اور اپنی قوم اور قبیلہ کو بھی مسلمان کرنے کا وعدہ کر کے واپس جاتے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ النصر میں کہا ہے ''آپ لوگوں کو اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہوتا دیکھ لیں گے۔'' چنانچہ مؤرخین اور اصحاب السیر نے بھی لکھا اور واقعات و حالات بھی اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ فتح مکہ کے بعد اسلام نہایت تیز رفتاری کے ساتھ پھیلا۔ بخاری میں سیدنا عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کا بیان بھی ہماری اس بات کی تائید کرتا ہے کہ قبول اسلام کے لیے لوگوں کی نگاہیں قریش مکہ پر لگی ہوئی تھیں، اس لیے جب قریش نے اسلام کو قبول کر لیا تو چار دانگ عالم سے لوگ اسلام میں داخل ہونا شروع ہو گئے۔ سیدنا عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک چشمہ پر آباد تھے جو لوگوں کی گزرگاہ پر واقع تھا۔

Marfat.com

ہمارے اس راستہ سے ہر روز قافلے گزرتے رہتے تھے اور ہم ان سے پوچھتے رہتے کہ اس آدمی یعنی سرکار دو عالم ﷺ کا کیا حال ہے؟ لوگ کہتے کہ اس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہوا ہے اور وہ کہتا ہے کہ اللہ کی وحی اس کے پاس آتی ہے اور عرب لوگ حلقہ بگوش اسلام ہونے کے لیے فتح مکہ کا انتظار کر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسے اور اس کی قوم (قریش) کو پنجہ آزمائی کے لیے چھوڑ دو۔ اگر وہ اپنی قوم پر غالب آ گیا تو پھر سچا نبی ہے۔ چنانچہ جب مکہ فتح ہوا تو ہر قوم نے اپنے اسلام کے ساتھ مدینہ کی جانب پیش رفت کی اور میرے والد بھی اپنی قوم کے اسلام کے ساتھ تشریف لے گئے۔ (بخاری: ۲/۶۱۵ ملخصا)

اس حدیث سے صاف عیاں ہوتا ہے کہ اسلام کی دعوت کے پھیلاؤ میں فتح مکہ کے کتنے دور رس اثرات ہیں۔ غزوہ تبوک کے بعد یہ کیفیت اور زیادہ پختہ ہو گئی کیونکہ عرب کے منتشر قبائل کے علاوہ ملک کی جنوبی سمت یمن و حضر موت اور عمان تک کے لوگ رومیوں کی پسپائی سے حیران رہ گئے۔ اور کہتے کہ کل کی بات تھی کہ یہی رومی ایران جیسی عظیم الشان مملکت کو تہہ و بالا کر کے اپنی مقدس صلیب ان سے واپس لے آئے تھے، لیکن یہ اتنی بڑی سپر پاور مسلمانوں کے اس لشکر جرار سے جو تبوک میں بیس دن تک بیٹھا رہا، نبرد آزما نہیں ہو سکی۔ یہی اس کی بہت بڑی پسپائی ہے، چنانچہ سنہ ۹ھ اور سنہ ۱۰ھ میں مدینہ منورہ میں وفود کا تانتا لگ گیا۔ فتح مکہ میں اگر مسلمانوں کی تعداد دس ہزار تھی تو جنگ تبوک میں تیس ہزار اور حجۃ الوداع میں ایک لاکھ چوبیس ہزار۔ یعنی اتنی تیز رفتاری سے لوگ اسلام میں داخل ہونا شروع ہو گئے۔ حافظ مغلطائی نے ان وفود کی تعداد ستر بتائی ہے۔ جب کہ بعض نے تو اس سے بھی زیادہ ذکر کی ہے۔ علامہ قسطلانی نے ۳۵ وفود کا ذکر اپنی کتاب میں کیا ہے۔ (زرقانی: ۴/۲) ہم یہاں ان میں سے چند مشہور وفود کا ذکر کریں گے۔ یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ اگرچہ عام وفود فتح مکہ کے بعد آنے شروع ہوئے لیکن بعض قبائل فتح مکہ سے پہلے بھی آپ کی خدمت میں وفد لے کر آئے اور بعض نے تو اسلام بھی قبول کر لیا۔

(۱) وفد ہوازن:

ہوازن وہ قبیلہ ہے جن کے ساتھ آپ نے حنین کی جنگ لڑی تھی اور یہ لوگ شکست کھا کر ادھر ادھر بھاگ گئے تھے اور آپ ان کے قیدی اور مال و اسباب لے آئے تھے۔ آپ ﷺ جب غزوہ طائف سے واپسی پر جعرانہ تشریف لائے تو ان کے چودہ آدمیوں کا ایک وفد آپ کی

Marfat.com

خدمت اقدس میں اپنے قیدی اور مال چھڑانے کے لیے حاضر ہوا۔ اس میں آپ کے رضاعی چچا بھی تھے۔ کیونکہ آپ کی رضاعی والدہ حلیمہ سعدیہ کا تعلق بھی اسی قبیلہ سے تھا۔ اس وفد کے رئیس زبیر بن صرد نے کھڑے ہو کر نہایت رقت آمیز الفاظ میں آپ سے امداد طلب کی جس کا ذکر ہم نے گزشتہ صفحات میں کیا ہے۔ آپ نے ان کے چھ ہزار قیدی انہیں واپس کر دیئے۔ چنانچہ یہ لوگ مسلمان ہو کر واپس گئے۔

(۲) وفد بنو ثقیف:

حنین کے بعد آپ نے طائف کا محاصرہ کیا، لیکن بعض حالات کے پیش نظر آپ کو وہ محاصرہ ترک کرنا پڑا۔ مگر غزوہ تبوک سے واپسی کے بعد سب سے پہلے اہل طائف نے اپنی اطاعت کا اعلان کیا۔ ہوا یہ کہ اہل طائف کے سردار عروہ بن مسعود ثقفی جو طائف کے محاصرہ کے زمانہ میں یمن گئے ہوئے تھے۔ جب وہ یمن سے واپس آئے تو غزوہ تبوک سے متاثر ہو کر وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور خود اسلام قبول کر کے اپنی قوم کو مسلمان کرنے کے لیے جلد واپس جانے پر مصر ہوئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنو ثقیف کے بت لات کے بارے میں ان کی عصبیت سے بہت خطرہ تھا، اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ان میں تبلیغ سے منع کرتے ہوئے فرمایا: ''اگر تم نے بنو ثقیف میں تبلیغ کی تو کہیں وہ تمہیں قتل نہ کر دیں؟'' لیکن عروہ رضی اللہ عنہ کو اپنے بارے میں یہ خطرہ نہ تھا کیونکہ بنو ثقیف ان کا بہت احترام کرتے تھے، لہٰذا عرض کیا: ''یا رسول اللہ! مجھے تو بنو ثقیف اپنی آنکھ کا تارا سمجھتے ہیں، وہ میری بات کو ضرور مانیں گے۔'' چنانچہ وہ طائف پہنچے اور اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی۔ رات کو یاران شہر نے چھپ کر مشورہ کیا کہ عروہ رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا جائے۔ سیدنا عروہ رضی اللہ عنہ کو ان کے اس مشورہ کے بارے میں کچھ پتہ نہ چلا۔ جب صبح کے وقت سیدنا عروہ رضی اللہ عنہ نے ایک بلند مقام کھڑے ہو کر ثقیف کو نماز کے لیے جمع ہونے کے لیے کہا تو انہوں نے اپنے طے شدہ پروگرام کے مطابق ان کا محاصرہ کر کے ان پر چاروں طرف سے تیر برسانا شروع کر دیئے، چنانچہ ایک تیر انہیں ایسا لگا کہ جس سے وہ شہید ہو گئے۔ سیدنا عروہ رضی اللہ عنہ کے آخری الفاظ یہ تھے:

''یہ اسلام خدا کا دین ہے جو مجھے عطا ہوا اور یہ موت شہادت ہے جو میرے مقدر میں تھی۔ میں بھی انہی شہداء کی طرح ہوں جو قبل ازیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں

Marfat.com

کفار سے برسرِ پیکار ہوئے اور جام شہادت نوش کیا۔"

اپنی جان جان آفرین کے سپرد کرتے ہوئے وصیت فرمائی کہ مجھے ان لوگوں کے ساتھ دفن کیا جائے جو طائف کے محاصرہ میں شہید ہوئے تھے۔

بنو ثقیف نے انہیں شہید تو کر دیا لیکن اب وہ سخت پشیمان تھے کہ مسلمانوں کے ہاتھوں ان کا کیا حشر ہوگا کیونکہ انہوں نے اسلام کے ایک اہم سپوت کو قتل کیا ہے۔ اب مسلمانوں کے ساتھ مصالحت کرنے کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں۔ چنانچہ انہوں نے باہمی مشورہ سے اپنی طرف سے عبد یالیل کو صلح کے لیے نامزد کیا، لیکن عبد یالیل نے پہلے تو انکار کر دیا، کیونکہ یہ وہی شخص ہے جس نے سفر طائف میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر طائف کے اوباشوں سے پتھروں کی بارش کروا کر آپ کو لہولہان کیا تھا۔ اسے اپنا انجام معلوم تھا، لیکن بعد میں بنو ثقیف نے پانچ اور آدمیوں کے ساتھ خدمت نبوی میں حاضر ہونے کے لیے شامل کر دیا۔ اسی وفد میں عثمان بن العاص ثقفی بھی تھے جو سب سے زیادہ کم عمر تھے۔

یہ دراصل اس دعا کا اثر تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طائف کا محاصرہ ختم کرنے کے بعد ان کے لیے کی تھی:

"اے اللہ! بنو ثقیف کو ہدایت فرما اور مسلمان کر کے ان کو میرے پاس بھیج۔"

چنانچہ سیدنا عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے آٹھ ماہ بعد چھ آدمیوں کا وفد عبد یالیل کی زیر قیادت مدینہ منورہ حاضر ہوا۔ سب سے پہلے ان لوگوں کو سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا اور جلدی سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوشخبری دینے کی غرض سے روانہ ہوئے، راستہ میں ان کی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے پوچھا: "اتنی جلدی کہاں جا رہے ہیں؟" سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ میں بنو ثقیف کے وفد کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوشخبری دینے کے لیے جا رہا ہوں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قسم دی اور کہا کہ مجھ کو اجازت دو کہ میں جا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بشارت دوں۔ سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ نے اجازت دے دی۔ چنانچہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جا کر عبد یالیل کے وفد کی خوشخبری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنائی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے قیام کے لیے مسجد نبوی میں خیمہ نصب کرایا تاکہ قرآن حکیم کو سنیں اور نماز اور نمازیوں کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کریں۔ ان کی میزبانی کے فرائض سیدنا خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کے سپرد تھے۔ لیکن طائفی بہر صورت طائفی تھے۔ وہ اپنے متعلق مسلمانوں سے بہت خائف تھے، کیونکہ انہوں نے اسلام کے ایک بطل جلیل سیدنا عروہ

Marfat.com

بن مسعود رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا چنانچہ سیدنا خالد بن سعید رضی اللہ عنہ ان کے لیے جو کھانا لاتے، بنو ثقیف اس وقت تک کھانے میں ہاتھ نہ ڈالتے جب تک سیدنا خالد رضی اللہ عنہ اس میں سے کچھ چکھ نہ لیتے۔ سیدنا خالد بن سعید رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بنو ثقیف کے وفد کے مابین وکیل کا کام بھی سرانجام دیتے تھے، چنانچہ وفد نے خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کے توسط سے تین شرطیں پیش کیں:

① نماز معاف کر دی جائے۔

② ہمارے بت لات کو تین سال تک نہ توڑا جائے۔

③ ہمارے بت ہمارے ہاتھوں سے نہ تڑوائے جائیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلی دو شرطوں کو تسلیم کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ آپ کا انکار ایسی قطعیت کے ساتھ تھا جس میں ترمیم و اضافہ یا استثناء کی گنجائش نہ تھی۔ انہوں نے لات کے لیے بجائے تین سال کے ایک ماہ کی مہلت مانگی لیکن وہ بھی انہیں نہ دی گئی۔ جس طرح ایمان اور کفر جمع نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح ایمان باللہ اور شرک ایک جگہ نہیں رہ سکتے۔ بنو ثقیف کی طرف سے لات کو منہدم نہ کرنے کا مطلب یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور لات کو مساوی مقام دینا چاہتے تھے اور اسلام میں یہی شرک ہے۔ بنو ثقیف نے جب نماز کی معافی کی شرط پیش کی تو آپ نے اس کا مختصر جواب دیا کہ

لاخیر فی دین لاصلوہ فیھا.

''اس دین میں کوئی بہتری نہیں جس میں نماز نہیں۔''

قائد وفد عبد یالیل بن عمرو نے کہا کہ آپ اپنے اور بنو ثقیف کے درمیان ایک معاہدہ لکھوا دیں جس میں زنا کاری، سود خوری اور شراب نوشی کی اجازت ہو، لیکن آپ نے ان کی یہ بات بھی منظور نہ فرمائی۔ آخر انہوں نے تنہائی میں مشورہ کیا اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سپر انداز ہونے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں، لہٰذا انہوں نے اسلام قبول کر لیا البتہ شرط یہ لگائی کہ ہمارے ہاتھ سے ہمارے بتوں کو نہ تڑوایا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی یہ شرط منظور فرمائی کیونکہ مقصود بتوں کا توڑنا تھا خواہ اہل طائف خود توڑیں یا کوئی اور۔ آپ نے عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر بنا کر ایک نوشتہ لکھ دیا۔ عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو امیر اس لیے مقرر فرمایا کیونکہ عثمان مسائل دین سیکھنے اور قرآن پڑھنے کے بہت دلدادہ اور حریص تھے، جیسا کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور مہاجرین اولین نے ان کے بارے میں شہادت دی۔ وفد ثقیف آخر رمضان تک مدینہ میں مقیم رہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ روزے بھی رکھے۔ ان کی افطاری اور سحری

Marfat.com

دونوں وقت کا کھانا حضور ﷺ کے ہاں سے جاتا۔ یہ بھی ان کا ایک بہت بڑا اعزاز تھا۔ جب یہ وفد واپس طائف جانے لگا تو سرکار دو عالم ﷺ نے عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''باجماعت نمازوں میں قیام و سجود اور رکوع میں طول مت دو کیونکہ مقتدیوں میں کمزور اور ضعیف بھی ہوتے ہیں اور بوڑھے، بچے، ناتواں اور کاروباری لوگ بھی شامل ہوتے ہیں۔''

وفد کے لوگ اپنی قوم کے مزاج سے بھی واقف تھے اور سیدنا عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے انجام سے بھی آشنا تھے، لہٰذا انہوں نے واپس آ کر پہلے پہلے تو اصل حقیقت اپنی قوم سے چھپائے رکھی اور اس کے سامنے لڑائی کا ہوا کھڑا کیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے کہا ہے کہ اسلام قبول کر لیں اور زنا، شراب اور سود سے بالکل کنارہ کش ہو جائیں ورنہ پھر سخت لڑائی کی جائے گی۔ مسلمانوں سے لڑائی سے تو واقف ہی تھے کہ جو بھی ان کے سامنے آیا، شکست ہی کھائی۔ چنانچہ دو تین روز تک وہ لڑائی ہی کی بابت سوچتے رہے، لیکن لڑائی میں انہیں اپنا انجام نظر آتا تھا، چنانچہ انہوں نے ارکان وفد سے عرض کیا کہ وہ پھر واپس حضور ﷺ کی خدمت میں جا کر آپ کے مطالبات تسلیم کرے۔ اب وفد نے اصل حقیقت ان کو بتائی اور وہ سب اسی وقت ایمان لے آئے۔

ادھر رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابو سفیان بن حرب رضی اللہ عنہ اور سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ انہدام لات کے لیے بھیجا۔ دونوں حضرات ثقیف کی قرابت اور مؤدت میں دوسروں سے زیادہ قریب تھے۔ ابو سفیان رضی اللہ عنہ اور مغیرہ رضی اللہ عنہ دونوں ہاتھوں میں کدالیں لیے لات کے صنم کدہ کی طرف جا رہے تھے، تو ثقیف کی عورتیں برہنہ سر چھتوں پر بصد حسرت و یاس ان کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ جونہی انہوں نے لات پر ضرب لگائی تو عورتوں نے نالہ و شیون سے زمین و آسمان ایک کر دیئے، لیکن وفد کے معاہدہ کی وجہ سے کسی نے ان کا ہاتھ پکڑنے کی جرأت نہ کی۔ لات کے چڑھاوے میں جو مال و زیور اور زیوارت جمع تھے وہ سب لے لیے۔ اول اس میں سے عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بیٹے ابو فلیح اور عروہ رضی اللہ عنہ کے بھتیجے قارب بن الاسود کا قرض ادا کیا اور جو بچا وہ آپ ﷺ کی خدمت میں لا کر پیش کر دیا گیا۔ آپ ﷺ نے اسی وقت اسے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اس نے اپنے دین کی مدد فرمائی۔ لات کے انہدام اور اہل طائف کے قبول اسلام کی ہیبت سے حجاز کے باقی قبائل اور قریے بھی مسلمان ہو گئے اور آپ ﷺ کی سطوت کا شہرہ شام

Marfat.com

میں روم کی دیواروں تک جا پہنچا تو جنوب میں یہ غلغلہ یمن اور حضرموت تک چلا گیا۔

حافظ ابن قیم رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بجائے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا نام انہدام لات میں لکھا ہے۔ (زرقانی: ۴/ ۶۔۹، زادالمعاد: ۳/ ۲۶۔۲۸، ابن ہشام: ۲/ ۵۳۷۔۵۴۲)

(۳) وفد عبدالقیس:

عبدالقیس ایک بہت بڑا قبیلہ تھا۔ اس قبیلے کا وفد دو مرتبہ خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوا۔ ایک دفعہ سنہ ۵ ھ میں اور دوسری دفعہ سنہ ۹ ھ میں۔ جب یہ وفد پہلی مرتبہ آیا تو اس کی وجہ یہ ہوئی کہ اس قبیلہ کا ایک شخص منقذ بن حبان سامان تجارت لے کر مدینہ طیبہ آیا جایا کرتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت کے بعد جب وہ مدینہ آیا تو مسلمان ہو گیا اور آپ کا ایک نوشتہ لے کر اپنی قوم کے پاس گیا۔ قوم نے بھی اس کی دعوت پر اسلام قبول کر لیا اور اس کے تیرہ یا چودہ آدمی ایک وفد کی صورت میں حرمت والے مہینے میں خدمت نبوی میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا: ''مرحبا اس قوم کو جو نہ رسوا ہوئے اور نہ شرمندہ۔'' یعنی خوشی سے مسلمان ہوئے، لڑ کر مسلمان نہیں ہوئے جس سے ان کو ندامت ہوتی۔ اس دفعہ اس وفد نے ایمان اور مشروبات کے متعلق آپ سے سوال کیے۔

دوسری مرتبہ اس قبیلہ کا وفد سنہ ۹ ھ میں آیا۔ اس وقت یہ چالیس آدمیوں پر مشتمل تھا۔ اس وقت ان میں علاء بن جارود عبدی تھے جو پہلے نصرانی تھے، پھر مسلمان ہو گئے۔ (نووی: ۱/ ۳۳)

صحیح ابن حبان میں ہے کہ آپ نے انہیں فرمایا: ''کیا ہوا کہ میں تمہاری رنگت کو بدلا ہوا دیکھتا ہوں۔ (اری الوانکم تغیرت) (زرقانی: ۴/ ۱۳، فتح الباری: ۸/ ۸۵)

(۴) وفد بنو حنیفہ:

بنو حنیفہ مسیلمہ کذاب کا قبیلہ تھا اس قبیلہ کا وفد بھی سنہ ۹ ھ میں مدینہ بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوا۔ اس میں مسیلمہ کذاب بھی تھا اور یہ سترہ آدمیوں پر مشتمل تھا، یہ وفد ایک انصاری کے مکان پر اترا۔ پھر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر مشرف با سلام ہو گیا۔ لیکن مسیلمہ کذاب اپنے تکبر اور اکڑ پن کی وجہ سے بارگاہِ رسالت پناہ میں حاضر نہ ہوا۔ آپ خود ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کے ہمراہ اس کے پاس گئے، آپ نے ہر طریقہ سے اس کی دل جوئی کرنا چاہی لیکن

Marfat.com

اس پر پیغمبرانہ اخلاق کا کوئی اثر نہ ہوا، چنانچہ آپ نے فراست نبوی سے یہ تاڑ لیا کہ اس میں شر موجود ہے۔

مسیلمہ کذاب نے کہا: اگر آپ مجھ کو اپنے بعد اپنا خلیفہ اور جانشین بنالیں تو میں آپ کی بیعت کرنے کے لیے تیار ہوں۔ سرکار دو عالم ﷺ کے ہاتھ میں اس وقت کھجور کی ایک شاخ تھی۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم مجھ سے یہ بھی مانگو گے تو میں یہ بھی نہ دوں گا اور تم اپنے بارے میں اللہ کے مقرر کیے ہوئے فیصلہ سے تجاوز نہیں کر سکتے۔ اور اگر تم نے پیٹھ پھیری تو اللہ تعالیٰ تمہیں توڑ کر رکھ دے گا۔ غالباً تو وہی ہے جو مجھے خواب میں دکھلایا گیا ہے اور یہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ ہیں جو تمہیں میری طرف سے جواب دیں گے۔ یہ کہہ کر آپ واپس تشریف لے آئے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

> ''میرے پاس روئے زمین کے خزانے لا کر رکھ دیئے گئے اور اس میں سے سونے کے دو کنگن میرے ہاتھ پر آ پڑے۔ مجھے یہ بہت گراں گزرے۔ مجھے کہا گیا کہ انہیں پھونک مارو، میں نے پھونک ماری تو وہ دونوں اُڑ گئے۔''

اس کی تعبیر آپ نے یہ فرمائی کہ آپ کے بعد دو کذاب ظاہر ہوں گے، چنانچہ ان مین سے ایک مسیلمہ کذاب ہوا اور دوسرا اسود عنسی، اسود عنسی تو آپ کی زندگی ہی میں مارا گیا اور مسیلمہ کذاب آپ ﷺ کے جانشین اور خلیفہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں قتل ہوا۔ اس نے سنہ ۱۰ھ میں نبوت کا دعویٰ کیا اور ربیع الاول سنہ ۱۲ھ میں جنگ یمامہ میں قتل ہو گیا۔ (زرقانی: ۴/ ۱۹، فتح الباری: ۸/ ۹۳، مسند احمد: ۲/ ۳۴۷)

(۵) وفد اشعریین:

اشعریین یمن کا ایک بہت بڑا قبیلہ تھا جو اپنے جد امجد اشعر کی طرف منسوب تھا۔ اشعر شعر سے مشتق ہے، جس کے معنی ہیں ''کثیر الشعر'' بہت زیادہ بالوں والا۔ اشعر جب پیدا ہوا تو اس کے جسم پر بہت زیادہ بال تھے۔ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا تعلق اسی قبیلہ سے تھا۔ یہ وفد سنہ ۷ھ میں آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ جب یہ اپنے قبیلہ سے روانہ ہوا تو یہ شعر پڑھتے ہوئے آئے ؎

غدا نلقی الاحبہ محمدا و حزبہ

Marfat.com

''کل ہم دوستوں سے جا ملیں گے۔ یعنی محمد ﷺ اور آپ کے ساتھیوں سے۔''

ادھر یہ حضرات اپنے قبیلہ سے روانہ ہوئے، ادھر مدینہ میں سرکار دو عالم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بتایا کہ یمن سے ایک جماعت آ رہی ہے جو نہایت رقیق القلب ہے اور قساوت سے یک قلم پاک لوگ ہیں، چنانچہ اشعرین کا وفد آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بتایا کہ اہل یمن آ گئے ہیں جو نرم دل ہیں، ایمان یمنی ہے اور حکمت بھی یمنی ہے، چونکہ یہ لوگ اکثر بکریاں رکھتے تھے، لہٰذا فرمایا:

''سکون و اطمینان اور وقار و تواضع بکریوں والوں میں ہے، اور فخر اور اپنے کو بڑا سمجھنا اور دوسروں کو نظر حقارت سے دیکھنا اونٹ والوں میں ہے۔ اور آپ نے مشرق کی جانب اشارہ فرمایا۔''

وفد کے ارکان نے اپنے آنے کا مقصد یہ بیان کیا کہ ہم تفقہ فی الدین حاصل کریں گے اور تکوین عالم کی ابتداء کو دریافت کریں گے، گویا دین کے بارے میں تحقیق کے لیے یہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا: سب سے پہلے خدا تھا اور کچھ نہ تھا اور اس کا عرش پانی پر تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کو پیدا فرمایا اور ہر شے کو ''لوح محفوظ'' میں لکھ دیا۔ (زرقانی: ۴/ ۲۸، فتح الباری: ۸/ ۷۵)

(۶) وفد ہمدان:

ہمدان کا وفد سنہ ۹ ھ میں سرکار دو عالم ﷺ کی تبوک سے واپسی پر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ہمدان یمن کا ایک بہت بڑا قبیلہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے پہلے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو دعوت اسلام کے لیے ان کے پاس بھیجا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ ان میں چھ ماہ ٹھہرے رہے، لیکن کسی نے اسلام قبول نہ کیا۔ بعد ازاں آپ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کو دعوت اسلام دی تو ایک ہی دن میں تمام لوگ مسلمان ہو گئے۔ آپ کو جب اس بات کی اطلاع ملی تو بہت خوشی کا اظہار فرمایا اور جوش مسرت میں کئی بار یہ فرمایا ''السلام علیٰ ہمدان'' (ہمدان پر سلامتی ہو) یہ واقعہ سنہ ۸ ھ کا ہے۔

پھر جب آپ ﷺ غزوہ تبوک سے واپس ہوئے تو اس زمانہ میں ہمدان کا ایک وفد آپ کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہوا۔ اراکین وفد یمن کی منقش چادریں اوڑھے اور

Marfat.com

عدن کے عمامے باندھے اور مہری اونٹوں پر سوار اس شان سے آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اتنی فصاحت و بلاغت اور سلیقہ سے آپ سے گفتگو کی کہ اہل وفد نے آپ سے جو مانگا، آپ نے انہیں مرحمت فرما دیا اور انہیں ایک نوشتہ لکھ دیا اور مالک بن نمط کو ان کا امیر مقرر فرمایا۔ اس وفد میں ایک سو بیس ارکان تھے۔ (زرقانی: ۴/۳۴، عیون الاثر: ۲/ ۳۲۸)

(۷) وفد تجیب:

قبیلہ تجیب کا تیرہ آدمیوں پر مشتمل ایک وفد اپنی قوم کے صدقات کا مال لے کر آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ آپ نے انہیں فرمایا کہ اس مال کو واپس لے جاؤ اور وہیں کے فقراء پر تقسیم کر دو۔ انہوں نے عرض کیا: یہ وہی مال ہے جو ہمارے فقراء سے بچ گیا ہے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ نبوت میں عرض کیا: یا رسول اللہ! تجیب جیسا وفد اب تک کوئی نہیں آیا۔ آپ نے فرمایا: بے شک، اللہ تعالیٰ جس شخص کے ساتھ ہمدردی کا ارادہ فرماتے ہیں اس کا سینہ ایمان کے لیے کھول دیتے ہیں۔ اس وفد نے بعد میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مختلف سوالات پوچھے۔ آپ نے ان کے جوابات لکھوا دیئے اور ان کی خاطر و مدارت کے لیے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو خصوصی تاکید فرمائی۔ وہ کچھ روز آپ کی خدمت میں ٹھہرے اور اس عرصہ میں قرآن وسنت کے بارے میں اکثر پوچھتے رہے۔ ایک روز انہوں نے واپس جانے کے لیے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا: کیا جلدی ہے؟ کچھ روز اور ٹھہریں۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! واپس جانے کے لیے جلدی تو کوئی نہیں، لیکن ہم چاہتے ہیں کہ جلد واپس جا کر اپنی قوم کو آپ کے ارشادات اور آپ کے فیوض و برکات اور آپ کے دیدار پرانوار کے تاثرات سے مطلع کریں۔ آپ نے انہیں انعام و اکرام سے بھی نوازا۔ جب وہ واپس جانے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے پوچھا کہ کیا تم میں سے کوئی باقی تو نہیں رہ گیا۔ انہوں نے عرض کی: ایک نوجوان لڑکا ہے جو ہماری قیام گاہ پر ہمارے مال و اسباب کی حفاظت کرتا ہے، وہ رہ گیا ہے۔ ارشاد فرمایا: اس کو بلاؤ، چنانچہ وہ اپنے ڈیروں پر آئے اور اس نوجوان لڑکے کو کہا: تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلا رہے ہیں۔ ہم نے تو اپنی حاجتیں پوری کر لی ہیں، تم بھی اپنی حاجت آپ سے پوری کر لینا، چنانچہ وہ نوجوان آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، یا رسول اللہ! آپ نے میرے قبیلہ والوں کی حاجتیں تو پوری فرما دیں، ایک میری بھی حاجت ہے، لیکن میری حاجت میرے قبیلہ والوں کی حاجت سے مختلف ہے۔ فرمایا: ''تمہاری حاجت کیا ہے؟'' اس

Marfat.com

نوجوان نے عرض کیا: میں گھر سے صرف اس لیے آیا ہوں کہ آپ میرے لیے یہ دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت و بخشش سے نوازے اور میرے دل کو غنی بنا دے۔ سرکار مدینہ ﷺ نے اس کے لیے یہ دعا فرمائی:

اللهم اغفرله وارحمه واجعل غناه فی قلبه.

''اے اللہ! اس کی بخشش فرما اور اس کو اپنی رحمت سے نواز اور اس کے دل کو غنی بنا دے۔''

پھر آپ نے اس کے لیے انعام و اکرام کا حکم فرمایا:

پھر سنہ ۱۰ میں جب اس قبیلہ کے لوگ حج کے لیے آئے تو وہ منیٰ میں حضور ﷺ سے ملے۔ آپ نے اس نوجوان کے بارے میں پوچھا۔ ان لوگوں نے بتایا: یارسول اللہ! بخدا! ہم نے اس سے زیادہ قانع اور زاہد نہیں دیکھا۔ لوگ خواہ اس کے سامنے کتنا ہی مال کیوں نہ تقسیم کریں وہ اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ سرکار دو عالم ﷺ کے انتقال کے بعد جب ارتداد کی لہر چلی تو صرف یہی نہیں کہ وہ اسلام پر ثابت قدم رہا بلکہ اس کے وعظ و نصیحت سے پوری قوم اسلام پر جمی رہی۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آنے جانے والوں سے اس کے بارے میں پوچھتے رہتے تھے۔ چنانچہ جب انہیں اس بات کا پتہ چلا کہ پوری قوم اس کے وعظ و تبلیغ کی وجہ سے اسلام پر قائم رہی ہے تو زیاد بن ولید رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ اس نوجوان کا خاص طور پر خیال رکھیں۔

(عیون الاثر: ۲/ ۳۲۹_۳۳۰، زرقانی: ۴/ ۵۰، زادالمعاد: ۳/ ۴۶)

(۸) وفد نجران:

نجران یمن کا ایک بہت بڑا شہر ہے۔ یہاں سے ایک وفد ساٹھ افراد پر مشتمل سنہ ۹ ھ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ لوگ عیسائی تھے۔ ان ساٹھ افراد میں سے ۲۴ آدمی اشراف میں سے تھے۔ رئیس الوفد عبدالمسیح عاقب تھا۔ دوسرا شخص ایہم یا شرحبیل تھا جو ثقافتی اور سیاسی امور کا نگران تھا اور تیسرا ان کا لاٹ پادری اور روحانی پیشوا ابو حارثہ رضی اللہ عنہ بن علقمہ تھا۔ ابو حارثہ کی شاہان روم بڑی تعظیم و تکریم کیا کرتے تھے اور اس کو بڑی بڑی جاگیریں دے رکھی تھیں، یہ تینوں آدمی اہل نجران کے سرکردہ تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کو مسجد نبوی میں اتارا۔ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے

Marfat.com

ساتھ مختلف امور پر بات چیت کی۔ انہوں نے الوہیت اور ابنیتِ مسیح پر بھی آپ سے گفتگو کی۔ آپ نے ان کے مسکت جوابات دیئے، لیکن وہ حق واضح ہونے کے باوجود اسلام نہ لائے۔ آپ نے انہیں دن بھر غور وفکر کے لیے چھوڑ دیا۔ جب اگلی صبح ہوئی تو آپ نے پھر ان پر اسلام پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم تو پہلے ہی مسلمان ہیں۔ آپ نے فرمایا: تمہارا یہ اسلام کیا ہے جب کہ تم خدا کے لیے بیٹے تجویز کرتے ہو، صلیب کی پرستش کرتے ہو، خنزیر کھاتے ہو؟ اس کا وہ کوئی جواب نہ دے سکے۔ پھر آپ نے انہیں مباہلہ کی دعوت دی جس کو انہوں نے قبول نہ کیا۔ آخر انہوں نے باہمی مشورہ سے یہ فیصلہ کیا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے بارے میں حکم بنایا جائے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے جزیہ لینا منظور فرمالیا اور ایک معاہدہ تحریر ہوا جس میں تھا کہ

① اہل نجران سالانہ دو ہزار جوڑے ادا کریں گے، ایک ہزار ماہ صفر میں اور ایک ہزار ماہ رجب میں۔ ہر جوڑے کی قیمت ایک اوقیہ چاندی (۱۵۲ گرام چاندی) ہو گی۔

② اہل نجران پر آپ کے قاصد کی ایک ماہ تک مہمانی ضروری ہو گی۔

③ یمن میں اگر کوئی شورش اٹھ کھڑی ہو تو اہل نجران پر تیس زرہیں اور تیس گھوڑے اور تیس اونٹ عاریتاً دینے لازم ہوں گے جو بعد میں واپس کر دیئے جائیں گے۔

④ اللہ اور اس کا رسول یعنی اسلامی اسٹیٹ ان کے جان و مال کی حفاظت کی ذمہ دار ہے۔

⑤ جو شخص سود کھائے گا تو میں اس سے بری الذمہ ہوں۔

⑥ اگر کوئی شخص تعدی اور ظلم کرے گا تو اس کے بدلہ میں دوسرا شخص ماخوذ نہ ہو گا۔

سیدنا ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ، سیدنا غیلان بن عمرو رضی اللہ عنہ، سیدنا مالک بن عوف رضی اللہ عنہ، سیدنا اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ اور سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے اس عہد نامہ پر اپنے شہادتی دستخط کیے۔ (زاد المعاد: ۳/۴۰)

نجران کے ان نصاریٰ نے واپس جاتے وقت گزارش کی کہ ان کے ہاں ایک امین شخص کو بھیج دیں تاکہ وہ ہم سے عہد نامہ کے مطابق مال وصول کرے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ روانہ فرمایا اور فرمایا کہ یہ اس امت کا امین ہے۔ (زرقانی: ۴/۴۳، زاد المعاد: ۳/۴۱، فتح الباری: ۸/۹۴-۹۵)

اس کے بعد ان میں اسلام پھیلنا شروع ہوا اور سید ایہم اور عبدالمسیح عاقب واپس جا

Marfat.com

کر مسلمان ہو گئے اور پھر مدینہ طیبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان دونوں کو سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان پر ٹھہرایا۔ لاٹ پادری ابو حارث کا چچازاد بھائی کرز بن علقمہ بھی چند روز کے بعد مسلمان ہو گیا، پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدقات اور جزیہ لانے کے لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ان کے ہاں روانہ فرمایا اور ظاہر ہے کہ صدقہ مسلمانوں ہی سے لیا جاتا ہے۔

مختصر یہ کہ سنہ ۸ھ، سنہ ۹ھ اور سنہ ۱۰ھ میں جزیرہ نما عرب کے مختلف علاقوں میں سے آپ کی خدمت میں وفود کا ایک لگا تار سلسلہ شروع ہو گیا، چنانچہ اصحاب سیر نے اس سلسلہ میں وفد طی، وفد کندہ، وفد ازد، وفد بنی الحارث، وفد مزینہ، وفد اوس، وفد طارق بن عبداللہ مہاربی، وفد ہذیم، وفد بنی فزارہ، وفد بنی او، وفد بہراء، وفد عذرہ، وفد بنی مرہ، وفد خولان، وفد صداء، وفد غسان، وفد غامد، وفد رازد، وفد نخع وغیرہ کا تذکرہ اپنی کتابوں میں کیا ہے۔

(ملاحظہ ہو عیون الاثر: ۲/۳۱۲۔۳۴۴، زاد المعاد وغیرہ)

ان وفود کی کثرت سے پتہ چلتا ہے کہ مدینہ منورہ تمام جزیرہ نما عرب کا دارالحکومت بن گیا تھا اور لوگ جوق در جوق اپنی جسمانی اور روحانی حاجات کی تکمیل کے لیے یہاں چلے آرہے تھے اور دنیا نے دیکھا کہ اکھڑ اور اجڈ بدو اسلامی تعلیمات سے روشناس ہونے کے بعد دنیا کے مہذب ترین لوگ بن گئے، جن کو دیکھ کر لوگ اپنی زندگی اور تہذیب کے راستے متعین کرنے لگے۔ ہاں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو صرف اپنے قبائل کے رؤسا کی وجہ سے مسلمان ہوئے تھے، مدینہ میں حاضری کا انہیں کوئی موقع نہ ملا اور نہ ان کے اپنے قبیلہ میں ان کی کسی نے کوئی تربیت کی اس وجہ سے اسلام ان کے دلوں میں پوری طرح داخل نہ ہوا۔

(ملاحظہ ہو سورۃ نمبر ۹، آیت نمبر ۹۷۔۹۸ وغیرہ)

Marfat.com

حجۃ الوداع

23 سال کی شبانہ روز دعوت وتبلیغ سے اور متعدد غزوات اور سرایا سے لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہو چکے۔ دور دراز کے قبائل اور وفود بارگاہ نبوت میں آ کر توحید خداوندی اور رسالت کا اقرار کر کے اور کفر وشرک سے تائب ہو کر اسلام کی دعوت کو دل وجان سے قبول کر چکے۔ سنہ 9ھ میں کعبہ کو مراسمِ جاہلیت سے بالکل پاک کر دیا گیا۔ اب ہاتف غیبی آپ کے قلب وشعور کو یہ احساس دلا رہا تھا کہ اب دنیا میں قیام کا زمانہ اختتام پذیر ہے، چنانچہ آپ نے اس بارے میں مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اشارتاً بتا بھی دیا تھا کہ اب میں اس دنیا سے جانے والا ہوں، سنہ 10ھ میں آپ نے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو انہیں رخصت فرماتے ہوئے اور باتوں کے علاوہ یہ بھی فرمایا: اے معاذ رضی اللہ عنہ غالباً اس سال کے بعد تم مجھ سے نہیں مل سکو گے، بلکہ میری اس مسجد اور میری قبر کے پاس سے گزرو گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ جملہ سن کر سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ رونے لگے۔

آپ نے امت کو دین کی ہر بات کا عملی نمونہ بھی دکھا دیا تھا لیکن سنت ابراہیمی کے مطابق حج کیسے کیا جاتا ہے؟ ابھی آپ نے یہ امت کو نہیں بتایا تھا۔ سنہ 9ھ میں اگرچہ آپ نے حج کی فرضیت کے بعد سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر بھیجا تھا اور انہوں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایات کے مطابق گوں کو اس فریضہ سے روشناس کرایا لیکن لوگوں کی معیت میں اعلان نبوت کے بعد ایک دفعہ بھی آپ نے امت کو حج کر کے نہیں بتایا تھا۔ ہجرت سے قبل اگرچہ سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ کے بیان کے مطابق آپ نے دو حج کیے تھے لیکن وہ حج کس طریقہ سے کیے، امت کو اس بارے میں کوئی علم نہیں تھا۔ اس لیے اس بات کی سخت ضرورت تھی کہ امت کو بتایا جائے کہ حج کس شان سے ہونا چاہیے اور حج کے بارے میں سنت ابراہیمی کیا ہے؟

Marfat.com

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ اس دین کے لیے اور دین کی اس دعوت کے لیے آپ نے 23 سال شبانہ روز گوناگوں مشکلات اور تکالیف برداشت کیں۔ طائف میں پتھر کھائے تو مکہ میں اونٹ کی اوجھڑی سجدہ کی حالت میں اپنے اوپر ڈلوائی، احد میں دندان مبارک شہید کروائے تو مکہ سے مدینہ کی ہجرت کی صعوبتیں برداشت کیں۔ آپ کے ساتھ آپ کے اولین ساتھیوں نے بھی یہ مشقتیں برداشت کیں۔ اب آپ جاننا چاہتے تھے کہ میری محنت کا نتیجہ کیا کچھ ہے؟ کیونکہ ایک وقت وہ تھا کہ جب مٹھی بھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کی تعداد صرف تین سو تیرہ تھی، کفر کے سامنے لا کر میدان بدر میں کھڑے کر دیئے اور سربسجود ہو کر یہی دعا کی کہ "خداوند! میری پندرہ برس کی یہی کمائی ہے جس کو کفر مٹانے پر تلا ہوا ہے، اس کو تیری نصرت اور مدد چاہیے، کیونکہ اگر یہ مٹھی بھر لوگ کفر نے نیست و نابود کر دیئے تو پھر قیامت تک تیری عبادت کوئی نہیں کرے گا۔" اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور وہ تین سو تیرہ مجاہد کامیاب و کامران ہوئے۔ اس کے بعد کے آٹھ سالوں کی محنت کا ثمرہ بھی ایک جگہ آپ اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے تھے اور ان سب سے آپ یہ شہادت لینا چاہتے تھے کہ آپ نے حق امانت ادا کر دیا ہے۔ اللہ کے احکام بغیر کسی ردوبدل کے لوگوں کے سامنے پہنچا دیئے ہیں اور امت کی خیر خواہی کا حق ادا کر دیا ہے۔ ان سب باتوں کی شہادت آپ اپنے کانوں سے سننا چاہتے تھے، چنانچہ آپ نے اس تاریخی حج کا جس کو بعد میں حجۃ الوداع کا نام دیا گیا، اعلان فرمایا۔ یہ اعلان سنہ 10ھ میں کیا جبکہ اس سال کے اکثر مہینے نکل چکے تھے۔ ذی قعدہ کا بھی دوسرا پندھرواڑہ شروع ہو چکا تھا۔

آپ کے اس عزم کے افشا ہوتے ہی یہ خبر تمام ملک میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ صحرا کے بادیہ نشین، پہاڑیوں کی گھاٹیوں میں بسنے والے، دیہات اور شہروں کے باسی دور و نزدیک ہر طرف سے لوگ امنڈ کر مدینہ میں سمٹ آئے۔ مدینہ سے باہر خیموں کا ایک نیا شہر آباد ہو گیا۔ آپ نے خود بھی مختلف جگہوں پر لوگوں کو پیغام بھجوایا کہ اس سال میں خود حج پر جا رہا ہوں، لہٰذا اس میں شمولیت کر کے مجھ سے احکام حج سیکھ لو، چنانچہ ایک لاکھ چوبیس ہزار بلکہ اس سے بھی زائد تعداد میں لوگ مدینہ اور اس کے باہر جمع ہو گئے جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعوت پر لبیک کہا تھا۔ یہی وہ لوگ ہیں جو چند سال قبل ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، کوئی شخص کسی کی قیادت قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھا لیکن آج مودت و اخوت کے صدقے میں باہم بھائیوں کا سا برتاؤ کر رہے تھے۔ ہزاروں نو وارد مسلمان جوق در جوق مدینہ

Marfat.com

پہنچ کر اس کی گلیوں میں مٹر گشت کر رہے تھے اور ہر بشر خندہ رو، چہرے سے مسرت و شادمانی آشکار اور اتحاد و اتفاق میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح تھا اور ہر ایک کی یہ آرزو اور یہ خواہش تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش پا کو اپنے لیے نشان راہ بنائے اور آپ کی اقتداء کر کے منزل مقصود کو حاصل کرے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کا یہ مبارک سفر 25 ذی قعدہ سنہ 10ھ مطابق 22 فروری 632ء کو ظہر اور عصر کے درمیان مدینہ منورہ شروع کیا وہ ہفتہ کا دن تھا۔

(سیرۃ ابن ہشام: ۴/ ۲۴۸، طبقات ابن سعد: ۲/۱۷۳)

اس میں مہاجرین وانصار، اصحاب بدر، اصحاب بیعت رضوان آپ کے ہمراہ تھے۔

اس حج سے دو سال قبل سنہ 8ھ میں مکہ فتح ہوا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اپنے ہاتھوں سے بیت اللہ کو بتوں کی نجاست سے پاک کیا تھا۔ اس کے ایک سال بعد 9ھ میں مسلمانوں نے اجتماعی طور پر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زیر امارت پہلا حج کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اس میں تشریف نہیں لے گئے بلکہ آپ نے اپنی جگہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر بھیجا۔ بعد میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو کچھ اعلانات دے کر بھیجا جس کا ذکر قرآن حکیم میں ہے۔ آئندہ سال اپنے حج کے لیے تیاری کی۔ اس تیاری میں دو تین باتیں بہت ضروری تھیں۔ ان میں سے ایک بات یہ تھی کہ آئندہ سال حج سے پہلے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ کے ماحول میں صفائی کے خواہش مند تھے۔ پہلے ہر قسم کے لوگ حج کے لیے آجاتے تھے لیکن اب آپ نے اعلان کروا دیا کہ آج کے بعد کوئی غیر مسلم مکہ میں نہیں آئے گا۔ یہ بیت اللہ صرف مسلمانوں کے لیے مخصوص ہے۔ لہٰذا ان کے علاوہ کوئی دوسرے مذہب کا اب یہاں نہیں آئے گا۔

دوسری اہم بات یہ تھی کہ جو لوگ حج کے لیے آتے وہ ننگے طواف کرتے تھے۔ مرد بھی اور عورتیں بھی۔ عورتوں نے معمولی سا ایک کپڑا پہن رکھا ہوتا تھا اور کہتے تھے کہ انسان اسی حالت میں دنیا میں آیا تھا لہٰذا یہ نیچر ہے۔ (جیسا کہ آج کل الٹرا ماڈرن عورتیں کہتی ہیں) اسی لیے ہم دربار خداوندی میں ننگے ہی پیش ہوں گے۔ بعض روایات میں ہے کہ مرد تو تلبیہ پڑھتے تھے اور عورتیں کچھ اشعار پڑھتی تھیں۔

الیوم یبدو بعضہ او کلہ

فما بدا منہ فلا احلہ

"یعنی ہم دربار خداوندی میں اس کیفیت (یعنی ننگی حالت) میں پیش

Marfat.com

ہیں، ہمارا ستر سارا یا اس کا کچھ حصہ دکھائی دے گا، لیکن ہم اپنے آپ کو
کسی پر حلال نہیں کرتیں کہ وہ ہماری طرف دیکھے۔''

وہ اس قسم کے اشعار پڑھتی ہوئی طواف کرتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ اعلان کروا دیا کہ آج کے بعد کوئی عورت یا مرد ننگا طواف نہیں کرے گا۔ عورتیں تو مکمل لباس میں ہوں گی اور مرد بھی اپنا جسم مکمل طور پر ڈھانپیں گے لیکن دو چادروں سے۔ عورتیں پورے لباس میں باحیا اور باوقار طریقے سے بیت اللہ کا طواف کریں گی۔ یہ دو اعلان سرکار دو عالم ﷺ نے آئندہ سال کے لیے کروا دیئے کہ آئندہ سال کوئی غیر مسلم حج بیت اللہ کے لیے نہیں آئے گا اور کوئی شخص ننگا طواف نہیں کرے گا۔ علاوہ ازیں اور بھی کچھ اعلانات کروائے کہ آج کے بعد حج میں یہ ہوگا اور یہ نہ ہوگا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے مختلف قبائل میں پیغامات بھجوائے کہ اگلے سال رسول اللہ ﷺ حج کے لیے تشریف لے جا رہے ہیں لہٰذا جو مسلمان بھی اس میں شرکت کر سکتا ہے وہ کرے۔ یہ اعلانات سارا سال ہوتے رہے کہ جس مسلمان نے سرکار دو عالم ﷺ کی رفاقت اور ہمراہی حاصل کرنی ہے وہ حج پر پہنچ جائے تاکہ وہ حج کے مسائل بھی سیکھ سکے۔ چنانچہ جب سنہ 10ھ میں آپ ﷺ حج کے لیے تشریف لے گئے تو جزیرۃ العرب کے مختلف علاقوں سے لوگوں نے اس میں شرکت کی۔ یہ اجتماع سرکار دو عالم ﷺ کی اس حیات دنیوی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سب سے بڑا اجتماع تھا۔

آپ کے ساتھ جانے والوں کی مجموعی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار یا اس سے کچھ زائد کتابوں میں آئی ہے۔ روانگی سے قبل آپ نے غسل فرمایا، بالوں میں کنگھی کی، تیل لگایا، تہبند اور چادر وغیرہ اوڑھی، قربانی کے جانوروں کو قلادہ پہنایا اور نماز عصر سے قبل آپ ذوالحلیفہ پہنچ گئے۔ وہاں نماز عصر دو رکعت ادا فرمائی اور رات بھر قیام فرمایا۔ صبح ہوئی تو آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرمایا: رات میرے پروردگار کی جانب سے ایک آنے والے نے آکر کہا: اس مبارک وادی میں نماز پڑھو اور کہو: ''حج میں عمرہ ہے۔'' (بخاری: ۱/ ۲۰۷)

نماز ظہر آپ نے مدینہ طیبہ میں پڑھی اور عصر ذوالحلیفہ میں۔ یہاں آپ نے حج اور عمرہ دونوں کا ایک ساتھ احرام باندھا اور لبیک کی آواز بلند کی اس کے بعد اپنی اونٹنی قصواء پر سوار ہو کر کھلے میدان میں تشریف لے گئے اور وہاں بھی صدائے لبیک بلند فرمائی۔

تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن جن کی تعداد نو تھی اور سیدہ فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا بھی اس سفر میں آپ کے ہمراہ تھیں۔ زائرین کعبہ رسول اللہ ﷺ اور امہات المومنین رضی اللہ عنہن

Marfat.com

کے پیچھے پیچھے صدائے لبیک بلند کرتے ہوئے مکہ مکرمہ کے سفر پر روانہ ہو گئے۔ خانہ خدا کی زیارت اور حج بیت اللہ کی خوشی سے دل بلیوں اچھل رہے تھے اور تمام قافلہ دو چادروں میں ملبوس (ایک تہ بند اور ایک اوپر) یک رنگ اور یک لباس، مساوات کا ایک نادرِ روزگار نمونہ پیش کرتے ہوئے زبان پر تلبیہ کا ورد لیے، خلوص نیت سے اپنے پروردگار کے گھر کی زیارت کے لیے اپنا سفر جاری کیے ہوئے تھا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ جن کو آپ نے رمضان المبارک میں صدقات کی وصولی کے لیے یمن بھیجا تھا، ان کو مکہ مکرمہ پہنچنے کے لیے کہہ دیا گیا، چنانچہ وہ یمن سے مکہ کے لیے چل پڑے تھے۔ اللہ والوں کا یہ گروہ جب راستہ میں یک زبان ہو کر تلبیہ کہتا یعنی:

لبیک اللھم لبیک، لبیک لا شریک لک لبیک، ان الحمد والنعمة لک والملک، لا شریک لک.

تو اس آواز سے دشت وصحرا گونج اٹھتے۔ موجودات کے ذرہ ذرہ نے مسلمانوں کے ساتھ ہم آہنگی سے خدائے واحد کی ربوبیت کا اعتراف کیا۔ زائرین کوسوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ راستہ میں جہاں نماز کا وقت آ گیا، سب مل کر اللہ تعالیٰ کے حضور میں سر بہ سجود ہو گئے۔ تکبیر کی دل کش آواز سے اللہ کی اطاعت اور تشکر کا اظہار کیا۔ ان اللہ والوں کے خلوص کو دیکھ کر فرشتوں کو بھی رشک آتا ہوگا۔ ان میں ہر شخص بے تابی کے ساتھ حج کا منتظر کہ دیکھیں خانہ خدا کی زیارت کب نصیب ہوتی ہے۔ عرب کے دشت وجبل، وادیاں اور نخلستان بھی اتنے بڑے مجمع پر حیران کہ آج تک اس نبی اُمی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایسی بابرکت و پر بہار شخصیت دیکھنے میں نہیں آئی۔

یہ سفر قریباً ہفتہ بھر جاری رہا۔ ایک روز رات کے وقت مکہ کے قریب پہنچے تو ذی طویٰ میں ٹھہر گئے۔ رات وہیں گزاری اور نماز کے بعد غسل فرمایا، پھر مکہ مکرمہ میں اتوار 4 ذی الحجہ سنہ 10 ھ کو صبح کے وقت کداء[1] کی جانب سے داخل ہوئے، راستہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آٹھ راتیں گزری تھیں۔

ایک روایت میں ہے کہ جب زائرین مقام سرف پر پہنچے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس زائر کے پاس قربانی کا جانور نہ ہو اسے صرف عمرہ کی نیت کرنا چاہیے اور جن

---

1. جبل حجون سے متصل ایک پہاڑی راستہ بیرون مکہ سے اندرون مکہ کو اترتا ہے، اس کو کداء کہتے ہیں حج اور عمرے کے لیے اس طرف سے مکہ میں داخل ہونا مستحب قرار دیا گیا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی راستہ سے مکہ میں داخل ہوئے تھے۔ (جزیرۃ العرب: ص ۲۲۸، رابع حسنی)

Marfat.com

حضرات کے ساتھ قربانی (ہدی) موجود ہے ان کے لیے حج کی نیت ضروری ہے۔

4 ذی الحجہ کو آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں نے زیارت کعبہ کے لیے سبقت فرمائی۔ پھر حجر اسود کو بوسہ دیا۔ بعد ازاں کعبہ کے سات طواف میں پہلے تین میں رمل کیا اور باقی چار چکر معمولی رفتار سے کیے۔ یہاں سے فراغت کے بعد کوہ صفا پر تشریف لائے اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی تکمیل کی۔ پھر اعلان فرمایا کہ جس زائر کے ساتھ ہدی (قربانی) نہ ہو وہ احرام کھول دے، لیکن بعض حضرات نے اس پر تامل کیا جس پر آپ نے خشم گین ہو کر فرمایا:

''جو حکم میں دیتا ہوں تم پر اس کی تعمیل واجب ہے۔''

اور اسی برہمی کی حالت میں آپ اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک صحابی حاضر خدمت ہوئے اور آپ کے مزاج میں کچھ برہمی کے آثار دیکھ کر عرض کی: ''یا رسول اللہ! آپ کو ناراض کرنے والے کے لیے جہنم کا عذاب ہے۔'' ارشاد فرمایا: تم نے دیکھا نہیں کہ جو انہیں حکم دیا گیا تھا یہ لوگ اس کی تعمیل میں متامل ہیں۔ اگر مجھے حج قران کی مشکلات کا اندازہ ہوتا تو میں ہدی (قربانی) کے جانور ساتھ نہ لاتا اور احرام کھول دیتا۔ مسلم میں ہے کہ جب مسلمانوں کو آپ کی برہمی کا پتہ چلا تو ایسے زائرین نے ندامت کے ساتھ احرام کھول دیئے جو ہدی ساتھ لے کر نہیں آئے تھے۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بھی احرام کھول دیا، ماسوائے ان حضرات کے جن کے ساتھ قربانی کے جانور تھے۔

اس دوران میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی یمن سے تشریف لے آئے، جب انہوں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احرام نہیں اتارا ہے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء میں احرام نہ اتارا۔ لیکن جب آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں باریاب ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بھی کعبہ کا طواف کرنے اور دوسرے مسلمانوں کی طرح احرام اتار دینے کے لیے ارشاد فرمایا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں احرام باندھتے وقت ان الفاظ میں نیت کر چکا ہوں:

''اے اللہ! میرا تلبیہ انہی لفظوں میں ہے جن سے تیرے نبی، عبد اور رسول، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔''

آپ نے دیکھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی قربانی کے جانور نہیں اور نیت حج ان کی وہی ہے جو میری ہے تو آپ نے انہیں اپنی قربانیوں میں شریک فرما لیا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ

Marfat.com

مناسک حج کی تکمیل تک محرم ہی رہے۔

8ذی الحجہ، ترویہ کے روز، آپ منیٰ تشریف لے گئے۔ وہاں 9ذی الحجہ کی صبح تک قیام فرمایا۔ ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور 9ذی الحجہ کی نمازِ فجر آپ نے منیٰ میں ادا کیں، پھر سورج نکلنے تک توقف فرمایا۔ آفتاب نکل آنے کے بعد آپ اپنی ناقہ قصواء پر سوار ہو کر عرفات کی جانب روانہ ہو گئے۔ سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے دائیں بائیں، آگے پیچھے چل رہے تھے اور پیغمبر اسلام کی ایک ایک حرکت کو ملاحظہ کر رہے تھے۔ عرفات پہنچ کر آپ نے وادی نمرہ میں ایک قبہ میں قیام فرمایا۔ زوال کے بعد آپ کے حکم سے آپ کی ناقہ قصواء پر کجاوہ کسا گیا اور آپ بطن وادی میں تشریف لے گئے۔ اس وقت آپ کے گردوپیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا جن میں بعض تلبیہ پکار رہے تھے اور بعض تکبیرات۔ آپ عرفات کے وسط میں تشریف لائے اور اپنی ناقہ پر بیٹھے ہوئے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جو دنیا میں انسانی حقوق کا سب سے پہلا چارٹر (Charter) ہے اور دنیا اتنی ترقی کرنے کے باوجود اس سے بہتر انسانی حقوق کا چارٹر نہیں دے سکی۔

اس انسانی حقوق کے منشور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان تمام موضوعات کے متعلق ہدایات ارشاد فرمائیں جن کا پرچار آپ 23 سال مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں کرتے رہے۔ آپ نے اس میں اہم تاریخی بات یہ فرمائی کہ "جاہلیت کا دور ختم ہو گیا اور اسلام کا دور شروع ہو گیا ہے۔" آج اگر کسی شخص یا حکومت کے سامنے کوئی دین کی بات کریں تو وہ کہتا ہے کہ جاہلیت اور تاریک خیالی کی بات چھوڑیں اور روشن خیالی کی بات کریں لیکن روشن خیالی کی تعریف جو کی جاتی ہے وہ دراصل تاریک خیالی اور جاہلیت کی تعریف ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا:

((الجاهلية موضوع تحت قدمی))

"آج جاہلیت کی ساری قدریں میرے ان پاؤں کے نیچے ہیں۔"

مغرب کی روشن خیالی اور اسلام کی روشن خیالی میں تین بنیادی فرق ہیں:

(1) مغرب کی روشن خیالی کی عمر قریباً دو سو یا سوا دو سو سال ہے جب کہ ہماری روشن خیالی کی عمر قریباً چودہ سو سال سے بھی زائد عرصہ کی ہے۔ مغرب کی روشن خیالی کا آغاز انقلاب فرانس سے ہوتا ہے۔ جب بھی مغرب میں روشن اور تاریک دور کی بات ہوتی ہے تو حد فاصل انقلاب فرانس قرار پاتی ہے۔ مغرب کے ہاں اس سے قبل کا دور جاہلیت، جبر اور آمریت کا دور کہلاتا

Marfat.com

ہے۔ اس کے بعد کا دوران کے ہاں ترقی اور روشن خیالی کا دور کہلاتا ہے۔ یہ اصطلاح ہمارے ہاں بھی ہے لیکن ہمارے ہاں سرکار دو عالم ﷺ کی بعثت سے قبل کا دور جاہلیت کا دور کہلاتا ہے کیونکہ اس وقت یہی کچھ ہوتا تھا جو آج جدید دور جاہلیت میں ہو رہا ہے۔ اور آپ ﷺ کے اس دنیا میں تشریف لانے کے بعد علم کی روشنی اور ترقی کا دور شروع ہو گیا۔ اس دور میں انسانیت نے بھی ترقی کی اور علم نے بھی ترقی کی لیکن اس موجودہ دور میں علم اور ٹیکنالوجی نے تو ترقی کی لیکن انسانیت روز بروز پستی کی گہری کھائی میں گرتی جا رہی ہے اور معلوم نہیں کہ کہاں تک گرے گی۔ آج کی دنیا کو سائنس پر بڑا ناز ہے لیکن انہیں یہ معلوم نہیں کہ یہ سائنس کا آغاز بھی تو اسلام اور مسلمانوں نے کیا کیونکہ سائنس کا آغاز اس وقت ہوتا ہے جب قدرت کے مظاہر کو تحقیق و تسخیر کی چیز سمجھا جائے۔ شرک کا انسان چاند کو دیوتا سمجھتا تھا اس لیے اس کا ذہن اس رخ پر چل ہی نہیں سکتا تھا کہ وہ چاند پر اپنے قدم رکھے۔ وہ سیلاب کو خدا کا جزو سمجھتا تھا اس لیے اس کے کوزۂ ذہن میں یہ بات آنا کہ سیلاب کو قابو میں لا کر اس سے بجلی پیدا کرے۔ ممکن نہ تھا۔ اسلام نے پہلی بار شرک کو مغلوب کر کے توحید کو غالب کیا اور انسانی ذہن کو یہ فروغ دیا کہ خالق صرف ایک ہے باقی تمام چیزیں مخلوق ہیں۔ اس طرح اسلام نے عالم فطرت کی تحقیق کا راستہ کھولا جو اس سے قبل شرک کے غلبہ کی وجہ سے بند تھا، اس طرح وہ تمام ترقیاں وجود میں آئیں جو قدرت پر فتح کے نتیجہ میں انسان کو حاصل ہوتی ہیں۔ اس لیے یہ بات کہنے میں کوئی باک نہیں کہ قدیم سائنسی پس ماندگی شرک کا بالواسطہ نتیجہ تھی جب کہ جدید سائنسی ترقی توحید کا بالواسطہ نتیجہ ہے۔ اور اس بات میں بھی کوئی شک وشبہ نہیں کہ اسلام دنیا میں اس لیے نہیں آیا کہ وہ دنیا کو سائنس دے لیکن اس بات میں بھی کوئی شک وشبہ نہیں کہ اگر اسلام نہ آتا تو سائنسی ترقیوں اور تحقیقات کا دروازہ انسان کے اوپر بند رہتا جیسا کہ وہ انسان کے اوپر بند پڑا تھا۔ اسی وجہ سے بریفالٹ (Briffault) نے لکھا ہے کہ اگرچہ یورپ کی ترقی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس پر اسلامی تہذیب کے فیصلہ کن اثرات موجود نہ ہوں لیکن یہ اثر کہیں بھی اتنا واضح اور اہم نہیں جتنا اس طاقت کے ظہور میں ہے جو دنیائے جدید کی مخصوص اور متصل قوت اور اس کی کامیابی کا سب سے بڑا راز ہے یعنی سائنس اور سائنسی طرز فکر۔ اس کے بعد بریفالٹ لکھتا ہے:

> It is highly probable that but for the Arabs, modern European civilization would never have arisen at all; it is absolutey certion

Marfat.com

that but for them, it would not have that assumed character which has enabled it to transcend all previous phases of revolution.

(The Making of Humanity, P.202)

یعنی انتہائی اغلب ہے کہ عربوں کے بغیر جدید صنعتی تہذیب سرے سے وجود ہی میں نہ آتی۔

دوسرا بنیادی فرق مغرب کی اور ہماری روشن خیالی میں یہ ہے کہ مغرب نے روشن خیالی کے نام پر جاگیرداری، بادشاہت اور آمریت سے نجات حاصل کی اور اس کے ساتھ اس نے کلیسا سے بھی نجات حاصل کر لی۔ چنانچہ مغرب نے وحی کی بالادستی سے دست بردار ہو کر اپنے تمام تر فلسفے، عقائد اور فیصلوں کی بنیاد انسانی سوسائٹی کی خواہشات پر رکھی۔ اور ہر معاملہ میں یہ بات ذہن میں رکھی کہ سوسائٹی کیا چاہتی ہے، اور یہ جو جمہوریت کا آج دنیا میں بول بالا کیا جا رہا ہے اور ہر شخص اور ہر سیاست دان جمہوریت کا نعرہ بلند کر رہا ہے، یہ دراصل سوسائٹی کی خواہش معلوم کرنے کا ایک ذریعہ ہے، لیکن اصل بنیاد سوسائٹی کی خواہشات ہیں۔ سوسائٹی کیا چاہتی ہے؟ سوسائٹی کیا سوچتی ہے؟ اسی پر ساری جمہوریت کی بنیاد ہے۔

(جمہوریت کی حقیقت کے لیے ملاحظہ ہو ہماری کتاب ''فتنۂ جمہوریت'')

یہی جمہوریت میں حلال وحرام کی بنیاد ہے اور یہی جائز و ناجائز کا معیار ہے اور یہی قانون اور لاقانونیت کی بات ہے۔

قرآن حکیم اور اسلام میں روشن خیالی کے یہ معنی نہیں جو مغرب کے نزدیک ہیں بلکہ اسلام میں روشن خیالی وہ ہے جس کو قرآن حکیم نے متعدد مقامات پر بیان کیا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں فرمایا:

﴿وان احکم بینھم بما انزل اللہ ولا تتبع اھواء ھم واحذرھم ان یفتنوک عن بعض ما انزل اللہ الیک﴾

(المائدہ:۴۹)

''اور یہ کہ آپ اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے مطابق ان کے درمیان فیصلہ کریں اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں اور ان سے

Marfat.com

ہوشیار رہیں کہیں یہ آپ کو ان بعض احکام سے ہٹا نہ دیں جو اللہ نے آپ کی طرف نازل کیے ہیں۔"

اس سے یہ پتہ چلا کہ مغرب کے نزدیک تو روشن خیالی نام ہے لوگوں اور سوسائٹی کی خواہشات کے اتباع کا اور اسلام میں روشن خیالی نام ہے انسانی سوسائٹی کی خواہشات سے نکل کر وحی الٰہی کی پیروی کا۔ جو چیز ہمارے نزدیک علم ہے وہ مغرب کے نزدیک جہالت ہے اور جو چیز ہمارے نزدیک تاریکی اور جہالت ہے وہ مغرب کے نزدیک روشن خیالی اور ماڈرن ازم ہے۔ یہ ایک جوہری فرق ہے مغرب اور اسلام کی روشن خیالی اور جاہلیت کی اصطلاح میں۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی کوئی ملک یا کوئی طبقہ ملک میں اسلامی نظام کا نعرہ بلند کرتا ہے یا حکومت وقت اسلامی نظام کے نفاذ کا مطالبہ کرتی ہے تو روشن خیال اور مغرب زدہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ تاریکی اور جاہلیت کے دور کی طرف واپس جانا چاہتے ہیں حالانکہ اسلام میں تاریکی اور ظلمت کا دور (Dark Ages) کبھی آیا ہی نہیں۔ اس پر تو ہر زمانہ میں روشن خیالی اور تمدنی ترقی کا دور دورہ رہا ہے۔ کیونکہ توحید کی بنیاد پر جو فکری انقلاب آیا اس سے جو بہت سے نتائج برآمد ہوئے ان میں سے ایک نتیجہ یہ تھا کہ انسان عالم فطرت کو اس نظر سے دیکھنے لگا کہ وہ ایک بے بس مخلوق ہے اور ایک انسان کو یہ حق حاصل ہے وہ اس کو جانے، اس پر تحقیقی کام کرے اور اس کو اپنے کام میں لائے۔ اس ذہن کا آغاز اموی دور (661ء-750ء) میں دمشق میں ہوا۔ خالد بن یزید بن معاویہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے کیمیا کو ایک طبیعی علم کی حیثیت سے ترقی دینے کی کوشش کی۔ عباسی دور میں اس شعبۂ علم نے دمشق کے بجائے بغداد میں مزید فروغ پایا اور پھر وہاں سے اسپین اور سسلی تک پھیلتا چلا گیا۔ اس زمانہ میں مسلمان علمی، تمدنی اور تہذیبی ترقی میں دنیا کی تمام قوموں سے بڑھے ہوئے تھے۔ تاریخ کے اس دور کو یورپ کے مؤرخین تاریک دور یا قرون مظلمہ (Dark Ages) کہتے ہیں۔ لیکن یہ دور صرف یورپ کے لیے تاریک تھا مسلم دنیا کے لیے بالکل تاریک نہ تھا۔ چنانچہ ورلڈ بک انسائیکلوپیڈیا کا مقالہ نگار "ڈارک ایجز" (Dark Ages) کے عنوان کے تحت لکھتا ہے:

The terme Dark Ages` canot be applied to the splendid Arab culture which spread over North Africa and into Spain. (P.30)

یعنی تاریک دور کی اصطلاح شان دار عرب کلچر پر چسپاں نہیں ہوتی جو

Marfat.com

اس زمانہ میں شمالی افریقہ اور اسپین میں پھیلا ہوا تھا۔

اسی طرح رابرٹ بریفالٹ (Robert Briffault) نے اپنی مشہور کتاب تشکیل انسانیت (The Making of Humanity) میں لکھا ہے کہ

''یورپ کی ترقی کا کوئی شعبہ اور کوئی گوشہ ایسا نہیں جس میں انسانی تمدن کا دخل نہ ہو اور اس کی ایسی نمایاں یادگاریں نہ ہوں جنہوں نے زندگی پر بڑا اثر ڈالا ہو۔''

(P.19)

یہی مصنف دوسری جگہ لکھتا ہے کہ

''صرف طبعی علوم ہی (جن میں عربوں کا احسان مسلم ہے) یورپ میں زندگی پیدا کرنے کی ذمہ دار نہیں ہیں بلکہ اسلامی تمدن نے یورپ کی زندگی پر بہت عظیم الشان اور مختلف النوع اثرات ڈالے ہیں اور اس کی ابتداء اسی وقت سے ہو جاتی ہے جب اسلامی تہذیب وتمدن کی پہلی کرنیں یورپ پر پڑنی شروع ہوئی ہیں۔'' (صفحہ ۲۰۲)

تیسرا فرق مغرب اور اسلام کی روشن خیالی میں یہ ہے کہ جب سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ ''جاہلیت کی ساری قدریں آج میرے پاؤں کے نیچے ہیں۔'' اس کا مطلب یہ تھا کہ جاہلیت کا دور اب ختم ہوا اور میں جاہلیت کی ساری قدریں اپنے پاؤں کے نیچے روند کر نسل انسانی کو علم کے دور کی طرف لے کر آگے بڑھ رہا ہوں۔ وہ کون سی جاہلی اقدار تھیں جن کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے نیچے روندا اور جو اعلان تکمیل دین تک مٹ چکی تھیں۔ ان قدار میں ایک قدر شرک تھی۔ شرک کو ختم کرنا سرکار دو عالم ﷺ کی دعوت کا بنیادی پیغام تھا۔ اسی وجہ سے آپ کی دعوت یہ تھی:

((یاایھا الناس! قولوا لا الٰہ الا اللہ تفلحوا))

(مسند احمد، رقم: ۱۵۴۴۸)

''اے لوگو! لا الٰہ الا اللہ کہو، فلاح اور کامرانی پا جاؤ گے۔''

چنانچہ آپ کے حجۃ الوداع کے موقع تک پورے جزیرۃ العرب میں کوئی بت خانہ باقی نہیں تھا۔ علاوہ ازیں نسل پرستی، وطن پرستی، زبان پرستی، شراب، جوا، زنا، بے حیائی، ہم جنس پرستی، فحاشی ان سب جاہلی اقدار کو سرکار دو عالم ﷺ نے ایک قلیل مدت میں ختم کر دیا جب کہ یہ سب اقدار آپ کی بعثت سے پہلے اپنے پورے عروج پر تھیں۔ برائی کی ان سب قدروں کو ختم کر کے حقیقی انسانی اقدار کی آبیاری فرمائی اور پھر ایک ایسا معاشرہ تشکیل دیا جس

Marfat.com

میں نیکی کی تمام اقدار کو پھلنے پھولنے کا موقع ملا۔ چنانچہ دنیا میں آپ کی شخصیت ایک واحد شخصیت ہے جس نے یہ دعویٰ کیا کہ میں اپنے مشن کی تکمیل کر کے اس دنیا سے جا رہا ہوں اور ایک لاکھ سے زائد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنی اس بات پر گواہ بنایا۔

آج مغرب جو روشن خیالی کا دعویٰ کرتا ہے اگر غور سے دیکھا جائے تو اس نے انہی جاہلی اور پامال شدہ قدروں کو فروغ دیا ہے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چودہ سو سال قبل جاہلی سمجھتے ہوئے اپنے پاؤں تلے روندا تھا۔ مغرب نے ان تمام قدروں کو جو جاہلیت اولیٰ کی اقدار تھیں اور جن کو پیغمبر اسلام نے اپنے پاؤں تلے روندا اور پامال کیا تھا، تہذیب جدید اور روشن خیالی کا لیبل لگا کر دنیا میں رائج کیا ہے، اور مسلمان حکومتیں بھی اس جاہلیت قدیمہ کو اپنانے میں بڑا فخر محسوس کر رہی ہیں اور اس کو آرٹ اور کلچر کا نام دے کر اپنے ملکوں میں رائج کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے اور وحی کی تعلیمات کو پس پشت ڈال کر انسانی خواہشات کو بالا دستی دی جا رہی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے 23 سال کے قلیل عرصہ میں انسانی حقوق کی ادائیگی میں انسانیت کو بام عروج پر پہنچا دیا اور ان مکارمِ اخلاق کو معاشرہ میں اس طریقہ سے پھیلایا کہ بیگانے یگانے بن گئے، ذروں کو صحرا بنا دیا، قطروں کو دریا بنا دیا اور غلاموں کو دنیا کا جہاں بان بنا دیا۔ آپ کی بعثت ہی ان انسانی اقدار کی تکمیل کے لیے ہوئی تھی جن کو اس معاشرہ نے گلدستۂ طاقِ نسیاں بنا دیا تھا اور آپ نے ان میں حقیقی انسانی اقدار کو اس قدر اجاگر کیا کہ اس معاشرہ پر فرشتوں کو بھی رشک آتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تو جو اپنے لیے پسند کرتا ہے وہی اپنے بھائی کے لیے پسند کر، جو تجھ سے برائی کرے تو اس کے ساتھ بھلائی کر، جو تجھے محروم کرے تو اسے عطا کر، جو تجھ سے قطع تعلق کرے تو اس سے جڑ جا اور جس کو تو پہچانتا ہے اور جس کو تو نہیں پہچانتا ہے، دونوں کو سلام کر۔" یہ وہ مکارمِ اخلاق ہیں جن کے شگوفے نخل حقوق سے پھوٹتے ہیں اور اللہ نے ان پر اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔ آپ نے ان مکارم اخلاق پر انسانی معاشرہ تشکیل دیا۔

خطبۂ حجۃ الوداع دراصل انسانی حقوق کا ایک منشور ہے جس کو آج سے چودہ سو سال قبل سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میدان عرفات میں مختصر الفاظ میں لوگوں کے سامنے بیان کیا۔ جس زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانی حقوق کا تحفظ کیا اس وقت دنیا کے تمام ممالک اور دنیا کی تمام اقوام انسانی بنیادی حقوق کے تصور سے یک قلم ناآشنا تھیں۔ موجودہ دور کو انسانی حقوق کے

Marfat.com

شعور کا ارتقائی دور سمجھا جاتا ہے۔ اس میں بنیادی حقوق کی جدوجہد کا آغاز گیارھویں صدی عیسوی میں برطانیہ میں ہوا جہاں 1037ء میں بادشاہ کانریڈ ثانی (Conrad II) نے ایک منشور جاری کیا جس میں پارلیمنٹ کے اختیارات کو محدود کر دیا۔ جس کے نتیجہ میں پارلیمنٹ نے اپنے اختیارات کی توسیع کے لیے اپنی کوششیں شروع کر دیں۔ آخر 1188ء میں بادشاہ الفانسو نہم (Alfonso IX) نے حبس بے جا کا اصول منظور کرا لیا۔ انگلستان میں بادشاہ جان (King John) نے 1215ء میں جو میگنا کارٹا جاری کیا وہ دراصل اس کے امراء (Barons) کے دباؤ کا نتیجہ تھا۔ اس میں زیادہ تر امراء ہی کا لحاظ ملحوظ رکھا گیا تھا۔ ہنری مارش (Henry Marsk) کے مطابق اس معاہدہ کی حیثیت بڑے بڑے جاگیرداروں کے ایک منشور کے سوا اور کوئی حیثیت نہ تھی۔ 1350ء میں برطانوی پارلیمنٹ نے میگنا کارٹا کی توثیق کر کے قانونی چارہ جوئی قانون منظور کر لیا جس کی رو سے کسی شخص کو عدالتی کارروائی کے بغیر زمین سے بے دخل یا قید نہیں کیا جا سکتا تھا اور نہ ہی اسے سزائے موت دی جا سکتی تھی۔

چودھویں صدی سے سولھویں صدی عیسوی تک قریباً پوری دنیا میں بادشاہت اور آمریت حاوی تھی، اس وجہ سے بنیادی انسانی حقوق کے لیے کسی جدوجہد کو نمایاں کامیابی حاصل نہ ہو سکی، لہٰذا انسانی حقوق کی آواز اٹھانے والی تحریکیں نیم مردہ ہو کر رہ گئیں۔ سترھویں صدی میں پھر انسانی حقوق کی طرف توجہ کی گئی اور 1679ء میں برطانوی پارلیمنٹ نے حبس بے جا کا قانون منظور کر لیا جس سے تمام شہریوں کو تحفظ فراہم ہوا اور 1689ء میں قانون حقوق (Bill of Rights) منظور کیا جو برطانیہ کی دستوری تاریخ کی ایک اہم دستاویز سمجھی جاتی ہے۔ اسی دور میں برطانوی اور فرانسیسی مصنفین نے نظریہ عمرانی کی وضاحتوں اور تشریحات پر کتابیں لکھیں جن پر فرد کے حقوق پر سیر حاصل بحث کی۔ چنانچہ فرانسیسی مفکر اور دانشور روسیو (Rousseaue) نے معاہدۂ عمرانی کے عنوان سے ایک کتاب لکھی جس میں ہالس اور لاک کے معاہدۂ عمرانی تصور کا جائزہ لیا۔

اٹھارویں صدی کے انقلاب فرانس نے لوگوں میں شعور کی ایک لہر پیدا کی جس کے نتیجہ میں 1789ء میں حقوق انسانی کا منشور (Declaration of the Rights of Man) وجود میں آیا جس میں قوم کی حاکمیت، آزادی، مساوات، ووٹ کا حق، حقوق ملکیت، قانون سازی کا اختیار، ٹیکس عائد کرنے کے اختیارات اور مجلس قضا کے روبرو تحقیق جرم وغیرہ کو واضح کیا گیا اور یہ سب حقوق لوگوں کو دیئے گئے۔ اس کے بعد پھر عوام میں حکومتی سطح پر مسلسل

Marfat.com

کاوشیں ہوتی رہیں۔ اس میں امریکی اعلان آزادی کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ پھر 1789ء میں قومی اسمبلی میں انسانی حقوق کا منشور منظور کیا گیا۔ 1792ء میں تھامس پین (Thomas Paine) نے ایک کتابچہ انسانی حقوق کے عنوان سے شائع کیا۔ مختصر یہ کہ پہلی جنگ عظیم کے بعد جرمنی اور متعدد یورپی ممالک میں جو آج اپنے کو حقوق انسانی کا علم بردار کہتے ہیں، بنیادی حقوق کی دساتیر میں شامل کیا گیا۔

یورپی ممالک اور امریکہ میں انسانی حقوق کا سارا دارومدار معاہدۂ عمرانی پر ہے جو ایک موہوم تصور ہے جو فرد اور معاشرہ کے تعلق کو واضح کرنے کے لیے سیاسی مفکرین نے پیش کیا۔ (The Social Contract P.4) اس معاہدۂ عمرانی پر جن لوگوں نے لکھا انہوں نے واضح طور پر اس چیز کو بیان کیا کہ ریاستیں اور حکومتیں ارادتاً کسی معاہدہ کے تحت وجود میں نہیں آئیں بلکہ فطری طور پر ایک خاندان اور قبیلہ کی طرف ابتدائی گروہ بندیوں سے بتدریج وجود میں آئیں اور قائم ہوئی ہیں۔

(Protection of Human Rights under the Law, P.3)

پروفیسر الیاس احمد نے تو بڑے واضح اور صاف لفظوں میں لکھا ہے کہ پوری انسانی سیاسی تاریخ میں ایک واقعہ یا ایک مثال بھی ڈھونڈے سے ایسی نہیں ملتی جس میں ریاست کی تشکیل کے لیے عمرانی معاہدہ کو استعمال کیا گیا ہو۔

(The Social Contract and the Islamic State, P.1)

یہی وجہ ہے کہ مغربی حکومتوں نے جب چاہا انسانی حقوق کو نظر انداز کر دیا اور لوگوں پر ظالمانہ کاروائیاں کرنا شروع کر دیں۔ آج بھی ان کی تقلید میں ایشیائی حکومتیں ایسا کرتی ہیں اور ایمرجنسی لگانا بھی اس کی ایک شکل ہے۔ موجودہ دور میں امریکہ نے بنیادی انسانی حقوق کو کمزور قوموں کے خلاف بطور ہتھیار استعمال کیا اور اور انہیں مسلسل دباؤ میں رکھ کر سیاسی، معاشی اور اقتصادی فوائد حاصل کیے اور جب چاہا اپنے آپ کو بالاتر سمجھ کر ان حقوق کی بے دریغ پامالی کی۔ افغانستان، عراق اور فلسطین اس کی زندہ مثالیں ہیں۔

انسانی بنیادی حقوق کے حصول کی یہ جدوجہد ابھی اختتام پذیر نہیں ہوئی، لیکن اس جدوجہد کے نتیجہ کے طور پر جمہوری فلسفہ کے تحت UNO نے بہت سے مثبت اور تحفظاتی حقوق کے متعلق قراردادیں پاس کیں اور بالآخر ''عالمی منشور حقوق انسانی'' وجود میں آیا جس میں وہ تمام حقوق سمو دیئے گئے جو مختلف یورپی ممالک کے دستوروں میں درج تھے۔ دسمبر 1948ء میں

Marfat.com

نسل کشی کے انسداد کے لیے ایک قرار داد اقوام متحدہ کی اسمبلی میں پاس کی گئی۔ 12 جنوری 1951ء کو اس قرار داد کا نفاذ ہوا۔ عالمی منشور کی قرار داد کے حق میں 48 ووٹ آئے جب کہ روس سمیت 8 ممالک نے رائے شماری میں حصہ نہیں لیا۔ بالآخر دسمبر 1948ء کے منظور شدہ ''عالمی منشور حقوق انسانی'' کے دیباچہ میں یہ الفاظ مذکور ہیں۔

''بنیادی انسانی حقوق'' میں فرد انسانی کی عزت و اہمیت میں مردوں اور عورتوں کے مساویانہ حقوق میں اعتقاد کو موثق بنانے کے لیے۔''

عالمی انسانی حقوق کا یہ منشور ایک اعلان ہے معاہدہ نہیں ہے، لیکن اس سے چند باتیں یہ معلوم ہوتی ہیں کہ اول تو مغرب میں انسانی حقوق کے تصور کی تاریخ صرف چند صدیوں پر محیط ہے۔ دوسری بات یہ کہ اس کے پیچھے کوئی سند نہیں ہے۔ اس کے برعکس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانی حقوق کا جو چارٹر پیش کیا ہے اس کی سند تو قرآن حکیم ہے جو دنیا میں اسلام کی طرف سے انسانی بنیادی حقوق کا منشور ہے اور جس کا خلاصہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر اعلان فرمایا۔ وہ ان مغربی ممالک اور امریکہ سے قدیم بھی ہے اور بہتر بھی، اور یہ منشور دنیا میں چودہ سو سال تک عملاً قائم بھی رہا اور اس کی بے مثل نظیریں بھی دنیا میں موجود ہیں۔

موجودہ دور اور مغربی ملکوں میں حقوق انسانی کی یہ تفصیل ہم نے اس لیے بیان کی کہ ان لوگوں نے اتنی محنت، تگ و دو اور جدوجہد اور کروڑوں اربوں ڈالر خرچ کرنے کے بعد انسانی حقوق کا جو منشور دنیا کے سامنے پیش کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس انسانی حقوق کے منشور کے مقابلہ میں جو آپ نے خطبہ حجۃ الوداع میں پیش کیا وہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ آپ کا یہ خطبہ ہر قسم کے منفی رجحان سے ماوراء خالص مثبت اور اصولی تعلیمات کا مظہر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابتداء میں اپنی جس دعوت کا آغاز کوہ صفا کے پہاڑی وعظ سے کیا تھا، اس کی تکمیل کا اعلان کوہ عرفات کے دامن میں اونٹنی پر سوار ہو کر ایک لاکھ سے زائد انسانوں کے سامنے کر دیا۔ اس میں آپ نے اسلام کے سیاسی، سماجی، مذہبی، معاشی، اقتصادی اور ثقافتی نظام کو نہایت اعلیٰ طریق اور مختصر الفاظ میں اس طرح بیان کر دیا جو آئندہ آنے والے زمانوں میں انسانیت کی نجات کا مظہر تھا۔

خطبہ حجۃ الوداع میں جو کچھ آپ نے بیان فرمایا وہ محض منصوبہ، خیالی باتیں، واعظانہ موشگافیاں، آئندہ کا پروگرام یا خواہشات و توقعات یا صرف تجاویز و سفارشات قسم کی چیز نہ تھی بلکہ دین الٰہی کا عملی، تاریخی، تعبیری خاکہ اور دین و شریعت کی تقریب و تکمیل تھی۔ اس خطبہ

Marfat.com

حجۃ الوداع میں ارشادات نبوی کوئی تجویز یا سفارش نہیں بلکہ عملی ترغیب اور حکم کا درجہ رکھتے ہیں اور ان فرمودات سے سرتابی، ان کی نافرمانی نہ صرف یہ کہ آدمیت و انسانیت کی صلاح و فلاح میں حارج ہے بلکہ دین و دنیا دونوں میں باعث نقصان و خسران بھی ہیں۔ اس خطبہ میں زندگی کے ان اٹل اصولوں کا دوٹوک بیان ہے جن پر زندگی کی عمارت کی بنیاد ہے اور جن کے بغیر بشعوری زندگی کا کوئی نقشہ مرتب نہیں ہوسکتا۔ اس نقشہ کو روبہ عمل لائے بغیر کسی کامیاب انسانی معاشرہ کی تشکیل ممکن نہیں۔

اس کے برعکس عصر حاضر کی وہ دستاویز جو حقوق انسانی کی نقیب سمجھی جاتی ہے اور جسے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے 10 دسمبر 1948ء میں منظور کیا تھا، اس کی حیثیت محض تجویز و سفارش سے زیادہ نہیں ہے اور کسی مملکت کے لیے (Universal Declaration of Human Rights) کو تسلیم کرنا ضروری اور لازمی نہیں ہے اور کہنے والے تو یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ منشور تحفظ حقوق انسانی کے معاملہ میں بالکل ناکارہ اور ناقابل اعتماد دستاویز ہے۔ اس کی حیثیت صرف اخلاقی ہے، قانونی نقطۂ نظر سے اس کا کوئی وزن نہیں۔ چنانچہ کمیشن برائے حقوق انسانی میں 1947ء کو طے کیے جانے والے اصول کی روشنی میں گویا منشور کے اعلان سے ایک سال قبل ہی یہ طے ہوگیا کہ اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہوگی۔ کوئی ملک چاہے تو اس منشور پر از خود رضا کارانہ طور پر عمل درآمد کرسکتا ہے اور چاہے تو اٹھا کر اس کو ردی کی ٹوکری میں بھی پھینک سکتا ہے۔ (بنیادی حقوق: ص۹۴، صلاح الدین)

خطبہ حجۃ الوداع ___ بنیادی انسانی حقوق کا منشور:

گذشتہ بحث کی روشنی میں یہ بات ذہن میں رکھنا نہایت ضروری ہے کہ یہ بنیادی انسانی حقوق کا منشور جس کا رسول اللہ ﷺ نے میدان عرفات میں لوگوں میں اعلان کیا، یہ کوئی تجاویز اور سفارشات نہیں بلکہ آنے والی نسلوں کو ایک حکم کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کی نافرمانی دین و دنیا دونوں کے لیے باعث خسران و نقصان ہے۔ پھر یہ بھی کہ یہ عالمی منشور کسی تحریک کے دباؤ کی وجہ سے نہیں جاری کیا گیا اور نہ ہی کسی سیاسی مصلحت کے تحت سرکار دو عالم ﷺ نے میدان عرفات میں بیان کیا اور نہ ہی کسی طبقہ یا گروہ یا سیاسی جماعت کی طرف سے کسی دھونس یا دباؤ اور دھاندلی سے متاثر ہو کر اس کو جاری کیا گیا اور نہ ہی یہ کسی معاہدہ کی تکمیل کا نتیجہ تھا۔ یہ دراصل وہ انقلابی خطبہ تھا جو ہر قسم کی انسانی، حکومتی، سیاسی، معاشرتی، معاشی، اقتصادی اور

Marfat.com

معاہداتی منظوری سے بے نیاز ہو کر تمام انسانوں کے حقوق، خواہ ان کا تعلق کسی طبقہ اور گروہ یا جماعت سے ہو، کے محافظ و نگران کی حیثیت سے ابھرا اور مستقبل کے تمام انسانوں کے لیے شرف آدمیت اور احترام انسانیت کے چراغ روشن کر گیا۔ چنانچہ اسلام کی گذشتہ چودہ سو سال کی تاریخ ہمارے اس دعویٰ کی شاہد عادل ہے۔ چنانچہ یہ بات کہنے میں کوئی باک نہیں کہ انسانی حقوق کے عالمی منشور ہونے کی اصل مصداق نہ تو میگنا کارٹا کی دستاویز ہے اور نہ ہی فرانس کے اعلان انسانی حقوق و باشندگان اور نہ ہی عہد جدید کی ایک اہم دستاویز امریکی نوشتۂ حقوق۔ بلکہ اس کی اصل مصدق یہی خطبہ حجۃ الوداع کی دستاویز ہے۔ اس کے علاوہ کوئی منشور، اعلان، دستور اور منشور انسانی حقوق اور آدمی کی آزادیوں کی ضمانت نہیں بن سکتا۔ اس خطبۂ حجۃ الوداع میں دیئے گئے حقوق، آزادیاں اور ضمانتیں کسی مرد، ادارہ، کسی گروہ اور حکومت کی منظوری سے مشروط نہیں ہیں بلکہ حق تعالیٰ شانہ کی حاکمیت کے تحت حاصل کردہ اختیارات سے کام لیتے ہوئے سرکار دو عالم سرور کائنات ﷺ نے اس منشور انسانیت کا 10 ذی الحجہ سنہ 10ھ کو میدان عرفات میں اعلان فرمایا اور وہ اسی لحہ نافذ العمل ہو کر قیامت تک کے لیے ساری انسانیت کے لیے واجب العمل ہو گیا۔

اس خطبۂ حجۃ الوداع سے قبل رسول اللہ ﷺ نے لوگوں میں ایک ذہنی انقلاب پیدا کیا جس سے شرک کا نظام ٹوٹا اور توحید کو غلبہ حاصل ہوا۔ انسانی عظمتوں کو فوق الفطری معتقدات سے وابستہ کرنے کا ذہن بھی ختم ہو گیا اور سارے انسان ایک خدائے بزرگ و برتر کی یکساں مخلوق قرار پائے۔ ایک انسان اور دوسرے انسان میں فرق کرنے کی وہ بنیاد باقی نہ رہی جس کی وجہ سے تاریخ کے نامعلوم زمانوں سے انسانیت اونچ نیچ میں مبتلا چلی آ رہی تھی۔ انسان اپنے حقوق شرف سے محروم تھا اور خاص خاص لوگ عوام کے حقوق کو پامال اور غصب کر رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے توحید کی بنیاد پر جو انقلاب برپا کیا تھا اس نے اللہ تعالیٰ کی برتری اور اس کے مقابلہ میں سارے انسانوں کی یکسانیت اس طرح ثابت کی کہ تمام قدیم روایات کا نظام ٹوٹ کر رہ گیا۔ انسانیت ایک نئے راستے پر چل پڑی، لوگوں کے عقائد بدل گئے، شرک کے دروازے بند ہو گئے، پیشوائی اور سرداری اور رہبانیت کا نظام درہم برہم ہو کر رہ گیا۔ وہ شہنشاہتیں زمین بوس ہو گئیں جو فوق الفطری عظمتوں اور بادشاہت کے خدائی اختیار کا یقین دلا کر لوگوں کے اوپر حکومتیں کر رہی تھیں۔ اس طرح تاریخ میں پہلی بار اس تبدیلی کا آغاز ہوا جو ساری دنیا میں ایک نئے انسانی دور کا آغاز تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے تاریخ اسلام میں جو ذہنی

Marfat.com

اور اسلامی انقلاب برپا کیا ہے اس کا اعتراف نہ صرف مسلمانوں نے بلکہ غیر مسلموں نے بھی کیا ہے۔ چنانچہ کلکتہ یونیورسٹی کے ایک ہندو پروفیسر ڈاکٹر ہیرالال چوپڑہ نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے:

Modern History attributes liberty, equality and fraternity to be the outcome of the French Revolution, but the First Person to proclaim it was the founder of Islam fourteen conturies ago.(Islustrated Weekly of India, April 15,1973)

جدید تاریخ آزادی، مساوات اور اخوت کو فرانسیسی انقلاب کا نتیجہ قرار دیتی ہے لیکن پہلا شخص جس نے ان چیزوں کا چودہ سو سال پہلے اعلان کیا وہ اسلام کے بانی (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تھے۔

امریکہ میں ایک انساپیڈیا چھپی ہے جس کا نام ہے "مین اینڈ ہز گاڈز" اس میں مختلف مذاہب پر مقالے ہیں۔ ان کے عیسائی مقالہ نگار نے اسلامی انقلاب کے ان نتائج کا ان لفظوں میں اعتراف کیا ہے:

Its advent changed the course of Human History, (Man and His gods, P.389)

اسلام کے ظہور نے انسانی تاریخ کا دھارا موڑ دیا۔

تاریخ کا دھارا موڑنے کا یہ عمل ساتویں صدی عیسوی سے شروع ہوا تھا موجودہ زمانہ میں وہ اپنی انتہاء کو پہنچ چکا ہے۔ خدا کے دین کی خاطر کام کرنے والوں اور انسانی حقوق کی نگہبانی کرنے والوں کے لیے اب انسانی اسلحہ خانہ میں ہر قسم کے تائیدی ذرائع موجود ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ خطبہ 9 ذی الحجہ کو میدان عرفات میں نمرہ کے مقام پر جہاں آپ نے قیام فرمایا تھا دیا جب ظہر کی نماز کا وقت ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے ذرا جلدی روانہ ہوئے۔ ظہر اور عصر کی نماز اکٹھی ادا کی اور پھر لوگوں کو خطبہ ارشاد فرمایا۔ (ابوداؤد، رقم: ۱۹۳۶)

لیکن نسائی میں ہے کہ آپ نے عرفہ میں نماز سے قبل ایک سرخ اونٹ پر سوار ہو کر یہ خطبہ فرمایا۔ (نسائی، رقم ۲۹۵۷)

Marfat.com

اس روز جمعہ تھا اور آپ ﷺ نے فرمایا یہ حج اکبر کا دن ہے۔
(سنن کبریٰ، بیہقی، رقم: ۹۳۰۴)

خطبۂ حجۃ الوداع کے متن کا ترجمہ:

ڈاکٹر نثار احمد سابق رئیس کلیہ فنون و صدر شعبہ اسلامی تاریخ، جامعہ کراچی نے نہایت محنت سے مختلف کتابوں سے خطبہ حجۃ الوداع کے متن کو تلاش کیا ہے اور پھر اس کا اردو ترجمہ بھی کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی یہ محنت قابل صد ستائش ہے ہم ڈاکٹر صاحب کی اس کتاب سے خطبہ حجۃ الوداع کا کچھ حصہ اپنے ترجمہ کے ساتھ نقل کر رہے ہیں۔

احادیث نبویہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بھی خطبہ ارشاد فرماتے تو اس کے شروع میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا ضرور کرتے۔ چنانچہ حجۃ الوداع کے خطبہ سے پہلے بھی آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے وہی الفاظ پڑھے جو آپ کے خطبات میں اکثر و بیشتر منقول ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''سب تعریفیں اللہ کے لیے، ہم اس کی حمد وثناء کرتے ہیں اور اسی سے مدد اور مغفرت طلب کرتے ہیں اور اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اسی کے دامن عفو میں اپنے نفس کی شرارتوں اور برے اعمال سے پناہ چاہتے ہیں۔ جس کو اللہ ہدایت عطا فرمائے اس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو وہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے اور اس کا کوئی شریک و سہیم نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔''

اما بعد! لوگو! میری بات غور سے سنو کیونکہ میں نہیں جانتا کہ اس سال کے بعد اس مقام پر تم سے کبھی مل سکوں۔

لوگو! خاموش ہو جاؤ، تم لوگ اس سال کے بعد شاید مجھے نہ دیکھ سکو۔

لوگو! حج کے مسائل مجھ سے سیکھ لو، میں نہیں جانتا شاید اس کے بعد مجھے دوسرے حج کی نوبت نہ آئے۔

اللہ تعالیٰ تر و تازہ و شاداب رکھے اس بندہ کو جس نے میری باتیں سنیں اور انہیں دوسروں تک پہنچایا۔ بعض اوقات سننے والا سمجھ دار نہیں ہوتا اور کبھی کبھی جس کو پہنچایا

Marfat.com

جائے وہ اس سے زیادہ سمجھدار ہوتا ہے۔
لوگو! تم لوگ شاید مجھ سے آئندہ اس حال میں نہ مل سکو جس حال میں تم اب مل رہے ہو۔
لوگو! تمہارا رب ایک ہے، تمہارا باپ ایک ہے، تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔
تم میں اللہ کے نزدیک معزز وہ ہے جو زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے، بے شک اللہ علیم و خبیر ہے۔
دیکھو! کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر اور کسی کالے کو کسی سرخ پر اور کسی سرخ کو کسی کالے پر کوئی فضیلت اور امتیاز حاصل نہیں مگر تقویٰ کی وجہ سے۔
بندگانِ خدا! میں تمہیں تقویٰ شعاری (اللہ سے ڈرنے) کی وصیت کرتا ہوں اور تمہیں اس کی اطاعت کا حکم دیتا ہوں (کیونکہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے بندے نہیں) اور اپنے خطبے کا آغاز نیک بات سے کرتا ہوں۔
خبردار! اہل جاہلیت کی ہر چیز میرے دونوں قدموں کے نیچے ہے۔
سن لو! جاہلیت کا ہر خون (انتقام) مال (مغصوبہ) اور آثار جاہلیت (خاندانی موروثی مفاخر) میرے قدموں تلے تا قیامت پامال کیے جاتے ہیں۔
صرف سدانہ (کعبہ کی نگہبانی اور نگرانی) اور سقایہ (حاجیوں کو پانی پلانے) کے عہدے باقی رہیں گے۔ قتل عمد کا قصاص لیا جائے گا۔ قتل عمد کے مشابہ وہ قتل ہے جو لاٹھی یا پتھر سے وقوع میں آئے اس کی دیت سو اونٹ مقرر ہے اور اس سے زیادہ جو طلب کرے گا وہ اہل جاہلیت میں شمار ہوگا۔
جاہلیت کے تمام امور میرے قدموں کے نیچے پامال ہیں اور جاہلیت کے تمام خون معاف اور ختم ہیں اور سب سے پہلے میں ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کے بیٹے کا خون جو بنو ہذیل کے ذمہ ہے معاف کرتا ہوں۔ (یہ بچہ بنو سعد میں دودھ پی رہا تھا کہ بنو ہذیل نے اسے قتل کر دیا۔)
جاہلیت کے تمام سود ختم کر دیئے گئے۔ تمہارے لیے اب صرف رأس المال ہے، نہ تم ایک دوسرے پر ظلم کرو نہ قیامت کے روز تمہارے ساتھ ظلم کیا جائے۔ اللہ نے سود کو ممنوع اور ناجائز قرار دے دیا ہے۔ سب سے پہلے میں عباس بن عبدالمطلب کا

Marfat.com

سارا سود ساقط اور باطل قرار دیتا ہوں۔

لوگو! ادب والے مہینوں کا غیر ادب والے مہینوں سے ادل بدل کر لینا کفر ہے۔ (ان النسئی زیادۃ فی الکفر) جس میں مومن آلودہ نہیں ہوسکتا لیکن کافر کا اس سے بچنا محال ہے۔ جو اس سال ان چار مہینوں میں ایک مہینہ آئندہ سال کے کھاتے میں ڈال دیتے ہیں اور آنے والے سال میں اسے بدستور اپنے محل میں رکھتے ہیں، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حرام کردہ امور کو حلال کر لینا اور حلال شدہ امور کو حرام کر لینا ہی ہے۔ (یہ دراصل سورۃ التوبہ کی آیت 37 کی طرف اشارہ ہے) اس بارے میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''عرب میں قدیم سے معمول چلا آتا تھا کہ سال کے بارہ مہینوں میں سے چار مہینے ''اشھر حرم'' (خاص ادب واحترام کے مہینے) ہیں۔ ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب۔ ان میں خون ریزی اور جدال وقتال قطعاً بند کر دیا جاتا تھا۔ حج وعمرہ اور تجارتی کاروبار کے لیے امن وامان کے ساتھ آزادی سے سفر کر سکتے تھے۔ کوئی شخص ان ایام میں اپنے باپ کے قاتل سے بھی تعرض نہ کرتا تھا۔ بلکہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اصل ملت ابراہیمی میں یہ چار ماہ ''اشہر حرم'' قرار دیئے گئے تھے۔ اسلام سے ایک مدت پہلے جب عرب کی وحشت و جہالت حد سے بڑھ گئی اور باہمی جدال وقتال میں بعض بعض قبائل کی درندگی اور انتقام کا جذبہ کسی آسمانی یا زمینی قانون کا پابند نہ رہا تو ''نسی'' کی رسم نکالی یعنی جب کسی زور آور قبیلہ کا ارادہ ماہ محرم میں جنگ کرنے کا ہوا تو ایک سردار نے اعلان کر دیا کہ اس سال ہم نے محرم کو اشہر حرم سے نکال کر اس کی جگہ صفر کو حرام کر دیا۔ پھر اگلے سال کہہ دیا کہ اس مرتبہ حسب دستور محرم حرام اور صفر حلال رہے گا۔ اس طرح سال میں چار مہینوں کی گنتی تو پوری کر لیتے تھے لیکن ان کے تعین میں حسب خواہش ردوبدل کرتے رہتے تھے۔ ابن کثیر کی تحقیق کے مطابق نسی (مہینہ آگے پیچھے کرنا) کی رسم صرف محرم اور صفر میں ہوتی تھی اور اس کی وہی صورت تھی جو اوپر مذکور ہے۔ امام مغازی محمد ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ پہلا شخص جس نے یہ رسم جاری کی ''قلمس'' کنانی تھا۔ پھر اس کی اولاد در اولاد یوں ہی ہوتا چلا آیا۔ آخر میں اسی کی نسل سے ''ابو ثمامہ جنادہ بن عوف کنانی'' کا معمول تھا کہ ہر سال موسم حج میں اعلان کیا کرتا کہ اس سال محرم اشہر حرم میں داخل رہے گا یا صفر۔

Marfat.com

اسی طرح محرم وصفر میں سے ہر مہینہ کبھی حلال اور کبھی حرام کیا جاتا تھا اور عام طور پر لوگ اسی کو قبول کر لیتے تھے۔ گویا عہد جاہلیت میں کافروں کے کفر و گمراہی کو بڑھانے والی ایک چیز یہ بھی تھی کہ خدا کے حلال وحرام کیے ہوئے مہینہ کو بدل ڈالنے کا حق کنانہ کے ایک سردار کو سونپ دیا گیا تھا۔ ٹھیک اسی طرح یہود و نصاریٰ کا حال تھا کہ انہوں نے تحلیل وتحریم کی باگ خادم اور غرض پرست احبار و رہبان کے ہاتھ میں دے دی تھی۔

زمانہ آج پھر پھرا کر اسی حالت پر آ گیا ہے جو اس وقت تھی جب کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا یعنی اللہ کے بارہ مہینوں کی تعداد قطعی طور پر بارہ ہے، اور جب سے اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے یہ تعداد اس کی کتاب (نوشتۂ تقدیر) میں اسی طرح ثبت ہے۔ ان میں چار مہینے حرام ہیں تین متواتر یعنی ذی قعدہ، ذوالحجہ اور محرم، اور ایک اکیلا الگ یعنی رجب۔ جو جمادی الآخرہ اور شعبان کے درمیان ہے۔ اور مہینہ انتیس (29) دن کا بھی ہوتا ہے اور تیس (30) دن کا بھی۔

پھر آپ نے پوچھا: بتاؤ، میں نے اپنی بات تم تک پہنچا دی ہے؟ اس پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: ''بے شک''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے اللہ! گواہ رہنا۔''

سن لو! حج قیامت تک ذی الحجہ کے مہینے میں مخصوص رہے گا۔

لوگو! تمہیں معلوم ہے کہ تم پر کون سا مہینہ سایہ فگن ہے؟ تم کس دن میں یہاں جمع ہوئے ہو؟ کس شہر میں موجود ہو؟ سب نے کہا: ''محترم دن، محترم شہر اور محترم مہینے میں۔'' تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بے شک تمہارا خون، تمہارا مال، تمہاری عزت وآبرو اور تمہاری کھال ایک دوسرے کے لیے معزز ومحترم ہے یعنی جس طرح حرمت تمہارے اس دن کی، تمہارے اس مہینے کو اور تمہارے اس شہر کو حاصل ہے یہاں تک کہ تم اللہ سے جا ملو۔''

میری بات سنو! تم زندگی پا جاؤ گے (مگر اس شرط کے ساتھ کہ)

ایک دوسرے پر ظلم نہ کرنا، دیکھو ظلم وزیادتی نہ کرنا، خوب سمجھ لو ایک دوسرے پر باہم ظلم وستم نہ کرنا۔

اللہ کے بندو! میری بات سنو اور سمجھو!

بلاشبہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور تمام مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں۔

Marfat.com

خبردار! ہر مسلمان دوسرے مسلمان پر حرام اور محترم ہے۔
اور ہر مومن دوسرے مومن پر حرام اور محترم۔ جس طرح آج کے دن کی یہ حرمت ہے۔
اس کا گوشت اس پر حرام ہے کہ اسے کھائے اور اس کی عدم موجودگی میں اس کی غیبت کرے۔
اس کی عزت و آبرو اس پر حرام ہے کہ اس کی چادر عزت پھاڑ دے اور اس کا چہرہ اس پر حرام ہے کہ اس پر طمانچے لگائے جائیں۔
اور تکلیف دہی بھی حرام کہ اسے تکلیف پہنچائی جائے۔
اور یہ بھی حرام کہ تکلیف رسانی کے لیے اسے دھکا دیا جائے۔
اور کسی مسلمان کے لیے یہ بھی جائز نہیں کہ دوسرے مسلمان بھائی کا خون حلال سمجھے۔
مسلمان کا مال بھی حلال اور جائز نہیں سوائے اس کے کہ وہ اپنی خوشی سے دے۔
مسلمان وہی ہے جو اپنی زبان اور ہاتھ سے دوسرے لوگوں کو محفوظ رکھے۔
اور مومن درحقیقت وہ ہے جس سے دوسرے لوگوں کی جان و مال امن و عافیت میں رہے۔
اور مہاجر درحقیقت وہ ہے جو اطاعت الٰہی کی خاطر اپنے نفس کا مقابلہ کرے۔
خبردار! اگر کسی کے پاس امانت رکھوائی جائے تو وہ اس بات کا پابند ہے کہ امانت رکھوانے والے کو امانت واپس لوٹا دے۔
قرض واپس ادائیگی کا متقاضی ہے۔
ادھار لی ہوئی چیز کو واپس کیا جانا چاہیے۔
عطیہ لوٹایا جائے۔
ضامن ضمان (تاوان) کا ذمہ دار ہے۔
دیکھو! اب ایک مجرم اپنے جرم کا خود ہی ذمہ دار ہوگا۔
جان لو! اب نہ باپ کے جرم کے بدلے بیٹا پکڑا جائے گا اور نہ بیٹے کا بدلہ باپ سے لیا جائے گا۔
عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو کیونکہ تم نے انہیں اللہ کی امانت کے طور پر حاصل کیا ہے اور اللہ کے کلمات کے تحت ان کے ستر تمہارے لیے حلال ہوئے۔
خبردار! تمہارے لیے عورتوں سے نیک سلوک کی وصیت ہے کیونکہ وہ تمہاری پابند

Marfat.com

ہیں اور اس کے سوا تم کسی معاملہ میں حق ملکیت نہیں رکھتے۔

لوگو! جس طرح عورتوں کے کچھ حقوق تمہارے ذمہ ہیں اسی طرح ان پر بھی تمہارے کچھ حقوق واجب ہیں۔ (سنو! تمہاری عورتوں پر جس طرح کچھ تمہارے حقوق واجب ہیں اسی طرح تمہاری عورتوں کا بھی تم پر کچھ حق ہے)

(جہاں تک تمہارے ان حقوق کا تعلق ہے جو تمہاری عورتوں پر واجب ہیں) تو وہ یہ ہیں:

① وہ کوئی کام کھلی بے حیائی کا نہ کریں۔

② وہ تمہارا بستر کسی ایسے شخص سے پامال نہ کرائیں جسے تم پسند نہیں کرتے۔

③ وہ تمہارے گھر میں کسی ایسے شخص کو داخل نہ ہونے دیں جسے تم ناپسند کرتے ہو مگر یہ کہ تمہاری اجازت سے۔

④ اگر وہ عورتیں ان باتوں کی خلاف ورزی کریں تو تمہارے لیے اجازت ہے کہ تم انہیں بستروں پر اکیلا چھوڑ دو۔ ان پر سختی کرو اور اگر مارنا بھی چاہو تو زیادہ تکلیف والی چوٹ نہ مارو۔

دیکھو! کچھ حقوق ان کے بھی تمہارے اوپر عائد ہوتے ہیں، مثلاً یہ کہ کھانے، پینے، پہننے، اوڑھنے کے بارے میں ان سے اچھا سلوک کرو۔ اگر وہ تمہاری نافرمانی سے باز آجائیں اور کہا ماننے لگیں تو پھر حیثیت کے مطابق ان کا کھانا اور کپڑا (نان و نفقہ) تمہارے ذمہ ہے۔

اور عورتوں پر یہ بھی واجب ہے کہ

عورتیں معروفات (نیک کاموں) میں تمہاری نافرمانی نہ کریں۔ اور اگر وہ فرمانبرداری کریں تو ان پر کسی قسم کی زیادتی کا تمہیں کوئی حق نہیں۔

کوئی عورت اپنے گھر میں اخراجات نہ کرے مگر اپنے شوہر کی اجازت سے۔

جان لو! لڑکا اسی کی طرف منسوب کیا جائے گا جس کے بستر پر وہ پیدا ہوا (یعنی بچہ شوہر کی اولاد متصور ہوگا)

اور جس پر حرام کاری ثابت ہو اس کی سزا رجم (سنگساری) ہے۔ زناکار کے لیے پتھر اور ان کا حساب اللہ کے ذمے۔

دیکھو! کسی عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر کا مال اس کی اجازت کے بغیر

Marfat.com

کسی کو دے۔

خبردار! جس نے خود کو اپنے باپ کے علاوہ کسی اور سے منسوب کیا، یا کسی غلام نے جان بوجھ کر اپنے آقا کے سوا کسی اور آقا سے نسبت قائم کی تو اس پر اللہ کی، اس کے فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہوگی اور قیامت کے روز اس سے کوئی بدلہ یا معاوضہ قبول نہیں کیا جائے گا۔

اور ہاں، غلام تمہارے غلام، ان سے حسن سلوک کرو۔

جو تم کھاتے ہو انہیں بھی وہی کھلاؤ۔

جو تم پہنتے ہو انہیں بھی وہی پہناؤ۔

اگر وہ کوئی ایسی خطا کریں جسے تم معاف نہیں کر سکتے تو انہیں فروخت کر دو۔

انہیں بھیانک سزا نہ دو۔

اور ان کے بارے میں بھی تمہیں حسن سلوک کی وصیت کرتا ہوں جو لونڈیاں تمہارے زیر تصرف ہیں۔ پس ان کو وہی کچھ کھلاؤ اور پہناؤ جو تم خود کھاتے اور پہنتے ہو۔

لوگو! بے شک مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے لڑوں یہاں تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کے قائل ہو جائیں، اور جب وہ اس کلمے کا اقرار کر لیں تو گویا انہوں نے اپنی جانوں اور مالوں کو بچا لیا اور باقی حساب اللہ کے ذمہ ہے۔

اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اور نہ کسی کی ناحق جان لو یعنی اسے قتل نہ کرو، نہ زنا کرو اور نہ ہی چوری کرو۔

لوگو! اچھی طرح سمجھ لو کہ میرے بعد نہ کوئی پیغمبر آنے والا ہے اور نہ تمہارے بعد کوئی امت ہوگی، لہٰذا اپنے رب کی عبادت میں لگے رہو۔ پانچ وقت نماز پڑھتے رہو، اور رمضان کے روزے رکھتے رہو، خوش دلی اور رغبت سے اپنے اموال کی زکوٰۃ ادا کرتے رہو، اور اپنے رب کے گھر کا حج کرتے رہو، اور اپنے حکمرانوں کی اطاعت کرتے رہو تا کہ اپنے رب کی جنت میں داخل ہو سکو۔

اپنے خطاب کے دوران رسول اللہ ﷺ نے مسیح الدجال کا ذکر فرمایا۔ پھر ذکر میں کافی طول پکڑا۔ پھر دجال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے اپنی امت کو دجال سے نہ ڈرایا ہو، بس میں بھی تمہیں اس سے ڈراتا ہوں۔ اور کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے اپنی قوم کو اس سے

Marfat.com

نہ ڈرایا ہو۔

بے شک میری سب سے افضل دعا بلکہ تمام انبیاء ماقبل کی بھی یہی دعا ہے **لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد، بیدہ الخیر یحیی ویمیت وھو علیٰ کل شئی قدیر.**

اللہ سے ڈرو! ترازو سیدھی رکھ کر تولا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں ناپ تول میں کم نہ دیا کرو، اور ملک میں فساد نہ برپا کرتے پھرو۔

خبردار! دین میں غلو (مبالغہ آمیزی اور انتہا پسندی) سے بچو، اس لیے کہ تم سے پہلی قومیں جو تھیں وہ دین میں غلو کی وجہ سے ہلاک کر دی گئیں۔

لوگو! دیکھو، شیطان اس بات سے تو بے شک بالکل مایوس ہو چکا ہے کہ تمہاری اس سرزمین پر کبھی اس کی پرستش کی جائے گی، مگر چوکنا رہو، وہ اس بات پر بھی راضی ہو گا کہ اس پرستش کے سوا چھوٹی چھوٹی باتوں میں اس کے اشاروں کی تعمیل کی جائے۔ پس اپنے دین وایمان کی حفاظت کی خاطر اس سے بچے رہنا۔

لوگو! اللہ نے میراث میں ہر وارث کا حصہ مقرر کر دیا ہے، اس لیے وارث کے لیے وصیت کرنا جائز نہیں۔ کسی کو ایک تہائی سے زائد وصیت کرنے کا حق نہیں ہے۔

راوی کہتا ہے کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے ہمیں صدقے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

صدقہ دیا کرو، اس لیے میں نہیں جانتا مگر شاید تم آج کے بعد مجھے پھر نہ دیکھ سکو، اللہ کے نام کی جھوٹی قسمیں نہ کھایا کرو کیونکہ جو اللہ کے نام پر جھوٹی قسم کھائے گا اللہ اس کا جھوٹ ظاہر کر دے گا۔

لوگو! علم میں سے جو کچھ حاصل کر سکتے ہو، حاصل کر لو اس سے پہلے کہ وہ سمیٹ لیا جائے اور قبل اس کے کہ علم کو اٹھا لیا جائے۔

خبردار! علم کے اٹھائے جانے کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ اس کے جاننے والے (علماء) ختم ہو جائیں۔ آپ نے یہ بات تین مرتبہ فرمائی۔

دیکھو! تین باتیں ایسی ہیں جن میں مومن کا دل کینے کا شکار نہیں ہوتا یعنی عمل میں اخلاص کہ صرف اللہ کے لیے ہو:

مسلمان حاکموں کی خیر خواہی

عام مسلمانوں کی جماعت سے وابستگی میں کیوں کہ ان مسلمانوں کی دعائیں اس پر

Marfat.com

سایہ فگن رہتی ہیں۔
اللہ نے کوئی ایسی بیماری پیدا نہیں کی جس کی دوا بھی نہ اتاری ہو سوائے بڑھاپا کے۔
لوگو! میری بات سمجھو کیونکہ میں نے سب کچھ تم تک پہنچا دیا ہے۔
اور میں تمہارے درمیان دو ایسی چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر تم ان کو تھامے رہے تو پھر کبھی بھی گمراہ نہ ہوگے۔ وہ ہیں اللہ کی کتاب اور میری سنت۔
لوگو! سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تمہارے اوپر کوئی نک کٹا حبشی غلام امیر بنا دیا جائے جو تمہارے درمیان کتاب اللہ کے احکام کو نافذ کرے۔
جان لو! ہر نبی کی دعوت گزر چکی ہے سوائے میری دعوت کے کہ وہ ہمیشہ کے لیے ہے میں نے اس کو اپنے پروردگار کے پاس قیامت تک کے لیے جمع کر دیا ہے۔
سن لو! میں حوض کوثر پر تم لوگوں سے پہلے پہنچوں گا اور دوسری امتوں پر تمہاری کثرت کے سبب فخر کروں گا تو کہیں (اپنی بداعمالیوں کے باعث) میری رسوائی کا باعث نہ بن جانا۔
سنو! بعض لوگوں کو میں شفاعت کر کے چھڑا لوں گا مگر بعض لوگ مجھ سے چھڑا لیے جائیں گے۔ پھر میں کہوں گا: اے میرے رب! یہ تو میرے اصحاب (امتی) ہیں اللہ فرمائے گا کہ آپ نہیں جانتے کہ ان لوگوں نے آپ کے بعد کیا کیا بدعتیں ایجاد کر لی تھیں۔
خبردار! میرے بعد کہیں کافر نہ بن جانا کہ آپس میں ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔ تم جب اپنے رب سے ملو گے تو اللہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں ضرور باز پرس کرے گا۔
پس جو دنیا میں رہتے ہوئے ہمہ وقت آخرت کو ہی اپنے پیش نظر رکھے اللہ تعالیٰ اسے دل جمعی عطا فرمائے گا اور اسے اس کی آنکھوں کے سامنے دنیا میں ہی بے نیازی اور تونگری عطا فرمائے گا اور دنیا اس کے قدموں میں سرنگوں اور ناک رگڑتی خود آئے گی، لیکن جو دنیا ہی کو اپنا محبوب و مقصود قرار دے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے معاملات کو منتشر اور پراگندہ کر دے گا اور وہ آدمی دنیا میں ہی اپنی آنکھوں کے سامنے افلاس و تنگ دستی دیکھ لے گا اور دنیا میں سے تو اتنا ہی حصہ ملے گا جتنا کہ اس کے لیے مقدر میں لکھا جا چکا ہے۔

Marfat.com

دیکھو! اب تم نے مجھ کو جی بھر کر دیکھ بھی لیا اور مجھ سے ان تمام باتوں کو سن بھی لیا ہے۔ تم سے عنقریب میرے بارے میں پوچھا جائے گا۔ پس جس نے بھی مجھ پر جھوٹ باندھا تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

دیکھو! جو یہاں موجود ہیں وہ غیر حاضر لوگوں تک میری یہ باتیں پہنچا دیں۔ شاید کہ بعض ایسے ہوں جن تک یہ باتیں پہنچیں اور وہ یہاں موجود بعض سننے والوں سے زیادہ یادرکھنے والے اور فقیہ ہوں۔

سن لو! تم میں سے جو یہاں قریب ہیں ان کے لیے ضروری ہے کہ اپنے دور والوں اور بعد میں آنے والوں تک یہ تمام باتیں پہنچا دیں۔

پھر فرمایا: اے اللہ! دیکھ لے میں نے تیرا پیغام بھرپور طریقے سے پہنچا دیا ہے یا نہیں؟

پھر لوگوں سے فرمایا: ''کیا میں نے اللہ کا پیغام تم تک اچھی طرح نہیں پہنچا دیا؟''

سنو! کیا میں نے تبلیغ کا حق ادا نہیں کر دیا؟

دیکھو! کیا میں نے تعلیم و تلقین دین کی انتہاء نہیں کر دی؟

سب حاضرین نے بیک آواز کہا:

بے شک! بے شک! تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اے اللہ! گواہ رہنا (تیرے بندے کیسا صاف اقرار کر رہے ہیں) اے اللہ! گواہ رہنا یہاں موجود لوگ کیا کہہ رہے ہیں) اے اللہ گواہ رہنا۔

پھر آپ نے فرمایا: ''تم لوگوں سے (قیامت کے روز) میرے بارے میں پوچھا جائے گا تو تم لوگ کیا کہو گے؟''

سب نے کہا: ''ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ نے امانت الٰہی ہم تک بطریق احسن پہنچا دی اور حق رسالت ادا کر دیا اور امت کو نصیحت کرنے کی انتہا کر دی۔''

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی انگشت شہادت کو آسمان کی طرف اٹھایا اور پھر اسے لوگوں کی طرف جھکایا اور فرمایا:

''اے اللہ! گواہ رہنا، اے اللہ گواہ رہنا، اے اللہ گواہ رہنا

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ خطبہ جب ارشاد فرمایا تو اس خطبہ کے ہر جملہ کے بعد توقف

Marfat.com

فرماتے اور اسی لمحے ربیعہ بن امیہ بن خلف رضی اللہ عنہ انہی الفاظ کا اعادہ آواز بلند فرماتے۔

اس خطبہ میں 48 مرکزی دفعات ہیں اور دیباچہ اور اختتامیہ کے درمیان ذیلی دفعات 71 ہیں۔ یہ خطبہ ایک بہت بڑی دستاویز ہے جس کے مقابلہ میں میگنا کارٹا (Magna Carta)، اعلان حقوق انسانی و باشندگانِ فرانس اور نوشتہ حقوق امریکہ وغیرہ کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ آپ کے اس خطبہ میں صرف حقوق انسانی ہی کا بیان نہیں بلکہ حقوق اسلام اور زندگی کے دوسرے شعبوں کا بھی بیان ہے۔

یہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات تھی جنہوں نے دنیا میں پہلی بار انسانی حقوق کا اعلان فرمایا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ہماری کتاب ''پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بنیادی انسانی حقوق'')

مغرب جو آج پوری دنیا کا اس بارے میں نمبردار بنا ہوا ہے، اس نے تو کئی سو سال بعد لوگوں کے حقوق کو تسلیم کیا، اور بقول سید مودودی ''سترھویں صدی سے پہلے اہل مغرب میں حقوق انسانی اور حقوق شہریت کا کوئی تصور موجود نہ تھا۔ سترھویں صدی کے بعد بھی ایک مدت دراز تک فلسفیوں اور قانونی افکار پیش کرنے والوں نے تو ضرور اس خیال کو پیش کیا تھا لیکن عملاً اس تصور کا ثبوت اٹھارہویں صدی کے آخر میں امریکہ اور فرانس کے دستوری اعلانات ہی میں ملتا ہے۔ اس کے بعد مختلف ملکوں کے دستوروں میں بنیادی حقوق کا ذکر ضرور کیا گیا ہے مگر اکثر و بیشتر حالات میں یہی صورت پائی گئی ہے کہ جو حقوق کاغذ پر دیئے گئے ہیں وہ زمین پر نہیں دیئے گئے۔

(اسلام میں انسانی حقوق، اردو ڈائجسٹ، لاہور ۱۲ دسمبر ۱۹۷۵ء)

کہا جاتا ہے کہ یونان کے فلسفیوں نے قانون کی حکمرانی اور عدل و انصاف پر بہت زور دیا ہے اور اس کی ضرورت و اہمیت پر بڑی فاضلانہ کتابیں لکھی ہیں لیکن مساوات انسانی کے بارے میں ان کے ہاں کوئی تصور نہیں ملتا۔ وہ بھی ہندوستان کی طرح انسانوں کو مختلف طبقات میں تقسیم کرتے ہیں۔ افلاطون عدل کے معاملہ میں مساوات کا قائل نہیں تھا۔ وہ ہر طبقہ کے لیے علیحدہ قانون کا حامی ہے۔ ارسطو کو بھی مساوات کے تصور سے بڑی وحشت ہے اور وہ بھی طبقاتی معاشرہ کا علم بردار ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں غلام تھے۔ پھر آہستہ آہستہ ختم ہو گئے آج دنیا میں کہیں غلام کا وجود نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس زمانہ میں غلاموں کے حقوق اور ان کے معاشرتی مقام کا پورا پورا تحفظ فرمایا۔ آپ نے امت کو فرمایا کہ تمہارے اور تمہارے غلاموں

Marfat.com

کے معیار زندگی میں کوئی فرق نہیں ہونا چاہیے۔ آپ نے فرمایا: "اخوانکم خولکم" تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں۔ یہ بھی تمہاری طرح انسان ہیں۔ ان کی بھی تمہاری طرح ضروریات زندگی ہیں، اس پر اللہ کا شکر ادا کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں نہیں بلکہ انہیں "جعلهم الله تحت ایدیکم" اللہ تعالیٰ نے تمہارے قدموں کے نیچے رکھا ہے، اس لیے جو تم کھاتے ہو وہی انہیں کھلاؤ، جو تم پہنتے ہو وہی انہیں پہناؤ اور ان سے ان کی طاقت سے زیادہ کام نہ لو۔ اگر کوئی کام ان کی طاقت اور ہمت سے زیادہ ہے فاعینوهم (بخاری، رقم: ۲۹) تو اس کام میں ان کی مدد کرو یعنی خود ساتھ مل کر وہ کام کرو۔ سیدنا ابو مسعود رضی اللہ عنہ ایک انصاری صحابی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ اپنے ایک غلام کی چھڑی سے پٹائی کر رہا تھا کہ مجھے پیچھے سے آواز آئی: ابو مسعود! جتنی قدرت تم اس غلام پر رکھتے ہو اس سے کہیں زیادہ قدرت والا تمہارے اوپر بھی موجود ہے۔ تم نے اپنے آپ کو اس کا مالک سمجھ کر اس کی پٹائی کی ہے۔ دیکھ لو تمہارا بھی کوئی مالک ہے۔ فرماتے ہیں: میں نے جو پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ میں نے عرض کی: "یا رسول اللہ! میں نے اللہ کی خاطر اسے آزاد کر دیا" فرمایا: "اگر تم اسے آزاد نہ کرتے تو جہنم کی آگ تمہیں لپیٹ میں لے لیتی۔" (مسلم، رقم: ۳۱۳۵۔۳۱۳۶)

اس خطبہ کو بغور پڑھیں تو معلوم ہوگا کہ اس میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو بین الانسانی اور بین الاقوامی منشور پیش فرمایا ہے، انسانی کاوشیں اس سے آگے آج تک کچھ نہیں سوچ سکیں۔ اس منشور سے ہٹ کر زندگی کا جو نقشہ بھی بنایا جائے گا وہ سراسر غیر اسلامی بلکہ غیر انسانی ہوگا۔ اس منشور کی روشنی میں ہم آج غیر اسلامی تمدنوں کی حقیقت کا عکس دیکھ سکتے ہیں۔

جب آپ اس خطبہ سے فارغ ہوئے تو آپ اپنی ناقہ قصواء سے اتر کر زمین پر فروکش ہوئے۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے ظہر کی اذان دی۔ ظہر اور عصر دونوں نمازیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ہی وقت میں ادا فرمائیں۔ بعد ازاں حمد و ثناء اور دعا و استغفار میں مشغول ہو گئے۔ اسی اثناء میں اللہ جل شانہ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی:

﴿الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی رضیت لکم الاسلام دینا﴾

"آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بحیثیت دین پسند کر لیا۔"

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جب یہ آیت سنی تو رونے لگے، رونے کی وجہ دریافت کی

Marfat.com

گئی تو فرمایا کہ اب پیغمبر اسلام ﷺ کے انتقال کا وقت قریب ہے کیونکہ کمال کے بعد زوال ہی ہوتا ہے۔ جس مقصد کی تکمیل کے لیے آپ تشریف لائے تھے جب وہ مکمل ہو گیا تو اب اس دنیا میں ان کا ٹھہرنا چند روز ہی ہے۔

اس کے بعد آپ اپنی ناقہ پر جائے وقوف پر تشریف لے گئے اور اپنی اونٹنی قصواء کا شکم چٹانوں کی طرف کیا اور قبلہ رخ مسلسل اسی حالت میں وقوف فرمایا یہاں تک کہ آفتاب حجلہ مغرب میں چھپ گیا۔ غروب آفتاب کے بعد آپ نے سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو قصواء پر اپنے پیچھے بٹھایا اور مزدلفہ کے لیے روانہ ہوئے۔ مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک اذان اور اقامت سے اکٹھی پڑھیں۔ اس کے بعد نماز فجر ادا کی۔ اس کے بعد قصواء پر سوار ہو کر مشعر حرام تشریف لائے اور قبلہ رخ ہو کر تکبیر و تہلیل کے کلمات کہے اور اللہ تعالیٰ سے اتنی دیر تک دعا کی کہ خوب اجالا ہو گیا۔ بعد ازاں طلوع آفتاب سے پہلے پہلے منیٰ کے لیے روانہ ہو گئے۔ مزدلفہ سے سیدنا فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کو اپنے پیچھے سوار کیا اور جمرہ کبریٰ یا جمرہ اولیٰ پر تشریف لائے اور اسے سات کنکریاں ماریں۔ اس کے بعد قربان گاہ تشریف لے گئے اور اپنی عمر کے بقدر تریسٹھ اونٹ خود اپنے دست مبارک سے قربان کیے اور 37 اونٹ آپ کی طرف سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے قربان کیے اس طرح ایک سو اونٹ کی تعداد پوری ہو گئی۔ اس کے بعد ہر اونٹ کے گوشت کا ایک ایک ٹکڑا کاٹ کر ایک ہنڈیا میں پکایا گیا اور آپ نے اس کا گوشت تناول فرمایا اور اس کا شوربا پیا، پھر حلق کروایا اور اپنے موئے مبارک کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تقسیم فرما دیا تاکہ صحابہ انہیں تبرک کے طور پر اپنے پاس رکھیں۔

بعد ازاں آپ ناقہ پر سوار ہو کر مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور بیت اللہ کا طواف فرمایا جسے طواف زیارت کہتے ہیں۔ طواف کے بعد نماز ظہر مکہ ہی میں ادا فرمائی۔ پھر چاہ زمزم پر بنو عبدالمطلب کے پاس تشریف لے گئے وہ حاجیوں کو پانی پلا رہے تھے۔ بنو عبدالمطلب نے آپ کو ایک ڈول پانی دیا آپ نے اس کو سیر ہو کر پیا۔ پھر آپ واپس منیٰ تشریف لے گئے۔

منیٰ میں بھی آپ نے عرفات کے خطبہ پر مشتمل مضامین کا ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ خطبہ کے وقت آپ خچر پر سوار تھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیٹھے اور کچھ کھڑے تھے۔

(ملاحظہ ہو بخاری: ۱/۲۳۴، باب الخطبہ ایام منیٰ)

اس کے بعد ایام تشریق 13,12,11 ذی الحجہ میں منیٰ میں ہی قیام فرمایا۔ جمرات کو کنکریاں بھی ماریں اور لوگوں کو شریعت کے احکام بھی سکھائے۔ اللہ کا ذکر بھی فرمایا اور لوگوں کے

Marfat.com

سوالات کے جوابات بھی فرمائے، پھر 13 ذی الحجہ کو منیٰ سے کوچ فرمایا۔
چونکہ اس حج کے بعد آپ کو حج کرنے کی نوبت نہیں آئی، اور منیٰ اور عرفات کے خطبات میں اشارہ بھی فرما دیا تھا کہ غالباً آئندہ سال تم سے ملنا نہ ہوگا۔ اس وجہ سے اس حج کو ''حجۃ الوداع'' کہتے ہیں کہ آپ اپنی امت سے رخصت ہوئے۔
(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو بخاری، جلد۱، کتاب المناسک: ۲/۶۳۱، مسلم، باب حجۃ النبی، فتح الباری: ۸/۱۰۳، ۱۱۰، ابن ہشام: ۲/۶۰۱۔۶۰۵، زاد المعاد: ۱/۲۱۸، ۲۴۰، عیون الاثر: ۲/۳۵۹)

خطبہ غدیر خم:

13 ذی الحجہ کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منیٰ سے روانہ ہوئے اور وادی ابطح کے خیف بنی کنانہ میں فروکش ہوئے۔ دن کا باقی ماندہ حصہ اور رات آپ نے وہیں گزاری اور ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں وہیں ادا کیں۔ البتہ عشاء کے بعد تھوڑا سا سو کر اٹھے۔ پھر سوار ہو کر بیت اللہ تشریف آئے اور طواف وداع فرمایا۔ غرضیکہ تمام مناسک حج سے فراغت کے بعد آپ نے سواری کی مہار مدینہ طیبہ کی طرف کی تاکہ وہاں پہنچ کر اللہ کی راہ میں ایک نئی جدوجہد کا آغاز کریں۔ آپ کے اصحاب کا قریباً ڈیڑھ لاکھ کا ہجوم واپسی پر بھی آپ کے ساتھ تھا جو فضا میں تکبیر و تہلیل کے موتی بکھیر رہا تھا اور آپ انہیں دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہے تھے۔
واپسی پر راستہ میں غدیر خم کے مقام پر سیدنا اسلمی رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کی شکایت بارگاہِ نبوت میں کی۔ (بخاری: ۲/۶۲۳) اور یہ شکایت صرف بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ ہی نے نہیں کی تھی بلکہ اور بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی یہ شکایت کرنے میں ان کے ہم نوا تھے جیسا کہ ترمذی کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے۔ (ترمذی: ۱/۲۱۲)
شکایت کیا تھی جو لوگوں نے بارگاہِ نبوت میں کی، اس کے بارے میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں روایت کیا ہے۔ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو لشکر روانہ فرمائے۔ ایک لشکر پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمایا اور دوسرے لشکر پر سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو، اور فرمایا کہ جنگ کے وقت علی رضی اللہ عنہ امیر ہوں گے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایک قلعہ فتح فرمایا اور اس قلعہ سے ایک باندی لے لی یعنی اس سے ہم بستری کی۔
یہ واقعہ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے لکھ کر میرے ہاتھ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک خط کی صورت میں بھیجا۔ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور

Marfat.com

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کا وہ خط پیش کیا۔ آپ ﷺ نے جب وہ خط پڑھا تو آپ کے چہرے کی رنگت بدل گئی اور ارشاد فرمایا:

''تو اس شخص کے بارے میں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہو اور اللہ اور اس کا رسول ﷺ اس سے محبت کرتا ہو، مجھ سے کیا چاہتا ہے؟''

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ ''میں اللہ کے غضب اور اس کے رسول کے غضب سے پناہ چاہتا ہوں۔ میں تو صرف قاصد ہوں'' یعنی یہ خط لے کر آیا ہوں، اس پر آپ نے خاموشی اختیار فرمائی۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ ہم اس کی ایک سند کے علاوہ کسی اور سند سے آشنا نہیں۔ (ترمذی: ۲/۲۱۳)

اسی طرح ایک اور حدیث امام ترمذی نے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے جس میں منقول ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کچھ اعتراضات کیے۔ آپ نے ان لوگوں سے فرمایا: ''تم علی رضی اللہ عنہ سے کیا چاہتے ہو؟ علی رضی اللہ عنہ مجھ سے ہے اور میں علی رضی اللہ عنہ سے ہوں اور میرے بعد علی رضی اللہ عنہ ہر مومن کے دل میں ہے۔''

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے اور اسے جعفر بن سلیمان کے علاوہ کوئی روایت نہیں کرتا۔ (ترمذی: ۲/۲۱۲)

یہ جعفر بن سلیمان کون ہیں؟ اس کے لیے ملاحظہ ہو میزان الاعتدال: ۱/۴۰۸

اس سلسلہ میں جو سب سے مشہور حدیث بیان کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غدیر خم کے خطبہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا بازو پکڑ کر فرمایا تھا۔

((من كنت مولاه فعلي مولاه))

''جس کا میں مولیٰ ہوں علی رضی اللہ عنہ بھی اس کا مولیٰ ہے۔'' (ترمذی: ۲/۲۱۲)

یہ حدیث محدثین کے نزدیک مضطرب ہے اور مضطرب حدیث شدید قسم کی ضعیف اور ناقابل قبول ہوتی ہے خواہ اس کی سند کتنی ہی اعلیٰ کیوں نہ ہو۔

دوسرے اس حدیث کا ایک راوی میمون ابو عبداللہ ہے۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ اس کی روایات منکر ہوتی ہیں۔ امام یحییٰ بن معین کا قول ہے کہ یہ شخص لاشی ہے۔ بعض حضرات کا دعویٰ ہے کہ یہ شخص ایک رذیل انسان تھا۔

اس مضمون کی ایک روایت سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں مروی ہے کہ

Marfat.com

''رسول اللہ ﷺ نے حج فرمایا اس میں ہم شریک تھے۔ آپ نے راستہ میں قیام فرمایا اور لوگوں کو جمع ہونے کا حکم دیا۔ جب تمام لوگ اکٹھے ہو گئے تو آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: کیا میں تمام مسلمانوں کا ان کی جانوں سے زیادہ حق دار نہیں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: کیوں نہیں۔ آپ نے فرمایا: پھر یہ علی رضی اللہ عنہ بھی حق دار ہیں۔ جس کا میں مولا ہوں علی رضی اللہ عنہ بھی ان کا مولیٰ ہے۔ اے اللہ! جو علی رضی اللہ عنہ کو دوست رکھے تو بھی اسے دوست رکھ اور جو علی رضی اللہ عنہ سے عداوت رکھے تو بھی اس سے عداوت رکھ۔'' (ابن ماجہ: ص۱۲)

اس حدیث کے راوی بھی ایسے ہیں جن پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

(ملاحظہ ہو انجاز الحاجہ شرح سنن ابن ماجہ: ۱/ ۴۹۸۔۴۹۹)

پھر اس حدیث سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت ثابت نہیں ہوتی جس کو بعض حضرات ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ مولیٰ کے اگرچہ کئی معنی ہیں۔ لغت کی سب سے بڑی کتاب تاج العروس نے لفظ مولیٰ کے کئی معنی لکھے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ''مولیٰ'' کے یہ معنی لکھے ہیں:

المولیٰ، المالک، العبد، المعتیق، المعتق، الصاحب، القریب، الجار، الحلیف، ابن العم، النزیل، الشریک، ابن الاخت، الولی، الرب، الناصر، المنعم، المحب، التابع، الصھر (محمد مرتضیٰ الزبیدی، تاج العروس: ۱۰/ ۳۹۸۹)

ان سب معنوں میں ایک بھی معنی خلیفہ نہیں ہے۔ لہٰذا اس حدیث کو اگر صحیح بھی مان لیا جائے تو اس سے خلافت علی پر استدلال کرنا بے محل ہے۔ خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی خلافت پر کبھی استدلال نہ کیا۔ یہاں مولیٰ کے معنی محبت کرنے والا، دوست، مدد کرنے والا کے ہیں نہ کہ خلیفہ کے۔ علاوہ ازیں علماء نے لکھا ہے کہ جب کسی لفظ کے متعدد معنی ہوں تو ان میں سے ایک معنی کی تعیین و تخصیص کے لیے دلیل کی ضرورت ہے۔ بغیر دلیل کے کسی ایک معنی کی تخصیص جائز اور درست نہیں۔ لیکن اس کے معنی خلیفہ کے کبھی نہیں آئے۔ جس سے یہ ثابت ہو کہ نبی اکرم ﷺ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو غدیر خم کے خطبہ میں خلیفہ نہیں بنا رہے تھے بلکہ اس سے مقصود صرف سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی محبت کا وجوب بیان کرنا تھا، امامت و خلافت بیان کرنا نہیں تھا۔ ہر صاحب عقل و فہم بخوبی سمجھتا ہے کہ محبت و خلافت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ محبت و خلافت میں تلازم نہیں کہ جس سے محبت ہو وہ خلیفہ بلا فصل بھی ہو۔ اس حدیث پر مفصل بحث ہم

Marfat.com

نے اپنی کتاب ''سیدنا علی رضی اللہ عنہ...... شخصیت اور کردار'' میں کی ہے۔ اہل علم وہاں ملاحظہ فرمالیں۔
تکمیل مناسک حج کے بعد یہ لاکھوں زائرین واپس اپنے اپنے گھروں کی طرف لوٹنا شروع ہوئے۔ اہل حضرموت اور یمن نے اپنے وطن کی راہ لی۔ نجد کے باسی اپنے علاقہ کی طرف گامزن ہوئے اور سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رفقاء کے ساتھ مدینہ کی طرف مراجعت فرما ہوئے۔ چنانچہ آپ ذی الحجہ کے اخیر میں مدینہ منورہ پہنچے۔ یہاں پہنچ کر محسوس ہوا کہ اب جزیرہ نما عرب کے مسلمانوں کے لیے کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں۔ تاہم عرب کے نواحی ممالک روم و ایران اور شام و مصر کی طرف سے ریشہ دوانیوں کے خطرہ کو فراست نبوی محسوس کر رہی تھی۔

جیش اسامہ:

رومن امپائر (Roman Empire) اپنے آپ کو دنیا کی سپر پاور سمجھتی تھی اور کسی لحاظ سے وہ سپر پاور تھی بھی، وہ اسلامی سلطنت کو اپنے لیے برابر خطرہ سمجھ رہی تھی۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اس حکومت کی ان کارروائیوں سے ہر وقت و غدغہ لگا رہتا تھا کہ ہوسکتا ہے کہ وہ کسی وقت اسلامی ریاست کے خلاف سر اٹھالیں، چنانچہ آپ اس خطرہ کی پیش بندی فرمانا چاہتے تھے۔ حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شام پر چڑھائی کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ فوج جمع کرنے کا حکم جاری فرمایا، جس میں مہاجرین اولین بھی تھے۔ ان میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جیسے سربرآوردہ بطور سپاہی شامل تھے چنانچہ 26 صفر سنہ 11ھ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رومیوں کے مقابلہ کے لیے مقام ابنی کی جانب لشکر کشی کا حکم فرمایا۔ یہ وہ مقام تھا جہاں جنگ موتہ واقع ہوئی اور جس میں سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ جیسے بہادر جرنیل شہید ہوئے تھے۔ آپ نے اس لشکر کا امیر سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا حالانکہ وہ بالکل نوجوان تھے اور ان کی عمر ابھی پچیس سال سے متجاوز نہ ہوئی تھی اور ان کی ماتحتی میں بڑے بڑے سربرآوردہ مہاجرین تھے، جنہوں نے زمانہ کے نشیب و فراز کو نہایت گہری نگاہ سے دیکھا تھا۔
اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ستودہ صفات پر مسلمانوں کا دل کی اتھاہ گہرائیوں سے ایمان نہ ہوتا تو ''السابقون الاولون'' اور ممتاز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اسامہ جیسے نوخیز اور نو عمر کی سیادت کیونکر گوارہ ہوسکتی تھی؟ سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کے تقرر میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک دو امور محرک تھے:

Marfat.com

① اسامہ رضی اللہ عنہ کو ان کے والد سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا نائب بنانا تھا جو اسی مقام پر انہی عیسائیوں کے ہاتھوں جنگ موتہ میں شہید ہوئے تھے تاکہ ایک تو وہ اپنے باپ کی شہادت کا بدلہ لے سکیں اور دوسرے ان کو اپنے والد کی شہادت کے صلہ میں نصرت و فتح کا شرف حاصل ہو۔

② اسلامی ریاست کی مہمات پر نوجوانوں کو متعین کر کے انہیں مصائب و آلام کے برداشت کرنے اور خطرات کا مقابلہ کرنے کا خوگر بنایا جائے۔

روایات میں ہے کہ کچھ لوگوں نے سپہ سالار کی نوعمری کے بارے میں کچھ تاثرات بیان کیے جن سے تنقید کا پہلو نکلتا تھا، اس پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم لوگ اسامہ رضی اللہ عنہ کی سپہ سالاری پر طعنہ زنی اور تنقید کر رہے ہو تو اس سے قبل ان کے والد زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ پر بھی یہی ریمارکس دے چکے ہو حالانکہ وہ سپہ سالاری کے اہل تھے اور میرے نزدیک محبوب ترین لوگوں میں سے تھے اور اسامہ رضی اللہ عنہ بھی ان کے بعد میرے نزدیک محبوب ترین لوگوں میں سے ہیں۔ (بخاری: ۲/۶۱۲)

خلاصہ یہ کہ سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو اس لشکر کا سپہ سالار بنا کر روانہ فرمایا۔ بدھ سے آپ کی علالت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جمعرات کے روز باوجود علالت کے آپ نے خود اپنے دست مبارک سے علم بنا کر اسامہ رضی اللہ عنہ کو دیا اور فرمایا کہ فوج کو پیاپے ارض فلسطین کے اس نقطہ پر لے جائیں جہاں بلقاء اور روم کی حدیں ملتی ہیں۔ وہاں جا کر مورچہ بندی کیجیے اور اس مقام کے قریب جہاں دشمنوں نے ان کے والد کو قتل کیا تھا اور یہ کہ خدا کے ان دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو صبح کی تاریکی میں گھیر لیا جائے اور اس انداز سے حملہ کریں جس سے دشمن کو کانوں کان خبر نہ ہو اور یہ کہ فتح یاب ہونے کے بعد نصرت اور غنیمت کی خوشخبری کے ساتھ جلد مدینہ واپس لوٹا جائے۔

سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ علم لے کر باہر تشریف لائے اور اسے سیدنا بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا اور فوج کو مقام جرف پر جمع کیا اور تمام جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جلد وہاں آ کر لشکر میں شامل ہو گئے۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیمارداری کی وجہ سے مدینہ واپس آ گئے اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اسامہ رضی اللہ عنہ سے اجازت لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے آتے تھے۔ جس لشکر کی روانگی کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی شدومد اور تاکید کے ساتھ دیا ہو، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت کی وجہ سے تعویق اور تاخیر کیوں گوارا کر لی گئی، یہ

Marfat.com

سوال بعض ذہنوں میں کھٹکتا ہے۔

اصل بات یہ تھی کہ شام کا سفر طویل تھا جس میں دشوار گزار صحراؤں کو عبور کرنا ناگزیر تھا اور قدم قدم پر مختلف خطرات کا پیش آنا ظاہر تھا۔ دوسری طرف سرکار دو عالم ﷺ کی شدید علالت کے باعث مسلمانوں کے لیے آسان نہ تھا کہ وہ ایسی حالت میں مدینہ کو چھوڑ دیں، کیونکہ آپ کی ذات ایک ایسی گرانمایہ ہستی تھی جو ہر مسلمان کے نزدیک اپنی جان سے زیادہ عزیز تھی۔

اس سے قبل بھی دو تین دفعہ آپ کی طبیعت ناساز ہوئی۔ تیرہ سال تک آپ نے اہل مکہ کے مظالم برداشت کیے۔ ہجرت کے بعد کافروں نے ایک ایک سال میں کئی کئی مرتبہ جنگ کے شعلے بھڑکائے۔ غزوہ احد میں ایسے روح فرسا صدمات آپ کو برداشت کرنے پڑے کہ قلم کو تاب نگارش نہیں۔ پھر غزوہ حنین کی ہولناکی بھی ہر ایک کے علم میں تھی کہ تیروں کی بوچھاڑ نے مسلمانوں کو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ یہ منظر دیکھ کر ابوسفیان رضی اللہ عنہ جیسے آزمودہ کار، مدبر اور جنگ کے ماہر کو بھی یہ کہنا پڑا کہ ''ان کے طور طریقوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سمندر سے ادھر نہیں رک سکتے۔'' اس نازک اور ہولناک موقع پر سب نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے پائے ثبات واستقلال میں کوئی لغزش نہ آئی اور آپ میدان سے پیچھے ہٹنے کے بجائے آگے بڑھتے رہے۔

یہ سارے حوادث ہر مسلمان کی نگاہ میں تھے، لیکن کسی نے رسول اللہ ﷺ کی ہمت وثبات میں کوئی لغزش نہ دیکھی۔ نہ ان میں سے کسی حادثہ کی وجہ سے آپ پر کسی مرض کا اچانک حملہ ہوا۔ لیکن جب تمام شدائد ومصائب گزر جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ اچانک شدید علیل ہو گئے تو مسلمانوں کا ماتھا ٹھنکا اور اس بیماری پر آپ کے صحابہ کا اس حد تک متاثر ہونا ایک قدرتی امر تھا، چنانچہ لشکر کا مدینہ سے تین میل کی مسافت پر رک جانا اور روانگی میں تاخیر و تعویق ہو جانا ایک قدرتی بات تھی اور ان کی نگاہیں اس بات کی متلاشی تھیں کہ اب ذات کبریا کی طرف سے کیا ظہور میں آتا ہے۔

جمعرات کے روز جب مرض میں شدت پیدا ہو گئی اور آپ عشاء کی نماز کے لیے مسجد میں تشریف نہ لا سکے تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کا حکم ارشاد فرمایا۔ پیر کی صبح کو آپ ﷺ کو قدرے سکون ہوا اور صحابہ رضی اللہ عنہم یہ سمجھے کہ اب آپ کی طبیعت روبصحت ہے تو سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ نے روانگی کا ارادہ فرمایا وہ اسی تیاری میں تھے کہ سیدہ ام ایمن والدہ سیدنا

Marfat.com

اسامہ رضی اللہ عنہ نے پیغام بھجوایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حالت نزع میں ہیں۔ اس تشویشناک خبر نے پھر روک دیا اور کچھ دیر نہ گزری تھی کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہو گیا۔

یہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری سریہ تھا، لیکن اس کے بارے میں اللہ کا فیصلہ یہ تھا کہ یہ سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کی پہلی مہم اور پہلا لشکر ہو، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کا سن کر تمام اہل لشکر افتاں وخیزاں مدینہ واپس آئے۔ سیدنا بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ نے نشان لا کر حجرہ مبارکہ کے دروازے پر نصب کر دیا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جب خلیفہ ہوئے تو سب سے پہلا کام انہوں نے یہ کیا کہ جیش اسامہ رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا اور مقام جرف تک خود مشایعت کے لیے تشریف لے گئے۔ 40 روز کے بعد یہ لشکر مظفر ومنصور واپس لوٹا۔ معرکہ میں ہر مد مقابل کو لقمہ تیغ بنایا۔ سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ کے قاتل کو قتل کیا اور چلتے وقت مکانات وباغات کو نذر آتش کیا تاکہ دشمن مرعوب ہو۔ اس لشکر کا واپسی پر استقبال خود سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مدینہ سے باہر جا کر کیا۔ جب مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے تو مسجد نبوی میں شکرانے کی دو رکعت ادا فرمائیں۔ (زرقانی: ۳/ ۱۰۷، ابن سعد: ۲/ ۱۸۹، ۱۹۲، عیون الاثر: ۲/ ۳۶۹۔ ۳۷۰)

ہرقل شاہ روم پر اس حملہ کا بہت اثر ہوا اور وہ مسلمانوں کی عسکری قوت سے خاصا مرعوب ہو گیا۔ اس کے بعد اسے مسلمانوں سے ریشہ دوانی کی جرأت نہ ہوئی بلکہ بعد میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافتوں میں مسلمان سپہ سالاروں نے بازنطینی حکومت پر پے در پے حملے کر کے اسے نہ صرف کمزور کر دیا بلکہ ہرقل کو شام سے قسطنطنیہ بھاگنے پر مجبور کر دیا۔
(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو احقر کی کتاب ''ابوبکر الصدیق'')

Marfat.com

رفیق اعلیٰ کی طرف

حجۃ الوداع میں تکمیل دین کی جو بشارت دی گئی تھی، اس کے بعد آپ ﷺ کے جذبات واحساسات اور احوال وظروف بلکہ گفتار وکردار سے بھی یہی ظاہر ہونا شروع ہو گیا تھا کہ اب آپ اس دنیا کے باسیوں کو الوداع کہنے والے ہیں، چنانچہ حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد آپ نے سفر آخرت کی تیاری شروع کر دی اور رفیق اعلیٰ سے جلد از جلد ملنے کا جذبہ آپ میں شدت اختیار کرنے لگا۔ اگرچہ اس سے قبل بھی آپ نے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو فرمادیا تھا کہ "اے معاذ! غالباً تم مجھ سے اس سال کے بعد نہ مل سکو گے بلکہ غالباً اس مسجد اور میری قبر کے پاس سے گزرو گے۔" پھر حجۃ الوداع میں بھی اعلان فرما دیا کہ شاید اب اس کے بعد تم سے ملنا نہ ہو اور شاید پھر تمہارے ساتھ حج نہ کر سکوں۔ غدیر خم کے خطبہ میں بھی یہی فرمایا کہ شاید عنقریب میرے رب کا قاصد مجھے بلانے اور لینے کے لیے آ جائے۔ رمضان المبارک سنہ 10 ھ میں آپ ﷺ نے بیس روز اعتکاف فرمایا، حالانکہ اس سے قبل آپ ہر رمضان میں دس روز اعتکاف فرماتے تھے، پھر جبرئیل امین نے اس سال آپ کو دو مرتبہ قرآن حکیم کا دور کرایا جبکہ اس سے پیشتر آپ ہر سال ایک ہی مرتبہ دور کرتے تھے۔ آپ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اس بار دو دفعہ دور کرنے سے میں سمجھتا ہوں کہ میری اس دنیا سے روانگی کا وقت قریب آ گیا ہے۔ ان سب باتوں سے معلوم ہوتا تھا کہ اب سرکار دو عالم ﷺ اس عدم ہستی نما سے ہستی عدم نما کو انتقال فرمانے والے ہیں، چنانچہ حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد آپ تسبیح وتحمید اور توبہ و استغفار میں مشغول ہو گئے۔

اوائل صفر سنہ 11ھ ایک روز آپ دامن احد میں تشریف لے گئے۔ آٹھ سال کے بعد شہدائے احد پر نماز جنازہ پڑھی۔ پھر جنت البقیع تشریف لے گئے اور ان کے لیے دعائے خیر فرمائی اور دعا اس طرح فرمائی گویا زندوں اور مردوں سے رخصت ہو رہے ہیں، پھر واپس

Marfat.com

آ کر مسجد نبوی میں منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور فرمایا:

''میں تمہارا میر کارواں ہوں اور تم سے پہلے جا رہا ہوں۔ میرا تم سے حوض کوثر پر ملنے کا وعدہ ہے اور میں اس وقت حوض کوثر کو دیکھ رہا ہوں، اور مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئی ہیں اور بخدا! مجھے اپنے بعد اس بات کا اندیشہ نہیں کہ تم مجموعی طور پر سب کے سب شرک میں مبتلا ہو جاؤ گے، البتہ یہ اندیشہ ضرور ہے کہ تم دنیا طلبی میں باہم مقابلہ کرو گے اور باہم تنافس میں مبتلا ہو جاؤ گے اور آپس میں لڑو گے اور ہلاک ہو گے۔'' (بخاری:۲/۵۸۹۵، زرقانی: ۸/۲۵۱)

ماہ صفر کے آخری عشرہ میں ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نصف شب کو اٹھے، گرمی کا موسم تھا، آپ اپنے ایک غلام ابو مویہبہ رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر دولت کدہ سے باہر تشریف لائے۔ آپ گورستان بقیع تشریف لے گئے۔ قبرستان کے وسط میں کھڑے ہو کر اہل بقیع کے لیے دعائے مغفرت کی اور فرمایا:

''اے قبر والو! تم پر سلامتی ہو، لوگ جس حال میں ہیں اس کے مقابل تمہیں وہ حال مبارک ہو جس میں تم ہو یعنی جو بھی تمہاری حالت ہے اس پر خوش رہنے سے جی نہ چراؤ، یہ سب کے ساتھ یکساں ہے۔ دیکھو! فتنے اس طرح ایک کے بعد ایک چلے آ رہے ہیں جیسے اندھیری رات میں تاریکی کے پردے۔ یعنی ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا جن میں سے ہر دوسرا پردہ اپنے پہلے سے زیادہ خوفناک ہوتا ہے۔'' اس کے بعد اہلِ قبور کو خوشخبری دی کہ ''ہم بھی تم سے آ ملنے والے ہیں۔''

ابو مویہبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ گورستان بقیع کے باسیوں کے لیے دعائے مغفرت فرمانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے مجھے دنیا کے خزانے اور زندگانیٔ جاوید یا پھر اس کے مقابلہ میں جنت، کسی ایک بات کے پسند کرنے کا اختیار فرمایا۔ مگر میں نے اس دنیا کے خزانوں اور دائمی زندگی کے مقابلہ میں اپنے رب کی ملاقات اور جنت کو اختیار کیا ہے۔''

(ابن ہشام: ۲/۶۴۲، البدایہ والنہایہ: ۵/۲۲۴)

Marfat.com

گورستان بقیع میں وہاں کے باسیوں کے لیے دعا کرنے کے بعد آپ واپس گھر تشریف لائے تو دیکھا کہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا سر پکڑے درد سے کراہ رہی ہیں۔ بار بار سیدہ کی زبان سے ''ہائے میرا سر، ہائے میرا سر'' نکل رہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدہ رضی اللہ عنہا کو دیکھ کر فرمایا:

''عائشہ بلکہ میں کہتا ہوں کہ ہائے میرا سر۔''

پھر فرمایا:

''اور تو مجھ سے پہلے انتقال کر جائے تو تجھے کیا نقصان ہے؟ میں خود تمہاری تجہیز و تکفین کروں گا اور تم پر نماز جنازہ پڑھ کر تمہیں دفن کروں گا۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بولیں: ''آپ کی خواہش تو یہی ہے کہ جس طرح ہو سکے مجھے سپرد خاک کر دیں اور دولت کدہ پر تشریف لا کر میری باری میری کسی سوکن کو ہبہ فرما دیں۔''

سیدہ رضی اللہ عنہا کا جواب سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبسم فرمایا اور خاموش ہو گئے۔ بس اسی روز سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر میں درد نے شدت اختیار کر لی۔ کچھ دیر بعد قدرے افاقہ ہوا تو سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے۔ یہ غالباً 29 صفر سنہ 11ھ کا واقعہ ہے۔ یہ آپ کے مرض کا آغاز تھا اور 13 یا 14 روز آپ بیمار رہے۔

(زرقانی: ۲۵۶/۸، ابن ہشام: ۶۴۳/۲، البدایہ والنہایہ: ۲۲۴/۵)

شدت مرض ہی میں آپ باری باری ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ہاں تشریف لے جاتے رہے۔ جب مرض نے زیادہ شدت اختیار کر لی تو تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے اجازت لے کر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے یہاں تشریف لے آئے۔ پیر کے روز آپ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں منتقل ہوئے اور آٹھ روز کے بعد اگلے پیر کو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارکہ ہی میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ تیرہ یا چودہ دن کی علالت میں آٹھ روز کی تیمارداری کا شرف سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حصہ میں آیا۔ (زرقانی: ۲۵۵/۸)

روایات میں ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں منتقل ہوتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حالت یہ تھی کہ سیدنا فضل بن عباس رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا سہارا لے کر آپ چل رہے تھے، سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور پاؤں مبارک زمین پر گھسٹ رہے تھے۔ اس حالت میں آپ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں تشریف لائے اور پھر آخر تک یہیں

Marfat.com

رہے، بلکہ اپنی آخری آرام گاہ بھی اسی حجرہ مبارکہ کو بنایا۔

علالت کے دوران ہی آپ کو اسود عنسی، مسیلمہ کذاب اور طلحہ اسدی، مدعیان نبوت اور لوگوں کے مرتد ہونے کی خبر ملی۔ اسود عنسی کی سرزنش اور سرکوبی کے لیے انصار کی ایک جماعت روانہ فرمائی اور آپ کی رحلت مبارکہ سے ایک روز قبل اس مردود کو قتل کیا گیا۔ مرتدین سے جہاد کے لیے آپ نے تاکید فرمائی جس پر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں عمل کر کے ان کو قرار واقعی سزا دی۔

علالت نے ابتدا ہی میں بلا کی شدت اختیار کر لی، جیسے جسم کا رواں رواں حرارت کا سوتا بن گیا ہو۔ لیکن جونہی حرارت میں کمی واقع ہوئی، آپ مسجد میں تشریف لائے۔ نماز پڑھائی اور اسی طرح ایک سے زیادہ دنوں تک نمازیں پڑھاتے رہے، لیکن مسجد میں ہونے والی گفتگو میں شرکت نہ فرمائی اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کسی قسم کا کوئی خطاب کیا۔

اک روز اپنے خطاب میں فرمایا:

ان عبدا من عبادا اللہ خیرہ اللہ بین الدنیا و الاخرہ و بین ما عندہ فاختار ما عندہ.

''لوگو! اللہ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا کہ وہ دنیا اور آخرت اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے، ان دونوں میں سے کسی ایک کو اختیار کر لے، لیکن اللہ کے اس بندے نے اللہ کے ہاں کی نعمتوں کو اختیار کیا۔''

یہ بات کہہ کر آپ تو خاموش ہو گئے لیکن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بات کی تہہ تک پہنچ گئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو یہ سب کچھ اپنے ہی بارے میں فرما رہے ہیں۔ آپ تو اب دنیا کو چھوڑنے والے ہیں، چنانچہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہماری جانیں اور ہماری اولادیں آپ پر قربان ہوں، آپ ہمیں یہ کیا سناؤنی سنا رہے ہیں؟ سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے رونے سے ہمیں بہت تعجب ہوا۔ لوگوں نے کہا اس بڑے میاں کو دیکھو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو ایک بندے کے لیے فرما رہے ہیں کہ اللہ نے اسے اختیار دیا کہ دنیا کی زیب و زینت یا اللہ کے پاس جو کچھ ہے، ان دونوں میں سے ایک کو اختیار کر لے، اور یہ کہہ رہے ہیں کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ لیکن چند روز کے بعد واضح ہو گیا کہ جس بندہ کو اختیار دیا گیا، وہ کوئی اور نہ تھا بلکہ خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہم میں سب سے زیادہ صاحب علم تھے۔ (بخاری: ۱/۵۱۶) اسی

Marfat.com

حالت میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''مسجد میں جن لوگوں کے دروازے ہیں، وہ سب بند کر دیئے جائیں۔ سوائے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر کے دروازے کے۔ اس کے بعد منبر سے اترتے ہوئے فرمایا:

''میرے دوستوں میں سے مجھ پر کسی کا احسان ابوبکر رضی اللہ عنہ کے برابر نہیں۔ اگر میں خدا کی طرف سے کسی کو اپنا خلیل بنانے کا مجاز ہوتا تو میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیل بناتا، لیکن از روئے اسلام باہمی رفاقت واخوت ایمانی کی حد تک کا اختیار ہے اور اسی حالت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری ہے۔''

زمانہ علالت میں انصار آپ کی مہربانیوں کو یاد کر کے روتے تھے۔ ایک دفعہ اسی حالت میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا۔ انہوں نے انصار کو روتے ہوئے دیکھا تو ان سے رونے کی وجہ دریافت کی۔ انہوں نے کہا: کہ سرکار دو عالم ﷺ کی صحبتیں اور مجلسیں یاد آتی ہیں۔ ان میں سے ایک صاحب نے جا کر سرکار دو عالم ﷺ سے انصار کا رونا بیان کیا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے لوگوں کو انصار کے بارے میں وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

''اے گروہ مہاجرین! انصار کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا۔ ان کے ساتھ دوسرے مسلمانوں کی تعداد بڑھتی جائے گی، لیکن انصار اس طرح کم ہو کر رہ جائیں گے جیسے کھانے میں نمک۔ انصار میرے محرم ہیں۔ ان کے دامن میں مجھے پناہ ملی۔ ان کی خوبیوں کی قدر اور ان کی لغزشوں سے چشم پوشی کرتے رہنا۔ وہ اپنی طرف سے اپنا فرض ادا کر چکے ہیں، اب تمہیں ان کا فرض ادا کرنا ہے۔ وہ میرے جسم میں معدہ کی طرح ہیں، جو تمہارے نفع ونقصان کا ذمہ دار اور کسٹوڈین ہو۔ (یعنی جو خلیفہ ہو) اس کو چاہیے کہ ان میں جو نیکوکار ہیں ان کو قبول کرے اور جن سے خطا اور لغزش ہوئی ان کو معاف کرے۔'' (بخاری: ۱/ ۵۳۶)

آپ ﷺ کی اولاد میں اب صرف ایک ہی بیٹی زندہ تھی اور وہ سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا تھیں۔ سب سے چھوٹی بھی تھیں، اس وجہ سے آپ کو ان سے بے پناہ محبت تھی۔ علالت کے دوران انہیں بلا بھیجا۔ جب وہ تشریف لائیں تو ان کے کان میں کچھ ارشاد فرمایا۔ وہ رونے لگیں۔ اس کے بعد کچھ اور ان کے کان میں کہا تو وہ ہنس پڑیں۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

Marfat.com

کا بیان ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے بعد سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے رونے اور ہنسنے کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ پہلی دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے کان میں یہ فرمایا کہ جبریل مجھ سے ہر سال رمضان میں قرآن حکیم کا ایک مرتبہ دور کیا کرتے تھے، اس سال انہوں نے دو مرتبہ دور کیا ہے، میرا خیال ہے کہ میں اسی بیماری میں اپنے اللہ سے جاملوں گا۔ آپ کی وفات کا سن کر میں رو پڑی۔ دوسری مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے کان میں فرمایا کہ میرے گھر والوں میں تو سب سے پہلے مجھ سے آملے گی۔ اس خوشخبری کو سن کر میں ہنس پڑی، چنانچہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے چھ ماہ بعد ہی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے خالق حقیقی سے جاملیں۔

(زرقانی: ۸/۲۶۲، بخاری ذکر وفات، فتح الباری: ۸/۱۰۳)

بعض روایات میں ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا معوذات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یاد کی ہوئی دعائیں پڑھ کر آپ کے ہاتھ پر پھونک مارتیں اور برکت کی امید میں اپنا ہاتھ نہیں بلکہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ ان کے جسم مبارک پر پھیرتیں۔

وفات سے پانچ روز پہلے یعنی بدھ کے روز بخار میں مزید شدت آ گئی۔ جس کی وجہ سے جسم میں ایک اضطراری کیفیت پیدا ہو گئی۔ آپ نے فرمایا کہ مجھ پر مختلف کنوؤں سے سات مشکیں پانی ڈالو تاکہ میں لوگوں کو وصیت کر سکوں کیونکہ آپ پر ایک نیم غشی کی حالت تھی۔ چنانچہ دارمی کی روایت کے مطابق مدینہ طیبہ کے ساتھ مختلف کنوؤں سے سات مشکیں بھر کر لائی گئیں اور آپ پر ڈال دی گئیں۔ آپ پر اتنا پانی ڈالا گیا کہ آپ ''بس، بس'' کہنے لگے، چنانچہ آپ کو کچھ سکون ہوا۔ حرارت میں کافی تخفیف ہوئی اور آپ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سہارا سے مسجد میں تشریف لائے اور نماز پڑھائی۔ یہ ظہر کی نماز تھی اور بعد ازاں آپ نے ایک خطبہ دیا۔ یہ آپ کا آخری خطبہ تھا۔ اس خطبہ میں بعض روایات کے مطابق آپ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے وہ فضائل ومناقب اور محاسن وکمالات بیان فرمائے جو ہم نے گزشتہ صفحات میں ذکر کیے ہیں، پھر فرمایا:

> ''اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔ لوگو! میری قبر کو بت نہ بنانا کہ اس کی پوجا کی جائے۔'' (بخاری: ۱/۶۲، موطا مالک: ص ۵۶، ۳۶۰)

آپ نے اپنے آپ کو قصاص کے لیے پیش فرمایا اور لوگوں سے فرمایا کہ ''میں نے کسی کی پیٹھ پر اگر کبھی کوئی کوڑا مارا ہو تو میری پیٹھ حاضر ہے۔ وہ شخص مجھ سے قصاص اور بدلہ لے

Marfat.com

لے اور اگر آبروریزی کی ہو تو اس کے سامنے میری آبرو حاضر ہے وہ مجھ سے بدلہ لے لے۔"

پھر آپ نے عداوت وغیرہ سے متعلق گزشتہ کچھ باتیں دہرائیں۔ اسی اثناء میں ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ! آپ کے ذمہ میرے تین درہم باقی ہیں۔ آپ نے سیدنا فضل بن عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اسے تین درہم ادا کر دو۔ اس کے بعد فرمایا:

"مجھے پتہ چلا ہے کہ تم اپنے نبی کی موت سے خوفزدہ ہو۔ ذرا سوچو تو کیا کوئی نبی مجھ سے پہلے اپنی امت میں ہمیشہ رہا ہے جو میں تم میں ہمیشہ رہوں۔ سن لو! میں خدا سے ملنے والا ہوں اور تم بھی خدا سے ملنے والے ہو۔ میں تمام مسلمانوں کو وصیت کرتا ہوں کہ مہاجرین اولین کے ساتھ نیکی اور بھلائی کا معاملہ کرو۔"

"اور اے مسلمانو! میں تمہیں انصار کے بارے میں بھی وصیت کرتا ہوں۔ ان کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرنا۔ انصار نے اسلام اور ایمان کو ٹھکانہ دیا اور زمینوں اور مکانوں، باغوں اور پھلوں میں تمہیں اپنے ساتھ شریک اور حصہ دار بنایا اور باوجود فقر و فاقہ اور تنگ دستی کے تمہیں اپنے آپ پر ترجیح دی۔"

"سنو! میں تم سے پہلے جا رہا ہوں اور تم بھی مجھ سے آ کر ملو گے۔ حوض کوثر پر ملنے کا وعدہ ہے۔" (البدایہ والنہایہ: ۵/۲۳۱، زرقانی: ۸/ ۲۶۸)

واقعہ قرطاس:

وفات سے چار روز قبل جمعرات کو جب آپ سخت تکلیف سے دوچار تھے تو جو لوگ حجرۂ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں موجود تھے، انہیں فرمایا: کاغذ اور قلم دوات لے آؤ تاکہ میں تمہیں ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ یہ سن کر وہاں موجود لوگ اختلاف کرنے لگے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ چونکہ آپ بیمار ہیں اور درد اس وقت نہایت شدید ہے۔ آپ کی طبیعت بھی بہت گھبرا رہی ہے، لہٰذا ایسی حالت میں آپ کو تکلیف دینا مناسب نہیں۔ اللہ کی کتاب گمراہی سے بچانے کے لیے ہمارے لیے کافی ہے۔ (حسبنا کتاب اللہ) بعض حضرات نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی تائید کی اور بعض نے کہا کہ قلم دوات منگوا کر لکھوا لینا چاہیے۔ اور یہ کہا (اھجر استفھموہ) کیا آپ نے بیماری کی شدت، غلبہ اور بیہوشی کی حالت میں (معاذ اللہ) کوئی لغو

Marfat.com

اور ہذیان کی بات کی ہے؟ خود آپ سے اس بارہ میں دریافت کرلو یعنی آپ اللہ کے نبی ہیں۔ آپ کی زبان اور دل خطاء اور غلطی سے معصوم اور مامون ہیں۔ معاذ اللہ اوروں کی طرح نہیں جو بیماری کی حالت میں ادھر ادھر کی باتیں بولنے لگتے ہیں۔ (اھجر کا ترجمہ ہم نے بعض لوگوں کے اعتراض کے پیش نظر ہذیان کیا ہے، حالانکہ ہمارے نزدیک اس کا ترجمہ اور ہے)۔ جب آپس میں اس اختلاف کی وجہ سے زیادہ شور وشغب ہوا تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''میرے پاس سے اٹھ جاؤ۔''

(بخاری:۱/۲۲، ۴۲۹، ۴۴۹، ۲/ ۶۳۸، ۸۴۶، مسلم:۲/۴۲، مسند احمد:۱/۲۲۲)

اس حدیث کی وجہ سے بعض حضرات سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے آخری لمحات میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت اور ولایت کے بارے میں ایک تحریر لکھوانا چاہتے تھے جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نہ لکھوانے دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ بات ایک طرف تو نبوت کی صریح مخالفت تھی اور دوسری طرف سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے راستہ میں ایک بہت بڑی رکاوٹ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چند روز قبل ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلا فصل کا اعلان فرمایا تھا، آپ اس تحریر کے ذریعہ اس اعلان کو تکمیلی شکل دینا چاہتے تھے، لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس کارروائی کو ناکام بنادیا۔

ان حضرات کا یہ اعتراض بالکل غلط ہے کیونکہ عمر رضی اللہ عنہ یہ سمجھتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت نہایت تکلیف میں (غلب علیه الوجع) ہیں۔ اس شدید تکلیف میں آپ نے جو کاغذ اور قلم دوات منگوانے کے لیے ارشاد فرمایا ہے، وہ امت پر محض شفقت کی وجہ سے ہے، لہٰذا جب آپ کی جملہ تعلیمات ہمارے سامنے ہیں اور ان کی تفصیل وتشریح میں آپ نے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تو ایسے تکلیف دہ وقت میں آپ کو مزید تکلیف نہیں دینی چاہیے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا کہنا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شدت تکلیف کے پیش نظر تھا کیونکہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تکلیف میں یہ کام کرنا گوارا نہیں تھا اور یہ ان کے کمال محبت کا تقاضا تھا۔

اس کے برعکس بعض لوگوں کا یہ خیال تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کو عملی جامعہ پہنانا چاہیے کیونکہ ''ایتونی بقرطاس'' (کاغذ لاؤ) کے الفاظ آپ کی زبان مبارک سے بطور ہذیان نہیں نکلے۔ جب آپ کا تکلم عام حالت کی طرح قابل اعتبار وحجت ہے تو اس پر ضرور عمل کرنا چاہیے اور اس کا اہتمام پیش نظر رہنا چاہیے۔ اس گروہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوسرے پہلو کو مدنظر رکھا۔ وہ یہ کہ آپ کا ارشاد بہرحال تسلیم ہے، لہٰذا اس کو چھوڑنا درست اور صحیح

Marfat.com

نہیں۔ مقصود دونوں کا رسول اللہ ﷺ سے کمال محبت تھا۔ گویا:

تھیں میری اور رقیب کی راہیں جُدا جُدا
آخر کو ہم دونوں درِ جاناں پہ مل گئے

یہ جملہ (اھجر استفھموہ) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا مقولہ نہیں بلکہ ان لوگوں کا مقولہ ہے جن کی رائے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے خلاف تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ حضور ﷺ کو لکھنے کی تکلیف نہ دی جائے اور دوسرے لوگوں کی رائے یہ تھی کہ کاغذ اور قلم دوات منگوا کر لکھوا لیا جائے۔ ان لوگوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے جواب میں یہ کہا: (اھجر استفھموہ) اور مطلب یہ تھا کہ جب جناب رسول اللہ ﷺ فرمارہے ہیں تو کیوں نہ لکھوا لیا جائے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے کسی ہذیان یا فضول اور لغوبات کا نکلنا ناممکن اور محال ہے۔

(ملاحظہ ہو نووی شرح صحیح مسلم: ۲/۴۳)

اسی وجہ سے لوگوں نے ''اھجر'' بطور استفہام انکاری الزاماً کہا، خود وہ لوگ اس کے قائل نہ تھے اور جس روایت میں یہ جملہ حرف استفہام کے بغیر آیا ہے۔ وہ بھی استفہام پر محمول ہے اور حرف استفہام وہاں مقدر ہے۔

دوسری بات ذہن میں یہ رکھنی چاہیے کہ ''ہجر'' کے معنی صرف ہذیان ہی نہیں ہوتے بلکہ ''ہجر'' کے معنی جدائی اور فراق کے بھی ہوتے ہیں اور ہمارے نزدیک یہاں یہی معنی مراد ہیں۔ چنانچہ اس عبارت کے صحیح اور درست معنی یہ ہوتے ہیں کہ ''کیا آپ جدائی اور فراق اختیار کررہے ہیں۔ اس بارے میں آپ سے پوچھ لو۔'' (بخاری: ا/۴۲۹، تعلیقہ)

اگر ان لوگوں کی نگاہ میں ''ایتونی بقرطاس'' یعنی امر کے صیغہ سے وجوب ثابت ہوتا ہے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے اس واجب حکم کی تعمیل نہ کی جو گناہ ہے، تو ہمارا جواب یہ ہے کہ یہ حکم صرف سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہی کے لیے نہ تھا بلکہ تمام حاضرین مجلس کے لیے تھا جن میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ ان کے گھر بھی قریب تھے۔ ان حضرات کو اس حکم کی تعمیل کرنا چاہیے تھی۔ جب کہ بقول ان حضرات کے آپ نے لکھوانا بھی خلافت علی رضی اللہ عنہ ہی کو تھا۔

پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تو رسول اللہ ﷺ کے گھر سے دور رہتے تھے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ تو وہیں قریب رہتے تھے۔ اس وجہ سے وہ کاغذ اور قلم دوات جلدی لا سکتے تھے۔ وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بات کی طرف بالکل دھیان نہ دیتے اور فوراً اٹھ کر کاغذ اور قلم دوات لے آتے اور خطبہ غدیر خم کے مشن

Marfat.com

کی تحریری تکمیل کروا لیتے اور "من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ" کی عملی تشریح بھی آپ سے کروا لیتے، لیکن کیا تو انہوں نے بھی کچھ نہ، بلکہ اپنے عمل سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بات کی تائید کی۔

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ ''اہجر'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا مقولہ نہیں بلکہ دوسرے گروہ کا مقولہ ہے جو لکھوانے کے حامی اور مؤید تھے، اور دوسرے گروہ میں سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ دونوں شامل ہیں، اگر اس عبارت کا مفہوم اور مطلب وہی ہے جو بعض دوسرے حضرات بیان کرتے ہیں تو یہ مطلب اور مفہوم بجائے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرنا چاہیے، لیکن چونکہ اس عبارت کا یہ مفہوم ہی غلط ہے لہٰذا ہم سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی طرف بھی اس مفہوم کو منسوب نہیں کرتے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا "قد غلب علیه الوجع" کہنا ان کے کمال عشق ومحبت کی دلیل ہے اور آپ کے درد کا احساس ہے اور "عندکم القرآن" کہنا دراصل "الیوم اکملت لکم دینکم" کی طرف اشارہ تھا جو اس واقعہ سے قریباً 90 روز پہلے نازل ہو چکی تھی۔ گویا دبے لفظوں میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درد اور تکلیف کے پیش نظر ایک محبت بھرا مشورہ دیا، چنانچہ جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ سنے تو آپ نے کاغذ اور قلم منگوانے پر اصرار نہیں فرمایا بلکہ خاموش رہے جو اس بات کی بین دلیل ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے وہ الفاظ "حسبنا کتاب الله" فرمان نبوت کی مخالفت نہ تھی بلکہ مزاج نبوت کی صحیح ترجمانی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دوبارہ کاغذ اور قلم و دوات پیش کرنے کی اجازت طلب کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکار فرما دیا۔

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کی تعمیل نہ کرنے کی وجہ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ قابل طعن و ملامت ہیں تو پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہ بھی قابل طعن ہیں کہ وہ کیوں کاغذ اور قلم دوات نہ لے آئے، کیونکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ حکم عام تھا، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے لیے خاص نہ تھا۔ اس کے مقابلہ میں صلح حدیبیہ کے موقع پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو خاص حکم دیا گیا کہ اس معاہدہ سے ''محمد رسول اللہ'' کے الفاظ کاٹ کر ''محمد بن عبداللہ'' کے الفاظ لکھ دو لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الفاظ کاٹنے سے صاف انکار کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اپنے ہاتھ سے وہ الفاظ کاٹے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم ''وجوبی'' تھا ''استحبابی'' نہیں تھا، چنانچہ ملا باقر مجلسی اور شیخ مفید نے بھی اس بات کو اپنی کتابوں میں تسلیم کیا ہے۔

(ملاحظہ ہو حیات القلوب: ۲/۷۵۳، ارشاد شیخ مفید: ص ۶۳)

Marfat.com

پس سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے جواب میں کمال محبت کی وجہ سے کہا "قد غلب علیه الوجع" آپ پر اس وقت چونکہ درد کا غلبہ ہے لہٰذا سرکار کو آرام فرمانے دیں اور "حسبنا كتاب الله" ہمارے لیے اللہ کی کتاب کافی ہے اور دین بھی مکمل ہو چکا ہے، لہٰذا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف نہ دو۔

اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس تحریر کے ذریعہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو خلافت لکھوانی تھی اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس میں رکاوٹ بنے، یہ بات بھی دلائل کی روشنی میں غلط ہے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ غدیر خم میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اعلان ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں فرما دیا تھا تو پھر لکھوانے کا کیا فائدہ تھا؟ ایک لاکھ چوبیس ہزار انسان پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس بات کے گواہ تھے کہ انہوں نے اپنے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بلافصل منتخب فرمایا ہے، لیکن ان میں سے کسی نے بھی پیغمبر کے انتقال کے بعد اس بات کی گواہی نہ دی کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ واقعی پیغمبر کے مقرر کردہ خلیفہ بلافصل ہیں۔

اس سلسلہ میں ایک اور بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غدیر خم کے خطبہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اعلان کیا ہوتا یا مرض الموت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی تحریر لکھوانی مقصود ہوتی تو سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو کبھی نہ کہتے کہ آؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کریں کہ وہ ہمارے لیے خلافت کی وصیت کر جائیں، چنانچہ اس سلسلہ میں بخاری میں ہے کہ

"سیدنا عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز سیدنا علی رضی اللہ عنہ باہر آئے۔ لوگوں نے پوچھا: اب سرور کائنات کا مزاج کیسا ہے؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا! اب حالت اطمینان بخش ہے۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ فرمایا: تین روز کے بعد ہم پر کوئی اور حاکم ہوگا۔ بخدا! میں موت کے وقت خاندان عبدالمطلب کے چہرے پہچانتا ہوں۔ آؤ چلو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کریں کہ آپ کے بعد خلیفہ کون ہوگا ورنہ آپ اس کو ہمارے بارے میں وصیت فرما دیں گے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں آپ سے اس بارے میں عرض نہیں کروں گا۔ بخدا! اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکار کر دیا تو پھر آئندہ کوئی امید باقی نہیں رہے گی۔"

(بخاری: ۲/ ۶۳۹، البدایہ والنہایہ: ۵/ ۲۲۷، ابن ابی الحدید: ۲/ ۵۱)

بخاری کی اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات بالکل غلط ہے کہ رسول

Marfat.com

اللہ ﷺ نے خطبہ غدیر خم میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں کوئی وصیت فرمائی تھی، بلکہ اس بارے میں تو سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کہا بھی کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھ لیں، لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا۔

بخاری اور مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس واقعہ قرطاس کے بعد امت کو تین چیزوں کی وصیت فرمائی:

① مشرکین اور یہود کو جزیرہ عرب سے نکال دینا۔

② وفود کو رخصت کرتے وقت جائزہ یعنی ہدیہ اور تحفہ دیا کرنا جس طرح میں انہیں ہدیہ اور تحفہ دیا کرتا تھا۔

③ تیسری بات سے آپ نے سکوت فرمایا راوی (سلیمان احول) بھول گیا۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ تیسری بات یہ تھی کہ "قرآن حکیم پر عمل کرنا" یا "جیش اسامہ رضی اللہ عنہ کو روانہ کرنا" یا "میرے بعد میری قبر کو بت یا سجدہ گاہ نہ بنانا" یا یہ کہ "نماز کی پابندی کرنا اور غلاموں کا خیال رکھنا۔"

ممکن ہے کہ جن باتوں کی آپ نے زبانی وصیت فرمائی، انہی کے لکھوانے کے لیے آپ ﷺ نے کاغذ اور قلم دوات لانے کے لیے کہا ہو۔

(فتح الباری: ۸/۱۰۳، بخاری: ۱/۴۲۹، ۲/۶۳۸)

حدیث اور تاریخ کی کتابوں کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کا کاغذ اور قلم دوات منگوانے سے اگر مسئلہ خلافت لکھوانا ہی مقصود تھا تو وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت لکھوانا نہیں بلکہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت لکھوانا تھا۔ جس کی تائید بخاری اور مسلم کی اس روایت سے ہوتی ہے جو سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا سے مروی ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے اس بیماری کی حالت میں فرمایا کہ "میرا ارادہ ہوا تھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اور اس کے فرزند (عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ) کو بلانے کے لیے کسی کو بھیج دوں اور ان کو وصیت کر دوں اور ان کو اپنا جانشین بنا دوں تاکہ کہنے والے کچھ نہ کہہ سکیں اور تمنا کرنے والے کچھ تمنا نہ کر سکیں، لیکن پھر میں نے اپنا یہ ارادہ فسخ کر دیا اور یہ کہا کہ وصیت کی کوئی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ انکار کرے گا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی اور خلیفہ ہو، اور اہل ایمان ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا کسی اور کی خلافت کو قبول نہیں کریں گے۔" (بخاری: ۲/۱۰۷۲)

ایک اور روایت میں یہ الفاظ منقول ہیں:

معاذ اللہ ان یختلف الناس علی ابی بکر.

Marfat.com

''اللہ کی پناہ کہ لوگ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اختلاف کریں۔''

امام بخاری کے کلام سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے کہ اس حدیث سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت لکھوانا ہی مراد ہے۔ اسی لیے امام بخاری نے کتاب الاحکام میں اس حدیث پر جو ترجمۃ الباب رکھا ہے وہ ہے ''باب الاستخلاف'' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث سے اشارہ خلافت کی طرف ہے۔ (ملاحظہ ہو قسطلانی: ۱۰/۲۶۰، فتح الباری: ۱۳/۱۱۷، زرقانی: ۸/۲۵۷)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی دلی خواہش تھی کہ آپ کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوں، لیکن آپ نے یہ معاملہ قضا وقدر اور اجماع پر چھوڑ دیا اور اس کو لکھوایا نہیں، کیونکہ جب سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''حسبنا کتاب الله'' (ہمارے لیے اللہ کی کتاب کافی ہے) تو ہوسکتا ہے کہ فراست نبوت نے سمجھ لیا ہو کہ جب یہ کتاب اللہ کو کافی سمجھ رہے ہیں تو کتاب اللہ میں تو نبی کے بعد صدیق ہی کا درجہ مذکور ہے، لہٰذا نبی کا جانشین اور خلیفہ صدیق ہی ہوگا اور کوئی دوسرا نہیں ہوگا۔ پھر یہ بھی دیکھا گیا کہ جس عمر رضی اللہ عنہ نے ''حسبنا کتاب الله'' کہا تھا، اسی عمر رضی اللہ عنہ نے کتاب اللہ کی روشنی میں سقیفہ بنی ساعدہ میں نبی کا جانشین صدیق ہی کو تجویز کیا اور تمام امت نے جس میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے اس بات میں عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اتفاق کیا۔

یہ ساری بحث اس صورت میں ہے کہ جب ''حسبنا کتاب الله'' کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا مقولہ سمجھا جائے کیونکہ بخاری کی روایت میں جس صحابی نے قلم دوات لانے میں گفتگو کی، اس کا نام درج نہیں۔ لیکن حدیث کی دوسری کتابوں میں اس بارے میں گفتگو کرنے والے کا نام ''عمر رضی اللہ عنہ'' بتایا گیا ہے۔

شدت علالت کے موقع پر جب کہ کرب اور بے چینی بہت زیادہ تھی آپ کی ذاتی تحویل میں سات دینار تھے، اس خیال سے کہ شاید اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام آجائے اور یہ رقم میرے قبضہ میں رہ جائے آپ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت فرمایا کہ وہ اشرفیاں کہاں ہیں؟ آپ نے ان اشرفیوں کو صدقہ کردینے کا حکم فرمادیا تھا، لیکن اہل بیت تیمارداری میں اس قدر منہمک تھے کہ آپ کے اس حکم کی تعمیل کرنا ذہن سے اتر گیا۔ زندگی کے آخری روز ''دوشنبہ (پیر)'' کو غشی سے افاقہ ہوا تو آپ نے پھر ان دیناروں کے بارے میں دریافت کیا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے معذرت پیش کرتے ہوئے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے فرصت نہیں ملی اور میرے ذہن سے بھی نکل گیا۔ دینار ابھی تک میری ہی تحویل میں ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دینار لے کر فرمایا: ''اگر یہ

Marfat.com

دینار میری تحویل میں رہ جائیں تو محمد (ﷺ) اپنے رب کے متعلق اپنے ساتھ کیا گمان لے کر اس کے سامنے حاضر ہوگا۔'' چنانچہ فرمایا: ''جاؤ، اس کو راہ خدا میں خیرات کردو۔''

(مسند احمد: ۶/۴۹)

وفات سے ایک روز پہلے جب غشی کے بار بار دورے پڑتے تھے، اہل بیت نبوت کی توجہ دوا کی طرف منعطف ہوئی۔ ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی ایک قرابت دار سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے حبشہ کے زمانہ ہجرت میں ایسے ہی ایک شربت کے بنانے کی ترکیب معلوم کر رکھی تھی۔ حاضرین نے وہ دوا پلانا چاہی۔ چونکہ گوارا نہ تھا اس لیے آپ ﷺ نے انکار فرمایا۔ اسی حالت میں پھر غشی طاری ہوگئی۔ لوگوں نے منہ کھول کر دوا پلا دی۔ افاقہ کے بعد آپ کو احساس ہوا تو یہ شربت پلانے کا سبب دریافت فرمایا۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! ذات الجنب کے شبہ کی بنا پر شربت کے چند قطرے دہن مبارک میں ٹپکائے ہیں۔ فرمایا: مجھے تو خدا تعالیٰ نے ذات الجنب میں مبتلا ہونے سے محفوظ فرما لیا ہے۔ پھر فرمایا کہ سب کو یہ دوا پلائی جائے۔ معلوم ہوا جن لوگوں نے زبردستی دوا پلائی تھی ان میں سیدنا عباس رضی اللہ عنہ شامل نہ تھے، لہٰذا انہیں دوا نہ پلائی گئی۔ حتیٰ کہ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا جو اس دن روزہ سے تھیں ان کو بھی دوا پلائی گئی۔ (فتح الباری: ۸/۱۱۲)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت:

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ آپ 13 یا 14 روز بیمار رہے۔ مرض کی شدت کے باوجود وفات سے چار دن پہلے تک تمام نمازیں خود ہی مسجد میں جا کر پڑھاتے تھے۔ اس روز بھی مغرب کی نماز آپ ﷺ ہی نے پڑھائی اور اس میں سورہ ''المرسلات'' پڑھی۔ (بخاری: ۲/۶۳۷) لیکن عشاء کے وقت مرض میں شدت پیدا ہوگئی اور مسجد میں جانے کی سکت نہ رہی۔ سیدہ عائشہ صدیقہ کا بیان ہے کہ سرور کائنات ﷺ نے دریافت فرمایا: ''کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟'' عرض کیا گیا: ''نہیں، یارسول اللہ! لوگ مسجد میں بیٹھے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔'' فرمایا: میرے لیے لگن میں پانی رکھو۔ ایسا ہی کیا گیا۔ آپ نے غسل فرمایا، اور اس کے بعد اٹھ کر مسجد میں جانا چاہا، لیکن آپ پر غشی طاری ہوگئی۔ پھر جب افاقہ ہوا تو دریافت فرمایا: کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی۔'' کہا گیا: نہیں، یارسول اللہ! سب لوگ آپ کے منتظر بیٹھے ہیں دو تین بار آپ ﷺ نے مسجد میں جانے کی کوشش فرمائی لیکن ہر بار آپ پر غشی طاری ہوگئی۔ بالآخر ارشاد فرمایا

Marfat.com

''ابوبکر کو میری طرف سے حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔'' سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! ابوبکر نہایت رقیق القلب آدمی ہیں، جب وہ آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو وہ اپنی رقت قلبی کی وجہ سے لوگوں کو نماز نہیں پڑھا سکیں گے اور گریہ وزاری کے سبب قرأت نہیں کر سکیں گے، لہٰذا آپ عمر رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کے لیے فرمادیں۔ آپ نے تین چار بار یہی فرمایا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو میری طرف سے کہیں کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، اور ہر بار سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں یہی کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمر رضی اللہ عنہ سے کہیں کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر بار انکار فرمایا: اور بالآخر فرمایا: ''تم سب یوسف والیاں ہو۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔'' (بخاری: ۱/۹۹)

''تم سب یوسف والیاں ہو۔'' اس سے ان عورتوں کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ فرمایا: جو عزیز مصر کی بیوی کو ملامت کر رہی تھیں، لیکن جب خود انہوں نے یوسف علیہ السلام کا ایک جلوہ دیکھا تو خود اپنی انگلیاں کاٹ لیں۔ اس سے معلوم یہ ہوا کہ در پردہ وہ خود بھی سیدنا یوسف علیہ السلام پر فریفتہ تھیں، یعنی زبان سے کچھ کہہ رہی تھیں لیکن دل کی اتھاہ گہرائیوں سے کچھ اور ہی جذبہ کروٹیں لے رہا تھا۔ یہاں بھی یہی معاملہ تھا، بظاہر تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ کہا جا رہا تھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ رقیق القلب آدمی ہیں۔ آپ کے مصلیٰ پر کھڑے ہوں گے تو گریہ وبکاء کی وجہ سے قرأت نہیں کر سکیں گے اور لوگوں کو نماز نہیں پڑھا سکیں گے، لیکن دل میں یہ بات پوشیدہ تھی کہ اگر خدانخواستہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی مرض میں انتقال فرما گئے تو لوگوں کے دلوں میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نحوست و بدشگونی کا خیال پیدا ہوگا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ گزارش صرف ان کی اپنی نہیں تھی، بلکہ دوسری ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن بھی ان کے ساتھ شریک تھیں، اس لیے آپ نے فرمایا: ''تم یوسف والیاں ہو۔'' مطلب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ تھا کہ تمہارے دل میں کچھ ہے اور زبان سے کچھ اور کہہ رہی ہو۔ یعنی تمہارے دل اور زبان میں مطابقت اور ہم آہنگی نہیں۔

چنانچہ اس دن عشاء کی نماز کے بعد سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں لوگوں کو برابر نماز پڑھاتے رہے۔ مرض میں شدت اور تخفیف ہوتی رہتی تھی۔ ہفتہ یا اتوار کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی طبیعت میں قدرے افاقہ محسوس کیا، چنانچہ آپ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سہارے تشریف لائے۔ اس وقت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز پڑھا رہے تھے۔ وہ آپ کو دیکھ کر پیچھے ہٹنے لگے۔ آپ نے اشارہ فرمایا کہ پیچھے نہ ہٹیں اور لانے والوں سے فرمایا کہ مجھے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بائیں جانب بٹھا دیا جائے، چنانچہ حکم کی تعمیل کی گئی۔ اس کے بعد

Marfat.com

ابوبکر رضی اللہ عنہ مقتدی اور رسول اللہ ﷺ امام ہو گئے۔ یعنی باقی ماندہ نماز لوگوں کو آپ نے پڑھائی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تکبیریں سنا رہے تھے۔

(بخاری: ۱/ ۹۸، ۲/ ۶۹۳، نووی شرح مسلم: ۱/ ۱۷۹، فتح الباری: ۲/ ۱۲۴)

احادیث میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نماز میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بائیں جانب آ کر بیٹھ گئے اور آپ اب امام ہو گئے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ مقتدی تو آپ ﷺ نے وہیں سے قرأت شروع کی جہاں تک ابوبکر رضی اللہ عنہ قرأت کر چکے تھے۔

(ملاحظہ ہو ابن ماجہ: ص ۸۸، مسند احمد: ۱/ ۲۳۲، ۲۰۹، طحاوی: ۱/ ۱۹۷، سنن الکبری بیہقی: ۳/ ۸۱)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پیر کے روز بظاہر طبیعت کو کچھ سکون محسوس ہوا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز فجر میں مصروف تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ امامت کے فرائض سرانجام دے رہے تھے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ مسجد سے ملا ہوا تھا۔ آپ نے حجرہ کا پردہ ہٹا کر مسجد میں نگاہ ڈالی، دیکھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز میں مشغول ہیں۔ آپ ﷺ نے تبسم فرمایا۔ صحابہ نے آہٹ پا کر سمجھا کہ آپ باہر مسجد میں تشریف لانا چاہتے ہیں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی ایڑی کے بل پیچھے ہٹنا چاہا، لیکن آپ نے اشارہ سے روکا، ابوبکر رک گئے۔ لوگ فرط مسرت سے بے قابو ہو گئے اور قریب تھا کہ نماز ٹوٹ جائے، لیکن سرکار دو عالم ﷺ نے اشارہ فرمایا کہ اپنی نماز پوری کر لو۔ پھر آپ نے حجرہ میں داخل ہو کر پردہ گرا دیا۔ مسلم میں روایت ہے کہ آپ کی طبیعت میں اس قدر ضعف تھا کہ پردہ بھی اچھی طرح نہ گرا سکے۔ (مسلم: ۱/ ۱۶۷) یہ سب سے آخری موقع تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رخ انور کی زیارت کی، چہرۂ انور کا یہ حال تھا کہ گویا مصحف کا ایک ورق ہے۔ یعنی بالکل سفید ہو گیا تھا۔ (مسلم: ۱/ ۱۶۷)

سیدنا صدیق اکبر صبح کی نماز سے فارغ ہو کر سیدھے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں گئے اور آپ کو دیکھ کر سیدہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا معلوم ہوتا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کو اب کچھ سکون اور افاقہ ہے، اور جو بے چینی طبیعت میں پہلے تھی وہ اب نہیں رہی کیونکہ اس سے قبل آپ کی طبیعت میں بہت کرب اور بے چینی تھی۔ حضور ﷺ کی بے چینی کو دیکھ کر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بے ساختہ پکار اٹھیں۔ ''ہائے ابا جان کی تکلیف اور بے چینی۔'' آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا: ''تمہارے ابا کو آج کے بعد کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔'' (بخاری: ۲/ ۶۴۱) سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آپ تندرست تھے تو فرمایا کرتے تھے کہ انبیاء کو اختیار دیا

Marfat.com

جاتا ہے کہ وہ موت کو قبول کریں یا دنیا کو ترجیح دیں۔ اس حالت میں اکثر آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکلتے:

مع الذین انعم اللہ علیھم.

''ان لوگوں کے ساتھ جن پر خدا نے انعام کیا۔''

اور کبھی آپ یہ فرماتے:

اللھم فی الرفیق الاعلی.

''اے اللہ بڑے رفیق ہیں۔''

سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سمجھ گئیں کہ اب اس دنیا سے قطع تعلق ہے، اب صرف رفاقت الٰہی مطلوب ہے۔ تکلیف لحہ بہ لحہ بڑھ رہی تھی اور جب طبیعت کمزور ہو جائے تو کوئی دیرینہ تکالیف بھی عود کر آتی ہیں، چنانچہ اب اس زہر کا اثر بھی ظاہر ہونا شروع ہو گیا جسے آپ کو خیبر میں یہودی عورت نے کھلایا تھا، چنانچہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جو اس وقت آپ کے پاس موجود تھیں، فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے فرمایا: ''عائشہ! رضی اللہ عنہا خیبر میں جو ایک لقمہ میں نے کھا لیا تھا اس کی تکلیف بھی اب میں برابر محسوس کر رہا ہوں۔ اس وقت مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ اس زہر کے اثر سے میری رگ جان کٹی جا رہی ہے۔'' (بخاری: ۲/ ۶۳۷)

اسی حالت میں آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وصیت فرمائی، فرمایا:

الصلواہ الصلواہ وما ملکت ایمانکم. (بخاری: ۲/ ۲۳۷)

''نماز، نماز اور تمہارے ماتحت یعنی غلام اور لونڈیاں۔''

یہ الفاظ آپ نے کئی بار دہرائے۔

ٹھنڈے پانی کا ایک برتن آپ کے سرہانے پڑا ہوا تھا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا دست مبارک اس میں تر کر کے اپنے چہرہ انور سے مس فرماتے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو ایک خاص قسم کی بے چینی اور بے کلی ہے۔

انتقال سے کچھ وقت پہلے آپ کی طبیعت میں کافی سکون اور افاقہ محسوس ہونے لگا تھا۔ مسلمانوں نے یہ سمجھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روبصحت ہو رہے ہیں۔ وہ اس حالت سے بے حد محظوظ ہوئے حتی کہ سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے حاضر خدمت ہو کر اپنے لشکر کو شام لے جانے کی اجازت طلب کی۔ سیدنا ابوبکر نے بھی عرض کیا: اے اللہ کے نبی! میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کی صحت اللہ کے فضل و کرم سے اچھی ہو رہی ہے۔ میری ایک بیوی حبیبہ بنت

Marfat.com

خارجہ رضی اللہ عنہ کی باری کا دن ہے، اگر اجازت ہو تو میں اس کے ہاں سے ہو آؤں اور میں اسے آپ کی صحت کی بھی خوشخبری دے آؤں۔ فرمایا: اجازت ہے، چنانچہ ابو بکر مقام سخ جو حوالی مدینہ میں تھا یہ مژدہ جان فزا سنانے کے لیے تشریف لے گئے، دوسرے لوگوں کو جب یہ پتہ چلا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سکون اور افاقہ ہے تو وہ بھی ایک ایک کر کے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہ بھی حجرہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے باہر آ گئے۔ لوگوں نے ان سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزاج کے بارے میں دریافت کیا۔ سیدنا علی نے فرمایا: الحمد للہ! آپ اچھے ہیں۔ لوگ آپ کے اس جواب سے مطمئن ہو گئے۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور کہا: علی! خدا کی قسم تین دن کے بعد تو عبد العصا (لاٹھی کا غلام) ہو گا یعنی حاکم کوئی اور ہو گا اور تم اس کے محکوم ہو گے۔ بخدا! میں سمجھتا ہوں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس علالت میں انتقال فرما جائیں گے۔ بہتر ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بارے میں پوچھ لیں کہ آپ کے بعد کون خلیفہ ہو گا، اگر ہم میں سے (بنو ہاشم میں سے) کوئی ہو گا تو پتہ چل جائے گا ورنہ آپ اس کو ہمارے بارے میں وصیت فرما دیں گے۔'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ''اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے بارے میں انکار فرما دیں تو ہم ہمیشہ کے لیے اس (خلافت) سے محروم رہ جائیں گے۔ بخدا! میں تو اس بارے میں آپ سے ایک حرف بھی نہ کہوں گا۔''

(بخاری: ۲/ ۶۳۹، البدایہ والنہایہ: ۵/ ۲۲۷، ابن ابی الحدید: ۲/ ۵۱)

پھر یکدم جو طبیعت خراب ہوئی تو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سمجھ گئیں کہ اب آخری لمحات ہیں، عالم نزع شروع ہو گیا ہے، کرب اور بے چینی کا وقت ختم ہونے والا ہے۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی اپنے اوپر ٹیک لگوا دی۔ اتنی دیر میں سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عبد الرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ ہاتھ میں مسواک لیے آ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی طرف دیکھنے لگے۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے کہا: یا رسول اللہ! کیا آپ کے لیے مسواک لے لوں؟ آپ نے سر سے اشارہ فرمایا۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے مسواک لے کر آپ کو دی۔ آپ کو وہ سخت محسوس ہوئی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: آپ کے لیے اس کو نرم کر دوں؟ اشارہ سے فرمایا: ہاں۔ فرماتی ہیں: میں نے مسواک نرم کر کے آپ کو دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہایت اچھی طرح مسواک کی۔ اس وجہ سے سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت مجھ پر یہ ہے کہ میرے گھر میں، میری باری کے دن میرے سینہ اور ہنسلی کے درمیان ٹیک لگائے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی جان جان آفرین کے سپرد فرمائی، اور آپ کی وفات کے وقت اللہ

Marfat.com

تعالیٰ نے میرے لعاب دہن اور آپ کے لعاب دہن کو اکٹھا کر دیا۔

آپ ﷺ کے سامنے لگن میں پانی تھا۔ آپ اس پانی میں دونوں ہاتھ ڈال کر چہرہ مبارک پونچھتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے: "لا الہ الا اللہ، ان للموت سکرات" اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، بے شک موت کی بڑی سختیاں ہیں۔ (بخاری: ۲/ ۶۴۰)

مسواک سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے ہاتھ یا انگلی آسمان کی طرف اٹھائی۔ نگاہ چھت کی طرف بلند کی اور دونوں ہونٹ ہلے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کان لگایا تو آپ فرما رہے تھے:

"ان انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ہمراہ جن پر تو نے اپنا انعام فرمایا۔ اے اللہ! مجھے بخش دے، مجھ پر رحم فرما اور مجھے رفیق اعلیٰ میں پہنچا دے۔ اے اللہ رفیق اعلیٰ میں پہنچا دے۔"

آخری فقرہ آپ نے تین مرتبہ دہرایا اور اسی وقت ہاتھ جھک گیا اور آپ رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ دفعتاً محسوس ہوا کہ میری آغوش بوجھ سے دبی جا رہی ہے۔ میں نے رخ انور پر نظر ڈالی تو آنکھیں پتھرائی جا رہی تھیں۔ یہاں تک کہ آپ رفیق اعلیٰ سے جا ملے:

انا للہ وانا الیہ راجعون.

اللھم صل وسلم علیہ وعلی آلہ واصحابہ صلواۃ کثیرا.

آج وہ ہستی دنیا سے رخصت ہوئی جس نے انسانیت کو حیات نو سے مالا مال کیا، جس نے ظلم واستبداد میں دبی ہوئی انسانیت کو نہ صرف ظالموں سے چھٹکارا بخشا بلکہ انہیں اوج ثریا پر پہنچا دیا، جس نے زندگی کے قافلے کو راہزنوں کے نرغے سے نکال کر صراط مستقیم پر ڈال دیا۔ اس کام کے لیے اس نے کشمکش کے سنگین مراحل کاٹے، خوفناک اذیتیں برداشت کیں، مشکلات کے پہاڑ کاٹے لیکن کسی سے کوئی صلہ وصول نہیں کیا۔

کس نے ذروں کو اٹھایا اور صحرا کر دیا
کس نے قطروں کو ملایا اور دریا کر دیا
کس کی حکمت نے یتیموں کو کیا درِ یتیم
اور غلاموں کو زمانے بھر کا مولا کر دیا

یہ روح فرسا اور جان گداز واقعہ 12 ربیع الاول سنہ 11 ھ بروز پیر چاشت کی شدت

Marfat.com

کے وقت پیش آیا۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک تریسٹھ سال چار دن تھی۔ تاریخ وفات میں بہت اختلاف ہے۔ کوئی یکم ربیع الاول کہتا ہے اور کوئی دو ربیع الاول لیکن مشہور قول 12 ربیع الاول ہے۔ اس لیے ہم نے وہ نقل کر دی ہے۔ (زرقانی: ۳/۱۱۰، فتح الباری: ۸/ ۹۸)

اضطرابِ بیکراں:

اس قیامت خیز خبر نے تمام اہل مدینہ کو اس قدر متاثر کیا کہ ان کے ہوش اڑ گئے۔ کوہ غم ٹوٹ پڑا۔ تمام عالم ان کے لیے تاریک ہو گیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر جیسے سکتہ طاری ہو گیا ہو، بات کرنی ان کے لیے مشکل ہو گئی تھی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ روتے روتے بے ہوش ہو گئے۔ سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے فرط غم سے فرمایا ''ہائے ابا جان! آپ نے اپنے رب کی آواز پر لبیک کہا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ٹھکانہ جنت الفردوس ہے، ہم جبریل امین کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موت کی خبر دیتے ہیں۔''

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اور خصوصاً سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر رنج وغم کا جو کوہ گراں گرا قلم اس کو اس کے لکھنے کی تاب نہیں۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی پریشانی اور رنج وغم بھی دیدنی تھا۔ ہر ایک صحابی غم سے نڈھال تھا۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا ہو گیا ہے؟ ہر ایک کے ہوش اڑے ہوئے تھے۔ روز روشن میں مدینہ طیبہ میں انہیں اب ہر طرف تاریکی نظر آنے لگی۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جس روز سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے، اس سے زیادہ روشن اور تابناک دن میں نے کبھی نہیں دیکھا اور جس روز آپ نے وفات پائی، اس سے زیادہ تاریک دن بھی میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ (بخاری: ۲/ ۶۴۱) یہ صرف سیدنا انس رضی اللہ عنہ ہی کے تاثرات نہیں ہیں، بلکہ ہر صحابی کا یہ بیان ہے کہ ہمیں مدینہ میں سوائے تاریکی کے اور کچھ نظر نہیں آ رہا تھا، اگرچہ غم واندوہ سے ہر صحابی کے ہوش اڑے ہوئے تھے اور اس پر غم کا پہاڑ ٹوٹا ہوا تھا، لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی حالت کچھ عجیب تھی، آپ کی وفات کی خبر سنتے ہی ان کے ہوش اڑ گئے، وہ تلوار ہاتھ میں لیے مسجد میں ادھر ادھر پھر رہے تھے اور کہہ رہے تھے، منافقین یہ سمجھتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انتقال فرما گئے ہیں، لیکن آپ کی وفات ہرگز نہیں ہوئی بلکہ آپ اپنے رب کے پاس تشریف لے گئے ہیں۔ جس طرح سیدنا موسیٰ علیہ السلام تشریف لے گئے تھے اور اپنی قوم سے چالیس روز غائب رہ کر پھر واپس آ گئے تھے حالانکہ واپسی سے قبل کہا جا رہا تھا کہ وہ انتقال کر چکے ہیں، خدا کی قسم! آپ بھی اسی طرح واپس آئیں گے اور ان لوگوں کو نیست و نابود

Marfat.com

کر دیں گے جو یہ سمجھتے ہیں کہ آپ انتقال کر گئے ہیں۔ (ابن ہشام: ۲/۶۵۵)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نہایت جوش میں تھے۔ برہنہ تلوار ہاتھ میں تھی۔ مسجد میں جوش سے ادھر ادھر دیوانہ وار پھر رہے تھے۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ ان کے سامنے یہ کہہ سکے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واقعی انتقال ہو گیا ہے۔

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ انتقال سے کچھ دیر پہلے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعت میں کافی افاقہ ہو گیا تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اب یہ سمجھنے لگے تھے کہ آپ روبصحت ہو جائیں گے، چنانچہ وہ مطمئن ہو کر اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے تھے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی اجازت لے کر اپنے گھر سخ تشریف لے گئے تھے، ابھی وہ اپنے مکان پر گئے ہی تھے کہ یہ جان گداز خبر ان کو ملی، وہ فوراً اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر واپس مدینہ پہنچے۔ مسجد نبوی کے دروازے پر گھوڑے سے اترے اور نہایت غمگین حالت میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کی طرف بڑھے۔ حجرہ میں داخل ہو کر دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسد مبارک بستر پر پڑا ہے اور تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن آپ کے اردگرد نہایت حزین و غمگین بیٹھی ہیں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی آمد کا سن کر سوائے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے پردہ کر لیا اور اپنے منہ ڈھک لیے۔

وانبیاہ واخلیلا واصفیاہ.

تین مرتبہ یہ الفاظ دہرائے، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تو یہ کہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو حالت طاری ہوئی ہے وہ موت نہیں، لیکن صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پیشانی مبارک کو بوسہ دے کر فرمایا:

''میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ موت و حیات دونوں کیفیتوں میں کیسے پاکیزہ تھے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو دو موتوں کا ذائقہ کبھی نہ چکھائے گا۔'' (بخاری: ۱/ ۵۱۷)

پھر فرمایا جو موت اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے لکھی تھی وہ تو آپ پر وارد ہو چکی ہے۔ (بخاری: ۱/ ۱۶۶)

بخاری ہی کی ایک روایت یوں ہے کہ

''میرے ماں باپ آپ پر قربان، خدا کی قسم، اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں کبھی نہ جمع کرے گا۔ جو موت آپ کے لیے لکھی گئی تھی اس کا ذائقہ آپ چکھ چکے۔''

(بخاری: ۲/ ۶۴۰)

Marfat.com

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بات سے لوگوں کو سخت حیرانی ہو رہی تھی۔ مسلمان سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بات سے کچھ تذبذب میں پڑ گئے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آتے ہی اس بات کو بھانپ لیا، چنانچہ آپ حجرہ مبارکہ سے باہر تشریف لائے، اس وقت بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو یہی بات کہہ رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات واقع نہیں ہوئی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''عمر رضی اللہ عنہ بیٹھ جاؤ۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر اس وقت کچھ عجیب کیفیت طاری تھی۔ اس لیے انہوں نے بیٹھنے سے انکار کر دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو وہ ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ اب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر منبر نبوی کی طرف بڑھے اور لوگوں سے فرمایا کہ خاموش ہو کر بیٹھ جائیں۔ چنانچہ سب لوگ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بات سننے کے لیے مسجد میں خاموش بیٹھ گئے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لوگو! جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں اسے نہایت غور سے سنا جائے۔ اس وقت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہم پلہ کون ہو سکتا تھا جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایسے مصدق تھے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کو خلیل بناتے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا اس کا اور کوئی مستحق نہ ہوتا، اس لیے تمام لوگ ہمہ تن گوش ہو کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ارشادات سننے کے لیے بیٹھ گئے۔ چنانچہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حمد وثناء کے بعد فرمایا:

> ''لوگو! جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت کیا کرتا تھا، اسے جان لینا چاہیے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو وفات پا گئے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتا تھا، وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے اور اس پر کبھی موت نہیں آ سکتی، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں ہیں مگر اللہ کے رسول، ان سے پہلے اور بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں، سو اگر آپ کا انتقال ہو جائے یا آپ شہید ہو جائیں تو کیا تم لوگ دین اسلام سے پھر جاؤ گے اور جو شخص دین اسلام سے پھر جائے گا تو وہ اللہ کو ذرہ برابر بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا اور عنقریب اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو جزا دے گا۔'' (بخاری: ۲/۶۴۰)

اس کے علاوہ کچھ اور باتیں بھی آپ نے ارشاد فرمائیں جن کو علامہ زرقانی نے نقل کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو: ۸/۲۸۰، البدایہ والنہایہ: ۵/۲۴۳)

لوگوں کا رخ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ کر وہ عمر رضی اللہ عنہ جو پہلے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کہنے کے باوجود نہ بیٹھے اور نہ اپنی بات کہنے سے خاموش ہوئے، اب نہایت خاموشی سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تقریر سنتے رہے۔ جب انہوں نے آیت مذکورہ پڑھی تو عمر رضی اللہ عنہ کے پاؤں لڑکھڑا گئے، ان کی آنکھوں سے غفلت کا پردہ اٹھ گیا، اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کا یقین ہو گیا۔

Marfat.com

عمر رضی اللہ عنہ کی تقریر کی وجہ سے جو لوگ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں متذبذب ہو گئے تھے انہیں بھی آپ کی وفات کا پورا پورا یقین ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ آیت انہوں نے آج ہی سنی تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری حالت بھی کچھ یہی ہو گئی کہ گویا میں نے آج ان آیات کو پڑھا ہے اور اپنے خیال سے رجوع کیا۔ (قرطبی: ۴/۲۲۳)

سیدنا سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خدا کی قسم! میں نے جونہی ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا، میں نہایت وحشت زدہ اور متحیر ہو کر رہ گیا، یہاں تک کہ میرے پاؤں میرا بوجھ نہیں اٹھا رہے تھے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس آیت کی تلاوت کرتے سن کر میں زمین پر گر پڑا کیونکہ مجھے یقین ہو گیا کہ واقعی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہو چکی ہے۔ (بخاری: ۲/۶۴۱)

ایک اور روایت میں ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ جب خطبہ سے فارغ ہوئے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''تو ہی وہ شخص ہے جس کے بارے میں مجھے یہ پتہ چلا ہے کہ تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دروازہ پر یہ کہتا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوت نہیں ہوئے۔'' پھر فرمایا: کیا تجھے معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی وفات کے متعلق فلاں فلاں دن یہ فرمایا، اور اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے: ''انک میت وانھم میتون'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ سن کر میرا یہ حال ہوا گویا میں نے کتاب اللہ کی یہ آیت اس سے قبل سنی ہی نہ تھی۔ (روض الانف: ۲/۳۷۶)

اس دن کی صبح کے وقت جب سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیماری میں کچھ افاقہ دیکھا تو انہیں بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح آپ کی صحت کے عود کر آنے کا یقین ہو گیا، چنانچہ انہوں نے بھی اپنے لشکر کو کوچ کا حکم دے دیا۔ اتنے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کی خبر آ گئی۔ یہ روح فرسا خبر سن کر وہ بھی مقام جرف سے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مدینہ واپس آ گئے اور فوج کا علم سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کے حجرہ کے دروازہ کے قریب نصب کر کے مسلمانوں کے فیصلہ کے انتظار میں اپنے سفر کو التوا میں ڈال دیا۔

تاسیس خلافت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال پُر ملال نے مسلمانوں کے اوسان خطا کیے ہوئے تھے، انہیں سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ حالات کیا کروٹ لیں گے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اعلان نے انہیں تذبذب میں ڈال دیا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تقریر نے انہیں

Marfat.com

بحر تذبذب سے نکال کر یقین کے ساحل پر بٹھا دیا اور انہیں پتہ چل گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واقعی انتقال فرما گئے ہیں، چنانچہ وہ اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔

لیکن انصار کا ایک اچھا خاص گروہ سقیفہ بن ساعدہ میں جمع ہوا۔ مہاجرین میں سے چند حضرات سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کی معیت میں سیدنا ابوبکر کے محلہ بنی اشہل کی طرف روانہ ہوئے، اس جاں گداز حادثہ کے کچھ دیر بعد ایک شخص سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس یہ خبر لایا کہ سعد بن عبادہ انصاری نے قیفہ بنی ساعدہ میں انصار کا مجمع لگا رکھا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانشینی کا مسئلہ در پیش ہے۔ خبر دینے والے نے یہ بھی بتایا کہ اگر آپ دونوں حضرات کو امت کی مصلحت پیش نظر ہے تو قبل اس کے کہ اس بارے میں وہ کوئی فیصلہ کریں، فوری طور پر وہاں پہنچ جائیے۔ ادھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسد اطہر تکفین و تجہیز کے بغیر چارپائی پر رکھا ہوا تھا۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو فکر لاحق ہوئی کہ مبادا انصار عجلت میں کسی شخص کے ہاتھ پر بیعت نہ کر بیٹھیں اور بعد میں وہ فتنہ کا سبب اور مسلمانوں کے لیے مصیبت بن جائے، چنانچہ وہ دونوں حضرات فوری طور پر اس طرف روانہ ہو گئے، ادھر سے دو نیک فطرت انصار تشریف لا رہے تھے جنہوں نے مہاجرین کا ذکر کرنے کے بعد سقیفہ میں جمع شدہ لوگوں کی حقیقت بیان کی۔ پھر ان دونوں نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ان کا ارادہ دریافت کیا۔ مختصر یہ کہ یہ دونوں حضرات (سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ) فوری طور پر سقیفہ بنی ساعدہ تشریف لے گئے اور نہایت حکمت عملی سے اس مسئلہ کو حل کیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت ہونے سے خلافت کا یہ مسئلہ ختم ہو گیا۔ (اس مسئلہ کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب ''ابوبکر الصدیق'' میں تفصیل سے بیان کر دی ہے، وہاں اس کو دیکھ لیا جائے۔)

''تاسیس خلافت'' کے بعد آپ کے جسد مبارک کی تجہیز و تکفین کا اہتمام شروع ہوا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس پلنگ پر انتقال فرمایا تھا، وہ پلنگ بدستور اسی جگہ پر تھا اور غم زدہ اعزاء و اقارب اس کے اردگرد پریشان حال بیٹھے ہوئے تھے، اب تدفین کے لیے سب سے پہلی بات یہ سامنے آئی کہ آپ کی قبر مبارک کہاں ہو؟ اس بارے میں تین رائیں سامنے آئیں:

① آپ کی تدفین مکہ مکرمہ میں ہو جسے آپ کا مولد ہونے کا فخر حاصل ہے۔ آپ کے مولد ہی کو آپ کا مدفن بنایا جائے، لیکن اس رائے سے اتفاق نہ کیا گیا۔

② بیت المقدس چونکہ اکثر انبیاء کرام علیہم السلام کی آخری آرام گاہ ہے، لہٰذا آپ کو بھی وہیں دفن کیا جائے، لیکن اس رائے سے اکثر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے اختلاف کیا

Marfat.com

کیونکہ بیت المقدس پر بازنطینی حکومت کا قبضہ تھا جس سے مسلمانوں کی دشمنی تھی۔

③ اس سلسلہ میں تیسری رائے یہ تھی کہ جس بستی کے باسیوں نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کے لیے اپنے دروازے چوپٹ کھول دیئے تھے اور جنہیں رسول اللہ ﷺ کی نصرت کا شرف حاصل ہوا، اسی شہر میں (مدینہ منورہ میں) آپ کو دفن کیا جائے، اس رائے سے سب نے اتفاق کیا۔

اب مرقد کے لیے جگہ کون سی ہو؟ اس میں بھی مختلف آراء سامنے آئیں:

① پہلی رائے یہ تھی کہ مسجد نبوی میں منبر کی جگہ پر آپ کو دفن کیا جائے۔

② دوسری رائے یہ تھی کہ مسجد نبوی میں مصلیٰ کی جگہ پر آپ کو دفن کیا جائے جہاں امامت کے فرائض کے لیے آپ کھڑے ہوتے تھے۔

مرقد کے بارے میں دونوں آراء مسترد ہوگئیں اور مسترد ہونے کی وجہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ روایت تھی کہ ''علالت کے آخری ایام میں جب سرکار دو عالم ﷺ نے سیاہ رنگ کی ردا اوڑھ رکھی تھی، اچانک آپ کی تکلیف میں اضافہ ہوگیا جس کی وجہ سے آپ کبھی چادر کا دامن چہرہ پر ڈال دیتے اور کبھی اس کو دوسری طرف پھینک دیتے، اسی اضطراب اور پریشانی میں آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے:

لعن اللہ الیھود والنصاری اتخذوا قبور انبیاء ھم مساجد.

''اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔''

ابھی یہ مسئلہ حل نہیں ہوا تھا کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے خود اپنے کانوں سے سرور کائنات ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے: ''نبی کی روح جس جگہ پر قفس عنصری سے پرواز کرتی ہے، اس کی تدفین بھی وہیں ہوتی ہے۔ چنانچہ فیصلہ یہ ہوا کہ حجرہ مبارکہ میں آپ کو دفن کردیا جائے چنانچہ جہاں پلنگ پڑا ہوا تھا وہیں آپ کی قبر مبارک کھودنے کا فیصلہ ہوگیا۔

منگل کے روز آپ کو جب غسل دینے کا ارادہ کیا تو سوال پیدا ہوا کہ آپ کے کپڑے اتار کر غسل دیا جائے یا بغیر کپڑے اتارے غسل دیا جائے؟ ابھی اس بارہ میں کوئی فیصلہ نہیں ہوا تھا کہ یک لخت سب پر ایک غنودگی طاری ہوگئی اور ہاتف سے آواز آئی کہ اللہ کے رسول کو برہنہ نہ کرو، کپڑوں ہی میں غسل دو، چنانچہ آپ کو کپڑوں ہی میں غسل دیا گیا۔

غسل میں قرابت دار ہی شریک تھے اور انہیں ہی شریک ہونا چاہیے تھا۔ سیدنا علی

Marfat.com

بن ابی طالب رضی اللہ عنہ جسد اطہر کو مل رہے تھے۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اور آپ کے دو صاحبزادے فضل اور قثم پردہ کیے ہوئے تھے۔ بعض روایات میں ہے کہ کروٹیں بدل رہے تھے اور سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک غلام شقران پانی ڈال رہے تھے۔ غسل کے دوران جسد اطہر کو ملنے کے باعث خوشبو کی لپٹوں کی وجہ سے درو دیوار مہک اٹھے جس پر سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

بابی انت و امی ما اطیبک حیا ومیتا۔

''میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نثار ہوں۔ زندگی میں بھی اس جسدِ اطہر سے مہک آتی رہی اور اب بھی۔'' (البدایہ والنہایہ: ۵/۲۶۰)

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غسل کے لیے پانی ''غرس'' نامی کنویں سے لایا گیا جو قبا کے قریب ہے اور یہ سعد بن خیثمہ کی ملکیت تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر و بیشتر اس کنویں کا پانی نوش فرمایا کرتے تھے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((نعم البئر بئر غرس ھی من عیون الجنة وماء ھا اطیب المیاہ))

''غرس کا کنواں بہترین کنواں ہے اور یہ جنت کے چشموں میں سے ایک ہے اس کا پانی نہایت پاکیزہ ہے۔''

(السیرۃ النبویہ لابن کثیر: ۴/۴۹۵، البدایہ والنہایہ: ۷/۲۴۴-۲۴۵)

اس پانی میں بیری کے پتے ملائے گئے۔

بعد ازاں سحول کے بنے ہوئے تین کپڑوں میں آپ کو کفن دیا گیا، جو تینوں چادریں تھیں، ان میں قمیص اور عمامہ نہ تھا، دو چادریں یمن کی بنی ہوئی تھیں اور چار دھاری دار تھی، وہ کپڑے جن میں آپ کو غسل دیا گیا تھا، کفن پہناتے وقت اتار لیے گئے۔ تکفین سے فارغ ہو کر جسد اطہر کو زیارت کے لیے رکھ دیا گیا۔ زائرین مسجد سے گزر کر آخری دیدار کے لیے آنے لگے اور درود و سلام کا ہدیہ بارگاہ نبوت میں پیش کرتے ہوئے اشکبار آنکھوں سے لوٹتے رہے۔

(بخاری: ۱/۱۶۹، مسلم: ۱/۳۰۶)

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ مرقد کے مقام کا تعین تو ہو گیا کہ نبی کی جائے وفات ہی اس کا مدفن ہوتی ہے۔ چنانچہ جہاں آپ کی چارپائی پڑی تھی وہیں آپ کی قبر مبارک بنانے کا فیصلہ ہوا۔ لیکن پھر آپس میں ایک اختلاف یہ ابھرا کہ قبر کس قسم کی کھودی جائے؟ عرب میں دو قسم کی

Marfat.com

قبر کھودی جاتی تھیں: (1) بغلی اور (2) لحد والی۔ مکہ میں بغلی قبر کا رواج تھا جبکہ اہل مدینہ لحد والی قبر کھودتے تھے۔ سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بغلی قبر کے ماہر تھے اور سیدنا ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ (زید بن سہیل) جو اہل مدینہ میں گویا گورکن تھے، لحد والی قبر کھودنے میں مشہور تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اختلاف مناسب نہیں۔ دونوں حضرات کے پاس ایک ایک آدمی بھیجا جائے جو پہلے آجائے اس سے قبر کھدوائی جائے۔ (ابن ماجہ)

لوگوں نے اس رائے کو پسند کیا، چنانچہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب نے دونوں حضرات کی طرف آدمی بھیج کر انہیں بلایا اور فیصلہ یہ ہوا کہ دونوں حضرات میں سے جو شخص پہلے آجائے وہ اپنے طریقہ کے مطابق قبر تیار کرے گا۔ سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ گھر پر موجود نہ ہونے کی وجہ سے نہ آسکے اور ابو طلحہ رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے، چنانچہ قبر اہل مدینہ کے طریقہ کے مطابق لحد والی تیار کی گئی۔ (زرقانی: ۸/۲۸۹، ابن سعد: ۲/۵۹)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ منگل کے روز جب آپ کی تجہیز و تکفین سے فراغت ہوگئی تو جسد اطہر کو قبر کے کنارے پر رکھ دیا گیا۔ اب ایک ایک گروہ حجرہ مبارک میں آتا تھا، اور نماز جنازہ پڑھ کر باہر آجاتا تھا۔ ان میں سے کوئی امامت نہ کراتا بلکہ ہر شخص تنہا نماز پڑھتا۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ آپ پر نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ جس طرح لوگوں کی نماز جنازہ ایک امام کو آگے کھڑا کر کے پڑھی جاتی ہے، آپ کی نماز جنازہ اس طرح نہیں ہوئی بلکہ اس طرح ہوئی ہے جیسا کہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک ایک گروہ حجرہ میں جاتا، تکبیر کہتا پھر درود اور دعا پڑھتا اور باہر آجاتا۔ پھر دوسرا گروہ جاتا اور وہ بھی اسی طرح کر کے واپس آجاتا۔ ایک روایت کے مطابق یہ طریقہ اپنی نماز جنازہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود ہی بتایا تھا۔

(ملاحظہ ہو شرح شمائل للمناوی: ۲/۲۷۴، زرقانی شرح المواہب: ۸/۲۹۱، زرقانی، شرح الموطا: ۲/۶۱)

اس طریقہ کے ساتھ قریباً تیس ہزار لوگوں نے آپ کی نماز جنازہ پڑھی۔

(زرقانی: ۸/۲۸۱)

ایک روایت میں ہے کہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایک گروہ کے ساتھ حجرہ مبارکہ میں داخل ہوئے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسد اطہر کے سامنے کھڑے ہو کر یہ پڑھا:

السلام علیک ایها النبی و رحمة الله، اللهم انا نشهد انه

Marfat.com

قد بلغ ما انزل الیه ونصح لامته وجاهد فی سبیل الله حتی اعز الله دینه وتمت کلمته فاجعلنا یاالهنا ممن یتبع القول الذی انزل معه واجمع بیننا وبینه حتی یعرفنا ونعرفه فانه کان بالمؤمنین رؤفًا رحیمًا. لانبتغی بالایمان بدلا ولا نشتری به ثمنا.

''اے اللہ کے نبی! آپ پر سلام اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔ ہم اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ آپ ﷺ نے وہ سب کچھ ہمیں پہنچا دیا جو آپ پر نازل کیا گیا۔ آپ نے امت کی ہمیشہ خیر خواہی کی اور اللہ کے راستہ میں ہمیشہ جہاد کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو غالب کیا اور اس کا کلمہ بلند ہوا۔ اے اللہ! ہمیں ان لوگوں میں سے کر دے جنہوں نے آپ کی نازل کردہ وحی کی اطاعت کی اور ہمیں آپ کے ساتھ جمع فرما تا کہ آپ ہم کو اور ہم آپ کو پہچانیں۔ آپ، اے اللہ کے رسول! مسلمانوں پر بڑے مہربان تھے۔ ہم نہ تو اپنے ایمان کا کوئی بدل چاہتے ہیں اور نہ اس کی کوئی قیمت۔''

جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ یہ کلمات پڑھ رہے تھے تو آپ کے ہر جملہ پر حجرہ نبوی میں موجود حضرات صدق زبان سے اس کی تائید میں آمین کہہ رہے تھے۔ (البدایہ والنہایہ: ۲۶۵/۵)

مردوں کی نماز جنازہ کے بعد عورتیں آئیں۔ ان کے بعد بچے آئے جو جناب رسول اللہ ﷺ کے فراق کی حسرت میں چہرۂ انور پر نظر کرتے۔ آپ کی وفات کی وجہ سے ہر زن و مرد دین کے انجام پر خائف تھا۔ مسلمانوں کا یہ خوف و ہراس بے سبب بھی نہ تھا کیونکہ سرکار دو عالم ﷺ کے انتقال کی خبر سے اطراف مدینہ کے یہود و نصاریٰ دونوں گروہ سرکشی پر آمادہ ہو گئے اور تو اور آپ کے اپنے مولد مکہ مکرمہ کے مسلمان بھی اسلام سے برگشتہ ہونے پر تل گئے۔

گورنر مکہ سیدنا عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ جنہیں سرکار دو عالم ﷺ نے گورنر مقرر فرمایا تھا، اس صورت حال کو دیکھ کر پریشان ہو گئے۔ اس نازک موقع پر سیدنا سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ کی فراست آڑے آئی، جنہوں نے مجمع عام میں رسول اللہ ﷺ کی رحلت کا تذکرہ فرماتے ہوئے کہا ''اس سے ہماری قوت میں ضعف نہیں آ سکتا۔ لوگو! سن لو، جس کسی نے بھی اسلام کے خلاف زبان کھولی، اس کی گردن اڑا دی جائے گی۔ ذرا سوچو تو سہی کہ تم تمام لوگوں کے بعد اسلام میں داخل

Marfat.com

ہوئے، مگر اسلام سے برگشتہ ہونے میں سب سے پہلے پیش قدمی کر رہے ہو۔ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ دنیا میں قریش کی برتری قائم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ ان ہی کے ہاتھ سے ان کی نصرت اور مدد کرائے گا۔

تدفین:

منگل کا سارا دن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی نماز جنازہ میں مشغول و مصروف رہے۔ بدھ کا سارا دن بھی اسی طرح رہا۔ بعض روایات میں ہے کہ پیر کو دوپہر کے وقت آپ کا انتقال ہوا۔ یہ وہی وقت تھا اور وہی دن تھا جب آپ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے تھے۔ جب تمام مسلمان مرد، بچے اور عورتیں آپ کے آخری دیدار سے فارغ ہو گئے تو آپ کی تدفین پر توجہ دی گئی۔ رسول اللہ ﷺ کے اوڑھنے کی سرخ چادر کا فرش بچھایا گیا، جو حضرات غسل میں شریک تھے، انہوں نے ہی اپنے ہاتھوں سے جسد اطہر کو قبر میں اتارا، چنانچہ بدھ کی رات کو آپ کی ''تدفین'' کی گئی۔ جب جسد اطہر کو لحد میں اتارا گیا تو اسے کچی اینٹوں سے ڈھانپ دیا گیا۔ قبر پر مٹی ڈالنے کے بعد اس کی شکل کوہان کی سی بنا دی گئی اور پانی چھڑکا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بیان کے مطابق آپ کو کسی میدان میں اس لیے دفن نہیں کیا گیا کہ آخری لمحوں میں آپ ﷺ کو یہ خیال تھا کہ لوگ فرط عقیدت و محبت سے میری قبر کو عبادت گاہ نہ بنالیں۔

(بخاری، کتاب الجنائز، باب الوفات)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ام المومنین کا بیان ہے کہ نصف شب کے قریب پھاؤڑوں اور کدالوں سے مٹی کاٹنے کی آواز سن کر اندازہ کیا گیا کہ جسد اطہر دفن کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آدھی رات کے وقت آپ کے دفن سے فارغ ہو کر کف افسوس ملتے ہوئے، حالات سے خائف، خون کے آنسو بہاتے ہوئے اور اس مصیبت کبریٰ پر ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' پڑھتے ہوئے اپنے گھروں کو واپس لوٹے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو دفن کرنے کے بعد مٹی سے ہاتھ ابھی جھاڑے نہیں تھے کہ تمام مدینہ میں ہمیں اندھیرا نظر آنے لگا۔ چنانچہ شمائل ترمذی میں سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ ''جس روز سرکار دو عالم ﷺ مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو مدینہ کی ہر شے میں ہمیں ایک روشنی اور نور نظر آتا تھا اور جس روز آپ ﷺ کا انتقال ہوا تو مدینہ کی ہر شے تاریک ہو گئی۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو دفن کر کے اپنے ہاتھوں سے مٹی نہ جھاڑی تھی کہ ہمارے دلوں

Marfat.com

میں تغیر سا پیدا ہو گیا۔''

(شمائل ترمذی، حدیث: ۳۷۴، ترمذی، باب المناقب، حدیث: ۳۶۲۲، ابن ماجہ، حدیث: ۱۶۳۱، جامع الاصول لابن اثیر: ۹/۴۰۳)

سرکار دو عالم ﷺ کے حجرۂ عائشہ رضی اللہ عنہا میں دفن ہونے کے بعد سیدہ صدیقہ اسی حجرہ میں اقامت پذیر رہیں جس کے ایک حصہ میں مرقد پیغمبر ﷺ تھی، وہ جوارِ رسول میں رہنے کو اپنے لیے باعث صد افتخار سمجھتی رہیں، بعد میں اسی حجرہ میں آپ کے دائیں جانب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مدفون ہوئے پھر سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی اسی حجرہ میں دفن کیے گئے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دفن ہونے کے بعد نقاب اور پورا پردہ کیے بغیر میں حاضر نہ ہوتی۔ بعض روایات میں اس کی وجہ سیدہ رضی اللہ عنہا نے یہ بتائی ہے کہ پہلا شخص جو اس حجرہ میں دفن ہوا وہ میرا شوہر تھا اور دوسرا میرا باپ تھا، لیکن عمر رضی اللہ عنہ غیر محرم تھا لہٰذا پردہ ضروری تھا۔

نفسی الفداء بقبر انت ساکنہ
فیہ العفاف وفیہ الجود والکرم

آخر میں ہم اپنی اس کتاب کو حضرۃ العلام مولانا سید مناظر احسن گیلانی نور اللہ مرقدہ کے ان الفاظ پر ختم کرتے ہیں جو انہوں نے اپنی سیرۃ کی کتاب ''النبی الخاتم'' میں ''شاہی دربار'' کے عنوان کے تحت رقم فرمائے ہیں۔ سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''عجب دربار! سلاطین کہتے ہیں کہ شاہی دربار تھا کہ فوج تھی، علم تھا، پولیس تھی، جلاد تھے، محتسب تھے، گورنر تھے، کلکٹر تھے، منصف تھے، ضبط تھا، قانون تھا، مولوی کہتے ہیں: مدرسہ تھا، درس تھا، وعظ تھا، افتا تھا، قضاۃ تھی، تصنیف تھی، تالیف تھی، محراب تھی، منبر تھا۔'' صوفی کہتے ہیں: ''خانقاہ تھی، دعا تھی، جھاڑ تھا، پھونک تھا، وظیفہ تھا، ذکر تھا، شغل تھا، تحنث (چلہ) تھا، گریہ تھا، بکا تھا، وجد تھا، حال تھا، کشف تھا، کرامت تھی، فقر تھا، فاقہ تھا، زہد تھا، قناعت تھی، کنکریاں دی جاتی تھیں کہ کھارے کنوؤں کا پانی میٹھا ہو جائے گا، بچوں کے سر پر ہاتھ پھیرا جاتا تھا، جس کو جو کہہ دیا جاتا ہے، پورا ہو جاتا ہے۔''

''مگر سچ تو یہ ہے کہ وہ سب کچھ تھا، اس لیے کہ وہ سب کے لیے آیا تھا،

Marfat.com

آئندہ جس کسی کو چلنا تھا، جہاں کہیں چلنا تھا، جس زمانہ میں چلنا تھا، اسی کی روشنی میں چلنا تھا۔"

رب اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علی وعلی والدی وان اعمل صالحا ترضاہ واصلح لی فی ذریتی انی تبت الیک وانی من المسلمین.

اللھم صل وسلم بارک علی حبیبک ونبیک وصفیک خاتم الانبیاء و سید الوری الذی قال: الانبیاء فی قبورھم احیاء وعلی آلہ المجتبی واصحابہ الکرماء وعلینا وعلی سائر امتہ یارب العالمین، یا ذاالجلال والاکرام. آمین.

رب صل وسلم دائما ابدا
علی حبیبک خیر الخلق کلھم

Marfat.com

دارالشعور کی شاہکار کتب

تفسیر ابن عباسؓ (3 جلد مکمل سیٹ)

مفسر اعظم: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما (المتوفی ۶۸ھ)

مؤلف: علامہ ابو طاہر محمد بن یعقوب الفیروز آبادی، صاحب القاموس، المتوفی ۸۱۷ھ

مترجم اردو: مولانا پروفیسر حافظ محمد سعید احمد عاطف صاحب مدظلہ

فاضل جامعہ اشرفیہ لاہور، استاد شعبہ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ ایم۔اے۔او کالج، لاہور۔

تفسیر ابن عباسؓ قرآن حکیم کی اولین جامع اور مقبول ترین تفسیر ہے۔ تفسیری ذخیرے میں امہاتِ تفاسیر میں اس کا شمار ہوتا ہے کیونکہ یہ دنیا کی پہلی باقاعدہ تفسیر ہے، جو حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کی ہے۔ ان کو حضور اکرم ﷺ نے قرآن فہمی کے لیے خصوصی دعا دی تھی۔

اسلام کا تصورِ توحید

حکیم محمود احمد ظفر

اسلامی عقائد میں سب سے بنیادی عقیدہ توحید پر ایک محققانہ کتاب۔

محبوبؐ کے دیس میں (سفر نامہ حج)

پروفیسر شکیب وجدانی

عشقِ رسولؐ کے جذبہ سے سرشار سفر نامہ۔

امداد السلوک

مولانا رشید احمد گنگوہی

تصوف کی ایک شاہکار کتاب

جدید فقہی مسائل

حضرت مولانا مفتی محمد اشرف عاطف

فاضل خیر المدارس، ملتان

روز مرہ زندگی میں پیش آنے والے جدید فقہی مسائل کا قرآن وحدیث کی روشنی میں حل۔

قرآنی دعائیں

شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ

قرآنِ حکیم میں انبیاء کرام کی مقبول دعاؤں کا مجموعہ

نماز کی کتاب

مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری

اس کتاب میں نماز کی شرائط و فرائض اور متعلقہ فضائل و مسائل جامعیت اور تفصیل کے ساتھ آسان اردو زبان میں مرتب کر دیئے گئے ہیں۔

Marfat.com

ناموں کی کتاب
منزہ عباس

ہزاروں ناموں میں سے اپنے بچے کے لیے خوبصورت نام کا انتخاب کیجیے

حلالہ
یوسف عباس

حلالہ پر ایک مثبت شرعی تحقیق

حُبِ رسول ﷺ اور صحابہ کرامؓ
حافظ محمد سعد اللہ

رسول اکرم ﷺ کے ساتھ صحابہ کرامؓ کی محبت کے عملی مظاہر

تحفۃ الہند
مولانا عبید اللہ سابق انت رام

اس کتاب کے مصنف مولانا عبید اللہ مالیر کوٹلوی، سابق انت رام، ہندو سے مسلمان ہوئے۔ پھر انہوں نے ہندو مذہب کی حقیقت کو اسلامی بصیرت کی روشنی میں طشت از بام کیا ہے۔ ہندوؤں کے فرقوں اور ان کے عقائد کا بیان، ان کے معبودوں اور عبادات کا ذکر، اسلام پر اعتراضات کے جوابات اور اسلام کی حقانیت کو روشن دلائل سے بیان کیا گیا ہے۔ یہ وہی کتاب ہے جسے مولانا عبید اللہ سندھیؒ پڑھ کر مسلمان ہوئے۔

معجزات انبیاء کرام
ظفر علی

انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا دلنشین تذکرہ۔

جہیز ایک سماجی لعنت
مولانا خورشید حسن قاسمی بی اے

مروجہ جہیز، سماجی برائیاں، اسلام میں عورتوں کے حقوق اور نکاح و طلاق قرآن و سنت کی روشنی میں

فلسفہ دعاء
مولانا پروفیسر فضل احمد عارف

دُعا کی حکمت فطرت انسانی اور جدید نفسیات کی روشنی میں

فتوح الغیب

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ   مترجم: مولانا محمد ادریس صاحب

ہم نے تصوف کے سلسلے کی بنیادی کتابیں چھاپنے کا بیڑا اُٹھایا ہے۔ اس سلسلے کی پہلی کتاب "فتوح الغیب" جو کہ امام ربانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نور اللہ مرقدہ کی عدیم النظیر اور مایہ ناز تصنیف ہے۔ جو "مقالاتِ غوثیہ" کے نام سے معروف ہے۔ اسے آپ کے صاحبزادے حضرت شیخ ابوعبدالرحمٰن عیسیٰ نور اللہ مرقدہ نے جمع فرمایا ہے۔ حضرت شیخ جیلانیؒ اس تصنیف میں انسانوں کی باطنی اور روحانی پاکیزگی کے علاوہ

Marfat.com

اُن کی معاشرت اور اخلاقیات کو بھی زیرِ بحث لائے ہیں۔ اس کتاب کے بازار میں کئی ایک ایڈیشن موجود ہیں۔ اُن کی عبارت مغلق، پیچیدہ اور مشکل الفہم ہیں۔ اس ترجمے کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ عام فہم، سلیس اور اُردو محاورے کے قریب تر ہے۔ اس کے علاوہ اس میں متعدد جگہوں پر مترجم نے مفید حواشی کا بھی اضافہ کیا ہے اور قرآنی آیات کے متن میں کمپیوٹر کتابت کے بجائے قرآنی رسم والخط ہی کو اختیار کیا گیا ہے۔ جس سے نا صرف کتاب کا حسن دوبالا ہو گیا ہے بلکہ قارئین بھی مطالعہ میں آسانی محسوس کریں گے۔

روحانی ڈاکٹر

مولانا عبدالرحمان عثمانی

قرآنی آیات کے عملیات پر مشتمل زندہ جاوید کتاب، جس سے بہت سے لوگوں کی پریشانیاں رفع ہو گئیں۔ اب تک کئی ایڈیشن نکل چکے ہیں۔

تفسیر المقام المحمود (آخری پارہ)

مفسر: مولانا عبید اللہ سندھیؒ مرحوم　　مؤلف: مولانا عبداللہ لغاری مرحوم

امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ کا قرآنی حکمت اور سیاست میں ایک ممتاز مقام ہے۔ آپ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فکر پر قرآنی اسرار و رموز میں امام تصور کیے جاتے ہیں۔ زیرِ نظر کتاب میں آپ نے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے علوم و افکار کی روشنی میں حکیمانہ انقلابی تفسیر کے ذریعہ قرآن حکیم سے عصر حاضر کے مسائل کا حل پیش کیا ہے۔

باکمال مسلمان عورتیں

مولانا عبدالقیوم ندوی

مسلمان عورتوں کے فضائل، مجاہدانہ کارنامے، ان کی بہادری اور شجاعت، تعلیم و تربیت میں خواتین کی ذمہ داریوں اور دیگر امور پر مفصل فاضلانہ تبصرے کیے گئے ہیں۔

مسلمان بیوی

ناز انصاری دہلوی

مسلمان بیوی کو کیسا ہونا چاہیے؟ اس کی خاندانی ذمہ داریوں اور تربیت اولاد کے حوالہ سے اس کے فکر و عمل کے زاویوں کو کھول کر بیان کیا گیا ہے۔ آج اس چیز کی سخت ضرورت محسوس کی جارہی ہے کہ ہماری خواتین کی تربیت درست خطوط پر ہو تا کہ وہ نئی نسل کو عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق تیار کر سکیں۔

Marfat.com

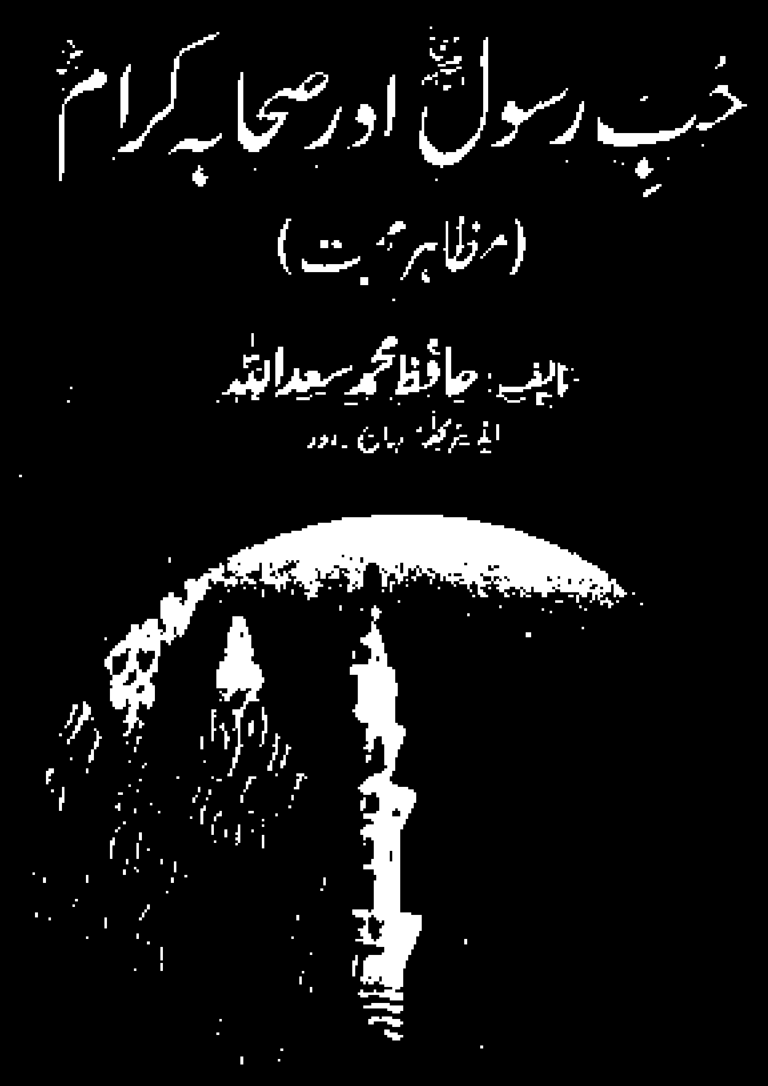

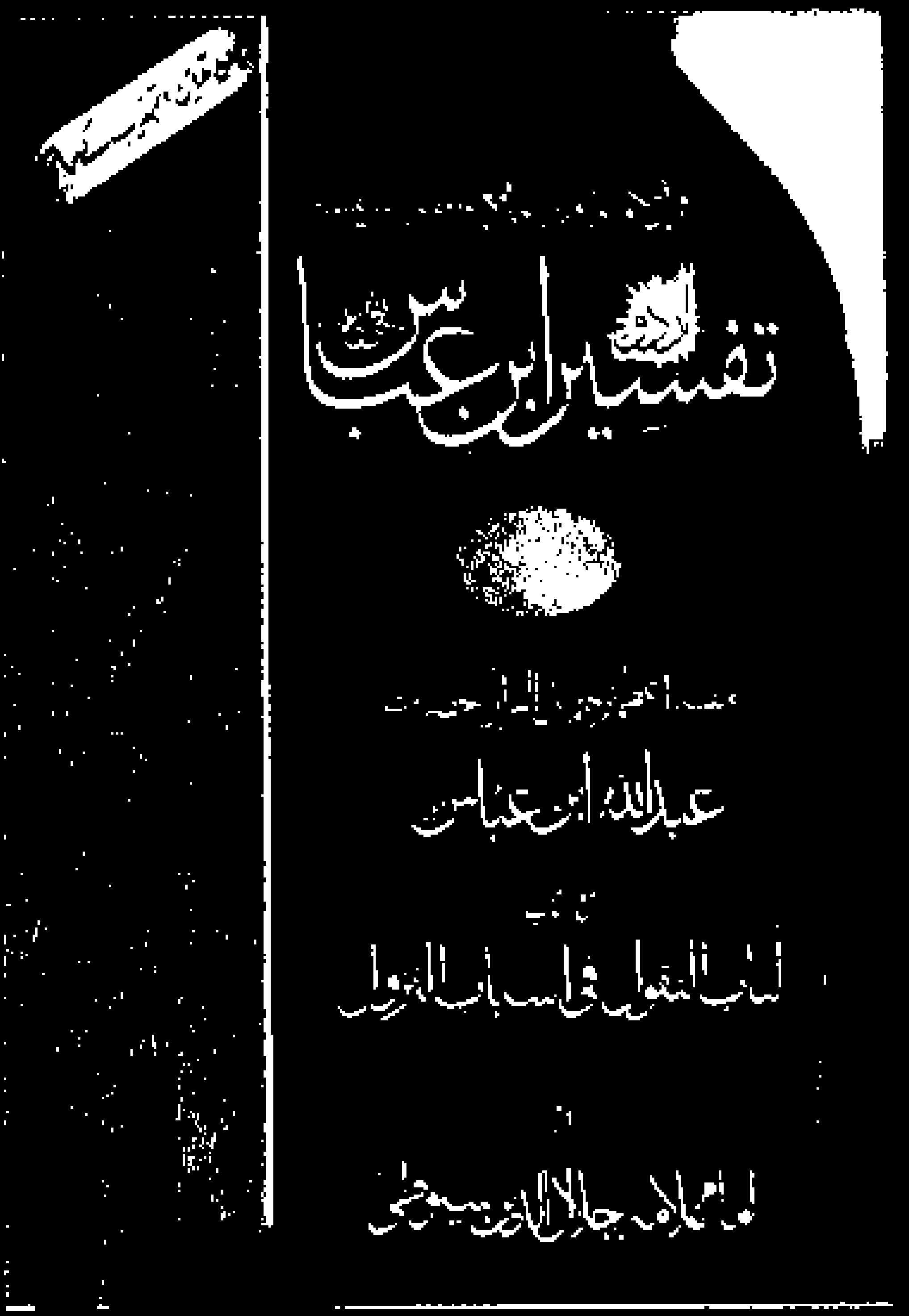

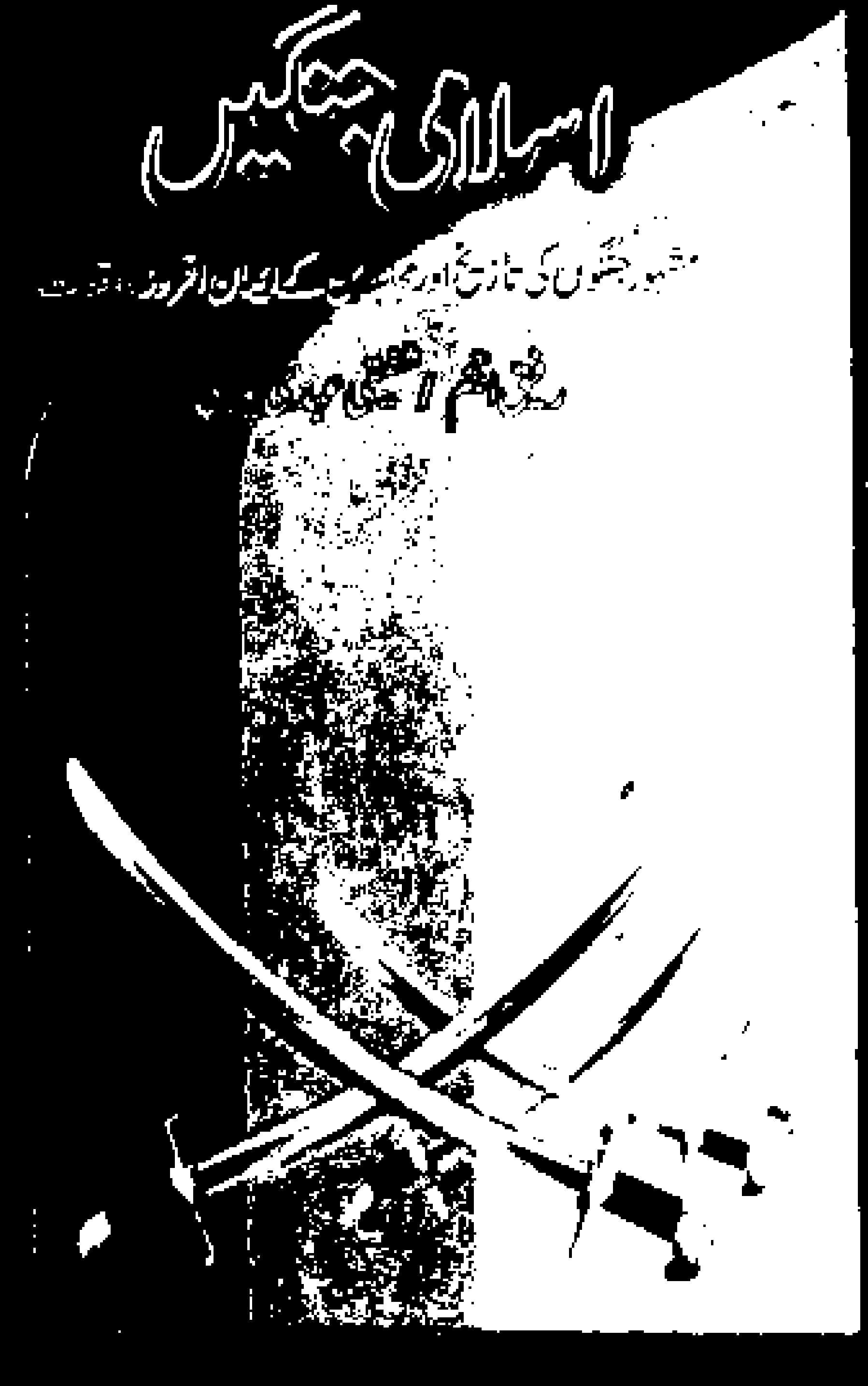

Design
0333-4349801

مکی دارالکتب

37۔مزنگ روڈ، بک سٹریٹ، لاہور، پاکستان
فون:042- 37239138-8460196
Email: m_d7868@yahoo.com

Marfat.com